افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

محدث دار العلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا حسین احمد صاحب پالن پوری

فاضل دار العلوم دیوبند

زمزم پبلشرز

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ
محدث دار العلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا حسین احمد صاحب پالن پوری
فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر
زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی

کتاب کا نام ——— تحفۃ الالمعی سنن الترمذی جلد پنجم

تاریخ اشاعت ——— جنوری ۲۰۱۱ء

باہتمام ——— احباب زمزم پبلشرز

ناشر ——— زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509
- مکتبہ دار الھدیٰ، اردو بازار کراچی۔ فون: 32711814
- دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

- **Madrasah Arabia Islamia**
  1 Azaad Avenue P.O Box 9786,
  Azaadville 1750 South Africa
  Tel : 00(27)114132786
- **Azhar Academy Ltd.**
  54-68 Little Ilford Lane
  Manor Park London E12 5QA
  Phone: 020-8911-9797
- **Islamic Book Centre**
  119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
  U.K
  Tel/Fax : 01204-389080
- **Al Farooq International**
  68, Asfordby Street Leicester LE5-3QG
  Tel : 0044-116-2537640

فہرست مضامین

أبواب اللباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

تقریب اختتام جلد اول

ترمذی شریف جلد ثانی کا آغاز

أبواب الأطعمة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

(اشیائے خوردنی کا بیان)

أبواب الأشربة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

(حسن سلوک، بدسلوکی، صلہ رحمی اور قطع رحمی کا بیان)

أبواب الطب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الفرائض عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الوصايا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الولاء والهبة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب القدر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الفتن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

عربی ابواب کی فہرست

أبواب اللباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الأطعمة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الأشربة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الطب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الفرائض عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الوصايا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الولاء والهبة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب القدر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الفتن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أبوابُ اللباس

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

لباس کے احکام

پہلے چند باتیں ذہن نشین کرلیں:

پہلی بات: لباس کے یہاں معروف معنی نہیں یعنی کپڑا پہننا ہی مراد نہیں بلکہ ''پہناوا'' مراد ہے یعنی جو بھی چیز بدن سے لگا کر پہنی جائے وہ لباس ہے، جوتا، چپل اور انگوٹھی وغیرہ بھی لباس کے دائرہ میں آتے ہیں بلکہ قرآن کریم نے تو زوجین کی ہم خوابی کو بھی ایک دوسرے کا لباس کہا ہے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ یعنی وہ تمہارا پہناوا ہیں اور تم ان کا پہناوا ہو (البقرہ آیت ۱۸۷) مگر احادیث میں یہاں تک تعمیم نہیں، بلکہ کسی بھی طرح پہنی جانے والی چیزیں مراد ہیں۔

دوسری بات: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ قسم اول مبحث ہفتم باب اول میں احادیث کی دوقسمیں کی ہیں:

پہلی قسم: وہ حدیثیں ہیں جن کا پیغام رسانی سے تعلق ہے یعنی جو حکم شرعی کے طور پر ارشاد فرمائی گئی ہیں، اس قسم کی احادیث میں چار قسم کی روایات شامل ہیں:

۱- معاد: یعنی آخرت سے تعلق رکھنے والی روایات، جیسے موت کے بعد قبر کی زندگی میں پیش آنے والے معاملات، میدان حشر کے واقعات، اور جنت وجہنم کے احوال اسی طرح ملکوت وجبروت کے عجائبات۔

۲- احکامات شرعیہ اور عبادتوں اور ارتفاقات کے انضباطات۔

۳- عام حکمتیں اور مطلق مصلحتیں، یعنی مفید اور غیر مفید باتیں جن کا نہ کسی خاص وقت سے تعلق ہوتا ہے اور نہ ان کی حدود متعین کی جاتی ہیں، جیسے اخلاق صالحہ اور اخلاق ذمیمہ کا بیان۔

۴- اعمال صالحہ کے فضائل اور عمل کرنے والوں کے مناقب۔

دوسری قسم: وہ حدیثیں ہیں جن کا پیغام رسانی سے تعلق نہیں، بلکہ وہ دنیوی امور میں ایک رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں، جیسے کھجوروں کو گابھا دینے کے معاملہ میں آپ کے تین ارشادات اسی قبیل سے ہیں۔

اس دوسری قسم میں پانچ طرح کی روایات شامل ہیں:

۱- علاج ومعالجہ اور طب سے تعلق رکھنے والی روایات جو آگے ابواب الطب میں آرہی ہیں، اسی طرح وہ روایات جن میں اچھے برے گھوڑوں کی پہچان بتائی گئی ہے یہ روایات ابواب الجہاد باب ما یُستحب من الخیل میں گذر چکی ہیں، ان روایات کا مدار تجربہ پر ہے، آپؐ نے یہ باتیں پرکھ کی بنیاد پر بتائی ہیں۔ یہ ایسے احکام شرعیہ نہیں ہیں جن پر عمل واجب ہو۔

۲- امور عادیہ یعنی وہ روایات جن میں آپؐ کی عادات شریفہ کا ذکر آیا ہے یعنی آپؐ نے وہ کام عبادت (حکم شرعی) کے طور پر نہیں کئے بلکہ آپؐ کے زمانہ کا رائج طریقہ یہی تھا، جیسے چمڑے کے دسترخوان پر کھانا، لکڑی کے پیالہ میں پینا، اور کھجور کے درخت کی چھال بھرے بستر پر سونا وغیرہ۔

۳- عام مروجہ باتیں: یعنی وہ روایات جن میں ایسی باتیں مذکور ہیں جیسی باتیں سبھی لوگ کیا کرتے ہیں، جیسے حدیث ام زرع اور حدیث خرافہ وغیرہ۔

۴- ہنگامی ارشادات یعنی وہ روایات جن میں کوئی ایسی بات بیان کی گئی ہے جس کا تعلق وقت کی خاص مصلحت سے ہے، وہ تمام امت کے لئے لازم نہیں جیسے دورانِ جنگ کوئی شعار مقرر کرنا۔

۵- کوئی خاص حکم اور فیصلہ جس کا مدار گواہیوں اور قسموں پر ہو کہ اگر وہ بدل جائیں یا ان سے قوی ذریعہ معلومات سامنے آجائے تو وہ حکم بھی بدل جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ میں صرف قسم اول کی روایات کی شرح کی ہے، قسم دوم کو نہیں لیا۔ مگر حدیث کی کتابوں میں یہ فرق نہیں کیا گیا اور محدثین کے لئے یہ بات ممکن بھی نہیں، ان کے لئے تو سبھی روایات کو لینا ضروری ہے۔ اس لئے اب جو ابواب شروع ہو رہے ہیں ان کو پڑھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ وہ سب احکام شرعیہ نہیں ہیں بلکہ کچھ آداب اسلامیہ بھی ہیں جیسے مردوں کے لئے سونا اور ریشم حرام ہیں، یہ حکم شرعی ہے اور ایک چپل پہن کر چلنا ممنوع ہے کیونکہ .. بے ڈھنگا پن ہے، مگر یہ کوئی شرعی حکم نہیں کہ اس کی خلاف ورزی سے آدمی گنہ گار ہو۔

ادب: کی تعریف: مَا یُحْمَدُ فِعْلُه وَلَا یُذَمُّ تَرْکُه یعنی اگر وہ کام کیا جائے تو واہ واہ، اور اگر نہ کیا جائے تو کوئی بات نہیں، یعنی اگر وہ کام کیا جائے تو اس پر ثواب ملے گا، اور نہ کیا جائے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، پس دوسری قسم کی احادیث آداب کے قبیل کی ہیں۔ فقہاء کرام نے بھی سنتوں کی دو قسمیں کی ہیں: سنن ہدی یعنی احکامات شرعیہ

اور سنن زوائد یعنی زائد باتیں، اور فقہ کی کتابوں میں عام طور پر سنن ہدی کو لیا گیا ہے، سنن زوائد کو چھوڑ دیا گیا ہے، مگر محدثین کرام کے لئے یہ امتیاز کرنا مشکل تھا اس لئے وہ ہر طرح کی حدیثیں لائے ہیں، اس لئے حدیثیں پڑھتے ہوئے آپ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ کونسی باتیں سنن ہدی کے قبیل کی ہیں اور کونسی باتیں سنن زوائد کے قبیل کی، اول کو اپنانا لازم ہے اور ثانی پر عمل استحباب کے درجہ میں ہے۔

تیسری بات: لباس کے تعلق سے قرآن کریم میں سورۃ الاعراف آیت ۲۶ میں تین ہدایتیں آئی ہیں: ایک: یہ کہ لباس کا بنیادی مقصد پردہ کے بدن کو چھپانا ہے، دوم: یہ کہ لباس سے زینت اور زیبائش حاصل ہوتی ہے جیسے پرندہ پروں سے مزین ہوتا ہے انسان بھی پورے بدن پر لباس پہنے ہوئے ہو تو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ سوم: یہ کہ لباس میں پرہیزگاری کا خیال رکھنا ضروری ہے، ارشاد پاک ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا، وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ، ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ	اے انسانو! ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس مہیا کیا ہے جو تمہارے پردہ کے بدن کو چھپاتا ہے اور زیبائش ہے اور پرہیزگاری کا لباس: یہ اس سے بھی بہتر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت پذیر ہوں

تفسیر: یہ آیت آدم وحواء علیہما السلام کے واقعہ کے بعد فوراً آئی ہے، ان دونوں حضرات نے جب شجرۂ ممنوعہ کھایا تو دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہو گیا، اور دونوں اپنے اوپر جنت کے درختوں کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے، پھر وہ زمین پر اتارے گئے اور زمین میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ایسا لباس مہیا کیا جس کا بنیادی مقصد ستر عورت ہے، عورت (ننگاپا) امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف آگے پیچھے کی شرمگاہیں ہیں اور دوسرے فقہاء کے نزدیک ناف کے نیچے سے گھٹنے کے نیچے تک کا بدن ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کندھوں تک بدن چھپانے کو ضروری قرار دیتے ہیں، جسم کے اس حصہ کو اس طرح چھپانا ضروری ہے کہ کپڑے کے اوپر سے بھی اعضاء نہ جھلکیں، اگر ایسا چست لباس پہنا کہ اعضاء کی ہیئت محسوس ہو تو یہ ننگا رہنا ہی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے خبر دی ہے کہ ایسی عورتیں ہونگی جو کپڑے پہنے ہوئے ہونگی مگر ننگی ہونگی وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھیں گی، یعنی انھوں نے لباس ایسا پہنا ہوگا کہ ستر عورت کا مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہوگا وہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی (مسلم شریف حدیث ۲۱۲۸) اور یہ بات جو عورتوں کے تعلق سے فرمائی گئی ہے: مردوں کے تعلق سے بھی ہے، آج کل لوگ پتلون پہنتے ہیں اور شرٹ کمر تک ہوتا ہے اور مستور اعضاء واضح طور پر محسوس ہوتے ہیں، یہ ننگا ہونا ہی ہے پس ایسے لباس سے احتراز چاہئے کیونکہ یہ لباس مقصد لباس کی تکمیل نہیں کرتا۔

چوتھی بات: تقوی کا لباس: وہ لباس ہے جس میں جائز ناجائز امور کا خیال رکھا گیا ہو، یہی پرہیزگاری کا لباس

ہے، تقوی ایک باطنی چیز ہے اس کا نمونہ سامنے آئے تو اس کا پہچاننا آسان ہوتا ہے چنانچہ علماء نے ضابطہ بیان کیا ہے کہ پرہیز گاری کا لباس وہ ہے جو نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیب تن فرماتے تھے مگر چونکہ دنیا کی تمام تہذیبیں اور ملکوں کے سردی گرمی کے احوال یکساں نہیں اس لئے ہر زمانہ میں اور ہر جگہ جو نیک لوگوں کا لباس ہے وہ بھی سنت ہے، یعنی لباس کی کوئی خاص ہیئت متعین نہیں کی گئی جیسے کوئی عمامہ باندھتا ہے، کوئی دوپلی ٹوپی پہنتا ہے اور کوئی گول ٹوپی اوڑھتا ہے اسی طرح کوئی گول کرتا پہنتا ہے کوئی چاک والا، یہ بھی مسنون لباس ہیں، پس کسی خاص ہیئت پر اصرار نہیں کرنا چاہئے، یا جیسے گرم علاقوں میں لنگی پہننے کا رواج ہے اور ٹھنڈے علاقوں میں پاجامہ پہننے کا، بلکہ تنگ پاجامہ پہنتے ہیں کیونکہ وہاں کے موسم کا یہی تقاضہ ہے پس یہ سب تقوی کا لباس ہے۔

بابُ ماجاء فِي الْحَرِيْرِ و الذَّهَبِ لِلرِّجَالِ

مردوں کے لئے سونا اور ریشم حرام ہیں

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حُرِّمَ لباسُ الحريرِ والذَّهبُ على ذكور أمتي، وَأُحِلَّ لِإنَاثِهم: میری امت کے مردوں کے لئے ریشم کا لباس اور سونا حرام کیا گیا، اور ان کی عورتوں کے لئے یہ دونوں چیزیں حلال کی گئیں۔

تشریح: سونا اور ریشم مردوں کے لئے تین وجوہ سے حرام کئے گئے ہیں:

پہلی وجہ: یہ دونوں چیزیں طبیعت اور مزاج میں زنانہ پن پیدا کرتی ہیں اور مردوں کے لئے مردانگی مطلوب ہے، البتہ عورتوں کے لئے زنانہ پن مطلوب ہے اس لئے یہ دونوں چیزیں عورتوں کے لئے حلال کی گئیں اور مردوں کے لئے حرام کی گئیں۔ اس وجہ کی طرف سورۃ الزخرف آیت ۱۸ میں اشارہ آیا ہے کہ گہنوں میں پلنا عورتوں کی شان ہے: ﴿أَوَمَنْ يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ﴾ البتہ جنت میں یہ دونوں چیزیں جائز ہونگی، اس لئے دنیا میں جنت کے نمونہ کے طور پر دونوں چیزوں کی تھوڑی مقدار مردوں کے لئے بھی جائز رکھی گئی ہے، باب میں دوسری حدیث ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام تشریف لے گئے تو آپ نے جابیہ مقام میں فوج کے سامنے ایک تقریر فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشم کی ممانعت فرمائی ہے مگر دو، تین یا چار انگشت کی اجازت دی ہے، چوڑائی میں اتنی مقدار اور لمبائی میں بلا قید مرد کے لئے ریشم حلال ہے، کیونکہ اتنی مقدار اول تو لباس کے دائرہ میں نہیں آتی یعنی اس کو پہناوا نہیں کہتے، پھر اتنی مقدار کی کبھی ضرورت پیش آتی ہے، انگرکھا اور شیروانی میں گوٹ لگانے کے لئے اس کی حاجت ہوتی ہے، نیز وہ جنت کے لباس کا پیکر محسوس بن کر نگاہوں کے سامنے رہے تو عمل صالح کی ترغیب ہوگی۔

اور سونا مطلق حرام کیا گیا ہے کیونکہ سونا اور چاندی ایک جنس ہیں اس لئے جنت کے زیور کے نمونہ کے طور پر ایک مثقال سے کم چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت دی گئی یعنی چار گرام کے بقدر چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، یہ انگوٹھی

جنت کے زیور کا پیکر محسوس بن کر نگاہوں کے سامنے رہے گی اور آدمی اس زیور کے شوق میں اعمال صالحہ کرے گا۔

دوسری وجہ: جو چیزیں عیش کوشی اور لذات دنیا میں سرشاری کا ذریعہ ہیں نبی ﷺ نے ان تمام چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، سونا اور ریشم کا لباس بھی آخرت فراموشی اور دنیا طلبی میں انہماک کا ذریعہ ہیں، ان کو حاصل کرنے کے لئے رات دن محنت کرنی پڑتی ہے، آدمی کاموں میں تھک کر چور ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رہتی ہے نہ آخرت کی تیاری کرسکتا ہے، بلکہ کبھی کردنی ناکردنی بھی کرنی پڑتی ہے اس لئے نبی ﷺ نے سونا اور ریشم کے لباس کو حرام قرار دیا تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ مگر عورتیں آرائش کی محتاج ہیں، وہ زیورات اور رنگ برنگے لباسوں سے بنتی سنورتی ہیں پھر گہنوں میں پلنا ان کی خصوصیت ہے اس لئے عورتوں کے لئے یہ دونوں چیزیں حلال کی گئیں۔

مگر عورت کے لئے بھی سونا اور چاندی صرف زیور میں جائز ہیں، سونے چاندی کے برتن، سرمہ دانی، کنگھی اور آئینہ وغیرہ عورت کے لئے بھی جائز نہیں، اور غیر مقطع زیور جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، غیر مقطع زیور: وہ ہے جو بڑا ایک ٹکڑا (ون پیس) ہو جیسے ہنسلی، چوڑی وغیرہ، اس کو محلّق (وہ زیور جو کسی عضو کا ہالہ بنا ہوا ہو) بھی کہتے ہیں۔ ایسے بڑے زیور کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک ہر زیور جائز ہے خواہ وہ مقطع (ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا یعنی چھوٹا زیور) ہو یا غیر مقطع (بڑا زیور) ہو، کیونکہ باب کی حدیث عام ہے چھوٹے بڑے ہر قسم کے زیور کو شامل ہے، اور سورۂ زخرف کی مذکورہ بالا آیت کے عموم سے بھی مطلقاً زیور کا جواز مستنبط ہوتا ہے، مگر دوسری رائے یہ ہے کہ عورت کے لئے صرف مقطع یعنی چھوٹا زیور جیسے انگوٹھی، بالی اور جو دھاگے میں پرویا ہوا ہو جائز ہے، عورت کے لئے بڑا زیور جائز نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے (عورتوں کو) سونا پہننے سے منع کیا ہے مگر مقطع کو مستثنیٰ کیا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۳۹۵) دوسری حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عورتو! کیا تمہارے لئے چاندی میں وہ چیز نہیں جس کے ذریعہ تم بناؤ سنگھار کرو؟ سنو! تم میں سے جو بھی عورت سونا پہنے گی جس کو وہ ظاہر کرے گی وہ اس کے ذریعہ سزا دی جائے گی (مشکوٰۃ حدیث ۴۴۰۳) یعنی عورتیں سونے کے بڑے زیور کی نمائش کرتی ہیں اس لئے وہ ممنوع ہے، جمہور کے نزدیک یہ وعید کی حدیثیں ہیں جن سے حکم شرعی ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ وعید کی مختلف وجوہ ہوسکتی ہیں مثلاً زکوٰۃ ادا نہ کرنا، زیور کی نمائش کرنا وغیرہ (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۵۰۵-۵۰۷ میں ہے)

تیسری وجہ: زیب وزینت اور جمال تو پسندیدہ ہے حدیث میں ہے: إن اللہ جمیلٌ یُحِبُّ الجمال۔ اللہ تعالیٰ نہایت موزون ہیں وہ موزنیت کو پسند فرماتے ہیں، مگر یہ چیز ٹھاٹھ کی حد تک پہنچ جائے تو وہ پسندیدہ نہیں، کیونکہ ٹھاٹھ نفس میں غرور وتکبر پیدا کرتا ہے اور غرور یہ نہیں ہے کہ آدمی کو اچھا پہننا اوڑھنا پسند ہو بلکہ غرور دو چیزوں کا نام ہے: حق بات کے سامنے اکڑنا یعنی مونچھ نیچی نہ ہوجائے اس لئے حق کا انکار کرنا۔ دوم: لوگوں کو نگاہوں سے گرادینا خود کو اچھا سمجھنا اور لوگوں کو حقیر جاننا، حدیث میں ہے: الکبر: بَطَرُ الحقِّ وغَمْطُ الناسِ، سونے اور ریشم

سے یہ برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں جولوگ ان چیزوں سے ٹھاٹھ کرتے ہیں ان میں اس بات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور عورتوں کے تعلق سے بھی۔ جو سونے کے بڑے زیور کی ممانعت آئی ہے اور اس پر وعیدیں سنائی گئی ہیں اس کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ چھوٹا زیور تو زنانہ پن پیدا کرے گا جو عورتوں میں مطلوب ہے لیکن اگر عورت سونے کے زیوروں میں لدی پھرے گی تو یقیناً اس کا سر آسمان پر چڑھ جائے گا اور دوسری عورتوں کی حیثیت اس کی نظر میں گر جائے گی، پس جو علماء سونے کا ون پیس زیور عورتوں کے لئے حرام کہتے ہیں اور ان کی تائید بھی حدیثوں سے ہوتی ہے وہ بھی ایک معقول بات ہے، پس حرام نہ سہی مکروہ تو ہوگا، اس لئے اپنی خواتین کو ترغیب دی جائے کہ وہ سونے کا چھوٹا زیور پہنیں، بڑا زیور نہ پہنیں۔

فائدہ: سونے اور ریشم کا عورتوں کے لئے جواز ان کے لئے دنیا میں انہماک اور آخرت فراموشی کا سبب نہیں بنتا، کیونکہ ان کو یہ چیزیں مرد فراہم کرتے ہیں، ان کو یہ چیزیں کمانی نہیں پڑتی بلکہ ان کے لئے یہ مال مفت ہے پس ان کی تحصیل آخرت کی طرف سے غافل نہیں کرے گی۔

أبواب اللباس

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء فى الْحَرِيرِ والذَّهَبِ للرِّجَالِ

[۱۷۱۰-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، ثَنَا عبدُ اللهِ بنُ نُمَيْرٍ، ثنَا عُبَيْدُ اللهِ بنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ أَبِىْ هِنْدٍ، عَنْ أَبِىْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيْرِ وَالذَّهَبُ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِىْ، وَأُحِلَّ لِإِنَاثِهِمْ"

وفى الباب: عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وَأُمِّ هَانِىءٍ، وَأَنَسٍ، وَحُذَيْفَةَ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وَعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ الزُّبَيْرِ، وَجَابِرٍ، وأَبِىْ رَيْحَانَةَ، وابنِ عُمَرَ، وَالْبَرَاءِ، هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۷۱۱-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ، ثَنِىْ أَبِىْ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ سُوَيْدِ بنِ غَفْلَةَ، عَنْ عُمَرَ: أَنَّهُ خَطَبَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ: نَهٰى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْحَرِيْرِ، إِلَّا مَوْضِعَ أُصْبُعَيْنِ، أَوْ ثَلَاثٍ، أَوْ أَرْبَعٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: الذهبُ کا عطف لباس پر ہے اور إِناثٌ: أُنْثٰی کی جمع ہے جس کے معنی ہیں عورت...... اور جابیہ

ملک شام کی ایک بستی ہے، دمشق سے جانب جنوب تقریباً پچھتر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ مقام فوجی چھاؤنی تھا، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس کی یہی حیثیت تھی۔ ۱۷ھ میں جب آپ نے شام کا سفر کیا تو یہاں فوج کے سامنے تقریر فرمائی، مذکورہ بات اسی تقریر میں ارشاد فرمائی ہے، کیونکہ عجمی اثرات سے فوج میں ریشم کے کپڑے پہننے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

بابُ ماجاء في لُبْسِ الْحَرِيْرِ فِي الْحَرْبِ

جنگ میں ریشم پہننے کا جواز

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما نے ایک جنگ میں نبی ﷺ سے جوؤں کی شکایت کی (ان کے بدن میں جوؤں کی وجہ سے خارش ہو گئی تھی اور کوئی کپڑا پہنا نہیں جا رہا تھا اور جنگ سامنے آ گئی تھی) آپؐ نے ان کو ریشم کا کرتہ پہننے کی اجازت دی، حضرت انسؓ کہتے ہیں: میں نے ان دونوں کو ریشم کا کرتا پہنے ہوئے دیکھا۔

تشریح: اگر کوئی مجبوری ہو مثلاً بدن میں خارش ہو جائے، چیچک نکل آئے یا جوئیں پڑ جائیں اور کوئی کپڑا پہنا نہ جائے تو ریشمی کپڑا پہننا جائز ہے، اسی طرح جنگی ضرورت سے بھی ریشم کا استعمال جائز ہے، کیونکہ ریشم کی چمک دشمن کی نظر کو خیرہ کرتی ہے، اور اس پر سے تلوار اچٹ جاتی ہے۔

رہی یہ بات کہ جنگ میں خالص ریشمی کپڑا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، خالص ریشمی کپڑا وہ ہے جس کے تانے اور بانے دونوں ریشم کے ہوں، جو دھاگے لمبے ہوتے ہیں وہ تانے کہلاتے ہیں اور جو دھاگے چوڑے ہوتے ہیں وہ بانے کہلاتے ہیں۔ پس اگر تانا، بانا دونوں ریشم کے ہوں تو وہ خالص ریشمی کپڑا ہے اور اگر ایک ریشم کا ہو اور دوسرا سوت کا تو وہ مخلوط ہے، اور جمہور کے نزدیک بشمول صاحبین مجبوری میں اور جنگ میں خالص ریشمی کپڑا پہننا جائز ہے، اور امام اعظمؒ کے نزدیک جنگ وغیرہ میں مخلوط ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت ہے، خالص ریشمی کپڑا پہننا کسی حال میں جائز نہیں۔

[۲-] باب ماجاء في لُبْسِ الْحَرِيْرِ في الْحَرْبِ

[۱۷۱۲-] حدثنا مَحْمُوْدُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، ثَنَا هَمَّامٌ، ثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بنَ عَوْفٍ، وَالزُّبَيْرَ بنَ الْعَوَّامِ شَكَيَا الْقَمْلَ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم فِي غَزَاةٍ لَهُمَا، فَرَخَّصَ لَهُمَا فِيْ قُمُصِ الْحَرِيْرِ، قَالَ: وَرَأَيْتُهُ عَلَيْهِمَا، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: علامہ شامی رحمہ اللہ نے حاشیہ درمختار (۵:۲۵۲) میں لکھا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک خالص ریشم جنگ میں مطلقا جائز نہیں بلکہ وہی ریشمی کپڑا جائز ہے جس کا صرف بانا ریشم کا ہو، بشرطیکہ وہ کپڑا موٹا بھی ہو۔ اور صاحبین کے نزدیک خواہ موٹا ہو خواہ باریک اور خواہ خالص ہو خواہ مخلوط: جائز ہے، مگر کراہیت میں کوئی اختلاف نہیں، یعنی صاحبین کے نزدیک بھی بہتر یہ ہے کہ خالص پتلا ریشمی کپڑا نہ پہنا جائے یہی حکم دیگر مجبوریوں میں بھی پہننے کا ہے۔

بابٌ

جنت میں ریشمی کپڑے

قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے کہ جنت میں ریشم کے کپڑے پہنائے جائیں گے کیونکہ ان میں غیر معمولی جمال وزینت ہے اور وہاں کوئی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں، جیسے جنت میں شراب پلائی جائے گی، کیونکہ اس میں سرور ونشاط ہوگا جنت کی شراب میں نشہ نہیں ہوگا جو فساد کا اندیشہ ہو۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ پہلے ریشم جائز تھا مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: دومۃ الجندل کے حاکم اُکَیْدَر نے ریشم کا جبہ آپ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا، اس میں یہ صراحت ہے کہ یہ واقعہ ریشم کی حرمت سے پہلے کا ہے، چنانچہ آپؐ نے اس کو زیب تن فرمایا، لوگ اس کو دیکھ کر حیرت کرتے تھے، پس باب کی حدیث میں بھی جو واقعہ ہے وہ حرمت سے پہلے کا ہے۔

حدیث: حضرت واقد (جو انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں) کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ سے مدینہ آئے، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے پوچھا: کون؟ میں نے عرض کیا: میں واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ ہوں، وہ رونے لگے اور فرمایا: تم حضرت سعدؓ سے بالکل مشابہ ہو، اور سعد بن معاذ لوگوں میں سب سے بڑے رتبہ والے اور دراز قد تھے، اور انھوں نے نبی ﷺ کے پاس ریشم کا ایک جبہ بھیجا تھا جس میں زری کا کام ہوا ہوا تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے اس کو پہنا، پس منبر پر چڑھے، پس کھڑے ہوئے یا بیٹھے (راوی کو شک ہے) پس لوگ اس کپڑے کو ہاتھ لگا کر دیکھنے لگے (اور تعجب کرنے لگے) پس انھوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے آج تک ایسا کپڑا ہرگز نہیں دیکھا! آپؐ نے فرمایا: ''تمھیں اس پر حیرت ہوتی ہے، سعد کے جنت میں تولیے اس سے بہتر ہونگے!''

[۳-] بابٌ

[۱۷۱۳-] حدثنا أَبُوْ عَمَّارٍ، ثَنَا الفَضْلُ بنُ مُوْسَى، عَنْ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو، ثَنِي وَاقِدُ بنُ عَمْرٍو

بنِ سَعْدِ بنِ مُعَاذٍ، قَالَ: قَدِمَ أَنَسُ بنُ مَالِكٍ، فَأَتَيْتُهُ، فَقَالَ: مَنْ أَنْتَ؟ فَقُلْتُ: أَنَا وَاقِدُ بنُ عَمْرٍو، قَالَ: فَبَكَى، وَقَالَ: إِنَّكَ لَشَبِيْهٌ بِسَعْدٍ، وإِنَّ سَعْداً كَانَ مِنْ أَعْظَمِ النَّاسِ وَأَطْوَلَ، وَإِنَّهُ بَعَثَ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم جُبَّةً مِنْ دِيْبَاجٍ، مَنْسُوْجٌ فِيْهَا الذَّهَبُ، فَلَبِسَهَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَصعِدَ الْمِنْبَرَ فَقَامَ أَوْ: قَعَدَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَلْمِسُوْنَهَا، فَقَالُوْا: مَا رَأَيْنَا كَالْيَوْمِ ثَوْبًا قَطُّ! فَقَالَ: "أَتَعْجَبُوْنَ مِنْ هٰذَا؟ لَمَنَادِيْلُ سَعْدٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا تَرَوْنَ"

وفي الباب: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: الديباج: ریشمی کپڑا جس کا تانا بانا ریشم کا ہو......منسوج: جبہ میں سونا بُنا ہوا تھا یعنی سونے کے تاروں سے اس میں پھول بوٹے بنے ہوئے تھے......مناديل: منديل کی جمع ہے، دستی رومال۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں پہننے کے کپڑوں کے علاوہ کپڑے بھی ریشم کے ہونگے، جیسے پلنگ پوش، پردے، تولیے وغیرہ ......اور أطول سے قد کی درازی مراد نہ ہو بلکہ رتبہ کی بلندی مراد ہو یہ بھی ممکن ہے۔

بابُ ماجاء في الرُّخْصَةِ فِي الثَّوْبِ الأَحْمَرِ لِلرِّجَالِ

مردوں کے لئے سرخ کپڑا جائز ہے

سرخ رنگ کے کپڑوں کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ترمذی ابواب الآداب میں اور ابوداؤد کتاب اللباس میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دو سرخ کپڑے پہنے ہوئے گذرا اس نے آپؐ کو سلام کیا، آپؐ نے جواب نہیں دیا (مشکوۃ حدیث ۴۳۵۳) اس حدیث کی سند میں ابو یحییٰ قتات ہے جو بہت اچھا راوی نہیں، لین الحدیث ہے، علاوہ ازیں المیثرۃ الحمراء یعنی چھوٹا سرخ تکیہ جس کو گھوڑ سوار اپنے نیچے رکھتا ہے اس کی بھی حدیث میں ممانعت آئی ہے، مگر اس کا لباس سے قریبی تعلق نہیں، غرض ممانعت کی کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔

دوسری طرف حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کسی پٹھے والے کو سرخ جوڑے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، آپؐ کے بال شانوں کو چھوتے تھے، آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان کچھ فاصلہ تھا اور جس کے شانوں میں فاصلہ ہوتا ہے اس کا سینہ چوڑا ہوتا ہے اور یہ بہادری کی علامت ہے، اور آپؐ نہ پستہ قد تھے نہ دراز قامت (یہ حدیث باب میں ہے)

تشریح: اس حدیث سے سرخ رنگ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ فقہاء کرام کے یہاں بھی مختلف اقوال ہیں، شرنبلالی نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں آٹھ اقوال ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک قول استحباب کا

بھی ہے۔اور سرخ ٹوپی کی اجازت تو بالاتفاق مروی ہے (شامی ۵:۲۵۳)

خلاصہ یہ ہے کہ تیز سرخ رنگ مردوں کے لئے ناپسندیدہ ہے یعنی مکروہ تنزیہی ہے اور ہلکا سرخ رنگ اور سیاہی مائل سرخی یعنی براؤن رنگ بغیر کراہیت کے جائز ہے۔

اور نبی ﷺ کے لباس میں جو سرخ جوڑے کا ذکر آتا ہے: حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ یمن کا بنا ہوا حِبَرَہ کپڑا تھا جس کی زمین سفید تھی اور اس میں سرخ دھاریاں تھیں، اذان کے بیان میں (تحفہ ۱:۵۱۳) حضرت سفیان کا یہ قول آیا ہے جیسے آج کل لال رومال اوڑھے جاتے ہیں، ان کی زمین سفید ہوتی ہے اور ان میں سرخ پھول ہوتے ہیں۔اور جس سرخ لباس پہننے والے کے سلام کا جواب آپؐ نے نہیں دیا تھا وہ احمر قانی یعنی شوخ سرخ رنگ کا کپڑا پہنے ہوئے ہوگا اور ایسا رنگ بہر حال ناپسندیدہ ہے۔

اور سرخ رنگ کی ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ یہ رنگ مست گن ہے جو مردوں کے شایانِ شان نہیں، البتہ عورتوں کے لئے زیبا ہے، اس لئے ان کے لئے جائز ہے۔

فائدہ: مونڈھوں تک لٹکی ہوئی زلفیں جَمَّہ کہلاتی ہیں اور کان کی لو سے بڑھی ہوئی زلفیں لِمَّہ کہلاتی ہیں اور کانوں تک زلفیں وَفْرَہ کہلاتی ہیں ان کو یاد رکھنے کا فارمولہ یہ ہے کہ حروف ہجاء کی ترتیب کے خلاف تینوں حالتیں ہیں، جب آپؐ زلفیں بنواتے تھے تو بال کانوں تک کٹواتے تھے یہ وفرہ ہیں، پھر وہ بڑھ کر آدھی گردن تک پہنچ جاتے تھے یہ لمہ ہیں، پھر جب بال بڑھتے تھے تو کندھوں کو چھوتے تھے یہ جمہ ہیں۔اس کے بعد آپؐ پھر پٹھے کٹوا لیتے تھے، مگر اس حدیث میں یہ سب تفصیل مراد نہیں، بلکہ مطلق زلفیں مراد ہیں (یہ حدیث شمائل کے بالکل شروع میں بھی ہے)

فائدہ: یہاں طلبہ ایک سوال پوچھتے ہیں کہ سر پر بال رکھنا سنت ہے یا منڈوانا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں سنت ہیں، نبی ﷺ نے احرام کھولتے وقت سر منڈوایا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ سر منڈواتے تھے اور نبی ﷺ اور صحابہ کا سروں پر بال رکھنا سننِ عادیہ میں سے تھا سننِ ہدی میں سے نہیں تھا، کیونکہ آپؐ نے نہ بال رکھنے کی ترغیب دی ہے نہ سر منڈانے کو ناپسند کیا ہے۔

لیکن صرف سر پر بال رکھنا ہی سنت نہیں ہے، عمامہ باندھنا بھی سنت ہے، پس جو طالب علم شرعی زلفیں رکھتا ہے اور عمامہ بھی باندھتا ہے وہ ٹھیک کرتا ہے اس کے عمل کو مسنون کہا جا سکتا ہے، لیکن جو طالب علم انگریزی بال رکھتا ہے اور ٹوپی بھی صرف مدرسہ کے ماحول میں پہنتا ہے ورنہ اتار کر ہاتھ میں لے لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں سنت پر عمل کر رہا ہوں تو یہ نفس کا دھوکہ ہے اس سے بچنا چاہئے، سادہ گناہ ہلکا ہوتا ہے اور سنت کو گناہ کا ذریعہ بنانا سنگین معاملہ ہے۔

[٤-] باب ماجاء فی الرُّخْصَةِ فی الثَّوْبِ الأَحْمَرِ لِلرِّجَالِ

[١٧١٤-] حدثنا مَحْمُوْدُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَاوَكِيْعٌ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِیْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: مَارَأَيْتُ مِنْ ذِیْ لِمَّةٍ فِیْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ أَحْسَنَ مِنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ، بُعَيْدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالطَّوِيْلِ.

وفی الباب: عَنْ جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ، وأَبِیْ رِمْثَةَ، وأَبِیْ جُحَيْفَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترکیب: من ذی لمة: بمنزلہٗ مفعول اول ہےاورفی حلة حمراء: کائن سے متعلق ہوکرمفعول اول کی صفت ہے اورأحسن: رأیتُ کامفعول ثانی ہے...... بُعَیْد کومصغر بھی پڑھ سکتے ہیں اور مکبّر بھی اور یہ مابعد کی طرف مُضاف ہے۔

بابُ ماجاء فی کَرَاهِیَةِ الْمُعَصْفَرِ لِلرِّجَالِ

مردوں کے لئے گیروارنگ ناپسندیدہ ہے

العُصْفُر: ایک زردرنگ کی بوٹی ہے جس سے رنگائی کی جاتی ہے،المُعصفر: عصفر سے رنگا ہوا کپڑا، اردو میں اس کو گیروا یعنی گہرے گلابی رنگ میں رنگا ہوا کپڑا کہتے ہیں، اس قسم کے کپڑے سادھوسنت اور پادری پہنتے ہیں اس لئے ان کی مشابہت کی وجہ سے شریعت نے مردوں کے لئے اس رنگ کو ناپسند کیا ہے، نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قسّی کپڑا پہننے سے اور گیروے رنگ کا کپڑا پہننے سے منع فرمایا ہے، یہ حدیث کتاب الصّلوٰۃ باب ۸۲ میں گذر چکی ہے۔

[٥-] باب ماجاء فی کراهیةِ المُعَصْفَرِ للرِّجَالِ

[١٧١٥-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ حُنَيْنٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: "نَهٰی رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ لُبْسِ الْقَسِّیِّ وَالْمُعَصْفَرِ"

وفی الباب: عَنْ أَنَسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، حديثُ عَلِیٍّ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی لُبْسِ الفِرَاءِ

پوستین پہننے کا بیان

الفِراءُ: الفَرْوُ کی جمع ہے، ریچھ یا لومڑی وغیرہ کی کھال جس سے دباغت کے بعد گرم کپڑا بنایا جاتا تھا اسی کو پوستین یعنی چمڑے کا کوٹ بھی کہتے ہیں، جس کے اوپر کی جانب میں یا اندر کی جانب میں بال ہوتے ہیں۔

پوستین پہننا جائز ہے کیونکہ درندوں کی کھالیں رنگنے سے پاک ہوجاتی ہیں اور بالوں میں تو حیات ہی نہیں اس لئے وہ پہلے سے پاک ہیں۔

حدیث: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے گھی، پنیر اور پوستین کا حکم دریافت کیا گیا، آپؐ نے فرمایا: حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (شریعت) میں حلال کیا ہے اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (شریعت) میں حرام کیا ہے اور جس چیز سے خاموشی اختیار کی ہے یعنی نفیاً یا اثباتاً اس کا حکم بیان نہیں کیا: وہ ان چیزوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے درگذر کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے علماء نے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ چیزوں میں اصل اباحت ہے، پس جس چیز کی حلت وحرمت کی قرآن وحدیث اور فقہ میں صراحت نہ ہو وہ مباح ہے۔

[٦-] باب ماجاء فی لُبْسِ الفِرَاءِ

[١٧١٦-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بنُ مُوْسَى الْفَزَارِيُّ، ثَنَا سَيْفُ بنُ هَارُوْنَ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ، عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: سُئِلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ السَّمْنِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ فَقَالَ: "الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهِ، وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهِ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَى عَنْهُ"

وفي الباب: عَنِ الْمُغِيْرَةِ، هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

وَرَوَى سُفْيَانُ وَغَيْرُهُ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ قَوْلَهُ، وَكَأَنَّ الحديثَ الْمَوْقُوْفَ أَصَحُّ.

وضاحت: یہ حدیث غریب بمعنی ضعیف ہے اس کی سند میں سیف بن ھارون البُرْجُمی أبو الوَرْقَاء الکوفی نہایت ضعیف راوی ہے، ابن حبان نے اس پر سخت تنقید کی ہے اور اسی کی سند سے یہ حدیث ابن ماجہ (حدیث ٣٣٦٧) اور مستدرک حاکم میں بھی مروی ہے، یہی راوی اس حدیث کو مرفوع کرتا ہے۔ اور سفیان ثوری وغیرہ جو مضبوط راوی ہیں وہ سلیمان تیمی سے اس حدیث کو موقوف روایت کرتے ہیں یعنی یہ سوال حضرت سلمانؓ سے کیا گیا تھا اور یہ جواب حضرت سلمانؓ نے دیا ہے، یہی رائے امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی ہے جس کا مصری نسخہ میں تذکرہ ہے، البتہ امام بخاریؒ نے سیف کو مقارب الحدیث کہا ہے۔

بابُ ماجاء فِي جُلُوْدِ الْمَيْتَةِ إِذَا دُبِغَتْ

مردار کی کھال رنگنے سے پاک ہوجاتی ہے

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ باب بہت لمبا لکھا ہے، اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ ماکول اللحم مردار کی کھال اور غیر

ماکول اللحم جانوروں کی کھالیں رنگنے سے پاک ہوتی ہیں یا نہیں؟ احناف کے نزدیک خنزیر اور انسان کے علاوہ تمام کھالیں رنگنے سے پاک ہوجاتی ہیں، ان پر نماز پڑھنا درست ہے، البتہ درندوں کی کھالوں کا استعمال پہننے اوڑھنے میں مکروہ ہے کیونکہ اس سے مزاج میں درندگی پیدا ہوتی ہے، ہاں خارجی استعمال جیسے دیوار پر زینت کے لئے یا بہادری کا مظاہرہ کرنے کے لئے لٹکانا جائز ہے۔

اور خنزیر کا استثناء اس کے نجس العین ہونے کی وجہ سے ہے، قرآن کریم میں صراحت ہے کہ خنزیر گندہ ہے پس وہ کسی بھی طرح پاک نہیں ہوسکتا، اور انسان کا استثناء اس کی کرامت کی وجہ سے ہے یعنی اس کی کھال پاک ہے مگر احترام انسانیت کی وجہ سے اس کا استعمال ممنوع ہے اور یہی حکم اعضائے انسان کا ہے، اگر ان کا استعمال موضع امتہان (پامالی) میں نہ ہو بلکہ کسی انسان کے جسم میں پیوندکاری کی جائے تو حالت اضطرار میں اس کی گنجائش ہے۔

اور فقہ حنفی میں ایک استثناء اور بھی ہے: جو کھالیں رنگی نہیں جاسکتیں جیسے: سانپ، مچھلی وغیرہ کی کھالیں وہ بھی پاک نہیں ہوسکتیں کیونکہ وہ دباغت کا اثر قبول نہیں کرتیں، مگر اب مشینری دور میں اس استثناء کی ضرورت نہیں رہی، مشین ہر کھال سے گوشت کے اجزاء علحدہ کردیتی ہے اور پتلی سے پتلی کھال کو بھی رنگ دیتی ہے۔

اور فقہ شافعی میں خنزیر کے ساتھ کتے کا بھی استثناء کیا گیا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کتا بھی نجس العین ہے۔ اور امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ اس مسئلہ میں دو وجہ سے مذبذب ہیں: ایک: إِهَاب: کس کو کہتے ہیں، فن غریب الحدیث کے امام نضر بن شمیلؒ کے نزدیک: إِهاب ماکول اللحم جانور کی کھال ہے، غیر ماکول اللحم کی کھال اہاب نہیں۔ دوم: روایتوں میں تعارض ہے، ایک: روایت یہ ہے کہ ایک بکری مرگئی نبی ﷺ نے اس کے مالکوں سے کہا: ''اس کی کھال کیوں نہیں نکال لیتے؟ پھر اس کو رنگ لو پس اس سے فائدہ اٹھاؤ'' اور قولی حدیث ہے: ''جونسا کچا چمڑا رنگ دیا جائے وہ یقیناً پاک ہوجاتا ہے''

دوسری حدیث عبداللہ بن عُکیم کی ہے وہ کہتے ہیں: ہمارے پاس نبی ﷺ کا وفات سے دو مہینہ پہلے خط آیا کہ مردار سے فائدہ مت اٹھاؤ، نہ کچے چمڑے سے اور نہ پٹھے سے، یہ حدیث چونکہ مؤخر ہے اس لئے ان ائمہ نے اس کو ناسخ قرار دیا، مگر اس حدیث میں اضطراب ہے، عبداللہ نے حضور ﷺ کی یہ تحریر خود نہیں دیکھی بلکہ قبیلۂ جہینہ کے کچھ لوگوں سے وہ یہ بات نقل کرتے ہیں اور وہ لوگ اللہ جانیں کون ہیں، اس لئے امام احمد رحمہ اللہ نے آخر میں رائے بدل لی، اب ان کی رائے وہی ہے جو جمہور کی ہے اور حضرت اسحاق کے مذہب کی حقیقت معلوم نہیں۔

ملحوظہ: مردار کی کھال دباغت سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ کتاب البیوع باب ٦٠ میں گذر چکا ہے۔

پہلی حدیث: وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی کہ ایک بکری مرگئی تھی الخ۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

براہِ راست نبی ﷺ سے بھی روایت کرتے ہیں اور اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے، پس وہ روایت جس میں حضرت میمونہؓ کا واسطہ نہیں وہ مرسل صحابی ہوگی۔

دوسری حدیث: أَيُّمَا إهابٍ دُبِغ فقد طَهُرَ: جو بھی کچی کھال رنگ دی گئی وہ یقیناً پاک ہوگئی۔

تشریح: غیر ماکول اللحم جانوروں کی کھالوں کو یہ حدیث شامل ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے حضرت اسحاق نے نضر بن شمیل کا قول لیا ہے، وہ فرماتے ہیں: اہاب ماکولُ اللحم کی کچی کھال کو کہتے ہیں، پس غیر ماکول اللحم کی کھال سے انتفاع جائز نہیں، نہ رنگنے سے پہلے اور نہ رنگنے کے بعد، اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں: اہاب مطلق کچی کھال کو کہتے ہیں، خواہ ماکول اللحم کی ہو یا غیر ماکول اللحم کی، مذبوحہ کی ہو یا غیر مذبوحہ کی، پس یہ حدیث ہر کھال کو شامل ہے، اور ہر کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے۔

تیسری حدیث: عبداللہ بن عُکیم (صحابی نہیں ہیں، مُخَضرم تابعی ہیں) کہتے ہیں: ہمارے (قبیلہ کے) پاس نبی ﷺ کا خط آیا کہ تم مردار کی کچی کھال سے اور پٹھے سے فائدہ مت اٹھاؤ۔

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: مردار کی کھال سے کسی ل میں انتفاع جائز نہیں، اور وہ حدیثیں جن میں دباغت کے بعد مردار کی کھال سے انتفاع کی اجازت دی گئی ہے وہ منسوخ ہیں، اور یہ حدیث ناسخ ہے کیونکہ اس کے بعض طرق میں یہ صراحت ہے کہ یہ خط آنحضور ﷺ کی وفات سے دو مہینے پہلے گیا تھا پس یہ حدیث بعد کی ہے اور ناسخ ہے، اور اباحت والی حدیثیں پہلے کی ہیں اور منسوخ ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کی بھی پہلے یہی رائے تھی مگر جب ان کے سامنے یہ بات آئی کہ عبداللہ بن عکیم نے خود وہ تحریر نہیں دیکھی بلکہ وہ قبیلہ کے لوگوں سے روایت کرتے ہیں اور وہ مجہول ہیں اس لئے آپ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا، اب وہ جمہور کے ساتھ ہیں، صرف اسحاق کا اختلاف باقی ہے۔

فائدہ: غیر ماکول اللحم جانور کو اگر بسم اللہ پڑھ کر شرعی طریقہ پر ذبح کرلیا جائے تو اس کا گوشت پاک ہوجاتا ہے اور کھال بھی، البتہ وہ گوشت کھانا حرام ہے، پس اگر وہ گوشت پانی میں گرجائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح ہوگی۔

[۷-] باب ماجاء فی جُلُوْدِ المَیْتَةِ إذَا دُبِغَتْ

[۱۷۱۷-] حدثنا قُتَیْبَةُ، ثنَا اللَّیْثُ، عَنْ یَزِیْدَ بنِ أَبِیْ حَبِیْبٍ، عَنْ عَطَاءِ بنِ أَبِیْ رَبَاحٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابنَ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ: مَاتَتْ شَاةٌ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم لِأَهْلِهَا: "أَلاَّ نَزَعْتُمْ

جِلْدَهَا ثُمَّ دَبَغْتُمُوْهُ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ"

وفي الباب: عَنْ سَلَمَةَ بنِ الْمُحَبِّقِ، وَمَيْمُوْنَةَ، وَعَائِشَةَ؛ وَحديثُ ابنِ عَبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِىَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ هٰذَا، وَرُوِىَ عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ، وَرُوِىَ عَنْ سَوْدَةَ، وَسَمِعْتُ مُحمداً يُصَحِّحُ حديثَ ابنِ عباسٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَحَدِيْثَ ابنِ عباسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ، وَقَالَ: احْتَمَلَ أَنْ يَكُوْنَ رَوَى ابنُ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرَوَى ابنُ عَبَّاسٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عَنْ مَيْمُوْنَةَ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وابنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ.

[١٧١٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، وَعَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ وَعْلَةَ، عَنْ ابنِ عَباسٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوْا فِيْ جُلُوْدِ الْمَيْتَةِ: إِذَا دُبِغَتْ فَقَدْ طَهُرَتْ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ إِلَّا الْكَلْبَ وَالْخِنْزِيْرَ.

وضاحت: امام ترمذیؒ نے سب سے پہلے مری ہوئی بکری کی حدیث لکھی ہے اس میں اِلّا: ھَلّا کی طرح حرف تحضیض ہے جو کسی کام پر ابھارنے کے لئے استعمال ہوتا ہے...... یہ روایت ابن عباسؓ براہِ راست نبی ﷺ سے بھی روایت کرتے ہیں اور اپنی خالہ حضرت میمونہؓ سے بھی اور ام المؤمنین حضرت سوداءؓ سے بھی، امام بخاریؒ نے پہلی دوسندوں کی تصحیح کی ہے اور فرمایا ہے کہ احتمال ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ حدیث حضرت میمونہؓ سے بھی سنی ہو پھر ان کا تذکرہ نہ کیا ہو (پس یہ حدیث مرسل صحابی ہوگی اور حضرت سوداءؓ والی سند کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا) اور اس پر اکثر اہل علم کا عمل ہے جن میں ابن المبارک، احمد اور اسحاق کا بھی نام لیا ہے، حالانکہ ان کا اختلاف آگے ذکر کریں گے...... پھر دوسری حدیث (نمبر ۱۷۱۸) پیش کی ہے جو قولی حدیث ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت ہے پھر مکرر فرمایا ہے کہ اس حدیث پر اکثر علماء کا عمل ہے، وہ مردار کی کھال کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب اس کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہوجاتی ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو بھی کچی کھال رنگ دی گئی وہ یقیناً پاک ہوگئی، مگر خنزیر اور کتا مستثنیٰ ہیں، یہ (کتے کے استثناء کے علاوہ) جمہور کا مذہب ہے اور عبارت میں تکرار ہے۔

وَكَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ جُلُوْدَ السِّبَاعِ، وَشَدَّدُوْا فِيْ لُبْسِهَا، وَالصَّلَاةِ فِيْهَا.

قَالَ إسحاقُ بنُ إبْرَاهِيْمَ: إنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: " أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ" إنَّمَا يَعْنِي بِهِ جِلْدَ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهُ، هٰكَذَا فَسَّرَهُ النَّضْرُ بنُ شُمَيْلٍ، وَقَالَ: إنَّمَا يُقَالُ: إهَابٌ: لِجِلْدِ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهُ، وَكَرِهَ ابنُ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ وَالْحُمَيْدِيُّ الصَّلَاةَ فِيْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ.

[١٧١٩-] حدثنا مُحمدُ بنُ طَرِيْفٍ الْكُوْفِيُّ، ثَنَا مُحمدُ بنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، وَالشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ أَبِيْ لَيْلَى، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُكَيْمٍ قَالَ: أَتَانَا كِتَابُ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ لَاتَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ"

هذا حديثٌ حسنٌ، وَيُرْوَى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُكَيْمٍ عَنْ أَشْيَاخٍ لَهُ هٰذَا الحديثُ وَلَيْسَ الْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ.

[١٧٢٠-] وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنُ عُكَيْمٍ أَنَّهُ قَالَ:" أَتَانَا كِتَابُ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَبْلَ وَفَاتِهِ بِشَهْرَيْنِ"

سَمِعْتُ أَحمدَ بنَ الْحَسَنِ يَقُوْلُ: كَانَ أَحْمَدُ بنُ حَنْبَلٍ يَذْهَبُ إِلٰى هٰذَا الحديثِ لِمَا ذُكِرَ فِيْهِ: قَبْلَ وَفَاتِهِ بِشَهْرَيْنِ، وَكَانَ يَقُوْلُ: كَانَ هٰذَا آخرَ أَمْرِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ تَرَكَ أَحْمَدُ هٰذَا الحديثَ لَمَّا اضْطَرَبُوْا فِيْ إِسْنَادِهِ: حَيْثُ رَوَى بَعْضُهُمْ وَقَالَ: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُكَيْمٍ عَنْ أَشْيَاخٍ مِنْ جُهَيْنَةَ.

ترجمہ: اور بعض صحابہ وغیرہ اہل علم نے درندوں کی کھالوں کو ناپسند کیا ہے، اور ان کے پہننے میں اور ان میں نماز پڑھنے میں سختی کی ہے یعنی رنگنے کے بعد بھی ان کا استعمال جائز نہیں (یہ رائے ان فقہاء کی ہے جن کا تذکرہ بعد میں آرہا ہے یعنی ابن المبارک وغیرہ کی اور ان حضرات نے مذکورہ قولی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ إهاب: ماکول اللحم جانور کی کچی کھال ہی کو کہتے ہیں) اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کا ارشاد: أیما إهاب دبغ فقد طَهُرَ میں صرف ان جانوروں کی کھال مراد ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، نضر بن شُمیل نے اہاب کی یہی تفسیر کی ہے وہ کہتے ہیں: إهاب اسی جانور کی کھال کو کہا جاتا ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے، اور ابن المبارکؒ، احمدؒ اسحاق اور حمیدیؒ نے درندوں کی کھال میں نماز پڑھنے کو مکروہ کہا ہے (انہی حضرات کی رائے کا تذکرہ پہلے آیا)

پھر امام ترمذیؒ نے عبداللہ بن عکیم کی روایت پیش کی ہے (یہ صحابی نہیں ہیں، مخضرم تابعی ہیں اور خود انھوں نے وہ نامۂ مبارک نہیں دیکھا بلکہ قبیلہ جہینہ کے بعض بڑے لوگوں سے وہ یہ بات روایت کرتے ہیں) امام ترمذیؒ فرماتے

ہیں: اس حدیث پر اکثر اہل علم کا عمل نہیں، پھر امام ترمذیؒ نے آخری روایت پیش کی ہے جس میں یہ اضافہ ہے کہ یہ نامہ مبارک آپؐ کی وفات سے دو مہینے پہلے گیا تھا، پھر احمد بن الحسن کا قول ذکر کیا ہے کہ امام احمد کی رائے اس حدیث کے مطابق تھی، کیونکہ اس میں قبل وفاته بشهرين کی صراحت ہے اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آخری امر ہے (پس یہ روایت ناسخ ہے) پھر امام احمدؒ نے اس روایت کو چھوڑ دیا، جب راویوں میں اس کی سند میں اختلاف ہوا چنانچہ بعض رواۃ نے عبداللہ بن عکیم کے بعد عن أشياخٍ مِنْ جُهَيْنة بڑھایا (پس سند میں مجہول واسطے آگئے)

بابُ ماجاءَ فی کَراهِيَةِ جرِّ الإزَارِ

ٹخنوں سے نیچے لنگی پہننا مکروہ ہے

عربی میں اِزار: لنگی کو کہتے ہیں اور اردو میں پاجامہ کو، اور مراد مطلق کپڑا ہے خواہ لنگی ہو، پاجامہ ہو، پتلون ہو، کرتا ہو، ٹوپی ہو یا پگڑی ہو، کیونکہ حدیث میں عام لفظ ثوب آیا ہے پس ہر کپڑا معروف انداز پر پہننا چاہئے، بھونڈے انداز پر نہیں پہننا چاہئے نہ لباس میں تکبر کو راہ ملنی چاہئے، ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا، آدھی پنڈلی سے بھی نیچے کرتا پہننا، اور بالشت بھر اونچی ٹوپی پہننا کبر کی علامت ہے۔ اور ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ایک امام نماز پڑھانے آیا، اس کے عمامہ سے ساری محراب بھر گئی، یہ بات تکبر سے ناشی ہے یا تکبر اس کا منشا (پیدا ہونے کی جگہ) ہے یعنی پہلے سے اگر تکبر نہیں بھی ہوتا تو رفتہ رفتہ پیدا ہو جاتا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لاَيَنْظُرُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائیں گے جو اپنا کپڑا تکبر کے طور پر گھسیٹتا ہے۔

تشریح: الخُيَلاء کے معنی ہیں: تکبر، بڑائی اور خود پسندی، حضرات شوافع کی کتابوں میں یہ مسئلہ گھمنڈ کی قید کے ساتھ مذکور ہے مگر احناف کی کتابوں میں یہ مسئلہ مطلق ہے کیونکہ جس میں پہلے سے تکبر نہیں ہوتا: کپڑا لٹکانے سے اس میں بھی رفتہ رفتہ اتراہٹ پیدا ہو جاتی ہے، پھر کوئی بھی شخص اس کا اعتراف نہیں کرتا کہ اس نے ایسا کپڑا تکبر کے طور پر پہنا ہے اس لئے ایسی مخفی چیز پر حکم کا مدار نہیں رکھا جا سکتا حکم عام رہے گا، یہ مضمون پہلے ابواب البیوع باب ۵ میں بھی گذر چکا ہے۔

[٨-] باب ماجاء فی کراهية جرِّ الإزَارِ

[١٧٢١-] حدثنا الأَنْصارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ ح: وَثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ دِيْنَارٍ، وَزَيْدِ بنِ أَسْلَمَ كُلُّهُمْ يُخْبِرُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:

"لَايَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ"
وفي الباب: عَنْ حُذَيْفَةَ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَسَمُرَةَ، وأَبِيْ ذَرٍّ، وَعائشةَ، وَهُبَيْبِ بنِ مُغَفَّلٍ، حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في ذُيُوْلِ النِّسَاءِ

عورتوں کے کرتے کہاں تک ہوں؟

حدیث (۱): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنا کپڑا اتراہٹ سے گھسیٹا اس کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر (رحمت) نہیں فرمائیں گے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: عورتیں اپنے کرتوں کے دامن کیسے رکھیں؟ (معلوم ہوا کہ یہ حکم لنگی پاجامہ کے ساتھ خاص نہیں، صحابہ اس حکم کو ہر کپڑے کے لئے عام سمجھ رہے ہیں، اس لئے حضرت ام سلمہؓ نے یہ سوال کیا) نبی ﷺ نے فرمایا: عورتیں مردوں کے کرتے سے ایک بالشت کرتا نیچا رکھیں، ام سلمہؓ نے عرض کیا: تب تو ان کے پیر نظر آئیں گے، آپؐ نے فرمایا: پس عورتیں کرتے کو ایک ہاتھ نیچا رکھیں، اس سے زیادہ نیچا نہ رکھیں۔

تشریح: عورتیں ایک ہاتھ سے بھی زیادہ کرتا نیچا رکھیں گی تو وہ زمین سے لگے گا اور گندہ ہوگا، اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور ایک ہاتھ نیچا رکھنے میں فائدہ ہے ان کے پیر نظر نہیں آئیں گے۔

فائدہ (۱): امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے عورتوں کے لئے جواز نکلتا ہے کہ وہ لنگی پاجامہ بھی ٹخنوں سے نیچے رکھ سکتی ہیں کیونکہ اس میں ان کے لئے ستر ہے یعنی حدیث میں اگرچہ کرتہ لٹکانے کا جواز ہے مگر اس سے لنگی پاجامہ لٹکانے کا جواز بھی عورتوں کے لئے ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ (۲): اس حدیث سے آسانی سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ دور نبوی میں مردوں کے کرتے زمین سے ایک ہاتھ اونچے ہوتے تھے اس سے نیچا کرتا پہننا مردوں کے لئے زیبا نہیں، اور آج کل عربوں میں جو کرتا رائج ہے اس کو مردوں کا کرتا کہنا مشکل ہے، یہ تو عورتوں کا کرتا ہے اور جرّ ثوب کے دائرہ میں آتا ہے۔

حدیث (۲): حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے ایک بالشت بھری ان کی پیٹی سے۔

تشریح: نطاق: کمر پر باندھی جانے والی پیٹی: جسے گھر میں کام کاج کرنے والی عورتیں اور کھانا پکانے والی عورتیں اور کھانا کھلانے والی عورتیں باندھتی ہیں یہ روایت عرصہ تک میں نہیں سمجھتا تھا اس کی صورت میری سمجھ میں نہیں آتی تھی، نیز یہ بات بھی واضح نہیں تھی کہ نبی ﷺ نے جو بالشت بھری تھی وہ پیٹی کی ابتداء سے بھری تھی یا

انتہا سے، پھر جب میرا سری لنکا جانا ہوا اور وہاں میں نے بدھسٹ عورتوں کا لباس دیکھا تو اس کی صورت میری سمجھ میں آ گئی، وہ عورتیں لنگی پر پٹی باندھ کر گھر سے نکلتی ہیں یعنی ان کی کمر سے ان کی لنگی پر ایک کپڑا لٹکتا ہے جو آدھی ران تک ہوتا ہے اس سے جسم کے بالائی حصہ کی بے پردگی ختم ہو جاتی ہے، نبی ﷺ کے زمانہ میں مردوں کی طرح عورتیں بھی لنگی باندھتی تھیں پاجامہ کا عام رواج نہیں تھا پس جب مسلمان عورت گھر سے نکلے گی تب تو برقعہ پہن کر نکلے گی مگر جب گھر میں کام کاج میں ہوگی اور کرتا نہیں پہن رکھا ہوگا تو لنگی میں بے پردگی ہوگی اس وقت اگر لنگی پر یا پاجامہ پر عورت کمر میں پٹی باندھ لے تو پردہ ہو جائے گا، یہ پٹی اگر برائے نام ہے یعنی ایک بالشت سے کم ہے تو لاحاصل ہے اور اگر بہت لمبی ہے اور گھٹنوں سے نیچے تک ہے تو بے ضرورت ہے اور جرثوب کے دائرہ میں آتی ہے۔

نبی ﷺ نے جو پٹی سے ایک بالشت بھری تھی وہ اگر کمر سے بھری تھی تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بس اتنی پٹی کافی ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں اور حدیث کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت فاطمہ کی پٹی جہاں تک تھی وہاں سے آپؐ نے بالشت بھری، پس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اتنی چھوٹی پٹی لاحاصل ہے اس کو مزید ایک بالشت بڑھانا چاہئے جیسے کرتوں کے دامن کو ایک بالشت یا ایک ہاتھ بڑھانے کی اجازت دی اسی طرح پٹی بھی گھٹنوں تک لٹکنی چاہئے تا کہ پردہ کا مقصد حاصل ہو۔ حدیث کا یہ دوسرا مطلب زیادہ موزون معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسی صورت میں حدیث کی باب سے مناسبت ہوگی پہلا مطلب لینے کی صورت میں حدیث: باب سے بے جوڑ ہوگی۔

[٩-] باب ماجاء في ذُيُوْلِ النِّساءِ

[١٧٢٢-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: فَكَيْفَ يَصْنَعُ النِّسَاءُ بِذُيُوْلِهِنَّ؟ قَالَ: "يُرْخِيْنَ شِبْراً" فَقَالَتْ: إِذًا تَنْكَشِفُ أَقْدَامُهُنَّ! قَالَ: "فَيُرْخِيْنَهُ ذِرَاعًا، لَايَزِدْنَ عَلَيْهِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَفي الحديثِ رُخْصَةٌ لِلنِّسَاءِ فِي جَرِّ الإِزَارِ، لِأَنَّهُ يَكُوْنُ أَسْتَرَ لَهُنَّ.

[١٧٢٣-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُورٍ، ثَنَا عَفَّانُ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ عَلِيِّ بنِ زَيْدٍ، عَنْ أُمِّ الْحَسَنِ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُمْ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم شَبَّرَ لِفَاطِمَةَ شِبْراً مِنْ نِطَاقِهَا.

وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عَنْ عَلِيِّ بنِ زَيْدٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ.

لغات: ذُیول: ذَیل کی جمع ہے، ذیل الثوب کے معنی ہیں: دامن،...... یُرخِین: فعل مضارع صیغہ جمع مؤنث غائب أَرْخَی إِرْخَاءً الستر: پردہ لٹکانا...... شَبَّرَ الثوبَ: بالشت سے ناپنا، اندازہ کرنا۔

وضاحت: یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی والدہ روایت کرتی ہیں ان کا نام خَیْرۃ ہے وہ حضرت ام سلمہؓ کی آزاد کردہ ہیں ان سے علی بن زید بن جُدعان بلا واسطہ بھی روایت کرتے ہیں اور حضرت حسن کے واسطہ سے بھی اور دونوں سندیں صحیح ہیں کیونکہ ان کا دونوں سے لقاء وسماع ہے مگر راوی ضعیف ہے۔

بابُ ماجاء فی لُبْسِ الصُّوفِ

اونی کپڑے پہننے کا بیان

قدیم زمانہ سے چمڑے اور اُون کا لباس پہننے کا رواج چلا آرہا ہے، پہلے سوتی کپڑوں کا رواج زیادہ نہیں تھا، نیز بے سلا لباس پہنا جاتا تھا یعنی چادر اوڑھی جاتی تھی اور لنگی باندھی جاتی تھی، اوڑھنے کی چادر کو کِساءٌ کہتے تھے، یہ چادر عام طور پر اون کی ہوتی تھی اور لنگی کو اِزَار کہتے تھے، یہ بھی اون کی ہوتی تھی، سلے ہوئے کپڑوں کا عام رواج نہیں تھا۔

آج بھی چمڑا اور اون لباس میں استعمال ہوتا ہے مگر اب ان کی کوالٹی اعلی ہوگئی ہے، اونی لباس اعلی لباس سمجھا جاتا ہے، چمڑے کے کوٹ، ٹوپی، موزے اور صدری وغیرہ پہنتے ہیں اور طرح طرح کے اونی کپڑے تیار ہوتے ہیں جو سردیوں میں پہنے جاتے ہیں مگر دورِ نبوی میں اونی کپڑوں کا درجہ سوتی کپڑوں سے نیچے تھا، بعد میں بھی ایک عرصہ تک ان کا درجہ نیچے رہا، جب دنیا نے ترقی کرلی اور سب لوگ سوتی کپڑے پہننے لگے: اس وقت اللہ کے نیک بندے صوف (اون) پہنتے تھے چنانچہ وہ صوفی کہلانے لگے، اور ان کا طریقہ تصوف کہا جانے لگا قبل ازیں اس کے لئے زُہد، زَاہدہ اور احسان کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے اب ان کی جگہ تصوف اور صوفی نے لے لی۔

مگر اس زمانہ میں تصوف میں عجمی اثرات بھی شامل ہوگئے تھے اور ذکر وفکر کے غیر شرعی طریقے رائج ہوگئے تھے، جس کی علماء دیوبند نے تجدید کی اور حتی الامکان غیر شرعی باتیں تصوف سے نکال دیں، اور تصوف کو اس کی اصل شکل کی طرف لوٹا دیا، مگر ممکن ہے کچھ باتیں باقی رہ گئی ہوں جن کی اصلاح کی جاسکتی ہے مگر نفس تصوف کا انکار جیسا کہ نجدی، سلفی، غیر مقلدین اور مودودی کرتے ہیں درست نہیں، یہ ایک قرآن وحدیث اور تعامل سلف سے ثابت حقیقت کا انکار ہے۔

حدیث (۱): ابو بردہؓ کہتے ہیں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک موٹی اوڑھنے کی چادر اور ایک موٹی لنگی دکھائی اور فرمایا: ان دو کپڑوں میں نبی ﷺ کی وفات ہوئی ہے۔

تشریح: آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپؐ کے جو تبرکات تقسیم کئے تھے ان میں یہ جوڑا جسے پہن کر آپؐ کی وفات ہوئی تھی حضرت عائشہؓ کو دیا تھا جو ان کے پاس عرصہ تک محفوظ رہا، وہ کبھی کبھی طلبہ کو اس کی زیارت کراتی تھیں ——— کِساءٌ کے معنی ہیں اوڑھنے کی چادر، دورِ اول میں یہ چادر

اونی ہوتی تھی، اور مُلَبَّدٌ (اسم مفعول) لَبَّدَ الشیئَ بالشیئِ سے ہے جس کے معنی ہیں: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مضبوط چپکانا، جوڑنا، ٹھوس بنانا۔ علماء نے اس کے دو ترجمے کئے ہیں: ایک: پیوند لگی ہوئی، مگر یہ ترجمہ ٹھیک نہیں، دوسرا: موٹی، دبیز، یہی ترجمہ مناسب ہے اور مُلبَّد اور غلیظ میں فرق یہ ہے: ملبّد زیادہ موٹا اور غلیظ کم موٹا یا اس کا برعکس دونوں قول ہیں۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر اللہ تعالیٰ سے مکالمہ ہوا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اونی چادر اور اونی جبہ اور اونی ٹوپی اور اونی پاجامہ پہن رکھا تھا (چادر آپ نے جبہ پر اوڑھ رکھی ہوگی کیونکہ سردی کا زمانہ تھا، آپ گھر والوں کے تاپنے کے لئے آگ لینے گئے تھے) اور آپ کے دونوں چپل مردہ گدھے کی کھال کے تھے (کھال رنگنے سے پاک ہوجاتی ہے)

تشریح: اس حدیث کی سند میں حمید اعرج ہے اس کے باپ کا نام علی ہے، یہ کوفہ کا باشندہ ہے اور منکر الحدیث یعنی نہایت ضعیف راوی ہے، اسی طبقہ میں ایک دوسرا حمید بھی ہے جس کے باپ کا نام قیس ہے اس کا لقب بھی اعرج ہے مگر وہ مکہ کا باشندہ ہے اور حضرت مجاہدؒ کا شاگرد ہے وہ ثقہ راوی ہے، اور ایک تیسرا حمید بصرہ کا رہنے والا ہے اس کا لقب طویل ہے، وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے، اور اعلیٰ درجہ کا ثقہ راوی ہے۔

[-١٠] باب ماجاء في لُبْسِ الصُّوْفِ

[-١٧٢٤] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ حُمَيْدِ بنِ هِلَالٍ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ قَالَ: أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلَبَّدًا وَإِزَارًا غَلِيْظًا، فَقَالَتْ: قُبِضَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي هٰذَيْنِ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وَحديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[-١٧٢٥] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا خلَفُ بنُ خَلِيْفَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْحَارِثِ، عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "كَانَ عَلَى مُوْسٰى يَوْمَ كَلَّمَهُ رَبُّهُ كِسَاءُ صُوْفٍ، وَجُبَّةُ صُوْفٍ، وكُمَّةُ صُوْفٍ، وَسَرَاوِيْلُ صُوْفٍ، وَكَانَتْ نَعْلَاهُ مِنْ جِلْدِ حِمَارٍ مَيِّتٍ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ حُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ، وَحُمَيْدٌ: هُوَ ابنُ عَلِيٍّ الْأَعْرَجُ مُنْكَرُ الْحديثِ، وَحُمَيْدُ بنُ قَيْسٍ الْأَعْرَجُ الْمَكِّيُّ صَاحِبُ مُجَاهِدٍ ثِقَةٌ، وَالْكُمَّةُ الْقَلَنْسُوَةُ الصَّغِيْرَةُ.

لغت: الكُمَّة: سر سے لگی ہوئی گول ٹوپی...... اور الکُمّ کے معنی ہیں: آستین، اس کی جمع أَكْمام ہے۔

بابُ ماجاء فى العِمَامَةِ السَّوْدَاءِ

سیاہ عمامہ کا بیان

عربوں میں پگڑی باندھنے کا عام رواج تھا، نبی ﷺ بھی پگڑی باندھتے تھے، اور صحابہ بھی پگڑی باندھتے تھے، اور ایک ضعیف روایت ہے: اعْتَمُّوْا تَزْدَادُوْا حِلْمًا: پگڑی باندھو بردباری میں اضافہ ہوگا، چھچھورا پن اور اوچھا پن دور ہوگا اور باوقار بنو گے، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمانوں اور مشرکوں میں پگڑی سے امتیاز ہوتا ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فتح مکہ کے دن جب نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر پر سیاہ پگڑی تھی۔

تشریح: پگڑی کسی بھی رنگ کی باندھنا جائز ہے، نبی ﷺ نے سیاہ پگڑی بھی باندھی ہے، ہری بھی اور سفید بھی، پس لال پگڑی تو مناسب نہیں، باقی جس رنگ کی چاہے پگڑی باندھ سکتا ہے، اور چونکہ جنتیوں کا لباس ہرا ہے اس لئے عام طور پر علماء ہری پگڑی کو پسند کرتے ہیں۔

[۱۱-] باب ماجاء فى العِمَامَةِ السَّوْدَاء

[۱۷۲۶-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: دَخَلَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ، وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ.

وفى الباب: عَنْ عَمْرِو بنِ حُرَيْثٍ، وابنِ عَباسٍ، ورُكَانَةَ؛ حديثُ جَابِرٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ سَدْلِ الْعِمَامَةِ بَيْنَ الْكَتِفَيْنِ

شانوں کے درمیان شملہ لٹکانے کا بیان

پگڑی بغیر شملہ کے باندھنا بھی درست ہے اور شملہ کے ساتھ بھی، پھر ایک شملہ رکھنا بھی درست ہے اور دو بھی، اور اس کی مقدار کم از کم ایک بالشت اور زیادہ سے زیادہ کمر تک ہونی چاہئے اس سے لمبا شملہ جرثوب کے دائرہ میں آتا ہے، اور شملہ دائیں جانب سے بھی اور بائیں جانب سے بھی سینہ پر ڈالا جاسکتا ہے، پہلے روافض بائیں کندھے سے سینہ پر شملہ ڈالتے تھے مگر اب ان کا یہ شعار نہیں رہا اس لئے یہ بھی درست ہے۔

حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ جب پگڑی باندھتے تھے تو اپنے دونوں شانوں کے درمیان اپنی پگڑی یعنی شملہ لٹکاتے تھے، نافع کہتے ہیں: ابن عمرؓ کا بھی یہی معمول تھا، اور عبید اللہ عمریؒ کہتے ہیں: میں

نے قاسم اور سالم کو بھی ایسا ہی کرتے دیکھا ہے، یہ دونوں حضرات مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں، قاسمؒ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں اور سالم حضرت ابن عمرؓ کے صاحبزادے ہیں۔

ملحوظہ: اس حدیث پر مصری نسخہ میں باب ہے اور تحفۃ الاحوذی میں بھی باب ہے اور اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے جس کی سند صحیح نہیں (اللہ جانے یہ روایت کس کتاب میں ہے)

[۱۲-] باب سَدْلِ العِمَامَةِ بَيْنَ الكَتِفَيْنِ

[۱۷۲۷-] حدثنا هَارُوْنُ بنُ إِسْحَاقَ الهَمْدَانِيُّ، ثَنَا يَحْيَى بنُ مُحمدٍ الْمَدِيْنِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بنِ مُحمدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، قَالَ نَافِعٌ: وَكَانَ ابنُ عُمَرَ يَسْدِلُ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَلَايَصِحُّ حديثُ عَلِيٍّ مِنْ قِبَلِ إِسْنَادِهِ.

لغات: اِعْتَمَّ الرجلُ: پگڑی سر پر لپیٹنا..... سَدَلَ الثوبَ: لٹکانا، چھوڑنا۔

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ خَاتَمِ الذَّهَبِ

سونے کی انگوٹھی کی ممانعت

مردوں کے لئے سونا مطلقاً حرام ہے، البتہ عورتوں کے لئے سونے کا زیور جائز ہے اور جس طرح ریشم ابتداء اسلام میں جائز تھا سونا بھی جائز تھا، پھر دونوں کی حرمت آگئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے دو مرتبہ گذر چکی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور قَسّی کپڑا پہننے سے اور رکوع سجدے میں قرآن پڑھنے سے اور گیروے رنگ کا کپڑا پہننے سے منع کیا، حضرت عمرانؓ بھی یہی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع کیا، اور آگے یہ حدیث آرہی ہے کہ پہلے نبی ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنائی تھی پھر اس کو نکال پھینکا اور فرمایا: ''میں اس کو اب کبھی نہیں پہنوں گا'' اور آپؐ نے امت کو بھی اس سے منع کر دیا۔

مسئلہ (۱): سونے کا کوئی بھی زیور جیسے گردن کی زنجیر، ہاتھ کا کڑا، گھڑی کی چین اور سونے کی انگوٹھی وغیرہ مردوں کے لئے حرام ہیں، البتہ عورتوں کے لئے یہ چیزیں جائز ہیں۔

مسئلہ (۲): سنہری رنگ جائز ہے یعنی اگر انگوٹھی یا گھڑی کی چین پر سنہری کلر ہو تو یہ جائز ہے اور کلر وہ ہوتا ہے جو کھرچنے سے الگ نہ پڑے اور جو کھرچنے سے الگ پڑے وہ پتّر ہے جو جائز نہیں۔

مسئلہ(۳): جو بٹن شیروانی یا کرتے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں اور اس پر زری کا کام ہوا ہو تو ایسے بٹن جائز ہیں اور جو بٹن کپڑے سے علحدہ ہوں وہ سونے کے جائز نہیں۔

مسئلہ(۴): ضرورت کے وقت سونے کا استعمال جائز ہے جیسے ایک صحابی کی جنگ میں ناک کٹ گئی تھی، انھوں نے چاندی کی ناک بنوائی تو اس میں بدبو ہو جاتی تھی اس لئے نبی ﷺ نے ان کو سونے کی ناک بنوانے کی اجازت دی، اسی طرح دانتوں کو سونے کے تاروں سے بندھوانا یا دانت پر سونے کا خول چڑھانا بھی جائز ہے، کیونکہ چاندی کالی پڑ جاتی ہے پس یہ بھی ایک ضرورت ہے (اور یہ مسئلہ اور یہ حدیث باب ۳۱ میں آرہی ہے)

[۱۳-] باب ماجاء في كراهيةِ خَاتَمِ الذَّهَبِ

[۱۷۲۸-] حدثنا سَلَمَةُ بنُ شَبِيْبٍ، وَالْحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ حُنَيْنٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَلِيِّ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ قَالَ: نَهَانِيْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ، وَعَنْ لِبَاسِ الْقَسِّيِّ، وَعَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ، وَعَنْ لُبْسِ الْمُعَصْفَرِ، هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۷۲۹-] حدثنا يُوْسُفُ بنُ حَمَّادٍ الْمَعْنِيُّ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْ التَّيَّاحِ، ثَنَا حَفْصُ اللَّيْثِيُّ، قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ أَنَّهُ حَدَّثَنَا: أَنَّهُ قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وابنِ عُمَرَ، وأَبِيْ هريرةَ، وَمُعَاوِيَةَ، حديثُ عِمْرَانَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وأَبُوْ التَّيَّاحِ: اسْمُهُ يَزِيْدُ بنُ حُمَيْدٍ.

وضاحت: یوسف بن حماد: معن بن زائدہ کی اولاد میں تھے اس لئے ان کی نسبت المَعْنِيّ ہے (اللباب ۳: ۲۳۸)

بابُ ماجاء في خَاتَمِ الْفِضَّةِ

چاندی کی انگوٹھی کا بیان

چاندی کی انگوٹھی جائز ہے مگر وہ چار گرام سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے اور اس وزن میں نگینہ شامل نہیں، اور اس کی حکمت پہلے گذر چکی ہے کہ یہ جنت کے زیور کا نمونہ ہے، نبی ﷺ چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے اور اس کا نگینہ حَبَشی طرز کا تھا، اس کی ساخت کیسی تھی؟ اس کا سمجھنا اب ہمارے لئے دشوار ہے، پس مسئلہ یہ ہے کہ انگوٹھی کا نگینہ کسی بھی چیز کا اور کسی بھی طرز کا ہو سکتا ہے اس سلسلہ میں کوئی تنگی نہیں۔

[۱۴-] باب ماجاء فی خَاتَمِ الْفِضَّةِ

[۱۷۳۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ خَاتَمُ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ وَرِقٍ، وَكَانَ فَصُّهُ حَبَشِيًّا.

وفي الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَبُرَيْدَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

بابُ ماجاء مَا يُسْتَحَبُّ مِنْ فَصِّ الْخَاتَمِ؟

انگوٹھی کا نگینہ کیسا ہونا چاہئے؟

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اوراس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا، یعنی کسی پتھر یا مہرے کا نہیں تھا بلکہ چاندی ہی کا تھا، جس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔

تشریح: اس حدیث میں اور گذشتہ حدیث میں کچھ لوگوں کو تعارض محسوس ہوا ہے، گذشتہ حدیث میں تھا کہ نگینہ حَبَشی تھا اوراس حدیث میں ہے کہ نگینہ چاندی کا تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ نگینہ چاندی کا تھا کیونکہ اس پر مہر کندہ تھی اور مہر پتھر وغیرہ پر کندہ نہیں کی جاسکتی، البتہ اس کی ساخت حبشی طرز کی تھی، پس دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

[۱۵-] باب ماجاء مَايُسْتَحَبُّ مِنْ فَصِّ الخاتَمِ؟

[۱۷۳۱-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا حَفْصُ بنُ عُمَرَ بنِ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ، ثَنَا زُهَيْرٌ أَبُوْ خَيْثَمَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ خَاتَمُ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ فِضَّةٍ، فَصُّهُ مِنْهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

بابُ ماجاء فی لُبْسِ الْخَاتَمِ فِي الْيَمِيْنِ

دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا بیان

انگوٹھی کس ہاتھ میں پہننی چاہئے؟ اسی طرح گھڑی کس ہاتھ میں باندھنی چاہئے؟ اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ دائیں کی فضیلت مسلم ہے مگر دائیں ہاتھ سے چونکہ کام بہت زیادہ کرنے پڑتے ہیں اس لئے دائیں ہاتھ میں گھڑی باندھنے میں اور انگوٹھی پہننے میں دشواری ہے، چنانچہ عام طور پر لوگ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے ہیں اور بائیں ہاتھ میں گھڑی باندھتے ہیں، پس اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی

پہننا بھی ثابت ہے۔

حدیث (۱): ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنائی اور اس کو دائیں ہاتھ میں پہننا شروع کیا، پھر ایک دن منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا: میں نے یہ انگوٹھی جو میرے دائیں ہاتھ میں ہے بنائی تھی (مگر اب سونا حرام ہوگیا ہے) پھر آپؐ نے وہ انگوٹھی نکال کر نیچے ڈال دی لوگوں نے بھی (جنھوں نے سونے کی انگوٹھیاں بنائی تھیں) نکال کر نیچے ڈال دیں۔

حدیث (۲): صلت بن عبداللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا اور میرا گمان یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ نبی ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

حدیث (۳): محمد باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھیاں پہنا کرتے تھے بلکہ بیہقی کی روایت میں باقر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اور حضرات ابوبکر و عمر و علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بائیں ہاتھ میں انگوٹھیاں پہنتے تھے (تحفۃ الاحوذی بحوالہ فتح ابن حجرؒ)

حدیث (۴): حماد بن سلمہ کہتے ہیں: میں نے عبید اللہ کو جو نبی ﷺ کے آزاد کردہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں ان کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا، پس میں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا ہے اور عبداللہ نے یہ بھی کہا کہ نبی ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

ملحوظہ: حدیث (۳) باب سے بے جوڑ ہے، کیونکہ باب دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے بارے میں ہے، اور اس روایت میں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے شرح میں لکھا ہے کہ شاید باب میں فی الیمین کے بعد والیسار (کاتبوں سے) رہ گیا ہے۔

[۱٦-] باب ماجاء في لُبْسِ الْخَاتَمِ فِي الْيَمِيْنِ

[۱۷۳۲-] حدثنا مُحمدُ بنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ مُوْسَى بنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم صَنَعَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ، فَتَخَتَّمَ بِهِ فِيْ يَمِيْنِهِ، ثُمَّ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: " إِنِّيْ كُنْتُ اتَّخَذْتُ هٰذَا الْخَاتَمَ فِيْ يَمِيْنِيْ" ثُمَّ نَبَذَهُ، وَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَهُمْ"

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَجَابِرٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ جَعْفَرٍ، وابنِ عَباسٍ، وَعَائِشَةَ، وأَنَسٍ، وَحديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ نَحْوُ هٰذَا مِنْ غَيْرِ

هٰذَا الْوَجْهِ، وَلَمْ يُذْكَرْ فِيْهِ: أَنَّهُ تَخَتَّمَ فِيْ يَمِيْنِهِ.

[١٧٣٣-] حدثنا مُحمدُ بنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مُحمدِ بنِ إِسْحَاقَ، عَنِ الصَّلْتِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ نَوْفَلٍ، قَالَ: رَأَيْتُ ابنَ عَبَّاسٍ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهِ، وَلَا إِخَالُهُ إِلَّا قَالَ: رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهِ.

قَالَ مُحمدُ بنُ إِسْمَاعِيلَ: حديثُ مُحمدِ بنِ إِسْحَاقَ، عَنِ الصَّلْتِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ نَوْفَلٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٧٣٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَاتِمُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ مُحمدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَتَخَتَّمَانِ فِي يَسَارِهِمَا، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٧٣٥-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ قَالَ: رَأَيْتُ ابنَ أَبِيْ رَافِعٍ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهِ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بنَ جَعْفَرٍ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهِ، وَقَالَ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَتَخَتَّمُ فِي يَمِيْنِهِ.

قَالَ محمدٌ: وَهٰذَا أَصَحُّ شَيْئٍ رُوِيَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ هٰذَا الْبَابِ.

بابُ ماجاء في نَقْشِ الْخَاتَمِ

انگوٹھی پر لکھوانا

جب نبی ﷺ نے شاہانِ عجم کو دعوتی خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپؐ کو بتایا گیا کہ وہ لوگ مہر کے بغیر کوئی خط قبول نہیں کرتے، چنانچہ آپؐ نے مہر بنوائی اور اس پر ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کندہ کروایا، یہ سورۃ الفتح کی آخری آیت کا ابتدائی حصہ ہے اس کو اس طرح کندہ کرایا تھا کہ نیچے ﴿مُحَمَّدٌ﴾ تھا اور اوپر ﴿رَسُوْلٌ﴾ تھا اور بالکل اوپر ﴿الله﴾ تھا اس طرح الله رسول محمد اس مہر کو آپؐ خطوط میں استعمال فرماتے تھے، کچھ صحابہ نے بھی اتباع سنت میں یہی عبارت کندہ کروائی تو آپ نے منع فرمایا کیونکہ اس سے اشتباہ پیدا ہوگا اور مہر کا مقصد فوت ہوجائے گا۔

فائدہ: اب چونکہ ربڑ کی مہریں بنتی ہیں اس لئے انگوٹھیوں پر مہر کندہ کرانے کا رواج ختم ہوگیا ہے، مگر ماضی قریب تک اس کا رواج تھا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی انگوٹھی میں ﴿رشید احمد﴾ کندہ تھا، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی انگوٹھی میں: ﴿الٰہی: عاقبت محمود گرداں﴾ کندہ تھا یعنی اے اللہ! انجام بخیر فرما، اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی انگوٹھی میں ﴿از گروہ اولیاء اشرف علی﴾ کندہ تھا یعنی اولیاء کی جماعت میں سب سے اشرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، مگر حضرت یہ مہر استعمال نہیں فرماتے تھے، کیونکہ غلط فہمی کا اندیشہ تھا اور میرے حضرت (حضرت مفتی مظفر حسین صاحب

قدس سرہ) کا سَجع تھا﴿ در دو جہاں مظفر حسین ﴾یعنی دونوں جہاں میں کامیاب حضرت حسین رضی اللہ عنہ رہے، یزید کامیاب نہیں رہا، یہ سجع حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہ نے کہا تھا۔ اور میری مہر میں ﴿فَأَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِيْ الْجَنَّةِ﴾ لکھا ہوا ہے یعنی اگر جنت میں جانا ہے تو نیک بخت بنو۔

لطیفہ: ایک دیہاتی نے حضرت تھانوی قدس سرہ سے کہا: حضرت جی! میرا بھی سجع کہہ دے، حضرت تھانوی نے پوچھا: تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: محمد گھیسا۔ حضرت نے اس کا سجع کہا﴿ سب مٹھا محمد گھیسا ﴾یعنی سارا جگت چھاچھ ہے اور حضرت محمد ﷺ اس میں گھی کی مثال ہیں۔

مسئلہ: اگر انگوٹھی پر کوئی آیت کندہ ہو تو اس کو لے کر بیت الخلاء میں جانا جائز نہیں، نبی ﷺ کی انگوٹھی پر چونکہ آیت کندہ تھی اس لئے جب آپؐ بیت الخلاء تشریف لے جاتے تھے تو اس کو نکال کر باہر رکھ دیتے تھے، آج کل حروف مقطعات کی انگوٹھیوں کا رواج چل پڑا ہے یہ بھی آیاتِ قرآنیہ ہیں، پس اس انگوٹھی کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا جائز نہیں، نکال کر باہر رکھ کر جانا چاہئے۔

[١٧-] باب ماجاء في نَقْشِ الْخَاتَمِ

[١٧٣٦-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، وَمُحمدُ بنُ يَحْيىَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: ثَنَا مُحمدُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ الأَنْصارِيُّ، ثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ ثُمامَةَ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم ثَلاَثَةَ أَسْطُرٍ: مُحمدٌ سَطْرٌ، وَرَسُوْلُ سَطْرٌ، وَاللّٰهُ سَطْرٌ، وَلَمْ يَقُلْ مُحمدُ بنُ يَحْيىَ فِي حَدِيْثِهِ: ثَلاَثَةَ أَسْطُرٍ.

وَفِي الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ حديثُ أَنَسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

[١٧٣٧-] حدثنا الْحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلاَّلُ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَنَعَ خاتَمًا مِنْ وَرِقٍ، فَنَقَشَ فِيْهِ:﴿ مُحمدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ثُمَّ قَالَ: "لاَتَنْقُشُوْا عَلَيْهِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "لاَتَنْقُشُوْا عَلَيْهِ" نَهَى أَنْ يَنْقُشَ أَحَدٌ عَلٰى خاتَمِهِ: ﴿مُحمدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾

[١٧٣٨-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، ثَنَا سَعِيْدُ بنُ عَامِرٍ، وَالْحَجَّاجُ بنُ مِنْهَالٍ، قَالاَ: ثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ ابنِ جُرَيْجٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا دَخَلَ الْخَلاَءَ نَزَعَ خَاتَمَهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء فی الصُّوْرَةِ

تصویر کی حرمت کا بیان

قدیم زمانہ سے مجسمہ بنانے کا اور اس کو پوجنے کا اور گھر کی دیواروں پر اور کپڑوں پر اور جسم پر تصویر بنانے کا رواج چلا آرہا ہے اس لئے اسلام نے جاندار کی تصویر کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے، خواہ وہ کسی چیز پر ہو اور کسی طرح ہو، البتہ جو موضع امتہان (پامالی) میں ہو اس سے صرف نظر کی ہے اور جو موضع تعظیم میں ہو اس پر سخت نکیر کی ہے۔ اور یہ باب أبواب اللباس میں اسی مناسبت سے لایا گیا ہے کہ لوگ پہننے کے کپڑوں پر تصویریں بناتے ہیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے گھر میں تصویر رکھنے سے منع فرمایا، اور اس سے بھی منع فرمایا کہ تصویر بنائی جائے یعنی تصویر بنانی بھی ممنوع ہے اور اس کو گھر میں رکھنا بھی ممنوع ہے۔

تشریح: صورت سازی کی حرمت کی وجہ قدیم زمانہ سے علماء یہ بیان کرتے آئے ہیں کہ یہ بت پرستی کا ذریعہ ہے اور اسلام شرک کا کسی طرح روادار نہیں، اس لئے تصویر سازی اسلام نے مطلقاً حرام کردی ہے، پھر جب کیمرہ ایجاد ہوا تو تصویر شمسی کے بارے میں اختلاف ہوا، مصر کے بعض علماء نے فتوی دیا کہ کیمرہ کا فوٹو جائز ہے، وہ حرام تصویر کے دائرہ میں نہیں آتا، بلکہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ بعض صورتوں میں مثلاً صنعت وحرفت کی ترقی کے لئے اور میڈیکل سائنس کے فروغ کے لئے کیمرہ کا فوٹو ضروری ہے، پھر رفتہ رفتہ یہ رائے تمام عرب علماء میں پھیل گئی اور سب ایک خیال ہوگئے، مگر ہمیشہ ہی کچھ عرب علماء کیمرے کے فوٹو کو ناجائز بھی کہتے رہے ہیں، ماضی قریب میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ کیمرے کے فوٹو کو قطعاً حرام کہتے تھے، اور آج بھی بحمد اللہ ایسے علماء عرب موجود ہیں جو اس کی حرمت کے قائل ہیں۔

اور برصغیر کے یعنی غیر منقسمہ ہندوستان کے تمام علماء شروع سے آج تک کیمرے کے فوٹو کو حرام کہتے ہیں ان کے نزدیک مجسمہ کا اور تصویر شمسی کا ایک حکم ہے اور عرب علماء کی دلیل صرف یہ ہے کہ مجسمہ ہی کی عبادت ہوتی ہے، کیمرہ کے فوٹو کی عبادت نہیں ہوتی اس لئے وہ جائز ہے مگر وہ حضرات اسلامی مملکت میں رہتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ دنیا میں کن کن چیزوں کی پوجا ہوتی ہے۔

ایک واقعہ: جب ندوۃ العلماء لکھنؤ کا پچاسی سالہ جشن ہوا تو کافی عرب علماء کو دعوت دی گئی تھی اس موقعہ پر کے ایک عالم دیوبند ہوکر لکھنؤ گئے تھے، یہاں میرا ان سے تعارف ہوگیا تھا، پھر جب دارالعلوم دیوبند نے پندرہ اساتذہ کا وفد بنایا جس نے اس اجلاس میں شرکت کی تو اس میں میرا نام بھی تھا، ہم جب لکھنؤ پہنچے اور اجلاس میں شریک ہوئے تو دیکھا کہ اسٹیج پر پہلی دوتین صفوں میں عرب علماء بیٹھے ہیں اور بری طرح ان کے فوٹو کھینچے جارہے ہیں، اردن کے وہ عالم صاحب بھی ان صفوں میں بیٹھ کر فوٹو کھینچواتے تھے، ایک دن میری ان سے اس مسئلہ پر گفتگو

ہوئی، میں نے عرض کیا: آپ بڑے عالم ہیں اور صحیح حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں؟ انھوں نے فوراً کہا: کیمرے کا فوٹو حرام نہیں، میں نے پوچھا: کیوں؟ انھوں نے جواب دیا: لأنها لا تُعْبَدُ یعنی تصویر کی حرمت اس لئے ہے کہ وہ پوجی جاتی ہے اور کیمرے کا فوٹو پوجا نہیں جاتا، میں خاموش ہوگیا، عصر کی نماز کے بعد میں نے شیخ سے کہا: حضرت! تشریف لائیں ذرا تفریح کر آئیں، میں پہلی مرتبہ لکھنؤ گیا تھا جب میں رکشے سے گومتی کے پل سے گذرا تو دائیں طرف چٹائیاں باندھ کر ایک عارضی مندر بنایا گیا تھا، سنا ہے اب وہاں بڑا مندر بن گیا ہے، میری اس پر نظر پڑی تھی، میں شیخ کو لے کر وہاں پہنچ گیا، میں نے شیخ کو مندر کے سامنے کھڑا کیا اور کہا: شُفْ! هذه صورةٌ شمسيَّةٌ أم مُجسَّمةٌ؟ ملاحظہ فرمائیں! یہ کیمرے کا فوٹو ہے یا مورتی ہے؟ وہاں ایک بڑا فوٹو لگا ہوا تھا جس پر پھول ہار چڑھے ہوئے تھے، شیخ نے اس کو بغور دیکھا اور فرمایا: واللہ! هذه صورة شمسيّة، بخدا! یہ کیمرے کا فوٹو ہے، پس میں نے ان کو سمجھایا کہ آپ حضرات اسلامی ملک میں رہتے ہیں، آپ حضرات کو معلوم نہیں کہ مشرکین کیا کیا پوجتے ہیں، ہندوستان میں تو ہر جگہ یہی کیمرے کے فوٹو پوجے جاتے ہیں، دوکانوں میں، بسوں میں، گھروں میں اور چھوٹے مندروں میں یہی کاغذی فوٹو پوجے جاتے ہیں، انہی پر دیئے جلتے ہیں۔

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ شیخ چوتھی صف میں بیٹھتے تھے اور اپنا رومال چہرے پر لٹکا لیتے تھے، اس واقعہ سے یہ بات سمجھانی مقصود ہے کہ پوجا مورتی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ کیمرے کے فوٹو بھی پوجے جاتے ہیں، اس لئے تصویر سازی مطلقاً حرام ہے، پس اخبارات میں جو تصاویر چھپتی ہیں ان کو بھی گھر میں نہیں رکھنا چاہئے، یا کھلی جگہ نہیں رکھنا چاہئے، حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے وہاں فرشتے نہیں آتے (متفق علیہ مشکوۃ حدیث ۴۴۸۹) پس اپنے گھروں کو رحمت کے فرشتوں سے کیوں محروم کیا جائے۔

اور خاندان کے بڑوں کی تصویریں اور بزرگوں کی تصویریں تو گھروں میں قطعاً نہیں رکھنی چاہئیں، آگے چل کر اندیشہ ہے کہ ان کی پوجا شروع ہوجائے، آج کل دیوبند میں ایک وبا پھیلی ہوئی ہے، بعض فوٹو گرافروں نے روزگار کے لئے حضرت تھانوی وغیرہ اکابر کے فوٹو بنا رکھے ہیں، لوگ شوق سے ان کو خریدتے ہیں اور احترام سے رکھتے ہیں، پس جان لینا چاہئے کہ یہ خطرہ کی گھنٹی ہے، اور اندیشہ ہے کہ آگے چل کر کہیں اکابر پرستی شروع نہ ہوجائے۔ **اللّٰهُمَّ احفظنا منه (آمین)**

فائدہ: آج کل ایک خراب صورتِ حال یہ بھی چل رہی ہے کہ سارے دارالافتاء فوٹو کی حرمت کا فتوی دیتے ہیں اور ملت کے اکابر جلسوں میں اور کانفرنسوں میں دھڑلّے سے فوٹو کھینچواتے ہیں، میں ہمیشہ ان بزرگوں سے عرض کرتا ہوں کہ آپ حضرات کا یہ طرز عمل عام مسلمانوں کے ذہنوں میں دین کی بے قدری پیدا کرتا ہے، لوگ یہ سوچتے ہیں کہ مولوی دین کچھ بتاتے ہیں اور ان کا عمل کچھ ہوتا ہے، اگر کیمرے کا فوٹو جائز ہوگیا ہے تو چاہئے کہ پہلے

دارالافتاء اس کے جواز کا فتوی دیں پھر آپ حضرات پبلک لائف میں اس پر عمل کریں مگر کوئی سنتا نہیں سب کو نمایاں ہونے کا شوق ہے فإلی الله المشتکی!

فائدہ: ضرورت کے وقت کیمرے کے فوٹو کی گنجائش ہے جیسے پاسپورٹ بنانے کے لئے دستاویزات کے لئے، شناختی کارڈوں کے لئے اور ایسی ہی دیگر ضروریات کے لئے مفتیانِ کرام نے فوٹو کی گنجائش دی ہے، اس حد تک جانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن صرف شہرت، شوق اور بے ضرورت فوٹو کھینچوانا حرام ہے، اس کی خلاف ورزی کر کے دین کی بے قدری نہیں کرنی چاہئے۔

تصویر سازی کی حرمت کی ایک اور وجہ: اور تصویر سازی اس لئے بھی حرام ہے کہ تجربہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس وقت ساری دنیا فحاشی اور عریانیت سے جو بھر گئی ہے یہ اسی کیمرے کی نحوست ہے، پہلے گندے فوٹو کوک شاستروں میں چھپتے تھے اور لوگ چپکے چپکے ان کو دیکھتے تھے مگر اب ٹی وی، ویڈیو، وی سی آر وغیرہ خرافات کے ذریعہ ہر جگہ یہ ننگے فوٹو پھیل گئے ہیں اور نوجوان نسل تیزی کے ساتھ ان کا اثر قبول کر رہی ہے اور ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ کا منظر عیاں ہے، مکہ اور مدینہ بھی اس سے نہیں بچے، بلکہ اب تو ڈیجیٹل کیمرے، موبائل میں آگئے ہیں اور ہر جیب میں موجود ہیں فإلی الله المشتکی!

حدیث (۲): عبید اللہ: حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے گئے، وہاں پہلے سے حضرت سہل بن حنیف موجود تھے، حضرت ابوطلحہؓ نے گھر کے کسی فرد سے کہا: میرے نیچے سے یہ قالین نکال دو، حضرت سہل نے پوچھا: آپ یہ قالین کیوں نکلوا رہے ہیں؟ حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا: اس میں تصویریں ہیں اور تصویروں کے بارے میں نبی ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ جانتے ہیں (متفق علیہ حدیث میں ہے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا فوٹو ہوتا ہے) حضرت سہل نے فرمایا: مگر نبی ﷺ نے کپڑے میں نقش کا استثناء بھی تو فرمایا ہے، حضرت ابوطلحہ نے فرمایا: بیشک (آپ نے یہ استثناء فرمایا ہے) مگر مجھے یہ پسند ہے کہ میرے نیچے ایسا کپڑا نہ رہے (یہاں سے یہ ضابطہ بنایا گیا ہے کہ فتوی سے تقوی مقدم ہے)

تشریح: جو تصویر فرش میں ہو یا بیٹھنے کے تکیے میں ہو یعنی جس پر چلا جائے یا بیٹھا جائے اور وہ پامال کی جائے اس کی گنجائش ہے، کیونکہ اس سے کسی فساد کا اندیشہ نہیں، البتہ جو تصویر دیوار میں یا پردہ میں ہو یا مورتی نصب کی ہوئی ہو اس سے چونکہ فساد کی راہ کھلتی ہے اس لئے وہ حرام ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دورِ اول میں صرف مجسمے نہیں ہوتے تھے بلکہ کپڑوں کی بناوٹ میں بھی تصویریں ہوتی تھیں، دیوار پر اور کاغذ پر قلم سے تصویریں بنائی جاتی تھیں، کعبہ شریف کے اندر مشرکین نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بنا رکھی تھیں اور ان کے ہاتھ میں جوئے کے تیر دے رکھے

تھے، پس ایسا سمجھنا کہ کیمرے کا فوٹو ایک نئی چیز ہے: صحیح نہیں، اس کی نظیریں پہلے سے موجود ہیں، اسی طرح یہ دلیل کہ کیمرے کا فوٹو ایک ظل (سایہ) ہے اور خود اس کا سایہ نہیں ہے جیسا پانی میں سایہ پڑتا ہے بس اس کو کیمرے سے برقرار کرلیا جاتا ہے پس اس میں کیا حرج ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ظل برقرار کرنے ہی سے تو صورت بنتا ہے اور صورت کا سایہ ہونا ضروری نہیں، اور مطلق صورت سے فساد پھیلتا ہے، پس جب تک وہ ظل ہے اس کے احکام اور ہیں اور جب اس کو برقرار کرلیا جائے تو وہ تصویر بن جاتا ہے اور وہ حرام ہوجاتا ہے[1]

اسی طرح ایک دلیل لوگ یہ بھی دیتے ہیں کہ ڈیجیٹل میں اور فلم میں غیر واضح ذرّات کی شکل میں تصویر آتی ہے پس اس پر تصویر کا اطلاق درست نہیں، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ غیر واضح نکتے کیا کام آئیں گے؟ ان کو بہرحال صفحۂ قرطاس پر واضح کر کے منتقل کیا جائے گا، پس مآلاً وہ تصویر بنیں گے، اس لئے ابتدا ہی سے وہ حرام ہونگے۔

[۱۸-] باب ماجاء فی الصُّوْرَةِ

[۱۷۳۹-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا رَوْحُ بنُ عُبَادَةَ، ثنَا ابنُ جُرَيْجٍ، ثَنِي أَبُوْ الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الصُّوْرَةِ فِي الْبَيْتِ، وَنَهَى أَنْ يُصْنَعَ ذٰلِكَ.

وفی الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وأَبِيْ طَلْحَةَ، وَعَائِشَةَ، وأَبِيْ هُريرةَ، وأَبِيْ أَيُّوْبَ، حديثُ جَابِرٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۷٤۰-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مُوْسَى الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُتْبَةَ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِيْ طَلْحَةَ الأَنْصَارِيِّ يَعُوْدُهُ، فَوَجَدَ عِنْدَهُ سَهْلَ بنَ حُنَيْفٍ، قَالَ: فَدَعَا أَبُوْ طَلْحَةَ إِنْسَانًا يَنْزِعُ نَمَطًا تَحْتَهُ، فَقَالَ لَهُ سَهْلٌ: لِمَ تَنْزِعُهُ؟ قَالَ: لِأَنَّ فِيْهَا تَصَاوِيْرَ، وَقَالَ فِيْهِ النبيُّ صلى الله عليه وسلم مَا قَدْ عَلِمْتَ، قَالَ سَهْلٌ: أَوَ لَمْ يَقُلْ:'' إِلَّا مَاكَانَ رَقْمًا فِيْ ثَوْبٍ؟'' قَالَ: بَلَى، وَلٰكِنَّهُ أَطْيَبُ لِنَفْسِيْ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

(۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۰:۳۹۰) میں صراحت کی ہے: **ویُستفاد منه: أنه لافرق فی تحریم التصویر بین أن تکون الصورة لها ظل أولا، ولا بین أن تکون مدهونة أو منقوشة أو منقورة أو منسوجة** یعنی اس حدیث سے مستفاد ہوا کہ تصویر خواہ سایہ دار ہو یا نہ ہو حرام ہے، اسی طرح روغنی، چھپی ہوئی، کھدی ہوئی اور بُنی ہوئی تصویریں سبھی حرام ہیں۔

بابُ ماجاء في الْمُصَوِّرِيْنَ

تصویر سازوں کی سزا

قیامت کے دن تصویر بنانے والوں کو لمبے عرصہ تک سزا دی جائے گی اوران کی سزا کی موقوفی کواس پر معلق کردیا جائے گا کہ وہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں جان ڈالیں، اوروہ یہ کام نہ کرسکیں گے، اور جب تک وہ یہ کام نہیں کریں گے سزا مسلسل جاری رہے گی۔

رہی یہ بات کہ تصویر بنانے والوں کو جہنم میں کس طرح سزا دی جائے گی؟ تو اس کا بیان ایک متفق علیہ روایت میں آیا ہے کہ جب تصویر ساز جہنم میں جائے گا تو وہاں اس کے لئے ہر اس تصویر کے بدل جواس نے بنائی ہے ایک جان پیدا کی جائے گی جواس کو جہنم میں سزا دے گی (مشکوۃ حدیث ۴۴۹۸) یعنی جب لوگ قیامت کے دن میدان محشر میں اپنے اعمال کے ساتھ آئیں گے تو مصور کی تصویر سازی ایسے نفوس کی صورت میں جلوہ گر ہوگی جن کا مصور نے تصویر بناتے وقت اپنے دل میں خیال جمارکھا تھا، جیسے کوئی زید کی تصویر بنائے تو پورے عمل کے دوران وہی اس کے حواس پر چھایا رہتا ہے، وہی قیامت کے دن متشکل ہوکر جہنم میں اس کو سزا دے گا (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۵۱۵)

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عَذَّبَهُ اللّٰهُ حتى يَنْفُخَ فِيْها، وليس بنافِخٍ فيها: جس نے کوئی تصویر بنائی اللہ تعالیٰ اس کو (قیامت کے دن) سزا دیں گے یہاں تک کہ وہ اس میں روح پھونکے، اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا (پس سزا مسلسل جاری رہے گی) ومَنِ اسْتَمَعَ إلى حديثِ قومٍ يفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِيْ أُذُنِهِ الآنُكُ يَوْمَ القيامةِ: اور جو شخص ایسے لوگوں کی باتیں سنتا ہے جو اس سے بچ کر باتیں کرتے ہیں تو قیامت کے دن اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

تشریح: اس حدیث میں دو گناہوں کی سزا کا بیان ہے:

پہلا گناہ: تصویر سازی ہے، تصویر بنانے والوں کو جہنم میں مسلسل عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا اوران کے عذاب کی موقوفی کو ایک محال امر پر معلق کردیا جائے گا، تصویر سازوں سے کہا جائے گا: أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ: تم نے جو تصویریں بنائی ہیں ان میں روح ڈالو، اور ظاہر ہے یہ بات ان کے بس کی نہیں، پس ان کی سزا مسلسل جاری رہے گی، ہاں اگر اللہ تعالیٰ ان کے گناہ سے درگذر فرمائیں تو دوسری بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ دوسرے گناہ جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے۔

دوسرا گناہ: لوگوں کی خانگی باتیں سننا ہے، جو شخص ایسے لوگوں کی بات سننے کی کوشش کرتا ہے جو اس سے بچ کر باتیں کررہے ہیں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا، سیسہ بہت جلد گرم ہوجاتا ہے

اور بہت تیز گرم ہوتا ہے، پس اس کی اذیت کا ہر شخص بخوبی اندازہ کرسکتا ہے۔

فائدہ: حدیث میں جو حتی یَنْفُخَ فیھا آیا ہے وہ تعلیق بالمحال ہے، جیسے ﴿حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ﴾ تعلیق بالمحال ہے، اور جیسے مَنْ تَحَلَّمَ کُلِّفَ أَنْ یَعْقِدَ شَعِیْرَةً: جو شخص خواب گھڑتا ہے وہ مکلّف کیا جائے گا کہ جو کے دانوں میں گرہ لگائے (ابوداؤد حدیث ۵۰۲۴ یہ روایت ترمذی میں کتاب الرؤیا میں آئے گی) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حدیث کی دوسری شرح کی ہے جو رحمۃ اللہ الواسعہ (۵۱۵:۵) میں ہے۔

[۱۹-] باب ماجاء فی المُصَوِّرِیْنَ

[۱۷٤۱-] حدثنا قُتَیْبَةُ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ زَیْدٍ، عَنْ أَیُّوْبَ، عَنْ عِکْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عَذَّبَهُ اللّٰهُ حَتّٰی یَنْفُخَ فِیْهَا - یَعْنِیْ الرُّوْحَ - وَلَیْسَ بِنَافِخٍ فِیْهَا، وَمَنِ اسْتَمَعَ إِلٰی حَدیثِ قَوْمٍ یَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِیْ أُذُنِهِ الآنُکُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ"

وفی الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، وأَبِیْ هریرةَ، وأَبِیْ جُحَیْفَةَ، وَعَائِشَةَ، وابنِ عُمَرَ؛ حدیث ابنِ عَبَّاسٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

ترکیب: یفرون: جملہ فعلیہ قوم کی صفت ہے...... الآنُک: پگھلا ہوا سیسہ۔

بابُ ماجاء فی الْخِضَابِ

خضاب کا بیان

جب سر یا ڈاڑھی سفید ہوجائیں تو خضاب لگانا چاہئے، متفق علیہ روایت ہے کہ یہود ونصاری خضاب نہیں لگاتے، پس تم ان کی مخالفت کرو یعنی خضاب لگاؤ (مشکوٰۃ حدیث ۴۴۲۳) اور مرد کے لئے صرف سر اور ڈاڑھی کا خضاب سنت ہے، ہاتھوں پیروں پر بے ضرورت خضاب لگانا حرام ہے، حدیث میں ہے: ایک ہجڑا حضور اکرم ﷺ کے پاس لایا گیا جس نے ہاتھوں پیروں پر مہندی لگا رکھی تھی، آپؐ نے پوچھا: اس نے ایسا کیوں کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا: عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے کے لئے، آپؐ نے اس کو مدینہ منورہ سے نکلوا دیا، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اس کو قتل نہ کردیں؟ آپؐ نے فرمایا: مجھے نماز پڑھنے والوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے (ابوداؤد ۳۲۶:۲)

اور شادی شدہ عورت کے لئے ہاتھوں پیروں پر بھی خضاب کرنا سنت ہے، حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک خط پیش کیا، آپؐ نے ہاتھ سکیڑ لیا اور فرمایا: میں کیا جانوں: مرد کا

ہاتھ ہے یا عورت کا؟ اس نے عرض کیا: عورت کا ہاتھ ہے، آپؐ نے فرمایا: اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخنوں پر مہندی کا رنگ کئے ہوئے ہوتی (رواہ ابوداؤد والنسائی)

اور حضرت ہند بنت عتبہ جب بیعت کے لئے آئیں تو آپؐ نے ان سے فرمایا: میں اس وقت تک تجھ کو بیعت نہیں کروں گا جب تک تو اپنی ہتھیلیوں کو مہندی سے نہ بدل دے، دیکھ تو سہی! گویا درندے کی ہتھیلیاں ہیں!

البتہ اگر شوہر کو مہندی کی بو پسند نہ ہو تو پھر عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ مہندی کا خضاب نہ کرے بلکہ کوئی ایسا خضاب کرے جو شوہر کو پسند ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے مہندی کے خضاب کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، مگر مجھے مہندی کا خضاب پسند نہیں کیونکہ میرے حبیب ﷺ کو اس کی بو پسند نہیں تھی (رواہ ابوداؤد والنسائی)

اور سیاہ خضاب کے علاوہ ہر خضاب جائز ہے، فتح مکہ کے دن جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی میں بیعت کے لئے لائے گئے ہیں تو ان کا سر اور ڈاڑھی ثُغامہ پھول کی طرح سفید ہو رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: اس کو کسی چیز سے بدل دو، یعنی خضاب لگاؤ، اور سیاہی سے بچو یعنی سیاہ خضاب نہ لگاؤ۔

سیاہ خضاب کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ ہونگے جو سیاہ خضاب کریں گے جیسے کبوتر کے پوٹے، وہ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے، احناف کے یہاں بھی عامۂ مشائخ کا قول کراہیت کا ہے، البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس کی اجازت دیتے ہیں مگر احتیاط اور راجح قول یہ ہے کہ سیاہ خضاب مکروہ ہے۔

اور سرخ خضاب بالاتفاق مستحب ہے اور سیاہ رنگ کے علاوہ ہر خضاب جائز ہے حتی کہ سیاہی مائل خضاب بھی جائز ہے جبکہ وہ بالوں کی سیاہی سے مشتبہ نہ ہو، اور ابن ماجہ میں جو روایت ہے جس سے سیاہ خضاب کا جواز مفہوم ہوتا ہے وہ روایت نہایت ضعیف ہے، اس میں دو ضعیف راوی ہیں۔ اور اس حدیث کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ اس میں اس سیاہ خضاب کا ذکر ہے جو صحابہ میں رائج تھا یعنی وسمہ اور کَتَم کا خضاب جو سیاہی مائل ہوتا تھا بالکل سیاہ نہیں ہوتا تھا (مزید تفصیل میری کتاب ''ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں'' میں ہے)

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: غَيِّرُوْا الشَّيْبَ، وَلَا تَشَبَّهُوْا باليهود: بڑھاپے کے سفید بالوں کو بدل دو یعنی خضاب لگاؤ اور یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو یعنی ان کی طرح بے خضاب نہ رہو، ابھی متفق علیہ حدیث آئی ہے کہ یہود و نصاریٰ خضاب نہیں کرتے پس ان کی مخالفت کرو۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ أَحْسَنَ مَا غُيِّرَ بِهِ الشَّيْبُ الحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ: بہترین وہ چیز جس سے بڑھاپے کے بال بدلے جائیں مہندی اور کتم ہیں، مہندی کو تو ہر شخص جانتا ہے، اور کتم ایک پودا ہے جس کے بیج سے قدیم زمانہ میں روشنائی بنائی جاتی تھی اور بالوں میں خضاب کیا جاتا تھا، دونوں درختوں کے پتے ملا کر پیسے جائیں تو

اس سے سیاہی مائل سرخ خضاب آتا ہے جو بہترین معلوم ہوتا ہے، اسی طرح وسمہ یعنی نیل کے پودے کے پتوں سے بھی خضاب کیا جاتا ہے، ان کو بھی مہندی کے پتوں کے ساتھ پیسا جائے تو براؤن رنگ پیدا ہوتا ہے۔

فائدہ: میں ایک دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہوں، چائے کے تیز پانی میں یا کافی کے پانی میں مہندی بھگاتا ہوں اور ۲۴ گھنٹے رکھتا ہوں پھر اس میں ایک لیموں نچوڑتا ہوں اور سردی کا زمانہ ہو تو تھوڑا انیلگری کا تیل ڈالتا ہوں، پھر لگاتا ہوں تو سیاہی مائل سرخی پیدا ہوتی ہے اور نزلہ سے بھی حفاظت ہو جاتی ہے، مگر خیال رہے کہ جب بال دھوئے جائیں تو صابون استعمال نہ کیا جائے اور بال خشک کر کے کوئی بھی تیل لگالیا جائے۔

ملحوظہ: نبی ﷺ نے خضاب کیا ہے یا نہیں؟ اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ نہیں کیا کیونکہ آپؐ کی ڈاڑھی اور سر مبارک میں کل سترہ بال سفید ہوئے تھے، البتہ حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما نے کیا ہے اور آپؐ نے اس کی ترغیب بھی دی ہے اس لئے خضاب کرنا سنت ہے۔

[۲۰-] باب ماجاء في الخِضَابِ

[۱۷۴۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ عُمَرَ بنِ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "غَيِّرُوْا الشَّيْبَ، وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ"

وفي الباب: عَنِ الزُّبَيْرِ، وابنِ عَباسٍ، وَجَابِرٍ، وأَبِيْ ذَرٍّ، وأَنَسٍ، وأَبِيْ رِمْثَةَ، وَالْجَهْدَمَةِ، وأَبِيْ الطُّفَيْلِ، وَجَابِرِ بنِ سَمُرَةَ، وأَبِيْ جُحَيْفَةَ، وابنِ عُمَرَ، وَحديثُ أَبِيْ هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِيْ هريرةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۷۴۳-] حدثنا سُوَيْدُ بنُ نَصْرٍ، ثَنَا ابنُ الْمُبَارَكِ، عَنِ الأَجْلَحِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْ الأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ أَحْسَنَ مَا غُيِّرَ بِهِ الشَّيْبُ: الحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ"

هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُو الأَسْوَدِ الدِّيْلِيُّ: اسْمُهُ ظَالِمُ بنُ عَمْرِو بنِ سُفْيَانَ.

ترکیب: إنّ حرف مشبہ بالفعل، أحسن اس کا اسم مضاف، ما موصولہ صلہ کے ساتھ مل کر مضاف الیہ، غُيِّر به الشيب جملہ فعلیہ صلہ، اور الحنّاء والكتَم (بفتح التاء) إن کی خبر۔

وضاحت: ابوالاسود الدِّیلی (دال کا کسرہ اور ی ساکن) اور الدُّؤلی (دال کا پیش اور ہمزہ مفتوحہ) بصرہ کے باشندے اور مخضرم تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے، حضرت علیؓ نے انہی کو علم نحو مرتب کرنے کا حکم دیا تھا۔

بابُ ماجاء في الْجُمَّةِ وَاتِّخَاذِ الشَّعْرِ

زلفیں اور بال رکھنے کا بیان

جُمَّة: مونڈھوں تک لٹکی ہوئی زلفوں کو کہتے ہیں، اور جو زلفیں کانوں تک ہوتی ہیں ان کو وَفْرة کہتے ہیں اور آدھی گردن تک پہنچی ہوئی زلفیں لِمّة کہلاتی ہیں، نبی ﷺ جب بال کٹواتے تھے تو کانوں کی لوتک کٹواتے تھے، پھر وہ بڑھ کر آدھی گردن تک پہنچ جاتے تھے، پھر کندھے پر پڑ جاتے تھے، اس وقت دوبارہ کٹوا لیتے تھے، اور طلبہ کے اس سوال کا جواب پہلے آچکا ہے کہ سر پر بال رکھنا سنت ہے یا منڈوانا؟ اور یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ یہ سنن زوائد میں سے ہے، سنن ہدی میں سے نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے سر پر بال رکھنے کی نہ کوئی فضیلت بیان فرمائی ہے نہ بال منڈانے پر کوئی وعید سنائی ہے اور یہ بات بھی پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ صرف بال رکھنا سنت نہیں ہے پگڑی باندھنا بھی سنت ہے، پس سنت پر سنت کے طریقہ سے عمل کرنا چاہئے اس کو فیشن کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

۱- كان رسول الله صلى الله عليه وسلم رَبْعَةً: لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالقَصِيْرِ: نبی ﷺ میانہ قد تھے، نہ دراز قامت تھے، نہ پستہ قد۔ الرَّبْعة: مذکر ومؤنث دونوں کے لئے ہے۔

۲- حَسَنَ الجِسْمِ: آپؐ خوبصورت بدن والے تھے۔

۳- أَسْمَرَ اللَّوْن: آپؐ گندمی رنگ تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں (جو شمائل میں ہے) ہے: أَبْيَضُ مُشْرَبٌ یعنی آپؐ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، اس تعارض کے سلسلہ میں بعض علماء نے کہا ہے کہ آپؐ کا جو بدن کھلا رہتا تھا وہ گندمی تھا اور جو ڈھکا رہتا تھا وہ سفید تھا، اور بعض نے کہا ہے کہ گندمی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بدن مبارک چونے جیسا سفید نہیں تھا، بلکہ اس میں سرخی ملی ہوئی تھی چنانچہ وہ گندمی نظر آتا تھا۔

۴- وكان شَعْرُهُ ليس بِجَعْدٍ وَلَا سَبْطٍ: آپؐ کے بال مبارک نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے (بلکہ ان میں تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگریالا پن تھا) جَعُدَ الشَّعْرُ (ک) جُعُوْدَةً وَجَعَادَةً بالوں کا گھنگریالا ہونا، مڑنا، اور سَبَطَ (ن) سَبَطًا بالوں کا نرم اور سیدھا ہونا، فهو سِبْطٌ وَسَبْطٌ یعنی صفت کا صیغہ باء کے کسرہ کے ساتھ بھی آتا ہے اور سکون کے ساتھ بھی۔

۵- إِذَا مَشَى يَتَكَفَّأُ: جب آپؐ چلتے تھے تو جھکتے ہوئے چلتے تھے، تَكَفَّأَ فِي مِشْيَتِهِ: کچھ آگے جھکتا ہوا چلنا، مجرد كَفَى الإناءَ ہے جس کے معنی ہیں اوندھا کرنا، یعنی اکڑ کر اتراتے ہوئے نہیں چلتے تھے بلکہ جس طرح اونچائی سے نشیب میں اترتے ہیں تو ذرا آگے جھک جاتے ہیں اسی طرح تواضع کے ساتھ چلتے تھے۔

حدیث (۲): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اور نبی ﷺ ایک برتن سے نہایا کرتے تھے اور آپ کی زلفیں جُمّة سے اوپر اور وَفرة سے نیچے تھیں، دوسرے طریق میں یہ آخری جملہ نہیں ہے، صرف پہلا مضمون ہے کہ صدیقہؓ اور نبی ﷺ ایک برتن سے نہاتے تھے، مگر جس راوی نے یہ دوسرا مضمون بڑھایا ہے وہ اعلی درجہ کا ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔ یہ راوی ابن ابی الزیاد ہیں۔

[٢١-] باب ماجاء في الجُمَّةِ، واتِّخَاذِ الشَّعْرِ

[١٧٤٤-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَبْعَةً: لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ، حَسَنَ الْجِسْمِ، أَسْمَرَ اللَّوْنِ، وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَلَا سَبْطٍ، إِذَا مَشَى يَتَكَفَّأُ.

وفي الباب. عَنْ عَائِشَةَ، وَالْبَرَاءِ، وَأَبِيْ هريرةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَوَائِلِ بنِ حُجْرٍ، وَجَابِرٍ، وَأُمِّ هَانِيءٍ؛ حديثُ أَنَسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيْثِ حُمَيْدٍ.

[١٧٤٥-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ أَبِيْ الزِّنَادِ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ، وَدُوْنَ الْوَفْرَةِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرسوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، وَلَمْ يَذْكُرُوْا هٰذَا الْحَرْفَ: "وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ" وَإِنَّمَا ذَكَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ أَبِيْ الزِّنَادِ، وَهُوَ ثِقَةٌ حَافِظٌ.

بابُ ماجاء في النَّهْيِ عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غِبًّا

روزانہ تیل کنگھا کرنے کی ممانعت

مسلمانوں کو ہر وقت بناؤ سنگھار میں نہیں لگا رہنا چاہئے، اس کے پاس کرنے کے بہت سے کام ہیں، دنیا کے کاموں میں لگے یا آخرت کے کاموں میں مشغول ہو، چنانچہ نبی ﷺ نے روزانہ تیل کنگھا کرنے سے منع فرمایا، تَرَجَّلَ شَعْرَہ کے معنی ہیں: بالوں میں کنگھی کرنا اور مراد تیل کنگھی کرنا ہے یعنی پہلے بالوں کو صابن سے دھوئے پھر ان میں تیل ڈالے پھر ان کو کنگھی سے سنوارے، یہ سب کام آدھ گھنٹے کے ہیں، مؤمن بھلا آرائش میں اتنا وقت کیسے برباد کرسکتا ہے! البتہ اگر سر یا ڈاڑھی کے بال الجھ جائیں اور ان کو ٹھیک کرلیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ

اس میں وقت ضائع نہیں ہوتا۔

اور غِبًّا (غین کے زبر اور زیر کے ساتھ) کے معنی ہیں: ایک دن چھوڑ کر کوئی کام کرنا، غَبَّ الرجلُ فی الزیارۃ: کبھی کبھی ملنا، حدیث میں ہے: زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا: ناغہ کر کے ملا کرو، محبت بڑھے گی، اور مراد تیسرے دن کام کرنا ہی نہیں ہے بلکہ گاہ بہ گاہ حسب ضرورت کام کرنا مراد ہے، اگر درمیان میں دو تین دن چھوڑ دے تو بھی اس پر غِبٌّ کا اطلاق ہوگا۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے تیل کنگھا کرنے سے منع فرمایا مگر ایک دن چھوڑ کر یعنی گاہ بہ گاہ (یہ نہی تنزیہی بمعنی خلاف اولی ہے)

[۲۲-] باب ماجاء فی النَّهْيِ عن التَّرَجُّلِ إلَّا غِبًّا

[۱۷٤٦-] حدثنا عَلِيُّ بنُ خَشْرَمٍ، ثَنَا عِيْسَى بنُ يُوْنُسَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَن عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُغَفَّلٍ قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ التَّرَجُّلِ إلَّا غِبًّا.

حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيَى بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَفِي البابِ عَنْ أَنَسٍ.

بابُ ماجاء فی الِاكْتِحَالِ

سرمہ لگانے کا بیان

آنکھ میں سرمہ ڈالنا مستحب ہے، آنکھ اللہ کی بڑی نعمت ہے، جب نہیں رہتی تب قدر معلوم ہوتی ہے پس ہمیشہ اس کی فکر کرنی چاہئے اور ثواب کی نیت سے سرمہ لگانا چاہئے، آنکھ کا بھی بھلا ہوگا اور سنت کا بھی ثواب ملے گا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''اِثمد کا سرمہ آنکھوں میں لگایا کرو کیونکہ وہ نگاہ کی روشنی کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بالوں کو اگاتا ہے'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے ہر رات تین سلائی اِس آنکھ میں اور تین سلائی اُس آنکھ میں ڈالا کرتے تھے۔

تشریح: اِثمد ایک خاص قسم کا سرمہ ہے جو سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے، اب عام طور پر نہیں ملتا، مدینہ منورہ میں جو ملتا ہے وہ بھی اصلی نہیں ہوتا پس مذکورہ فوائد کا حامل کوئی بھی سرمہ لگایا جائے تو مقصود حاصل ہو جائے گا۔

اور سرمہ سوتے وقت لگانا زیادہ مفید ہے تاکہ دیر تک آنکھوں میں اثر باقی رہے اور مسامات میں سرایت کرے اور آج کل آنکھ میں ڈالنے کے جو قطرات ملتے ہیں وہ بھی سرمہ کے قائم مقام ہو جائیں گے۔

اور سلائی کی تعداد کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں، بعض میں دونوں آنکھوں میں تین تین سلائی ڈالنے کا ذکر

ہے (یہ روایت باب میں ہے) اور بعض میں دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دو کا ذکر ہے، چونکہ پہلی سلائی پر کچھ زیادہ سرمہ نہیں لگتا اس لئے پہلی آنکھ میں تین سلائیاں ڈالتے ہونگے، پھر جب سلائی تر ہوجاتی ہے تو اس پر اچھی طرح سرمہ لگتا ہے اس لئے دوسری آنکھ میں دو سلائیاں ڈالتے ہونگے، مگر علماء نے عام طور پر اس کو ترجیح دی ہے کہ دونوں آنکھوں میں تین تین سلائیاں ڈالے۔

[۲۳-] باب ماجاء فی الاِکْتِحَالِ

[۱۷۴۷-] حدثنا مُحمدُ بنُ حُمَيْدٍ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، عَنْ عَبَّادِ بنِ مَنْصُوْرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" اكْتَحِلُوْا بِالإِثْمِدِ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ" وَزَعَمَ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَتْ لَهُ مُكْحُلَةٌ، يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ: ثَلاَثَةً فِيْ هٰذِهِ، وَثَلاَثَةً فِيْ هٰذِهِ.

حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، وَمُحَمدُ بنُ يَحْيىَ، قَالاَ: ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، عَنْ عَبَّادِ بنِ مَنْصُوْرٍ نَحْوَهُ.

وفی الباب: عَنْ جَابِرٍ، وابنِ عُمَرَ، حديثُ ابنِ عَباسٍ حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لاَنَعْرِفُهُ عَلَى هٰذَا اللَّفْظِ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبَّادِ بنِ مَنْصُوْرٍ.

[۱۷۴۸-] وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ قَالَ:" عَلَيْكُمْ بِالإِثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ"

نوٹ: علیکم کے لفظ سے روایت شمائل ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

بابُ ماجاء فی النَّهْيِ عَنْ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَالاِحْتِبَاءِ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ

ایک کپڑے میں لپٹ جانے اور ایک کپڑے سے حبوہ بنانے کی ممانعت

ایک کپڑا بدن پر اس طرح لپیٹ لینا کہ دونوں ہاتھ اندر بند ہوجائیں ممنوع ہے بعض مرتبہ اچانک ہاتھوں سے کام لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، مثلاً اس طرح کپڑا لپیٹ کر چل رہا تھا کہ اچانک ٹھوکر لگی تو ہاتھ سے ٹیک لگانے کی ضرورت پیش آئے گی، اور ہاتھ جلدی نکل نہ سکیں گے تو گر پڑے گا، اسی طرح ایک کپڑے میں حبوہ بنانا یعنی گھٹنے کھڑے کرکے چاروں طرف سے کپڑا لپیٹ کر بیٹھنا جبکہ شرم گاہ پر کوئی مستقل کپڑا نہ ہو ممنوع ہے، کبھی کسی کے دھکا دینے سے آدمی گر پڑتا ہے یا اونگھتے ہوئے گر جاتا ہے تو ننگا پا کھل جائے گا۔ غرض کپڑا پہننے کی ایسی ہیئت ممنوع ہے جس سے بوقت ضرورت ہاتھ نہ نکل سکیں یا ننگا ہوجانے کا احتمال ہو۔

حدیث: نبی ﷺ نے کپڑا پہننے کی دو ہیئتوں سے منع فرمایا: ایک: ٹھوس طریقہ پر کپڑا پہننا، دوسرا: آدمی کا ایک کپڑے سے حبوہ بنانا درانحالیکہ اس کی شرمگاہ پر اس میں سے کچھ نہ ہو۔

تشریح: اللِّبْسَة (بکسر اللام) کپڑا پہننے کا انداز وطریقہ الصَّمَّاء: ٹھوس، صَمَّ الجسمُ، جسم کا ٹھوس اور سخت ہونا مراد ایک کپڑے میں بند ہوجانا ہے۔ اور الحَبْوَة (بتثلیث الأول) وہ بیٹھک جس میں آدمی سیرین کے بل بیٹھ کر اپنی دونوں رانوں سے پنڈلیاں ملا کر گھٹنے کھڑے کرلیتا ہے اور ہاتھ پنڈلیوں پر باندھ لیتا ہے، اسی طرح مذکورہ طریقہ پر بیٹھ کر کمر اور پنڈلیوں کے گرد کوئی کپڑا وغیرہ باندھ لینا بھی حبوۃ ہے۔

[۲۴-] باب ماجاء في النهي عن اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ والاِحْتِبَاءِ بالثوبِ الْوَاحِدِ

[۱۷۴۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا يَعْقُوْبُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ لِبْسَتَيْنِ: الصَّمَّاءِ، وأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ بِثَوْبِهِ، لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْئٌ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وابنِ عُمَرَ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِيْ أُمَامَةَ، حديثُ أَبِيْ هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيرةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

لغت: لُبسة (بضم اللام) مصدر: پہننا اور لِبْسَة (بکسر اللام) پہننے کی ہیئت، طریقہ، لام کے زبر کے ساتھ صحیح نہیں اس کے معنی ہیں: اشتباہ۔

بابُ ماجاء في مُوَاصَلَةِ الشَّعْرِ

بالوں میں بال ملانے کی ممانعت

جن عورتوں کے بال ہلکے یا چھوٹے ہوتے ہیں وہ بالوں کو گھنے اور لمبے کرنے کے لئے دوسرے بال بالوں میں ملواتی ہیں، حدیث میں اس پر لعنت آئی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے یعنی رحمت سے محروم کردیا ہے وَاصِلة کو یعنی جو بالوں میں دوسرے انسان کے بال ملانے والی ہے یعنی حجّامن، اور مُسْتَوْصِلَة کو یعنی جو اپنے بالوں میں دوسرے انسان کے بال ملوانے والی ہے، اول: دوکاندار عورت ہے جو یہ دھندا کرتی ہے اور دوسری گاہک ہے جو پیسے دے کر اپنے بالوں میں بال ملواتی ہے اور وَاشِمَة کو یعنی بدن گودنے والی عورت کو اور مُسْتَوْشِمَة کو یعنی بدن گدوانے والی عورت کو، وَشَمَ الْجِلْدَ يَشِمُ وَشْمًا کے معنی ہیں: کھال کو سوئی سے گود کر اس میں نیل بھرنا، عورتیں خوبصورت بننے

کے لئے اس طرح بدن گدواتی ہیں اور دیہاتی ہندوؤں میں تو اس کا عام رواج ہے، زمانۂ جاہلیت میں مسوڑھے میں عورتیں تل بنواتی تھیں جس کا مقصد حسن و جمال پیدا کرنا ہوتا تھا اس لئے نبی ﷺ نے ان باتوں سے منع فرمایا۔

تشریح: بالوں میں کالے تاگے ملانا بلا کراہیت جائز ہے، اور جانور کے بال ملانا اگر اشتباہ پیدا نہ ہو تو وہ بھی جائز ہے، اور انسان کے بال ملانا مطلقاً حرام ہے، احترام انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی انسانی جزء استعمال نہ کیا جائے۔

جاننا چاہئے کہ حسن و جمال مطلوب ہے اور خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے جسم کو اور بالوں کو سنوارنا مامور بہ ہے مگر اس طرح حسن پیدا کرنا کہ کسی کو دھوکا ہو یا اللہ کی بناوٹ میں تغیر ہو: جائز نہیں، کالا خضاب لگانا اور دانتوں میں ریخیں نکلوانا بھنوؤں کے بال نوچنا اور جسم گدوانا اسی وجہ سے ممنوع ہیں، کیونکہ حقیقی حسن وہی ہے جو فطری ہے، بناوٹی حسن کاغذ کا پھول ہے جس میں خوشبو نہیں ہوتی، صرف دکھاوا ہوتا ہے۔

[۲۵-] باب ماجاء فی مُوَاصَلَةِ الشَّعْرِ

[۱۷۵۰-] حدثنا سُوَيْدٌ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ النبيَّ صلی الله علیه وسلم قَالَ: " لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ، وَالْمُسْتَوْصِلَةَ، وَالْوَاشِمَةَ، وَالْمُسْتَوْشِمَةَ" قَالَ نَافِعٌ: الوَشْمُ فِی اللِّثَةِ.

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وفی الباب: عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَعَائِشَةَ، وأَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِی بَكْرٍ، وَمَعقِلِ بنِ يَسَارٍ، وابنِ عَبّاسٍ، وَمُعَاوِيَةَ.

بابُ ماجاء فی رُكُوبِ الْمَيَاثِرِ

مِیْثَرۃ پر بیٹھنے کی ممانعت

مِیْثَرَة کا مادہ وَثَرَ ہے، وَثَرَ الشیئَ یَثِرُ وَثْرًا کے معنی ہیں: ہموار کرنا، پیروں وغیرہ سے دبا کر نرم کرنا، اور وَثُرَ الشیئُ (ک) یُوْثُرُ وَثَارَةً کے معنی ہیں: نرم ہونا، ہموار اور ملائم ہونا، اور مِیْثَرۃ کے معنی ہیں: عجمیوں کی ریشم و دیبا سے سنواری ہوئی سواری۔

عربوں میں تکیوں پر بیٹھنے کا رواج تھا یعنی ایک تکیہ تو سر کے نیچے رکھنے کے لئے ہوتا تھا اور دوسرا تکیہ بیٹھنے کے لئے ہوتا تھا، بلکہ ٹیک لگانے کے لئے گاؤ تکیہ بھی ہوتا تھا۔ اور بعض لوگ گھوڑے کی زین پر بھی تکیہ رکھ کر سواری کرتے تھے جس کو مِیْثَرۃ کہا جاتا تھا، اس کی جمع مَیَاثِرُ ہے، نبی ﷺ نے اس کے استعمال کی ممانعت فرمائی، اب علماء کی تین رائیں ہیں: کوئی کہتا ہے: وہ ریشم کا ہوتا تھا اس لئے ممانعت فرمائی، اور کوئی کہتا ہے: وہ سرخ ہوتا تھا اس

لئے ممانعت فرمائی، اور کوئی کہتا ہے: وہ فضول ٹھاٹھ تھا اس لئے ممانعت فرمائی۔ واللہ اعلم

اور باب میں جو حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میاثر پر سواری کرنے سے منع فرمایا، یہ ایک لمبی حدیث ہے، اس میں سات باتوں کی ممانعت ہے اور سات باتوں کا حکم ہے۔ یہ حدیث بخاری (حدیث ۵۶۳۵) میں ہے اور امام ترمذیؒ نے جو فرمایا ہے کہ حدیث میں لمبا مضمون ہے اس سے یہی مفصل حدیث مراد ہے[۱]

[۲۶-] باب ماجاء فی رُکُوْبِ الْمَیَاثِرِ

[۱۷۵۱-] حدثنا عَلِیُّ بنُ حُجرٍ، ثَنَا عَلِیُّ بنُ مُسْهِرٍ، ثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ الشَّیْبَانِیُّ، عَنْ أَشْعَثَ بنِ أَبِیْ الشَّعْثَاءِ، عَنْ مُعَاوِیَةَ بنِ سُوَیْدِ بنِ مُقَرِّنٍ، عَنِ الْبَرَاءِ بنِ عَازِبٍ، قَالَ: نَهَی رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ رُکُوْبِ الْمَیَاثِرِ.

وفی الباب: عَنْ عَلِیٍّ، وَمُعَاوِیَةَ، حدیثُ الْبَرَاءِ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَقَدْ رَوَی شُعْبَةُ، عَنْ أَشْعَثَ بنِ أَبِیْ الشَّعْثَاءِ نَحْوَهُ، وَفِیْ الْحَدِیْثِ قِصَّةٌ.

بابُ ماجاء فی فِرَاشِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کا ذکر

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر جس پر آپؐ سوتے تھے چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔

تشریح: ایک دوسری حدیث میں ٹاٹ اور بوریے پر آپؐ کے آرام فرمانے کا بھی ذکر آیا ہے اور صحابہ جب بھی نرم بستر بنانے کی درخواست کرتے تو آپؐ فرماتے: ''مجھے دنیا کی راحت وآرام سے کیا لینا ہے! میری مثال تو اس راہ گیر کی ہے جو چلتے چلتے راستہ میں کسی درخت کے سایہ میں آرام کے لئے تھوڑی دیر رک گیا ہو پھر آگے چل دیا ہو'' حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں: ایک انصاری عورت نے آپؐ کے لئے ایک بستر بنایا اور اس میں اون بھری، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بستر واپس کردیا، اور فرمایا: ''بخدا! اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ میرے لئے سونے اور چاندی کے پہاڑ چلادیں!'' چنانچہ حضرت عائشہؓ نے بادل ناخواستہ وہ بستر واپس کردیا، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ آپؐ

(۱) وہ سات مامور بہ چیزیں یہ ہیں: بیمار کی بیمار پرسی کرنا، جنازہ کے ساتھ جانا، چھینکنے والے کو دعا دے کر خوش کرنا، دعوت قبول کرنا، سلام کو رواج دینا، مظلوم کی مدد کرنا اور قسم دینے والے کا کام کردینا۔ اور سات منہی عنہ چیزیں یہ ہیں: سونے کی انگوٹھی پہننا، چاندی کے برتن میں پینا، میاثر پر بیٹھنا، قسّی کپڑا پہننا اور حریر ودیبا واستبرق استعمال کرنا۔

ایک بوریے پر آرام فرمارہے تھے جس کے نشانات جسم اطہر پر ظاہر ہورہے تھے، ابن مسعودؓ یہ منظر دیکھ کر رو پڑے آپؐ نے رونے کی وجہ پوچھی: انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قیصر و کسری تو ریشم اور مخمل کے گدوں پر سوئیں اور آپؐ بوریے پر! آپؐ نے فرمایا: ''یہ چیزیں ان کے لئے دنیا میں ہیں اور ہمارے لئے آخرت میں'' (شمائل نبوی)

اور لِیف کا ترجمہ عام طور پر کھجور کی چھال کیا جاتا ہے جس سے طالب علم صحیح بات نہیں سمجھتے، وہ سمجھتے ہیں: کلہاڑی سے چھیل کر کھجور کے تنے سے اتاری ہوئی چھال کا بستر ہوتا ہوگا، یہ بات صحیح نہیں، وہ تو لکڑیاں ہونگی اس کا گدا کیسے بنے گا! بلکہ کھجور کے ریشے مراد ہیں، کھجور اور ناریل کے پتوں کی جڑوں میں ایک جھلّی ہوتی ہے جو سوکھ کر گر جاتی ہے اس کو کوٹ کر برادہ بنالیا جاتا تھا جس کو گدوں اور تکیوں میں بھرتے تھے اور لمبائی میں کاٹ کر اس کی رسی بھی بُنی جاتی تھی پھر اس کی لگام بنتی تھی۔

[۲۷-] باب ماجاء فی فِرَاشِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم

[۱۷۵۲-] حدثنا عَلِیُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا عَلِیُّ بنُ مُسْهِرٍ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ رسولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الَّذِیْ يَنَامُ عَلَيْهِ أَدَمٌ، حَشْوُهُ لِيْفٌ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وفی الباب: عَنْ حَفْصَةَ، وَجَابِرٍ.

وضاحت: ترمذی کے تمام نسخوں میں حدیث میں أَدَمٌ (چمڑا، کھال) حالت رفعی میں ہے مگر مسلم شریف (کتاب اللباس حدیث۲۰۸۲) میں أَدَمًا حالت نصبی میں ہے اور مشکوۃ (حدیث ۴۳۰۷) میں بھی حالت نصبی میں ہے اور مسند احمد (۶: ۷۳) میں بھی اسی طرح ہے مگر حالت رفعی کی بھی تاویل ممکن ہے کہ فراش کو خبر مقدم مان لیا جائے۔

بابُ ماجاء فی القُمُصِ

کرتوں کا ذکر

قُمُص (بضمتین) قمیص کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کرتا، نبی ﷺ کے زمانہ میں سلے ہوئے کپڑوں کا رواج کم تھا، عام طور پر چادر اوڑھی جاتی تھی جس کو روکنی پڑتی تھی اور اس میں زینت بھی کم تھی، اس لئے نبی ﷺ کو کرتا پسند تھا اس سے بدن اچھی طرح چھپ جاتا تھا اور اس میں تجمل و زینت بھی زیادہ ہے۔

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں:

حدیث (۱): حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کو کپڑوں میں سب سے زیادہ کرتا پسند تھا۔

تشریح: أَحَبّ اور القمیص میں سے ہر ایک کو کان کا اسم اور خبر بنا سکتے ہیں مگر أَحَبّ چونکہ مشتق ہے اس لئے

اس کوخبر مقدم بنانا بہتر ہے، اور یہ حدیث حضرت ام سلمہؓ سے عبداللہ بن بریدہ براہِ راست روایت کرتے ہیں مگر ایک سند میں وہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ام سلمہؓ سے روایت کرتی ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی روایت کو اصح قرار دیا ہے، مگر اس سند کا کسی کتاب میں ذکر نہیں، صرف ترمذی میں اس کا تذکرہ ہے، نیز ان کی والدہ کا نام بھی معلوم نہیں۔

حدیث (۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ جب کرتا پہنتے تو اس کی دائیں جانب سے شروع فرماتے یعنی پہلے دائیں آستین میں ہاتھ ڈالتے کیونکہ دائیں کی فضیلت مسلّم ہے، اور مَیَامِن: مَیْمَنَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: دایاں، یہ روایت امام شعبہ رحمہ اللہ کے بعض تلامذہ موقوف بیان کرتے ہیں یعنی کرتا پہننے کا یہ طریقہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تھا، البتہ عبدالصمد اس کو مرفوع کرتے ہیں یعنی یہ طریقہ نبی ﷺ کا تھا۔

حدیث (۳): حضرت اسماء انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کی قمیص کی آستین پہنچے تک تھی، یہیں تک آستین بہتر ہوتی ہے اور کوئی اس سے زیادہ رکھنا چاہے تو جائز ہے مگر انگلیوں سے متجاوز نہیں ہونی چاہیے۔

[۲۸-] باب ماجاء في القُمُصِ

[۱۷۵۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، ثَنَا أَبُوْ تُمَيْلَةَ، وَالْفَضْلُ بنُ مُوْسَى، وَزَيْدُ بنُ حُبَابٍ، عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْقَمِيْصُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بنِ خَالِدٍ، تَفَرَّدَ بِهِ، وَهُوَ مَرْوَزِيٌّ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الحديثَ عَنْ أَبِيْ تُمَيْلَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، وَسَمِعْتُ مُحمدَ بنَ إِسْمَاعِيْلَ قَالَ: حديثُ ابنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَصَحُّ، وَإِنَّمَا يَذْكُرُ فِيْهِ أَبُوْ تُمَيْلَةَ: عَنْ أُمِّهِ.

[۱۷۵٤-] حدثنا زِيَادُ بنُ أَيُّوْبَ، ثَنَا أَبُوْ تُمَيْلَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْقَمِيْصُ.

[۱۷۵۵-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا الْفَضْلُ بنُ مُوْسَى، عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْقَمِيْصُ.

[۱۷۵٦-] حدثنا عَلِيُّ بنُ نَصْرِ بنِ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم

إِذَا لَبِسَ قَمِيْصًا بَدَأَ بِمَيَامِنِه.

وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الحديثَ عَنْ شُعْبَةَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَإِنَّمَا رَفَعَهُ عَبْدُ الصَّمَدِ.

[١٧٥٧-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ محمدِ بنِ الْحَجَّاجِ الصَّوَّافُ الْبَصْرِيُّ، نَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ الدَّسْتَوَائِيُّ، ثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ بُدَيْلٍ العُقَيْلِيِّ، عَنْ شَهْرِ بنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ بنِ السَّكَنِ الأَنْصَارِيَّةِ، قَالَتْ كَانَ كُمُّ يَدِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى الرُّسْغِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

وضاحت: شروع کی تین روایتیں (حدیث ۱۷۵۳-۱۷۵۵) ایک ہی روایت ہیں، عبدالمؤمن سے روایت کرنے والے تین حضرات ہیں: ابوتمیلہ، فضل بن موسیٰ اور زید بن حباب اور اس سند میں عبداللہ کی والدہ کا واسطہ نہیں ہے اور تینوں سے روایت کرنے والے محمد بن حمید رازی ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے یعنی عبدالمؤمن سے آخر تک ایک ہی سند ہے، پس عبدالمؤمن اس حدیث کے ساتھ متفرد ہیں اور وہ مرو کے باشندے ہیں، اور بعض حضرات یہ روایت ابوتُمیلہ یحیٰ بن واضح سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبداللہ کی والدہ کا واسطہ بڑھاتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی واسطہ والی روایت کو اصح قرار دیا ہے اور عن أمه کا تذکرہ صرف ابوتمیلہ کرتے ہیں، پھر ابو تمیلہ کی یہی اضافہ والی سند زیادکی روایت سے (نمبر ۱۷۵۴) لائے ہیں، پھر علی بن حجر کی سند سے فضل بن موسیٰ کی روایت (نمبر ۱۷۵۵) بغیر واسطہ والی لائے ہیں، غرض یہ تینوں نمبرات کی روایات ایک ہیں۔

بابُ مايَقُوْلُ إِذَا لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا

جب نیا کپڑا پہنے تو کیا دعا کرے؟

حدیث: نبی ﷺ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تھے تو (پہلے) اس کا نام لیتے تھے مثلاً: عمامہ، قمیص یا چادر پھر فرماتے: اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ! أَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ، أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ، وأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ، وَشَرِّ مَاصُنِعَ لَهُ: اے اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لئے ہیں! آپ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا (اس میں تین ضمیریں ہیں: تَ واحد حاضر کی ضمیر، پھر ن وقایہ ہے، پھر ی واحد متکلم کی ضمیر مفعول اول ہے، پھر ہ واحد غائب کی ضمیر مفعول ثانی ہے) میں آپ سے اس کپڑے کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس چیز کی بھلائی مانگتا ہوں جس کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے (یعنی کپڑا بھی بابرکت ثابت ہو اور اس کے آثار بھی مبارک ہوں) اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس کپڑے کی برائی سے اور اس کام کی برائی سے جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔ اس دعا کے شروع میں هذه عمامة یاهذا قمیصٌ یاهذا رداءٌ وغیرہ کہتے تھے اور اگر کوئی كَسَوْتَنِيْهِ کے مفعول ثانی کی ضمیر کی جگہ کپڑے کا تذکرہ کرے تو یہ بھی درست ہے۔ مثلاً کہے: أنتَ كَسَوْتَني

عِمامةً/ قميصاً/ رداءً/ قلنسوةً/ خُفًّا وغیرہ......اور اسْتَجَدَّ الثَّوبَ کے معنی ہیں: نیا کپڑا پہننا، یعنی کوئی کپڑا پہلی مرتبہ پہننا، دھلے ہوئے کپڑے پہننا استجدَّ نہیں ہے۔

[٢٩-] باب مايقولُ إِذَا لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا

[١٧٥٨-] حدثنا سُوَيْدٌ، ثَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ سَعِيْدٍ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِىْ نَضْرَةَ، عَنْ أَبِىْ سَعِيْدٍ، قَالَ: كَانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا، سَمَّاهُ بِاسْمِهِ: عِمَامَةً، أَوْ قَمِيْصًا، أَوْ رِدَاءً، ثُمَّ يَقُوْلُ: "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ! أَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ، أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ، وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ، وأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ، وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ"

وفى الباب: عَنْ عُمَرَ، وابنِ عُمَرَ، حدثنا هِشَامُ بنُ يُوْنُسَ الْكُوْفِيُّ، ثَنَا الْقَاسِمُ بنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيُّ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ نَحْوَهُ. هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

بابُ ماجاء فى لُبْسِ الْجُبَّةِ والْخُفَّيْنِ

جبہ اور چمڑے کے موزے پہننے کا ذکر

جبہ بھی ایک طرح کا کرتا ہے بلکہ کرتے کی اعلی شکل ہے، تبوک کے سفر میں نبی ﷺ نے جبہ پہن رکھا تھا، وہ رومی ساخت کا بنا ہوا تھا، اس کی آستینیں تنگ تھیں، ایک موقع پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو وضو کرائی تو آستین تنگ ہونے کی وجہ سے چڑھی نہیں تو آپؐ نے آستینوں میں سے ہاتھ باہر نکال کر دھوئے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے ایک جبہ اور چمڑے کے دو موزے آنحضور ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کئے، آپؐ نے ان کو استعمال فرمایا یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے، اور آپؐ نے اس کی تحقیق نہیں کی کہ وہ موزے مذبوحہ جانور کی کھال کے تھے یا مردار کی، کیونکہ ہر کھال رنگنے سے پاک ہوجاتی ہے، اس لئے اس تحقیق کی ضرورت نہیں تھی۔

فائدہ: یہ دوسری حدیث امام شعبی رحمہ اللہ سے ابواسحاق شیبانی روایت کرتے ہیں اور اس میں صرف خفین کا ذکر ہے، اور امام شعبیؒ سے جابر جعفی بھی روایت کرتے ہیں اور اس میں جبہ کا بھی تذکرہ ہے۔

[٣٠-] باب ماجاء فى لُبْسِ الْجُبَّةِ وَالْخُفَّيْنِ

[١٧٥٩-] حدثنا يُوْسُفُ بنُ عِيْسَى، ثَنَا وَكِيْعٌ، ثَنَا يُوْنُسُ بنُ أَبِىْ إِسْحَاقَ، عَنِ الشَّعْبِىِّ، عَنْ عُرْوَةَ بنِ الْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ النبىَّ صلى الله عليه وسلم لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ

الْكُمَّيْنِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۷٦۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا ابنُ أَبِیْ زَائِدَةَ، عَنِ الْحَسَنِ بنِ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِیْ إِسْحَاقَ – هُوَ الشَّيْبَانِيُّ – عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ: أَهْدَى دِحْيَةُ الْكَلْبِيُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خُفَّيْنِ فَلَبِسَهُمَا، وَقَالَ إِسْرَائِيْلُ عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عَامِرٍ: وَجُبَّةً فَلَبِسَهُمَا حَتَّى تَخَرَّقَا، لَايَدْرِیْ النبيُّ صلى الله عليه وسلم أَذَكِيٌّ هُمَا أَمْ لَا؟

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وأَبُوْ إِسْحَاقَ الَّذِیْ رَوَى هٰذَا عَنِ الشَّعْبِيِّ هُوَ أَبُوْ إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيُّ، واسْمُهُ سُلَيْمَانُ، وَالْحَسَنُ بنُ عَيَّاشٍ: هُوَ أَخُوْ أَبِیْ بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ.

بابُ ماجاء فی شَدِّ الأَسْنَانِ بِالذَّهَبِ

سونے کے تاروں سے دانتوں کو باندھنا

باب ۱۳ میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت مرد کے لئے سونے کا استعمال جائز ہے، حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کی ناک جنگ کلاب (بضم الکاف) میں کٹ گئی تھی، یہ زمانہ جاہلیت کا ایک معرکہ تھا، پس انھوں نے پہلے چاندی کی ناک بنوائی مگر وہ بدبودار ہوجاتی تھی اس لئے نبی ﷺ نے ان کو سونے کی ناک بنوانے کی اجازت دی (اسی طرح سونے کے تاروں سے دانت بندھوانا یا دانت پر خول چڑھانا بھی جائز ہے اس لئے کہ چاندی کالی پڑجاتی ہے)

فائدہ: اس حدیث کی سند میں جو ابوسعد الصنعانی ہیں ان کا نام محمد بن میسّر (بروزن محمد) ہے، رجال کی کتابوں میں ان کی نسبت صاغانی ہے، یہ نابینا تھے اور ضعیف راوی ہیں، مگر اس سے حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ علی بن ہاشم کوفی ٹھیک راوی ہیں، اور اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن طَرَفہ سے سَلْم بن زرِیر بھی روایت کرتے ہیں ان کے باپ کا صحیح نام یہی ہے، عبدالرحمٰن بن مہدیؒ ان کے باپ کا نام رزین (شروع میں ر اور آخر میں ن) بیان کرتے تھے جو صحیح نہیں، اور بہت سے سلف سے یعنی صحابہ وتابعین سے دانتوں کو سونے سے باندھنا مروی ہے، یہ سب روایتیں فتح الباری میں ہیں اور وہاں سے تحفۃ الاحوذی میں نقل ہوئی ہیں۔

[۳۱-] باب ماجاء فی شَدِّ الأَسْنَانِ بِالذَّهَبِ

[۱۷٦۱-]حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا عَلِيُّ بنُ هَاشِمِ بنِ الْبَرِيْدِ، وأَبُوْ سَعْدٍ الصَّنْعَانِيُّ، عَنْ أَبِیْ الأَشْهَبِ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ طَرَفَةَ، عَنْ عَرْفَجَةَ بنِ أَسْعَدَ قَالَ: أُصِيْبَ أَنْفِی يَوْمَ الْكُلَابِ فِیْ الْجَاهِلِيَّةِ، فَاتَّخَذْتُ أَنْفًا مِنْ وَرِقٍ، فَأَنْتَنَ عَلَيَّ، فَأَمَرَنِیْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ أَتَّخِذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ.

حدثنا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، ثَنَا الرَّبِيْعُ بنُ بَدْرٍ، وَمُحمدُ بنُ يَزِيْدَ الْوَاسِطِيُّ عَنْ أَبِيْ الْأَشْهَبِ نَحْوَهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الرحمنِ بنِ طَرَفَةَ، وَقَدْ رَوَى سَلْمُ بنُ زَرِيْرٍ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ طَرَفَةَ نَحْوَ حديثِ أَبِيْ الْأَشْهَبِ عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ طَرَفَةَ، وَقَالَ ابنُ مَهْدِيٍّ: سَلْمُ بنُ رَزِيْنٍ، وَهُوَ وَهْمٌ، وَزَرِيْرٌ أَصَحُّ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُمْ شَدُّوْا أَسْنَانَهُمْ بِالذَّهَبِ، وفي هٰذَا الحديثِ حُجَّةٌ لَهُمْ.

بابُ ماجاء في النَّهْيِ عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ

درندوں کی کھالوں کا استعمال جائز نہیں

ابھی باب ۷ میں یہ بات آئی ہے کہ ہر کھال رنگنے سے پاک ہوجاتی ہے، پس درندوں کی کھالیں بھی رنگنے سے پاک ہوجاتی ہیں مگر جس طرح کھانے پینے کی چیزوں کا مزاج پر اثر پڑتا ہے، پہننے اوڑھنے اور بچھانے کی چیزوں کا بھی اثر پڑتا ہے، اس لئے درندوں کی کھالوں کو بچھا کر اس پر بیٹھنے سے منع کیا گیا، اسی طرح ان کی ٹوپی، صدری وغیرہ پہننا بھی ممنوع ہے، ہاں دور کی صاحب سلامت جائز ہے یعنی زینت کے لئے دیوار پر لگانا جائز ہے۔

باب میں جو روایت ہے اس کو ابو الملیح اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں، سعید بن ابی عروبہ کی سند اسی طرح ہے، اور امام شعبہؒ اس کی سند ابو الملیح پر روک دیتے ہیں یعنی ان کی روایت مرسل ہے، امام ترمذیؒ نے اس دوسری سند کو اصح کہا ہے، کیونکہ شعبہؒ سعید سے احفظ ہیں، مگر سعید بھی ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے، چنانچہ حاکم نے ان کی سند کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، پس ہمارے خیال میں دونوں سندیں صحیح ہیں۔

ملحوظہ: مشکوٰۃ میں امام ترمذیؒ کے حوالہ سے دو علحدہ علحدہ روایتیں ہیں: (۱) نهى عن جلود السِّباع یہ ابو الملیح کے والد سے مروی ہے (۲) كَرِهَ ثَمَنَ جلودِ السِّبَاعِ یہ ابو الملیح کا قول ہے، پس دونوں روایتوں کا مضمون الگ الگ ہے، پس کسی ایک کو ترجیح دینے کی ضرورت نہیں (مشکوٰۃ حدیث ۵۰۶ و ۵۰۷ كتاب الطهارة باب تطهير النجاسات)

[۳۲-] باب ماجاء في النهي عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ

[۱۷٦۲-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا ابنُ الْمُبَارَكِ، وَمُحمدُ بنُ بِشْرٍ، وَعَبْدُ اللهِ بنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ أَبِيْ عَرُوْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْ الْمَلِيْحِ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ أَنْ تُفْتَرَشَ.

[۱۷٦۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيَى بنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا سَعِيْدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْ الْمَلِيْحِ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ، وَلَا نَعْلَمُ أَحداً قَالَ: عَنْ أَبِيْ

الْمَلِيْحِ، عَنْ أَبِيْهِ: غَيْرُ سَعِيْدِ بنِ أَبِي عَرُوْبَةَ.
[١٧٦٤-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جعفرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَزِيْدَ الرِّشْكِ، عَنْ أَبِي الْمَلِيْحِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ نَهَى عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ، وَهٰذَا أَصَحُّ.

وضاحت: هذا أصح سے معلوم ہوتا ہے کہ مسند اور مرسل دونوں روایتیں ہم معنی ہیں، ورنہ ترجیح کی ضرورت نہیں تھی، پس صاحب مشکوٰۃ کی نقل قابل غور ہے۔

بابُ ماجاءَ فی نَعْلِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی ﷺ کے چپلوں کا تذکرہ

دور نبوی میں لوگ عام طور پر ننگے پاؤں چلتے تھے، مرد بھی اور عورتیں بھی۔ جوتے چپل بڑے لوگوں ہی کو میسر تھے، پھر جوتوں کا تو روایات میں کوئی تذکرہ نہیں، صرف چپلوں کا تذکرہ آتا ہے اور عام لوگ عام طور پر بالوں والے چپل پہنتے تھے، بالوں کو صاف کرنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے مگر نبی ﷺ بغیر بال والے یعنی عمدہ چپل استعمال فرماتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسے ہی چپل پہنتے تھے ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: حضور اکرم ﷺ ایسے ہی چپل پہنتے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ طلبہ کو نبی ﷺ کے چپل دکھائے جو بغیر بال والے تھے۔

رہی یہ بات کہ ان چپلوں کی ہیئت کیا تھی؟ اس کی کوئی واضح صورت روایات میں نہیں آئی، صرف اتنی بات مروی ہے کہ آپؐ کے ہر چپل میں دو تسمے تھے، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی دوہرے تسمے کے چپل پہنتے تھے، ایک تسمہ والی چپلوں کی ابتداء حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کی ہے، اور شمائل میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کے چپلوں میں دوہرا چمڑا اسلا ہوا تھا، اس کی صورت کیا تھی؟ یہ بھی واضح نہیں، دوہری تلی بھی ہوسکتی ہے اور پیوند بھی مراد ہوسکتا ہے۔

اور نبی ﷺ کی چپلوں میں جو دو تسمے ہوتے تھے وہ کونسی انگلیوں کے درمیان گھستے تھے اور یہ تسمے کہاں سے کہاں تک تھے، یہ باتیں بھی روایات میں واضح نہیں، اس لئے آپؐ کے چپلوں کی کوئی خاص ہیئت آج تک میرے ذہن میں متعین نہیں ہوسکی اور آپؐ کے چپلوں کا جو نقشہ چھپتا ہے اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی زاد السعید میں بھی ہے اس کے مطابق اصل ہونے کا مجھے اطمینان نہیں، میرے خیال میں اس کی وضع قیاس واندازے سے متعین کی گئی ہے۔

فائدہ (۱): جب آپؐ کے چپلوں کی صحیح نوعیت ہی متعین نہیں تو نعل مبارک سے توسل یا تبرک کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟ جب حضرت تھانوی قدس سرہ نے نیل الشفا بنعل المصطفیٰ ﷺ تصنیف فرمائی تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ نے اور دوسرے لوگوں نے اس پر اعتراض کیا چنانچہ حضرت تھانویؒ کو نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہوگیا اور آپؐ نے رسالہ نیل الشفا سے رجوع فرمالیا۔ یہ بات امداد الفتاوی میں بھی ہے اور زاد السعید کے آخر میں بھی ہے۔

فائدہ(۲): متبرک چیزوں کی مثلاً کعبہ شریف کی اور روضۂ اقدس کی اصل یا قلمی تصاویر کی توہین کرنا مؤمن کی شایانِ شان نہیں، اس سے دل میں ان مقامات کی بے قدری پیدا ہوگی، البتہ اس کی تعظیم، اس سے توسل اور تبرک بھی جائز نہیں، کیونکہ اصل کعبہ اور اصل روضۂ اقدس ہزار برکتوں کا محل ہے مگر کیمرے سے اس کا جو فوٹو لیا جائے یا قلم سے اس کی جو تصویر بنائی جائے اس میں بھی وہی برکتیں پیدا ہو جائیں یہ بات نامعقول ہے، اور نہ اس کی کوئی دلیل ہے، اسی طرح جن مصلوں پر کعبہ وغیرہ کی فرضی تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں ان کو بھی استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آدمی کبھی ان پر بیٹھتا بھی ہے اور یہ بات مناسب نہیں۔

[۳۳-] باب ماجاء فی نَعْلِ النبیِّ صلیٰ اللہ علیہ وسلم

[۱۷۶۵-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، ثَنَا حَبَّانُ بنُ هِلَالٍ، ثَنَا هَمَّامٌ، ثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ نَعْلَاهُ لَهُمَا قِبَالَانِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَفِی الباب: عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، وأَبِی هريرةَ.

[۱۷۶۶-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ، ثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بنِ مَالِكٍ: كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: لَهُمَا قِبَالَانِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغت: القِبَال: چپل کا تسمہ، اسی کو الشراك بھی کہتے ہیں یعنی چپل کا وہ تسمہ جو پیر کے اوپر رہتا ہے۔

بابُ ماجاء فی کَرَاهِيَةِ الْمَشْيِ فِیْ النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

ایک چپل میں چلنے کی کراہیت

نبی ﷺ نے ایک چپل پہن کر چلنے سے منع کیا ہے، فرمایا: ''یا دونوں چپل پہن کر چلو یا دونوں نکال دو'' کیونکہ یہ جوتے چپل پہننے کا بے ڈھنگا طریقہ ہے، پہننے کی ہر چیز معتاد طریقہ پر پہننی چاہئے بے ڈھنگا پن اور بے تمیزی سے احتراز کرنا چاہئے، جیسے ایک موزہ پہننا، کرتے کی ایک آستین میں ہاتھ ڈالنا وغیرہ۔ البتہ کسی عارض کی وجہ سے تھوڑی دیر ایک چپل میں چلے تو کوئی حرج نہیں، مثلاً ایک چپل صحن کے ایک کنارہ پر پڑا ہے اور دوسرا دوسرے کنارہ پر پس ایک چپل پہن کر چلے اور دوسرے کنارے پر جا کر دوسرا چپل پہن لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

[۳۴-] باب ماجاء فی کراهية المَشْيِ فی النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

[۱۷۶۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، ح: وَثَنَا الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ

الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لَا يَمْشِيْ أَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيْعًا، أَوْ لِيَحْفِهِمَا جَمِيْعًا، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ.

لغات: لِيَنْعَلْهُمَا مجرد سے بھی ہوسکتا ہے اور باب افعال سے بھی، نَعِلَ (س) نَعْلًا کے معنی ہیں: جوتا پہننا یا جوتا پہنے ہوئے ہونا۔ مجرد سے لِيَنْعَلْهُمَا پڑھیں گے اور یہی بہتر ہے۔ اور إِنْعَال: باب افعال سے لِيُنْعِلْهُمَا بھی پڑھ سکتے ہیں اس کے بھی یہی معنی ہیں، اسی طرح لِيَحْفِهِمَا بھی دونوں بابوں سے پڑھا جاسکتا ہے، حَفِي (س) حفًا کے معنی ہیں: برہنہ پا ہونا، اس باب سے لِيَحْفِهِمَا پڑھیں گے اور أَحْفَى فلانًا کے معنی ہیں: برہنہ پا کردینا، اس باب سے لِيُحْفِهِمَا پڑھیں گے، اور یہ حدیث بخاری میں ہے (نمبر حدیث ۵۸۵۵)

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ

کھڑے ہوئے جوتا چپل پہننے کی ممانعت

مصری نسخہ میں یہاں باب ہے، اس باب میں یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوئے چپل پہننے سے منع فرمایا، یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی، مگر محدثین کے نزدیک دونوں روایتیں صحیح نہیں، پس کھڑے ہوئے چپل پہننے میں کوئی کراہیت نہیں، البتہ اگر جوتا چپل ایسا ہو کہ کھڑے ہوئے پہننے میں گرنے کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر پہننا اولی ہے۔

[٣٥-] باب ماجاء في كراهية أن ينتعل الرجلُ وهو قائم

[١٧٦٨-] حدثنا أَزْهَرُ بنُ مَرْوَانَ الْبَصْرِيُّ، نَا الْحَارِثُ بنُ نَبْهَانَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ عَمَّارِ بنِ أَبِيْ عَمَّارٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ قَالَ نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَرَوَى عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ عَمْرٍو الرَّقِّي هٰذَا الحديثَ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، وَكِلَا الْحَدِيْثَيْنِ لَايَصِحُّ عِنْدَ أَهْلِ الحديثِ.

وَالْحَارِثُ بنُ نَبْهَانَ: لَيْسَ عِنْدَهُمْ بِالْحَافِظِ، وَلَا نَعْرِفُ لِحَدِيْثِ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَصْلًا.

[١٧٦٩-] حدثنا أَبُوْ جَعْفَرٍ السِّمْنَانِيُّ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ الرَّقِّيُّ، ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ عَمْرٍو، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، قَالَ مُحمدُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ: وَلَا يَصِحُّ هٰذَا الحديثُ، وَلَا حَدِيْثُ مَعْمَرٍ عَنْ عَمَّارِ بنِ أَبِيْ عَمَّارٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ.

وضاحت: حدیث کی پہلی سند جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے اس میں حارث بن نبہان متروک راوی ہے، اس کی نسبت جرمی، کنیت ابو محمد ہے اور وہ بصرہ کا رہنے والا تھا، اور حدیث کی دوسری سند جو حضرت انس رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی بے اصل ہے، قتادہ کی مرویات میں اس کا کوئی ذکر نہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی دونوں سندوں کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔

بابُ ماجاء في الرُّخْصَةِ فِيْ النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

ایک چپل پہن کر چلنے کا جواز

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کبھی ایک چپل پہن کر چلتے تھے، یہ مرفوع روایت صحیح نہیں، البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (کبھی) ایک چپل پہن کر چلتی تھیں یہ روایت صحیح ہے، سفیان ثوری وغیرہ اس روایت کو موقوف بیان کرتے ہیں یعنی یہ حضرت عائشہ کا فعل ہے اور فعل صحابی بھی حجت ہے، پس گذشتہ ممانعت کی روایت اور اس روایت کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ عمومی احوال میں ممانعت ہے اور خصوصی احوال میں اجازت ہے، جیسے چلتے ہوئے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے پس اس کو ہاتھ میں لے لیں اور دوسرا پہنے رہیں تو اس کی گنجائش ہے۔

[٣٦-] باب ماجاء في الرُّخْصَةِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

[١٧٧٠-] حدثنا الْقَاسِمُ بنُ دِيْنَارٍ الْكُوْفِيُّ، ثَنَا إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ السَّلُوْلِيُّ - كُوْفِيٌّ - ثنَا هُرَيْمٌ - وَهُوَ ابنُ سُفْيَانَ البَجَلِيُّ - عَنْ لَيْثٍ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: رُبَّمَا مَشَى النبيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ.

[١٧٧١-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا مَشَتْ بِنَعْلٍ وَاحِدَةٍ.

وَهٰذَا أَصَحُّ، هٰكَذَا رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ الْقَاسِمِ مَوْقُوْفًا، وَهٰذَا أَصَحُّ.

بابُ ماجاء بِأَيِّ رِجْلٍ يَبْدَأُ إِذَا انْتَعَلَ

پہلے کس پاؤں میں جوتا پہننا چاہئے

جوتا پاؤں کے لئے زینت ہے اور تمام اچھے کام دائیں جانب سے شروع کرنے چاہئیں، پس جوتے چپل بھی پہلے دائیں پیر میں پہننے چاہئیں، اس کا فائدہ یہ ہے کہ دائیں پاؤں میں جوتا دیر تک رہے گا، نبی ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی شخص جوتا چپل پہنے تو دائیں سے ابتداء کرے اور جب نکالے تو بائیں پیر کا پہلے نکالے، پس دایاں پاؤں جوتا پہننے میں مقدم ہوگا اور نکالنے میں مؤخر (یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے)

[٣٧-] باب ماجاء بِأَيِّ رِجْلٍ يَبْدَأُ إِذَا انْتَعَلَ

[١٧٧٢-] حدثنا الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، ح: وَثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هريرةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِيْنِ، وإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ، فَلْيَكُنِ اليَمِيْنُ أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ، وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی تَرْقِيْعِ الثَّوْبِ

کپڑے میں پیوند لگانے کا بیان

حدیث: نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تین نصیحتیں کیں: (۱) اگر آپ آخرت میں میرے ساتھ (درجہ میں) ملنا چاہیں تو چاہئے کہ آپ کے لئے کافی ہو جائے دنیا (کے ساز وسامان) سے مسافر کے توشہ کے بقدر (کزاد الراحلة میں ك زائد ہے اور باقی یکفی کا فاعل ہے) (۲) اور آپ مالداروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے احتراز کریں (۳) اور آپ کسی کپڑے کو پرانا نہ قرار دیں جب تک اس میں پیوند نہ لگالیں۔

تشریح:

۱- مسافر ضروری سامان ہی ساتھ رکھتا ہے، بے ضرورت سامان نہیں ڈھوتا، اسی طرح مؤمن کو بھی دنیا میں ضروری ساز وسامان ہی کی فکر کرنی چاہئے دنیا بھر کا جھمیلا نہیں پالنا چاہئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپؐ نے جو نصیحت فرمائی تھی: اس اللہ کی بندی نے اس پر اتنا عمل کیا کہ مسافر کے سامان کے بقدر بھی سامان نہیں رکھا، ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ درہم بطور ہدیہ بھیجے، جب مال اونٹوں پر لد کر آیا تو حضرت عائشہ نے حکم دیا: اس کو مسجد کے صحن میں ڈھیر کردو، جب مال اتر گیا تو گھر میں سے کپڑا بھیجا کہ اس پر ڈھانک دو، پھر باندی سے کہا: مدینہ میں اعلان کرآ، جسے مال کی ضرورت ہو آجائے، لوگ اکٹھا ہوگئے تو آپ تشریف لائیں اور ڈھیر کے پاس بیٹھیں، ایک ایک کو بلاتیں اور پوچھتیں: تجھے کتنا چاہئے، جو جتنا بتلاتا اس کو اتنا دیدیتیں، شدہ شدہ لینے والے بھی ختم ہوگئے اور مال بھی برائے نام رہ گیا، پس آخری شخص سے یہ نہیں پوچھا کہ تجھے کتنا چاہئے بلکہ اس سے کہا: لیجا سب! باندی نے عرض کیا: دو درہم بچالیں آج آپ کا روزہ ہے اور گھر میں افطاری کے لئے کچھ نہیں، میں دو درہم کا گوشت لاکر آپ کے لئے پکالوں گی، اس پر آپ نے فرمایا: اللہ کی بندی! پہلے بتاتی اب تو میں دے چکی!

۲- دوسری نصیحت آپؐ نے یہ فرمائی کہ مالدار عورتوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ رکھا جائے یعنی ان کے ساتھ دوستی نہ کی جائے، کیونکہ آدمی دوستوں جیسا یا ان سے بہتر بننے کی کوشش کرتا ہے، اور اسباب مہیا نہیں ہوتے تو ناشکری کا جذبہ ابھرتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری متفق علیہ روایت ہے جس کے الفاظ بخاری میں یہ ہیں: إذا نَظَرَ أَحَدُكم إلى مَنْ فُضِّلَ عليه في المال وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إلى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ منه، مِمَّنْ فُضِّلَ عليه: یعنی جب تم میں سے کوئی اس شخص کو دیکھے جو اس پر مال اور حلیہ میں برتری بخشا گیا ہے تو چاہئے کہ وہ اس شخص کی طرف دیکھے جو اس سے نیچے ہے، ان لوگوں میں سے جن پر وہ برتری بخشا گیا ہے (بخاری حدیث ۶۴۹۰، مسلم حدیث ۲۹۶۳) اور مسلم میں ایک طریق سے یہ الفاظ ہیں: انظُروا إلى مَن أَسْفَلُ منكم، وَلَا تَنْظُروا إلى مَنْ هو فَوْقَكُمْ، فهو أَجْدَرُ أن لاتَزْدَرُوْا نعمةَ اللهِ عليكم: یعنی اپنے سے نیچے کے درجہ کے لوگوں کی طرف دیکھو اور اپنے سے اوپر کے درجہ کے لوگوں کی طرف مت دیکھو، پس یہ بات اس کے زیادہ لائق ہے کہ تم حقیر نہ سمجھو تم پر اللہ کی نعمت کو یعنی جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے اس پر تم ناشکری نہ کرو۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے کے لڑکے عون بن عبد اللہ کہتے ہیں: میں نے مالداروں کے ساتھ دوستی کر کے دیکھ لی، میں نے کسی کو اپنے سے زیادہ پریشان نہیں پایا، میں نے دوستوں کی سواریوں کو اپنی سواریوں سے بہتر دیکھا، اور ان کے کپڑوں کو اپنے کپڑوں سے بہتر دیکھا (اس لئے میں پریشان رہا) اور میں نے غریبوں کی ہم نشینی اختیار کر کے بھی دیکھی، پس مجھے آرام مل گیا (کیونکہ میں ہر چیز میں اپنے کو ان سے بہتر پاتا تھا)

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اپنا قصہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کی غربت یہاں تک پہنچی کہ پیروں میں چپل بھی نہ رہی، وہ دمشق کی جامع مسجد میں پہنچے اور خوب گڑگڑا کر دعا کی، پھر جب مسجد سے نکلے تو ایک شخص کو دیکھا جس کے پیر ہی نہیں تھے، پس شیخ سعدیؒ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ان کے پیر تو ہیں۔

اور خود میرے ساتھ یہ قصہ پیش آچکا ہے کہ میں اپنے ابتدائی حال میں جب تنگی سے گذارہ ہوتا تھا، اجلاس صد سالہ کے چندہ کے لئے بنگلور گیا، وہاں ایک صالح مالدار شخص کے گھر میں ایک مہینہ تک قیام رہا، وہاں میں نے دیکھا کہ اے سی ہے، فریج ہے، اس میں مشروبات بھرے ہوئے ہیں، ہر طرح کی نعمتیں اور سہولتیں مہیا ہیں تو میرے دل میں اپنی حالت کی ناشکری پیدا ہوئی کہ یہ کیسی فقیرانہ زندگی ہے، وہاں سے لوٹنے کے بعد مہینوں ذہن اس میں الجھا رہا، پھر الحمد للہ! وہ کیفیت ختم ہوئی اور اپنی تنگی ترشی پر قناعت اور صبر آگیا۔

عزیزو! اب کتاب پوری ہونے جارہی ہے، میری ایک بات یاد رکھو: اگر آپ حضرات دین کا کام کرنا چاہتے ہیں تو اپنی آمدنی سے زیادہ پیر نہ پھیلائیو، اور مالداروں کے ساتھ مصاحبت نہ رکھیو اس طرح آپ دین کا کام کر سکیں گے ورنہ ایک دن آئے گا کہ ہمت ہار جائیں گے اور دنیا کے پیچھے لگ جائیں گے، مگر دنیا ملے گی اتنی ہی جتنی مقدر ہے، کیا

آپ حضرات نہیں دیکھتے کہ دنیا کے پیچھے لگے ہوئے لوگ سب خوشحال نہیں ہیں بہت سے پریشان ہیں، ہرایک کی روزی مقدر ہے، جتنے بھی ہاتھ پیر مارو گے رزق اتنا ہی ملے گا جتنا مقدر ہے، ایک پیسہ زیادہ نہیں مل سکتا۔

فائدہ: مالداروں کے ساتھ تعلق کی تین صورتیں ہیں: ایک: وہ دین کے طالب بن کر آپ کے پاس آئیں، پس آپ ان کی مدارات کریں، ان کو اپنے سے قریب کریں، اور ان کو دین سکھائیں، یہ ضروری ہے اور اس میں کوئی ضرر نہیں۔ دوم: برابری والا دوستانہ تعلق، اس کی حدیث میں ممانعت ہے، علماء کے لئے یہی سخت مضر ہے، اسی ذریعے سے شیطان عالم کی راہ مارتا ہے، سوم: محتاج بن کر مالدروں کے پاس جانا اور ان کی کاسہ لیسی کرنا، یہ قطعاً عالم کی شان کے خلاف ہے، یہ تو بئس الفقیر علی باب الأمیر ہے اور پہلی صورت نعم الأمیر علی باب الفقیر ہے (یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہے مگر ابن ماجہ میں دوسرے لفظوں سے ہے)

۳- تیسری نصیحت یہ کی کہ کپڑے کو اس وقت تک پرانا قرار نہ دیا جائے جب تک اس میں پیوند نہ لگ جائے۔ یہ اقتصاد (خرچ میں میانہ روی) کی تعلیم ہے، مگر آج کل کپڑے دو قسم کے ہیں: ٹیلی کاٹ تو پھٹتا ہی نہیں، پہنتے پہنتے تھک جاتے ہیں مگر وہ ساتھ نہیں چھوڑتا، میں تو اسے ادھیڑ کر بچوں کے کپڑے سلوا دیتا ہوں وہ چند دن میں پھاڑ دیتے ہیں اور گرمی میں سوتی کپڑے پہنتا ہوں، وہ ایک مرتبہ پھٹے کہ دوسری مرتبہ دھوبی دس جگہ سے پھاڑ لاتا ہے اس میں پیوند کہاں تک لگائیں، میں اسے کسی دوسرے مصرف میں لے لیتا ہوں، پیوند نہیں لگاتا۔

[۳۸-] باب ماجاء فی تَرْقِیعِ الثَّوْبِ

[۱۷۷۳-] حدثنا یَحْیَی بنُ مُوْسَی، ثَنَا سَعِیْدُ بنُ مُحمدٍ الوَرَّاقُ، وَأَبُوْ یَحْیَی الْحِمَّانِیُّ، قَالاَ: ثَنَا صَالِحُ بنُ حَسَّانٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ لِیْ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "إِنْ أَرَدْتِ اللُّحُوْقَ بِیْ: فَلْیَکْفِكِ مِنَ الدُّنْیَا کَزَادِ الرَّاکِبِ، وَإِیَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الأَغْنِیَاءِ، وَلاَ تَسْتَخْلِقِی ثَوْبًا حَتّٰی تُرَقِّعِیْهِ"

هٰذَا حدیثٌ غریبٌ لاَنَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِیْثِ صَالِحِ بنِ حَسَّانٍ، سَمِعْتُ محمداً یَقُوْلُ: صَالِحُ بنُ حَسَّانٍ: مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ، وَصَالِحُ بنُ أَبِیْ حَسَّانٍ: الَّذِیْ رَوَی عَنْهُ ابنُ أَبِیْ ذِئْبٍ: ثِقَةٌ.

وَمَعْنَی قَوْلِهِ: "إِیَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الأَغْنِیَاءِ" هُوَ نَحْوُ مَا رُوِیَ عَنْ أَبِیْ هریرةَ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم، أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ رَأَی مَنْ فُضِّلَ عَلَیْهِ فِیْ الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ، فَلْیَنْظُرْ إِلَی مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُ، مِمَّنْ هُوَ فُضِّلَ عَلَیْهِ، فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَلَّا یَزْدَرِیَ نِعْمَةَ اللّٰهِ"

وَیُرْوَی عَنْ عَوْنِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُتْبَةَ قَالَ: صَحِبْتُ الأَغْنِیَاءَ فَلَمْ أَرَ أَحداً أَکْثَرَ هَمًّا مِنِّیْ: أَرَی دَابَّةً خَیْراً مِنْ دَابَّتِیْ، وَثَوْبًا خَیْراً مِنْ ثَوْبِیْ، وَصَحِبْتُ الْفُقَرَاءَ فَاسْتَرَحْتُ.

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو باب کے شروع میں ہے: نہایت ضعیف ہے اس کا ایک

راوی صالح بن حسان النضری ابوالحارث المدنی البصری متروک ہے، امام بخاریؒ نے اس کو منکر الحدیث قرار دیا ہے، اور ایک دوسرے صالح ہیں جن کے باپ ابوحسان ہیں وہ ابن ابی ذئب سے روایتیں کرتے ہیں وہ ثقہ ہیں۔

ترجمہ: اور نبی ﷺ کا ارشاد: إياك ومجالسة الأغنياء: یہ ارشاد اس ارشاد کی طرح ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: آپؐ نے فرمایا: ''جس نے دیکھا اس شخص کو جو اس پر برتری بخشا گیا ہے حلیے میں اور روزی میں پس چاہئے کہ وہ دیکھے اس شخص کی طرف جو اس سے کم تر ہے، ان لوگوں میں سے جن پر وہ برتری بخشا گیا ہے، پس بیشک یہ بات زیادہ لائق ہے کہ نہ حقیر سمجھے وہ اللہ کی نعمت کو (اس پر)...... اور عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے مروی ہے کہ میں نے ''مالداروں کی صحبت اختیار کی پس نہیں دیکھا میں نے کسی کو اپنے سے زیادہ فکر مند: میں اپنی سواری سے بہتر سواری دیکھتا تھا اور اپنے کپڑے سے بہتر کپڑا دیکھتا تھا، اور میں نے فقراء کی صحبت اختیار کی، پس مجھے آرام مل گیا (عون کا شمار بزرگوں میں ہے اور وہ بڑے محدث بھی تھے)

بابُ [دُخُوْلِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرَ]

بالوں کی لٹیں بنانے کا بیان

اگر مرد کے بڑے بال ہوں تو عورتوں کی طرح چوٹیاں بنانا تو ان کی مشابہت ہے اور جائز نہیں، لیکن اگر آدمی ان کی لٹیں بنالے یعنی چند حصے کر کے ان کو گول کر لے تو یہ جائز ہے۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب فتح مکہ کے دن نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے بال چار لٹیں تھے، غَدَائِر: غَدِيْرة کی جمع ہے، بالوں کی لٹوں، جوڑوں اور چٹیا کے لئے یہ لفظ مستعمل ہے، یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث دوسندوں سے لکھی ہے، پہلی روایت میں غدائر ہے اور دوسری میں ضَفائر یہ ضَفِيرة کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: چوٹی، مراد بالوں کی لٹ ہے اور دونوں سندوں میں مجاہد حضرت ام ہانی سے روایت کرتے ہیں، امام بخاریؒ فرماتے ہیں: مجھے علم نہیں کہ مجاہد نے ام ہانی سے حدیثیں سنی ہیں یا نہیں؟ باقی کوئی خرابی نہیں۔

[۳۹-] بابُ [دُخُوْلِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرَ]

[۱۷۷٤-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ ابنِ أَبِيْ نَجِيْحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ: قَدِمَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ـ يَعْنِيْ مَكَّةَ ـ وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرَ، هٰذَا حديثٌ غريبٌ.

[۱۷۷۵-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثنا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بنُ نَافِعٍ الْمَكِّيُّ، عَنْ ابنِ أَبِيْ نَجِيْحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ: قَدِمَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ

وَلَهُ أَرْبَعُ ضَفَائِرَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ أَبِيْ نَجِيْحٍ: مَكِّيٌّ؛ وأَبُوْ نَجِيْحٍ: اسْمُهُ يَسَارٌ، قَالَ مُحمدٌ: لَاأَعْرِفُ لِمُجَاهِدٍ سَمَاعًا عَنْ أُمِّ هَانِئٍ.

بابٌ[كَيْفَ كَانَ كِمَامُ الصَّحَابَةِ؟]

صحابہ کی ٹوپیاں یا آستینیں کیسی تھیں؟

کِمام(بالکسر) کُمَّة(بالضم) کی جمع ہے، جیسے قِباب: قُبَّة کی جمع ہے اس کے معنی ہیں گول ٹوپی، اور بُطْحًا (ب کے پیش اور ط کے سکون کے ساتھ) أبطح کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: چپکی ہوئی، یعنی صحابہ کی ٹوپیاں سروں سے لگی ہوئی ہوتی تھیں، اونچی نہیں ہوتی تھیں۔ اور اگر کِمام: کُمّ کی جمع ہے تو اس کے معنی ہیں آستین۔ اور اس صورت میں بُطْح کے معنی ہیں چوڑی، یعنی صحابہ کے کرتوں کی آستینیں تنگ نہیں ہوتی تھیں بلکہ چوڑی ہوتی تھیں، امام ترمذیؒ کے ذہن میں یہی معنی ہیں، مگر یہ حدیث انتہائی درجہ ضعیف ہے اس کا ایک راوی عبداللہ بن بُسر سکسکی حُبرانی ابوسعید حمصی ضعیف ہے۔

[٤٠-] بابٌ[كَيْفَ كَانَ كِمَامُ الصَّحَابَةِ؟]

[١٧٧٦-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، ثَنَا مُحمدُ بنُ حُمْرَانَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، وَهُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ بُسْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا كَبْشَةَ الأَنْمَارِيَّ يَقُوْلُ: كَانَتْ كِمَامُ أَصْحَابِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بُطْحًا.

هٰذَا حديثٌ مُنْكَرٌ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ بُسْرٍ: بَصْرِيٌّ ضَعِيْفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ، ضَعَّفَهُ يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ وَغَيْرُهُ، بُطْحٌ يَعْنِيْ وَاسِعَةً.

بابٌ[فِيْ مَبْلَغِ الإِزَارِ]

لنگی کہاں تک ہونی چاہئے؟

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے میری پنڈلی یا فرمایا: اپنی پنڈلی کا عَضَلة (پٹھا) پکڑا اور فرمایا: یہ لنگی کی جگہ ہے، یعنی لنگی یہاں تک ہونی چاہئے، پس اگر آپ انکار یں تو اس سے کچھ نیچے پہنیں پس اگر آپ انکار کریں تو کوئی حق نہیں لنگی کے لئے ٹخنوں پر، یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، اس سے ثابت ہوا کہ مسنون طریقہ آدھی پنڈلی تک لنگی پہننا ہے اور ٹخنوں سے اوپر تک جائز ہے اور ٹخنوں سے نیچے پہننا جائز نہیں۔

[٤١-] بابٌ[فِيْ مَبْلَغِ الإِزَارِ]

[١٧٧٧-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا أَبُوْ الأَحْوَصِ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ مُسْلِمِ بنِ نُذَيْرٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ

قَالَ: أَخَذَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِعَضَلَةِ سَاقِيْ أَوْ: سَاقِهِ، وَقَالَ:" هٰذَا مَوْضِعُ الإِزَارِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَأَسْفَلُ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَلَا حَقَّ لِلإِزَارِ فِيْ الْكَعْبَيْنِ"
هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، رَوَاهُ شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ.

بابُ [العَمَائِمِ عَلَى القَلَانِسِ]

ٹوپی پر پگڑی باندھنے کا بیان

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے خاندان ہی کے ہیں، عبد مناف میں آپؐ کے ساتھ ان کا نسب ملتا ہے، جنھوں نے اپنی بیوی کو لفظ البتۃ سے طلاق دی تھی اور جنھوں نے ابتدائے اسلام میں آپؐ سے کشتی لڑی تھی اور آپؐ نے ان کو پچھاڑ دیا تھا مگر وہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں جب اللہ نے شرح صدر فرمایا تو مسلمان ہوئے، وہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: "بیشک ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر پگڑیاں ہیں"

تشریح: علماء نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک: مشرکین بغیر ٹوپی کے پگڑی باندھتے ہیں اور مسلمان ٹوپی پہن کر اس پر پگڑی باندھتے ہیں، یہ مطلب راجح ہے، دوم: مشرکین صرف ٹوپی پہنتے ہیں پگڑی نہیں باندھتے، اور مسلمان ٹوپی پر پگڑی بھی باندھتے ہیں مگر یہ مطلب صحیح نہیں، اور یہ حدیث ضعیف ہے، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: میں اس کے دو راویوں کو نہیں جانتا ایک: ابوالحسن عسقلانی کو اور دوسرا حضرت رکانہ کے لڑکے محمد کو۔

[٤٢-] بابُ [العَمَائِمِ عَلَى القَلَانِسِ]

[١٧٧٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا مُحمدُ بنُ رَبِيْعَةَ، عَنْ أَبِيْ الْحَسَنِ الْعَسْقَلَانِيِّ، عَنْ أَبِيْ جَعْفَرِ بنِ مُحمدِ بنِ رُكَانَةَ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ رُكَانَةَ صَارَعَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فَصَرَعَهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ رُكَانَةُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" إِنَّ فَرْقَ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ العَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ"
هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَائِمِ، وَلَا نَعْرِفُ أَبَا الْحَسَنِ الْعَسْقَلَانِيَّ وَلَا ابنَ رُكَانَةَ.

بابُ [ماجاء فى خَاتَمِ الْحَدِيْدِ]

لوہے کی انگوٹھی کا ذکر

حدیث: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص لوہے کی انگوٹھی پہن کر نبی ﷺ کی خدمت میں

آیا، آپؐ نے فرمایا: کیا بات ہے میں تجھ پر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں؟ (جہنمیوں کو لوہے کے طوق اور بیڑیاں پہنائی جائیں گی) وہ دوسرے وقت پھر آیا اور اس نے پیتل کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، آپ نے فرمایا: کیا بات ہے مجھے تیرے اندر سے مورتیوں کی بو آرہی ہے؟ پھر وہ تیسری مرتبہ آیا تو اس نے سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، آپؐ نے فرمایا: کیا بات ہے میں تجھ پر جنتیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں؟ اس نے عرض کیا: میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپؐ نے فرمایا: چاندی کی، اور اس کا ایک مثقال پورا نہ کر یعنی اس کا وزن ساڑھے چار گرام سے کم ہونا چاہئے۔

تشریح: عورتوں کے لئے چاندی، سونے کے علاوہ اور کسی بھی دھات کا زیور پہننا درست ہے، جیسے پیتل، گلٹ، رانگا وغیرہ مگر انگوٹھی (عورتوں کے لئے بھی) سونے چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کی درست نہیں۔ اور مردوں کو چاندی کے سوا کسی اور چیز کی انگوٹھی درست نہیں، صرف چاندی کی جائز ہے۔

فائدہ: باب میں جو حدیث ہے وہ ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے مگر اس کی سند اعلیٰ نہیں، اس کا ایک راوی عبداللہ بن مسلم ابوطیبہ سلمی معمولی راوی ہے، نیز وہ حدیثوں میں غلطیاں بھی کرتا تھا، وہ مرو کا قاضی تھا اس لئے مروزی کہلاتا ہے اور کتاب النکاح میں مہر کے باب میں حضرت سہل بن سعد کی حدیث آئی ہے کہ آپؐ نے ایک شخص سے فرمایا: جا ڈھونڈھ، چاہے لوہے کی انگوٹھی ہو، علماء نے اُس حدیث کا اس حدیث سے تعارض سمجھا ہے، پھر کسی نے ناسخ ومنسوخ قرار دیا ہے، اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ مقدم کونسی روایت ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر چاندی سونے کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی پر چاندی کا پانی چڑھا دیا جائے تو کوئی حرج نہیں، ورنہ مکروہ ہے۔

[۴۳-] بابُ [ماجاء فی خَاتَمِ الْحَدِیْدِ]

[۱۷۷۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ حُمَیْدٍ، ثَنَا زَیْدُ بنُ حُبَابٍ، وأَبُوْ تُمَیْلَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُسْلِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ بُرَیْدَةَ، عَنْ أَبِیْهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَی النبیِّ صلی الله علیه وسلم، وَعَلَیْهِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِیْدٍ، فَقَالَ: "مَالِیْ أَرَی عَلَیْكَ حِلْیَةَ أَهْلِ النَّارِ؟" ثُمَّ جَاءَهُ وَعَلَیْهِ خَاتَمٌ مِنْ صُفْرٍ، فَقَالَ: "مَالِیْ أَجِدُ مِنْكَ رِیْحَ الأَصْنَامِ؟" ثُمَّ أَتَاهُ وَعَلَیْهِ خَاتَمٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: "مَالِیْ أَرَی عَلَیْكَ حِلْیَةَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟" قَالَ: مِنْ أَیِّ شَیْءٍ أَتَّخِذُهُ؟ قَالَ: "مِنْ وَرِقٍ، وَلَا تُتِمَّهُ مِثْقَالًا"

هٰذَا حدیثٌ غریبٌ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ مُسْلِمٍ یُکْنَی أَبَا طَیْبَةَ، وَهُوَ مَرْوَزِیٌّ.

بابُ [کَرَاهِیَةِ التَّخَتُّمِ فِیْ أُصْبُعَیْنِ]

دو انگلیوں میں انگوٹھی پہننے کی کراہیت

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے نبی ﷺ نے قسی کپڑا پہننے سے، اور سرخ گدی یا تکیہ پر

بیٹھنے سے، اور اس انگلی میں اور اس انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع کیا اور آپ نے سبابہ (شہادت کی انگلی) اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

تشریح: یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے اور مسلم کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ اِس انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور انھوں نے اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ کیا (مشکوۃ حدیث ۴۳۸۹)

[٤٤-] بابُ [كَرَاهِيَةِ التَّخَتُّمِ فِيْ أُصْبُعَيْنِ]

[١٧٨٠-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، حدثنا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمِ بنِ كُلَيْبٍ، عَنْ ابنِ أَبِيْ مُوْسَى قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُوْلُ: نَهَانِيْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْقَسِّيِّ، وَالْمِيْثَرَةِ الْحَمْرَاءِ، وَأَنْ أَلْبَسَ خَاتِمِي فِيْ هٰذِهِ وَفِيْ هٰذِهِ، وَأَشَارَ إِلَى السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وابنُ أَبِيْ مُوْسَى: هُوَ أَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ أَبِيْ مُوْسَى، وَاسْمُهُ عَامِرٌ.

باب [ماجاء فِي أَحَبِّ الثِّيَابِ إِلٰى رسول اللهِ صلى الله عليه وسلم]

نبی ﷺ کو کونسا کپڑا سب سے زیادہ پسند تھا؟

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کو پہننے کے کپڑوں میں سب سے زیادہ پسند حِبَرَة کپڑا تھا، یہ کپڑا یمن میں بنتا تھا، اس کی زمین سفید ہوتی تھی اور اس میں سرخ دھاریاں ہوتی تھیں اور یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے اور اذان کے بیان میں اس کا تذکرہ آچکا ہے۔

ملحوظہ: جتنے باب کھڑی قوسوں کے درمیان ہیں وہ سب مصری نسخہ میں ہیں۔

[٤٥-] بابُ [ماجاء فِي أَحَبِّ الثِّيَابِ إِلٰى رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم]

[١٧٨١-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ، ثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلٰى رَسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَلْبَسُهَا الْحِبَرَةُ. هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

﴿ وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين ﴾

تقریب اختتام

۲۸؍رجب المرجب ۱۴۱۷ہجری بعد نماز عشاء ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ترمذی شریف جلد اول مکمل ہوئی فالحمدللہ علی ذلك! اس پر مسرت اور مبارک موقع پر صاحب افادات حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی نے قیمتی نصیحتوں سے فضلاء کو مستفیض فرمایا، پھر پوری امت کے لئے بالخصوص فارغ ہونے والے طلبہ، اساتذہ، محدثین کرام، مفسرین عظام اور فقہاء کے لئے دعا فرمائی، اس مبارک مجلس میں اکثر طلبائے دار العلوم نے حاضر ہوکر بارگاہ ایزدی میں خوب گڑگڑا کر پوری امت کی فلاح و بہود کے لئے دعا مانگی، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ نصائح عالیہ اور دعائیہ کلمات یہاں درج کردوں، فرمایا:

عزیز طلبہ! ساڑھے گیارہ بج چکے ہیں، رات کافی ہوچکی ہے، اس لئے اب کوئی لمبی چوڑی بات کہنے کا تو موقع رہا نہیں، پھر سال بھر وقتاً فوقتاً آپ حضرات: اساتذہ کی نصائح عالیہ سے مستفیض ہوتے رہے ہیں، اس لئے بھی اس کی ضرورت نہیں، اب ضرورت ہے اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کی، اقوال وافعال، کردار و گفتار اور عادات واطوار کو سنوارنے کی، اور یہ فکر پیدا کرنے کی کہ ہمارے اعمال واخلاق، ہماری سیرت وکردار اور ہمارے اقوال وافعال اس سیرت طیبہ سے ہم آہنگ ہوجائیں جو ہم نے سال بھر صبح وشام پڑھی ہے، اور ضرورت ہے کہ ہم امت مسلمہ کے سپوت بنیں: اس لئے میں اس مختصر وقت میں چار باتیں عرض کرتا ہوں، غور سے سنیں:

پہلی بات: عزیزو! اولاد تین قسم کی ہوتی ہے: پوت، سپوت اور کپوت۔ جو اولاد صرف اولاد ہو یعنی نہ تو باپ کا نام روشن کرے، نہ بدنام کرے وہ پوت ہے، اور جو اولاد باپ کا نام روشن کرے وہ سپوت ہے اور جو باپ کو بدنام کرے وہ کپوت ہے۔ اب آپ حضرات کی ایک زندگی ختم ہوکر دوسری زندگی شروع ہوگی، اب آپ اس پر غور کریں کہ آپ کو کس نے پڑھایا ہے؟ اگر آپ سوچتے ہیں کہ آپ کے ماں باپ نے پڑھایا ہے تو یہ غلط ہے، اگر یہ مدرسے اور یہ اساتذہ نہ ہوتے تو ماں باپ کہاں پڑھاتے؟ اور اگر آپ سوچتے ہیں کہ اساتذہ نے پڑھایا ہے تو یہ بھی غلط ہے، اگر یہ مدرسے نہ ہوتے تو اساتذہ کیسے پڑھاتے؟ اور اگر آپ سوچتے ہیں کہ ان مدارس اسلامیہ نے پڑھایا ہے تو یہ بھی تمام تر صحیح نہیں، اگر ملتِ اسلامیہ دستِ تعاون نہ بڑھاتی تو یہ مدارس کہاں ہوتے؟ پس درحقیقت آپ کو ملتِ اسلامیہ نے پڑھایا ہے، اس لئے میرے عزیزو! خوب سمجھ لو، تمہیں ملت اسلامیہ نے پڑھایا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ ملتِ اسلامیہ کے حق میں پوت بنتے ہیں یا کپوت یا سپوت، اس کا فیصلہ آپ کا عمل کرے گا، اگر آپ نے اپنا دین محفوظ رکھا اور ملتِ اسلامیہ کو

کوئی فائدہ نہ پہنچایا تو آپ پوت ہوئے، اور اگر آپ نے اپنا دین محفوظ رکھا اور ملت کو بھی فائدہ پہنچایا تو آپ سپوت ہوئے، اور ملت کو فائدہ پہنچانے کی بہت سی صورتیں ہیں اللہ آپ کے لئے جو بھی راہ منتخب کریں وہ اختیار کریں۔ تبلیغ میں نکلیں، کتابیں تصنیف کریں، مکتبوں اور مدرسوں میں پڑھائیں، مسجدوں میں امامت کریں، غرض بے شمار راہیں ملت کی خدمت کی ہیں، اور اگر نہ ملت کو کوئی فائدہ پہنچایا نہ اپنا دین محفوظ رکھا بلکہ کسی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا، یا کاروبار میں لگ گئے اور دین کا بھی ٹھکانہ نہ رہا، نہ ڈاڑھیاں صحیح رہیں نہ نمازوں کا ٹھکانہ رہا اور اعمال واخلاق اور کردار وگفتار بگڑ گئے تو تم کپوت ہوئے، کاروبار کرنا ہے شوق سے کرو، یونیورسٹی میں پڑھنا ہے شوق سے پڑھو، جو بھی کام کرنا ہے کرو، مگر دس پندرہ سال تک جو دین تم نے پڑھا ہے اس کو تج نہ دو، دین کا دامن پکڑے رہو، اگر دین تمہاری زندگی سے نکل گیا تو تم سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں، جس نے کھایا ملت کا اور نہ ان کو فائدہ پہنچایا نہ اپنا دین محفوظ رکھا وہ **خسر الدنیا والآخرة** کا مصداق ہوا، اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائیں (آمین)

دوسری بات: عزیزو! اب آپ دوراہے پر کھڑے ہیں، آپ کی زندگی کا ورق پلٹ رہا ہے اب آپ کو آئندہ کیا کرنا ہے اس کے لئے خاص طور پر دعا کرنی ہے، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائیں اور آپ کی زندگیوں میں دین باقی رکھیں، آپ کی مساعی جمیلہ سے اللہ تعالیٰ دین کو بڑھائیں اور آپ سے اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو فیض پہنچائیں، یہ دعا کریں، اگر آپ سچے دل سے اللہ سے مانگیں گے تو اللہ کے یہاں فضل کی کمی نہیں، اور اگر بے نیازی برتیں گے تو اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں، اللہ اپنے دین کا کام کسی سے بھی لے لیں گے آپ کو یاد ہوگا: صحابہ کو ڈانٹ پڑی تھی، پس ماوشما کی کیا حیثیت ہے، فرمایا: ﴿وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾ ہم سب اللہ کے محتاج ہیں، اللہ کسی کے محتاج نہیں۔ اس لئے سچے دل سے مانگو، نیازمندی سے مانگو، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں دین کی خدمت کے لئے قبول فرمالیں، اور اگر تمہارے دل ملتفت نہ ہوئے تو اللہ کسی کے محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ دین کا کام پرندوں سے لے لیں گے، نومسلموں سے لے لیں گے، کسی سے بھی لے لیں گے، وہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کے محتاج نہیں، بلکہ یہ فضلاء اللہ اور اللہ کے دین کے محتاج ہیں، اللہ کے دین کی خدمت کے محتاج ہیں، پس دعا کرو! اللہ تمہیں صلاح وفلاح عطا فرمائیں، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائیں، اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ملت اسلامیہ کو چمکائیں اور تمہارے ذریعہ مادر علمی کا نام روشن فرمائیں، اور مدارس اسلامیہ پر خرچ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں بہترین صلہ عطا فرمائیں، یہ ملت اسلامیہ کا احسان ہے کہ اس نے پیسہ پیسہ بچا کر مدارس کا تعاون کیا، جس سے آج دین کی بہار ہے، یہ مدرسے نہ ہوتے تو یہ بہار کہاں ہوتی؟

فضلاء کی تعداد تو بڑھ گئی مگر کام کے آدمی کم ہوگئے:

تیسری بات: یہ عرض کرنی ہے کہ اس زمانہ میں علم دین پڑھنے والوں کی اور علماء وفضلاء کی تعداد تو بہت بڑھ گئی ہے

مگر کیفیت واستعداد میں کمی آگئی ہے، اس کا سبب کیا ہے؟ اور اس کا علاج کیا ہے؟ یہ جاننا ضروری ہے۔ایک موٹا اندازہ یہ ہے کہ ہر سال صرف ہندوستان میں تین ہزار علماء وفضلاء تیار ہوتے ہیں مگر قحط الرجال کا حال یہ ہے کہ ابتدائی عربی کے اساتذہ تو بہت مل جاتے ہیں مگر درجہ علیا کے اساتذہ کا فقدان ہے اور یہ بات دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ: دو لفظوں نے مدارس سے نکلنے والوں کو پیچھے کر دیا ہے، ایک: ''میں فارغ ہوگیا'' دوسرا: ''فاضل'' ظاہر ہے جب فارغ ہوگیا اور کرنے کا کچھ رہا نہیں و پھر باکمال کیسے بنے گا؟ آپ جانتے ہیں: مدارس عربیہ میں علم نہیں دیا جاتا، بلکہ علم دین حاصل کرنے کی استعداد بنائی جاتی ہے، پڑھنا تو آپ کو یہاں سے نکل کر ہے اور زندگی بھر پڑھنا ہے، ایک لمبے عرصہ کے بعد آپ کو کمال حاصل ہوگا مگر اب صورتِ حال یہ ہوگئی ہے کہ مدارس سے نکلنے والوں میں فراغت کا تصور پیدا ہو جاتا ہے وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ جو کچھ پڑھنا لکھنا تھا وہ ہو چکا، اب آگے کچھ باقی نہیں رہا، چنانچہ مدارس سے نکلنے کے بعد کوئی پڑھتا نہیں، الا ماشاء اللہ۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ علم پڑھنے سے آتا ہے پڑھانے سے نہیں آتا، اور طلبہ کے پڑھنے میں تین چیزیں شامل ہیں:

اول: مطالعہ کر کے سبق میں جانا، جو طالب علم اگلا سبق دیکھے بغیر درسگاہ میں جاتا ہے وہ پڑھنے نہیں جاتا پڑھانے جاتا ہے، یعنی اس کی وجہ سے استاذ کو پڑھنا پڑتا ہے اگر وہ درسگاہ میں نہ جائے تو استاذ بھی نہیں پڑھے گا، پڑھنے والا طالب علم وہی ہے جو آگے کا سبق دیکھ کر درسگاہ میں جائے، مطالعہ میں آگے کا سبق سمجھنا ضروری نہیں، سمجھ میں آئے یا نہ آئے کم از کم تین مرتبہ عبارت پڑھ کر استاذ کے پاس جائے۔

دوم: درسگاہ میں ذہنی طور پر حاضر رہ کر کتاب کا ایک ایک لفظ حل کرنے کی کوشش کرے، کوئی بات بے سمجھے نہ چھوڑے، آج کل طلبہ کی صورت حال یہ ہے کہ سبق سمجھ میں آئے تو کوئی خوشی نہیں، اور نہ سمجھ میں آئے تو کوئی رنج نہیں حالانکہ سبق سمجھ میں نہ آنے کی صورت میں نیند حرام ہو جانی چاہئے۔

اور اگر کسی طالب علم کو مطالعہ کرنے کے بعد اور پوری توجہ سے سبق سننے کے بعد بھی سبق سمجھ میں نہ آئے تو اس کو جاننا چاہئے کہ اس کی استعداد درجہ سے فروتر ہے، اس کو پیچھے پلٹنا چاہئے اور ایسے درجہ سے پڑھنا چاہئے جو اس کی استعداد کے موافق ہو، اگر وہ بدستور اپنے درجہ میں چلتا رہے گا تو آگے اور بھی دشواری پیش آئے گی اور اس کی سیر علمی کا کچھ حاصل نہیں نکلے گا، آج کل عام طور پر صورتِ حال یہ ہے کہ خود طالب علم بھی اوپر کودتا ہے اور مدرسہ والے بھی: وہ جو درجہ چاہتا ہے: دیدیتے ہیں، صحیح جانچ کر کے اس کی استعداد کے مطابق درجہ نہیں دیتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فارغ تو ہو جاتا ہے، مگر آتا کچھ نہیں! اور مدرسہ کا سارا نظام مختل ہو جاتا ہے۔

سوم: خواندہ یاد کرنا: پڑھا ہوا نقش برآب ہوتا ہے، ایک دو دن میں طالب علم اس کو بھول جاتا ہے پس جو طالب علم خواندہ یاد نہیں کرتا وہ ہاتھوں میں سوراخ کر کے پانی پیتا ہے، ظاہر ہے پانی کبھی اس کے منہ تک نہیں پہنچے گا، سوراخ سے بہہ جائے گا، آج کے طالب علم کا بھی یہی حال ہے وہ ہاتھوں میں سوراخ کر کے پانی پیتا ہے خواندہ یاد نہیں کرتا، اور جب

پڑھا ہوا محفوظ نہیں رہا تو پڑھنے کا کیا حاصل!

اسی طرح اساتذہ کے پڑھنے میں بھی تین چیزیں شامل ہیں:

اول: فن دیکھ کر پڑھانا، صرف شرحیں دیکھ کر نہ پڑھانا، یعنی جو کتاب پڑھا رہا ہے اور وہ جس فن میں ہے وہ پورا فن نیچے تک اور اوپر تک دیکھ لینا۔ جیسے قدوری پڑھا رہا ہے تو بہشتی زیور اور تعلیم الاسلام تک جو بھی کتابیں نیچے لکھی گئی ہیں ان کو دیکھ لینا، بعض مرتبہ مسئلہ کی تعبیر نیچے کی کتابوں میں بہت عمدہ ہاتھ آتی ہے، اوپر کی کتابوں میں وہ بدست نہیں آتی، نیز تفہیم کا طریقہ بھی ان اردو کتابوں سے حاصل ہوتا ہے، اور اوپر درمختار، شامی، ہدایہ اور عالمگیری تک سب کتابوں میں متعلقہ مسئلہ دیکھ لینا، اس سے شرح صدر ہوتا ہے، اور استعداد بڑھتی ہے۔

مگر مسلسل مطالعہ مفید نہیں یعنی تعلیم الاسلام پوری پڑھ لی، یا بہشتی زیور پوری پڑھ لی یا درمختار پوری پڑھ لی یہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ قدوری میں جو مسئلہ زیر درس ہے صرف وہی مسئلہ نیچے کی اور اوپر کی کتابوں میں دیکھا جائے، ایک ہی مسئلہ مختلف کتابوں میں دیکھنے سے یاد بھی ہوگا اور سمجھ میں بھی آئے گا۔

دوم: ہر کتاب سے ضروری باتیں یا عبارت کا حل نکال کر اپنی یادداشت تیار کر لی جائے، خواہ کتاب میں ورق رکھ کر یا علحدہ کاپی بنا کر جو بات بھی جہاں کام کی ملے اس کو بعینہ یا اس کا خلاصہ لکھ لیا جائے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ بار بار کتابیں نہیں دیکھنی پڑیں گی، خلاصہ اس کے پاس محفوظ ہوگا تو ہر سال اس پر نظر ڈال لے گا اور تمام مضامین یاد ہو جائیں گے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کسی بھی کتاب کی کوئی شرح کافی نہیں، اگر شروح سے کتاب حل ہو جاتی تو نئی نئی شرحوں کی ضرورت نہ ہوتی، حالانکہ کتابوں کی شرحیں مسلسل لکھی جا رہی ہیں معلوم ہوا کہ کچھ باتیں فن سے حل ہوتی ہیں شروح سے حل نہیں ہوتیں۔

سوم: استنتاج یعنی نتائج نکالنا، مدرس کے پڑھنے میں تیسری بات یہ شامل ہے کہ جو کچھ اس نے پڑھا ہے اور اس کا خلاصہ نوٹ کر لیا ہے اس میں خوب غور کرے، اس میں کوئی اشکال ہو تو اس کا جواب سوچے، کوئی بات دقیق ہو تو اس کا حل سوچے اور مختلف باتیں ملا کر نئی بات پیدا کرے اس سے استعداد بڑھتی ہے۔

حضرت علامہ کی قیمتی نصیحت:

میں جب دارالعلوم دیوبند سے رخصت ہو کر دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے لئے مدرس ہو کر چلا تو میں نے حضرت الاستاذ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہ سے آخری ملاقات میں عرض کیا: حضرت! مجھے کوئی کام کی بات بتا دیجئے جسے میں حرز جان بناؤں، حضرت نے فرمایا: ''مولوی صاحب! فن دیکھ کر پڑھانا، شرحیں دیکھ کر مت پڑھانا، علم آئے گا، اور طلبہ کو اپنی اولاد سمجھنا، وہ تم سے محبت کریں گے، اور سنت کی پیروی کرنا، لوگوں کے دلوں میں وقعت پیدا ہوگی'' یہ تین باتیں میرے لئے کس قدر مفید ثابت ہوئیں یہ میں بیان نہیں کر سکتا۔

صرف پڑھانے سے آدمی تیار نہیں ہوتے:

آج کا المیہ یہ ہے کہ اساتذہ پڑھاتے ہیں مگر آدمی تیار نہیں ہوتے، ایک مثال میں غور کریں! ایک طالب علم متوسط استعداد کا عربی اول شروع کرتا ہے، وہ ساتویں یا آٹھویں سال بخاری شریف پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے، پھر وہ مدرس ہو جاتا ہے مگر بیس سال گذر جاتے ہیں وہ بخاری شریف پڑھانے کے قابل نہیں ہوتا، حالانکہ اس کو پانچ سال میں بخاری شریف پڑھانے کے قابل ہو جانا چاہئے، وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ پڑھاتا ہے پڑھتا نہیں، مشکوٰۃ پڑھاتا ہے تو بس اسی کو پڑھاتا ہے فن نہیں پڑھتا، بعض مدرس پوچھتے ہیں: مجھے نسائی پڑھانے کے لئے ملی ہے یا ابن ماجہ ملی ہے، میں کونسی شرح دیکھوں؟ میں کہتا ہوں: فتح الباری اور عمدۃ القاری دیکھو، وہ کہتا ہے: بخاری میں نسائی اور ابن ماجہ کی حدیثیں تلاش کرنا پھر اس کی شرح دیکھنا وقت طلب ہے، یہ بات میرے بس کی نہیں، تو میں کہتا ہوں: پھر آپ نسائی اور ابن ماجہ کے لائق بھی نہیں، حدیث کی کوئی بھی کتاب پڑھانے کے لئے ملے اور وہ پورا فن نہ دیکھ ڈالے تو وہ پڑھا رہا ہے پڑھ نہیں رہا، اور سو سال بھی پڑھائے گا تو علم نہیں آئے گا، علم پڑھنے سے آتا ہے۔

یہاں اساتذہ دو سوال کرتے ہیں:

پہلا سوال: اساتذہ کہتے ہیں: مدارس والے ہمیں ترقی نہیں دیتے، وہ ہمیں بڑی کتابیں دیں تو ہم مطالعہ کریں، پانچ سال سے ہمیں مرقات میں لٹکا رکھا ہے ہم ملا حسن کا مطالعہ کیسے کریں؟ یا دس سال سے ہمیں قدوری دے رکھی ہے، کنز یا شرح وقایہ دیتے ہی نہیں، پھر ہم مطالعہ کیسے کریں؟

جواب: میں کہتا ہوں: آپ کی شیشی میں کچھ ہے؟ اگر عمدہ خوشبو ہے تو مہکاؤ، ہر آدمی پوچھے گا: کس نے خوشبو لگائی ہے؟ بڑی اچھی خوشبو ہے! آج ارباب مدارس ذی استعداد اساتذہ کے لئے پریشان ہیں مگر کوئی اپنا عطر مہکائے تو دوسرا اسے پوچھے، غرض پہلے پڑھنا پڑتا ہے اور اپنی صلاحیتوں کا ثبوت دینا پڑتا ہے تب مدرسہ والے ترقی دیتے ہیں بے استعداد کو ترقی دینا اس امید پر کہ بعد میں صلاحیت پیدا ہو جائے گی: نادانی کی بات ہے۔

البتہ استعداد کے ساتھ تعلقات کی ہمواری ضروری ہے، چاپلوسی ضروری نہیں، یعنی اس درجہ ارباب انتظام کے ساتھ موافقت ضروری ہے کہ وہ آپ کو اپنے لئے اور اپنے ادارہ کے لئے مفید سمجھیں، بس فوراً ترقی ملے گی، اور اگر آپ کے تعلقات ناہموار ہیں، مدرسہ والوں سے آپ نے بگاڑ رکھی ہے اور مہتمم آپ کو اپنے لئے یا اپنے مدرسہ کے لئے مفید نہیں سمجھتا تو شاید وہ آپ کو ترقی نہ دے کیونکہ آپ کو آگے بڑھا کر وہ مصیبت کیوں مول لے۔

مگر کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ چاپلوسی سے دال گلتی ہے: الدنیا بالوسائل لا بالفضائل۔ میرا خیال ہے: یہ بات صحیح نہیں، مدرس کو اپنے کام سے غرض ہونی چاہئے، نظم وانتظام سے سروکار نہیں ہونا چاہئے، مدرسہ اس کا نہیں ہے دوسرے کا ہے، وہ جانے اور اس کا کام، اور اگر مدرس کو مہتمم بننے کا شوق ہے اور تعلیم کی اصلاح کا جذبہ ہے تو وہ ہٹ کر اپنی دوکان

علحدہ کھولے، اللہ کا ملک تنگ نہیں، اور گدا کا پیر لنگ نہیں، دوسرے کے مدرسہ میں اٹھل پتھل کرنا اور اپنی پوزیشن خراب کرنا دانشمندی کی بات نہیں۔

دوسرا سوال: اساتذہ کہتے ہیں: مدرسہ والوں نے ہم پر ڈھیر سارے سبق لاد رکھے ہیں پھر ہم سارے فنون کیسے دیکھیں؟

جواب: میں کہتا ہوں: اگر آپ کے پاس پانچ فنون ہیں تو آپ ان میں سے چار کتابیں صرف شرحوں کی مدد سے پڑھائیں اور ایک کتاب فن دیکھنے کے لئے منتخب کریں، دو تین سال میں وہ پورا فن دیکھ لیں پھر دوسرا فن پکڑیں، اس طرح تدریجی طور پر کئی فنون دیکھے جاسکتے ہیں لیکن اگر آپ چاہیں ہی نہ تو زندگی گذر جائے گی، اور آپ کسی ایک فن میں بھی باکمال نہیں بنیں گے۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ قحط الرجال کے اس زمانہ میں مدارس سے نکلنے والے حضرات کو چاہئے کہ وہ فارغ نہ ہو جائیں، یہ لفظ اپنے ذہن سے قطعاً نکال دیں، اسی طرح فاضل کا تصور ختم کردیں طالب علم کا تصور رکھیں، فاضل تو فضول سے بھی ہوسکتا ہے تو کیا آپ کوڑا کرکٹ ہیں؟ رہا فاضل بمعنی علامۃ الدہر تو یہ بات کبریت احمر ہے، صدیوں میں کوئی باکمال پیدا ہوتا ہے، جب لاکھوں میدان میں سرگرداں رہتے ہیں تب کوئی منزل پر پہنچتا ہے، پس آپ بھی دیوانہ وار چلیں، ممکن ہے آپ ہی منزل پر پہنچیں۔

چوتھی بات: تیسری بات ہی سے متعلق ہے مگر اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کو علحدہ ذکر کرتا ہوں، سوال یہ ہے کہ بے شمار مدارس عربیہ ہیں اور لوگ پڑھنے پڑھانے میں مشغول بھی ہیں پھر اعلی صلاحیتوں کے آدمی کیوں تیار نہیں ہوتے؟ قحط الرجال کیوں ہے؟

جواب: اس کی دو وجہیں ہیں: ایک تو گذر چکی کہ لوگ پڑھاتے ہیں پڑھتے نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مدارس سے نکلنے والے تین قسم کے فضلاء ہیں: اعلی استعداد والے، متوسط استعداد والے اور ادنی استعداد والے، فضلاء کی پہلی قسم تو ضائع ہوجاتی ہے، یونیورسٹیوں میں چلی جاتی ہے، کمپیوٹر اور ہنر سیکھنے میں لگ جاتی ہے، یا کاروبار میں مشغول ہوجاتی ہے، اور دوسری قسم مدارس عربیہ میں لگتی ہے، چونکہ ان کا مستوی فروتر ہے اس لئے وہ ہر چند کوشش کے بعد بھی تاڑ کا درخت نہیں بن سکتے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں: اللہ تعالیٰ نے نباتات اور حیوانات میں سے ہر ایک کا ایک مستوی اور لیول تجویز کیا ہے، ہر مخلوق کو اس لیول پر پہنچ کر رک جانا ہے جیسے مرچی کے پودے کا ایک لیول ہے، گیہوں اور جوار کے پودوں کا دوسرا لیول ہے، امرود اور آم کے درختوں کا مستوی علحدہ ہے، اور تاڑ، کھجور اور ناریل کی پہنچ دور تک ہے، ہر درخت اپنی مقدار پر پہنچ کر رک جاتا ہے، آپ غور کریں! امرود اور آم کے درخت جب اپنی مقدار پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر ہر پت جھڑ میں ان کے پتے جھڑتے ہیں، اور ہر بہار میں ان پر کونپلیں نکلتی ہیں، مگر وہ وہیں کے وہیں رہتے ہیں بلکہ بوڑھے ہوکر گھٹتے ہیں اور نیچے آتے

ہیں، یہی حال انسان کا ہے، ہر انسان کا ایک مستوی ہے وہ وہاں پہنچ کر رک جاتا ہے پھر وہ چاہے کتنی بھی اچھل کود کرے آگے نہیں بڑھ سکتا، پس متوسط مستوی والے ہر چند کوشش کے بعد بھی بڑے لوگ نہیں بن سکتے، بڑے لوگ بلند مستوی والے ہی بنتے ہیں، مگر وہ عام طور پر ضائع ہو جاتے ہیں۔

فضلاء ضائع کیوں ہو جاتے ہیں؟

اور اس میں قصور کچھ ارباب مدارس کا ہے، کچھ فضلاء کا ہے، یعنی کچھ سونا کھوٹا ہے کچھ سنار کھوٹا ہے، مدارس والے مدرسین کو اتنا دیتے ہی نہیں کہ وہ زندگی بھر دلجمعی کے ساتھ کام کر سکیں، گارا بنانے والے مزدور کو بھی یومیہ سوا سو روپے ملتے ہیں یعنی ماہانہ اس کی چار ہزار کی آمدنی ہوتی ہے اور مدرس کو دو ڈھائی ہزار روپے ملتے ہیں جس نے پندرہ سال محنت کی ہے اور اپنی زندگی کا قیمتی وقت خرچ کیا ہے وہ گارا بنانے والے مزدور کے ہم تول بھی نہیں تو کیا مزدور کے خرچ کے بقدر بھی مولوی کے گھر کا خرچ نہیں ہوگا، مگر اہل مدارس سمجھتے نہیں، بلکہ وہ یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ مدرسہ میں گنجائش نہیں، سوال یہ ہے کہ پھر بلڈنگیں کہاں سے بن رہی ہیں؟ اور مہتمم بکار مدرسہ کیسے گھوم رہا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ آدمی چاہے ہی نہ تو باتیں ہزار ہیں۔ غرض جب تک کارکنان کو بقدر ضرورت روزگار مہیا نہیں کیا جائے گا وہ زندگی بھر کام سے کیسے چمٹے رہیں گے؟ اور آدمی تو بنتا ہی ہے پوری زندگی کھپانے سے، دس بیس سال پڑھانے سے کوئی شیخ الحدیث نہیں بنتا۔

دوسرا قصور فضلاء کا ہے، وہ کیا مل رہا ہے؟ اس کو پیش نظر رکھ کر کام کرتے ہیں حالانکہ علم برائے علم مطلوب ہے، برائے مال مطلوب نہیں، روزی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے، وہ ہر ایک کا پیٹ ضرور بھرتے ہیں، اور پیسہ تین کام کرتا ہے، آدمی اچھا کھاتا ہے، اچھا پہنتا ہے اور لوگ سلام کرتے ہیں، مولوی کو یہ تینوں نعمتیں تھوڑی تنخواہ میں بھی حاصل ہیں، خوش خوراک اور خوش پوشاک وہی ہوتا ہے، اور عالم اگر اپنی حالت درست رکھے تو بستی کا ہر شخص اس کی عزت کرتا ہے، ہندو تک سلام کرتے ہیں پھر اور کیا چاہئے!

البتہ بیوی چونکہ گھر چلانا اپنے باپ کے یہاں سے سیکھ کر آئی ہے اس لئے تھوڑی اس کی تربیت کرنی پڑتی ہے، اس کو خرچ میں اقتصاد یعنی میانہ روی سکھلانی پڑتی ہے، اور خود کو فضول خرچی سے بچانا پڑتا ہے، جیسے موبائل کا خرچ مولوی کے لئے فضول ہے، لوگوں کو اس سے رابطہ کرنا ہے تو کریں، اسے ساری دنیا سے رابطہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ البتہ جب اولاد ہو جاتی ہے تو پھر واقعی پریشانی کھڑی ہوتی ہے، جس کا علاج اہل مدارس کو سوچنا ہے۔

اور آخری بات: یہ ہے کہ آپ حضرات اس مجلس سے اٹھنے کے بعد تین قسموں میں بٹ جائیں گے، ایک وہ ہونگے جن کی اعلیٰ استعداد نہیں، وہ مکاتیب اسلامیہ میں پڑھائیں گے یا مسجد میں امامت کریں گے، یا کاروبار میں لگیں گے، ان کو سب سے پہلے ایک سال کے لئے جماعت میں نکلنا چاہئے، کیونکہ اب مدارس میں طلبہ کی تعداد کی زیادتی کی وجہ سے تربیت کماحقہ نہیں ہو پاتی، پس جماعت میں ایک سال لگانے سے دینی مزاج بنے گا، اور عوام سے کس طرح معاملہ

کرنا چاہئے اس کا سلیقہ پیدا ہوگا، پھر وہ جس کام میں لگنا چاہیں لگ جائیں۔

دوسرے متوسط استعداد والے ہیں جن کو ابھی پڑھنا ہے، اپنی استعداد کی تکمیل کرنی ہے وہ ابھی اپنے آپ کو طالب علم سمجھیں، جماعت میں یا کسی اور کام میں نہ لگیں، وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہیں۔

اور جو پختہ استعداد والے ہیں اور وہ ضائع نہیں ہونا چاہتے بلکہ دین کے کام میں لگنا چاہتے ہیں، وہ پڑھانے میں لگیں اور رات دن اپنے کام میں منہمک رہیں، جماعت میں وہ ابھی ہرگز نہ نکلیں، ورنہ ایک سال کے بعد وہ کسی کام کے نہیں رہیں گے، طالب علم دو مہینے کی چھٹیوں میں گھر جاتا ہے تو آدھا پڑھا ہوا بھول جاتا ہے، ایک سال جماعت میں لگانے کے بعد تو اس کے کٹورے میں کچھ بھی نہیں رہے گا، وہ استعداد پختہ ہونے تک پوری توجہ کے ساتھ پڑھانے میں لگے رہیں، پھر جماعت میں نکلیں کوئی حرج نہیں، اب اس کی استعداد نہیں بجھے گی، بلکہ جماعت کے کاز کو بھی اس کی استعداد سے تقویت ملے گی۔

بلکہ میرا مشورہ یہ ہے کہ یہ حضرات جماعت میں نہ نکلیں، وہ جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ ''بھی'' دین کا کام ہے، جماعت کا کام ''ہی'' دین کا کام نہیں ہے، اور اس موضوع پر گفتگو کتاب الجہاد میں میں آچکی ہے، غرض توحید مطلب ضروری ہے، اور ایک ہی لائن میں لگے رہنے میں کامیابی ہے۔

اور میری یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اعلیٰ استعداد والے دس سال، اور فروتر استعداد والے پندرہ سال اور کم استعداد والے بیس سال مسلسل رات دن کتابوں کے کیڑے بنے رہیں گے تو اتنی مدت کے بعد علم آنا شروع ہوگا، اور جب علم آنا شروع ہوگا تو خود اس کو احساس ہوگا کہ اب مجھے کچھ حاصل ہونے لگا ہے۔

﴿وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين﴾

دعا: اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسلِّمْ على سيدنا ومولانا محمد وعلى آل سيدنا ومولانا محمد وبارك وسلم، لا إله إلّا اللّٰهُ الحليم الكريم، لا إله إلّا الله الحليم الكريم، لا إله إلا الله الحليم الكريم، اللّٰهم تب علينا إنك أنت التواب الرحيم، رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حسنة وقنا عذاب النار، اللّٰهم إنا نسئلك الهدى والتُّقى والعفاف والغنى، اللّٰهم إنا نسئلك علما نافعا وعملا متقبلا وقلبا خاشعا، وعينا دامعةً، اللّٰهم إنا نعوذ بك من علم لاينفع، ومن قلب لايخشع، ومن عمل لايُرفع، اللّٰهم ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔

یاالٰہ العالمین! ان بچوں کو جو تیرے بندے ہیں، میرے مولیٰ ان کو قبول فرما، میرے مولیٰ ان کے علم میں برکت فرما، یا اللہ! ان کے عمل میں اخلاص پیدا فرما، یا اللہ! ان کو زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب فرما، یا اللہ! ہم میں جو بیمار ہیں انہیں شفاء عطا فرما، یا اللہ! ہم میں جو پریشان حال ہیں ان کی پریشانی دور فرما، یا اللہ! جو انتقال کر گئے ہیں ان کی مغفرت فرما،

یا اللہ! ہمیں علم نافع عطا فرما، عمل صالح عطا فرما، یا اللہ! ہمیں فتنوں سے محفوظ فرما، اے میرے مولیٰ! ہمیں ظالموں کا تختہ مشق نہ بنا، یا اللہ! پوری دنیا میں ایمان کی ہوائیں چلا، اے اللہ! دنیا میں جگہ جگہ تیرے مؤمن بندے پریشان ہیں، اے میرے مولیٰ! کفار نے اپنے منہ کھول رکھے ہیں، اے میرے مولیٰ! وہ ان کو کھا جانے کے لئے تیار ہیں: میرے مولیٰ! اپنے بندوں کی حفاظت فرما، اپنے حبیب کے دین کی حفاظت فرما، یا اللہ! مسلمانوں کی حفاظت فرما، یا اللہ! جہاں جہاں مسلمان تیرے دین کے لئے کوششیں کررہے ہیں میرے مولیٰ ان کی مساعی کو کامیاب فرما، ان کے کاموں میں برکت فرما، یا اللہ! اسلام کی حفاظت فرما، مسلمانوں کی حفاظت فرما، اسلامی ملکوں کی حفاظت فرما، یا اللہ! دنیا کے تمام لوگوں کو دین اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما، یا اللہ! سب کو جہنم سے بچنے کا سامان کرنے کی توفیق عطا فرما، اے میرے مولیٰ! ہمیں اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرما، اے میرے مولیٰ! تیرے یہ بندے جو تیرا دین پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں میرے مولیٰ انہیں نامراد نہ فرما، انہیں ناکام نہ فرما، انہیں دین کے لئے قبول فرما، میرے مولیٰ یہ کسی لائق نہیں، لیکن میرے مولیٰ تیری نظر کرم ہوجائے تو یہ لائق بن جائیں گے، میرے مولیٰ ان کو قبول فرما، ان کے علم میں برکت فرما، ان کے علم میں وسعت پیدا فرما، یا اللہ! ہماری دعاؤں کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما، یا اللہ! ہمارے علم میں برکت فرما، یا اللہ! ہمارے قلوب میں نور پیدا فرما، اے اللہ! ہمارے ماں باپ کی مغفرت فرما، ہمارے رشتہ داروں کی مغفرت فرما، جن لوگوں نے دعاؤں کے لئے کہا ہے یا لکھا ہے: ان کی جائز مرادیں پوری فرما، سب کی پریشانیوں کو دور فرما، سب بیماروں کو شفائے کاملہ عطا فرما، یا اللہ! جن لوگوں نے دامے درمے سخنے قدمے مدارس اسلامیہ کا تعاون کیا ہے ان کے کاروبار میں برکت فرما، ان کے تعاون کو قبول فرما، یا الٰہ العالمین! ہمیں جب تک ہم زندہ ہیں احکام اسلام کا پابند بنا اور اے میرے مولیٰ! جب ہماری موت کا وقت آئے تو ایمان پر ہمارا خاتمہ فرما، یا الٰہ العالمین! ہماری طرف سے امام ترمذی رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرما، ان کے درجات بلند فرما، اور تمام محدثین کو امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرما، اور ان کے درجات بلند فرما، الٰہ العالمین! تمام فقہاء، محدثین، بزرگوں اور تمام دین کے کام کرنے والوں کو اے اللہ درجات عالیہ عطا فرما، اور اے میرے مولیٰ! ہم امتیوں کی طرف سے ہمارے اور آپ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو جزائے خیر عطا فرما۔ اے اللہ! آپؐ پر بے پایاں رحمتیں نازل فرما، آپؐ کے درجات بلند فرما، آپؐ کی امت کو سرخ رو فرما، آپؐ کی امت کے ذریعہ آپ کا نام روشن فرما، یا اللہ! ہم تیرے حبیب کی امت ہیں، اپنے حبیب کے طفیل ہم پر رحم فرما، کرم فرما، احسان فرما، میرے مولیٰ اپنے فضل وکرم سے ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔ **سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين** (آمین یارب العالمین)

ترمذی شریف
جلد ثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله، نحمده ونستَعِيْنُه ونستغْفِرُهُ، ونعوذُ بالله مِنْ شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، مَنْ يهدِهِ الله فلامُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فلاهادى له، وأشهد أن لا إله إِلَّا الله وحده لاشريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. أما بعد.

جلد ثانی ابواب اللباس سے شروع ہونی چاہئے:

سب سے پہلے یہ بات جان لیں کہ ترمذی شریف کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو جلدوں میں تقسیم نہیں کیا، کسی اور نے تقسیم کیا ہے، عرب ممالک میں جو ترمذی شریف چھپتی ہے وہ چار جلدوں میں منقسم ہے، ہمارے دیار میں دو جلدوں میں تقسیم کی گئی ہے، یہ تقسیم مصنف کی نہیں ہے کسی اور نے کی ہے اور جس نے بھی کی ہے اچھی تقسیم نہیں کی، جلد دوم ابواب اللباس سے شروع ہونی چاہئے، سورۃ الاعراف آیت ۳۱ میں ارشاد پاک ہے: ﴿يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لَايُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ترجمہ: اے آدم کی اولاد! تم مسجد کی ہر حاضری پر اپنا لباس پہن لیا کرو (یہ ابواب اللباس ہوئے) اور کھاؤ (یہ ابواب الاطعمہ ہوئے) اور پیو (یہ ابواب الاشربہ ہوئے) اور حد سے مت نکلو، اللہ تعالیٰ یقیناً حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے (یہ حفظانِ صحت کا اصول ہے) پس یہ تینوں کتابیں جلد دوم میں ایک ساتھ ہونی چاہئے تھیں۔

جلد دوم بھی جلد اول کی طرح اہم ہے:

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ ترمذی شریف کو دو جلدوں میں تقسیم کرنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جلد اول کے درس اور جلد ثانی کے درس کا انداز مختلف ہو گیا ہے، اب ایسا سمجھا جاتا ہے کہ جلد ثانی میں اہم مباحث نہیں، سارے اہم مباحث جلد اول میں گذر گئے ہیں، جلد ثانی بس برائے نام پڑھنی ہے، حالانکہ احادیث شریفہ موضوع وار ارشاد نہیں فرمائی گئیں، یعنی آنحضرت ﷺ نے پہلے کتاب الطہارۃ کی حدیثیں بیان کی ہوں پھر نماز کی، پھر زکوۃ کی وَهَلُمَّ

جزًّا، بلکہ تیئیس سالہ زندگی میں ہدایت (راہنمائی) کا جو بھی موقع آیا اس میں نبی ﷺ نے ضروری باتیں بیان فرمائی ہیں، اس لئے ہوسکتا ہے کہ جلد اول کے شروع میں آئی ہوئی کسی حدیث سے جلد ثانی کی بالکل آخری حدیث زیادہ اہم ہو، اس لئے جلد ثانی کو سرسری پڑھنے کا جو مزاج بن گیا ہے وہ غلط ہے، جس توجہ کے ساتھ جلد اول پڑھی جاتی ہے اسی اہمیت کے ساتھ جلد ثانی بھی پڑھنی چاہئے۔

ہاں یہ واقعہ ہے کہ احکام کی روایات کا چونکہ عمل سے قریبی تعلق ہے پھر ان میں مجتہدین میں اختلافات بھی ہوئے ہیں اس لئے ان کی تفصیلات زیادہ ہیں، مگر جلد ثانی کی احادیث کا بھی عمل سے تعلق ہے اور اس اعتبار سے تو ان کی اہمیت اور زیادہ ہے کہ ان کا تعلق تہذیب نفس سے ہے اور تعلیمات اسلامیہ کا بیشتر حصہ اسی جلد میں آیا ہے، دین کا خلاصہ پانچ باتیں ہیں: اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت، جلد اول میں صرف عبادات اور معاملات کا بیان ہے باقی تین باتیں جلد ثانی میں ہیں۔

نیز امام ترمذی رحمہ اللہ کی یہ سنن جامع بھی ہے اور جامع وہ کتاب کہلاتی ہے جس میں آٹھ مضامین کی حدیثیں ہوتی ہیں وہ آٹھ مضامین اس شعر میں جمع ہیں:

سیر، آداب و تفسیر و عقائد ❁ فتن اشراط و احکام و مناقب

ان آٹھ مضامین میں سے احکام وسیر کا تذکرہ جلد اول میں آیا ہے باقی چھ عناوین کی حدیثیں جلد ثانی میں ہیں، پھر یہ حصہ غیر اہم کیسے ہوسکتا ہے؟

ہاں یہ بات صحیح ہے کہ جلد ثانی کی حدیثوں میں زیادہ تفصیل نہیں، مختصر طریقہ پر حدیثوں کو کما حقہ سمجھ لینا پھر ان پر عمل کرنا ہے، البتہ ایک ضروری کام جلد ثانی میں یہ ہے کہ جو حدیثیں مختصر اور جامع ہیں اور قیمتی نصائح پر مشتمل ہیں وہ حدیثیں طلبہ کو حفظ کرنی چاہئیں، میرا یہی طریقہ ہے، آگے جب میں باب پر تقریر کروں گا تو جو حدیث حفظ کرنی چاہئے اس کا متن لکھ کر شرح کروں گا، وہ حدیثیں خاص طور پر طلبہ کو یاد کرائی جائیں۔

اور ایک خاص بات یہ ذہن میں رہنی چاہئے کہ تفسیر سے تعلق رکھنے والی روایات صرف بخاری، ترمذی اور مستدرک حاکم میں ہیں مگر بخاری شریف میں شرائط کی سختی کی وجہ سے روایتیں کم ہیں اور مستدرک حاکم پڑھائی نہیں جاتی اب صرف ترمذی شریف رہ جاتی ہے جس میں تفسیری روایات کا بڑا حصہ ہے پس وہ خاص توجہ سے پڑھنا پڑھانا چاہئے۔

مدارس اسلامیہ کی غرض وغایت تین چیزیں ہیں، قرآن، حدیث اور فقہ، قرآن دین کا سرچشمہ ہے، حدیثیں اس کی شرح ہیں اور فقہ دونوں کا خلاصہ ہے، پس سب سے زیادہ توجہ سرچشمہ پر رہنی چاہئے، بخاری شریف میں تو روایات کم ہیں، مفردات کے معانی زیادہ ہیں جو قرآن کریم سامنے رکھے بغیر اور پوری آیت سمجھے بغیر سمجھے نہیں جاسکتے، اس لئے بخاری شریف میں کتاب التفسیر بس سرسری پڑھائی جاتی ہے مگر ترمذی میں یہ حصہ توجہ سے پڑھانا چاہئے۔

نیز علوم شرعیہ کی ایک تقسیم اس طرح بھی جاسکتی ہے کہ کچھ احکام دنیا سے متعلق ہیں اور کچھ آخرت سے، جلد اول میں جو احکام ہیں ان کا زیادہ تر تعلق دنیا سے ہے یعنی وہ عملی احکام ہیں۔ اور جلد ثانی میں بھی کچھ عملی احکام ہیں مگر زیادہ تر باتیں آخرت سے تعلق رکھتی ہیں جیسے جنت وجہنم کا بیان، کتاب التفسیر، فضائل ومناقب کا بیان اور علم وعقائد کا بیان، یہ سب باتیں آخرت سے تعلق رکھتی ہیں، پس جلد ثانی کو سرسری پڑھ لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آخرت کے احکام نہیں سمجھے، اس لئے پہلے یہ ذہن بنالینا چاہئے کہ جلد ثانی بھی جلد اول ہی کی طرح اہم ہے، اور اس کو بھی پوری توجہ سے پڑھنا ہے واللہ الموفق۔

سنت کی دو قسمیں: سننِ ہدی اور سننِ زوائد:

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ سنت کی دو قسمیں ہیں: سنن ہدی اور سنن زوائد، سنن ہدی کو چھوڑنا برا اور مکروہ ہے جیسے جماعت اور اذان واقامت وغیرہ، اور سنن زوائد آداب کے درجہ کی چیزیں ہیں، ان کے ترک پر کوئی گناہ نہیں، جیسے نبی ﷺ کا کپڑے پہننے کا طریقہ، اور اٹھنے بیٹھنے کا انداز (شامی ۱:۷۰)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں علوم نبوی کی دو قسمیں کی ہیں: ایک: وہ حدیثیں ہیں جو حکم شرعی کے طور پر وارد ہوئی ہیں اس قسم میں چار قسم کی روایات شامل ہیں: ۱- معاد: یعنی آخرت سے تعلق رکھنے والی روایات ۲- احکاماتِ شرعیہ یعنی عبادتوں اور ارتفاقات سے تعلق رکھنے والی روایات ۳- مفید اور غیر مفید باتیں جن کا نہ کسی خاص وقت سے تعلق ہوتا ہے اور نہ ان کی حدود متعین کی جاتی ہیں جیسے اخلاق صالحہ اور اخلاق سیۂ ۴- اور اعمال صالحہ کے فضائل اور عاملین کے مناقب سے تعلق رکھنے والی روایات۔

دوسری قسم کی حدیثیں وہ ہیں جو دنیوی امور میں رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں اس قسم میں پانچ طرح کی روایات شامل ہیں: ۱- علاج ومعالجہ اور طب سے تعلق رکھنے والی روایات ۲- امور عادیہ یعنی وہ روایات جن میں نبی ﷺ کے ایسے کاموں کا تذکرہ ہے جو آپؐ نے عادت کے طور پر کئے ہیں عبادت کے طور پر نہیں کئے، اتفاقاً کئے ہیں بالقصد نہیں کئے، جیسے چمڑے کے دسترخوان پر کھانا، لکڑی کے پیالہ میں پینا اور کھجور کے ریشے بھرے ہوئے بستر پر سونا ۳- مروجہ باتیں، یعنی وہ روایات جن میں ایسی باتیں مذکور ہیں جس قسم کی باتیں سبھی لوگ کیا کرتے ہیں جیسے حدیث ام زرع ۴- ہنگامی ارشادات یعنی وہ روایات جن میں کوئی ایسی بات مذکور ہوتی ہے جس کا تعلق وقت کی خاص مصلحت سے ہوتا ہے وہ تمام امت کے لئے لازم نہیں ہوتیں ۵- کوئی خاص حکم اور فیصلہ جس کا مدار گواہیوں اور قسموں پر ہوتا ہے اگر وہ بدل جائیں یا ان سے قوی ذریعہ معلومات سامنے آجائے تو حکم بھی بدل جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ کی قسم دوم میں صرف پہلی قسم کی روایات کی شرح کی ہے اور دوسری قسم کی

روایات سے صرف نظر کیا ہے، ترمذی شریف جلد ثانی میں جو روایات ہیں ان کو سمجھتے وقت اس تقسیم کا لحاظ ضروری ہے، سب باتوں کو ایک درجہ کا قرار دینا مناسب نہیں، جو احکام شرعیہ ہیں وہ احکام ہیں اور دیگر باتیں از قبیل آداب ہیں۔

سنن ترمذی کا تعارف اور امام ترمذی کی اصطلاحات:

اس کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب کو سمجھنا ضروری ہے، حدیث شریف کی کتابوں میں یا تو صرف حدیثیں ہوتی ہیں یا عنوان میں مسائل فقہیہ بھی بیان کئے جاتے ہیں مگر امام ترمذیؒ کچھ اور باتیں بھی بیان کرتے ہیں مثلاً وہ راویوں کا تعارف کراتے ہیں، رواۃ پر جرح وتعدیل کرتے ہیں، اگر حکم شرعی میں اختلاف ہو تو مجتہدین کے اقوال ذکر کرتے ہیں اور رواۃ میں امتیاز کرتے ہیں، نیز وہ ہر حدیث پر حکم بھی لگاتے ہیں اور یہ آخری بات سب سے زیادہ اہم ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، کیونکہ کتاب میں قدم قدم پر اس سے سابقہ پڑتا ہے۔

امام ترمذی کی اصطلاحات سمجھنے کا بہترین طریقہ ان کی کتاب کا آزادانہ مطالعہ ہے:

قدیم زمانہ سے لے کر آج تک جو علماء امام ترمذی کی اصطلاحات پر بحث کرتے آئے ہیں وہ فن اصول حدیث کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کرتے ہیں حالانکہ فن اصولِ حدیث چھٹی صدی میں تکمیل پذیر ہوا ہے، جب امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے اپنا مقدمہ لکھا، پھر امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا خلاصہ کیا اور تقریب لکھی، امام ترمذیؒ کی کتاب فن کی تکمیل سے تین سو سال پہلے لکھی گئی ہے پھر وہ فن کے تابع کیسے ہوسکتی ہے؟ امام ترمذیؒ کی اصطلاحات کو سمجھنے کا بہترین طریقہ ان کی کتاب کا آزادانہ مطالعہ ہے اور انھوں نے ترمذی شریف کے مقدمہ لاحقہ (کتاب العلل) میں جو اپنی اصطلاحات کی وضاحت کی ہے اس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، نیز امام ترمذیؒ کے معاصر محدثین کی کتابوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے تبھی انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے، اگر امام ترمذی کی اصطلاحات کو فنِ اصولِ حدیث کے تابع کیا جائے گا تو ایک ایسی چیستان بن جائے گی جو نہ سمجھنے کی ہوگی نہ سمجھانے کی۔

امام ترمذی کے زمانہ کی اصطلاحات اور حسن صحیح کے معنی:

امام ترمذی رحمہ اللہ کے زمانہ میں حدیث کی دو قسمیں تھیں: صحیح اور ضعیف موضوع کا شمار احادیث میں نہیں تھا نیز ابھی حسن کی اصطلاح وجود میں نہیں آئی تھی البتہ کچھ بڑے محدثین جیسے علی بن المدینی، امام احمد اور امام بخاری رحمہم اللہ جو رقیق العبارۃ تھے: لفظ صحیح استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی جگہ لفظ حسن بمعنی اچھی حدیث استعمال کرتے تھے، امام ترمذیؒ نے جب اپنی کتاب لکھی تو ان کے سامنے یہ دشواری پیش آئی کہ وہ ان دو اصطلاحوں میں سے کونسی اصطلاح استعمال کریں، اگر قدیم اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ اگر یہ نئی اصطلاح چل پڑی تو ان کے سب فیصلے ناقابل فہم ہوجائیں گے اور اگر نئی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اگر بعد میں یہ نئی اصطلاح نہ چلی تو بھی

پریشانی کھڑی ہوگی، اس لئے امام ترمذیؒ نے قدیم وجدید دونوں اصطلاحوں کو اکٹھا کیا، وہ اعلیٰ درجہ کی حدیثوں کے لئے حسنٌ صحیحٌ استعمال کرتے ہیں یعنی: حسنٌ فی اصطلاح قومٍ وصحیحٌ فی اصطلاح آخرین۔

ایک نئی اصطلاح: حدیثٌ حسنٌ:

اور اعلیٰ درجہ کی حدیثوں سے کم تر جو روایات تھیں ان کو اب تک جدا نہیں کیا گیا تھا، امام ترمذیؒ نے سب سے پہلے ان کو جدا کیا اور اس کے لئے نئی اصطلاح حسنٌ وضع کی، اور کتاب العلل میں فرمایا کہ جس حدیث میں تین باتیں ہوں وہ حدیث حسن یعنی اچھی حدیث ہے: ایک: سند میں کوئی راوی نہایت درجہ ضعیف نہ ہو، یعنی متہم بالکذب نہ ہو، معمولی ضعیف راوی کی حدیث حسن ہوسکتی ہے۔ دوم: وہ حدیث شاذ نہ ہو یعنی ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف نہ ہو، سوم: وہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو، جس حدیث کی سند میں یہ تینوں باتیں جمع ہوتی ہیں امام ترمذی اس کو حسن کہتے ہیں۔

بعد میں حسن مستقل قسم بن گئی

بعد میں فن میں حسن مستقل قسم بن گئی، پھر اس کی دو قسمیں کی گئیں، حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ، جس طرح صحیح کی دو قسمیں کی گئیں: صحیح لذاتہ اور صحیح لغیرہ، اور امام ترمذیؒ کی حسن دونوں قسموں کو شامل ہے اور حسن لذاتہ: صحیح سے قریب ہوتی ہے، صحیح کی تمام شرائط اس میں موجود ہوتی ہیں صرف راوی ضبط میں ہلکا ہوتا ہے، اور حسن لغیرہ ضعیف سے قریب ہوتی ہے اس کی ہر سند میں کلام ہوتا ہے مگر مجموعہ قوی ہوجاتا ہے، اس لئے وہ حدیث حسن کہلاتی ہے۔

غریبٌ بمعنی ضعیف قدیم اصطلاح ہے اور منکر بھی:

اور ضعیف کے لئے دوسرا لفظ غریب بھی استعمال ہوتا تھا، امام ترمذیؒ نے ضعیف کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے اور غریب کی بھی بلکہ اگر کوئی حدیث نہایت درجہ ضعیف ہوتی ہے تو وہ اس کے لئے ''منکر'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں یہ اصطلاح بھی امام ترمذیؒ کے زمانہ میں رائج تھی، امام ابوداؤد نے بھی یہ اصطلاح استعمال کی ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ بھی راویوں کی جرح میں یہ لفظ استعمال کرتے ہیں اسی لئے امام ترمذی نے غریب کے یہ معنی کتاب العلل میں بیان نہیں کئے کیونکہ یہ معنی معروف تھے۔

غریب کے تین نئے معانی:

البتہ غریب کا لفظ تین نئے معنی میں امام ترمذیؒ نے استعمال کیا ہے: ایک: بمعنی تفرد اسناد، دوم: بمعنی متن میں یا حدیث میں کوئی زیادتی، سوم: کسی اسناد کی مخصوص حالت ...... غریب کے یہ تینوں معانی نئے تھے اس لئے امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں مع امثلہ اس کی وضاحت کی ہے۔

غریب: صحیح اور حسن کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے:

اورغریب کے یہ تینوں نئے معانی حسنٌ صحیحٌ کے ساتھ جمع ہوسکتے ہیں اور صرف حسنٌ کے ساتھ بھی، کیونکہ حدیث کی ایک ہی سند ہو اور وہ اعلی درجہ کی ہو: ایسا ہوسکتا ہے، اسی طرح حدیث میں کوئی زیادتی ہو اور وہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہو: ایسا بھی ہوسکتا ہے، اور حدیث کسی خاص صحابی سے معروف نہ ہو مگر سند اعلی درجہ کی ہو: ایسا بھی ہوسکتا ہے، اسی طرح کسی حدیث کی سندِ صحیح سے کم تر ہو اور ایک ہی سند ہو یا متن یا سند میں کوئی زیادتی ہو یا سند کی کوئی خصوصی حالت ہو، یہ سب باتیں حسن کے ساتھ جمع ہوسکتی ہیں۔

حسن کے معنی میں تجرید:

ہاں غریب بمعنی ضعیف ان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی، اور جب صرف حسن کے ساتھ غریب بمعنی تفرد اسناد جمع ہو تو حسن کے معنی میں تجرید کی جائے گی یعنی رُوِیَ مِنْ غیرِ وجهٍ کی قید حسن میں سے ختم کردی جائے گی۔

اور یاد رکھنے کی خاص بات یہ ہے کہ غریب کے یہ تینوں معانی جو امام ترمذیؒ نے نئے بیان کئے ہیں ان کا رواج آگے نہیں چلا، بعد میں اتنی جزرسی کے ساتھ سندوں پر حکم لگانے کا سلسلہ باقی نہیں رہا یعنی حدیث کی سند ایک ہے یا زیادہ، متین میں یا سند میں کوئی زیادتی ہے یا نہیں، کسی خاص صحابی سے اس حدیث کی روایت میں کوئی انوکھا پن ہے یا نہیں، یہ سب باتیں بعد میں ملحوظ نہیں رکھی گئیں، اس لئے امام ترمذیؒ کی یہ اصطلاحات آپ کے ساتھ خاص ہوکر رہ گئیں۔

اسباب طعن اور امام ترمذی:

اصولِ حدیث کی کتابوں میں رواۃ پر دس اعتراضات کا ذکر ہے، پانچ راوی کی عدالت سے متعلق ہیں اور پانچ حفظ سے، اور وہ اعتراضات ہلکے بھاری ہیں، ان کا بیان کتاب العلل کی شرح (تحفۃ الالمعی ۱:۱۱۷) میں تفصیل سے آچکا ہے، یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ دس اعتراضات امام ترمذیؒ کے زمانہ میں تھے یا کم تھے؟ پھر ان میں ترتیب کیا تھی؟ یہ باتیں معلوم نہیں، ترمذی پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب اعتراضات اس زمانہ میں نہیں تھے ان میں سے بعض موٹے موٹے طعن تھے، سارے نہیں تھے واللہ اعلم

راویوں پر طعن میں سب سے بھاری اعتراض کذب کا ہے، پھر تہمت کذب کا، پھر فحش غلط کا۔ اگر یہ اعتراضات کسی راوی پر ہوتے ہیں تو امام ترمذیؒ کے نزدیک وہ حدیث حسن نہیں ہوتی، بلکہ غریب بمعنی ضعیف ہوتی ہے، یا منکر (ضعیف جداً) ہوتی ہے اور جو اعتراضات ان سے ہلکے ہوتے ہیں ان کے ساتھ حدیث حسن ہوسکتی ہے پس فن کی ہلکی ضعیف اور امام ترمذیؒ کی حسن دونوں جمع ہوسکتی ہیں، کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ دونوں پر حسن کا اطلاق کرتے ہیں، پس جو حضرات امام ترمذیؒ کی تحسین پر اعتراض کرتے ہیں جیسے امام نووی تو یہ اعتراض امام ترمذی

کی اصطلاحات کے پیش نظر صحیح نہیں۔

فن تدریجی طور پر تکمیل پذیر ہوتا ہے:

اور یہ بات تقریباً بدیہی ہے کہ ہرفن تدریجی طور پر پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے، فن اصولِ حدیث کا بھی یہی حال رہا ہے، نیز جب کوئی فن شروع ہوتا ہے تو اس میں کچھ ایسی باتیں بھی شامل ہوتی ہیں جو بعد میں قابل قبول نہیں رہتیں، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ قبول حدیث کے لئے شہادت کو ضروری قرار دیتے تھے، مگر بعد میں یہ بات واضح ہوئی کہ گواہی معاملات میں لی جاتی ہے اور روایت حدیث: باب دیانت سے ہے پس اس کے لئے شہادت کی ضرورت نہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ اصول فن میں نہیں لیا گیا۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ قسم کھلاتے تھے مگر بعد میں یہ بات سمجھ میں آئی کہ قسم بھی معاملات میں کھلائی جاتی ہے اور روایت حدیث: باب دیانت سے ہے پس قسم لینے کے بھی کوئی معنی نہیں، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اصول بھی فن میں نہیں لیا گیا۔

اور شروع میں مرسل روایتیں (بمعنی عام) اپنی تمام اقسام کے ساتھ حجت سمجھی جاتی تھیں حنفیہ اور مالکیہ ان کا اعتبار کرتے تھے، مگر بعد میں ان کی حجیت پر اطمینان نہیں رہا، چنانچہ چند بڑے لوگوں کے مراسل مستثنیٰ کر کے باقی رواۃ کی مرسل روایات کو حجت نہیں سمجھا گیا یہ بات فن میں بعد میں بڑھی ہے۔

اسی طرح پہلے صحیح حدیثیں سب ایک ہی درجہ کی شمار ہوتی تھیں پھر ان کو دو حصوں میں بانٹا گیا: صحیح اور حسن، پھر ہر ایک کی دو دو قسمیں کی گئیں: صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ بلکہ صحیحین کے وجود میں آنے کے بعد صحیح کی اور طرح سے بھی درجہ بندی کی گئی، یہ سب باتیں بعد میں فن میں بڑھی ہیں، امام ترمذیؒ کے زمانہ میں سرے سے حسن ہی کا وجود نہیں تھا آپ ہی نے سب سے پہلے حسن کی اصطلاح قائم کی ہے۔

یہ چند ضروری باتیں تھیں جو عرض کی گئیں، باقی تفصیلات جلد اول کے شروع میں گذر چکی ہیں۔

أبوابُ الأَطْعِمَةِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

اشیائے خوردنی کا بیان

أطعمة: طعام کی جمع ہے، کھانی کی کوئی بھی چیز طعام ہے، اس کتاب میں اشیائے خوردنی کا بیان ہے اور اس کے ساتھ اس کے متعلقات بھی زیر بحث آئیں گے۔

کھانے پینے کے سلسلہ میں بنیادی بات طیّب وخبیث کا فرق ہے، سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷ میں نبی ﷺ کے جو اوصاف خمسہ بیان کئے گئے ہیں ان میں ہے: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ یعنی آپ ستھری چیزوں کو لوگوں کے لئے حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام رکھتے ہیں۔

پھر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ طیب اور خبیث کی کسوٹی کیا ہے؟ عربوں کا ذوق یا نبی ﷺ کا ذوق؟ احناف ذوقِ نبوی کا اعتبار کرتے ہیں اور ان کی دلیل حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی مسلم شریف کی حدیث (۱۹۴۸) ہے: نبی ﷺ نے جب گوہ کا گوشت نہیں کھایا بلکہ ہاتھ کھینچ لیا تو حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت خالدؓ بن الولید اور ام حُفیدؓ نے اس کو کھایا مگر حضرت میمونہؓ نے فرمایا: لا آکُلُ مِنْ شیئٍ إِلَّا شَیئٌ یَأْکُلُ منه رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی میں تو وہی چیز کھاؤں گی جو رسول اللہ ﷺ کھائیں گے چنانچہ انھوں نے گوہ نہیں کھائی، انھوں نے ذوقِ نبوی کا لحاظ کیا۔ احناف بھی اسی کا لحاظ کرتے ہیں اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے، آپؐ کی شریعت ساری دنیا کے لئے ہے، پس آپؐ کا ذوق تو ساری دنیا پر حجت ہوسکتا ہے، عربوں کا ذوق ساری دنیا پر حجت کیسے ہوسکتا ہے؟

اور ائمہ ثلاثہ عربوں کے ذوق کا اعتبار کرتے ہیں یعنی جس کو عرب ستھرا سمجھتے ہیں وہ حلال ہے اور جس کو عرب گندہ سمجھتے ہیں وہ حرام ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا بجو کی حلت میں مشہور قول ہے کہ وہ برابر صفا مروہ کے درمیان بکتا ہے اور لوگ کھاتے ہیں پس وہ حلال ہے، معلوم ہوا کہ حضرت نے عربوں کے ذوق کا اعتبار کیا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب کی کتابوں میں جگہ جگہ صراحت ہے کہ حلت وحرمت میں عربوں کے ذوق کا اعتبار ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بھی اسی کا اعتبار کرتے ہیں، غرض یہ ایک ایسی بات ہے جس سے بعض حیوانات کی حلت وحرمت کا فیصلہ کرنے میں اختلاف ہوگیا ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ایک طبعی کراہت (ناپسندیدگی) ہے اور ایک کسی چیز سے گھن کرنا ہے یعنی نفرت کرنا۔ اول: مزاج خاصہ کا تقاضہ ہوسکتا ہے مگر ثانی کو حلت وحرمت کا معیار بنانا ہوگا، ورنہ کوئی معیار باقی نہیں رہے گا مثلاً نبی ﷺ نے کبھی خرگوش کا گوشت پسند نہیں کیا یہ طبعی کراہت تھی، اس پر حلت وحرمت کا مدار نہیں رکھا جائے گا، ہر شخص کو کچھ چیزیں پسند ہوتی ہیں اور کچھ ناپسند لیکن جب اللہ کے رسول کو کسی چیز سے گھن آئے یعنی وہ اس سے نفرت کریں تو اس کو حلال قرار دینا مشکل ہے۔

دوسری ہدایت کھانے پینے کے سلسلہ میں قرآن کریم نے یہ دی ہے کہ اسراف سے بچا جائے یعنی حسب ضرورت ہی کھایا جائے، حد سے زیادہ پیٹ بھر لینا بیماریوں کو دعوت دیتا ہے، اور یہ حکم حفظانِ صحت کے اصول سے دیا ہے، پس اگر لوگ اپنی صحت برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو حسب ضرورت کھائیں مگر یہ بات جوانی میں سمجھ میں نہیں آتی، بڑھاپے میں جب معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے: سمجھ میں آتی ہے۔

بابُ ماجاءَ عَلَی مَاکَانَ یَأْکُلُ النبیُّ صلی اللہ علیه وسلم؟

نبی ﷺ کھانا کس چیز پر رکھ کر کھاتے تھے؟

کھانے کا اسلامی طریقہ کیا ہے؟ کھانے کی اسلامی تہذیب یہ ہے کہ زمین پر صاف ستھرا دسترخوان بچھایا جائے پھر اس پر کھانا رکھا جائے اور نیچے بیٹھ کر کھایا جائے، اور لوگ ایک ساتھ ایک برتن میں کھائیں، علحدہ علحدہ کھانا اسلامی طریقہ نہیں، اور دسترخوان بچھانے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کھانا گر جائے تو وہ ضائع نہ ہو، دسترخوان نہیں ہوگا اور کھانا زمین پر گرے گا تو وہ سارا یا اس کا کچھ حصہ ضائع ہوجائے گا، اور صاف ستھرے دسترخوان پر گرے گا تو اس کو اٹھا کر کھالیا جائے گا، کھانا ضائع نہیں ہوگا۔

علاوہ ازیں دسترخوان پر کھانا رکھ کر کھانا سلیقہ مندی کی بات بھی ہے، کھانا ہاتھ میں لے کر کھانا یا زمین پر رکھ کر کھانا بے تہذیبی ہے، اور علحدہ علحدہ پلیٹوں میں کھانا غیروں کا طریقہ ہے، حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریقہ ایک ساتھ کھانے کا تھا۔

یک واقعہ: جب فخر الدین علی احمدؒ ہندوستان کے صدر جمہوریہ تھے: دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تھے، میں اس زمانہ میں مدرس تھا انھوں نے خود دارالعلوم کو اطلاع دی تھی کہ وہ کھانا حضرت مولانا سید اسعد مدنی قدس سرہٗ کے یہاں کھائیں گے، چنانچہ پولیس کھانے کا نظم وانتظام دیکھنے آئی کہ کہاں کھلایا جائے گا؟ کس طرح کھلایا جائے گا؟ کیا کھلایا جائے گا؟ وغیرہ امور جاننے کے لئے پولیس کے افسر آئے، یہ ان کی ذمہ داری تھی۔ حضرت مدنی نے اپنی بیٹھک دکھائی کہ یہاں زمین پر کھلاؤں گا، پولیس والوں کو اعتراض ہوا کہ صدر جمہوریہ نیچے بیٹھ کر کیسے کھائے گا؟ حضرت مدنی نے فرمایا: میرے یہاں یہی انتظام ہے آپ صدر جمہوریہ کو اطلاع کردیں وہ پسند نہ کریں تو میں معذرت خواہ ہوں، چنانچہ یہ بات دہلی پہنچائی گئی وہاں سے جواب آیا کہ وہ جیسے کھلائیں ٹھیک ہے، پولیس پھر آئی کہ ہم کھانا چیک کریں گے حضرت مدنی نے فرمایا: شوق سے، مگر چیک کرنے اتنے نہ آئیو کہ کھانا ختم ہوجائے (وہ ہنس کر چلے گئے)

خیر صدر جمہوریہ آئے، مدرسہ نے ان کے استقبال میں جلسہ کیا، جلسہ کے بعد جب کھانے کے لئے چلے تو ہم اساتذہ بھی ساتھ تھے، جب بیٹھک پر پہنچے اور دسترخوان کا منظر دیکھا تو صدر صاحب نے یو، پی کے وزیر اعلیٰ تیواڑی سے فرمایا: ''تیواڑی جی! آیئے! آج ہماری تہذیب کے مطابق کھانا کھایئے'' ہماری تہذیب: یہ بہت اہم لفظ ہے، اسلام اور مسلمانوں کی اپنی ایک تہذیب ہے، آج مسلمان اپنی تہذیب بھول گئے وہ کھڑے کھڑے کھاتے ہیں، بیٹھے، لیٹے اور ٹیک لگا کر کھاتے ہیں یہ سب افراط وتفریط ہے، خوش عیش لوگ افراط میں مبتلا ہیں، وہ میز کرسی پر کھانے لگے تاکہ کھاتے وقت جھکنا نہ پڑے، اور گنوار ہر طرح کھالیتے ہیں، وہ دسترخوان بچھانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں

کرتے، یہ سب اسلامی تہذیب نہیں، مسلمان کو سلیقہ مند ہونا چاہئے، اور اسلامی تہذیب کے مطابق کھانا کھانا چاہئے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نان بائی تھا، اس مناسبت سے حضرت انسؓ نے حدیث سنائی: نبی ﷺ نے میز ٹیبل پر نہیں کھایا اور نہ آپؐ نے چھوٹی تشتری میں کھایا، اور نہ آپؐ کے لئے چپاتی پکائی گئی، یونس اِسکاف (موچی) نے اپنے استاذ حضرت قتادہؒ سے پوچھا: پھر دور نبوی میں لوگ کس چیز پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے؟ حضرت قتادہ نے فرمایا: انہی چمڑے کے دسترخوانوں پر کھانا رکھ کر کھایا جاتا تھا۔

تشریح: اس حدیث میں تین مضمون ہیں:

۱- میز ٹیبل پر کھانا رکھ کر کھانا اسلامی تہذیب نہیں، خِوَان: خاء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے افصح کسرہ ہے، یہ کس زبان کا لفظ ہے؟ یہ معلوم نہیں، قدیم زمانہ سے یہ لفظ عربی میں مستعمل ہے اور خوان کی شکل کیا تھی؟ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ تانبے کا بڑا تھال ہوتا تھا اس کے نیچے تانبے کی کرسی ہوتی تھی، جو تھال کے ساتھ چپکی ہوئی ہوتی تھی، کرسی کے پایوں کی لمبائی ایک ہاتھ ہوتی تھی یعنی وہ خوان زمین سے ایک ہاتھ اونچا ہوتا تھا، وہ چوکی کئی آدمی اٹھا کر خوش عیش لوگوں کے سامنے رکھتے تھے، پھر اس پر کھانا رکھ کر نیچے بیٹھ کر کھایا جاتا تھا، اور مقصد یہ تھا کہ کھاتے وقت جھکنا نہ پڑے، پھر جب غیروں نے لباس ایسا پہننا شروع کیا کہ ان کے لئے نیچے بیٹھنا دشوار ہوگیا تو انھوں نے نیچے بیٹھنے کے بجائے کرسی پر بیٹھنا شروع کیا اور وہ چوکی اور اونچی ہوگئی اور میز بن گئی، اس طرح میز کرسی پر کھانے کا رواج چل پڑا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا۔

اور الکوکب الدری میں ہے کہ خوان پر نہ کھانا اگر قصداً تھا تو میز کرسی پر کھانا مکروہ ہے اور اگر اتفاقاً تھا تو میز کرسی پر کھانا مکروہ نہیں مگر اس کو پسندیدہ بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ یہ متکبرین کی وضع ہے، ہاں جہاں غیروں کے ساتھ تشبہ ہو وہاں مکروہ ہوگا۔

۲- نیز اسلامی تہذیب یہ ہے کہ لوگ مل کر کھائیں، علحدہ علحدہ پلیٹوں میں اور چھوٹی چھوٹی تشتریوں میں کھانا ہندوانہ طریقہ ہے اور بے گانگی کی علامت ہے، اس سے برتن بہت خراب ہوتے ہیں اور دعوتوں میں تو کاغذ اور پلاسٹک کی پلیٹیں استعمال کرنی پڑتی ہیں یہ مال کا ضیاع ہے اگر لوگ مل کر کھائیں تو تھوڑے برتن استعمال ہونگے اور ان کا دھونا آسان ہوگا۔

۳- نبی ﷺ کے لئے چپاتی نہیں پکائی گئی، چپاتی باریک آٹے کی بنتی ہے اور دورِ نبوی میں چھلنی کا رواج نہیں تھا، جَو پیس لئے جاتے تھے، پھر پھونک کر چھلکے اڑا دیئے جاتے تھے پھر اس کی روٹی پکائی جاتی تھی، غرض سادہ معاشرہ تھا، تنعم اور تعیش کا دور شروع نہیں ہوا تھا، آج بھی سادہ زندگی میں راحت ہے، تکلفات جتنے بڑھیں گے پریشانیاں بڑھیں گی۔

فائدہ: سورۃ النور میں ایک لمبی آیت ہے اس کا ایک ٹکڑا ہے: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوْا جَمِيْعًا أَوْ أَشْتَاتًا﴾ یعنی تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ، اس آیت سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ ایک دسترخوان پر الگ الگ پلیٹوں میں کھانا جائز ہے، حالانکہ اس طرح کھانا أشتاتاً نہیں ہے بلکہ متفرّقین ہے أشتاتاً کے معنی آگے پیچھے کھانے کے ہیں، یعنی متفرق اوقات میں کھانا مراد ہے یعنی آیت میں جن رشتہ داروں کا ذکر ہے ان کے ساتھ کھانا بھی درست ہے اور ان سے آگے پیچھے کھانا بھی درست ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أبواب الأطعمةِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء عَلَى مَا كَانَ يَأْكُلُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم؟

[۱۷۸۲-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ، ثَنِي أَبِيْ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَا أَكَلَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى خِوَانٍ، وَلاَ سُكُرُّجَةٍ، وَلاَ خُبِزَ لَهُ مُرَقَّقٌ؛ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ: فَعَلَى مَا كَانُوْا يَأْكُلُوْنَ؟ قَالَ: عَلَى هٰذِهِ السُّفَرِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، قَالَ مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ: يُوْنُسُ هٰذَا: هُوَ يُوْنُسُ الإِسْكَافُ، وَقَدْ رَوَى عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ أَبِيْ عَرُوْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ نَحْوَهُ.

لغات: سُكُرُّجة (س، ك اور ر کا ضمہ اور ر مشدد اور ج پر فتح) یہ بھی عربی لفظ نہیں، معلوم نہیں کس زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: چھوٹی تشتری، رکابی، علماء نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں: ایک: چھوٹی تشتریوں میں یا پیالیوں میں دسترخوان پر جو اچار چٹنی یا مربہ رکھا جاتا ہے وہ کٹوریاں مراد ہیں، دوم: چھوٹی چھوٹی پلیٹوں میں علحدہ علحدہ کھانا مراد ہے، میرے خیال میں یہ دوسرے معنی بہتر ہیں کیونکہ اچار چٹنی تو چھوٹی کٹوریوں ہی میں رکھی جائے گی، بڑے تھالوں میں نہیں رکھی جائے گی...... خَبَزَ (ض) خَبْزًا روٹی پکانا...... مُرقّق: (اسم مفعول) پتلی بڑی چپاتی رَقَّقَ الشيئ: پتلا کرنا...... السُّفَر: سُفْرَةٌ کی جمع: کھانا لگا ہوا دسترخوان، اور مطلق دسترخوان کو بھی کہتے ہیں، خواہ وہ کسی چیز کا ہو اور چمڑے کے دسترخوان کو بھی کہتے ہیں۔

وضاحت: اس حدیث کی سند میں جو یونس ہیں وہ یونس اسکاف (موچی) ہیں ان کے والد ابوالفرات ہیں اور

یہ بصرہ کے رہنے والے تھے، ترمذی میں ان کی یہی ایک حدیث ہے، اسی طبقہ میں یونس بن عبید بھی ہیں ان سے بکثرت روایات مروی ہیں ...... اور عبدالوارث کی سند سے روایت شمائل ترمذی ص ۱۱۱ اور ترمذی جلد ثانی ص ۵۹ میں ہے...... باب کی روایت بخاری (حدیث ۵۳۸۶) میں ہے، اس کی سند میں جو یونس ہیں ان کو ابن عدی نے غیر مشہور اور ابن حبان نے غَیْرُ مُحْتَجٍّ بِه قرار دیا ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کو صرف حسن کہا ہے۔

بابُ ماجاء فِي أَكْلِ الأَرْنَبِ

خرگوش کی حلت کا بیان

خرگوش چاروں ائمہ کے نزدیک حلال ہے، اہل السنہ والجماعۃ کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ سلف میں اختلاف تھا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (صحابی) حضرت عکرمہ (تابعی) اور ابن ابی لیلیٰ صغیر (مجتہد) مکروہ کہتے تھے، مگر بعد میں یہ اختلاف مضمحل (پاش پاش) ہوگیا، کیونکہ کراہت یا حرمت کی کوئی صحیح صریح روایت موجود نہیں۔ اور حلت کی صحیح اور صریح روایتیں موجود ہیں، البتہ شیعوں کا اختلاف اب بھی باقی ہے، ان کے نزدیک خرگوش حرام ہے، ابن بطوطہ نے قصہ لکھا ہے: وہ ایک بستی میں پہنچے، بستی والوں سے دعوت مانگی انھوں نے خرگوش بھیجا، قافلہ والوں نے اس کو ذبح کیا اور پکا کر کھایا تب گاؤں والوں کو اطمینان ہوا کہ وہ شیعہ نہیں، پھر انھوں نے سب کی دعوت کی۔

کراہیت کی روایات:

خرگوش کے سلسلہ میں تین ضعیف روایتیں ہیں جو کراہیت پر دلالت کرتی ہیں:

۱- نسائی میں روایت ہے کہ ایک بدو بھنا ہوا خرگوش لایا اور آپؐ کے سامنے رکھا، آپؐ نے ہاتھ روک لیا اور صحابہ کو کھانے کا حکم دیا اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر موسیٰ بن طلحہ کے شاگردوں میں سخت اختلاف ہے (نسائی حدیث ۴۴۲۱-۴۴۲۹) اس لئے یہ حدیث ضعیف ہے، نیز اس میں صراحت ہے کہ آپؐ نے صحابہ کو کھانے کا حکم دیا، پس یہ حدیث ممانعت پر دلالت نہیں کرتی، زیادہ سے زیادہ آپؐ کی طبعی کراہیت پر دلالت کرتی ہے۔

۲- ابن ماجہ (حدیث ۳۲۴۵) میں حضرت خزیمۃ بن جَزْ کی روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے خرگوش کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: لَا آكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ: میں نہ تو اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام قرار دیتا ہوں۔ خزیمہ نے کہا: جب آپؐ اس کو حرام نہیں کہتے تو میں کھاؤں گا، پھر انھوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کیوں اس کو نہیں کھاتے؟ آپؐ نے فرمایا: نُبِّئْتُ أَنَّها تَدْمَى، مجھے بتلایا گیا ہے کہ اسے حیض آتا ہے۔

تشریح: دَمِيَ الجَرْحُ (س) دَمًا وَدَمْيًا کے معنی ہیں: خون نکلنا اور نہ بہنا، اس حدیث کی سند میں عبدالکریم بن ابی المخارق ہے جو انتہائی ضعیف راوی ہے، پھر یہ بھی حرمت یا کراہت پر دلالت نہیں کرتی، نبی ﷺ کی ناپسندیدگی

پر دلالت کرتی ہے اور یہ ناپسندیدگی طبعی بھی ہوسکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ حیض ہر اس جانور کو آتا ہے جو بچہ جنتا ہے اگر حیض نہ آئے تو ماں کے پیٹ میں بچہ کی پرورش کیسے ہو، لیکن حیض کا باہر ٹپکنا صرف انسانوں میں ہے، دیگر حیوانات میں حیض باہر نہیں نکلتا، پس یہ حرمت کی علت نہیں ہوسکتی، چنانچہ بعض لوگوں نے تدْمَی کا دوسرا ترجمہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خرگوش کا گوشت پتلا ہوتا ہے، دھوتے جائیں خون نکلتا جائے گا آخر تک پانی صاف نہیں نکلے گا، پس یہ طبعی کراہت کی وجہ تو ہوسکتی ہے شرعی ممانعت کی وجہ نہیں ہوسکتی۔

۳-ابوداؤد (حدیث ۳۷۹۲) میں حدیث ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مکہ کے قریب صَفاح مقام میں تھے، ایک شخص خرگوش شکار کر کے لایا، اس نے آپؓ سے مسئلہ پوچھا: حضرت عبداللہ نے فرمایا: نبی ﷺ کے پاس خرگوش لایا گیا درانحالیکہ میں موجود تھا پس نہ تو آپ نے کھایا اور نہ اس کے کھانے سے منع کیا، اور فرمایا کہ اس کو حیض آتا ہے، اس حدیث کی سند میں محمد بن خالد مستور راوی ہے اور اس کا باپ خالد بن الحویرث بھی مضبوط راوی نہیں، اس لئے یہ حدیث بھی ضعیف ہے، نیز اس میں حرمت کی صراحت بھی نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کے کھانے سے منع نہیں فرمایا۔

اباحت کی روایات:

اور خرگوش کی حلت کی چار روایتیں ہیں:

۱-باب کی حدیث ہے یہ متفق علیہ روایت ہے (بخاری حدیث ۵۵۳۵، مسلم ۱۹۵۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پوتے ہشام بن زید کہتے ہیں: میں نے اپنے دادا حضرت انسؓ سے سنا، انھوں نے فرمایا: ہم نے مر الظہر ان میں ایک خرگوش بھگایا، صحابہ اس کے پیچھے دوڑے پس میں نے اس کو پالیا پس اس کو پکڑ لیا، پس میں اس کو اپنے سوتیلے باپ حضرت ابوطلحہؓ کے پاس لایا، پس ابوطلحہ نے اس کو سفید پتھر سے ذبح کیا پھر میرے ساتھ اس کی ران یا فرمایا اس کا کولہا نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا، آپؐ نے اس کو نوش فرمایا۔ ہشام نے پوچھا: کیا آپؐ نے اس کو نوش فرمایا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قَبِلَه: آپؐ نے اس کو قبول فرمایا (پہلے قبول کرنے کا جو لازمی نتیجہ تھا وہ بیان کیا پھر جب راوی نے جزرسی سے معلوم کیا تو فرمایا: قَبِلَه: آپؐ نے اس کو قبول فرمایا)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ روایت بالمعنی کرتے تھے، اور مجازی تعبیر بھی استعمال کرتے تھے، چونکہ قبول کرنا کھانے کو مستلزم ہے اس لئے پہلے توسعاً حضرت انسؓ نے أکله فرمایا (یہ مسئلہ باب میں بنیادی روایت ہے اور اعلی درجہ کی صحیح اور صریح روایت ہے)

۲-حضرت جابر کی حدیث ہے جو أبواب الصید، بابٌ فی الذبح بالمروۃ میں گذر چکی ہے، وہ فرماتے ہیں: ان کی قوم کے ایک آدمی نے ایک یا دو خرگوش شکار کئے اور ان کو سفید پتھر سے ذبح کیا پھر دونوں کو کجاوے سے لٹکا لیا

یہاں تک کہ نبی ﷺ سے ملاقات کی، پس آپؐ سے ان کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے ان کو کھانے کا حکم دیا، اس روایت میں شعبی کے تلامذہ میں اختلاف ہے، بعض تلامذہ اس کی سند حضرت جابر رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں اور بعض محمد بن صفوان تک۔ اور امام ترمذیؒ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ممکن ہے شعبی نے دونوں سے روایت کی ہو۔

۳- وہی محمد بن صفوان کی روایت ہے جس کا تذکرہ اوپر آیا، یہ روایت ابن ماجہ (حدیث ۳۲۴۴) میں ہے: وہ دو خرگوش لے کر کجاوے سے لٹکا کر نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے یہ دو خرگوش ملے ہیں، مگر ذبح کرنے کے لئے کوئی لوہا نہیں تھا، پس میں نے ان کو سفید پتھر سے ذبح کیا ہے تو کیا میں ان کو کھاؤں؟ آپؐ نے فرمایا: کھاؤ!

۴- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے جو دار قطنی (۴:۲۹۱ باب الصید إلخ حدیث ۷۹) میں ہے، وہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ کی خدمت میں خرگوش کا ہدیہ آیا، میں سوئی تھی، آپؐ نے میرے لئے اس کا پچھلا حصہ محفوظ رکھا، جب میں اٹھی تو مجھے کھلایا، یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں یزید بن عیاض ضعیف راوی ہے۔

خلاصہ: مذکورہ روایات کی وجہ سے ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ خرگوش حلال ہے کیونکہ حلت کی روایات صحیح بھی ہیں اور صریح بھی، اور حرمت یا کراہت کی جو تین وجوہ ہیں ان میں سے کوئی وجہ موجود نہیں، یعنی خرگوش نہ تو درندہ ہے نہ زمین کا کیڑا ہے اور نہ گندگی کھاتا ہے، پس وہ بلاشبہ حلال ہے۔

فائدہ: خرگوش کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بزدل جانور ہے اور اس میں شہوت بہت زیادہ ہوتی ہے، یہ دو باتیں تو صحیح ہیں مگر یہ بات بھی لکھی ہے کہ وہ ایک سال نر اور ایک سال مادہ رہتا ہے، یہ بات بس ویسی ہی ہے، میری مسجد کے امام نے خرگوش پالے تھے ان میں ایسی کوئی بات محسوس نہیں ہوئی، پھر جب اس کے پاس خرگوش بہت ہوگئے تو اس نے ذبح کر کے کھلانے شروع کئے، میرے گھر بھی لایا، گھر والوں نے پکایا، مگر میں اس میں سے ایک بوٹی بھی نہیں کھا سکا، مجھے یاد آیا کہ نبی ﷺ کو وہ پسند نہیں تھا، پس میری طبیعت بھی نہیں چلی، یہ طبعی کراہت تھی، اس کا حلت وحرمت سے کوئی تعلق نہیں۔

[۲-] باب ماجاء فی أَكْلِ الْأَرْنَبِ

[۱۷۸۳-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْدَاوُدَ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ هِشَامِ بنِ زَيْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُوْلُ: أَنْفَجْنَا أَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ، فَسَعَى أَصْحَابُ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم خَلْفَهَا، فَأَدْرَكْتُهَا، فَأَخَذْتُهَا، فَأَتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ، فَذَبَحَهَا بِمَرْوَةٍ، فَبَعَثَ مَعِيْ بِفَخِذِهَا أَوْ: بِوَرِكِهَا إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَكَلَهُ، فَقُلْتُ: أَكَلَهُ؟ قَالَ: قَبِلَهُ.

وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَعَمَّارٍ، وَمُحمدِ بنِ صَفْوَانَ، وَيُقَالُ: مُحمدُ بن صَيْفِيٍّ؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَايَرَوْنَ بِأَكْلِ الْأَرْنَبِ بَأْسًا، وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَكْلَ الْأَرْنَبِ وَقَالُوْا: إِنَّهَا تَدْمَى.

بابُ ماجاء في أَكْلِ الضَّبِّ

گوہ کھانے کا بیان

گوہ: چھپکلی جیسا ایک رینگنے والا جانور ہے، جو چھپکلی سے بڑا ہوتا ہے اور پہاڑوں اور درختوں کے تنوں کے سوراخوں میں رہتا ہے، گوہ چھوٹی بھی ہوتی ہے اور بڑی بھی، چھوٹی کاٹتی ہے اور بڑی کاٹتی نہیں، بڑی دیوار سے مضبوط چپک جاتی ہے اس لئے چور وغیرہ اس کے ذریعہ فصیل پر چڑھتے ہیں، المنجد میں اس کا فوٹو ہے۔

گوہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مختلف فیہ اور معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ جمہور یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گوہ حلال ہے اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ یا حرام ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تو جواز کے قائل ہیں، اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ اصح یہ ہے کہ گوہ مکروہ تنزیہی ہے، اور حضرت علامہ انور شاہ صاحب قدس سرہ نے العرف الشذی میں تحریر فرمایا ہے کہ جو احناف محدث ہیں وہ مکروہ تنزیہی (خلافِ اولیٰ) کہتے ہیں اور جو احناف فقہاء ہیں وہ مکروہ تحریمی یعنی حرام کہتے ہیں، اور یہی قول مفتی بہ ہے، چنانچہ کوئی حنفی گوہ نہیں کھاتا، اگر گھوڑے کی طرح مکروہ تنزیہی ہوتی تو کچھ لوگ ضرور کھاتے۔

حلت پر دلالت کرنی والی روایات:

اور گوہ کے سلسلہ میں روایات بہت مختلف ہیں، جو روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے وہ حلت پر دلالت کرتی ہے، اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جو باب میں ہے، یہ روایت متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۵۵۳۶، مسلم حدیث ۱۹۴۳) ابن عمرؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ سے گوہ کے بارے میں پوچھا گیا: آپؐ نے فرمایا: لا آكُلُه و لا أُحَرِّمُه: میں نہ تو اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام قرار دیتا ہوں، اور مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ کے پاس چند صحابہ تھے اور گوہ کا گوشت لایا گیا، ازواج مطہرات میں سے کسی نے آواز دے کر کہا: یارسول اللہ! یہ گوہ کا گوشت ہے، آپؐ نے فرمایا: كُلُوْا فَإِنَّه حلالٌ، ولكنَّه ليس من طعامِيْ: کھاؤ وہ حلال ہے مگر وہ میرے کھانے کی چیز نہیں۔

دوسری روایت: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے، ان کی خالہ ام حُفَید نجد سے گوہ بھون کر لائیں، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں وہ آپؐ کے سامنے رکھی گئی، اور جب بھی آپؐ کے سامنے کوئی نیا کھانا پیش کیا جاتا تو آپؐ کو

بتلایا جاتا کہ یہ فلاں چیز ہے، چنانچہ جب آپؐ نے گوہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو گھر میں موجود عورتوں میں سے ایک نے کہا: نبی ﷺ کو بتلاؤ کہ تم نے آپؐ کے سامنے کیا رکھا ہے، چنانچہ عورتوں نے بتایا: یارسول اللہ! یہ گوہ ہے، آپؐ نے ہاتھ اٹھالیا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا گوہ حرام ہے؟ آپؐ نے فرمایا: **لاولکنَّه لم یکن بأرضِ قومِی فَأَجِدُنِی أُعَافُهُ**: گوہ حرام نہیں مگر وہ ہمارے علاقہ میں نہیں ہوتی اس لئے مجھے وہ پسند نہیں، حضرت خالدؓ کہتے ہیں: میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور میں اس کو کھاتا رہا اور نبی ﷺ میری طرف دیکھتے رہے یہ حدیث بھی متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۵۳۹۱، مسلم حدیث ۱۹۴۶)

حرمت پر دلالت کرنے والی روایات:

۱- اسماعیل بن عیاش: ضَمضم بن زرعہ سے روایت کرتے ہیں، وہ شریح بن عبید سے، وہ ابوراشد حُبرانی سے، وہ حضرت عبدالرحمٰن بن شبلؓ سے کہ نبی ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع کیا، یہ روایت ابوداؤد میں ہے (حدیث ۳۷۹۶) اور حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند حسن ہے، کیونکہ اسماعیل بن عیاش کی شامی اساتذہ سے روایتیں معتبر ہیں اور ضَمضم حِمصی (شامی) ٹھیک راوی ہیں۔

۲- دوسری روایت حضرت عبدالرحمٰن بن حَسَنہ کی ہے وہ کہتے ہیں: ہم ایک ایسے علاقہ میں پہنچے جہاں گوہ بہت تھیں اور ہم فاقہ سے تھے، چنانچہ ہم نے گوہ پکائی، ہماری ہانڈیاں ابل رہی تھیں کہ نبی ﷺ تشریف لائے، آپؐ نے پوچھا: کیا پک رہا ہے؟ ہم نے بتایا کہ گوہ پک رہی ہے، آپؐ نے فرمایا: بنی اسرائیل کے کچھ لوگ جانوروں کی شکل میں مسخ کئے گئے تھے اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ گوہ کی شکل میں مسخ کئے گئے ہوں، پس ہانڈیوں کو الٹ دو یعنی یہ گوشت ضائع کردو (رواہ الطحاوی وغیرہ)

اوران روایات کے علاوہ یہ بات طے ہے کہ نبی ﷺ نے گوہ کبھی نہیں کھائی اور مختلف موقعوں پر اس کی مختلف وجہ بیان فرمائی ہے:

(۱) کبھی فرمایا: ہمارے علاقہ میں گوہ نہیں ہوتی اس لئے مجھے پسند نہیں، یہ طبعی کراہت ہے جس پر حلت وحرمت کا مدار نہیں رکھا جاسکتا اور یہ وجہ اوپر آچکی ہے۔

(۲) اور کبھی فرمایا کہ شاید بنی اسرائیل کی ایک قوم اس جانور کی شکل میں مسخ کی گئی ہے، اور مسخ جب بھی ہوتا ہے حرام جانور کی شکل میں ہوتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے، اور مسخ شدہ قوم کی نسل باقی نہیں رہتی، مگر وہ جانور جس کی شکل میں مسخ ہوتا ہے اس کی حرمت پر ضرور دلالت کرتی ہے (یہ بات مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آئی ہے)

(۳) اور کبھی آپؐ کو گوہ سے گھن آئی، اس لئے آپؐ نے اس کو نوش نہیں فرمایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی

روایت میں صراحت ہے: تَرَكَ الضَّبَّ تَقَذُّرًا (بخاری حدیث ۵۵۷۵، مسلم ۱۹۴۷، ابوداؤد حدیث ۳۷۹۳، نسائی حدیث ۴۳۱۹) یعنی آپ نے گھن آنے کی وجہ سے گوہ نہیں کھائی۔

(۴) اور کبھی یہ وجہ بیان فرمائی کہ میرے پاس کسی بھی وقت فرشتہ آجاتا ہے اس لئے میں اس کو نہیں کھاتا (کیونکہ اس میں بو ہوتی ہے)

علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو مسکین کو گوہ دینے سے منع فرمایا، اگرچہ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ ردی کھجور کے صدقہ کی ممانعت کی طرح ہے تاہم گوہ کا ردی طعام ہونا تو ثابت ہوگیا، اور حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ گھی روٹی کی آرزو کی، ایک صحابی یہ کھانا تیار کرکے لائے نبی ﷺ نے پوچھا: یہ گھی کس چیز میں تھا؟ انھوں نے کہا: گوہ کی کپّی میں، تو آپ نے فرمایا: یہ کھانا اٹھالو، یعنی آپ نے اس گھی کو نہیں کھایا۔

خلاصۂ بحث: یہ ہے کہ حلت کی روایات اصح مافی الباب ہیں اس لئے ائمہ ثلاثہ نے ان کو لیا ہے اور انھوں نے روایات میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ نبی ﷺ نے شروع میں مسخ کے احتمال کی وجہ سے ممانعت فرمائی، اور اسی زمانہ میں ہانڈیاں الٹوادیں، پھر آپ نے توقف فرمایا یعنی نہ کھایا اور نہ منع کیا، پھر آخر میں اس وقت اجازت دی جب یہ بات سامنے آئی کہ مسخ شدہ لوگوں کی نسل نہیں چلتی، مگر پھر بھی آپ اس کو نہ کھاتے تھے نہ حرام قرار دیتے تھے، پس اس کا کھانا جائز ہوا اور جس کو اس سے گھن آئے اس کے لئے نہ کھانا اولیٰ ہے اور جس کو گھن نہ آئے اس کے لئے کھانا جائز ہے (یہ تطبیق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۶۶۶:۹) میں دی ہے)

احناف کی تطبیق: اور احناف کہتے ہیں: پہلے آپ نے اباحت اصلیہ کی بنا پر اجازت دی، مگر گھن آنے کی وجہ سے خود نہیں کھائی اور نہ کھانے کی مختلف وجوہ بیان کیں، پھر آپ کو جواز میں تردد پیدا ہوا، پھر آخر میں آپ نے اس کی ممانعت کردی، پس وہ حرام ہوگئی (یہ تطبیق بذل المجہود میں ہے)

اور حنفیہ نے اس تطبیق میں تین باتوں کو ملحوظ رکھا ہے:

۱- جب مبیح اور محرم روایات میں تعارض ہوتا ہے تو احناف ہمیشہ محرم روایات کو ترجیح دیتے ہیں یعنی ان کو آخری حکم قرار دیتے ہیں کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، پس جب تک حکم شرعی نہیں آئے گا اباحت کا فیصلہ کیا جائے گا اور ممانعت کا مدار وحی پر ہوتا ہے اس لئے محرم کو ترجیح دی جائے گی، نیز احتیاط کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ محرم کو ترجیح دی جائے کیونکہ ہر حلال چیز کا کھانا ضروری نہیں، البتہ ہر حرام چیز سے بچنا ضروری ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ کا اصول اس کے برعکس ہے وہ ایسے تعارض کی صورت میں مبیح کو ترجیح دیتے ہیں، مغنی ابن قدامہ میں ائمہ ثلاثہ کے اس اصول کی صراحت ہے۔

۲- طیب اور خبیث کے سلسلہ میں احناف کے نزدیک نبی ﷺ کے ذوق کا اعتبار ہے، اور آپؐ نے گوہ کبھی نہیں کھائی، معلوم ہوا کہ دال میں کچھ کالا ہے، پس وہی بات امت کے لئے بھی مناسب ہے جو آپؐ نے اپنے لئے پسند فرمائی ہے۔

۳- کتاب الحج میں ایک روایت گذری ہے کہ نبی ﷺ نے پانچ شریر جانوروں کو حرم میں مارنے کی اجازت دی، وہاں احناف نے تنقیح مناط کر کے حشرات الارض (زمین کے کیڑوں) کی حرمت ثابت کی ہے اور گوہ بھی زمین کا کیڑا ہے اس لئے اصول موضوعہ کے ماتحت ممانعت کی روایت کو ترجیح ہونی چاہئے۔

ایک واقعہ: دارالعلوم دیوبند کا ایک ذہین طالب علم تھا جس کا نام مولوی احمد میرف سوڈانی تھا، جب وہ فارغ ہو کر جانے لگا تو مختصر الخلیل کی دردیر کی شرحِ کبیر کا حاشیہ دسوقی لایا، یہ چار جلدوں میں فقہ مالکی کی ضخیم کتاب ہے، میں نے اس کا باب المباح پڑھا، دوسرے دن جب احمد آیا تو میں نے کہا: احمد! تیری کتاب کا میں نے باب المباح پڑھا اور میں نے رات اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں حنفی ہوں اگر میں مالکی ہوتا تو نہ معلوم مجھے کیا کیا کھانا پڑتا، اور اب میں تیرے یہاں کبھی مہمان نہیں آؤں گا، اللہ جانے تو مجھے کیا کیا کھلا دے گا، ہرن کے نام پر ہاتھی کھلا دے گا، اور مچھلی کے نام پر سانپ کھلا دے گا، اس لئے میں تیرے یہاں کبھی مہمان نہیں آؤں گا، وہ کہنے لگا: حضرت! میں صرف مرغی کھلاؤں گا، مجھے کہنا یہ ہے کہ فقہ حنفی میں کھانے پینے کی چیزوں میں بہت احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا مزاج عبادات اور کھانے پینے کی چیزوں میں احتیاط کا ہے، جہاں روایات میں اختلاف ہوتا ہے امام اعظم رحمہ اللہ محرم کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ ہر حلال چیز کا کھانا ضروری نہیں، ہاں ہر حرام چیز سے بچنا ضروری ہے۔

[۳-] باب ماجاء في أَكْلِ الضَّبِّ

[۱۷۸٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم سُئِلَ عَنْ أَكْلِ الضَّبِّ؟ فَقَالَ: "لَا آكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ"

وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَابنِ عَبّاسٍ، وَثَابِتِ بنِ وَدِيْعَةَ، وَجَابِرٍ، وَعَبْدِ الرحمنِ بنِ حَسَنَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَقَد اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ أَكْلِ الضَّبِّ: فَرَخَّصَ فِيْهِ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ.

[۱۷۸٥-] وَيُرْوَى عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: "أُكِلَ الضَّبُّ عَلَى مَائِدَةِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَإِنَّمَا تَرَكَهُ رسولُ اللهِ صلى الله لعيه وسلم تَقَذُّراً.

وضاحت: یہ آخری حدیث جو بغیر سند کے ہے وہ متفق علیہ روایت ہے۔

بابُ ماجاء فی أَكْلِ الضَّبُعِ

بجّو یا لکڑ بھگّے کو کھانا

لغت والے ضَبُع کے دو ترجمے کرتے ہیں: ایک: گفتار یعنی بجو، دوسرا: لکڑ بھگا: جو بھیڑیے کی قسم کا ایک جنگلی جانور ہوتا ہے اور بجو: ایک قسم کا گوشت خور جانور ہے جو قبر کھود کر مردے نکال کر کھا جاتا ہے وہ دن بھر بل میں گھسا رہتا ہے اور رات کو باہر نکلتا ہے، اس کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں، المنجد میں ضَبُع (بجو) ذئب (بھیڑیا) اور ثعلب (لومڑی) کے فوٹو ہیں۔

بجو حلال ہے یا حرام: امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک حرام ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حلال ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: لوگ برابر اسے کھاتے ہیں اور بغیر نکیر وہ صفا ومروہ کے درمیان بکتا ہے۔

بجو کے سلسلہ میں احادیث میں اختلاف ہے جو روایت صحیح ہے مگر صریح نہیں: وہ حلت پر دلالت کرتی ہے، اور جو روایت ضعیف ہے مگر صریح ہے: وہ حرمت پر دلالت کرتی ہے، یہ دونوں روایتیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب میں ذکر کی ہیں، نیز ایک عام حدیث بھی ہے جو صحیح ہے اس سے بھی حرمت کی تائید ہوتی ہے۔

پہلی روایت: جو حلت پر دلالت کرتی ہے، جو امام ترمذیؒ نے باب میں لکھی ہے، وہ کتاب الحج (باب ۲۸) تحفۃ الالمعی (۲۴۹:۳) میں گذر چکی ہے: ابن عمار کہتے ہیں: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا بجو شکار ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں، میں نے پوچھا: کیا میں اس کو کھاؤں؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں، میں نے پوچھا: کیا یہ بات نبی ﷺ نے فرمائی ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں۔

تشریح: اس حدیث میں أَقَالَه کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ بجو کا شکار ہونا یا اس کا حلال ہونا؟ دو امام کہتے ہیں: ضمیر کا مرجع اقرب ہوتا ہے پس اس حدیث سے بجو کی حلت ثابت ہوتی ہے اور دو امام کہتے ہیں: مرجع بجو کا شکار ہونا ہے پس اس سے حلت ثابت نہیں ہوتی (تفصیل آگے آرہی ہے)

دوسری روایت: جو حرمت پر دلالت کرتی ہے وہ حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے بجو کے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: أَوَ يَأْكُلُ الضَّبُعَ أَحَدٌ؟ کیا بجو کو بھی کوئی کھاتا ہے؟ پھر انھوں نے بھیڑیے کے بارے میں سوال کیا: آپؐ نے فرمایا: أَوَ يَأْكُلُ الذِئبَ أَحَدٌ فِيْهِ خَيْرٌ! کیا بھیڑیے کو بھی کوئی بھلا مانس کھاتا ہے! یہ حدیث بجو اور بھیڑیے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، بڑے دو اماموں نے اس حدیث کو لیا ہے کیونکہ ایک حدیث عام سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ حدیث عام یہ ہے: نَهٰى رسول الله صلى

الله عليه وسلم عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ: ہر کچلی دار درندے کے کھانے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا (رواہ مسلم، مشکوۃ حدیث ۴۱۰۵) اور بجو کچلی دار درندہ ہے، پس وہ حرام ہے۔

تشریح: پہلی حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسنٌ صحیحٌ کہا ہے، مگر اس کی سند میں تھوڑا کلام ہے، ابن جریج اس کی سند حضرت جابرؓ تک پہنچاتے ہیں اور جریر بن حازم حضرت عمرؓ تک پھر ابن جریج اس کو نبی ﷺ کا ارشاد قرار دیتے ہیں اور جریر حضرت عمرؓ کا، یعنی یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں اور امام ترمذی نے ابن جریج کی سند کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ ابن ماجہ میں ان کے متابع اسماعیل بن امیہ ہیں، اور جریر کا کوئی متابع نہیں۔

مگر یہ حدیث باب حلت میں صریح نہیں کیونکہ اس حدیث میں دو مسئلے ہیں: ایک: بجو شکار ہے اور اس میں جزا ہے یہ بات یقیناً مرفوع ہے یعنی حضور ﷺ کا ارشاد ہے، دوسری: بجو کھانا جائز ہے، یہ حضرت جابرؓ کا اجتہاد ہے یعنی بجو چونکہ شکار ہے اس لئے حلال ہے، اور نعم کا تعلق پہلی بات سے ہے دوسری بات سے نہیں اور اس کی دلیل ابوداؤد کی حدیث ہے (نمبر ۳۸۰۱) اس میں صرف پہلا مسئلہ ہے یعنی بجو شکار ہے اور اس کو کوئی محرم مارے تو اس میں ایک مینڈھا واجب ہے، دوسرا مضمون ابوداؤد کی روایت میں نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ حضرت جابرؓ کا اجتہاد ہے۔ اور حضرت جابرؓ نے یہ بات: ﴿حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَادُمْتُمْ حُرُمًا﴾ سے سمجھی ہے یعنی تمہارے لئے خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں ہو (المائدہ آیت ۹۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر احرام کی حالت نہ ہو تو خشکی کا شکار حلال ہے اور بجو کو چونکہ نبی ﷺ نے شکار قرار دیا ہے اس لئے وہ حلال ہے۔

مگر حضرت جابرؓ کا یہ اجتہاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے معارض ہے، موطا محمد میں روایت ہے: حضرت علیؓ نے فرمایا: گوہ اور بجو کھانا جائز نہیں، اور حضرت علیؓ کے اس قول کی تائید حدیث عام سے ہوتی ہے کہ ہر کچلی دار درندہ حرام ہے، اور آیتِ پاک میں صید بمعنی اصطیاد: شکار کرنا ہے، کھانے کی حلت وحرمت کا اس میں بیان نہیں۔

اور حرمت پر دلالت کرنے والی روایات میں دو راوی ضعیف ہیں: اسماعیل بن مسلم اور عبدالکریم بن ابی امیہ مگر چونکہ حدیث عام سے اس کی تائید ہوتی ہے اس لئے دو بڑے اماموں نے بجو کو حدیث عام کے تحت داخل کر کے حرام قرار دیا ہے، حرمت کا مدار اس ضعیف روایت پر نہیں رکھا۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ حلت پر دلالت کرنے والی کوئی اعلی درجہ کی صحیح صریح حدیث موجود نہیں اور حرمت کے سلسلہ میں جو عام ضابطہ ہے: ضعیف صریح روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے اور جب محرم و مبیح جمع ہو جاتے ہیں تو محرم کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے بڑے دو اماموں کے نزدیک بجو حرام ہے۔

ملحوظہ: کتاب الحج میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بجو کی حلت کا قول لکھا گیا ہے وہ صحیح نہیں، بجو صرف چھوٹے دو اماموں کے نزدیک حلال ہے۔

[٤-] باب ماجاء فی أَكْلِ الضَّبُع

[١٧٨٦-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا ابنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُبَيْدِ بنِ عُمَيْرٍ، عَنْ ابنِ أَبِيْ عَمَّارٍ قَالَ: قُلْتُ لِجَابِرٍ: الضَّبُعُ: أَصَيْدٌ هِيَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: آكُلُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: أَقَالَهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: نَعَمْ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا، وَلَمْ يَرَوْا بَأْسًا بِأَكْلِ الضَّبُعِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَرُوِىَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم حديثٌ فِيْ كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الضَّبُعِ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ، وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَكْلَ الضَّبُعِ، وَهُوَ قَوْلُ ابنِ الْمُبَارَكِ.

قَالَ يَحْيىَ الْقَطَّانُ: وَرَوَى جَرِيْرُ بنُ حَازِمٍ هٰذَا الحديثَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُبَيْدِ بنِ عُمَيْرٍ، عَنْ ابنِ أَبِيْ عَمَّارٍ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عُمَرَ قَوْلَهُ، وَحَدِيْثُ ابنِ جُرَيْجٍ أَصَحُّ.

[١٧٨٧-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ مُسْلِمٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ أَبِيْ أُمَيَّةَ، عَنْ حِبَّانَ بنِ جَزْءٍ، عَنْ أَخِيْهِ خُزَيْمَةَ بنِ جَزْءٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ أَكْلِ الضَّبُعِ؟ قَالَ" أَوَ يَأْكُلُ الضَّبُعَ أَحَدٌ؟" وَسَأَلْتُهُ عَنْ أَكْلِ الذِّئْبِ؟ فَقَالَ: "أَوَيَأْكُلُ الذِّئْبَ أَحَدٌ فِيْهِ خَيْرٌ؟"

هٰذَا حديثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ إِسْمَاعِيْلَ بنِ مُسْلِمٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ أَبِيْ أُمَيَّةَ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيْثِ فِيْ إِسْمَاعِيْلَ، وَعَبْدِ الْكَرِيْمِ أَبِيْ أُمَيَّةَ، وَهُوَ عَبْدُ الْكَرِيْمِ بنُ قَيْسٍ، هُوَ ابنُ أَبِي الْمُخَارِقِ، وَعَبْدُ الْكَرِيْمِ بنُ مَالِكٍ الجَزْرِيُّ ثِقَةٌ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے، پھر فرمایا ہے کہ بعض اہل علم اس روایت کی طرف گئے ہیں، ان کے نزدیک بجو کے کھانے میں کوئی تنگی نہیں، اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے (امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے) اور نبی ﷺ سے بجو کھانے کی کراہیت کی بھی ایک روایت ہے مگر اس کی سند قوی نہیں (یہ حضرت خزیمہ کی روایت ہے جو آگے آرہی ہے) اور بعض اہل علم بجو کھانے کو مکروہ کہتے ہیں اور یہ ابن المبارک کا قول ہے (یہی رائے دو بڑے اماموں کی ہے) اور یحیٰ قطان نے فرمایا: جریر بن حازم نے یہ حدیث روایت کی عبداللہ سے، انھوں نے ابن ابی عمار سے، انھوں نے حضرت جابرؓ سے، انھوں نے حضرت عمرؓ سے ان کا قول (یحیٰ قطان کی یہ روایت صرف ترمذی میں تعلیقاً ہے) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: ابن جریج کی روایت اصح ہے (کیونکہ ان کے متابع اسماعیل بن امیہ ابن ماجہ میں ہیں، اور جریر کا کوئی متابع نہیں) پھر خزیمۃ بن جزء کی روایت لکھی ہے پھر فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں، اسماعیل بن مسلم سے آخر تک اس کی یہی ایک سند ہے، اور بعض اہل علم نے

اسماعیل اور عبدالکریم پر جرح کی ہے اور اس راوی کا پورا نام عبدالکریم بن قیس ہے، یہی راوی ابن ابی المخارق بھی کہلاتا ہے (اور وہ ضعیف ہے) اور ایک دوسرا راوی عبدالکریم بن مالک جزری ہے وہ ثقہ ہے (یہ تمیز ہے)

ملحوظہ: ہندوستانی نسخوں میں یحییٰ بن القطان ہے اور مصری نسخہ میں ابن نہیں ہے اور وہی صحیح ہے کیونکہ قطان: یحییٰ کی صفت ہے، وہ ان کے والد نہیں ہیں، ان کے والد کا نام سعید ہے، مصری نسخہ سے تصحیح کی ہے۔

بابُ ماجاء فی أَکْلِ لُحُوْمِ الْخَیْلِ

گھوڑے کے گوشت کا حکم

مذاہبِ فقہاء: جمہور یعنی امام شافعی، امام احمد اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت بغیر کراہت کے جائز ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں حلت کا قول بھی ہے اور کراہیت کا بھی، مگر فاکہی نے جو مالکی فقیہ ہیں مکروہ تحریمی کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے، پھر اختلاف ہے کہ کراہت کیسی ہے؟ تحریمی یا تنزیہی؟ اور لعینہ ہے یا لغیرہ؟ صحیح قول یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے اور لغیرہ ہے یعنی اس لئے مکروہ ہے کہ آلۂ جہاد کم نہ ہو جائے، علامہ کشمیری قدس سرہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، اور درمختار میں ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ نے کراہت کے قول سے رجوع کر لیا ہے مگر مشہور کراہت ہی کا قول ہے۔

اور گھوڑے کے سلسلہ میں روایتوں میں اختلاف ہے، دو روایتیں جو اعلیٰ درجہ کی صحیح اور صریح ہیں اباحت پر دلالت کرتی ہیں اور ایک روایت جو متکلم فیہ ہے ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔

اباحت پر دلالت کرنے والی روایات درج ذیل ہیں:

پہلی روایت: متفق علیہ ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **أَطْعَمَنَا رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لُحُوْمَ الْخَیْلِ، وَنَهَانَا عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ**، نبی ﷺ نے ہمیں گھوڑوں کا گوشت کھلایا یعنی اس کے کھانے کی اجازت دی اور گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا یعنی اس کو حرام قرار دیا، اور بخاری و مسلم میں اس کی صراحت ہے کہ یہ اجازت جنگ خیبر کے موقع پر دی تھی (بخاری حدیث ۴۲۱۹ مسلم حدیث ۱۹۴۱)

اور دوسری روایت: بھی متفق علیہ ہے، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں: ہم نے نبی ﷺ کے زمانہ میں مدینہ میں گھوڑا ذبح کیا، پس ہم نے اس کو کھایا (بخاری حدیث ۵۵۱۰، مسلم حدیث ۱۹۴۲)

اور حرمت پر دلالت کرنے والی روایت ابوداؤد میں ہے۔ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا (ابوداؤد حدیث ۳۷۹۰، نسائی حدیث ۴۳۳۱، ابن ماجہ حدیث ۳۱۹۸) اس کی سند میں بقیۃ بن الولید ہے جو مشہور ضعیف راوی ہے، نیز اس حدیث کو مقدام بن

معدیکرب کے پوتے صالح بن یحییٰ عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کرتے ہیں جن کے بارے میں خطابی کہتے ہیں: لَایُعْرَفُ سَمَاعُ بعضِهم مِنْ بَعْضٍ: بعض رواۃ کا بعض سے سماع معلوم نہیں۔ اور اس حدیث میں مسند احمد (۸۹:۴) میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے یہ ممانعت غزوۂ خیبر کے موقع پر فرمائی تھی، اب بات الجھ گئی، حضرت جابر کہتے ہیں: غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ نے گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی اور حضرت خالدؓ کہتے ہیں: ممانعت فرمائی، اور حضرت خالد کب مسلمان ہوئے ہیں خیبر سے پہلے یا بعد میں؟ اس میں اختلاف ہے، علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ۶ ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں اور واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: خیبر کے بعد مسلمان ہوئے ہیں، نیز خیبر میں وہی صحابہ شریک ہوئے تھے جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے اور حضرت خالدؓ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، پس ان کے خیبر میں ہونے کی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی، پھر حضرت خالد ہمیشہ امیر لشکر رہے ہیں اس لئے ممکن ہے ان کو ممانعت اس لئے کی ہو کہ آلہ جہاد کم نہ ہو جائے۔ اور ایک حدیث میں مختلف المدارج احکام اکٹھا ہوتے ہیں، بہرحال ان وجوہ سے امام اعظم رحمہ اللہ نے یا تو کراہت کے قول سے رجوع کرلیا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے یا یہ ممانعت لغیرہ ہے اور کراہت بمعنی خلافِ اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم

[۵-] باب ماجاء في أَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ

[۱۷۸۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، وَنَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أَطْعَمَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لُحُوْمَ الْخَيْلِ، وَنَهَانَا عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ.

وفي الباب: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ أَبُوْ عيسىٰ: هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ جَابِرٍ، وَرَوَى حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَلِيٍّ، عَنْ جَابِرٍ، وَرِوَايَةُ ابنِ عُيَيْنَةَ أَصَحُّ، وَسَمِعْتُ مُحمداً يَقُوْلُ: سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ أَحْفَظُ مِنْ حَمَّادِ بنِ زَيْدٍ.

لغت: طَعِمَه (س) کھانا، أَطْعَمَه غیرَہ: کھلانا۔

وضاحت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث عمرو بن دینار روایت کرتے ہیں پھر ان سے سفیان بن عیینہ روایت کرتے ہیں، یہ سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔ اس حدیث کو حماد بن زید بھی عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں، پھر وہ امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت جابرؓ سے۔ امام ترمذیؒ نے ابن عیینہ کی روایت کو اصح قرار دیا ہے یعنی سند میں امام باقر کا واسطہ نہیں۔ اور دلیل یہ دی ہے کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ابن عیینہ: حماد سے احفظ ہیں۔ مگر امام ترمذیؒ کا یہ فیصلہ دوسرے محدثین نے تسلیم نہیں کیا، بخاری و مسلم اور نسائی میں واسطہ والی روایت لی گئی

ہے (دیکھیں بخاری حدیث ۴۲۱۹، مسلم حدیث ۱۹۴۱) پس دونوں روایتیں صحیح ہیں واسطہ والی بھی اور بغیر واسطہ والی بھی، واسطہ والی مزید فی متصل الاسناد ہے، یعنی عمرو بن دینار حضرت جابر سے براہ راست بھی روایت کرتے ہیں اور اپنے خواجہ طاش امام باقر سے بھی روایت کرتے ہیں، پس دونوں حدیثیں صحیح ہیں ...... امام باقر کا نام محمد، لقب: باقر، کنیت ابوجعفر اور والد کا نام علی زین العابدین ہے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اور امام باقر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں۔

بابُ ماجاء فی لُحُوْمِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ

گدھوں کے گوشت کا حکم

چاروں ائمہ متفق ہیں کہ گدھا حرام ہے، البتہ مالکیہ کے یہاں تین روایتیں ہیں، ایک روایت کراہیت کی بھی ہے۔

حدیث (۱): حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جنگ خیبر کے موقع پر نبی ﷺ نے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا (اس کا بیان کتاب النکاح باب ۲۷ میں گذر چکا ہے) اور گدھوں کے گوشت سے بھی منع فرمایا۔

تشریح: یہ حدیث حضرت علیؓ سے ان کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ روایت کرتے ہیں، پھر ان سے ان کے صاحبزادے عبداللہ اور حسن روایت کرتے ہیں، پھر ان سے امام زہری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، ان دونوں صاحبزادوں میں پسندیدہ راوی کونسا ہے؟ اس میں روایات مختلف ہیں، زہری کے شاگرد سفیان بن عیینہ کے تلمیذ سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی کا بیان ہے کہ امام زہری نے فرمایا: دونوں میں پسندیدہ راوی حسن ہے، اور سعید کے علاوہ ابن عیینہ کے دوسرے تلامذہ امام زہری کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ دونوں میں پسندیدہ عبداللہ ہے، مگر مسند احمد میں حضرت سفیان کا یہ قول ہے کہ ہمارے نزدیک پسندیدہ حسن ہے، اور عبداللہ تو سبائی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، اور امام بخاری رحمہ اللہ کی تاریخ کبیر میں بھی یہی ہے کہ دونوں میں مضبوط راوی حسن ہے۔

حدیث (۲): ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر ہر کچلی دار درندے کو حرام قرار دیا، اور مجثمہ کو اور پالتو گدھے کو حرام قرار دیا۔

تشریح: کچلی دار درندوں کی حرمت کا بیان کتاب الصید باب ۱۰ میں گذر چکا ہے اور مجثمہ وہ پرندہ وغیرہ ہے جس کو باندھ کر چاند ماری کی جاتی تھی اور وہ تیر کھا کر ڈھیر ہو جاتا تھا اس کا بیان بھی کتاب الصید باب ۸ میں گذر چکا ہے، اس کے علاوہ اور بھی متعدد روایات ہیں جن کا باب میں حوالہ ہے، یہ تمام روایات گدھے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔

البتہ ایک روایت جو ابوداؤد (حدیث ۳۸۰۷) میں ہے وہ حلت پر دلالت کرتی ہے، غالب بن ابجرؓ کہتے ہیں: ہم قحط سالی سے دوچار ہوئے، میرے پاس کوئی ایسا مال نہیں تھا جو میں اپنے گھر والوں کو کھلاؤں، ہاں کچھ گدھے تھے مگر

نبی ﷺ نے گدھوں کا گوشت حرام قرار دیا تھا پس میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں قحط سالی پہنچی ہے اور میرے مال میں کوئی ایسا مال نہیں جو میں اپنے گھر والوں کو کھلاؤں، ہاں چند فربہ گدھے ہیں مگر آپ نے پالتو گدھوں کا گوشت حرام قرار دیا ہے پس آپ نے فرمایا: أَطْعِمْ أَهْلَكَ مِنْ سَمِيْنِ حُمُرِكَ، فَإِنَّمَا حَرَّمْتُهَا مِنْ أَجْلِ جَوَّالِ القَرْيَةِ: اپنے فربہ گدھوں میں سے اپنے گھر والوں کو کھلاؤ، میں نے ان کو حرام صرف اس لئے قرار دیا ہے کہ وہ گاؤں کے باہر گھومتے رہتے ہیں اور گندگی کھاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اصابہ (۱۸۱:۳) میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی اسناد میں بہت زیادہ اختلاف ہے، نیز حافظ نے فتح الباری (۶۵۶:۹) میں فرمایا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے، اور متن شاذ ہے کیونکہ وہ احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے، پس اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، نیز یہ تاویل بھی ممکن ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو بھوک مری کی وجہ سے گدھے کھانے کی اجازت دی ہو اور تحریم کی جو وجہ بیان کی ہے کہ وہ گندگی کھاتا ہے یہ علت عام ہو اور اجازت عارض کی وجہ سے ہو یہ بات ممکن ہے، پس اس سے گدھے کی مطلق حلت ثابت نہیں ہوتی۔

فائدہ: خچر کا کیا حکم ہے؟ اس کا حکم اس کی ماں کے تابع ہے، اگر خچر: گدھے اور گھوڑی سے پیدا ہوا ہے تو حلال ہے اور اگر گھوڑے اور گدھی سے پیدا ہوا ہے تو حرام ہے، اسی طرح اگر گدھے اور گائے سے پیدا ہوا ہے تو بھی حلال ہے، درمختار: حظر واباحہ کے باب اول کے آخر میں یہ مسئلہ ہے، حیوانات میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جانور حلت وحرمت میں ماں کے تابع ہوتا ہے اور جو حکم گوشت کا ہے وہی حکم دودھ کا ہے، پس گھوڑی کا دودھ حلال ہے کیونکہ گھوڑے کا گوشت حلال ہے۔

ملحوظہ: خچروں کی نسل نہیں چلتی ان کی مادہ بانجھ ہوتی ہے، وہ دوغلے ہی ہوتے ہیں یعنی دو نسلیں مل کر ہی وجود میں آتے ہیں۔

[٦-] باب ماجاء فی لُحُومِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ

[١٧٨٩-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ يَحْيَى بنِ سَعِيْدٍ الأَنْصَارِيِّ، عَنْ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ح: وَثَنَا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، وَالْحَسَنِ ابْنَيْ مُحمدِ بنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيْهِمَا، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ زَمَنَ خَيْبَرَ، وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ.

حدثنا سَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ وَالْحَسَنِ ابْنَيْ مُحَمَّدِ بنِ عَلِيٍّ، قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَكَانَ أَرْضَاهُمَا الْحَسَنُ بنُ مُحمدٍ، وَقَالَ غَيْرُ سَعِيْدِ بنِ عَبْدِ

الرَّحمنِ، عَنْ ابنِ عُيَيْنَةَ، وَكَانَ أَرْضَاهُمَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ مُحمدٍ.

[۱۷۹۰-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا حُسَيْنُ بنُ عَلِيٍّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَرَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ كُلَّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ، وَالْمُجَثَّمَةَ، وَالْحِمَارَ الإِنْسِيَّ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَجَابِرٍ، وَالْبَرَاءِ، وابنِ أَبِيْ أَوْفَى، وأَنَسٍ، وَالْعِرْبَاضِ بنِ سَارِيَةَ، وأَبِيْ ثَعْلَبَةَ، وابنِ عُمَرَ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَرَوَى عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ وَغَيْرُهُ عَنْ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو هٰذَا الحَدِيْثَ، وَإِنَّمَا ذَكَرُوْا حَرْفاً وَاحِداً: "نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ"

وضاحت: محمد بن عمرو کے شاگرد زائدہ کی روایت میں تین مضمون ہیں اور عبدالعزیز وغیرہ کی سند میں ایک مضمون ہے۔

بابُ ماجاء فی الأَكْلِ فِيْ آنِيَةِ الْكُفَّارِ

کفار کے برتنوں میں کھانے کا حکم

یہ مسئلہ پہلے دو مرتبہ گذر چکا ہے، أبواب الصید کے پہلے باب میں ضمناً آیا ہے، پھر أبواب السیر میں باب ماجاء فی الانتفاع بآنیة المشرکین میں آیا ہے۔ کفار کے دھات کے برتنوں کا تو کوئی مسئلہ نہیں، ان کو دھو کر استعمال کر سکتے ہیں، اور مٹی اور لکڑی کے برتن جو مظروف کو چوستے ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ ناپاکی میں مستعمل نہ ہوں تو دھونے سے پہلے ان کا استعمال مکروہ ہے اور دھونے کے بعد کوئی کراہیت نہیں، کیونکہ وہ پاک ہیں اور جو برتن ناپاکی میں استعمال کئے جاتے ہیں، ان میں شراب پی جاتی ہے یا خنزیر یا مردار پکایا جاتا ہے ان کو دھونے سے پہلے استعمال کرنا جائز نہیں، اور دھونے کے بعد مجبوری میں استعمال کر سکتے ہیں...... اور ان کے کپڑے اور ان کا پانی پاک ہے، جیسے مسلمانوں کے کپڑے اور پانی پاک ہے لیکن اگر وہ لوگ ناپاکی سے نہ بچتے ہوں تو ان کا استعمال جائز نہیں، اور معلوم نہ ہو تو پاک ہیں۔

ایک واقعہ: میں جب راندیر میں تھا تو فجر کی اذان کے بعد تفریح کے لئے نکلتا تھا، گھر میں پان دان تھا، مگر راستہ میں ایک ہندو کی پان کی دوکان کھل جاتی تھی، اس لئے ہمیشہ اس کے یہاں سے پان کھا کر آگے بڑھتا تھا، ایک دن میں نے بہت دور سے دیکھا: ایک گائے دوکان کے سامنے سے گذری، دوکاندار ایک لٹیا لے کر اترا اور گائے کے پیچھے کچھ بٹن دبایا، اس نے پیشاب شروع کیا، دوکاندار نے وہ پیشاب لٹیا میں لیا اور کچھ چونے میں ڈالا اور کچھ کتھے

میں اور باقی دوکان میں چھڑکا، اس دن سے میں کسی ہندو کی دوکان سے لکوئیڈ نہیں کھاتا، کیونکہ جس قوم کے نزدیک گائے کا پیشاب تبرک ہے، وہ معلوم نہیں اس کا استعمال کس کس چیز میں کرے گی۔

حدیث (۱): حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے مجوس (آتش پرستوں) کی (مٹی کی) ہانڈیوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''ان کو خوب دھولو، اور ان میں کھانا پکاؤ، اور آپؐ نے ہر کچلی دار درندے سے منع فرمایا۔

تشریح: یہ حدیث ابوقلابہ: حضرت ابوثعلبہ خشنی سے روایت کرتے ہیں، مگر ابوقلابہ نے حضرت ابوثعلبہ کا زمانہ نہیں پایا اس لئے روایت میں انقطاع ہے، البتہ آئندہ روایت ابوقلابہ: ابواسماء رجبی کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں اس لئے وہ موصول ہے۔

حدیث (۲): حضرت ابوثعلبہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! ہم اہل کتاب کے علاقہ میں رہتے ہیں، پس ہم ان کی ہانڈیوں میں پکاتے ہیں اور ان کے برتنوں میں پیتے ہیں (تو کیا یہ جائز ہے؟) پس نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر ان کے علاوہ برتن نہ پاؤ تو ان کو پانی سے دھوڈالو'' (پھر استعمال کرو) انھوں نے دوسرا سوال کیا: یارسول اللہ! ہم شکار کے علاقہ میں رہتے ہیں یعنی ہمارے علاقہ میں شکار بہت ملتا ہے، پس ہم کس طرح (شکار) کریں؟ آپؐ نے فرمایا: ''جب تم اپنے سکھلائے ہوئے کتے کو چھوڑو، اور اللہ کا نام لو، پس اس نے شکار مارڈالا تو کھاؤ، اور اگر کتا سکھلایا ہوا نہ ہو، پس شکار ذبح کرلیا گیا ہو تو (بھی) کھاؤ، اور جب تم اپنا تیر چلاؤ اور اللہ کا نام لو، پس تیر نے شکار مارڈالا تو کھاؤ۔

ملحوظہ: شکار کے احکام تفصیل سے ابواب الصید کے شروع میں گذر چکے ہیں، وہاں دیکھ لئے جائیں۔

[۷-] باب ماجاء في الأَكْلِ فِيْ آنِيَةِ الْكُفَّارِ

[۱۷۹۱-] حدثنا زَيْدُ بنُ أَخزَمَ الطَّائِيُّ، ثَنَا سَلْمُ بنُ قُتَيْبَةَ، ثنا شُعْبَةُ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ قَالَ: سُئِلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ قُدُوْرِ الْمَجُوْسِ؟ قَالَ: "أَنْقُوْهَا غَسْلًا، واطْبَخُوْا فِيْهَا، وَنَهَى عَنْ كُلِّ سَبُعٍ ذِيْ نَابٍ"

هٰذَا حديثٌ مَشْهُوْرٌ مِنْ حديثِ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ، وَرُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ.

وَأَبُوْ ثَعْلَبَةَ: اسْمُهُ جُرْثُوْمٌ، وَيُقَالُ: جُرْهُمٌ، وَيُقَالُ: نَاشِبٌ، وَقَدْ ذُكِرَ هٰذَا الحديثُ عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ أَبِيْ أَسْمَاءَ الرَّحَبِيِّ، عَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ.

[۱۷۹۲-] حدثنا عَلِيُّ بنُ عِيسَى بنُ يَزِيْدَ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ مُحمدٍ الْعَيْشِيُّ، ثَنَا

حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، وَقَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ أَبِيْ أَسْمَاءَ الرَّحَبِيِّ، عَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّا بِأَرْضِ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَنَطْبُخُ فِيْ قُدُوْرِهِمْ، وَنَشْرَبُ فِي آنِيَتِهِمْ؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" إِنْ لَمْ تَجِدُوْا غَيْرَهَا فَارْحَضُوْهَا بِالْمَاءِ" ثُمَّ قَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّا بِأَرْضِ صَيْدٍ فَكَيْفَ نَصْنَعُ؟ قَالَ:" إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُكَلَّبَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ، فَقَتَلَ، فَكُلْ، وإِنْ كَانَ غَيْرَ مُكَلَّبٍ، فَذُكِّيَ فَكُلْ، وإِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَقَتَلَ فَكُلْ"

لغات: رَحَضَه(ف) وأَرْحَضَه: دھونا...... كَلَّبَ الكلبَ: کتے کو سدھانا، شکاری بنانا، قرآن کریم میں ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ﴾ المكلَّب (اسم مفعول): معلَّم، سکھایا ہوا۔

وضاحت: پہلی حدیث میں راوی سَلْم بن قتيبة ہیں، ہندوستانی نسخوں میں المسلم ہے جو غلط ہے...... اور حضرت ابوثعلبہ خشنی کے نام میں تین قول ہیں: جرثوم، جرہم اور ناشب...... قوله وقد ذُكر هذا الحديث: یہ حدیث اگلے نمبر پر آرہی ہے...... دوسری حدیث کی سند میں عبیداللہ بن محمد العیشی ہیں، یہ نسبت عائشہ بنت طلحہ کی طرف ہے یہ ان کی اولاد میں تھے، اور ہندوستانی نسخہ میں عبیداللہ بن محمد بن القرشی ہے جو غلط ہے۔

بابُ ماجاء فى الْفَارَةِ تَمُوْتُ فِي السَّمْنِ

جمے ہوئے گھی میں چوہا مرجائے تو کیا حکم ہے؟

جمے ہوئے گھی وغیرہ میں چوہا وغیرہ مرجائے تو اس کو نکال کر پھینک دیا جائے اور جو گھی وغیرہ اس کے اردگرد ہو وہ بھی نکال کر پھینک دیا جائے، باقی گھی پاک ہے اس کو کھایا جائے۔

اور اگر گھی پگھلا ہوا ہو تو وہ ناپاک ہوجائے گا، پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس کا خارجی استعمال جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً اس سے چراغ جلانا، یا اس کو جوتے وغیرہ پر لگانا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے، وہ اس سے کسی بھی طرح فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے، کیونکہ حدیث میں ہے: وإن كان مائعاً فلا تقربوه: اگر گھی سیال ہو تو اس کے نزدیک مت جاؤ، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اس کا خارجی استعمال جائز ہے اس کو چراغ میں استعمال کرسکتے ہیں اور دوسری طرح بھی فائدہ اٹھاسکتے ہیں، مگر اس کا کھانا اور بیچنا ممنوع ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بیچنا بھی جائز ہے صرف کھانا جائز نہیں۔

غرض پاک کرنے سے پہلے اس کے کھانے کی حرمت متفق علیہ ہے، پھر صاحبین رحمہما اللہ میں اختلاف ہے کہ

جو چیزیں نچوڑی نہیں جاسکتیں جیسے اناج، نئی ٹھیکری، چٹائی، ناپاک پانی پلائی ہوئی چھری اور ناپاک پانی میں ابالا ہوا گوشت وغیرہ پاک کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تین مرتبہ دھونے سے اور ہر بار سکھانے سے پاک ہوجائے گا، اور شہد اور دودھ جیسی چیزوں میں چوہا وغیرہ مرجائے تو اس میں ہم وزن پانی ملایا جائے پھر پکایا جائے، یہاں تک کہ پانی جل جائے، تین مرتبہ اس طرح کرنے سے دودھ اور شہد پاک ہوجائے گا اور فتوی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو چیزیں نچوڑی نہیں جاسکتیں اگر وہ ناپاک ہوجائیں تو ان کو پاک کرنے کی کوئی شکل نہیں مگر اس قول پر فتوی نہیں (یہ تفصیل عمدۃ القاری (۱:۹۲۸) میں ہے)

اور ایک طریقہ بہشتی زیور میں یہ بھی لکھا ہے کہ ناپاک گھی تیل میں اس کے بقدر پانی ڈال کر ہلایا جائے پھر جب وہ گھی تیل پانی کے اوپر آجائے تو کسی طرح اس کو اٹھالیا جائے، اس طرح تین دفعہ پانی ملا کر گھی تیل اٹھالینے سے پاک ہوجائے گا اور اگر گھی ناپاک ہونے کے بعد جم گیا ہو تو پانی ڈال کر آگ پر رکھ دیا جائے جب پگھل جائے تو اس کو اٹھالیا جائے (بہشتی زیور حصہ دوم نجاست کے پاک کرنے کا طریقہ مسئلہ ۲۹)

اور اسی باب میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر نجاست ایسی چیز میں لگی ہو جس کو نچوڑ نہیں سکتے، جیسے تخت، چٹائی، مٹی کا برتن وغیرہ تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ دھو کر ٹھہر جاوے جب پانی ٹپکنا بند ہوجائے تو پھر دھوئے، اس طرح تین مرتبہ دھونے سے وہ چیز پاک ہوجائے گی۔

اور اگر بڑا فرش یا قالین ناپاک ہوجائے تو اس پر پانی ڈال کر بھگو دیا جائے پھر مشین سے اس کا پانی چوسا لیا جائے، اس طرح تین مرتبہ کرنے سے قالین اور فرش پاک ہوجائے گا۔

حدیث: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: گھی میں چوہا گر گیا، اور مر گیا، نبی ﷺ سے اس کا حکم پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: أَلْقُوها وَمَا حَوْلَهَا فَكُلُوْهُ یعنی چوہا پھینک دو اور اس کے اردگرد جو گھی ہے وہ بھی پھینک دو اور باقی گھی کھاؤ۔

تشریح: یہ حدیث تین سندوں سے مروی ہے:

(۱) سفیان بن عیینہ: امام زہری سے، وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے، وہ ابن عباس سے، اور وہ اپنی خالہ حضرت میمونہؓ سے روایت کرتے ہیں یہ سند صحیح ہے اور یہی سند بخاری (حدیث ۲۳۶) میں ہے۔

(۲) دوسری سند: زہری کے بعض تلامذہ سند کے آخر میں حضرت میمونہؓ کا ذکر نہیں کرتے (امام ترمذی نے اس کو غیر صحیح قرار دیا ہے)

(۳) اور امام زہری کے شاگرد معمر اس کی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں، یہ سند صحیح نہیں، امام بخاریؒ نے اس کو معمر کی چوک قرار دیا ہے اور پہلی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[۸-] باب ماجاء فی الْفَأْرَةِ تَمُوْتُ فِی السَّمْنِ

[۱۷۹۳-] حدثنا سَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، وأَبُوْ عَمَّارٍ، قَالَا: حدثنا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ: أَنَّ فَأْرَةً وَقَعَتْ فِی سَمْنٍ، فَمَاتَتْ، فَسُئِلَ عَنْهَا النبیُّ صلی الله عليه وسلم، فَقَالَ: "أَلْقُوْهَا، وَمَا حَوْلَهَا، فَكُلُوْهُ"

وفی الباب: عَنْ أَبِیْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِیَ هٰذَا الحديثُ عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النبیَّ صلی الله عليه وسلم سُئِلَ، وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ: عَنْ مَيْمُوْنَةَ، وَحَدِيْثُ ابنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ أَصَحُّ.

وَرَوَی مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِیْ هريرةَ، عَنِ النبیِّ صلی الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَهٰذَا حديثٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ، سَمِعْتُ مُحمدَ بنَ إِسْمَاعِيْلَ يَقُوْلُ: حَدِيثُ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِیْ هريرةَ، عَنِ النبیِّ صلی الله عليه وسلم فِیْ هٰذَا خَطَأٌ، وَالصَّحِيْحُ حَدِيثُ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ.

وضاحت: بخاری شریف (حدیث ۵۵۳۸ کتاب الذبائح) میں ہے کہ سفیان بن عیینہ کے سامنے یہ بات ذکر کی گئی کہ معمر اس کی سند حضرت ابو ہریرہ تک پہنچاتے ہیں تو انھوں نے کہا: میں نے یہ حدیث زہری سے بار بار سنی ہے وہ اس کی سند میمونہؓ تک پہنچاتے تھے یعنی معمر سے اس کی سند میں چوک ہوئی ہے...... معمر کی سند سے حدیث ابوداؤد (حدیث ۳۸۴۱) اور مسند احمد (۲: ۲۳۲) میں ہے۔

بابُ ماجاء فی النَّهْیِ عَنِ الأَكْلِ وَالشُّرْبِ بِالشِّمَالِ

بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کی ممانعت

اسلام نے ہاتھوں کی اچھے برے کاموں کے لئے تقسیم کی ہے، تمام اچھے کام دائیں ہاتھ سے کرنے چاہئیں اور گندے کام جیسے استنجاء کرنا، ناک صاف کرنا وغیرہ بائیں ہاتھ سے کرنے چاہئیں، اور اس کی حکمت ظاہر ہے، آدمی کو کھاتے وقت گھن نہیں آئے گی، اور اگر جس ہاتھ سے استنجاء کیا ہے اسی سے کھائے گا تو طبیعت میں نفرت پیدا ہوگی، اسی وجہ سے مہذب لوگ چھری کانٹے سے کھاتے ہیں، کیونکہ وہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرتے ہیں، مگر ان عقل کے پتلوں کی سمجھ میں ہاتھوں کی اچھے برے کاموں کے لئے تقسیم نہیں آئی، پس: بریں عقل ودانش بباید گریست!

مسئلہ: اگر دائیں ہاتھ میں عذر ہو یا دایاں ہاتھ نہ ہو تو بائیں ہاتھ سے کھانا جائز ہے، کیونکہ مجبوری میں ممنوع کام

جائز ہوجاتے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اپنے بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ بائیں ہاتھ سے پیئے، اس لئے کہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور اپنے بائیں ہاتھ سے پیتا ہے''

تشریح: کوکب میں اس حدیث کی شرح میں ایک فائدہ ہے کہ غائب کے ساتھ بھی تشبہ ممنوع ہے، شیطان نظر نہیں آتا پھر بھی اس سے تشبہ کی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھانے کی ممانعت آئی ہے، پس اسی طرح کسی بستی میں یہود ومجوس وہنود نہ ہوں تب بھی ان کی حرکات وعادات میں مشابہت ممنوع ہے، مثلاً: مجوس آگ پوجتے ہیں، ہمارے شہر میں کوئی مجوسی نہیں، پھر بھی نمازی کے سامنے آگ نہیں ہونی چاہئے۔

فائدہ: یہاں طالب عالم ایک سوال کرتے ہیں کہ اگر دایاں ہاتھ کھانے میں آلودہ ہوتو بائیں ہاتھ سے گلاس پکڑ کر پانی پی سکتے ہیں یا ڈونگے سے بائیں ہاتھ سے کھانا نکال سکتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ حدیث کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیز کے ساتھ راست بایاں ہاتھ نہ لگے، مگر بالواسطہ لگنا بھی ممنوع ہے، مسلم شریف میں نافع رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: ولا يَأْخُذُ بها، ولا يُعْطِيْ بها: یعنی بائیں ہاتھ سے نہ لے نہ دے، مگر ممانعت میں اس کا دوسرا درجہ ہوگا، پس چاہئے کہ بائیں ہاتھ سے گلاس پکڑے اور دائیں ہتھیلی کی پشت سے یا ہتھیلی کے آخری حصہ سے لگا کر پیئے، یہ حیلہ ہے، اسی طرح دائیں ہاتھ سے کھانا نکالے اور ہاتھ آلودہ ہوتو چاٹ لے لیکن اگر بائیں ہاتھ سے یہ کام کرے تو یہ اتنا برا نہیں جتنا راست بائیں ہاتھ سے کھانا برا ہے۔

[۹-] باب ماجاء في النهي عَنِ الْأَكْلِ والشُّرْبِ بِالشِّمَالِ

[۱۷۹٤-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ نُمَيْرٍ، ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ عُمَرَ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: لَايَأْكُلْ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهِ، وَلَا يَشْرَبْ بِشِمَالِهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ، وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ.

وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَعُمَرَ بنِ أَبِيْ سَلَمَةَ، وَسَلَمَةَ بنِ الْأَكْوَعِ، وَأَنَسِ بنِ مَالِكٍ، وَحَفْصَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَهٰكَذَا رَوَى مَالِكٌ، وَابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَرَوَى مَعْمَرٌ، وَعُقَيْلٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَرِوَايَةُ مَالِكٍ وابنِ عُيَيْنَةَ أَصَحُّ.

وضاحت: یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے ان کے پوتے ابوبکر روایت کرتے ہیں یا بیٹے سالم؟ عبیداللہ عمری کی سند پہلی ہے اور امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ ان کے متابع ہیں اور معمر اور عقیل کی سند دوسری ہے، امام ترمذی نے

پہلی سند کواصح کہا ہے، مگر امام مسلم رحمہ اللہ نے سالم کی سند سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے، بلکہ نافع کی سند میں جو زیادتی ہے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے، معلوم ہوا کہ ابن عمرؓ سے یہ حدیث سالم و نافع بھی روایت کرتے ہیں، مگر اس سند میں امام زہری کا ذکر نہیں، امام زہری یہ حدیث ابوبکر ہی سے روایت کرتے ہیں۔

بابُ ماجاء فی لَعْقِ الأَصَابِعِ

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کا بیان

کھانے کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ کھانے سے فارغ ہوکر پہلے سب انگلیاں چاٹ لے، پھر ہاتھ دھوئے، تاکہ انگلیوں پر لگا ہوا کھانا ضائع نہ ہو، حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی کھائے تو چاہئے کہ اپنی انگلیاں چاٹ لے، پس بیشک وہ نہیں جانتا کہ ان انگلیوں میں سے کونسی انگلی (پر لگے ہوئے کھانے) میں برکت ہے پس سبھی انگلیوں کو چاٹ لے (ضمیر هُنَّ: أصابع کی طرف راجع ہے)

فائدہ: طالب علم پوچھتے ہیں: انگلیاں چاٹنے کی ترتیب کیا ہونی چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ کوئی ترتیب وارد نہیں ہوئی، پس جس طرح چاہے چاٹے۔

[۱۰-] باب ماجاء فی لَعْقِ الأَصَابِعِ

[۱۷۹۵-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ أَبِی الشَّوَارِبِ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ الْمُخْتَارِ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِیْ هُريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم: "إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَلْعَقْ أَصَابِعَهُ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِیْ فِیْ أَيَّتِهِنَّ الْبَرَكَةُ"

وفی الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَكَعْبِ بنِ مَالِكٍ، وَأَنَسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيْثِ سُهَيْلٍ.

وضاحت: سہیل کے شاگرد عبدالعزیز دباغ بصری ثقہ راوی ہیں اس لئے حدیث صحیح ہے، البتہ سہیل سے آخر تک یہی سند ہے اس لئے غریب ہے اور سہیل کے شاگرد وُہیب بن خالد کی روایت مسلم شریف (حدیث ۲۰۳۵) میں ہے۔

بابُ ماجاء فی اللُّقْمَةِ تَسْقُطُ

لقمہ گر جائے تو کیا کرے؟

کھاتے وقت اگر لقمہ گر جائے تو اس کو چھوڑ نہ دیا جائے، حکم شرعی یہ ہے کہ اس کو اٹھا کر کھالیا جائے، پھر اگر وہ

صاف دسترخوان پر گرا ہے تو سارا ہی اٹھا کر کھالینا چاہئے، دسترخوان بچھا کر کھانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ کھانا ضائع نہ ہو، اور اگر نیچے گرا ہے تو اس کا اچھا حصہ کھالیا جائے، اور اگر مٹی وغیرہ لگ گئی ہے یا ناپاک ہو گیا ہے تو وہ جانور (چیونٹی وغیرہ) کو کھلا دیا جائے، اس کو یونہی شیطان کے لئے نہ چھوڑ دیا جائے، اس سنت پر عمل کرنے میں تواضع (فروتنی) ہے اور اس میں اقتصاد کی تعلیم بھی ہے۔

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں:

پہلی حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے، پس اس کا لقمہ گر جائے تو چاہئے کہ دور کردے وہ جو اس کو شک میں ڈالے اس لقمہ سے یعنی جو حصہ گندہ ہو گیا ہے اس کو علحدہ کردے پھر چاہئے کہ وہ اس لقمہ کو کھالے اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے''

تشریح: اس حدیث پر امام ترمذیؒ نے کوئی حکم نہیں لگایا، یہ حدیث اس سند سے تو ضعیف ہے، کیونکہ اس میں عبداللہ بن لہیعہ ہیں، جو مشہور ضعیف راوی ہیں، مگر یہ حدیث ابوالزبیر کے دوسرے شاگرد ابن عیینہ کی سند سے مسلم شریف (حدیث ۲۰۳۳) میں ہے، اس لئے یہ حدیث فی نفسہ حسن صحیح ہے۔

دوسری حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا نوش فرماتے تھے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے تھے، اور ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے، تو چاہئے کہ دور کرے اس سے خرابی اور چاہئے کہ اس کو کھالے اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑ دے'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم پیالے کو پونچھ ڈالیں، اور ارشاد فرمایا: ''تم نہیں جانتے کہ تمہارے کونسے کھانے میں برکت ہے''

تشریح: اس حدیث میں تین مضمون ہیں:

۱- نبی صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر تین انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے، ان سے کھانے کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور پانچ انگلیوں سے کھانا حرص پر دلالت کرتا ہے جو مؤمن کی شان کے خلاف ہے، علاوہ ازیں: جب تین انگلیوں سے کھائے گا تو چھوٹے لقمے لے گا، پس تھوڑے کھانے میں پیٹ بھر جائے گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پیٹ بھرنا اور جی (نفس) بھرنا: دو الگ الگ چیزیں ہیں، بہت سی مرتبہ پیٹ بھر جاتا ہے مگر جی نہیں بھرتا، آدمی کھاتا ہی چلا جاتا ہے، جوانی میں ایسا زیادہ ہوتا ہے، اور کبھی آدمی کا جی بھر جاتا ہے تو کھانا چھوڑ دیتا ہے اگرچہ پیٹ ابھی نہیں بھرا...... دوسری حقیقت یہ ہے کہ کھاتے وقت آدمی لاشعوری طور پر کھانے کے لقمے اور پانی کے گھونٹ گنتا ہے، اور شکم سیری اور سیرابی پر یہ تعداد اثر انداز ہوتی ہے، اس لئے چھوٹے لقموں سے کھانا اور تین گھونٹ میں پینا مفید ہے، اس طرح کھانے پانی کی تھوڑی مقدار سے شکم سیری اور سیرابی حاصل ہو جائے گی، اور یہ چیز تجربہ سے تعلق رکھتی ہے، آپ شدید بھوک پیاس کی حالت میں اس کا تجربہ کریں ان شاء اللہ ایسا ہی پائیں گے،

بڑے بڑے لقموں سے کھائیں اور سارا لوٹا انڈیل دیں، کھانا پانی ختم ہوجائے گا اور جی کو سیری حاصل نہیں ہوگی اور اسی مقدار کو تھوڑا تھوڑا کر کے کھائیں پئیں پورا اطمینان ہوجائے گا۔

مسئلہ: بوقت ضرورت چار پانچ انگلیوں سے کھانا بھی ممنوع نہیں، امام زہری کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ نبی ﷺ پانچ انگلیوں سے بھی کھاتے تھے، مگر عام معمول تین انگلیوں سے کھانے کا تھا۔

۲- دوسرا مضمون وہی ہے جو باب کا مضمون ہے کہ کھانا گر جائے تو اس کو اٹھا کر کھالیا جائے، ضائع نہ کیا جائے۔

۳- کھانے کے بعد برتن صاف کرنا چاہئے، کھانے کے اجزاء اس میں چھوڑنے نہیں چاہئیں، کیونکہ جسم کے لئے کھانے کا کونسا حصہ مفید ہے یہ بات معلوم نہیں، ممکن ہے جو اجزاء برتن میں رہ گئے ہیں: وہی جسم کے لئے زیادہ مفید ہوں، اس لئے ان کو بھی کھالینا چاہئے، علاوہ ازیں اس میں اقتصاد کی تعلیم بھی ہے، اور برتن بھی دعا دیتا ہے، جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

تیسری حدیث: معلّی کہتے ہیں: میری دادی ام عاصم نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم ایک بڑے پیالے میں کھارہے تھے کہ حضرت نُبَیْشَةُ الْخَیر تشریف لائے، اور انھوں نے یہ حدیث سنائی کہ جس نے بڑے پیالے میں کھایا، پھر اس کو چاٹ لیا تو پیالہ اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہے۔

تشریح: کھانے کے بعد برتن صاف کرنے کا حکم تو متعدد صحیح روایات میں آیا ہے مگر برتن صاف کرنے سے: برتن دعا دیتا ہے یہ مضمون اسی حدیث میں ہے، اور اس حدیث کی یہی ایک سند ہے اور رواۃ کا حال ٹھیک ہے، معلّی بن راشد: مقبول راوی ہے، اور ان کی دادی ام عاصم بھی مقبولہ ہیں اور حضرت نبیشہ اگرچہ قلیل الروایہ ہیں مگر صحابی ہیں اس لئے حدیث ٹھیک ہے۔

[۱۱-] باب ماجاء فی اللُّقْمَةِ تَسْقُطُ

[۱۷۹۶-] حدثنا قُتَیْبَةُ، نا ابنُ لَهِیْعَةَ، عَنْ أَبِی الزُّبَیْرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النبیَّ صلی الله علیه وسلم قَالَ:" إِذَا أَکَلَ أَحَدُکُمْ طَعَامًا، فَسَقَطَتْ لُقْمَتُهُ، فَلْیُمِطْ مَا رَابَهُ مِنْهَا، ثُمَّ لِیَطْعَمْهَا، وَلَا یَدَعُهَا لِلشَّیْطَانِ"وفی الباب: عَنْ أَنَسٍ.

[۱۷۹۷-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِیِّ الْخَلَّالُ، ثنا عَفَّانُ بنُ مُسْلِمٍ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، ثنا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النبیَّ صلی الله علیه وسلم کَانَ إِذَا أَکَلَ طَعَامًا لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ، وَقَالَ:" إِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ أَحَدِکُمْ، فَلْیُمِطْ عَنْهَا الأَذَی، وَلْیَأْکُلْهَا، وَلَا یَدَعُهَا لِلشَّیْطَانِ" وَأَمَرَنَا أَنْ نَسْلُتَ الصَّحْفَةَ، وَقَالَ:" إِنَّکُمْ لَاتَدْرُوْنَ فِی أَیِّ طَعَامِکُمُ الْبَرَکَةُ" هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

[۱۷۹۸-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيِّ الْجَهْضَمِيُّ، ثَنَا الْمُعَلَّى بنُ رَاشِدٍ أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي أُمُّ عَاصِمٍ، وَكَانَتْ أُمَّ وَلَدٍ لِسِنَانِ بنِ سَلَمَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا نُبَيْشَةُ الْخَيْرِ، وَنَحْنُ نَأْكُلُ فِيْ قَصْعَةٍ، فَحَدَّثَنَا أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ أَكَلَ فِيْ قَصْعَةٍ، ثُمَّ لَحِسَهَا، اسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الْمُعَلَّى بنِ رَاشِدٍ، وَقَدْ رَوَى يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ عَنِ الْمُعَلَّى بنِ رَاشِدٍ هٰذَا الحديثَ.

لغات: رَابَهُ الْأَمْرُ رَيْبًا وَرِيْبَةً: شک میں ڈالنا، حدیث میں ہے: دَعْ مَا يَرِيْبُكَ إلى مَالَا يَرِيْبُكَ: جس چیز میں شک ہو اسے چھوڑو، اور جس میں شک نہ ہو اس کو اختیار کرو...... لَعِقَ (س) لَعْقًا: چاٹنا...... سَلَتَ (ن ض) سَلْتًا: پونچھنا، کسی چیز کے اوپر سے کوئی چیز لے لینا...... لَحِسَ (س) الإناءَ: برتن کو انگلی سے یا زبان سے چاٹنا۔

بابُ ماجاء فی کَرَاهِيَةِ الأَكْلِ مِنْ وَسَطِ الطَّعَامِ

برتن کے بیچ میں سے کھانا پسندیدہ نہیں

کھانے کا ادب یہ ہے کہ اگر کھانا بڑے برتن میں ہو تو لوگ کناروں سے کھائیں، کھانا برتن کے بیچ میں جمع رہنے دیں، درمیان سے نہ کھائیں، اس سے کھانا منتشر ہو جاتا ہے اور برتن کا منظر برا ہو جاتا ہے۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ جب کھانا برتن میں جمع رہے گا اور آنکھیں اس کو مسلسل دیکھتی رہیں گی تو جی (نفس) جلدی بھر جائے گا، کہتے ہیں: حلوائی مٹھائی نہیں کھاتا، کیوں کہ وہ مسلسل مٹھائی کو دیکھتا رہتا ہے اس لئے جی بھر جاتا ہے، پس جو حکمت تین انگلیوں سے کھانے کی یعنی چھوٹے لقموں سے کھانے کی ہے وہی حکمت برتن کے کناروں سے کھانے کی اور کھانا برتن کے بیچ میں جمع رہنے دینے کی بھی ہے۔

حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "برکت کھانے کے بیچ میں اترتی ہے، پس کناروں سے کھانا کھاؤ، اس کے درمیان سے نہ کھاؤ"

[۱۲-] باب ماجاء فی کراهية الأَكْلِ مِنْ وَسَطِ الطَّعَامِ

[۱۷۹۹-] حدثنا أَبُوْ رَجَاءٍ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "إِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ، فَكُلُوْا مِنْ حَافَتَيْهِ، وَلَا تَأْكُلُوْا مِنْ وَسَطِهِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، إِنَّمَا يُعْرَفُ مِنْ حَدِيْثِ عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، وفي الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ.

لغت: الوَسْط (بسکون السین) درمیان، کہا جاتا ہے: جَلَسَ وَسْطَ القوم: لوگوں کے بیچ میں بیٹھا...... الوَسَط (بفتح السین): وسطی حصہ، کسی چیز کا مرکز (اس کے معنی معتدل اور متوسط چیز کے بھی ہیں اور منتخب اور بہتر چیز کے بھی) حدیث میں مرکزی اور درمیانی معنی ہیں۔ اور دونوں کو پہچاننے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر وسط کی جگہ بَیْن رکھا جا سکے تو وہ بسکون السین ہوگا، ورنہ بفتح السین۔

وضاحت: اس حدیث میں امام ترمذیؒ کے استاذ: ابورجاء سے مراد قتیبۃ بن سعید ہیں، اطراف مزّی (۴: ۱۸۳۰ حدیث ۵۵۶۶) میں اس کی صراحت ہے، اور قتیبہ کی یہ کنیت تہذیب میں بھی ہے اور تقریب میں بھی (مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کو اس راوی کا پتہ ہی نہیں چلا کہ یہ کون راوی ہے) اور جریر سے جریر بن عبدالحمید کوفی مراد ہیں، جریر بن حازم مراد نہیں...... اور عطاء بن السائب سے شعبہؒ کی روایت ابوداؤد (حدیث ۳۷۷۲) میں ہے، اور ثوری کی روایت مسند احمد (۱: ۲۷۰) میں ہے...... حَافَة: کنارہ، تثنیہ کی کچھ خصوصیت نہیں، چنانچہ بعض کتابوں میں مفرد ہے اور بعض میں جمع۔

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الثُّوْمِ وَالْبَصَلِ

لہسن پیاز کھانے کی کراہیت

ثُوم (لہسن) بَصَل (پیاز) کُرَّاث (گندنا، ایک ترکاری جو پیاز لہسن سے مشابہ ہوتی ہے) فُجْل (مولی) ایسی سبزیاں اگر تنہا کافی مقدار میں کھائی جائیں تو گندی ڈکاریں آتی ہیں، اسی طرح بیڑی، سگریٹ پینے سے بھی منہ سے بدبو آتی ہے: ایسی چیزیں کھا پی کر مسجد میں آنا منع ہے، اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور مصلیوں کو بھی۔ البتہ سلاد کے طور پر یہ چیزیں کھانے کے ساتھ کھائی جائیں تو بدبو نہیں آتی، اس لئے جائز ہے، نیز پکا کر کھائی جائیں تو بھی بدبو مر جاتی ہے اس لئے جائز ہے، اور ان کو کھا کر مسجد میں آسکتے ہیں، اسی طرح جس کے منہ سے بدبو آتی ہو یا کوئی بدبودار زخم ہو تو اس کو بھی مسجد میں نہیں آنا چاہئے اور مسجد کے حکم میں دیگر اجتماعات بھی ہیں جیسے سبق کی مجلس، ذکر کی مجلس یا دیگر تقریبات: سب کا یہی حکم ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اس میں سے کھایا ـــــ ابن جریج نے پہلی مرتبہ صرف لہسن کا ذکر کیا پھر لہسن، پیاز اور گندنا کا ذکر کیا ـــــ پس وہ ہماری مسجد کے نزدیک نہ آئے''یعنی ھذہ کا مشار الیہ ایک مرتبہ صرف لہسن کو قرار دیا اور دوسری مرتبہ حدیث بیان کی تو تین چیزوں کا نام لیا۔ اور مسجد نبوی کی کچھ تخصیص نہیں، سب مساجد کا یہی حکم ہے۔

[۱۳-] باب ماجاء في كراهية أَكْلِ الثُّوْمِ وَالْبَصَلِ

[۱۸۰۰-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ، عَنْ ابنِ جُرَيْجٍ، ثَنَا عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ - قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ: الثُّوْمِ، ثُمَّ قَالَ: الثُّوْمِ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ - فَلاَ يَقْرَبْنَا فِيْ مَسَاجِدِنَا"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وأَبِيْ أَيُّوْبَ، وأَبِيْ هريرةَ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَجَابِرِ بنِ سَمُرَةَ، وَقُرَّةَ، وابنِ عُمَرَ.

بابُ ماجاء في الرُّخْصَةِ فِيْ أَكْلِ الثُّوْمِ مَطْبُوْخًا

پکایا ہوا لہسن کھانا جائز ہے

گذشتہ باب میں مسئلہ گذر چکا ہے کہ پکا ہوا لہسن پیاز وغیرہ کھانا جائز ہے، کیونکہ پکانے سے ان کی بو مر جاتی ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے اس باب میں پانچ روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت مصری نسخہ میں گذشتہ باب کے آخر میں ہے۔

حدیث (۱): حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں مہمان ہوئے، آپؐ کا کھانا میزبان کے گھر سے پک کر آتا تھا، جب آپؐ کھانا نوش فرماتے تو کچھ بچا کر حضرت ابو ایوبؓ کے پاس بھیجتے، ایک دن میزبان نے کھانا بھیجا، آپؐ نے نوش نہیں فرمایا، ویسا ہی واپس کر دیا، حضرت ابو ایوبؓ حاضر خدمت ہوئے اور وجہ پوچھی، آپؐ نے فرمایا: ''اس میں لہسن تھا'' انھوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا وہ حرام ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، مگر مجھے اس کی بو پسند نہیں'' یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے مگر اس کا تعلق گذشتہ باب سے تو ظاہر ہے اور اس باب سے اس کا تعلق اس طرح قائم کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے اس کی بو ناپسند کی، پس اگر پکا کر اس کی بو زائل کر دی جائے تو کھانے میں کچھ حرج نہیں۔

دوسری اور تیسری حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟ اس میں اختلاف ہے، دوسری حدیث میں نُهِيَ: فعل مجہول ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں: لہسن کھانے کی ممانعت کی گئی مگر پکا ہوا جائز ہے، ظاہر ہے ممانعت نبی ﷺ ہی کی جانب سے ہوسکتی ہے، پس یہ حدیث مرفوع ہوئی اور تیسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے لہسن کھانے کو ناپسند کیا مگر پکے ہوئے کو مستثنیٰ کیا، اب یہ حدیث موقوف ہوگئی، یہ دونوں روایتیں شریک بن حنبل کی ہیں، بلکہ ان کی ایک مرسل روایت بھی ہے یعنی وہ براہ راست نبی ﷺ سے یہ بات روایت کرتے ہیں، اسی اختلاف کی وجہ سے امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی اسناد قوی نہیں۔

چوتھی حدیث: ام ایوب کہتی ہیں: نبی ﷺ ان کے مہمان ہوئے، ایک دن انھوں نے آپؐ کے لئے اہتمام سے کھانا پکایا جس میں ان ترکاریوں میں کوئی ترکاری تھی، پس آپؐ نے اس کو کھانا پسند نہ کیا، اور آپ نے صحابہ سے فرمایا: ''آپ لوگ کھائیں، میرا معاملہ آپ لوگوں جیسا نہیں ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ میں اپنے ساتھی (جبرئیل) کو تکلیف پہنچاؤں!'' یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی وقت آسکتے ہیں، پس اگر ان کو بو محسوس ہوئی تو ان کو تکلیف ہوگی، اس لئے میں یہ نہیں کھاتا۔

پانچویں روایت: ابوالعالیہ فرماتے ہیں: لہسن پاکیزہ (حلال) رزق ہے۔ ابوالعالیہ جلیل القدر تابعی ہیں، ان کا نام رُفیع اور نسبت ریاحی ہے، ان سے یہ روایت ابوخلدہ کرتے ہیں، ان کا نام خالد بن دینار ہے، وہ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے اور ان سے حدیث سنی ہے، ان کے بارے میں عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں: ابوخلدۃ نیک مسلمان تھے۔

فائدہ: اس باب کی روایات میں اضطراب ہے، سب روایات باب سے واضح طور پر متعلق نہیں، پہلی روایت تو اللہ جانے گذشتہ باب کی ہے یا اس باب کی؟ اس باب سے اس کا تعلق تکلف ہی سے قائم کیا جا سکتا ہے اور دوسری اور تیسری روایتیں باب سے متعلق ہیں، مگر اللہ جانیں وہ مرفوع ہیں یا موقوف؟ اور آخری روایت تو مقطوع ہے اور چوتھی روایت کا بھی باب سے تعلق نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے پکی ہوئی ترکاری بھی بو کی وجہ سے نوش نہیں فرمائی تھی۔

[١٤-] باب ماجاء فی الرُّخْصَةِ فِیْ أَكْلِ الثُّوْمِ مَطْبُوْخًا

[١٨٠١-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ، أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، سَمِعَ جَابِرَ بنَ سَمُرَةَ، يَقُوْلُ: نَزَلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى أَبِیْ أَيُّوْبَ، وَكَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا بَعَثَ إِلَيْهِ بِفَضْلِهِ، فَبَعَثَ إِلَيْهِ يَوْمًا بِطَعَامٍ، وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم، فَلَمَّا أَتَى أَبُوْ أَيُّوْبَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: " فِيْهِ الثُّوْمُ" فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَحَرَامٌ هُوَ؟ قَالَ: " لَا وَلٰكِنِّیْ أَكْرَهُهُ مِنْ أَجْلِ رِيْحِهِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٨٠٢-] حدثنا مُحمدُ بنُ مُدُّوْيَهْ، ثَنَا مُسَدَّدٌ، ثَنَا الْجَرَّاحُ بنُ مَلِيْحٍ، عَنْ أَبِیْ إِسْحَاقَ، عَنْ شَرِيْكِ بنِ حَنْبَلٍ، عَنْ عَلِیٍّ أَنَّهُ قَالَ: نُهِیَ عَنْ أَكْلِ الثُّوْمِ إِلَّا مَطْبُوْخًا.

وَقَدْ رُوِیَ هٰذَا عَنْ عَلِیٍّ أَنَّهُ قَالَ: نُهِیَ عَنْ أَكْلِ الثُّوْمِ إِلَّا مَطْبُوْخًا قَوْلُهُ.

[١٨٠٣-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِیْ إِسْحَاقَ، عَنْ شَرِيْكِ بنِ حَنْبَلٍ، عَنْ عَلِیٍّ: أَنَّهُ كَرِهَ أَكْلَ الثُّوْمِ إِلَّا مَطْبُوْخًا.

هٰذَا حديثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ الْقَوِيِّ، وَرُوِيَ عَنْ شَرِيْكِ بنِ حَنْبَلٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلًا.

[١٨٠٤-] حدثنا الْحَسَنُ بنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّارُ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ يَزِيْدَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أُمِّ أَيُّوْبَ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَزَلَ عَلَيْهِمْ، فَتَكَلَّفُوْا لَهُ طَعَامًا فِيْهِ مِنْ بَعْضِ هٰذِهِ الْبُقُوْلِ، فَكَرِهَ أَكْلَهُ، فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ: " كُلُوْهُ، فَإِنِّيْ لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ، إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ أُوْذِيَ صَاحِبِيْ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، وَأُمُّ أَيُّوْبَ: هِيَ امْرَأَةُ أَبِيْ أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ.

[١٨٠٥-] حدثنا مُحمدُ بنُ حُمَيْدٍ، ثَنَا زَيْدُ بنُ الْحُبَابِ، عَنْ أَبِيْ خَلْدَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، قَالَ: الثُّوْمُ مِنْ طَيِّبَاتِ الرِّزْقِ.

وأَبُوْ خَلْدَةَ: اسْمُهُ خَالِدُ بنُ دِيْنَارٍ، وَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ، وَقَدْ أَدْرَكَ أَنَسَ بنَ مَالِكٍ، وَسَمِعَ مِنْهُ؛ وَأَبُوْ الْعَالِيَةِ: اسْمُهُ رُفَيْعٌ، وَهُوَ الرِّيَاحِيُّ، قَالَ عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ: كَانَ أَبُوْ خَلْدَةَ خِيَاراً مُسْلِمًا.

ترجمہ: پہلی حدیث:قوله: وكان إذا أكل طعامًا: اور نبی ﷺ جب کوئی کھانا کھاتے تو ابوایوبؓ کی طرف اس کا بچاہوا بھیجتے، یعنی کچھ بچا کر بھیجتے تاکہ وہ تبرک استعمال کریں، یہ حدیث تبرکات کی اصل ہے، پس نبی ﷺ نے ابوایوبؓ کی طرف ایک دن ایک کھانا بھیجا درانحالیکہ آپؐ نے اس میں سے نہیں کھایا تھا، پس جب ابوایوبؓ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تو انھوں نے یہ بات آپؐ سے ذکر کی کہ یارسول اللہ! آج آپؐ نے فلاں آئیٹم بالکل نہیں کھایا، کیا وجہ ہے؟ پس آپؐ نے فرمایا: ''اس میں لہسن تھا'' یہ لہسن کچا تھا یا پکا؟ اگر کچا تھا تو یہ حدیث گذشتہ باب کی ہے اور حدیث کا آخری جملہ کہ ''لہسن حرام نہیں، مگر میں اس کو اس کی بو کی وجہ سے ناپسند کرتا ہوں'' اس طرف مشیر ہے کہ وہ کچا تھا، کیونکہ پکانے سے اس کی بو مر جاتی ہے...... اور اگر پکا ہوا تھا جیسا کہ باب کی چوتھی حدیث سے معلوم ہوتا ہے (وہ حدیث اور یہ حدیث ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں) تو بھی یہ حدیث باب سے غیر متعلق ہے، کیونکہ اس میں رخصت (اجازت) نہیں ہے۔

وضاحت: مَدُّوْيَهْ کے آخر میں ہ ہے تاء نہیں ہے، جیسے سیبویہ کے آخر میں ہ ہے...... اور جَرَّاح: حضرت وکیع کے والد ہیں اور معمولی راوی ہیں...... قوله: وقد رُوِيَ: یہ حدیث اگلے نمبر پر آرہی ہے...... عبيد الله بن أبی يزيد: ہندوستانی نسخہ میں عبد اللہ (مکبّر) ہے، جو غلط ہے، تصحیح مصری نسخہ سے کی ہے، یہ مولی آل قارظ ہیں، ثقہ ہیں اور کثیر الحدیث ہیں...... أخبرته: ام ایوب نے عبید اللہ کو بتلایا...... تکلّفوا یعنی اہتمام سے کھانا بنایا...... قوله: كلوه: اس سے معلوم ہوا کہ پکنے سے بھی اگر بو نہ مری ہو تو اس کا کھانا بہتر نہیں...... خِيَاراً: چنیدہ، منتخب۔

بابُ ماجاء فی تَخْمِيْرِ الإِنَاءِ، وَإِطْفَاءِ السِّرَاجِ وَالنَّارِ عِنْدَ الْمَنَامِ

برتن ڈھانکنے اور سوتے وقت چراغ اور آگ بجھانے کا بیان

برتن سے مراد: وہ برتن ہے جس میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہو، اور اسی مناسبت سے یہ باب: ابواب الاطعمہ میں آیا ہے، اور حدیث میں چار حکم مع وجوہ ہیں:

پہلا حکم: أَغْلِقُوْا الْبَابَ: دروازہ بھیڑ لو یعنی رات میں بسم اللہ پڑھ کر گھر کا دروازہ بند کرلو فَإِنَّ الشيطانَ لَايَفْتَحُ غُلُقًا: اس لئے کہ شیطان کسی بھی بند چیز کو نہیں کھولتا، یعنی بسم اللہ پڑھ کر دروازہ بند کیا جائے تو شیطان اس کو نہیں کھول سکتا، اسی طرح کھانے کا برتن وغیرہ بسم اللہ پڑھ کر بند کیا جائے تو شیطان اس کو نہیں کھول سکتا...... اور غُلُق (بضمتین) بمعنی مغلق ہے۔

سوال: شیطان گھر میں آنے کے لئے دروازے کا محتاج نہیں، وہ تو کسی بھی طرح گھر میں آسکتا ہے۔

جواب: نہیں، اگر بسم اللہ پڑھ کر دروازہ بند کیا جائے تو پھر شیطان کسی بھی طرح گھر میں نہیں آسکتا، جیسے دعا پڑھ کر آدمی بیت الخلاء میں جائے تو اب شرمگاہ سے شیطان کا پردہ ہو جاتا ہے، اب شیطان کسی بھی طرح ستر کو نہیں دیکھ سکتا۔

علاوہ ازیں: شیطان کے بھائی بند (چور) مکان میں نہیں آئیں گے، اور اگر رات کو دروازہ کھلا چھوڑ دیا تو کوئی بھی گھر میں گھس آئے گا، اس لئے دروازہ بند کر کے سونا چاہئے۔

دوسرا حکم: أَوْكِئُوا السِّقَاءَ: پانی کی مشک کا منہ ڈوری سے باندھ لو۔ وَكَى السِّقَاءَ يَكِيْهَا، وَأَوْكَى: مشکیزے کو ڈوری سے باندھنا...... السِّقَاءَ: پانی کی مشک، دودھ پانی رکھنے کا برتن، جمع أَسْقِية...... لَايُحِلُّ وِكَاءً: شیطان اس ڈوری کو نہیں کھولتا جو بسم اللہ پڑھ کر باندھی گئی ہے، علاوہ ازیں اس میں کیڑا وغیرہ بھی نہیں گھستا۔

تیسرا حکم: أَكْفِئُوْا الإِنَاءَ، أَوْ: خَمِّرُوْا الإِنَاءَ: برتن کو اوندھا کردو یا فرمایا: برتن کو ڈھانک دو...... كَفَأَ الإِنَاءَ(ف) كَفْئًا وَأَكْفَأَ الإِنَاءَ: اوندھا کرنا، پلٹنا...... خَمَّرَ الشيئَ: ڈھانکنا...... لَايَكْشِفُ آنيةً: شیطان اس برتن کو نہیں کھولتا جو بسم اللہ پڑھ کر ڈھانکا گیا ہے اور اس میں کوئی کیڑا وغیرہ بھی داخل نہیں ہوتا۔

چوتھا حکم: أَطْفِئُوْا الْمصباحَ: چراغ گل کردو...... أَطْفَأَ النَّارَ: آگ بجھانا...... فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ على الناس بَيْتَهُمْ: پس بیشک چھوٹا شرارتی (چوہا) لوگوں پر ان کا گھر بھڑکا دیتا ہے...... الفويسقة: الفاسقة کی تصغیر ہے۔ فاسق: شرارتی...... أَضْرَمَ النَّارَ: آگ جلانا، سلگانا...... أَضْرَمَ الشيئَ: آگ لگانا...... یعنی چولھے میں آگ ہوگی تو چوہا کوئی چیز کھینچ کر اس میں لائے گا، پھر جب وہ جل جائے گی تو گھسیٹ کر لے چلے گا اور سارا گھر جلا دے گا۔ یہی حکم بجلی کے بلب کا ہے، رات میں اس کے ذریعہ بھی آگ لگ سکتی ہے، میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آچکا ہے۔

میں جب ہدایہ اولین پڑھتا تھا تو گلکدہ میں کمرہ کرایہ پر لے کر رہتا تھا، دیوار پر کیلنڈر تھا اور اس سے لگ کر قمقمہ لٹک رہا تھا، میں بجلی جلتی چھوڑ کر سو گیا، رات میں وہ کیلنڈر جلا اور اس کے ٹکڑے میرے لحاف پر گرے اور آدھا لحاف جل گیا تب میری آنکھ کھلی، الحمدللہ! اللہ نے میری حفاظت فرمائی، اس لئے بجلی بھی جلتی نہیں چھوڑنی چاہئے۔

باب میں دوسری حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے: لاتَتْرُكُوْا النارَ فی بیوتکم حینَ تَنَامُوْنَ: جب رات میں سوؤ تو اپنے گھروں میں آگ مت چھوڑو یعنی اس کو بجھا کر سوؤ۔

[۱۵-] باب ماجاء فی تَخْمِيْرِ الإِنَاءِ وَإِطْفَاءِ السِّرَاجِ وَالنَّارِ عِنْدَ الْمَنَامِ

[۱۸۰۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيْ الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ النبیُّ صلی الله علیه وسلم: " أَغْلِقُوْا الْبَابَ، وَأَوْكِئُوْا السِّقَاءَ، وَأَكْفِئُوْا الإِنَاءَ أَوْ: خَمِّرُوْا الإِنَاءَ، وأَطْفِئُوْا الْمِصْبَاحَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ غُلُقًا، وَلَا يُحِلُّ وِكَاءً، وَلَا يَكْشِفُ آنِيَةً، فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلَى النَّاسِ بَيْتَهُمْ"

وفی الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وأَبِیْ هُرَیرةَ، وابنِ عباسٍ، هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَقَدْ رُوِیَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرٍ.

[۱۸۰۷-] حدثنا ابنُ أَبِیْ عُمَرَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: " لَا تَتْرُكُوْا النَّارَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ حِيْنَ تَنَامُوْنَ" هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

ملحوظہ: پہلی حدیث کے آخر میں فإنَّ الفویسقة مصری نسخہ میں وإن الفویسقة ہے یعنی فاء کے بجائے واو ہے اور وہ زیادہ مناسب ہے، اس صورت میں لف ونشر مرتب ہو جائے گا، یعنی چار احکام اور ان کی بالترتیب وجوہ کا بیان ہوگا۔

بابُ ماجاء فی كَرَاهِيَةِ الْقِرَانِ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ

دو کھجوریں ایک ساتھ کھانے کی کراہیت

اگر اجتماعی طور پر کھانا یا کوئی دوسری چیز کھائی جا رہی ہو تو ادب یہ ہے کہ دوسروں کو ترجیح دی جائے، خود کم کھائے اور دوسروں کو زیادہ کھانے کا موقع دے، اور اگر ایسا نہ کرے تو کم از کم انصاف سے کام لے، خود جلدی جلدی کھانا یا بڑے بڑے لقمے لینا یا دو دو کھجوریں یا انگور ایک ساتھ کھانا حرص کی علامت ہے اور خود غرضی کی بات ہے، جو اسلامی اخلاق کے منافی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر دو کھجوریں ایک ساتھ کھانے سے منع فرمایا۔

تشریح: اگر کسی کو جلدی ہو یا بھوک زیادہ ہو تو ساتھیوں سے اجازت لے کر دو کھجوریں ساتھ کھانا جائز ہے، ادب کے خلاف نہیں، کیونکہ اس ممانعت کی وجہ ساتھیوں کی کبیدگی ہے، اور اجازت کی صورت میں اس کا احتمال نہیں۔

فائدہ: ابن شاہین کی کتاب الناسخ والمنسوخ میں ایک مرفوع حدیث ہے: كنتُ نهيتُكم عن القِران في التمر، وإن الله وَسَّعَ عليكم فاقْرِنُوْا: میں نے آپ لوگوں کو کھجوریں ملا کر کھانے سے منع کیا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے وسعت کردی ہے، پس ملا کر کھاؤ۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۹: ۵۷۱) میں فرمایا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور ممانعت کی حدیث اصح اور اشہر ہے، اس لئے علماء نسخ کے قائل نہیں۔

[۱۶-] باب ماجاء في كراهية الْقِرَانِ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ

[۱۸۰۸-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ أَحْمَد الزُّبَيْرِيُّ، وَعُبَيْدُ اللهِ، عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ جَبَلَةَ بنِ سُحَيْمٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ قَالَ: " نَهَى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَقْرِنَ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ حَتَّى يَسْتَأْذِنَ صَاحِبَهُ"

وفي الباب: عَنْ سَعْدٍ مَوْلَى أَبِيْ بَكْرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ملحوظہ: حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ حضرت سعدؓ کی حدیث ابن ماجہ (حدیث ۳۳۳۲) میں ہے۔

بابُ ماجاء في اسْتِحْبَابِ التَّمْرِ

کھجور کی پسندیدگی

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: بَيْتٌ لَا تَمْرَ فِيْهِ جِيَاعٌ أَهْلُهُ: جس گھر میں کھجور نہیں: وہ گھر والے بھوکے ہیں۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے کھجور کا استحباب سمجھا ہے یعنی کھجور گھر میں ضرور ہونی چاہئے، مگر دنیا میں ہر جگہ کھجور دستیاب نہیں، یا بہت گراں ہے پھر حدیث پر عمل کیسے کیا جا سکتا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نظام خانہ داری میں یہ بات شامل ہے کہ گھر میں کوئی معمولی چیز جو بازار میں سستی ملتی ہو: رہنی چاہئے، جیسے مدینہ میں کھجوریں اور ہمارے دیار میں گاجریں وغیرہ، تاکہ اگر ناوقت کسی کو بھوک لگے اور گھر میں کھانا ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ گھر میں اس موجود چیز سے ضرورت پوری کرلی جائے گی، اور اگر لوگ اس بات کا اہتمام نہیں کریں گے تو کسی بھی وقت بھوک ان کو ستائے گی اس کی نظیر: لاون ہے، سرکہ اچار وغیرہ کچھ نہ کچھ گھر میں رہنا چاہئے، تاکہ بوقت ضرورت اس سے کام چلایا جا سکے (رحمۃ اللہ ۵: ۴۸۴)

[١٧-] باب ماجاء في اسْتِحْبَابِ التَّمْرِ

[١٨٠٩-] حدثنا مُحمدُ بنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، قَالاَ: ثَنَا يَحْيىَ بنُ حَسَّانٍ، ثنَا سُلَيْمَانُ بنُ هِلاَلٍ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "بَيْتٌ لَا تَمْرَ فِيْهِ جِيَاعٌ أَهْلُهُ"

وفي الباب: عَنْ سَلْمَى امْرَأةِ أَبِيْ رَافِعٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، لاَنَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

ملحوظہ: سلمیٰؓ کی روایت ابن ماجہ (حدیث ۳۳۲۸) میں ہے۔

بابُ ماجاء في الْحَمْدِ عَلَى الطَّعَامِ إِذَا فَرَغَ مِنْهُ

کھانے سے فارغ ہوکر اللہ کی حمد کرنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یقیناً بندے کی اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ وہ کوئی کھانا کھائے یا کچھ پیئے پھر وہ اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے۔

تشریح: کھانے پینے کے بعد اللہ کی حمد کرنا مستحب ہے اور روایات میں حمد کے بہت سے جملے آئے ہیں، لیکن اگر کوئی صرف الحمد للہ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں یا اردو میں: اللہ تیرا شکر! کہہ لے تو اصل سنت ادا ہوجائے گی۔

[١٨-] باب ماجاء في الحمدِ عَلَى الطَّعَام إذا فَرَغَ مِنْهُ

[١٨١٠-] حدثنا هَنَّادٌ، وَمَحمودُ بنُ غَيْلاَنَ، قَالاَ: ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ زَكَرِيَّا بنِ أَبِيْ زَائِدَةَ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الأَكْلَةَ، أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ، فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا"

وفي الباب: عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِيْ أَيُّوْبَ، وَأَبِيْ هُرِيرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عِنْ زَكَرِيَّا بنِ أَبِيْ زَائِدَةَ نَحْوَهُ، وَلاَ نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ زَكَرِيَّا بنِ أَبِيْ زَائِدَةَ.

لغات: الْأُكْلَة (بضم الهمزة) لقمہ اور (بفتح الهمزة) ایک بار کھانا ...... الشَّرْبَة (بالفتح فقط) پینا ...... أن یأکل: لیرضی کا مفعول بہ ہے، أی یُحِبُّ منه أن یأکل فیحمده یعنی اللہ کو بندے کا وہی کھانا پینا پسند ہے جس پر وہ اللہ کی تعریف کرے۔

باب ماجاء في الأَكْلِ مَعَ المَجْذُوْمِ

کوڑھی کے ساتھ کھانے کا بیان

جذام: (کوڑھ) ایک مرض ہے جو فسادِ خون سے پیدا ہوتا ہے، اس میں یا تو بدن پر سفید دھبے پڑ جاتے ہیں تو وہ برص کہلاتا ہے، یا اعضاء پر ورم ہو کر انگلیاں وغیرہ سڑنے گلنے اور گرنے لگتی ہیں، تو اس کو جذام کہتے ہیں۔ اور مسئلہ پہلے أبو اب السیر کے آخر میں باب ماجاء في الطِّيَرَة میں آچکا ہے کہ عدوی: یعنی ایک کی بیماری خود بخود دوسرے کو لگنے کا خیال اسلام کے عقیدۂ توحید کے منافی ہے، اللہ کی کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے: اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، یہ دنیا آٹو میٹک (خود کار) نہیں ہے، نہ اسباب خود کار ہیں، بلکہ وہ مسبب الاسباب کے حکم کے تابع ہیں، البتہ بعض بیماریوں میں مریض کے ساتھ اختلاط منجملۂ اسباب مرض ہے اور اسباب اختیار کرنے کا شریعت کا حکم ہے پس احتیاط چاہئے، مگر اتنی بھی احتیاط نہیں چاہئے کہ اسباب خدا بن جائیں۔

اور احادیث میں قولی اور فعلی حدیثوں میں ان دونوں پہلوؤں کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک طرف فرمایا: لا عَدْوَی: کوئی بیماری بذاتِ خود کسی کو نہیں لگتی، اور باب میں روایت ہے کہ آپؐ نے ایک کوڑھی کو اپنے ساتھ کھلایا اور دوسری طرف متفق علیہ روایت ہے کہ کوڑھی سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو، اور بنو ثقیف کے وفد میں ایک کوڑھی آیا تھا، آپؐ نے اس کو کہلوا دیا کہ لوٹ جاؤ، آپؐ نے اپنے پاس اس کو نہیں آنے دیا، یہ دونوں پہلوؤں کو جمع کرنے کی تعلیم ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑا، پس اس کو اپنے ساتھ بڑے پیالے میں داخل کیا، پھر فرمایا: ''کھا، اللہ کے نام سے (شروع کر) اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے''

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، سند کا ایک راوی مفضل بن فضالہ ابو مالک بصری (مبارک بن فضالہ کا بھائی) ضعیف ہے (اور ایک دوسرا راوی مفضل بن فضالہ قِتبانی مصری ہے وہ ثقہ ہے، وہ اس سند میں نہیں ہے)

اور امام شعبہ رحمہ اللہ اس روایت کو حبیب بن الشہید سے روایت کرتے ہیں، پھر وہ عبداللہ بن بریدۃ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑا الی آخرہ۔ یہ حدیث منقطع ہے عبداللہ نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا، مگر امام ترمذیؒ نے اسی روایت کو اصح کہا ہے یعنی حدیث میں جو واقعہ ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے، بلکہ حضرت عمرؓ کا ہے۔ حالانکہ شعبہؒ کی روایت معلوم نہیں کس کتاب میں ہے اور باب کی روایت سنن اربعہ میں ہے، اگرچہ اس میں مفضل ضعیف راوی ہے، مگر وہ روایت بہر حال کتابوں میں ہے، پس اسی کو اصح کہنا چاہئے تھا۔

[۱۹-] باب ماجاء في الأَكْلِ مَعَ الْمَجْذُوْمِ

[۱۸۱۱-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ سَعِيْدٍ الأَشْقَرُ، وَإِبْرَاهِيْمُ بنُ يَعْقُوْبَ، قَالَا: ثَنَا يُوْنُسُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا الْمُفَضَّلُ بنُ فَضَالَةَ، عَنْ حَبِيْبِ بنِ الشَّهِيْدِ، عَنْ مُحمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم أَخَذَ بِيَدِ مَجْذُوْمٍ، فَأَدْخَلَهُ مَعَهُ فِي الْقَصْعَةِ، ثُمَّ قَالَ: " كُلْ، بِسْمِ اللهِ، ثِقَةً بِاللهِ، وَتَوَكُّلًا عَلَيْهِ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ يُوْنُسَ بنِ مُحمدٍ، عَنِ الْمُفَضَّلِ بنِ فَضَالَةَ، وَالْمُفَضَّلُ بنُ فَضَالَةَ هٰذَا: شَيْخٌ بَصْرِيٌّ، وَالْمُفَضَّلُ بنُ فَضَالَةَ: شَيْخٌ آخرُ مِصْرِيٌّ، أَوْثَقُ مِنْ هٰذَا وَأَشْهَرُ.

وَرَوَى شُعْبَةُ هٰذَا الحديثَ عَنْ حَبِيْبِ بنِ الشَّهِيْدِ، عَنِ ابنِ بُرَيْدَةَ: أَنَّ عُمَرَ أَخَذَ بِيَدِ مَجْذُوْمٍ، وَحَدِيْثُ شُعْبَةَ أَشْبَهُ عِنْدِيْ وَأَصَحُّ.

ترکیب: ثقةً باللہ اور توکلًا علیہ: کُلْ کی ضمیر فاعل سے حال ہیں یعنی اللہ پر بھروسہ کر اور اعتماد کر اور کھا (مجھے ان شاء اللہ کوئی ضرر نہیں پہنچے گا) ...... حدیث کو سمجھنے کے لئے ایک فرضی مثال یہ ہے: مجمع میں ایک کوڑھی تھا، جب کھانے بیٹھے تو اس کو کوئی اپنے ساتھ کھلانے کے لئے تیار نہیں تھا، وہ بیچارہ مایوس کھڑا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ پیالہ میں شریک کرلیا...... أدخله کی ضمیر یدٌ (مؤنث سماعی) کی طرف لوٹتی ہے بتاویل عضو۔ اور اس ترکیب کی صورت میں الکوکب الدری میں ایک سوال وجواب ہے:

سوال: اللہ پر توکل واعتماد کی ضرورت تو اس کو ہوتی ہے جو کوڑھی کو اپنے ساتھ کھلا رہا ہے، تعدیہ کا اندیشہ اور اس سے بچنے کی فکر تو اسی کو لاحق ہونی چاہئے نہ کہ مجذوم کو، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ تعلیم کیوں دی؟

جواب: کبھی مبتلا کو بھی اس کی حاجت ہوتی ہے، کیونکہ جس طرح کوڑھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کھا کر اس کی بیوی بچے اس مرض میں مبتلا ہوں، اسی طرح وہ یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ اپنے محبوب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ شریک طعام ہوکر اس کو مرض میں مبتلا کرے، اس لئے آپؐ کو تو توکل واعتماد کی دولت حاصل تھی ہی مجذوم کو بھی اس کی تعلیم دی کہ میاں بے فکر ہوکر میرے ساتھ کھاؤ، مجھے ان شاء اللہ کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

دوسری ترکیب: اور اگر ثقةً مصدر بمعنی وثوق ہو اور وہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہو أی كُلْ معی أَثِقُ بالله أی أعتمدُ علیه، وأُفَوِّضُ أمری إليه، وأتوكل عليه: یعنی میرے ساتھ کھا، میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں یعنی اس پر اعتماد کرتا ہوں اور اپنا معاملہ اسی کو سونپتا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں...... اس ترکیب کی صورت میں کوئی سوال وجواب نہیں ہوگا۔

ملحوظہ: ابن بریدة: جب بھی مبہم ہوتا ہے تو عبداللہ بن بریدة بن الحصیب مراد ہوتا ہے اور سلیمان بن بریدة کا

نام مذکور ہوتا ہے یہ دونوں بھائی ثقہ راوی ہیں، دونوں مرو کے قاضی تھے۔

بابُ ماجاء أَن المُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ

مؤمن ایک آنت کھاتا ہے اور کافر سات آنتیں!

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: الكافِرُ يَأْكُلُ في سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ، والمؤمنُ يأكلُ في مِعًى واحدٍ: کافر سات آنتیں کھاتا ہے اور مؤمن ایک آنت کھاتا ہے۔

تشریح: یہاں ایک دُوہرا اعتراض ہے کہ یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے، بعض کافر کم کھاتے ہیں اور بعض مؤمن زیادہ، نیز کھانا اولاً معدہ میں جاتا ہے، پھر فضلہ انتڑیوں میں جاتا ہے اور انتڑیاں کافر اور مؤمن کی یکساں ہیں۔

اس کا جواب: یہ ہے کہ حدیث میں تمثیل ہے کہ کافر پر پیٹ کی فکر سواری رہتی ہے اور مؤمن پر آخرت کی، مؤمن کی دنیا کی طرف سے بے توجہی قلتِ طعام کا سبب ہوتی ہے، نیز مؤمن کے شایانِ شان بھی کم کھانا ہے، کیونکہ یہ ایمانی خصلت ہے اور کھانے کی حرص کفر کی عادت ہے۔

حدیث (۲): ایک غیر مسلم رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہوا، آپؐ نے اس کے لئے بکری دوہنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ دوہی گئی، پس وہ اس کا دودھ پی گیا، پھر دوسری کے لئے حکم دیا تو وہ بھی دوہی گئی، پس وہ اس کو بھی پی گیا، پھر ایک اور دوہی گئی، اس کا دودھ بھی پی گیا، یہاں تک کہ وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا، پھر آئندہ صبح وہ مسلمان ہوگیا، پس اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک بکری کا حکم دیا، چنانچہ وہ دوہی گئی، پس وہ اس کا دودھ پی گیا، پھر اس کے لئے دوسری بکری دوہنے کا حکم دیا تو وہ اس کو پورا نہ پی سکا، اس موقع پر آپؐ نے فرمایا: ''مؤمن ایک آنت پیتا ہے، اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے''

تشریح: حدیث جملہ خبریہ ہے یعنی اس میں ایک بات کی اطلاع دی گئی ہے، اور ہر خبر انشاء کو متضمن ہوتی ہے، پس خبر تو پیرایۂ بیان ہے، اور انشاء مقصود ہے، اور سات کا عدد تکثیر کے لئے ہے یعنی یہ خبر دی ہے کہ کافر کھانے کا حریص ہوتا ہے اور مؤمن قانع ہوتا ہے، اور آپؐ نے یہ بات عمومی احوال کے اعتبار سے فرمائی ہے، کوئی کلیہ نہیں بیان کیا اور اس سے یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ مؤمن کے شایانِ شان یہ بات ہے کہ وہ بقدر ضرورت کھانے پر اکتفا کرے، زیادہ کھانا اس کے لائق نہیں۔

[۲۰-] باب ماجاء أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ

[۱۸۱۲-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: '' الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ، وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ''

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وفي الباب:عَنْ أَبِيْ هُرِيرةَ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وأَبِيْ بَصْرَةَ، وَأَبِيْ مُوْسَى، وَجَهْجَاهِ الغِفَارِيِّ، وَمَيْمُوْنَةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو.

[١٨١٣-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مُوْسَى، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم ضَافَهُ ضَيْفٌ كَافِرٌ، فَأَمَرَ لَهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِشَاةٍ، فَحُلِبَتْ، فَشَرِبَ، ثُمَّ أُخْرَى، فَحُلِبَتْ، فَشَرِبَهُ، ثُمَّ أُخْرَى فَشَرِبَهُ، حَتَّى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ، ثُمَّ أَصْبَحَ مِنَ الغدِ فَأَسْلَمَ، فَأَمَرَ لَهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِشَاةٍ، فَحُلِبَتْ، فَشَرِبَ حِلَابَهَا، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِأُخْرَى، فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ، وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِيْ سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء فی طَعَامِ الْوَاحِدِ يَكْفِيْ الِاثْنَيْنِ

ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہے

مکارم اخلاق میں سے صفت ''ایثار'' ہے، یعنی دوسرے کے نفع کو اپنے نفع سے مقدم رکھنا، اور ایثار کا اعلی درجہ وہ ہے جس کا ذکر سورۃ الحشر (آیت ۹) میں آیا ہے: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ یعنی وہ اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان کا فاقہ ہی ہو، اور اس کا ادنی درجہ وہ ہے جو اس حدیث میں ہے کہ دوسرے کو کھانے میں شریک کرلیا جائے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''دو کا کھانا تین کے لئے کافی ہے، اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہے''

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایک کا کھانا دو کے لئے کفایت کرتا ہے، اور دو کا کھانا چار کے لئے کفایت کرتا ہے، اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کفایت کرتا ہے''

تشریح: دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ ایک کا کھانا جس سے وہ شکم سیر ہو جائے اگر دو شخص کھائیں تو دونوں کا دال دلیا ہو جائے گا یعنی کام چل جائے گا، پس ایسی صورت پیش آئے تو بے تکلف دوسرے کو کھانے میں شریک کرلیا جائے یہ بھی ایثار کا ایک درجہ ہے۔

[٢١-] باب ماجاء فی طَعَامِ الْوَاحِدِ يَكْفِيْ الِاثْنَيْنِ

[١٨١٤-] حدثنا الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، ح: وَثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "طَعَامُ الِاثْنَيْنِ كَافِي

الثَّلَاثَةِ، وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٨١٥-] وَرَوَى جَابِرٌ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم:" طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ، وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ" حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم بِهٰذا.

ترکیب: پہلی حدیث میں کافی: اسم فاعل ہے، اس کی مابعد کی طرف اضافت بھی ہوسکتی ہے اور اس کو مفعول بھی بنایا جاسکتا ہے، اور دوسری حدیث میں یکفی کا مابعد اس کا مفعول ہے ...... اور الاثنین کے دونوں ہمزہ وصلی ہیں، اس لئے لام کا زیر پڑھیں گے۔

بابُ ماجاء فی أَكْلِ الْجَرَادِ

ٹڈی کھانا جائز ہے

ٹڈی: ایک قسم کا پردار کیڑا ہے جو درختوں اور فصلوں کو نقصان پہنچاتا ہے، میرے بچپن میں ٹڈی دَل آیا تھا، منجد میں اس کا فوٹو ہے، اور ٹڈی بالاجماع حلال ہے اور جمہور کے نزدیک مری ہوئی بھی حلال ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک ذبح ضروری ہے، پھر ذبح کے طریقہ میں اختلاف ہے: کوئی کہتا ہے: سر کاٹ دیا جائے، کوئی کہتا ہے: اگر ہانڈی یا آگ میں گر جائے تو حلال ہے اور اپنی موت مرے یا کسی برتن میں مرے تو حلال نہیں، اور ابن وہیب کہتے ہیں: اس کا پکڑنا ہی ذبح ہے ...... اور جمہور کی دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ: الميتَتَان: الحوتُ والجرادُ، والدَّمَان: الكَبِدُ والطِّحَال: ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں: دو مردار: مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون: جگر اور تلی ہیں (رواہ ابن ماجہ واحمد والدارقطنی، مشکوۃ حدیث ۴۱۳۲ کتاب الصید)

فائدہ: ابوداؤد (حدیث ۳۸۱۲) میں حضرت سلمان فارسی کی روایت ہے: نبی ﷺ سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا؟ آپؐ نے فرمایا: أكثرُ جنودِ اللهِ، لا آكلُه ولا أُحَرِّمُه: ٹڈیاں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لشکر ہیں (جس نے ٹڈی دل دیکھا ہے وہی اس کو سمجھ سکتا ہے) میں نہ اس کو کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں، یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے موصول و مرسل ہونے میں اختلاف ہے اور درج ذیل حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، جس سے حلت ثابت ہوتی ہے، اور طبعی ناپسندیدگی پر بھی اس کو محمول کیا جاسکتا ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ چھ جنگیں لڑی ہیں، ہم ٹڈی کھاتے تھے۔

ملحوظہ: اس روایت میں ابن عیینہ کی روایت میں چھ غزوات ہیں، اور سفیان ثوری کی روایت میں سات اور شعبہؒ کی روایت میں تعداد مذکور نہیں (مگر بخاری اور ابوداؤد میں شعبہ کی روایت میں چھ یا سات میں شک ہے)

[٢٢-] باب ماجاء في أَكْلِ الْجَرَادِ

[١٨١٦-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ يَعْفُوْرَ الْعَبْدِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ أَوْفَى، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْجَرَادِ؟ فَقَالَ: غَزَوْتُ مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم سِتَّ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَّادَ.

هٰكَذَا رَوَى سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي يَعْفُوْرَ هٰذَا الحديثَ، وَقَالَ: سِتَّ غَزَوَاتٍ، وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِيْ يَعْفُوْرَ هٰذَا الحديثَ، وَقَالَ: سَبْعَ غَزَوَاتٍ.

وفي الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ يَعْفُوْرَ: اسْمُهُ وَاقِدٌ، وَيُقَالُ: وَقْدَانُ أَيْضًا، وَأَبُوْ يَعْفُوْرَ الآخَرُ: اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ عُبَيْدِ بنِ نِسْطَاسٍ.

[١٨١٧-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ، وَالْمُؤَمَّلُ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ يَعْفُوْرَ، عَنْ ابنِ أَبِيْ أَوْفَى، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم سَبْعَ غَزَوَاتٍ، نَأْكُلُ الْجَرَادَ.

وَرَوَى شُعْبَةُ هٰذَا الحديثَ عَنْ أَبِيْ يَعْفُوْرَ، عَنْ ابنِ أَبِيْ أَوْفَى، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ، حدثنا بِذٰلِكَ مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ بِهٰذَا.

بابُ ماجاء في أَكْلِ لُحُوْمِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا

مینگنی اور لید کھانے والے چوپایے کے گوشت اور دودھ کا حکم

الجَلَّة: مینگنی اور لید، الجَلَّالَة (اسم مبالغہ) وہ چوپایہ جو مینگنی اور لید بہت کھاتا ہو یعنی اس کا اکثر چارہ یہی ہو، اور اگر اکثر چارہ پاک ہو تو جلالہ نہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ کثرت وقلت کا اعتبار نہیں، بدبو پر مدار ہے، اور الکوکب الدری میں ہے کہ جب نجاست کا اثر پسینے، دودھ اور گوشت میں صاف محسوس ہو تو وہ حرام ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک جلالہ کا گوشت اور دودھ مکروہ تحریمی ہے اور اس کا پسینہ ناپاک ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جلالہ کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

اور جلالہ جانور سے انتفاع کی صورت یہ ہے کہ اس کو روک لیا جائے اور دوسرا چارہ دیا جائے، جب اس کے پسینہ، دودھ اور گوشت کی بدبو ختم ہو جائے تو اب انتفاع جائز ہے اور کتنی مدت باندھ رکھا جائے؟ اس میں اختلاف ہے اور بذل المجہود میں ہے کہ جب تک نجاست کا اثر زائل نہ ہو روکے رکھا جائے۔

مسئلہ: جو جانور کبھی نجاست کھاتا ہو وہ حلال ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے مرغی کھائی ہے اور وہ کبھی نجاست کھاتی ہے (کوکب)

حدیث (۱): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے جلالہ کا گوشت کھانے سے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا۔

حدیث (۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مُجَثَّمَة (نشانہ بنا کر تیروں سے مارے ہوئے جانور) سے اور جلالہ کے دودھ سے اور مشکیزے کے منہ سے پینے سے منع فرمایا۔

تشریح: پہلی حدیث صرف حسن اس لئے ہے کہ ابن ابی نجیح کے تلامذہ میں اختلاف ہے، کوئی عن مجاهد، عن ابن عمر روایت کرتا ہے، اور کوئی عن مجاهد کہہ کر مرسل روایت کرتا ہے، اور کوئی عن مجاهد، عن ابن عباس روایت کرتا ہے، اوز دوسری حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور عبداللہ بن عمرو کی روایت ابو داؤد (حدیث ۳۸۱۰) اور نسائی (حدیث ۴۴۴۷) میں ہے۔ اور مجثمة کا مسئلہ پہلے گذر چکا ہے اور مشکیزے کے منہ سے پینے کی ممانعت آگے آرہی ہے۔

[۲۳-] باب ماجاء في أَكْلِ لُحُومِ الجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا

[۱۸۱۸-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحمدِ بنِ إِسْحَاق، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيْحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ أَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا.

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَبَّاسٍ. هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَرَوَى الثَّوْرِيُّ عَن ابنِ أَبِيْ نَجِيْحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلًا.

[۱۸۱۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ، ثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الْمُجَثَّمَةِ، وَعَنْ لَبَنِ الْجَلَّالَةِ، وَعَنِ الشُّرْبِ مِنْ فِي السِّقَاءِ.

قَالَ مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ: وَثَنَا ابنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ أَبِي عَرُوْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَفِي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو.

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ماکول اللحم جانوروں کے فضلات ناپاک ہیں، ورنہ جلالہ کی ممانعت نہ کی جاتی۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور تحفۃ الالمعی (۱:۳۱۶) میں آچکا ہے۔

بابُ ماجاء في أَكْلِ الدَّجَاجِ

مرغی کھانے کا بیان

مرغی: بالاتفاق حلال ہے، البتہ نجاست خور مرغی میں بحث ہے کہ وہ جلالہ کے دائرہ میں آتی ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ اس کو بھی جلالہ کی حدیث کے تحت لاتے ہیں، اور کچھ لوگ جلالہ کو چوپایے کے ساتھ خاص رکھتے ہیں، اور صحیح یہ ہے کہ خاص نہیں چنانچہ جو کوّا صرف مردار کھاتا ہے وہ اسی حدیث سے حرام ہے، مگر مرغی عام طور پر خلط کرتی ہے یعنی کبھی نجاست کھاتی ہے اور عام طور پر غلہ دانہ چگتی ہے، اور خلط کرنے والا جانور حلال ہے۔

حدیث: زہدم کہتے ہیں: میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، ان کے پاس کھانے میں مرغی کا گوشت آیا، مجمع میں سے ایک آدمی پیچھے ہٹ گیا، حضرت ابوموسیٰ نے اس سے ہٹنے کی وجہ دریافت کی، اس نے عرض کیا: میں نے مرغی کو گندگی کھاتے دیکھا ہے، اس لئے میں نے مرغی نہ کھانے کی قسم کھالی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا: قریب آؤ (اور کھاؤ) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغی کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔

[٢٤-] باب ماجاء في أَكْلِ الدَّجَاجِ

[١٨٢٠-] حدثنا زَيْدُ بنُ أَخْزَمَ، ثَنَا أَبُوْ قُتَيْبَةَ، عَنْ أَبِي الْعَوَّامِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زَهْدَمٍ الجَرْمِيِّ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى أَبِيْ مُوْسَى، وَهُوَ يَأْكُلُ دَجَاجَةً، فَقَالَ: ادْنُ فَكُلْ، فَإِنِّي رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ زَهْدَمٍ، وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ زَهْدَمٍ، وأَبُوْ الْعَوَّامِ: هُوَ عِمْرَانُ الْقَطَّانُ.

[١٨٢١-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ زَهْدَمٍ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، قَالَ: رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ، وَفِي الحديثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وَقَدْ رَوَى أَيُّوْبُ السَّخْتِيَانِيُّ هٰذَا الحَدِيثَ عَنِ الْقَاسِمِ التَّمِيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ.

لغت: الدجاج اور الديك: مرغا ...... الدَّجَاجة: مرغی ...... عمران بن دَاور ابوالعوام القطان البصری: معمولی درجہ کا راوی ہے اور وہ غلطیاں بھی کرتا ہے، اس لئے اس کی سند سے حدیث صرف حسنٌ ہے، اور دوسری سند سے حسنٌ صحیحٌ ہے ...... دوسری حدیث میں زائد کلام بخاری و مسلم اور شمائل میں ہے، اوپر اسی کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

بابُ ماجاء فی أَكْلِ الْحُبَارَى

حُباری کے کھانے کا بیان

حباری: تیتر جیسا ایک پرندہ ہے، البتہ اس کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں، ہمارے علاقہ میں نہیں ہوتا، منجد میں اس کا فوٹو ہے، یہ پرندہ بے وقوفی میں مشہور ہے، مثل ہے: كلُّ شيئٍ يُحِبُّ ولدَه حتى الحبارى: یعنی حباری: بے وقوفی کے باوجود اپنے چوزے سے محبت کرتا ہے اور اس کو اڑنا سکھاتا ہے۔ حباری بالاتفاق حلال ہے۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ حباری کا گوشت کھایا ہے، یہ حدیث ضعیف ہے، عقیلی اور ابن حبان نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے (قاله الحافظ فی التلخیص) ابراہیم بن عبدالرحمٰن: صدوق لہ مناکیر اور ابراہیم بن عمر جس کا لقب بُریہ ہے: وہ مستور ہے۔

[۲۵-] باب ماجاء فی أَكْلِ الْحُبَارَى

[۱۸۲۲-] حدثنا الفَضْلُ بنُ سَهْلٍ الأَعْرَجُ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ مَهْدِيٍّ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بنِ عُمَرَ بنِ سَفِيْنَةَ، عَن أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: أَكَلْتُ مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَحْمَ حُبَارَى.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وإِبْرَاهِيْمُ بنُ عُمَرَ بنِ سَفِيْنَةَ: رَوَى عَنْهُ ابنُ أَبِي فُدَيْكٍ، وَيَقُوْلُ: بُرَيْهِ بنِ عُمَرَ بنِ سَفِيْنَةَ.

وضاحت: بُرَيْه: یا تو ابراہیم کا لقب ہے یا ابراہیم کی تصغیر ہے، ابن ابی فدیک: اپنی روایت میں یہی لقب استعمال کرتے تھے۔

بابُ ماجاء فی أَكْلِ الشِّوَاءِ

بھنا ہوا گوشت کھانے کا بیان

الشِّوَاء: بھنا ہوا گوشت کھانا جائز ہے، نبی ﷺ سے اس کا کھانا ثابت ہے، پس یہ بات دینداری کے منافی نہیں، نہ یہ بات تعیش کے زمرے میں آتی ہے، حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: میں نے بکری کا بھنا ہوا پہلو نبی ﷺ سے نزدیک کیا یعنی آپؐ کے سامنے رکھا، پس آپؐ نے اس میں سے نوش فرمایا، پھر آپ نماز کے لئے اٹھے اور وضو نہیں کی معلوم ہوا کہ مامست النار سے وضو نہیں ٹوٹتی، یہ مسئلہ تفصیل سے تحفۃ الالمعی (۱: ۳۲۵) میں گذر چکا ہے۔

[۲۶-] باب ماجاء فی أَكْلِ الشِّوَاءِ

[۱۸۲۳-] حدثنا الحَسَنُ بنُ مُحمدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ، ثَنَا حَجَّاجُ بنُ مُحمدٍ، قَالَ: قَالَ ابنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِيْ مُحمدُ بنُ يُوْسُفَ: أَنَّ عَطَاءَ بنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا قَرَّبَتْ إِلَى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم جَنْبًا مَشْوِيًّا، فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، وَمَا تَوَضَّأَ.

وفی الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْحَارِثِ، وَالْمُغِيْرَةِ، وأَبِیْ رَافِعٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

بابُ ماجاء فی كَرَاهِيَةِ الْأَكْلِ مُتَّكِئًا

ٹیک لگا کر کھانا مکروہ ہے

کھانے کے آداب میں سے یہ ہے کہ مناسب ہیئت پر بیٹھ کر کھایا جائے، نامناسب ہیئت میں کھانے سے احتراز کیا جائے، اور مناسب ہیئت کیا ہے؟ اس کی تعیین نہیں کی گئی، کیونکہ وہ بہت سی ہیئتیں ہوسکتی ہیں، البتہ منفی پہلو سے یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ٹیک لگا کر نہ کھایا جائے۔

اس کی نظیر: احرام میں کیا کپڑے پہنے جائیں؟ اس کی تعیین نہیں کیگئی، کیونکہ وہ بہت سے کپڑے ہوسکتے ہیں، البتہ احرام میں کیا کیا کپڑے نہ پہنے جائیں؟ اس کی تعیین کردی، اب جو باقی بچے وہ احرام میں پہنے جاسکتے ہیں (تفصیل تحفۃ الالمعی ۳:۲۲۹ میں گذر چکی ہے)

اسی طرح یہاں بھی مناسب ہیئت کی تعیین نہیں کی، اور جن حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ نبی ﷺ کو فلاں ہیئت میں کھاتے ہوئے دیکھا گیا: ان سے ہیئت کی تعیین نہیں ہوتی، کیونکہ وہ فعلی روایتیں ہیں...... البتہ منفی پہلو سے یہ قاعدہ بیان کیا کہ ٹیک لگا کر نہیں کھانا چاہئے، پھر ٹیک لگانے کی کیا صورت ہے؟ یہ بات بھی روایات میں نہیں آئی، اور علماء نے اتنی مختلف تفسیریں کی ہیں کہ شد خوابِ من پریشاں زکثرتِ تعبیرہا!...... دائیں بائیں جھک کر اور ہاتھ ٹیک کر کھانا تو اس کا مصداق ہے ہی، خطابیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گدے پر باطمینان بیٹھ کر کھانا بھی ٹیک لگا کر کھانا ہے، اور ابن القیمؒ نے چارزانو بیٹھ کر کھانے کو بھی ٹیک لگا کر کھانا قرار دیا ہے، اور اس کے علاوہ بھی تفسیریں کی گئی ہیں، پس بہتر یہ ہے کہ اس کو رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دیا جائے، اس قسم کی الجھی ہوئی باتوں میں امام اعظم رحمہ اللہ کا یہی مزاج ہے، جیسے نماز میں عمل کثیر کا مسئلہ، عمل کثیر کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ اس لئے اس کو رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

پس ہر شخص دو باتیں پیش نظر رکھ کر اس کی تعیین کرے، ایک: ایسی ہیئت میں نہیں کھانا چاہئے کہ پیٹ بڑا ہو

جائے، یہ وجہ حضرت نخعیؒ نے بیان کی ہے، فرمایا: کانوا یکرھون أن یأکلوا اتکاءۃً مخافۃ أن تعظم بطونھم (ابن ابی شیبہ) یعنی سلف ٹیک لگا کر کھانے کو اس اندیشہ سے ناپسند کرتے تھے کہ ان کے پیٹ بڑھ جائیں گے۔ دوم: متکبروں کی حالت اختیار نہیں کرنی چاہئے، متواضعانہ حالت میں کھانا چاہئے، یہ وجہ حدیث میں آئی ہے، ابن ماجہ (حدیث ۳۲۶۳) میں ہے: حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو بکری ہدیہ میں پیش کی، آپؐ نے دوزانو بیٹھ کر کھانا شروع کیا، ایک بدّو بولا: یہ بیٹھنے کی کیا ہیئت ہے! آپؐ نے فرمایا: إن اللہ جعلنی عبداً کریما، ولم یجعلنی جباراً عنیداً: اللہ تعالیٰ نے مجھے معزز بندہ (غلام) بنایا ہے، اور مجھے سرکش ضدی نہیں بنایا (اس لئے میں متواضعانہ ہیئت پر بیٹھ کر کھاتا ہوں)۔

غرض: ان دو باتوں کا لحاظ کر کے طلباء ٹیک لگانے کا مفہوم خود متعین کریں، میرے خیال میں تین صورتیں ٹیک لگانے میں شامل ہیں: ۱- کرسی پر بیٹھ کر کھانا، کیونکہ اس حالت میں پیٹ تنا رہتا ہے، اس لئے زیادہ کھایا جاتا ہے اور آدمی توندو ہو جاتا ہے ۲- دیوار وغیرہ سے پیٹھ لگا کر کھانا، اس حالت میں بھی پیٹ تنا رہتا ہے، اور زیادہ کھایا جاتا ہے ۳- ایک جانب جھک کر ہاتھ سے ٹیک لگا کر کھانا، یہ متکبرانہ وضع ہے، باقی حالتوں کے بارے میں طلبہ خود فیصلہ کریں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: أَمَّا أَنَا فَلاَ آکُلُ مُتَّکِئًا: رہا میں تو ٹیک لگا کر نہیں کھاتا ہوں۔

تشریح: یہ حدیث ابوداؤد (حدیث ۳۷۶۹) اور ابن ماجہ (حدیث ۳۲۶۲) میں بھی ہے، ان میں أَمَّا أَنا نہیں ہے، صرف لا آکُلُ مُتکئا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ أما أنا چاہتا ہے کہ مقابل کوئی شخص ٹیک لگا کر کھا رہا ہو، اور اس کو اس حالت پر اصرار بھی ہو یا کم از کم اس کو وہ حالت پسند ہو جس پر نبی ﷺ نے نکیر فرمائی ہو، مگر روایات میں ایسا کوئی واقعہ مروی نہیں۔

اور اس حدیث کا شانِ ورود یہ واقعہ ہے: ایک مرتبہ ایک ایسا فرشتہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو پہلے کبھی نہیں آیا تھا، اور اس نے یہ پیغام پہنچایا کہ آپؐ کے پروردگار آپؐ کو اختیار دیتے ہیں کہ آپؐ خواہ بندہ نبی بنیں یا بادشاہ نبی، آپؐ نے حضرت جبرئیل کی طرف دیکھا جیسے ان سے مشورہ طلب کر رہے ہوں، انھوں نے اشارہ سے فرمایا کہ فروتنی اختیار کریں، چنانچہ آپؐ نے اس فرشتہ کو جواب دیا: بل عبداً نبیا، قال: فما آکل متکئا: بلکہ میں بندہ نبی بننا چاہتا ہوں اور فرمایا: پس میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا یعنی بندہ نبی بننے کی یہ ایک صورت ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ متواضعانہ ہیئت میں کھانا چاہئے۔

[۲۷-] باب ماجاء فی کراھیۃ الأَکْلِ مُتَّکِئًا

[۱۸۲۴-] حدثنا قُتَیْبَۃُ، ثَنَا شَرِیْكٌ، عَنْ عَلِیِّ بنِ الأَقْمَرِ، عَنْ أَبِیْ جُحَیْفَۃَ، قَالَ: قَالَ رسولُ

اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم: "أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا"

وفی الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَبَّاسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَلِيِّ بنِ الأَقْمَرِ.

وَرَوَى زَكَرِيَّا بنُ أَبِيْ زَائِدَةَ، وَسُفْيَانُ بنُ سَعِيْدٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ عَلِيِّ بنِ الأَقْمَرِ هٰذَا الحديثَ، وَرَوَى شُعْبَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ هٰذَا الحديثَ، عَنْ عَلِيِّ بنِ الأَقْمَرِ.

وضاحت: یہ حدیث غریب ہے، علی بن اقمر سے آخر تک ایک سند ہے، زکریا اور سفیان ثوری وغیرہ بھی علی ہی سے روایت کرتے ہیں بلکہ امام شعبہ تو ثوری سے، اور وہ علی سے روایت کرتے ہیں۔

بابُ ماجاء فی حُبِّ النبیِّ صلی الله علیه وسلم الحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ

نبی ﷺ کو میٹھا اور شہد پسند تھا

میٹھی چیز معدے کو قوت پہنچاتی ہے، نبی ﷺ کو طبعی طور پر میٹھا کھانا اور شہد مرغوب تھا، الحلواء: ہر میٹھے کھانے کو کہتے ہیں، اور شہد کا ذکر تعمیم کے بعد تخصیص ہے یعنی خاص طور پر شہد پسند تھا۔ اور ان چیزوں کے پسند ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ان کو بہت چاہتے تھے اور ان کے لئے بے چین رہتے تھے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جب یہ چیزیں سامنے آتیں تو آپ شوق سے کھاتے، جس سے صحابہ سمجھتے کہ یہ کھانا آپ کو پسند ہے، اور یہ بات امام خطابی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے، اور مجھے اس کا خوب تجربہ ہے، یوروپ اور امریکہ میں اگر دعوت میں میں کوئی کھانا رغبت سے کھاتا ہوں تو فوراً خبر پھیل جاتی ہے کہ حضرت کو فلاں کھانا پسند ہے، پھر ہر دعوت میں وہ کھانا سامنے آتا ہے۔

لطیفہ: بولٹن (برطانیہ) میں ایک دعوت میں کریلا سامنے آیا، میں نے رغبت سے کھایا، کیونکہ مجھے ذیابیطس ہے اور کریلا اس میں مفید ہے پس پورے محلّہ میں خبر پھیل گئی اور اب ہر دعوت میں کریلا ضرور ہوتا تھا، حالانکہ کریلا پکانا ہر عورت نہیں جانتی، اب یہ کڑوا کھانا کیسے کھایا جائے اور نہ کھائیں تو پکانے والوں کی دل شکنی ہو، چنانچہ میں مجبوراً زہر مار کرتا تھا، اور احباب نے اس کا نام "فرضِ عین" رکھ دیا، دیکھتے ہی کہتے: فرضِ عین آگیا!

[٢٨-] باب ماجاء فی حُبِّ النبیِّ صلی الله علیه وسلم الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ

[١٨٢٥-] حدثنا سَلَمَةُ بنُ شَبِيْبٍ، وَمَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، وَأَحْمَدُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ الدَّوْرَقِيُّ، قَالُوْا: ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ كَانَ النبیُّ صلی الله علیه وسلم يُحِبُّ الحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، وَقَدْ رَوَاهُ عَلِيُّ بنُ مُسْهِرٍ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، وَفِي الحديثِ كَلاَمٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا.

وضاحت: یہ حدیث غریب اس لئے ہے کہ ہشام ہی اس کے راوی ہیں اور یہ حدیث بخاری ومسلم میں مفصل ہے، اس میں ایک اسکیم کے تحت ازواج نے آپؐ کے لئے شہد حرام کرایا تھا (دیکھیں مسلم شریف حدیث ۱۴۷۴/ ۲۱ کتاب الطلاق باب ۳)

فائدہ: نبی ﷺ کے زمانہ میں مَجِيْع (بروزن عظیم) نامی حلوا بھی بنتا تھا، جو کھجور اور دودھ ملا کر بنایا جاتا تھا، ممکن ہے حدیث میں یہی حلوا مراد ہو۔

بابُ ماجاء في إِكْثَارِ الْمَرَقَةِ

شوربا بڑھانے کا بیان

باب میں دو حدیثیں ہیں، پہلی ضعیف ہے، اس میں شوربا بڑھانے کا لازمی فائدہ بیان کیا گیا ہے، یعنی اگر گوشت کم ہو، اور فیملی بڑی ہو تو شوربا زیادہ کرلیا جائے، تاکہ جس کو بوٹی نہ پہنچے یا کم پہنچے وہ شوربے سے کام چلالے، کیونکہ وہ بھی گوشت کا شوربا ہے، پس گویا اس نے گوشت کھایا...... اور دوسری حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، اس میں شوربا زیادہ رکھنے کا متعدی فائدہ بیان کیا گیا ہے کہ شوربا زیادہ ہوگا تو چمچہ دو چمچہ پڑوسی کو بھی پہنچے گا۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی گوشت خریدے، پس چاہئے کہ وہ اس کا شوربا زیادہ کرے، پس اگر وہ گوشت نہ پائے تو شوربا پالے گا، اور شوربا دو گوشتوں میں سے ایک ہے'' یعنی وہ بھی گویا گوشت ہے۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، محمد بن فضاء ضعیف ہے اور اس کا باپ مجہول ہے، محمد بن فضاء کی شہرت معبر (تعبیر بیان کرنے والے) سے تھی، سلیمان بن حرب اس کی تضعیف کرتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ وہ شراب بیچتا ہے اور پیتا بھی ہے، اور ابن معین سے کہا گیا: یہ خواب کی تعبیریں بتلاتا ہے! فرمایا: ہاں اور اس کی حدیثیں بھی اس کی تعبیر جیسی ہیں (تہذیب ترجمہ محمد بن فضاء)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بھلائی میں سے کسی چیز کو ہرگز معمولی نہ سمجھے یعنی چھوٹی بڑی ہر بھلائی کرے، اور اگر (بھلائی کی راہ) نہ پائے تو چاہئے کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے، اور جب آپ کچھ گوشت خریدیں یا کوئی ہانڈی پکائیں تو اس کا شوربا زیادہ کرلیں (اور ہانڈی کا کھانا بھی بڑھالیں) اور اس میں سے ایک چمچہ اپنے پڑوسی کو دیں۔

[٢٩-] باب ماجاء في إِكْثَارِ الْمَرَقَةِ

[١٨٢٦-] حدثنا مُحمدُ بنُ عُمَرَ بنِ عَلِيِّ الْمُقَدَّمِيُّ، ثَنَا مُسْلِمُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا مُحمدُ بنُ فَضَاءٍ، ثَنَا أَبِيْ، عَنْ عَلْقَمَةَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا اشْتَرَى أَحَدُكُمْ لَحْمًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَتَهُ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ لَحْمًا أَصَابَ مَرَقَةً، وَهُوَ أَحَدُ اللَّحْمَيْنِ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، هٰذَا حديثٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيْثِ مُحمدِ بنِ فَضَاءٍ، وَمُحمدُ بنُ فَضَاءٍ: هُوَ الْمُعَبِّرُ، وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيْهِ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَعَلْقَمَةُ: هُوَ أَخُوْ بَكْرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ،

[١٨٢٧-] حدثنا الْحُسَيْنُ بنُ عَلِيِّ بنِ الْأَسْوَدِ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا عَمْرُو بنُ مُحمدٍ الْعَنْقَزِيُّ، ثَنَا إِسْرَائِيْلُ، عَنْ صَالِحِ بنِ رُسْتُمَ أَبِيْ عَامِرٍ الْخَزَّازِ، عَنْ أَبِيْ عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَايَحْقِرَنَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَلْقَ أَخَاهُ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ، وَإِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا أَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَأَكْثِرْ مَرَقَتَهُ، واغْرِفْ لِجَارِكَ مِنْهُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ أَبِيْ عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ.

لغات: الطَّلِيْق من الوجوه: خندہ، مسکراتا ہوا چہرہ، کھلا ہوا ہشاش چہرہ ...... **قوله: فأكثر مرقته**: یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا محذوف ہے جو بین القوسین لکھا ہے...... اس باب کے بالکل آخر میں **هذا حديث حسن** تھا، یہ بےضرورت ہے اور مصری نسخہ میں نہیں ہے، اس لئے اس کو حذف کیا ہے۔

بابُ ماجاء في فَضْلِ الثَّرِيْدِ

ثرید کی فضیلت

ثرید: روٹی کو چور کر شوربے میں بھگو کر بنایا ہوا کھانا، اسی طرح گوشت پکتے ہوئے اس میں روٹی کے ٹکڑے ڈال دیئے جائیں تو یہ بھی ثرید ہے، ثرید: لذیذ، نرم اور زود ہضم ہوتا ہے۔

حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردوں میں بہت سے کامل ہوئے، اور عورتوں میں صرف مریم اور آسیہ کامل ہوئیں، اور عائشہ کی برتری عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی برتری تمام کھانوں پر''

تشریح: سورۃ الواقعہ میں ہے کہ اعلیٰ درجہ کے لوگ اگلوں میں بہت زیادہ ہوئے ہیں اور پچھلوں میں تھوڑے

ہوئے ہیں، اسی طرح حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ اعلی درجہ کے لوگ مردوں میں بہت زیادہ ہوئے ہیں، اور عورتوں میں ان کی تعداد تھوڑی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں میں نبوت تو مطلق نہیں، اور مقام شہادت بھی عام طور پر مردوں کو حاصل ہوتا ہے، اور عورتیں دین میں بھی ناقص ہوتی ہیں یعنی وہ اپنے مخصوص احوال کی وجہ سے مردوں کی طرح عبادت نہیں کرسکتیں، اس لئے فرمایا کہ مردوں میں تو بہت لوگ درجہ کمال کو پہنچے، اور عورتوں میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بنت عمران، اور فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہما درجۂ کمال تک پہنچیں، اور اس امت کی عورتوں میں سے حضرت عائشہ کا مرتبہ سب سے فائق ہے، جیسے ثرید سب کھانوں میں عمدہ اور لذیذ ہوتا ہے، اسی طرح حضرت عائشہ سب عورتوں سے افضل ہیں۔

سوال: حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ میں سے کون افضل ہے؟ حضرت عائشہؓ کی طرح باقی دو کے بارے میں بھی روایات آئی ہیں، حضرت خدیجہؓ کے بارے میں متفق علیہ روایت ہے: مریم اپنے زمانہ کی عورتوں میں سب سے بہتر ہیں، اور خدیجہؓ اپنے زمانہ کی عورتوں میں سب سے بہتر ہیں (مشکوۃ حدیث ۶۱۷۵) اور حضرت فاطمہؓ کے بارے میں بھی متفق علیہ روایت ہے: فاطمةُ بَضعةٌ منی : فاطمہ میرا پارہ (ٹکڑا) ہیں، پس ان تین میں سے افضل کون ہے؟

جواب: ان میں سے ہر ایک کو جزئی فضیلت حاصل ہے جو دوسری کو حاصل نہیں، غم گساری، ہمدردی اور سخت حالات میں رفاقت حضرت خدیجہ کا نصیب ہے اور جزئیت وبعضیت کی فضیلت حضرت فاطمہؓ کو حاصل ہے اور محبوبیت وفقاہت اور اشاعتِ دین کی فضیلت حضرت عائشہؓ کے حصہ میں آئی، اور فضیلت کلی کسی کو حاصل نہیں، جیسے نوح علیہ السلام کو ''سب سے پہلا رسول'' ہونے کی فضیلت حاصل ہوئی اور ابراہیم علیہ السلام کو خلت کا مقام حاصل ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا: یہ سب جزئی فضیلتیں ہیں، کلی فضیلت ان میں سے کسی کو حاصل نہیں۔

[۳۰-] باب ماجاء فی فَضْلِ الثَّرِيْدِ

[۱۸۲۸-] حدثنا مُحمدُ بنُ المُثَنَّى، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بنِ مُرَّةَ، عَنْ مُرَّةَ الهَمْدَانِيِّ، عَنْ أَبِي مُوْسَى، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ؛ وَفَضْلُ عَائشةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ"

وفی الباب: عَنْ عائشةَ، وأَنَسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء انْهَشُوْا اللَّحْمَ نَهْشًا

گوشت دانتوں سے نوچ کر کھاؤ

حدیث: امیر بصرہ عبداللہ بن الحارث بن نوفلؓ کہتے ہیں: میرے ابا نے میرا نکاح کیا، پس کچھ لوگوں کو دعوت میں بلایا، ان میں حضرت صفوان بن امیہؓ بھی تھے، پس انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''گوشت دانتوں سے نوچ کر کھاؤ، وہ زیادہ خوش گوار اور زیادہ زود ہضم ہوتا ہے''

تشریح: ہڈی پر سے گوشت اگر دانتوں سے نوچ کر کھایا جائے تو اس کے ساتھ تھوک ملتا ہے، جس کی وجہ سے گوشت کی لذت بڑھ جاتی ہے اور وہ جلدی ہضم ہو جاتا ہے اور جزو بدن بن جاتا ہے، اور حدیث ضعیف ہے، اس میں عبدالکریم مشہور ضعیف راوی ہے، اس راوی کی شہرت معلّم سے تھی، اس کو حدیثیں ٹھیک یاد نہیں تھیں، مگر بات تجربہ سے تعلق رکھتی ہے اور تجربہ یہی ہے کہ اس طرح گوشت کھانے سے خوب رچتا پچتا ہے۔

[۳۱-] باب ماجاء انْهَشُوا اللَّحْمَ نَهْشًا

[۱۸۲۹-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ أَبِيْ أُمَيَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْحَارِثِ، قَالَ: زَوَّجَنِيْ أَبِيْ، فَدَعَا أُنَاسًا فِيْهِمْ صَفْوَانُ بنُ أُمَيَّةَ، فَقَالَ: إِنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: '' انْهَسُوْا اللَّحْمَ نَهْسًا، فَإِنَّهُ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ''

وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَأَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الْكَرِيْمِ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ الْمُعَلِّمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ، مِنْهُمْ أَيُّوْبُ السَّخْتِيَانِيُّ.

لغات: نَهَشَ (بڑی شین کے ساتھ) اور نَهَسَ (چھوٹی سین کے ساتھ) اللَّحْمَ (ف) نَهْشًا وَنَهْسًا: کھانے کے لئے گوشت کو دانتوں سے نوچنا...... أَهْنَأُ: هَنِيْئٌ کا اسم تفضیل ہے: بہت خوش گوار، من پسند، مزیدار، هَنِئَ له الطعامُ (س) هَنأً وَهَنَاءَةً: کھانے کا کسی کے لئے لذیذ و پرلطف ہونا، کھانا مزیدار لگنا...... أَمْرَأُ: مَرِيْئٌ کا اسم تفضیل ہے: بہت زود ہضم اور خوش گوار کھانا، هَنِيْئًا مَرِيْئًا: کھانا تمہارے لئے خوش گوار اور نفع بخش ہو (بطور دعا) قرآن میں ہے: ﴿فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَرِيْئًا﴾ تم اسے کھا کر لطف اٹھاؤ اور فائدہ اٹھاؤ، مَرَأَ الطعامُ (ف) مَرَاءَةً: کھانے کا مزیدار ہونا، مرغوب و پسندیدہ ہونا، خوش گوار اور بہتر ہونا (پس دونوں لفظ تقریباً ہم معنی ہیں اور ساتھ ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں) رچنا: کھانا ہضم ہونا، جزو بدن ہونا...... پچنا: ہضم ہونا...... رچنا پچنا بھی تقریباً ہم معنی ہیں اور ایک ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں۔

بابُ ماجاء عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِنَ الرُّخْصَةِ فِيْ قَطْعِ اللَّحْمِ بِالسِّكِّيْنِ

چھری سے گوشت کاٹنے کا جواز

اگر ضرورت ہو تو چھری سے گوشت، ڈبل روٹی اور پھل وغیرہ کاٹنا جائز ہے، صحیح روایات میں آپ کا چھری سے گوشت کاٹنا مروی ہے پس اس پر دیگر چیزوں کو قیاس کیا جائے گا، بلکہ تبوک میں چھری سے آپ نے پنیر بھی کاٹا ہے (مشکوۃ حدیث ۴۲۲۷) البتہ بے ضرورت چھری کا استعمال ممنوع ہے، یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، وہ چھری کاٹنے سے کھاتے ہیں، ضعیف روایات میں جو گوشت اور روٹی کاٹنے کی ممانعت آئی ہے اس کا یہی محمل ہے۔ امام ترمذیؒ نے لفظ رخصت استعمال کیا ہے یعنی پہلے ممانعت تھی، پھر اجازت ہوگئی، مگر اس کا کوئی قرینہ نہیں، اس لئے ضرورت اور بے ضرورت پر مسئلہ کا مدار رکھنا بہتر ہے۔

جواز کی روایت: حضرت عمرو بن امیہ ضمری نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ نے بکری کے شانے سے چھری سے گوشت کاٹا، پس اس کو کھایا پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور وضو نہیں فرمائی (معلوم ہوا کہ مامست النار سے وضو نہیں ٹوٹتی، یہ حدیث متفق علیہ ہے)

ممانعت کی روایات: ابوداؤد (حدیث ۳۷۷۸) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع روایت ہے: لاتَقْطَعُوْا اللحمَ بالسكين، فإنه من صَنِيْعِ الأعاجم، وَانْهَسُوْهُ، فإنه أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ: چھری سے گوشت مت کاٹو، اس لئے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، بلکہ اس کو دانتوں سے نوچ کر کھاؤ، پس وہ زیادہ خوش گوار اور زیادہ زود ہضم ہے (اس کی سند میں ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندی مدنی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو منکر الحدیث قرار دیا ہے)

اور طبرانی میں حضرت ابن عباس اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: لاتقطعوا الخبز بالسكين، كما تقطعه الأعاجم إلخ چھری سے روٹی مت کاٹو، جس طرح عجمی لوگ کاٹتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی گوشت کھانے کا ارادہ کرے تو اس کو چھری سے نہ کاٹے، بلکہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے اور چاہئے کہ اس کو دانتوں سے نوچ کر کھائے، پس وہ زیادہ خوش گوار اور زیادہ زود ہضم ہے (اس کی سند میں عباد بن کثیر ثقفی ہے اور وہ بھی ضعیف راوی ہے)

[۳۲-] باب ماجاء عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِنَ الرُّخْصَةِ فِي قَطْعِ اللَّحْمِ بِالسِّكِّيْنِ

[۱۸۳۰-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ عَمْرِو بنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّهُ رَأَى النبيَّ صلى الله عليه وسلم احْتَزَّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، ثُمَّ مَضَى إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَفِي الباب: عَنِ الْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ.

ملحوظہ: حضرت مغیرہ کی حدیث شمائل باب ماجاء فی صفة إدام رسول الله صلی الله علیه وسلم میں ہے اور مشکوٰۃ (حدیث ۴۲۳۶) میں بھی ہے۔

بابُ ماجاء : أَيُّ اللَّحْمِ كَانَ أَحَبَّ إلى رسول اللهِ صلى الله عليه وسلم؟

نبی ﷺ کو کونسا گوشت پسند تھا؟

بکری کے کس حصہ کا گوشت نبی ﷺ کو زیادہ پسند تھا؟ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں: (۱) ابوداؤد (حدیث ۳۷۸۰) میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کان أَحَبُّ الْعُرَاقِ إلى رسول اللهِ صلى الله عليه وسلم عُرَاقَ الشاة: نبی ﷺ کو بکری کی وہ ہڈی سب سے زیادہ پسند تھی جس کا گوشت اتار لیا گیا ہو (۲) اور ابن ماجہ (حدیث ۳۳۰۸) میں عبداللہ بن جعفرؓ کی مرفوع حدیث ہے: أَطْيَبُ اللحمِ لحمُ الظَّهْرِ: سب سے عمدہ گوشت پیٹھ کا گوشت ہے (۳) اور باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے اور ابوداؤد (حدیث ۳۷۸۱) میں ابن مسعودؓ کا بھی بیان ہے کہ دست کا گوشت آپؐ کو زیادہ پسند تھا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آخری روایت پر نقد کیا ہے کہ نبی ﷺ کو دست کا گوشت سب گوشتوں سے زیادہ پسند نہیں تھا، بلکہ دست کو پسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ گوشت نہیں پاتے تھے مگر گاہ بہ گاہ، پس وہ آپؐ کے سامنے جلدی پیش کر دیا جاتا تھا، کیونکہ دست کا گوشت سب گوشتوں میں جلدی پک جاتا ہے۔

بات درحقیقت یہ ہے کہ مختلف اعتبارات سے مختلف حصوں کا گوشت پسند کیا جاتا ہے، مزیدار گوشت اس ہڈی کا ہوتا ہے جس پر سے گوشت کا بڑا حصہ اتار لیا گیا ہو، اور چاپ پیٹھ میں سے نکلتی ہے اور وہ بھی پسند کی جاتی ہے، اور نرم گوشت گردن کا ہوتا ہے اور دست کا گوشت جلدی پک جاتا ہے، پس سب صحابہ کا بیان صحیح ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات بھی صحیح ہے کیونکہ گھر کا بھیدی گھر کی بات دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔

[۳۳-] باب ماجاء أَيُّ اللَّحْمِ كَانَ أَحَبَّ إلى رسول اللهِ صلى الله عليه وسلم؟

[۱۸۳۱-] حدثنا وَاصِلُ بنُ عَبْدِ الأَعْلَى، ثَنَا مُحمدُ بنُ الْفُضَيْلِ، عَنْ أَبِيْ حَيَّانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ بنِ عَمْرِو بنِ جرِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: أُتِيَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم بِلَحْمٍ، فَدُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ، وَكَانَ يُعْجِبُهُ، فَنَهَسَ مِنْهَا.

وفي الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَعَائِشَةَ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ جَعْفَرٍ، وأَبِيْ عُبَيْدَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْحَيَّانَ: اسْمُهُ يَحْيىَ بنُ سَعِيْدِ بنِ حَيَّانَ التَّيْمِيُّ، وأَبُوْ زُرْعَةَ بنُ عَمْرِو بنِ جَرِيْرٍ: اسْمُهُ هَرِمٌ.

[۱۸۳۲-] حدثنا الحَسَنُ بنُ مُحمدٍ الزَّعْفَرانِيُّ، ثَنَا يَحْيَى بنُ عَبَّادٍ أَبُوْ عَبَّادٍ، ثَنَا فُلَيْحُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الوَهَّابِ بنِ يَحْيَى ـ مِنْ وَلَدِ عَبَّادِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الزُّبَيْرِ ـ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَاكَانَ الذِّرَاعُ أَحَبَّ اللَّحْمِ إِلَى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَلٰكِنْ كَانَ لَايَجِدُ اللَّحْمَ إِلَّا غِبًّا، فَكَانَ يُعَجِّلُ إِلَيْهِ، لِأَنَّهُ أَعْجَلُهَا نَضْجًا.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

وضاحت: پہلی حدیث میں فَدُفِعَ: مصری نسخہ میں اور ابن ماجہ میں فَرُفِعَ ہے، یہی بہتر ہے ...... نَهَس کے معنی گذشتہ باب میں بیان کئے گئے ہیں ...... عباد: عبدالوہاب کے دادا ہیں ...... الغِبّ کے معنی اونٹوں کو سیراب کرنے میں: ایک دن چھوڑ کر سیراب کرنا ہیں، اور انسانوں میں درمیان میں کئی دن چھوڑنے کے ہیں ...... آخر میں هذا حديث حسن: مصری نسخہ میں هذا حديث غريب إلخ ہے اور وہی مناسب ہے۔

بابُ ماجاء في الْخَلِّ

سرکہ کا بیان

إِدَام (بروزن کتاب) اور أُدْم (بروزن قُفْل) دونوں مفرد ہیں، دونوں کی جمع أُدُم (بروزن کُتُب جمع کتاب) ہے اور إدام کے دو معنی ہیں: ایک: سالن، دوسرے: لاون۔ یعنی ہر وہ چیز جس سے روٹی لگا کر کھائی جائے، حاشیہ میں ہے: ما يُؤْكَلُ مَعَ الْخُبْزِ أَيُّ شيئٍ كَان، اس کا فعل أَدَمَ (ض) بينَهم أَدْمًا ہے جس کے معنی ہیں موافقت کرانا، صلح کرانا، یعنی دو چیزوں میں جوڑ بٹھانا، اور أَدَمَ الطَّعَامَ کے معنی ہیں: روٹی کے ساتھ سالن وغیرہ ملانا، پس لفظ ادام گوشت، ترکاری سے عام ہے، ابوداؤد میں ایک ضعیف روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس پر ایک کھجور رکھی اور فرمایا: هذه إِدامُ هذه، یعنی یہ اس کا لاون ہے پھر آپؐ نے نوش فرمایا (مشکوۃ حدیث ۴۲۲۳) غرض کوئی بھی چیز جس سے روٹی بسہولت کھائی جائے جیسے سرکہ، نمک، چٹنی، اچار وغیرہ سب ادام ہیں، بلکہ الکوکب (۲۲:۳ کتاب الأطعمة مصری) میں ایک حدیث ہے کہ خُبْزُ الحِنْطَةِ إِدَامُه مَعَه: گیہوں کی روٹی کا لاون اس کے ساتھ ہے یعنی گیہوں کی روٹی کو سالن کے بغیر بھی رغبت سے کھایا جاسکتا ہے، مگر روایات میں یہ لفظ خاص معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی گوشت، ترکاری کے علاوہ دوسری چیزیں جن سے روٹی کھائی جائے وہ لاون ہیں۔

اور سب سے اچھا لاون کونسا ہے؟ اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں: ایک: ابن ماجہ میں ہے: سَيِّدُ إِدامِكم المِلْحُ: لاون کا سردار نمک ہے (مشکوۃ حدیث ۴۲۳۹ کتاب الأطعمة فصل ثالث) دوسری حدیث باب میں ہے: نِعْمَ الإِدَامُ الخلُّ یعنی سرکہ بہترین لاون ہے، ان دونوں روایتوں کا منشا کیا ہے؟ آیا فی نفسہ نمک اور سرکہ کی خوبی

بیان کرنا مقصود ہے یا یہ ارشادات نادار کی دلداری کے لئے ہیں؟ حدیث کے جو دو شانِ ورود آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشادات ناداروں کی دلداری سے تعلق رکھتے ہیں، فی نفسہ ان کی خوبی بیان کرنا مقصود نہیں۔

پہلا شانِ ورود: نبی ﷺ اپنی چچا زاد بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، آپؐ نے پوچھا: تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ ام ہانی نے عرض کیا: کچھ نہیں، صرف (روٹی کے) سوکھے ٹکڑے اور سرکہ ہے، آپؐ نے فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ فَمَا أَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ أُدْمٍ فِيْهِ خَلٌّ: جس گھر میں سرکہ ہوتا ہے وہ گھر لاون سے خالی نہیں ہوتا۔

تشریح: أَقْفَرَ المكانُ من شيئٍ خالی ہونا، أَقْفَرَ فعل ماضی ہے، بَيْتٌ اس کا فاعل ہے، اور موصوف ہے اور جملہ فيه خلٌّ اس کی صفت ہے اور مِنْ أُدْم: أَقْفَرَ کا صلہ (متعلق) ہے اور موصوف صفت کے درمیان اجنبی کا فصل نہیں اس لئے کہ موصوف أقفر کا معمول ہے اور مِنْ أُدْم بھی اس کا معمول ہے اور ایک فعل کے دو معمول ایک دوسرے سے اجنبی نہیں ہوتے، یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپؐ کا یہ ارشاد ام ہانی کی دلداری کے لئے تھا۔

دوسرا شانِ ورود: مسلم شریف میں روایت ہے: نبی ﷺ نے اپنے گھر والوں سے لاون مانگا، گھر والوں نے کہا: ما عندنا إلَّا خَلٌّ: ہمارے پاس صرف سرکہ ہے، آپؐ نے وہ منگوایا اور اس سے کھانا شروع کیا اور فرماتے رہے: نِعْمَ الإِدَامُ الخلُّ! نعم الإدام الخلُّ!: سرکہ بہترین لاون ہے! سرکہ بہترین لاون ہے! (مشکوٰۃ حدیث ۴۱۸۳) اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ آپؐ نے گھر والوں کی دلداری کے لئے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

[۳۴-] باب ماجاء في الْخَلِّ

[۱۸۳۳-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَرَفَةَ، ثَنَا مُبَارَكُ بنُ سَعِيْدٍ ـ أَخُوْ سُفْيَانَ بنِ سَعِيْدٍ ـ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِيْ الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "نِعْمَ الإِدَامُ الْخَلُّ"

[۱۸۳۴-] حدثنا عَبْدَةُ بنُ عَبْدِ اللهِ الْخُزَاعِيُّ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا مُعَاوِيَةُ بنُ هِشَامٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مُحَارِبِ بنِ دِثَارٍ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "نِعْمَ الإِدَامُ الْخَلُّ"

وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَأُمِّ هَانِئٍ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ مُبَارَكِ بنِ سَعِيْدٍ.

[۱۸۳۵-] حدثنا مُحمدُ بنُ سَهْلِ بنِ عَسْكَرٍ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ حَسَّانٍ، أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بنُ هِلَالٍ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "نِعْمَ الإِدَامُ الْخَلُّ"

[١٨٣٦-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ حَسَّانٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ بِلَالٍ: بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: "نِعْمَ الإِدَامُ أَوْ: الْأُدْمُ الْخَلُّ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، لَا يُعْرَفُ مِنْ حَدِيْثِ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ سُلَيْمَانَ بنِ بِلَالٍ.

[١٨٣٧-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِيْ حَمْزَةَ الثُّمَالِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ أُمِّ هَانِيءٍ بِنْتِ أَبِيْ طَالِبٍ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْئٌ؟" فَقُلْتُ: لَا، إِلَّا كِسَرٌ يَابِسَةٌ وَخَلٌّ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "قَرِّبِيْهِ، فَمَا أَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ أُدْمٍ فِيْهِ خَلٌّ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، لَانَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ أُمِّ هَانِيءٍ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَأُمُّ هَانِيءٍ مَاتَتْ بَعْدَ عَلِيِّ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ بِزَمَانٍ.

وضاحت: حدیث نِعْمَ الإدام الخل کی پہلی سند مبارک بن سعید کی ہے، یہ سفیان ثوری کے بھائی ہیں، وہ سفیان ثوری سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، پھر وہ ابوالزبیر محمد بن مسلم مکی سے، اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور دوسری سند سفیان ثوری کے دوسرے شاگرد معاویہ بن ہشام کی ہے، وہ سفیان ثوری سے، وہ محارب بن دثار سے اور وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں، امام ترمذیؒ نے اس دوسری سند کو اصح قرار دیا ہے یعنی درمیانی واسطہ ابوالزبیر کا نہیں ہے، محارب کا ہے، مگر امام صاحب نے اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی، اور میرے خیال میں ترجیح کی حاجت نہیں، دونوں حضرات روایت کرتے ہوں یہ بات ممکن ہے، بلکہ مسلم شریف میں طلحہ بن نافع سے بھی یہ روایت مروی ہے...... پھر یہی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت کی ہے، اس میں إدَام یا أُدْم میں راوی کو شک ہے، یہ دونوں لفظ مفرد ہیں اور دونوں کی جمع أُدُم (بروزن کُتُب) ہے...... پھر آخر میں ام ہانی کی روایت ہے، اس کو امام عامر شعبیؒ ام ہانی سے روایت کرتے ہیں، اور یہ سند متصل ہے، کیونکہ شعبیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے، اور ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے، جو بخاری (حدیث ۶۸۱۲) میں ہے، اور ام ہانی کا انتقال حضرت علیؓ کے عرصہ بعد ہوا ہے، باب کے آخر میں جو امام ترمذی کا قول ہے اس کا یہی منشا ہے...... البتہ اس حدیث کی سند میں ابوحمزہ ثمالی ثابت بن ابی صفیہ ہے جو رافضی اور ضعیف راوی ہے، مگر امام ترمذیؒ کی رائے اس راوی کے بارے میں اچھی ہے، مصری نسخہ میں ہے کہ امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو امام بخاری نے فرمایا: لانَعرف للشعبی سماعاً من أم هانيءٍ: میرے علم میں شعبی کا ام ہانی سے سماع نہیں، امام ترمذی نے آخری جملہ میں غالباً اسی پر رد کیا ہے کہ جب شعبیؒ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع ہے، اور ام ہانی ان کے بعد

عرصہ تک زندہ رہی ہیں، تو سماع کے لئے کیا چیز مانع ہوسکتی ہے؟ رہا امام بخاری کا نہ جاننا تو وہ عدمِ شی کو مستلزم نہیں، اس لئے یہ حدیث سماع پر محمول ہوگی...... پھر مصری نسخہ میں یہ بھی ہے کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے ابوحمزۃ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: امام احمدؒ نے اس راوی پر جرح کی ہے، مگر میرے نزدیک یہ راوی مقارب الحدیث ہے، اور یہ جملہ الفاظ تعدیل میں سے ہے، اس لئے امام ترمذی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

ملحوظہ: ام ہانی کی یہ حدیث ترمذی سے مشکوٰۃ (حدیث ۴۲۲۲) میں نقل ہوئی ہے، اس میں إلا کِسَرٌ یابِسَة کے بجائے إلا خُبزٌ یابسٌ (سوکھی روٹی یعنی باسی روٹی) ہے اور یہی لفظ موزون ہے۔

بابُ ماجاء فی أکلِ البِطّیخِ بالرُّطَبِ

خربوزے کو تازہ پکی ہوئی کھجور کے ساتھ کھانا

حدیث: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ خربوزے کو تازہ کھجور کے ساتھ کھایا کرتے تھے، اور ابوداؤد (حدیث ۳۸۴۵) میں ہے: فیقولُ: یُکسَرُ حَرُّ هذا بِبَرْدِ هذا وَبَرْدُ هذا بِحَرِّ هذا: یعنی فرماتے کہ اِس کی گرمی سے اس کی ٹھنڈک اور اس کی ٹھنڈک سے اس کی گرمی توڑی جاتی ہے۔

تشریح: خربوزہ: مشہور میوہ ہے، جو شاداب و شیریں اور خوشبودار ہوتا ہے، شیریں: گرم تَر ہوتا ہے، اور خام اور پھیکا: سرد تر ہوتا ہے (کتاب الادویہ حکیم کبیرالدین ۲: ۱۷۵) اور کھجور: گرم تر ہوتی ہے، پس اگر دونوں کو ملا کر کھایا جائے تو ایک کی ٹھنڈک دوسرے کی گرمی کو اور دوسرے کی گرمی پہلے کی ٹھنڈک کو مار دیتی ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے خربوزے کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا، تا کہ ایک دوسرے کے لئے مصلح بن جائے۔

سوال: خربوزے کا مزاج گرم ہوتا ہے، کیونکہ طب کا اصول ہے: ہر میٹھی چیز گرم ہوتی ہے، پھر اس کو کھجور کے ساتھ کھانے سے تو گرمی اور بڑھ جائے گی؟

جواب: پکا ہوا شیریں خربوزہ گرم ہوتا ہے، اور کچا اور پھیکا سرد ہوتا ہے، جیسا کہ حکیم کبیرالدین کی کتاب الادویہ سے نقل کیا گیا ہے، اور کھجور کے ساتھ پھیکا خربوزہ ہی کھایا جاتا ہے، میٹھے کو کھجور کے ساتھ ملانے کی حاجت نہیں۔

لطیفہ: ایک شخص خربوزہ بیچ رہا تھا اور صدا لگا رہا تھا: ''خربوزہ شکر سے میٹھا، خربوزہ شکر سے میٹھا!'' ایک شخص نے سوچا بڑھیا خربوزہ ہے، وہ خرید کر لے گیا، گھر جا کر کاٹا تو بالکل پھیکا تھا، وہ خربوزہ لئے ہوئے دوکان پر آیا اور کہا: چکھ کہاں میٹھا ہے!'' دوکاندار نے کہا: ''تو نے شکر ڈالی ہے؟'' میں نے کہا تھا: ''خربوزہ شکر سے میٹھا'' یعنی شکر ڈال میٹھا ہو جائے گا، ایسا ہی خربوزہ کھجور کے ساتھ کھایا جاتا ہے اور وہ سرد ہوتا ہے۔

اور اس حدیث سے یہ بات مستنبط ہوئی کہ کھانے پینے کی چیزوں میں مزاج کا لحاظ رکھنا چاہئے، اور اس کا تعلق

حفظان صحت سے ہے جو طب کا ایک مسلمہ اصول ہے، یعنی اگر کسی کا مزاج بارد ہو تو اسے ٹھنڈی چیزوں سے بچنا چاہئے اور گرم چیزیں استعمال کرنی چاہئیں، اور اگر مزاج گرم ہو تو اسے گرم چیزیں استعمال نہیں کرنی چاہئیں، بارد چیزیں استعمال کرنی چاہئیں تا کہ اس کی صحت محفوظ رہے، اور اگر خلاف مزاج چیزیں استعمال کرے تو ساتھ ہی اس کا مُصلح بھی استعمال کرے، ابوداؤد کی روایت کا یہی مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو دوسرے کا مُصلح بنایا۔

[۳۵-] باب ماجاء في أَكْلِ البِطِّيْخِ بِالرُّطَبِ

[۱۸۳۸-] حدثنا عَبْدَةُ بنُ عَبْدِ اللهِ الخُزَاعِيُّ، ثَنَا مُعَاوِيَةُ بنُ هِشَامٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَأْكُلُ البِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ.

وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: عَنْ عَائِشَةَ، وَقَدْ رَوَى يَزِيْدُ بنُ رُوْمَانَ عَنْ عَائِشَةَ هٰذَا الحديثَ.

وضاحت: اس حدیث کی سند ٹھیک ہے مگر اس کی اسناد میں اختلاف ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور ان کے تذکرہ کے بغیر مرسل بھی مروی ہے، اور مسند روایت اصح ہے کیونکہ ہشام کے علاوہ یزید بن رومان بھی حضرت عائشہؓ کا تذکرہ کرتے ہیں پس ہشام کے متابع موجود ہیں اس لئے ان کی سند صحیح ہے۔

بابُ ماجاء في أَكْلِ القِثَّاءِ بِالرُّطَبِ

کھیرا ککڑی کھجور کے ساتھ کھانا

حدیث: عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھیرا، ککڑی، تازہ پکی ہوئی کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا کرتے تھے، اور طبرانی کی معجم اوسط میں عبداللہ بن جعفر ہی سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں کھیرا ککڑی اور بائیں ہاتھ میں تازہ کھجور دیکھی، آپؐ ایک مرتبہ اس میں سے کھاتے تھے اور دوسری مرتبہ اس میں سے، مگر اس حدیث کی سند ضعیف ہے (قاله الحافظ)

تشریح: القِثَّاء: کھیرا، ککڑی: مشہور سبزی ہے، کھیرا: موٹا ہوتا ہے، اور ککڑی باریک، کھیرا: بالشت بھر یا اس سے کم وبیش لمبا ہوتا ہے، اور ککڑی اور بھی لمبی ہوتی ہے، اور کھیرے کو ککڑی کی طرح تراش کر نمک کے ساتھ کھایا جاتا ہے، ان کا مزاج سرد وتر ہے، اور سرد مزاجوں میں نفخ پیدا کرتا ہے، اور اس کا مُصلح کھجور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو ملا کر کھاتے تھے تا کہ دونوں میں اعتدال پیدا ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کھانے پینے کی چیزوں کی صفات اور مزاجوں کا لحاظ کرنا چاہئے اور طب کے قواعد پیش نظر رکھ کر چیزیں استعمال کرنی چاہئیں تاکہ صحت محفوظ رہے۔

اور دوسرا خاص فائدہ اس میں یہ ہے کہ کھیرا اور کھجور ملا کر کھانے سے فربہی پیدا ہوتی ہے، فربہی ایک حد تک مستحسن ہے، خاص طور پر خواتین میں۔ حضرت عائشہ کی رخصتی کا جب وقت آیا تو ان کی والدہ نے ان کو کھیرا اور کھجور کھلائی تھی، تاکہ وہ کچھ فربہ ہوجائیں، چنانچہ اس کا مطلوبہ اثر ظاہر ہوا، اسی طرح ہزال (لاغری) ایک بیماری ہے اس کا علاج بھی کھیرا اور کھجور ملا کر کھانا ہے۔

اس حدیث سے تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ کھانا دائیں ہاتھ سے کھانا چاہئے، لیکن اگر بائیں ہاتھ سے کچھ مدد لی جائے تو یہ جائز ہے، مثلاً: روٹی گرم ونرم رکھنے کے لئے بائیں ہاتھ میں دبالی جائے اور دائیں ہاتھ سے کھایا جائے تو یہ درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

[۳٦-] باب ماجاء فی أَكْلِ القِثَّاءِ بالرُّطَبِ

[۱۸۳۹-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بنُ مُوْسَى الفَزَارِيُّ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ جَعْفَرٍ قَالَ: "كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُ القِثَّاءَ بِالرُّطَبِ"

هٰذَا حديثٌ حسَنٌ صحيحٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ إِبْرَاهِيْمَ بنِ سَعْدٍ.

بابُ ماجاء فی شُرْبِ أَبْوَالِ الإِبِلِ

اونٹ کا پیشاب پینا

پہلے کتاب الطہارۃ باب ۵۵ میں یہ حدیث اسی سند سے گذر چکی ہے اور آگے أبواب الطب میں بھی آرہی ہے، جَوَی پیٹ کی ایک بیماری ہے جس سے بدہضمی ہوجاتی ہے، بدن پیلا پڑ جاتا ہے مگر یہ یرقان کے علاوہ بیماری ہے، قبیلۂ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے ان کو مدینہ کی آب ہوا موافق نہیں آئی، ان کو جوی بیماری ہوگئی، نبی ﷺ نے ان کو زکوۃ کے اونٹوں میں بھیج دیا، اور فرمایا: ''ان کا دودھ اور ان کا موت پیو''

تشریح: یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے اس سے امام محمد، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ نے ماکول اللحم جانوروں کے فضلات کی طہارت پر استدلال کیا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس حدیث کو منسوخ کہتے ہیں اور امام ابو یوسف اس کو علاج پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ ابھی جلالہ کی روایت آئی ہے اور جَلّہ کے معنی ہیں: مینگنی اور لید، جو جانور لید مینگنی کھاتا ہے اور اس کے پسینہ اور دودھ میں اس کا اثر محسوس ہوتا ہے اس کے کھانے سے نبی ﷺ نے منع کیا ہے،

اگرلید مینگنی پاک ہوتی تو جلالہ کے کھانے سے کیوں منع کیا جاتا؟ (تفصیل پہلے گذرچکی ہے)

[٣٧-] باب ماجاء فی شُرْبِ أَبْوَالِ الإِبِلِ

[١٨٤٠-] حدثنا الحَسَنُ بنُ مُحمدٍ الزَّعْفَرانِيُّ، ثَنَا عَفَّانُ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، ثَنَا حُمَيْدٌ، وَثَابِتٌ، وَقَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوْا الْمَدِيْنَةَ فَاجْتَوَوْهَا، فَبَعَثَهُمْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي إِبِلِ الصَّدَقَةِ، وَقَالَ: "اشْرَبُوْا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَديثِ ثَابِتٍ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَنَسٍ، رَوَاهُ أَبُوْ قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ، وَرَوَاهُ سَعِيْدُ بنُ أَبِي عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ.

بابُ الوُضُوْءِ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَهُ

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے کا بیان

یہ دو باب ہیں ان میں یہ مسئلہ ہے کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے کا کیا حکم ہے؟ جواب یہ ہے کہ کھانے سے پہلے اگر ہاتھ منہ گندے ہوں تو دھونا مستحب ہے، اسی طرح کھانے کے بعد بھی اگر ہاتھ منہ چکنے ہوں یا بو ہو تو دھونا مستحب ہے، اور اگر صاف ہوں تو پہلے بھی اور بعد میں بھی ہاتھ منہ نہ دھونے کی گنجائش ہے۔

پہلے باب کی حدیث: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے (اسلام سے پہلے) تورات (یعنی یہود کی کتابوں) میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے، میں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی (تاکہ اس بارے میں اسلام کا حکم معلوم ہو) اور میں نے آپؐ کو وہ بات بھی بتائی جو میں نے تورات میں پڑھی تھی، آپؐ نے فرمایا: بَرَكَةُ الطعامِ الوُضُوْءُ قبلَه والوضوءُ بعدَه: کھانے میں برکت کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھونے سے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے سے ہوتی ہے۔

تشریح: کھانے سے پہلے ہاتھ منہ عام طور پر میلے ہوتے ہیں، پس ان کو دھو کر کھایا جائے تو یہ نظافت کی بات بھی ہے اور اس میں بدن کی سلامتی بھی ہے، اور اگر ہاتھ منہ دھوئے بغیر کھایا جائے گا تو سارا میل پیٹ میں جائے گا جو جسم کے لئے مضر ہوگا، یہاں لوگ دو غلطیاں کرتے ہیں: ایک: ہاتھوں پر پانی ڈال لیتے ہیں اور میل گلا لیتے ہیں اور کھانا شروع کردیتے ہیں یہ ہاتھ دھونا نہیں ہے، ہاتھ دھونا یہ ہے کہ خوب صاف ہاتھ دھوئے جائیں اور ضرورت ہو تو صابن بھی استعمال کیا جائے، دوسری غلطی لوگ یہ کرتے ہیں کہ منہ نہیں دھوتے حالانکہ اکثر منہ بھی گندہ ہوتا ہے پس اس کا خیال رکھ کر منہ بھی صاف کرلینا چاہئے، اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے کا مقصد کھانے کی چکناہٹ اور بو

زائل کرنا ہے، پس صابن کی ضرورت ہو تو اس کو استعمال کیا جائے یا کسی کپڑے سے ہاتھ پونچھ کر صاف کر دیئے جائیں۔ اور نبی ﷺ نے تورات کے حکم پر کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھونے کا اضافہ کیا اس لئے کہ آپؐ کی شریعت مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے آئی ہے۔

اور یہ حدیث ضعیف ہے، قیس بن الربیع ضعیف راوی ہے مگر منذری نے لکھا ہے کہ اس راوی میں کلام صرف حافظہ کی خرابی کی وجہ سے ہے، یعنی یہ خفیف الضبط ہے، پس اس کی حدیث کم از کم حسن ہوگی، اور قیس کے استاذ ابو ہاشم کی نسبت رُمّانی ہے، اور نام یحییٰ بن دینار ہے، قصر الرُّمّان کوئی محل تھا اس میں یہ رہتے تھے اس لئے رمانی کہلاتے ہیں، یہ راوی ٹھیک ہے۔

دوسرے باب کی حدیث: جو اعلی درجہ کی صحیح ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ بیت الخلاء سے تشریف لائے آپؐ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا، لوگوں نے عرض کیا: أَلاَ نَأْتِيْكَ بِوَضُوْءٍ: کیا ہم آپؐ کے لئے وضو کا پانی نہ لائیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا: إِنَّما أُمِرْتُ بالوُضوء إذا قُمْتُ إلى الصلاة: مجھے وضو کا حکم اسی وقت دیا گیا ہے جب مجھے نماز پڑھنی ہو۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے پانی چھوئے بغیر کھانا نوش فرمایا، پس ثابت ہوا کہ کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھونا ضروری نہیں، البتہ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھونا مکروہ ہے، مگر یہ رائے صحیح نہیں، کیونکہ وجوب کی نفی سے کراہت ثابت نہیں ہوتی، نیز یہ وضوء شرعی (نماز والی وضوء) کی نفی ہے، اس سے وضو لغوی (ہاتھ منہ دھونے) کی نفی نہیں نکلتی۔

رہی یہ بات کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مستحب ہے یا نہیں؟ اس سے یہ حدیث ساکت ہے، لہٰذا دوسری نصوص میں یہ حکم تلاش کیا جائے گا اور دوسری نصوص موجود ہیں جیسا کہ پہلے باب میں روایت گذری، اگرچہ وہ سب روایات ضعیف ہیں مگر سب مل کر حسن لغیرہ ہو جاتی ہیں جو استحباب ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، یہ بات الکوکب الدری میں ہے۔ اور نسائی وغیرہ میں جو صحیح روایت ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھونے چاہئیں وہ روایت جنبی کے بارے میں ہے، جب ہاتھوں کی ناپاکی کا احتمال ہوتا ہے لیکن اگر ہاتھ پاک صاف ہوں تو نہ دھونے کی بھی گنجائش ہے، اس میں بھی کوئی کراہیت نہیں، جیسے کھانے کے بعد اگر ہاتھ صاف ہوں، ملوّث نہ ہوں تو بھی نہ دھونے کی گنجائش ہے، صحابہ سے کھانے کے بعد ہاتھ پونچھ ڈالنا بھی ثابت ہے۔

[٣٨-] باب الوُضُوْءِ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَهُ

[١٨٤١-] حدثنا يَحْيىَ بنُ مُوْسَى، ثَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ نُمَيْرٍ، ثَنَا قَيْسُ بنُ الرَّبِيْعِ، ح: وَثَنَا قُتَيْبَةُ،

ثَنَا عَبْدُ الْكَرِيْمِ الجُرْجَانِيُّ، عَنْ قَيْسِ بنِ الرَّبِيْعِ — الْمَعْنَى وَاحِدٌ — عَنْ أَبِيْ هَاشِمٍ، عَنْ زَاذَانَ، عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ: أَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَهُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنبيِّ صلى الله عليه وسلم، وأَخْبَرْتُهُ بِمَا قرأْتُ فِي التَّوْرَاةِ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهُ"

وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، وأَبِيْ هريرةَ، لاَنَعْرِفُ هٰذَا الحديثَ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ قَيْسِ بنِ الرَّبِيْعِ، وَقَيْسٌ يُضَعَّفُ فِي الحديثِ، وأَبُوْ هَاشِمٍ الرُّمَّانِيُّ: اسْمُهُ يَحْيَى بنُ دِيْنَارٍ.

[۳۹-] بابٌ فى تَرْكِ الْوُضُوْءِ قَبْلَ الطَّعَامِ

[۱۸۴۲-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ ابنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ مِنَ الْخَلاَءِ، فَقُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ، فَقَالُوْا: أَلاَ نَأْتِيْكَ بِوَضُوْءٍ؟ قَالَ: "إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلاَةِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رَوَاهُ عَمْرُو بنُ دِيْنَارٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْحُوَيْرِثِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، وَقَالَ عَلِيُّ بنُ الْمَدِيْنِيِّ: قَالَ يَحْيَى بنُ سَعِيْدٍ: كَانَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ يَكْرَهُ غَسْلَ الْيَدِ قَبْلَ الطَّعَامِ، وَكَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُوْضَعَ الرَّغِيْفُ تَحْتَ الْقَصْعَةِ.

وضاحت: مصری نسخہ میں دوسرے باب کی حدیث پر حسن صحیح کا حکم ہے اور یہی صحیح ہے، کیونکہ یہ حدیث مسلم شریف (حدیث ۳۷۴) میں ہے......اور حضرت سفیان ثوری نے دو باتیں فرمائی ہیں: (۱) کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مکروہ ہے (۲) روٹی پیالے کے نیچے رکھنا مکروہ ہے، طلبہ یہ غلطی کرتے ہیں: وہ مطبخ سے کھانا اس طرح لے کر آتے ہیں کہ روٹیاں نیچے ہوتی ہیں اور سالن کا برتن ان کے اوپر ہوتا ہے، یہ طریقہ ٹھیک نہیں اس سے احتراز کرنا چاہئے، یہ روٹی کی بے قدری ہے۔

بابُ ماجاء فى أَكْلِ الدُّبَّاءِ

لوکی کدو کھانے کا بیان

الدُّبَّاء: کدو (دال کی تشدید کے ساتھ اور بغیر تشدید کے) گھیا، لوکی، خواہ گول ہو یا لمبی، یہ مشہور سبزی ہے اس کی ترکاری پکا کر کھائی جاتی ہے اور اس کے تخموں کا مغز بکثرت استعمال کیا جاتا ہے اس کا مزاج سرد تر ہے، یہ سریع الہضم ہے اور صفراء کی حدت اور خون کے جوش کو تسکین دیتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سبزی پسند تھی۔

حدیث (۱): ابو طالوت (مجہول راوی) کہتا ہے، میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ لوکی کھارہے تھے،اور کہہ رہے تھے: یالكِ شَجَرَةً مَا أَحَبَّكِ إِلَيَّ لِحُبِّ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِيَّاكِ: اے درخت! تیرے کیا کہنے! (تیرے کیسے بھاگ ہیں!) تو مجھے کس قدر محبوب ہے! رسول اللہ ﷺ کے تجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے! دوسری قراءت: يَالكِ شَجَرَةً مَا أُحِبُّكِ إِلَّا لِحُبِّ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِيَّاكِ: اے درخت تیرے کیا کہنے! میں نہیں محبت کرتا تجھ سے مگر نبی ﷺ کے تجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے۔

تشریح: یالكِ میں لام تعجب ہے اور شَجَرَةً تمیز ہے، اور پہلے جملہ میں مَا أَحَبَّكِ فعل تعجب ہے اور إِلَيَّ میں ضمیر واحد متکلم ہے اور لِحُبِّ میں لام اجلیہ ہے، اور دوسرے جملہ میں ما نافیہ ہے اور أُحِبُّ فعل مضارع واحد متکلم ہے اور إِلَّا حرف استثناء ہے، یہ جملہ دونوں طرح مروی ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہے یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے لوکی سے خطاب کر کے فرمایا: تیرے کیسے نصیب ہیں! تو کتنا مبارک درخت ہے! اور تو مجھے کس قدر محبوب ہے! کیونکہ نبی ﷺ تجھ سے محبت فرماتے تھے، یا میں تجھ سے محبت صرف اس لئے کرتا ہوں کہ تجھ سے حضور اقدس ﷺ کو محبت تھی، یہ حدیث پہلی سند سے ضعیف ہے کیونکہ ابو طالوت مجہول راوی ہے اور آئندہ سند سے حسنٌ صحیحٌ ہے۔

اس کے علاوہ باب میں حضرت جابر بن طارق رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے، وہاں کدو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے جارہے تھے، انھوں نے پوچھا: اس کا کیا بنے گا؟ آپؐ نے فرمایا: اس سے سالن میں اضافہ کیا جائے گا (یہ حدیث شمائل میں نبی ﷺ کے سالن کے تذکرہ میں ہے)

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو بڑے پیالہ میں سے کدو تلاش کرتے دیکھا، پس میں برابر اس سے محبت کرتا ہوں، یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث شمائل میں ہے کہ نبی ﷺ کو کدو مرغوب تھا، ایک مرتبہ آپؐ کے پاس کھانا آیا یا آپؐ کسی دعوت میں تشریف لے گئے، سالن میں کدو بھی تھا، چونکہ مجھے معلوم تھا کہ آپؐ کو یہ مرغوب ہے اس لئے میں اس کے قتلے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر آپؐ کے سامنے کرتا تھا، اس کے علاوہ ایک حدیث شمائل میں اور بھی ہے کہ ایک درزی نے آنحضور ﷺ کی دعوت کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، داعی نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور کدو والے گوشت کا شوربہ پیش کیا، حضرت انسؓ نے دیکھا کہ نبی ﷺ پیالہ کی سب جانبوں سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے نوش فرمارہے ہیں، اس وقت سے مجھے بھی کدو مرغوب ہوگیا، یہ حضور ﷺ سے محبت کا ثمرہ تھا، محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ محبوب کی ہر ادا پسند ہو، اس کی ہر بات دل میں جگہ کرنے والی ہو اور جس درجہ کی محبت ہوگی اس مرتبہ میں محبوب کے اثرات کے ساتھ شغف ہوگا۔

[۴۰-] باب ماجاء في أَكْلِ الدُّبَّاءِ

[۱۸۴۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بنِ صَالِحٍ، عَنْ أَبِي طَالُوْتَ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، وَهُوَ يَأْكُلُ الْقَرْعَ، وَهُوَ يَقُوْلُ: يَالَكِ شَجَرَةً! مَا أَحَبَّكِ إِلَيَّ، لِحُبِّ رسولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِيَّاكِ.

وفي الباب: عَنْ حَكِيْمِ بنِ جَابِرٍ، عَنْ أَبِيْهِ، هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

[۱۸۴۴-] حدثنا مُحمدُ بنُ مَيْمُوْنٍ الْمَكِّيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، قَالَ: ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ قَالَ: رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَتَبَّعُ فِي الصَّحْفَةِ ــ يَعْنِي الدُّبَّاءَ ــ فَلَا أَزَالُ أُحِبُّهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ.

وضاحت: القَرْعُ اور الدُّبَّاءُ ایک چیز ہیں ..... تَتَبَّعَ يَتَتَبَّعُ: تلاش کرنا، صَحفة بڑا پیالہ۔

بابُ ماجاء في أَكْلِ الزَّيْتِ

زیتون کا تیل کھانے کا بیان

زیت: یعنی روغن زیتون، یہ خفیف زرد رنگ سبزی مائل روغن ہوتا ہے جو درخت زیتون کے پختہ پھلوں کو دبا کر نکالا جاتا ہے، اس کا مزاج گرم تر ہے، روغن زیتون کے بیرونی استعمال سے کھال نرم رہتی ہے اور جسم پر مالش کرنے سے اعضاء کو تقویت ملتی ہے اور کھانے سے بدن کو غذائیت ملتی ہے، زیادہ مقدار میں کھانے سے پیٹ صاف ہوتا ہے اور خاص طور پر جگر کی صفراوی پتھریوں کو گلا کر خارج کر دیتا ہے، مگر ہمارے دیار میں اول تو دستیاب نہیں، اور ملے تو بہت گراں ہوتا ہے۔

حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كُلُوْا الزَّيتَ، وَادَّهِنُوْا به، فإنّه من شَجَرَةٍ مباركةٍ: روغن زیتون کھاؤ (خواہ روٹی کے ساتھ کھاؤ یا کسی اور طریقہ سے) اور اس سے اپنا بدن تر کرو یعنی بدن پر اس کی مالش کرو، اس لئے کہ وہ بابرکت درخت کا تیل ہے، بابرکت یعنی کثیر المنافع، سورۃ النور آیت ۳۵ میں زیتون کو بابرکت یعنی نہایت مفید درخت کہا گیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کی سند عبدالرزاق صنعانی (صاحب مصنف) بہت مختلف طرح سے بیان کرتے تھے، کبھی سند کے آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر بالیقین کرتے تھے، کبھی شک کے طور پر کہتے تھے: میرا خیال ہے کہ یہ

حدیث حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، اور کبھی اس کی سند اسلم عدَوی پر روک دیتے تھے جو حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ ہیں اور ثقہ مخضرم راوی ہیں اس لئے امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا، یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے، یہی حدیث حضرت ابواسید انصاریؓ سے بھی مروی ہے اور اس کی سند ٹھیک ہے، اس کا ایک راوی عطاء شامی ہے وہ مقبول راوی ہے۔

[٤١-] باب ماجاء في أَكْلِ الزَّيْتِ

[١٨٤٥-] حدثنا يَحْيىَ بنُ مُوْسَى، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " كُلُوْا الزَّيْتَ، وَادَّهِنُوْا بِهِ، فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ"

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، وَكَانَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ يَضْطَرِبُ فِيْ رِوَايَةِ هٰذَا الحديثِ، فَرُبَّمَا ذَكَرَ فِيْهِ: عَنْ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرُبَّمَا رَوَاهُ عَلَى الشَّكِّ، فَقَالَ: أَحْسِبُهُ عَنْ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرُبَّمَا قَالَ: عَنْ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلًا.

حدثنا أَبُوْ دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بنُ مَعْبَدٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: عَنْ عُمَرَ.

[١٨٤٦-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، وَأَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عِيْسٰى، عَنْ رَجُلٍ يُقَالُ لَهُ: عَطَاءٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ، عَنْ أَبِيْ أَسِيْدٍ قَالَ: قَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: " كُلُوْا مِنَ الزَّيْتِ، وَادَّهِنُوْا بِهِ، فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عِيسٰى.

وضاحت: آخری حدیث میں من مصری نسخہ سے بڑھایا ہے ...... اور عبداللہ بن عیسیٰ بھی: ابن ابی لیلیٰ سے معروف ہیں۔

بابُ ماجاء في الأَكْلِ مَعَ الْمَمْلُوْكِ

غلام کے ساتھ کھانے کا بیان

مکارم اخلاق میں سے یہ بات ہے کہ جس نے کھانا تیار کیا ہے اور آگ کی گرمی اور دھویں کی تکلیف اٹھائی ہے

اس کا بھی کھانے میں حصہ رکھا جائے، پھر اخلاق کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ غلام یا خادم کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلایا جائے اور اگر کسی وجہ سے ایسا نہ کرے، آقا یا غلام عار محسوس کرتا ہے یا کھانا تھوڑا ہے تو لقمے دو لقمے خادم کے لئے بچالے تاکہ اس کا دل خوش ہو۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: انھوں نے اپنے تلامذہ کو یہ بات نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے بتائی کہ آپؐ نے فرمایا: ''جب تم میں سے ایک کو بے نیاز کرے اس کا خادم اس کے کھانے سے یعنی اس کی گرمی اور اس کے دھویں سے تو چاہئے کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑے اور اس کو اپنے ساتھ بٹھائے، یعنی اگر غلام یا خادم ساتھ بیٹھنے کے لئے تیار نہ ہو تو اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی بٹھائے اور اگر آقا انکار کرے یعنی تکبر کی وجہ سے ساتھ بٹھانے کے لئے تیار نہ ہو یا خادم تواضع کی وجہ سے آقا کے ساتھ کھانے کے لئے تیار نہ ہو تو چاہئے کہ ایک لقمہ لے اور اس کو وہ لقمہ کھلائے۔

تشریح: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سند حسن کے ساتھ مروی ہے کہ ہمیں نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ہم غلام کو بلائیں اور اپنے ساتھ کھلائیں، پس اگر ہم میں سے کوئی اس کو ناپسند کرے کہ غلام اس کے ساتھ کھائے تو چاہئے کہ اس کے ہاتھ میں کھانا دیدے، اس حدیث سے مذکورہ دو احتمالوں میں سے پہلا احتمال متعین ہو گیا کہ آقا اپنی بڑائی کی وجہ سے نوکر کو ساتھ نہ بٹھانا چاہے تو اس کے لئے تھوڑا کھانا بچالے، البتہ اگر کھانا بہت ہو اور خادم کے لئے کھانا بچ جائے گا تو پھر اس کو ساتھ بٹھانا ضروری نہیں۔

[٤٢-] باب ماجاء في الأَكْلِ مَعَ الْمَمْلُوْكِ

[١٨٤٧-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ أَبِيْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، يُخْبِرُهُمْ ذٰلِكَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: '' إِذَا كَفَا أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ طَعَامَهُ: حَرَّهُ وَدُخَانَهُ، فَلْيَأْخُذْ بِيَدِهِ فَلْيُقْعِدْ مَعَهُ، فَإِنْ أَبَى فَلْيَأْخُذْ لُقْمَةً، فَلْيُطْعِمْهُ إِيَّاهَا''

هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وأَبُوْ خَالِدٍ وَالِدُ إِسْمَاعِيْلَ، اسْمُهُ سَعْدٌ.

لغت اور ترکیب: كَفَى يَكْفِيْ كِفَايَةً: کافی ہونا، کفایت کرنا، کسی چیز سے بے نیاز کرنا، أَحَدَكُمْ مفعول بہ، خَادِمُه فاعل مؤخر، طَعَامَه مفعول ثانی، اور حَرَّہ و دُخَانَه مفعول ثانی سے بدل، اور خادم کو ساتھ بٹھانا یا اس کے لئے کھانا بچانا استحبابی حکم ہے۔

ایک واقعہ: عالمگیر رحمہ اللہ کے ذاتی مطبخ کا باورچی ٹکتا نہیں تھا، چند دن کے بعد اپنا تبادلہ لنگر خانے میں کروالیتا تھا، ایک من چلا باورچی تھا اس نے سوچا: کیا بات ہے کوئی باورچی بادشاہ کے یہاں ٹکتا نہیں؟ میں دیکھوں گا، اس نے درخواست دی: حضور میں آپ کا کھانا پکانا چاہتا ہوں، عالمگیرؒ نے فرمایا: ہمارے یہاں کوئی باورچی ٹکتا نہیں، تو بھی چند

دن میں بھاگ جائے گا، اس نے وعدہ کیا کہ میں ہرگز نہیں جاؤں گا، چنانچہ بادشاہ نے اس کو رکھ لیا، اس نے دیکھا کہ نپا تلا کھانا پکتا ہے آدھا گھر میں چلا جاتا ہے اور آدھا بادشاہ کے سامنے، دیگچی میں کچھ نہیں بچتا، جب روز کا یہ معمول دیکھا تو وہ تنگ آ گیا مگر وہ یہ تو کہہ نہیں سکتا تھا کہ میرا تبادلہ لنگر خانہ میں کر دیا جائے اس نے سوچا کہ بادشاہ کو پریشان کروں تاکہ وہ ناراض ہو کر بھگا دے، بادشاہ کے یہاں شام کو ایک سیر کھچڑی پکتی تھی، آدھی گھر میں جاتی تھی اور آدھی بادشاہ کے سامنے، ایک دن اس نے کھچڑی میں نمک نہیں ڈالا، بادشاہ نے جب لقمہ لیا تو باورچی کی طرف دیکھا مگر کچھ نہیں کہا، نمک بھی نہیں مانگا، پھیکی کھچڑی کھالی، باورچی نے سوچا: بادشاہ کو پھیکی کھچڑی اچھی لگتی ہے اور جو پھیکا کھا سکتا ہے وہ تیز نمک والا نہیں کھا سکتا، چنانچہ اگلے دن ڈبل نمک ڈال دیا، بادشاہ نے ایک لقمہ کھا کر پھر باورچی کو دیکھا اور کچھ نہیں کہا، کھچڑی کھالی، جب باورچی برتن اٹھانے آیا تو اس سے کہا: کل ڈیڑھ سیر کھچڑی پکانا، اور جتنی گھر میں جاتی ہے اتنی گھر میں بھیجنا باقی میرے پاس لانا۔ بادشاہ نے حسب معمول آدھی کھچڑی کھائی اور آدھی بچ گئی، جب باورچی برتن اٹھانے آیا تو اس سے کہا: یہ ہمارا بچا ہوا تبرک ہے اس کے نو حصے کرو اور ہمارے نو رتنوں (وزیروں) کو ہدیہ پہنچاؤ، باورچی نے اس تبرک کے نو حصے کئے اور خوب سجائے، وزیروں کو جب معلوم ہوا کہ آج بادشاہ کا بچا ہوا کھانا ہدیہ آرہا ہے تو ہر وزیر نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور باورچی کو ایک ایک لاکھ روپیہ ہدیہ دیا، جب باورچی فارغ ہو گیا تو بادشاہ نے پوچھا: ارے ہمارے وزیروں نے تجھے کچھ دیا بھی؟ اس نے کہا: حضور اتنا دیا ہے کہ میری سات پشتوں تک کے لئے کافی ہے، عالمگیرؒ نے فرمایا: پھر نمک ٹھیک ڈالا کرو۔

ملحوظہ: عالمگیرؒ حکومت سے تنخواہ نہیں لیتے تھے، خود قرآن مجید کی کتابت کرتے تھے اور اس کے ہدیہ سے گھر چلاتے تھے اس لئے باورچی کے لئے کھانا بچانے کی گنجائش نہیں تھی چنانچہ وزیروں سے انعام دلوایا، عالمگیرؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن کریم کا ایک پارہ دارالعلوم دیوبند میں ہے۔ اور اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنخواہ دار ملازم کے لئے کھانا بچانے کا حکم نہیں، وہ اپنے عمل کے صلہ میں تنخواہ پاتا ہے، غلام یا رضا کارانہ خادم کے لئے کھانا بچانے کا حکم ہے۔

بابُ ماجاء فی فَضْلِ إِطْعَامِ الطَّعَامِ

غریبوں کو کھانا کھلانے کا ثواب

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں اور دونوں اعلی درجہ کی صحیح ہیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: أَفْشُوْا السَّلَامَ، وأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، واضْرِبُوْا الهَامَ: تُوْرِثُوْا الجِنَانَ: سلام کو رواج دو، غریبوں کو کھلاؤ، اور (جہاد میں) دشمنوں کے سروں پر بجاؤ: باغوں کے وارث بنائے جاؤ گے۔

تشریح: أَفْشَاہ: پھیلانا، شائع کرنا، عام کرنا۔ فَشَا (ن) فَشْوًا وَفُشُوًّا: ظاہر ہونا، پھیلنا، عام ہونا، یعنی سلام کو

رواج دو، سب لوگوں کو سلام کرو، جان پہچان کے لوگوں کے ساتھ سلام کو خاص مت رکھو۔ إطعام (افعال): کھانا کھلانا، مراد غریبوں کو کھلانا ہے۔ اور یہ زکوۃ کے علاوہ انفاق ہے کیونکہ مال میں اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کے علاوہ بھی حقوق رکھے ہیں، کتاب الزکاۃ میں حدیث ہے: إِنَّ فی المالِ لَحقًّا سِوی الزکاة: مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔ الهَام: هامة کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: سر اور سر کا بالائی حصہ یعنی کھوپڑی، مراد اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے، تُورَثوا: فعل ماضی مجہول صیغہ جمع مذکر حاضر ہے، اور جِنَانٌ: جَنَّة کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: باغ، یعنی یہ تین کام دخول جنت کے بہترین اسباب ہیں پس ان کو اختیار کرو۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: اعْبُدُوْ الرحمن، وأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وأَفْشُوْا السَّلَامَ: تَدْخُلُوْا الجنةَ بسلامٍ: ترجمہ: مہربان ہستی کی عبادت کرو، یعنی صرف اسی کی عبادت کرو کسی اور کو عبادت میں شریک مت کرو، اور غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو رواج دو: باطمینان جنت میں جاؤ گے یعنی نہ آگے کا کوئی ڈر ہوگا نہ پیچھے کا کوئی غم، یہ حدیث بھی اعلی درجہ کی صحیح ہے اور یہ تین کام بے خوف وخطر جنت میں جانے کے اسباب ہیں پس ان کو اختیار کرنا چاہئے۔

[۴۳-] باب ماجاء فی فَضْلِ إِطْعَامِ الطَّعَامِ

[۱۸۴۸-] حدثنا يُوْسُفُ بنُ حَمَّادٍ، ثَنَا عُثْمَانُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ الجُمَحِيُّ، عَنْ مُحمدِ بنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " أَفْشُوْا السَّلَامَ، وأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وَاضْرِبُوْا الْهَامَ: تُوْرَثُوْا الجِنَانَ"

وفی الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وابنِ عُمَرَ، وَأَنَسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ سَلَامٍ، وَعَبْدِ الرحمنِ بنِ عَائِشٍ، وَشُرَيْحِ بنِ هَانِئٍ، عَنْ أَبِيْهِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ هريرةَ.

[۱۸۴۹-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " اعْبُدُوْا الرحمنَ، وأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وأَفْشُوْا السَّلَامَ: تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: پہلی حدیث میں عثمان کچھ زیادہ مضبوط راوی نہیں، مگر امام ترمذی کے نزدیک وہ اچھا راوی ہے اور یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے جن کا باب میں حوالہ ہے مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث غریب (انوکھی) ہے، محدثین میں مشہور نہیں۔

بابُ ماجاء في فَضْلِ العَشَاءِ

شام کے کھانے کی فضیلت

سب لوگ دو پہر کا کھانا تو کھاتے ہیں مگر بعض لوگ شام کو فاقہ کرتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں، کیونکہ ناشتہ پوری رات گذرنے کے بعد صبح کو ملے گا یا اگلی دو پہر کو کھانا ملے گا، اتنا لمبا عرصہ بھوکا رہنا حفظانِ صحت کے نقطۂ نظر سے ٹھیک نہیں، معدے کی چکی چلتی رہتی ہے اور جب چکی میں اناج ختم ہو جاتا ہے تو پتھر گھستا ہے، اسی طرح جب معدہ خالی ہو جاتا ہے تو رطوبتِ اصلیہ تختۂ مشق بنتی ہے، اور آدمی کمزور ہو جاتا ہے، اس لئے شام کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور کھانا چاہئے تا کہ معدہ کو کام ملے مگر اس سلسلہ میں جو روایت ہے وہ منکر یعنی نہایت ضعیف ہے، اور یہ روایت صرف ترمذی میں ہے، باقی پانچ کتابوں میں نہیں ہے، اس کا پہلا راوی محمد بن یعلی کوفی جس کا لقب زمبور (بھڑ) ہے ضعیف ہے، دوسرا راوی عنبسہ بھی ضعیف ہے اور تیسرا راوی عبد الملک مجہول ہے اس لئے یہ روایت غایت درجہ ضعیف ہے، ایسی روایت کے لئے امام ترمذی لفظ منکر استعمال کرتے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: تَعَشَّوْا وَلَوْ بِكَفٍّ مِنْ حَشَفٍ، فَإِنَّ تَرْكَ العَشَاءِ مَهْرَمَةٌ: شام کو کھاؤ، چاہے ایک مٹھی ردی کھجوریں ہوں، اس لئے کہ شام کو نہ کھانا بڑھاپے کا سبب ہے۔

تشریح: تَعَشّي: رات کا کھانا کھانا، مجرد: عَشٰی يَعْشُوْ عَشْوًا ہے، جس کے معنی ہیں رتوندا ہونا، یعنی رات کو نظر نہ آنا اور عَشّٰی فلانا کے معنی ہیں: کسی کو رات کا کھانا کھلانا، تَعَشَّوْا: فعل امر صیغہ واحد مذکر حاضر ہے...... بِكَفٍّ: أی بِمِلْءِ كَفٍّ یعنی مٹھی بھر...... الحَشَفُ (بفتحتين) مِنَ التَّمْر: خراب کھجوریں جو پکنے سے پہلے سوکھ جاتی ہیں ان میں نہ گٹھلی ہوتی ہے نہ گودا، نہ چھلی ہوتی ہے نہ مٹھاس...... مَهْرَمَةٌ: بوڑھاپے کا سبب، هَرِمَ الرَّجُلُ هَرَمًا وَمَهْرَمَةً: بڑھاپے کی آخری منزل کو پہنچنا، بوڑھا اور کمزور ہو جانا۔

[٤٤-] باب ماجاء في فَضْلِ العَشَاءِ

[١٨٥٠-] حدثنا يَحْيَى بنُ مُوْسَى، ثَنَا مُحمدُ بنُ يَعْلَى الْكُوْفِيُّ، ثَنَا عَنْبَسَةُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ الْقُرَشِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ عَلَّاقٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "تَعَشَّوْا، وَلَوْ بِكَفٍّ مِنْ حَشَفٍ، فَإِنَّ تَرْكَ العَشَاءِ مَهْرَمَةٌ"

هٰذَا حديثٌ مُنْكَرٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَعَنْبَسَةُ يُضَعَّفُ فِي الحديثِ، وَعَبْدُ الْمَلِكِ بنُ عَلَّاقٍ مَجْهُوْلٌ.

بابُ ماجاء فِیْ التَّسْمِیَۃِ عَلَی الطَّعَامِ

بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھا!

عام طور پر احادیث میں کھانے سے پہلے صرف بسم اللہ کا ذکر ہے مگر ایک روایت میں جس کا حوالہ پہلے (تحفۃ الالمعی ۱:۲۴۶) گذرا ہے بسم اللہ وعلی بَرَکۃ اللہ بھی آیا ہے، پس کھانے سے پہلے صرف بسم اللہ یا بسم اللہ الرحمن الرحیم یا بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ پڑھنا چاہئے، پھر کچھ حضرات کی رائے یہ ہے کہ کھانے سے پہلے تسمیہ واجب ہے کیونکہ اس باب میں صحیح روایات ہیں اور صیغہ امر وارد ہوا ہے، لیکن علماء کی عام رائے یہ ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ مسنون ہے۔

اور تسمیہ کے سلسلہ میں پانچ مسئلے ذہن نشین کرنے چاہئیں:

(۱) اگر اجتماعی کھانا کھایا جارہا ہو تو بسم اللہ زور سے پڑھنا مستحب ہے، تاکہ اور لوگ بھی سنیں اور وہ بھی چوکنا ہوجائیں اور بسم اللہ پڑھیں۔

(۲) اگر کوئی شخص کھانے سے پہلے بسم اللہ بھول جائے تو جب یاد آئے: بسم اللہ أوَّلَہٗ و آخِرَہٗ یا بسم اللہ فی أولِہ و آخِرِہ: کہہ لے، اس کا فائدہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ شیطان نے جو کھایا ہے وہ اس کو قئی کر دیتا ہے یعنی وہ برکت لوٹتی تو نہیں مگر دشمن کے پیٹ میں بھی نہیں رہتی، اور یہی کیا کم ہے! اور لفظ فی ذکر بھی کر سکتے ہیں اور حذف بھی کر سکتے ہیں۔

(۳) پانی، دودھ، شوربہ، دوا یا کسی بھی مشروب سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے جیسا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے۔

(۴) جنبی اور حائضہ وغیرہ کے لئے بھی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے۔

(۵) اگر چند افراد ایک ساتھ کھا رہے ہوں تو کسی ایک کا بسم اللہ پڑھنا سب کی طرف سے کافی ہے مگر مستحب یہ ہے کہ سب پڑھیں، البتہ جو شخص بعد میں آئے وہ اپنی بسم اللہ خود پڑھے اگر وہ نہیں پڑھے گا تو سارے کھانے کی برکت ختم ہوجائے گی، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ کے پروردہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس پہنچے، آپؐ کے سامنے کھانا تھا، آپؐ نے فرمایا: اُدْنُ یَابُنَیَّ! فَسَمِّ اللّٰہَ، وَکُلْ بِیَمِیْنِکَ، وَکُلْ مِمَّا یَلِیْکَ: نزدیک آجاے پیارے بچے! اللہ کا نام لے، اور دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنی جانب سے کھا۔

تشریح: بُنَیَّ: ابن کی تصغیر ہے اور یہ تصغیر پیار کے لئے ہے، اردو میں بچے کی تصغیر بچونگڑا ہے اور اس حدیث میں کھانے کے تین ادب ہیں: ایک: بسم اللہ پڑھ کر کھانا، دوسرا: دائیں ہاتھ سے کھانا، تیسرا: اگر کھانا ایک طرح کا ہو تو

اپنی طرف سے کھانا۔ اور یہ حدیث ہشام اپنے ابا حضرت عروہ سے بھی روایت کرتے ہیں اور ابو وَجزہ سعدی سے بھی، پھر وہ قبیلہ مزینہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں، اور وہ عمر بن ابی سلمہ سے، غرض ہشام کے تلامذہ اس حدیث کی روایت میں مختلف ہیں۔

حدیث (۲): یہ حدیث نہایت ضعیف ہے اور باب سے غیر متعلق بھی ہے اس کا ایک راوی علاء بن الفضل ضعیف ہے اور اس کا استاذ عبید اللہ بھی ایسا ہی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی حدیث ثابت نہیں، حضرت عکراشؓ جو قلیل الروایہ صحابی ہیں اور جنھوں نے سو سال کی عمر پائی ہے: کہتے ہیں: مجھے قبیلہ بنومُرہ نے اپنے اموال کی زکوتیں نبی ﷺ کے پاس پہنچانے کے لئے بھیجا، میں آپؐ کے پاس مدینہ پہنچا تو آپ مہاجرین وانصار کے درمیان تشریف فرما تھے، عکراش کہتے ہیں: جب مجلس ختم ہوئی تو نبی ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حضرت ام سلمہؓ کے گھر لے گئے اور پوچھا: کھانے کے لئے کچھ ہے؟ پس ہمارے پاس ایک بڑا پیالہ لایا گیا جس میں بہت ثرید اور گوشت کی بوٹیاں تھیں، پس ہم نے اس میں سے کھانا شروع کیا، میں اپنا ہاتھ پیالہ کے کناروں میں اِدھر اُدھر مارتا تھا یعنی بوٹیاں چن چن کر کھاتا تھا اور نبی ﷺ اپنے سامنے سے کھاتے تھے، پس آپؐ نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے عکراش! ایک جگہ سے کھاؤ، اس لئے کہ یہ ایک کھانا ہے، پھر ہمارے پاس ایک تھال لایا گیا جس میں مختلف قسم کے چھوہارے یا تازہ کھجوریں تھیں (عبید اللہ کو شک ہے) پس میں اپنے سامنے ہی سے کھاتا رہا اور نبی ﷺ کا ہاتھ تھال میں گھومتا رہا، یعنی آپؐ ہر طرف سے کھاتے تھے اور فرمایا: اے عکراش! جہاں سے چاہو کھاؤ، اس لئے کہ یہ ایک قسم کی کھجوریں نہیں ہیں، پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا، پس نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کی تری کو اپنے چہرے پر، اپنی دونوں کلائیوں پر اور اپنے سر پر پونچھ لیا، اور فرمایا: اے عکراش! ما مست النار سے وضو یہ ہے یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد جو وضو کا حکم ہے اس سے وضو شرعی مراد نہیں، بلکہ وضو لغوی مراد ہے یعنی ہاتھ منہ دھونا۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے اور ابن ماجہ میں بھی ہے مگر مختصر ہے، اس حدیث میں کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں، اس لئے یہ حدیث اس باب سے غیر متعلق ہے اور مصری نسخہ میں بھی بہت بے ربطی ہے، ابھی باب گذرا ہے: بابٌ فی ترك الوضوء قبل الطعام، یہ حدیث مصری نسخہ میں اس کے بعد متصلاً ہے مگر وہاں بھی باب ماجاء فی التسمیة فی الطعام ہے پھر یہاں بھی یہی باب مکرر ہے اور یہ حدیث یہاں بھی ہے مگر دونوں جگہ باب سے غیر متعلق ہے، میری رائے میں اس حدیث کا تعلق بابٌ فی ترك الوضوء قبل الطعام سے ہونا چاہئے اور مصری نسخہ میں وہاں جو باب قائم کیا گیا ہے یعنی بابُ ماجاء فی التسمیة فی الطعام یہ کاتب کی غلطی ہے، واللہ اعلم بالصواب

اور یہاں حدیث کے آخر میں ہے: وفی الحدیث قصة یہ مصری نسخہ میں نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ مصری نسخہ میں

ہے: ولانَعْرِفُ لعكراشٍ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلا هذا الحديث: اوریہی نسخہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ لمبا مضمون تو روایت میں آ گیا، اس کے علاوہ روایت میں کوئی مضمون نہیں، البتہ ابن ماجہ (حدیث ۳۲۷۴ کتاب الأطعمة باب ۱۱) میں جو مختصر حدیث ہے، وہاں یہ جملہ لکھا جائے کہ اس حدیث میں لمبا مضمون ہے تو ایک بات بھی ہے۔

حدیث (۳): نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کوئی بھی کھانا کھائے تو چاہئے کہ بسم اللہ پڑھے پس اگر شروع میں کہنا بھول جائے تو چاہئے کہ بسم الله فی أوله و آخره کہے، اوراسی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھ صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، اچانک ایک بدو آیا اور وہ سارا کھانا دو لقموں میں کھا گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَمَا إنه لو سَمَّى لكفاكم: سنو! اگر وہ بسم اللہ پڑھتا تو وہ کھانا تمہارے لئے کافی ہو جاتا۔

تشریح: الکوکب میں ہے: قَضِيَّةُ عَيْنٍ، لاَقَضِيَّةُ اسْتِمْرَارٍ: یعنی یہ ایک خصوصی واقعہ ہے ہمیشہ ایسا ہونا ضروری نہیں، یعنی چھ سات آدمیوں کا کھانا کوئی شخص دو لقموں میں کھا جائے ایسا عام طور پر نہیں ہوتا مگر جس طرح کھانے میں برکت ہوتی ہے بے برکتی بھی ہوتی ہے، اس خاص واقعہ میں یہی صورت پیش آئی تھی کہ کھانے میں بے برکتی ہوگئی اور بدو اس کو دو لقموں میں کھا گیا تا کہ اس سلسلہ کی تشریع امت کے سامنے آئے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مسئلہ واضح کیا کہ بعد میں جو شخص آ کر کھانے میں شریک ہو وہ اپنی بسم اللہ خود پڑھے، ورنہ سارے کھانے کی برکت ختم ہو جائے گی، جیسا کہ اس واقعہ میں لوگوں نے مشاہدہ کیا، چنانچہ الکوکب میں ہے کہ حاضرین میں سے ایک کا بسم اللہ پڑھنا صرف انہی لوگوں کی طرف سے کافی ہوتا ہے جو تسمیہ کے وقت موجود ہوں جو بعد میں آ کر شریک ہو اس کی طرف سے کافی نہیں۔

[٤٥-] باب ماجاء في التَّسْمِيَةِ عَلَى الطَّعَامِ

[١٨٥١-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عُمَرَ بنِ أَبِيْ سَلَمَةَ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَعِنْدَهُ طَعَامٌ، فَقَالَ: " ادْنُ يَابُنَيَّ! فَسَمِّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ"

وَقَدْ رُوِىَ عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْ وَجْزَةَ السَّعْدِيِّ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ، عَنْ عُمَرَ بنِ أَبِيْ سَلَمَةَ، وَقَدِ اخْتَلَفَ أَصْحَابُ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ فِيْ رِوَايَةِ هٰذَا الحديثِ، وأَبُوْ وَجْزَةَ السَّعْدِيُّ: اسْمُهُ يَزِيْدُ بنُ عُبَيْدٍ.

[١٨٥٢-] حدثنا مُحمَّدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا الْعَلاَءُ بنُ الفَضْلِ بنِ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ أَبِي السَّوِيَّةِ أَبُوْ الْهُذَيْلِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ عِكْرَاشٍ، عَنْ أَبِيْهِ عِكْرَاشِ بنِ ذُؤَيْبٍ، قَالَ: بَعَثَنِيْ بَنُوْ مُرَّةَ بنِ عُبَيْدٍ بِصَدَقَاتِ أَمْوَالِهِمْ إِلَى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَدِمْتُ عَلَيْهِ الْمَدِيْنَةَ، فَوَجَدْتُهُ جَالِسًا بَيْنَ

الْمُهَاجِرِيْنَ وَالأَنْصارِ، قَالَ: ثُمَّ أَخذَ بِيَدِيْ فَانطَلَقَ بِيْ إِلَى بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، فَقَالَ:" هَلْ مِنْ طَعَامٍ؟" فَأُتِيْنَا بِجَفْنَةٍ كَثِيْرَةِ الثَّرِيْدِ وَالْوَذْرِ، فَأَقْبَلْنَا نَأْكُلُ مِنْهَا، فَخَبَطْتُ بِيَدِيْ فِيْ نَوَاحِيْهَا، وأَكَلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ، فَقَبَضَ بِيَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى يَدِيْ الْيُمْنَى، ثُمَّ قَالَ:" يَا عِكْرَاشُ! كُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ، فَإِنَّهُ طَعَامٌ وَاحِدٌ" ثُمَّ أُتِيْنَا بِطَبَقٍ، فِيْهِ أَلْوَانُ التَّمْرِ أَوْ: الرُّطَبِ ــ شَكَّ عُبَيْدُ اللّٰهِ ــ فَجَعَلْتُ آكُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَجَالَتْ يَدُ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي الطَّبَقِ، قَالَ:" يَا عِكْرَاشُ! كُلْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ، فَإِنَّهُ غَيْرُ لَوْنٍ وَاحِدٍ" ثُمَّ أُتِيْنَا بِمَاءٍ، فَغَسَلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَدَيْهِ، وَمَسَحَ بِبَلَلِ كَفَّيْهِ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ، وَقَالَ:"يَا عِكْرَاشُ! هٰذَا الْوُضُوْءُ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ"

هٰذا حديثٌ غريبٌ لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الْعَلاَءِ بنِ الْفَضْلِ، وَقَدْ تَفَرَّدَ الْعَلاَءُ بِهٰذَا الحديثِ، وَفِي الحديثِ قِصَّةٌ.

[١/١٨٥٣-] حدثنا أَبُوْ بَكْرٍ مُحمدُ بنُ أَبَانٍ، ثَنَا وَكِيْعٌ، ثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ بُدَيْلِ بنِ مَيْسَرَةَ الْعُقَيْلِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُبَيْدِ بنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أُمِّ كُلْثُوْمٍ، عَنْ عَائشةَ، قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُم طَعَامًا فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ، فَإِنْ نَسِيَ فِيْ أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ فِيْ أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ"

[٢/١٨٥٣-] وَبِهٰذَا الإِسْنَادِ عَنْ عَائشةَ قَالَتْ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: يَأْكُلُ طَعَامًا فِيْ سِتَّةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَأَكَلَهُ بِلُقْمَتَيْنِ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَمَا إِنَّهُ لَوْ سَمَّى لَكَفَاكُمْ"، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ملحوظہ: حضرت عکراش کی حدیث چونکہ نہایت ضعیف ہے، اس لئے علماء نے اس کو مامست النار کی روایات کے اختلاف میں فیصلہ کن قرار نہیں دیا۔

بابُ ماجاء فِيْ كَرَاهِيَةِ الْبَيْتُوْتَةِ وَفِي يَدِهِ غَمَرٌ

اس حال میں رات گذارنا کہ ہاتھ میں چکناہٹ کی بوہو پسندیدہ نہیں

اگر کھانے سے ہاتھ ملوث ہوں تو کھانے کے بعد ان کو اچھی طرح دھولینا مستحب ہے اور اگر کوئی کسی وجہ سے نہ دھوئے تو یہ گنوارپن کی بات ہے، مگر کسی ضرر کا اندیشہ نہیں، مگر اس حالت میں رات کو سونا ضرر کا سبب ہوسکتا ہے، کیڑوں کی قوت شامہ بہت تیز ہوتی ہے وہ بوسونگھ کر آکر ہاتھ چاٹیں گے اور ہوسکتا ہے کہ کاٹ لیں، پس سونے سے پہلے ہاتھ منہ اچھی طرح دھولینے چاہئیں، تاکہ ہاتھوں پر چکناہٹ نہ رہے اور ضرر کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إنَّ الشیطانَ حَسَّاسٌ لَحَّاسٌ: شیطان بہت زیادہ احساس وادراک کرنے والا، بہت زیادہ چاٹنے والا ہے، فَاحْذَرُوْهُ علی أنفُسِکُمْ: پس اپنے بارے میں اس سے ڈرو یعنی خیال رکھو کہ وہ تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچائے، مَن باتَ وفی یدہ ریحُ غَمَرٍ، فَأَصابَہ شیئٌ، فلا یَلُوْمَنَّ إلا نَفْسَہ: جس نے رات گذاری اس حال میں کہ اس کے ہاتھ میں چکناہٹ کی بو تھی پس اس کو کوئی چیز پہنچی یعنی کسی کیڑے نے کاٹ لیا تو وہ ہرگز ملامت نہ کرے مگر اپنے نفس کو، کیونکہ یہ اسی کی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔

تشریح: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سعید مقبری اور ابو صالح روایت کرتے ہیں، مگر ابو صالح کی سند سے حدیث کا متن صرف یہ ہے: مَن باتَ وفی یدہ ریحُ غَمَرٍ فأصابَہ شیئ فلایلومنَّ إلا نفسہ یہی حدیث دوسرے نمبر پر لائے ہیں...... اور ابن رسلان نے لکھا ہے کہ اگر ہاتھ چکنے ہوں تو صابن وغیرہ سے دھونے چاہئیں تاکہ چکناہٹ اور بو ختم ہوجائے۔

لغات: غَمِرَتِ الْیَدُ (س) غَمَرًا: ہاتھ میں گوشت یا چکناہٹ کی بو ہونا...... حَسَّاس (اسم مبالغہ) بہت زیادہ احساس کرنے والا...... لَحَّاسٌ (اسم مبالغہ) بہت زیادہ چاٹنے والا، لَحِسَ الإِنَاءَ (س) لَحْسًا: برتن کو انگلی یا زبان سے چاٹنا، اور شریعت کی اصطلاح میں بری اور تکلیف دہ باتیں شیطان کی طرف منسوب کرکے بیان کی جاتی ہیں پس یہ تمثیل یعنی پیرایۂ بیان ہے۔

[٤٦-] باب ماجاء فی کراهیة البَیْتُوْتَةِ وفی یَدِهِ غَمَرٌ

[١٨٥٤-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِیْعٍ، ثَنَا یَعْقُوْبُ بنُ الْوَلِیْدِ الْمَدَنِیُّ، عَنْ ابنِ أَبِیْ ذِئْبٍ، عَنِ الْمَقْبُرِیِّ، عَنْ أَبِی هریرةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: " إنَّ الشَّیْطَانَ حَسَّاسٌ لَحَّاسٌ، فَاحْذَرُوْهُ عَلٰی أَنْفُسِکُمْ، مَنْ بَاتَ وَفِی یَدِهِ رِیْحُ غَمرٍ، فَأَصَابَهُ شَیْئٌ، فَلاَ یَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ"

هٰذَا حدیثٌ غریبٌ مِنْ هٰذَا الوَجْهِ، وَقَدْ رُوِیَ مِنْ حَدِیْثِ سُهَیْلِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ أَبِیْ هُریرةَ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم.

[١٨٥٥-] حدثنا مُحمدُ بنُ إِسْحَاقَ أَبُوْ بَکْرٍ الْبَغْدَادِیُّ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ الْمَدَائِنِیُّ، ثَنَا مَنْصُوْرُ بنُ أَبِی الأَسْوَدِ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْ هریرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: " مَنْ بَاتَ وَفِیْ یَدِهِ غَمَرٌ، فَأَصَابَهُ شَیْئٌ، فَلاَ یَلُوْمَنْ إِلَّا نَفْسَهُ"

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ لانعرِفُهُ مِنْ حَدِیْثِ الْأَعْمَشِ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

﴿ آخرُ أبوابِ الأَطْعِمَةِ ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أبو ابُ الأَشْرِبَةِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

پینے کی چیزوں کا بیان

اشربہ: شراب کی جمع ہے، شراب: عربی میں ہر مشروب کو کہتے ہیں، خواہ وہ حلال ہو یا حرام، اور اردو میں شراب: صرف حرام مشروب کو کہتے ہیں، اور لفظ مشروب (پینے کی چیز) عام ہے...... جو قومیں شراب پیتی ہیں ان کی زبانوں میں شرابوں کے لئے بہت سے الفاظ ہیں، جیسے انگریزی میں ہر چیز کی شراب کے لئے الگ لفظ ہے، اسلام سے پہلے عرب بھی بہت شراب پیتے تھے، اس لئے عربی میں بھی شرابوں کے لئے بہت الفاظ ہیں اور اردو مشترک زبان ہے، کسی قوم کی مخصوص زبان نہیں، اس لئے اردو میں صرف ایک لفظ شراب ہے، جو سب شرابوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اور ''مشروب'' عام لفظ ہے۔

باب ماجاء في شَارِبِ الْخَمْرِ

شراب پینے والے کے لئے وعید

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: کُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ: ہر نشہ آور چیز خمر ہے، و کلُّ مسكرٍ حرام: اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے، ومن شَرِبَ الخَمْرَ في الدنيا، فَمَاتَ وَهو يُدْمِنُهَا، لَمْ يَشْرَبْهَا في الآخرة: اور جس نے دنیا میں شراب پی، پس وہ مرا اس حال میں کہ وہ اس کا عادی تھا (اس کو پابندی سے پیتا تھا) تو وہ آخرت میں شراب نہیں پیئے گا یعنی جنت میں نہیں جائے گا، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کا گناہ بخش دیں۔

تشریح: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور اس میں دو مضمون ہیں: ایک: خمر کیا چیز ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟ دوسرا: شرابی کے لئے کیا وعید ہے؟ یہ دونوں مضمون اہم ہیں، پہلا مضمون اس لئے اہم ہے کہ اس میں فقہاء میں اختلاف ہوا ہے، اور دوسرا مضمون اس لئے اہم ہے کہ اس پر ایک اعتراض ہے، اس لئے دونوں کی تفصیل ضروری ہے۔

خمر کیا چیز ہے؟

حرام شرابیں چار ہیں:

۱-خمر: انگور کا کچا شیرہ (رس) جب اس میں جوش آئے، اور وہ اٹھے، اور اس پر جھاگ آئے، خمر کی یہ تعریف امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ہے، اور صاحبین کے نزدیک جھاگ آنا ضروری نہیں، جب اس میں جوش آئے اور وہ اٹھے تو خمر بن گیا، اور دیگر ائمہ کے نزدیک: انگور کے کچے شیرے کی کچھ تخصیص نہیں، ان کے نزدیک: ہر نشہ آور مشروب خمر ہے، اور حرام ہے، یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

۲-طِلاء: انگور کا شیرہ، جب اس کو پکایا جائے، اور دو تہائی سے کم جلایا جائے، پھر جب اس میں نشہ پیدا ہو یعنی اس میں جوش آئے، اور وہ اٹھے، اور اس پر جھاگ آجائے (امام اعظمؒ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک جھاگ آنا ضروری نہیں) تو وہ طلاء بن گیا، طلاء کے چند نام اور بھی ہیں: (۱) باذق (یہ بادہ کا معرب ہے) (۲) عصیر (شیرہ) (۳) منصّف (آدھا جلایا ہوا) (۴) مطبوخ ادنی طبخة (تھوڑا پکایا ہوا)

ملحوظہ: اگر انگور کا شیرہ پکا کر دو تہائی یا زیادہ جلا دیا جائے تو پھر وہ بگڑتا نہیں، نہ اس میں نشہ پیدا ہوتا ہے، نہ اب اس کا سرکہ بن سکتا ہے، اس لئے وہ بالاجماع حلال ہے، لوگ اس طرح پکا کر قوام بنا کر رکھ لیتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں۔

۳-سَکر: چھوہارے یا تازہ کھجوریں پانی میں بھگو دی جائیں، وہ گل کر پانی میٹھا ہو جائے، پھر اس میں جوش آئے اور وہ اٹھے، اور اس میں نشہ پیدا ہو تو وہ سکر ہے، اس کو نَقِیْعُ التَّمْر بھی کہتے ہیں، نقیع: فعیل کا وزن ہے اور بمعنی منقوع ہے یعنی پانی میں بھگوئے ہوئے چھوہارے، نَقَعَ الشيَ نَقْعًا کے معنی ہیں: کسی چیز کو پانی وغیرہ میں بھگونا، تر کرنا۔

۴-نقیع الزبیب: خشک انگور، منقی پانی میں بھگو دی جائے، پھر جب وہ گل جائے اور اس میں جوش پیدا ہو، اور وہ اٹھے اور اس میں نشہ پیدا ہو تو وہ نقیع الزبیب ہے۔

بہ الفاظ دیگر: شرابوں کی تین قسمیں ہیں: ۱-خمر ۲-باقی تین شرابیں یعنی طلاء، سکر اور نقیع الزبیب ۳-ان کے علاوہ نشہ آور چیزیں جو نبیذیں کہلاتی ہیں، جیسے گیہوں، جو، شہد اور مکئی وغیرہ کی شرابیں۔

ملحوظہ: نبیذ: فعیل کا وزن ہے اور بمعنی منبوذ ہے، نَبَذَ الشيئَ کے معنی ہیں: ڈالنا، پانی میں کوئی بھی چیز ڈالی جائے، جب وہ گل جائے اور پانی میٹھا ہو جائے اور ابھی نشہ پیدا نہ ہوا ہو تو وہ بالاتفاق حلال ہے، اور جب نشہ پیدا ہو جائے تو اس کا حکم آگے آرہا ہے۔

خمر کا حکم:

خمر بالاجماع حرام ہے، اور اس کی حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے، قرآن کریم نے اس کو رجس (گندگی) قرار دیا ہے، چنانچہ: ۱-اس کی ذات حرام ہے، اس کی حرمت نشہ ہونے پر موقوف نہیں ۲-وہ ناپاک بہ نجاستِ غلیظہ ہے جیسے پیشاب ۳-اس کو حلال قرار دینے والا کافر ہے، اس لئے کہ وہ نص قطعی کا منکر ہے ۴-خمر: مسلمان کے حق میں مالِ متقوم نہیں، پس اگر کوئی اس کو ضائع کردے یا غصب کرلے تو اس پر کوئی ضمان نہیں ۵-جو اس کو پیئے اس کو حد ماری جائے گی، چاہے نشہ نہ چڑھا ہو ۶-اس کو پکایا جائے تو پکانا اس میں مؤثر نہیں، وہ بدستور حرام رہے گا، کیونکہ پکانا حرمت کو روکتا ہے، حرمت کو اٹھاتا نہیں۔

البتہ اس کا سرکہ بنانا جائز ہے، کیونکہ ماہیت بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے، نیز حرمتِ خمر کی علت سکر (نشہ) ہے، سرکہ بن جانے کے بعد وہ علت باقی نہیں رہتی، اور حکم علت کے ساتھ دائر رہتا ہے، اس لئے سرکہ بننے کے بعد حرمت کا حکم اٹھ جائے گا۔

حرمتِ خمر کی دلیل:

خمر کے سلسلہ میں چار آیتیں بالترتیب نازل ہوئی ہیں:

پہلی آیت: سورۃ النحل کی آیت ۶۷ ہے: ﴿وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيْلِ وَالْأَعْنَابِ: تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَراً وَّرِزْقًا حَسَنًا﴾ ترجمہ: اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ سکر (کھجور کی شراب) اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، اس آیت میں کھجور کی شراب کا تذکرہ تو کیا، مگر انگور کی شراب یعنی خمر کا تذکرہ نہیں کیا، پھر سکر کے ساتھ کوئی صفت نہیں لائی گئی، یہ سورت مکی ہے، پس یہ آیت بھی مکی ہے، اس آیت میں واضح حکم تو نہیں مگر ہلکا سا اشارہ ہے، اور وہ اس طرح کہ خمر کا ذکر چھوڑ دیا اور سکر کو بھی کسی وصف کے ساتھ متصف نہیں کیا، اور خمر کا تذکرہ بالکل اس لئے نہیں کیا کہ وہ آگے چل کر حرام ہونے والی ہے، اور سکر کے ساتھ کوئی وصف اس لئے نہیں لایا گیا کہ آگے چل کر درجہ دوم میں اس کی حرمت بھی آنے والی ہے، چنانچہ لوگوں نے خمر کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ کیوں چھوڑا ہے؟ چنانچہ عرصہ بعد مدنی دور میں دوسری آیت نازل ہوئی۔

دوسری آیت: سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۹ ہے: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ؟ قُلْ: فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ، وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ، وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ ترجمہ: لوگ آپؐ سے خمر اور قمار کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ آپؐ بتادیں کہ دونوں میں بڑا گناہ (خرابی) ہے، اور کچھ فوائد ہیں، اسی وجہ سے لوگ خمر پیتے ہیں اور سٹہ کھیلتے ہیں، مگر ان میں ایک بہت بڑا ضرر ہے، جس کا تذکرہ چوتھی آیت میں آرہا ہے۔ اس آیت کے نزول پر لوگ سمجھ گئے کہ دیر سویر ان کی

حرمت ضرور نازل ہوگی، مگر چونکہ صراحۃً منع نہیں کیا تھا اس لئے لوگ پیتے رہے، پھر ایک واقعہ پیش آیا، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چند صحابہ کی دعوت کی، اور دعوت میں ان کو شراب پلائی، پھر مغرب کی نماز کا وقت آیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام بنایا گیا، انھوں نے سورۃ الکافرون پڑھی، اور نشہ میں سب جگہ سے لا حذف کر دیا اور بات کچھ سے کچھ ہوگئی پس تیسری آیت نازل ہوئی۔

تیسری آیت: سورۃ النساء کی آیت ۴۳ ہے: ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا: لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوۃَ وَأَنْتُمْ سُکَارٰی، حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَاتَقُوْلُوْنَ ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! تم ایسی حالت میں نماز کے پاس مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم منہ سے کیا کہتے ہو، چنانچہ ظہر سے گھنٹہ پہلے پینا بند کرنا پڑا، پھر عشاء تک نہیں پی سکتے تھے، کیونکہ یکے بعد دیگرے نمازیں آرہی تھیں، اب پینے کے دو ہی وقت رہے: ایک عشاء کے بعد فجر سے ایک گھنٹہ پہلے تک، دوسرا: فجر کے بعد زوال سے ایک گھنٹہ پہلے تک، گویا لوگ ۲۰ سگریٹ سے ۵ پر آگئے، اس طرح وہ کم پینے کے عادی ہوگئے تو چوتھی آیت نازل ہوئی۔

چوتھی آیت: سورۃ المائدۃ کی آیات ۹۰ اور ۹۱ ہیں: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا! اِنَّمَا الْخَمْرُ، وَالْمَیْسِرُ، والأَنْصَابُ، وَالأَزْلَامُ: رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ، فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَاءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ، فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ؟!﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! انگوری شراب، جوا، غیر اللہ کے لئے قربانی کے تھان اور قرعہ کے تیر: سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں، پس ان سے بچو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ خمر اور جوے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا کرے، اور تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آؤ گے؟! (ضرور ہم ان سے باز رہیں گے)

تفسیر: دوسری آیت میں خمر کی دو خرابیاں بیان فرمائی ہیں: دینی اور دنیوی:

دنیوی خرابی: شرابی لوگوں سے جھگڑتا ہے اور ان پر زیادتی کرتا ہے یعنی جب اس کی عقل ماری جاتی ہے تو وہ گالی گلوچ کرتا ہے، اور دنگا فساد مچاتا ہے اور دوسروں کا مال ضائع کرتا ہے، بلکہ کبھی نوبت قتل کی بھی آجاتی ہے۔

دینی خرابی: شرابی نفس کے تقاضوں میں گھستا چلا جاتا ہے، اس کو نہ نماز یاد رہتی ہے نہ اللہ کا ذکر، کیونکہ شراب سے وہ عقل ہی ناکارہ ہوجاتی ہے جو نیکیوں کی بنیاد ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۳۳۰)

آیت خاص حکم عام:

اور نصوص میں ایسا ہوتا ہے کہ نص خاص ہو مگر حکم عام ہو اور اس کے برعکس بھی ہوتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے الرسالۃ میں اس کی بہت سی مثالیں بیان کی ہیں، یہاں بھی آیت لفظ خمر کے ساتھ نازل ہوئی ہے، اور خمر انگوری

شراب کو کہتے ہیں، اور اس کے دلائل میں نے رحمۃ اللہ (۵:۳۳۱) میں بیان کئے ہیں، مگر حکم عام ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: جب خمر کی حرمت نازل ہوئی تو پانچ چیزوں کی شرابیں رائج تھیں: انگور، کھجور، گیہوں، جو اور شہد کی (مگر حرمت ان پانچ میں منحصر نہیں، بلکہ) خمر: ہر وہ شراب ہے جو عقل کو ڈھانک دے (مشکوۃ حدیث ۳۶۳۵) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب خمر حرام کی گئی تو انگوری شراب کا وجود بہت کم تھا، اکثر شرابیں کھجور اور چھوہاروں کی تھیں (مشکوۃ حدیث ۳۶۳۶)

باقی تین شرابوں کا حکم:

دوسری شراب: عصیر (طلاء) احناف کے نزدیک حرام ہے، کیونکہ یہ بھی انگوری شراب ہے، اگرچہ پکائی گئی ہے اس لئے خمر نہیں رہی، اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی حرام ہے، البتہ امام اوزاعی کے نزدیک مباح ہے......اور تیسری شراب: سَکَر: احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس کی حرمت خبر واحد سے ثابت ہے، اور قاضی شریک بن عبد اللہ نخعی کوفی کے نزدیک مباح ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرام ہے......اور چوتھی شراب: نقیع الزبیب احناف کے نزدیک حرام ہے اور امام اوزاعی کے نزدیک مباح ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرام ہے۔

غرض: احناف کے نزدیک: ان تین شرابوں کی حرمت درجہ دوم میں ہے، چنانچہ وہ ان کے حلال کہنے والے کو کافر نہیں کہتے، اور احناف کے نزدیک ان کی نجاست میں اختلاف ہے کہ غلیظہ ہے یا خفیفہ؟ اور خمر میں کوئی اختلاف نہیں، وہ پیشاب کی طرح نجاستِ غلیظہ ہے، اور جو شخص یہ تین شرابیں پیئے اس کو حد اس وقت لگائی جائے گی جب نشہ چڑھ جائے، ورنہ حد واجب نہیں، اور ان کی بیع درست ہے اور ہلاک کرنے والے پر امام اعظم کے نزدیک ضمان واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک ضمان واجب نہیں، اور ان کی حرمت مسلم شریف کی حدیث (نمبر ۱۹۸۵) سے ثابت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''خمر: اِن دو درختوں سے ہے اور آپؐ نے کھجور اور انگور کے درختوں کی طرف اشارہ کیا'' اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان کی حرمت بھی خمر ہی کی طرح ہے، اور ان کے دلائل آگے آرہے ہیں۔

نشہ آور نبیذوں کا حکم:

اور مذکورہ چار شرابوں کے علاوہ جو بھی شراب ہے، خواہ گیہوں کی ہو، جو کی ہو، شہد کی ہو یا مکئی وغیرہ کی ہو، وہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہے، اس کی تھوڑی مقدار پینے والے کو حد نہیں ماری جائے گی جبکہ اس نے عبادت پر قوت حاصل کرنے کی غرض سے پی ہو، اور جو شخص ان شرابوں سے مست ہو کر بیوی کو طلاق دے: وہ طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسے بھنگ پی کر پاگل ہو جائے یا گھوڑی کا دودھ پی کر بے عقل ہو جائے اور طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی تقریباً یہی قول ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان شرابوں کی تھوڑی مقدار بھی حرام

ہے اور پینے والے کو سزا دی جائے گی اور ان شرابوں سے مدہوش ہونے والے کی طلاق واقع ہوگی اور فتوی امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے ان کے نزدیک ہر شراب اور اس کی ہر مقدار حرام ہے، در مختار (٣٢٣:٥) میں ہے (وحَرَّمها محمدٌ) أی الأشربة المتخذة من العسل والتين ونحوهما (مطلقاً) قليلها وكثيرها (وبه يفتى) ذكر الزيلعي وغيره، واختاره شارح الوهبانية اور شامی میں دیگر بہت سے فقہاء کی تائیدات مذکور ہیں۔

جمہور کے دلائل:

امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل درج ذیل روایات ہیں:

١- باب کی حدیث ہے کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے، اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

٢- شہد اور مکئی وغیرہ کی شرابوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''ہر وہ شراب جو نشہ کرے حرام ہے''

٣- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے''

٤- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شراب کا ایک فرق (دس لیٹر) نشہ کرے اس کا ایک چلّو بھی حرام ہے''[1]

شیخین کے دلائل:

اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

١- ابوداؤد (حدیث ٣٦٩٥، ٣٦٩٦) میں حدیث ہے: ''نقیر، مزفت، دباء اور حنتم میں بنائی ہوئی نبیذ نہ پیو، اور چمڑے کی مشک میں بنائی ہوئی نبیذ جس کا منہ باندھا گیا ہو پیو، پس اگر وہ اٹھے یعنی اس میں جوش آئے اور نشہ پیدا ہو جائے تو اس کو پانی سے توڑ و یعنی اس میں ٹھنڈا پانی ملاؤ جوش ختم ہو جائے گا اور نشہ کافور ہو جائے گا (پس پیو) اور اگر وہ تم کو تھکا دے یعنی پانی سے بھی جوش ختم نہ ہو تو اس نبیذ کو پھینک دو'' اس حدیث میں نبیذ میں نشہ پیدا ہونے کے بعد بھی پینے کی اجازت دی گئی ہے۔

٢- طحاوی (٣٢٦:٢) میں روایت ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سفر میں تھے، آپؓ کے پاس نبیذ لائی گئی، آپؓ نے اس میں سے پیا تو منہ بگاڑا، پھر فرمایا: طائف کی نبیذ سخت ہوتی ہے، پھر پانی منگوایا اور اس پر ڈالا، پھر اس کو پیا۔ اس کی سند صحیح ہے، حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إن هذا أصح الآثار۔

٣- طحاوی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرا اثر ہے کہ نبیذ میں نشہ ہو گیا تھا تو آپؓ نے فرمایا: اس (نشہ)

---

(١) یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ (کتاب الحدود، باب بیان الخمر) میں ہیں۔ ان میں سے صرف دوسری حدیث متفق علیہ ہے اور پہلی حدیث صرف مسلم میں ہے، متفق علیہ نہیں، اور باقی حدیثیں سنن کی ہیں، علاوہ ازیں: مزر یعنی ذُرہ (چینا یا مکئی) کی شراب کی روایت بھی مسلم شریف میں ہے وہ بھی حرام ہے جبکہ وہ نشہ آور ہو گئی ہو۔

کو پانی سے توڑو (اس کی سند بھی صحیح ہے)

۴-حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے ایک نبیذ بنائی گئی، مدینہ کے راستہ میں ایک شخص نے اس میں سے گھٹ گھٹ پیا، جس سے اس کو نشہ چڑھ گیا، حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑے رکھا، جب اس کا نشہ اتر گیا تو اس کو حد ماری، پھر حضرت عمرؓ نے پانی سے اس کا نشہ توڑا اور اس میں سے پیا، اسی طرح نافع بن عبدالحارث نے جو حضرت عمرؓ کے مکہ کے عامل تھے، مشکیزے میں حضرت عمرؓ کے لئے نبیذ بنائی، حضرت عمرؓ کے آنے میں کسی وجہ سے دیر ہوگئی، یہاں تک کہ نبیذ اپنی حد سے بڑھ گئی، پھر اور بڑھ گئی، پس حضرت عمرؓ نے اس کو منگوایا تو وہ سخت یعنی نشہ آور ہوگئی تھی، پس اس کو ایک بڑے پیالے میں ڈالا، پھر پانی سے اس کا نشہ توڑا اور خود بھی پیا اور لوگوں کو بھی پلایا (مصنف عبدالرزاق ۹:۲۲۴ حدیث ۱۷۰۱۵ باب الحد فی نبیذ الأسقِیة) یہ روایت طحاوی (۴:۲۱۸ مصری) میں بھی ہے۔

۵-سنن بیہقی (۸:۲۹۷) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتوی ہے: **حرمت الخمر بعینها، القلیل منها والکثیر، والسکر من کل شراب**: خمر: لذاتہ حرام ہے، قلیل بھی اور کثیر بھی، اور دیگر شرابوں میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے۔

ان روایات کی وجہ سے شیخین نے نبیذوں کی غیر مسکر مقدار کو جائز رکھا ہے، مگر:

امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا: **لو أُعطیتُ جمیع ما فی الدنیا ومثلها لأشرب قطرةَ نبیذ فلا أشربه، فإنه مختلف فیه، ولو أعطیتُ جمیع ما فی الدنیا لأحرم علیکم النبیذ: لا أُحرمه، لأنه مختلف فیه**: اگر میں دنیا بھر کی دولت دیا جاؤں اور ایک اور دنیا بھی تا کہ میں نبیذ کا ایک قطرہ پیوں تو میں اس کو نہیں پیوں گا، کیونکہ وہ مختلف فیہ ہے اور اگر میں دنیا بھر کی دولت دیا جاؤں کہ نبیذ کو تمہارے لئے حرام کردوں تو اس کو حرام نہیں کروں گا، کیونکہ وہ مختلف فیہ ہے (امام اعظم کا یہ قول شروح ہدایہ میں ہے) اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: **فی نفسی من هذه الفتیا کأمثال الجبال، ولکن عادة البلد- أی الکوفة - هذا**: اس فتوے کا میرے دل پر پہاڑوں جیسا بوجھ ہے، مگر ہمارے شہر کوفہ کا یہی تعامل ہے (یہ قول ابو جعفر نحاس نے **الناسخ والمنسوخ** میں ذکر کیا ہے)

جمہور کے دلائل کا جواب:

جمہور نے جن روایات کی بنیاد پر ہر شراب کو خمر قرار دیا ہے: وہ سب روایات بیانِ الحاق کے لئے ہیں کیونکہ اگر تمام شرابیں لغۃً خمر ہوتیں تو ان روایات کی ضرورت نہیں تھی، صحابہ اہل لسان تھے، وہ لفظ خمر کے معنی جانتے تھے، پھر ان روایات کی کیا حاجت تھی؟ بات درحقیقت یہ ہے کہ حقیقی خمر: صرف انگوری شراب ہے، سورۃ یوسف آیت ۳۶ میں ہے: ﴿قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّیٓ أَرَانِیٓ أَعْصِرُ خَمْرًا﴾ یعنی ایک قیدی نے کہا: میں خواب میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں، اس آیت میں انگور پر خمر کا اطلاق کیا گیا ہے، کیونکہ وہ آئندہ خمر بننے والے ہیں، اور بلا قرینہ خمر سے انگور اسی

وقت سمجھے جا سکتے ہیں: جب لفظ خمر انگوری شراب کے لئے خاص ہو......اور دیگر تمام شرابیں حکمی خمر ہیں، یعنی ان کو خمر کے حکم میں رکھا گیا ہے اور علتِ سکر کی بنیاد پر رکھا گیا ہے، فرمایا: کُلُّ مُسکرِم حرام: ہر (بالفعل) نشہ آور چیز حرام ہے، اور فرمایا: الخمر: ماخامر العقل: خمر: ہر وہ شراب ہے جو (بالفعل) عقل کو چھپادے، پس نشہ کی مقدار سے کم پینا اور وہ بھی عبادت پر قوت حاصل کرنے کی نیت سے پینا جائز ہوگا، کیونکہ صحابہ سے خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا پینا ثابت ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کا یہ ارشاد: نعم، کان ناس من الصحابة و التابعین لم یبلغهم الحدیث فی أول الأمر فکانوا معذورین: یعنی بعض صحابہ وتابعین سے جو غیر انگوری شراب کی تھوڑی مقدار پینا مروی ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو شروع میں یہ روایات نہیں پہنچی تھیں، پس وہ معذور تھے۔ یہ بات حضرت عمرؓ کے تعلق سے کیسے تسلیم کرلی جائے گی؟ وہ امیر المؤمنین تھے، ان کا عمل لوگوں کے سامنے ہوتا تھا، پھر کسی نے ان کو یہ روایات کیوں نہیں پہنچائیں؟ بلکہ وہ یہ روایات جانتے تھے، خود حضرت عمرؓ کا ارشاد منبر سے خطاب عام میں مروی ہے کہ جب خمر کی حرمت نازل ہوئی تو پانچ چیزوں کی شراب رائج تھی، پھر قرآنِ کریم میں خمر کی تخصیص کی گئی، تو اس کی کوئی وجہ تھی۔ اور وہ وجہ یہی تھی کہ خمر تو مطلقاً حرام ہے اور دیگر شرابوں کی نشہ آور مقدار حرام ہے۔

فتوی امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر کیوں ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ جب شیخین کے قول کی مضبوط دلیل ہے تو پھر فتوی امام محمدؒ کے قول پر کیوں ہے؟ اور ہر نشہ آور شراب مطلقاً حرام کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملت کی تنظیم کا یہی تقاضا ہے، نشیلی چیزوں میں یہ خاصیت ہے کہ ان کا تھوڑا زیادہ کی دعوت دیتا ہے، جب اس کا چسکا پڑ جاتا ہے تو آدمی تھوڑے پر نہیں رکتا، اس لئے سیاستِ ملیہ (مذہبی راہ نمائی) میں ضروری ہے کہ حرمت کا مدار بالقوۃ نشہ آور ہونے پر رکھا جائے، اور جو بھی چیز نشہ آور ہو اس کو حرام قرار دیا جائے، اور قلیل وکثیر: ہر مقدار کو ناجائز ٹھہرایا جائے، حرمت کا مدار بالفعل نشہ ہونے پر نہ رکھا جائے، یہ بات ملت کے مفاد میں نہیں۔

اس کی نظیر: وقف کا مسئلہ ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک موقوفہ جائداد واقف کی ملکیت سے (علاوہ چار صورتوں کے) نہیں نکلتی، اس لئے واقف موقوفہ جائداد فروخت کرسکتا ہے، اگرچہ ایسا کرنا مکروہ ہے، اور امام اعظم کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کی روایت ہے، جو مسئلہ وقف میں واحد نص ہے، اس میں ہے: إن شئتَ حَبَسْتَ أصلَها وتصدَّقْتَ بها: یعنی اگر آپ چاہیں تو خیبر کی زمین اپنی ملکیت میں رکھیں، اور اس کے منافع خیرات کریں۔ اور صاحبین اور جمہور کہتے ہیں: جب وقف تام ہوجاتا ہے تو جائداد واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے، لہٰذا اب واقف اس کو فروخت نہیں کرسکتا، اور فتوی اسی پر ہے، کیونکہ وقف کی مصلحت اسی میں ہے۔

شراب پینے پر سخت وعید:

حدیث بالا میں دوسرا مضمون یہ ہے کہ جس نے دنیا میں شراب پی، پس وہ اس حال میں مرا کہ وہ اس کا عادی تھا یعنی اس نے توبہ نہیں کی تھی تو وہ آخرت میں شرابِ جنت نہیں پیئے گا یعنی اس کو جنت میں جانا نصیب نہیں ہوگا، کیونکہ جو بھی جنت میں جائے گا وہ جنت کی سبھی نعمتوں سے متمتع ہوگا۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنت میں تو جائے گا مگر وہ نعمتِ شراب سے محروم رہے گا، اور یہ حدیث ان احادیث کی طرح ہے جن میں آیا ہے: لم يَرَحْ رائحةَ الجنةِ، وإن رِيْحَهَا يوجد من مسيرة أربعين عاما (بخاری حدیث ۳۱۶۶) یا فرمایا: حرام عليه رائحةُ الجنة: یعنی وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا جبکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے یا اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے یعنی وہ جنت کے قریب بھی نہیں جاسکے گا، ان احادیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنت میں تو جائے گا، مگر جنت میں اس کو نزلہ ہو جائے گا جس کی وجہ سے جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

سوال: پھر تو یہ حدیث ان گمراہ فرقوں کی دلیل بن گئی جو کہتے ہیں کہ مرتکبِ کبیرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

جواب: یہ سب حدیثیں سورۃ النساء کی آیت ۹۳ کی طرح ہیں: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ هُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا﴾ یعنی جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے: اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، اس آیت میں غایت بیان کئے بغیر مطلقاً سزا بیان کی گئی ہے، کیونکہ وعید کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے، مگر سورۃ النساء کی آیت ۴۸ و ۱۱۶ میں ارشاد پاک ہے کہ مشرک کو تو اللہ پاک کبھی معاف نہیں کریں گے، اور اس کے علاوہ دیگر معاصی کو جس کے لئے منظور ہوگا: بخش دیں گے، پس مذکورہ آیت اور یہ حدیثیں مشیتِ ایزدی کے ماتحت ہیں یعنی یہ بندے جنت میں نہیں جاسکیں گے، ہاں جب اللہ تعالیٰ ان کا گناہ بخش دیں تو وہ جائیں گے اور جنت کی سب نعمتوں سے متمتع ہونگے۔

شرابی کی نماز قبول نہیں ہوتی:

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے شراب پی: اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرماتے، پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں۔ پھر اگر اس نے دوبارہ پی تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرماتے، پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں، پھر اگر اس نے سہ بارہ پی تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرماتے، پھر اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔ پھر اگر اس نے چوتھی بار پی تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرماتے، پھر اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتے اور اس کو زہرناک نہر سے پلائیں گے، راوی

نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: زہرناک نہر کیا ہے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: جہنمیوں کے پیپ کی نہر!

تشریح: نماز کا قبول نہ ہونا: نماز کا اس کے حق میں نفع بخش نہ ہونا ہے، جس طرح صاف برتن پر قلعی کھلتی ہے، اور میلے برتن پر کارگر نہیں ہوتی، اسی طرح نیکوکاری کی حالت میں عبادت سودمند ہوتی ہے، اور نفس کے گندہ ہونے کی حالت میں نفع بخش نہیں ہوتی، پس جب آدمی کسی معصیت پر مثلاً شراب پینے پر اقدام کرتا ہے اور اللہ کے سامنے بے باکی اور دلیری دکھاتا ہے اور اس کا نفس رذیل حالت میں غوطہ زن ہوتا ہے تو بہیمیت کا ملکیت پر غلبہ ہوجاتا ہے اور نفس کی حالت بگڑ جاتی ہے اور بدکاری کی حالت نیکوکاری کی ضد اور اس کے منافی ہے، اس لئے جس طرح نیکوکاری کی حالت میں نماز وغیرہ عبادات سودمند ہوتی ہیں، اور دوسری نیکیوں کا شوق پیدا کرتی ہیں: اس طرح تلویثِ نفس کی حالت میں اثر نہیں کرتیں اور جب تک نفس کی یہ حالت رہتی ہے: یہی صورتِ حال باقی رہتی ہے، اور نفس کی یہ کیفیت بہت دنوں تک (چالیس دن تک) باقی رہتی ہے، پھر رفتہ رفتہ نمازوں کے اثر سے یہ حالت بدل جاتی ہے اور نماز نفع بخش ہونے لگتی ہے، البتہ اگر بندہ گناہ سے توبہ کرلے تو جلد گناہ کا اثر زائل ہوجاتا ہے اور نماز قبول ہونے لگتی ہے......
اور بار بار توبہ کرنا اور گناہ کی طرف لوٹنا: ایک کھیل ہے یا اس میں کھیل کا شائبہ ہے، اس لئے چوتھی مرتبہ میں توبہ قبول نہیں ہوتی (رحمۃ اللہ ۵:۳۳۸)

أبواب الأشربة

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء في شَارِبِ الْخَمْرِ

[۱۸۵۶-] حدثنا يَحْيَى بنُ دُرُسْتَ أَبُوْ زَكَرِيَّا، ثَنَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِيْ الدُّنْيَا، فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا، لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الآخِرَةِ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَعُبَادَةَ، وأَبِيْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ، وابنِ عَبَّاسٍ.

حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرَوَاهُ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ مَوْقُوْفًا وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

[۱۸۵۷-] أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُبَيْدِ بنِ عُمَيْرٍ، عَنْ

أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عُمَرَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلاَةٌ: أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلاَةً: أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلاَةً: أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلاَةً: أَرْبَعِيْنَ صِبَاحًا، فَإِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ" قِيْلَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرحمنِ! وَمَا نَهْرُ الْخَبَالِ؟ قَالَ: نَهْرٌ مِنْ صَدِيْدِ أَهْلِ النَّارِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِىَ نَحْوُ هٰذَا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

بابُ ماجاء كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

یہ حدیث کے الفاظ ہیں، یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے دوسندوں سے ذکر کی ہے: ایک: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی ﷺ سے شہد کی شراب کے بارے میں پوچھا گیا، آپؐ نے فرمایا: جو بھی شراب مدہوش کرے وہ حرام ہے۔ دوسری: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: كُلُّ مُسْكِرٍ حرامٌ: ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں مسکر سے بالفعل نشہ کرنا مراد ہے یا بالقوۃ؟ نبیذوں کی حلت کے قائل علماء بالفعل نشہ کرنا مراد لیتے ہیں اور نشہ سے کم مقدار کو جائز کہتے ہیں، اور جمہور بالقوۃ نشہ آور ہونا مراد لیتے ہیں اس لئے وہ تھوڑی مقدار کو بھی ناجائز کہتے ہیں۔ اوران کی دلیل آئندہ باب کی حدیثیں ہیں، اور پہلے فریق کی دلیل صحابہ وتابعین کا عمل ہے، وہ نشہ آور نبیذیں استعمال کرتے تھے جیسا کہ گذشتہ باب میں آیا ہے، پس یہ نص فہمی کا اختلاف ہے اور حدیث نہ کسی کے موافق ہے نہ مخالف۔

[٢-] باب ماجاء كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ

[١٨٥٨-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مُوْسَى الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائشةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم سُئِلَ عَنِ البِتْعِ؟ فَقَالَ: "كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ"

[١٨٥٩-] حدثنا عُبَيْدُ بنُ أَسْبَاطِ بنِ مُحمدٍ القُرَشِيُّ، وَأَبُوْ سَعِيْدٍ الأَشَجُّ، قَالاَ: ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ

بنُ إِدْرِيس، عَنْ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ؛ وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وأَبِيْ مُوْسَى، والأَشَجِّ الْعَصَرِيِّ، وَدَيْلَمَ، وَمَيْمُوْنَةَ، وَعَائِشَةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَقَيْسِ بنِ سَعْدٍ، وَالنُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ، وَمُعَاوِيَةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُغَفَّلٍ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَبُرَيْدَةَ، وَأَبِيْ هريرةَ، وَوَائِلِ بنِ حُجْرٍ، وَقُرَّةَ الْمُزَنِيِّ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَكِلَاهُمَا صَحِيْحٌ، وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَعَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ عَنِ ابنِ عُمَرَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: پہلی حدیث امام زہریؒ: ابوسلمہ سے، وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، یہ حدیث شہد کی شراب کے بارے میں ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور دوسری حدیث ایک قاعدہ کلیہ ہے، اور اس کے بعد جو هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ ہے وہ مصری نسخہ میں نہیں ہے اس کے بجائے پہلی حدیث کے آخر میں: قال أبو عيسىٰ: هذا حديث حسن صحيحٌ ہے۔ پھر دوسری حدیث کے بعد متصلاً وفی الباب ہے، یہ تمام صحابہ بھی قاعدہ کلیہ روایت کرتے ہیں، اور اس کے بعد هذا حديثٌ حسنٌ ہے، یہ دوسری حدیث سے متعلق ہے اور دوسری حدیث محمد بن عمرو: ابوسلمہ سے، اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، یہ سند بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور اسی حدیث کو محمد بن عمرو: ابوسلمہ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کرتے ہیں جس کی تخریج نسائی اور امام احمد نے کی ہے اور امام ترمذیؒ نے دونوں سندوں کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ یہ حدیث متعدد اسانید سے عن أبي سلمة، عن أبي هريرة بھی مروی ہے مگر اس اختلاف کی وجہ سے ابن عمر کی حدیث کو امام ترمذی نے صرف حسن کہا ہے حالانکہ یہ بھی صحیح ہے۔

بابُ ماجاء ما أَسْكَرَ كَثِيْرُه فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ

جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے

یہ بھی حدیث کے الفاظ ہیں جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ما أَسْكَرَ كثيرُه فقليلُه حرامٌ: جس شراب کی زیادہ مقدار سے نشہ ہوجائے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے، اور اس باب میں دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ: ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ ما أَسْكَرَ الفَرَقُ مِنْهُ فَمِلْءُ الكفِّ منه حرامٌ: وہ شراب جس کا ایک فرق (سولہ رطل) مدہوش کرے اس کا چلو بھر

بھی حرام ہے۔ امام ترمذی کے دو اساتذہ (محمد بن بشار اور عبداللہ بن معاویہ) میں سے ایک کہتے ہیں: الحُسْوَةُ منه حرامٌ: اس کا ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔

تشریح: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فرق اور چلّو تکثیر و تقلیل کی تعبیریں ہیں، تحدید مراد نہیں، یعنی جس شراب کی کثیر مقدار سے نشہ ہو جائے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

اس حدیث کے سمجھنے میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ یہ ارشاد سد ذرائع کے باب سے ہے یا واقعی حرام ہے؟ جو فقہاء مسکر نبیذ کی تھوڑی مقدار کو جائز کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ممانعت سد ذرائع کے طور پر ہے، کیونکہ نشہ آور چیز کی خاصیت یہ ہے کہ آدمی اس کی تھوڑی مقدار پر رکتا نہیں، پیتا ہی چلا جاتا ہے یہاں تک کہ مدہوش ہو جاتا ہے، اس لئے اس کی تھوڑی مقدار کی بھی ممانعت کردی، ورنہ تھوڑی مقدار جائز ہے۔ اور جمہور کہتے ہیں: یہ ممانعت حقیقی ہے یعنی نشہ کی مقدار سے کم بھی واقعۃً حرام ہے۔ پس یہ بھی نص فہمی کا اختلاف ہے اور حدیث نہ کسی کے موافق ہے نہ مخالف۔

[۳-] باب ما أَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ

[۱۸۶۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، ح: وَثَنَا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ دَاوُدَ بنِ بَكْرِ بنِ أَبِيْ الفُرَاتِ، عَنْ مُحمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَا أَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ"

وفي الباب: عَنْ سَعْدٍ، وَعَائِشَةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وابنِ عُمَرَ، وَخَوَّاتِ بنِ جُبَيْرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ.

[۱۸۶۱-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى بنُ عَبْدِ الأَعْلَى، عَنْ هِشَامِ بنِ حَسَّانٍ، عَنْ مَهْدِيِّ بنِ مَيْمُوْنٍ، ح: وَثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ مُعَاوِيَةَ الجُمَحِيُّ، عَنْ مَهْدِيِّ بنِ مَيْمُوْنٍ - المَعْنَى وَاحِدٌ - عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ الأَنْصَارِيِّ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ مُحمدٍ، عَنْ عَائشةَ قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، مَا أَسْكَرَ الفَرَقُ مِنْهُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ" قَالَ أَحَدُهُمَا فِيْ حَدِيْثِهِ: "الْحُسْوَةُ مِنْهُ حَرَامٌ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، قَدْ رَوَاهُ لَيْثُ بنُ أَبِيْ سُلَيمٍ، وَالرَّبِيْعُ بنُ صَبِيْحٍ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ الأَنْصَارِيِّ نَحْوَ رِوَايَةِ مَهْدِيِّ بنِ مَيْمُوْنٍ، وَأَبُوْ عُثْمَانَ الأَنْصَارِيُّ: اسْمُهُ عَمْرُو بنُ سَالِمٍ، وَيُقَالُ عُمَرُ بنُ سَالِمٍ.

وضاحت: پہلی حدیث کی سند میں داؤد صرف صدوق ہیں اس لئے حدیث صرف حسن ہے اور یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے، مگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے غریب یعنی انجانی ہے، محدثین میں معروف نہیں ......

دوسری حدیث امام ترمذیؒ دو اساتذہ سے روایت کرتے ہیں: محمد بن بشار سے اور عبداللہ بن معاویہ سے، اس کی سند میں ابوعثمان انصاری معمولی راوی ہے اس لئے حدیث صرف حسنٌ ہے، ابوعثمان انصاری کا نام عمرو بن سالم ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ عمر بن سالم ہے، اور ابوعثمان سے روایت کرنے والے بہت ہیں، مہدی بن میمون کے علاوہ لیث بن ابی سُلیم اور ربیع بن صَبیح بھی روایت کرتے ہیں مگر ابوعثمان سے آخر تک یہی ایک سند ہے اور یہ راوی صرف مقبول ہے اس لئے حدیث صرف حسن ہے ...... الحُسْوَۃُ (بالضم والفتح) گھونٹ یا گھونٹ بھر ...... الفَرَق: (بفتح الفاء والراء) ایک پیمانہ جس میں تین صاع سماتا ہے، احناف کے نزدیک اس کی مقدار ۹۷۸۴ گرام ہے اور دوسرے فقہاء کے نزدیک ۶۵۱۶ گرام ہے (معجم لغۃ الفقہاء)

بابُ ماجاء فی نَبِیْذِ الجَرِّ

گھڑوں کی نبیذ کا حکم

نَبِیذ: فعیلٌ کا وزن ہے اور مَنْبُوْذٌ کے معنی میں ہے، اور نَبَذَ الشیئَ کے معنی ہیں: ڈالنا، پانی میں کوئی بھی چیز ڈالی جائے جب وہ گل جائے اور اس کی شیرینی پانی میں آجائے مگر ابھی اس میں نشہ پیدا نہ ہوا ہو تو وہ نبیذ کہلاتی ہے اور وہ بالاتفاق حلال ہے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں کھجور، منقی، انجیر، شہد وغیرہ کی نبیذیں بنتی تھیں اور ان کو نبی ﷺ اور لوگ استعمال کرتے تھے ...... اور الجرُّ: جَرَّۃٌ کی جمع ہے، جیسے التَّمْرُ: تَمْرَۃٌ کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں: مٹی کا گھڑا۔

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ شراب کے برتنوں کا کیا حکم ہے؟ اور ان میں نبیذ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ نبی ﷺ نے وفد عبدالقیس کو شراب کے برتنوں کے استعمال سے منع کیا تھا، بخاری میں روایت ہے: وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنِ الحَنْتَمِ، والدُّبَّاءِ، وَالنَّقِيْرِ، وَالْمُزَفَّتِ (بخاری حدیث ۵۳) حَنْتَم: حَنْتَمَۃٌ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: روغنی گھڑا، جب اس میں نبیذ بنائی جائے تو اس میں جلدی نشہ پیدا ہو جاتا ہے ...... الدُّبَّاء: سوکھا کدو جو برتن کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس میں بھی نبیذ بنائی جائے تو جلدی اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے، اردو میں اس کو تونبی کہتے ہیں، تُونبا: ایک قسم کا تلخ کدّو ہوتا ہے، جس کا چھلکا بہت موٹا ہوتا ہے اس کو فقیر سکھا کر کشکول بناتے ہیں، میں نے زامبیا میں یہ برتن بکتے ہوئے دیکھے ہیں ...... النقیر بمعنی مَنْقُوْر ہے۔ نَقَرَ یَنْقُرُ کے معنی ہیں: کریدنا، کھودنا، لوگ درخت کے تنے کو کرید کر برتن بناتے تھے اور اس میں نبیذ بناتے تھے، اس میں بھی نبیذ بنانے سے جلدی نشہ پیدا ہو جاتا ہے ...... اور المُزَفَّت: تارکول پھیرا ہوا گھڑا، اس میں بھی نبیذ بنانے سے جلدی نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت پہلے تھی پھر وہ ختم ہوگئی، مسلم شریف میں روایت ہے اور ترمذی میں بھی آرہی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے لوگوں کو چند برتنوں سے روکا تھا اب جان لو کہ کوئی برتن نہ

کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ حرام کرتا ہے، البتہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور پہلے اس لئے ممانعت کی تھی کہ لوگوں کو شراب کے برتن دیکھ کر شراب یاد نہ آئے پھر جب شراب سے طبیعتیں ہٹ گئیں تو ممانعت اٹھادی گئی، اور دوسری رائے یہ ہے کہ ان برتنوں کی ممانعت پہلے بھی لعینہٖ نہیں تھی بلکہ لغیرہ تھی یعنی ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے اس لئے منع کیا گیا تھا کہ ان میں مسامات نہیں ہوتے اس لئے ان میں جلدی گرمی پیدا ہو جاتی ہے، اور پانی میں ڈالی ہوئی چیز جلدی سڑ جاتی ہے، اور اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے اور پتہ نہیں چلتا، اس لئے لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنائیں اور اس کا منہ باندھ دیں تا کہ اگر اس میں گیس پیدا ہو تو مشکیزہ پھولے اور فوراً پتہ چل جائے کہ نشہ آور ہوگئی ہے، پس یہ ممانعت آج بھی باقی ہے، اور ان برتنوں ہی کے حکم میں دھات کے تمام برتن ہیں پس اگر احتیاط سے ان برتنوں میں نبیذ بنائی جائے تو جائز ہے یعنی لمبی مدت تک نبیذ نہ رکھی جائے، جلدی استعمال کر لی جائے تو ان برتنوں میں نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث: ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آیا اور اس نے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے گھڑوں کی نبیذ سے منع کیا ہے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: ہاں۔ حدیث کے راوی طاؤسؒ کہتے ہیں: بخدا! میں نے یہ بات حضرت ابن عمرؓ سے سنی ہے۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو بات فرمائی ہے کہ نبی ﷺ نے گھڑوں کی نبیذ سے منع کیا ہے: یہ ممانعت اگر لعینہٖ تھی تو وہ بعد میں منسوخ ہوگئی جیسا کہ ابھی ایک باب کے بعد آرہا ہے اور اگر یہ ممانعت لغیرہ تھی یعنی سد ذرائع کے طور پر تھی یعنی اس لئے تھی کہ روغنی گھڑے میں نبیذ جلدی بگڑ جاتی ہے اور نشہ پیدا ہو جاتا ہے تو یہ ممانعت اب بھی باقی ہے پس ایسے گھڑے میں احتیاط سے نبیذ بنانی چاہئے تا کہ بگڑنے کا اندیشہ نہ رہے یا جلدی استعمال کر لینی چاہئے۔

[٤-] باب ماجاء في نَبِيْذِ الجَرِّ

[١٨٦٢-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا ابنُ عُلَيَّةَ، وَيَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، قَالَا: ثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ، عَنْ طَاوُسٍ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى ابنَ عُمَرَ، فَقَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ نَبِيْذِ الْجَرِّ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ طَاوُسٌ: وَاللّٰهِ إِنِّيْ سَمِعْتُهُ مِنْهُ.

وفي الباب: عَنْ ابنِ أَبِيْ أَوْفَى، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَسُوَيْدٍ، وَعَائِشَةَ، وابنِ الزُّبَيْرِ، وابنِ عَبَّاسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: نهى سے پہلے ہمزہ استفہام پوشیدہ ہے اور مسلم شریف میں مذکور ہے۔

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ أَنْ يُنْبَذَ فِي الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيْرِ وَالْحَنْتَمِ

تونبی میں، لکڑی کے برتن میں اور روغنی گھڑے میں نبیذ بنانے کی ممانعت

حدیث: زاذان نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: نبی ﷺ نے کن برتنوں سے منع کیا ہے، زاذان نے یہ بھی کہا کہ آپ اپنی زبان میں ہمیں بتائیں پھر ہماری زبان میں اس کی تشریح کریں۔ ابن عمرؓ نے فرمایا: نبی ﷺ نے حَنْتَمَة سے منع کیا اور وہ (روغنی) گھڑا ہے، اور حضور ﷺ نے دُبّاء سے منع کیا اور وہ قرع ہے (دونوں کے معنی کدّو کے ہیں) اور نقیر سے منع کیا اور وہ کھجور کے درخت کا تنا ہے جس کو خوب کرید کر برتن بنالیا جاتا ہے، یا فرمایا: اس کو خوب چھیل کر برتن بنالیا جاتا ہے، اور مزفت سے منع کیا، اور وہ تارکول پھیرا ہوا گھڑا ہے، اور نبی ﷺ نے حکم دیا کہ چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔

تشریح: سائل کی اصطلاحات اور تھیں اور قریش کی اصطلاحات اور تھیں، اس لئے سائل نے کہا کہ آپ پہلے اپنی اصطلاحات میں بتائیں پھر ہماری اصطلاح میں اس کی تشریح کریں...... الحَنتَم: ہرے رنگ کا گھڑا جس میں نبیذ تیار کی جاتی تھی۔ نَقَرَ يَنْقُرُ نَقْرًا: لکڑی تراش کر برتن بنانا، اور نَسَحَ التُرَابَ، يَنْسَحُ نَسْحًا کے معنی ہیں: کریدنا، صحیح لفظ حطی کے ساتھ ہے جیم کے ساتھ نہیں ہے اور زِفت کے معنی ہیں: تارکول، یا تارکول کی طرح کا دوسرا مسالہ، زَفَّتَ الشيئ کے معنی ہیں تارکول کی طرح کی کوئی چیز ملنا، اور القارُ اور القِيْرُ کے معنی بھی تارکول یا تارکول جیسا کالا روغن ہے، جسے کشتی پر ملتے تھے اور القَيَّار کے معنی ہیں: تارکول فروش اور قَيَّرَ السَّفينة کے معنی ہیں: کشتی کو تارکول ملنا، اس سے المُقَيَّر (اسم مفعول) ہے اور الأَسْقِيَة: سِقَاءٌ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: چمڑے کا مشکیزہ۔

[٥-] باب ماجاء في كراهية أَنْ يُنْبَذَ في الدُّبَّاءِ، وَالنَّقِيْرِ، وَالْحَنْتَمِ

[١٨٦٣-] حدثنا أَبُوْ مُوْسَى مُحمدُ بنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بنِ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ زَاذَانَ، يَقُوْلُ: سَأَلْتُ ابنَ عُمَرَ عَنْ مَا نَهى عَنْهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْأَوْعِيَةِ؟ وَأَخْبِرْنَاهُ بِلُغَتِكُمْ، وَفَسِّرْهُ لَنَا بِلُغَتِنَا، قَالَ: نَهى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْحَنْتَمَةِ، وَهِيَ الْجَرَّةُ، وَنَهى عَنِ الدُّبَّاءِ، وَهِيَ الْقَرْعَةُ، وَنَهى عَنِ النَّقِيْرِ، وَهِيَ أَصْلُ النَّخْلِ: يُنْقَرُ نَقْراً، أَوْ: يُنْسَحُ نَسْحًا، وَنَهى عَنِ الْمُزَفَّتِ، وَهُوَ الْمُقَيَّرُ، وَأَمَرَ أَنْ يُنْتَبَذَ فِي الْأَسْقِيَةِ.

وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وأَبِيْ هريرةَ، وَعَبْدِ الرحمنِ بنِ

يَعْمُرَ، وَسَمُرَةَ، وأَنَسٍ، وَعَائِشَةَ، وَعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وَعَائِذِ بنِ عَمْرٍو، وَالْحَكَمِ الْغِفَارِيِّ، وَمَيْمُوْنَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: حدیث کا ابتدائی حصہ مسلم شریف میں اس طرح ہے: قلتُ لابن عمر: حَدِّثْنِيْ بما نهى عنه النبى صلى الله عليه وسلم من الأشربة بِلُغَتِكَ، وفَسِّرْهُ لِيْ بِلُغَتِنَا، لأن لكم لغةً سوى لغتنا۔

بابُ ماجاء فى الرُّخصَةِ أَنْ يُنْتَبَذَ فِى الظُّرُوْفِ

کسی بھی برتن میں نبیذ بنانے کی اجازت

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے آپ لوگوں کو چند برتنوں سے منع کیا تھا پس (اَب جان لو کہ) کوئی برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو حرام کرتا ہے، اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے چند برتنوں سے منع کیا پس انصار نے آپؐ کے سامنے اپنی پریشانی رکھی، انھوں نے عرض کیا: ہمارے پاس اور برتن نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: تو پس نہیں، یعنی اگر مجبوری ہے تو ممانعت نہیں۔

تشریح: ان روایات کی وجہ سے ایک رائے یہ ہے کہ پہلے ان برتنوں کی جو ممانعت تھی وہ بعد میں ختم کردی گئی اور دوسری رائے یہ ہے کہ پہلے بھی ممانعت لغیرہ تھی اور وہ آج بھی باقی ہے۔

[٦-] باب ماجاء فى الرُّخصَةِ أَنْ يُنْتَبَذَ فى الظُّرُوْفِ

[١٨٦٤-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، وَالْحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ، وَمَحْمُوْدُ بنُ غَيْلَانَ، قَالُوْا: ثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنِّيْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوْفِ، وَإِنَّ ظَرْفًا لَايُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٨٦٥-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ الحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ سَالِمِ بنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الظُّرُوْفِ، فَشَكَتْ إِلَيْهِ الْأَنْصَارُ، فَقَالُوْا: لَيْسَ لَنَا وِعَاءٌ، قَالَ: " فَلَا إِذًا"

وفى الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وأَبِيْ هُريرةَ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی السِّقَاءِ

مشکیزوں میں نبیذ بنانے کا حکم

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نبی ﷺ کے لئے ایسے چمڑے کے مشکیزے میں نبیذ بناتے تھے جس کا اوپر کا حصہ باندھ دیا جاتا تھا، اور اس کے نچلے حصہ میں سوراخ ہوتا تھا (جس سے مظروف نکالا جاتا تھا) ہم صبح اس میں نبیذ بننے کے لئے کوئی چیز ڈالتے تھے اور آپ اس کو شام میں نوش فرمالیتے تھے، اور ہم شام میں اس میں نبیذ بننے کے لئے کوئی چیز ڈالتے تھے اور آپؐ اس کو صبح میں نوش فرمالیتے تھے، یعنی زیادہ دیر تک نبیذ نہیں رکھی جاتی تھی، جلدی استعمال کرلی جاتی تھی۔

[٧-] باب ماجاء فی السِّقَاءِ

[١٨٦٦-] حدثنا مُحمدُ بنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ يُوْنُسَ بنِ عُبَيْدٍ، عَنِ الْحَسِنِ الْبَصْرِيِّ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ سِقَاءٍ، يُوْكَأُ أَعْلَاهُ، لَهُ عَزْلَاءُ، نَنْبِذُهُ غُدْوَةً، وَيَشْرَبُهُ عِشَاءً، وَنَنْبِذُهُ عِشَاءً، وَيَشْرَبُهُ غُدْوَةً.

وفی الباب: عَنْ جَابِرٍ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ يُوْنُسَ بنِ عُبَيْدٍ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ عَائِشَةَ أَيْضًا.

لغت: العَزْلاء: أَعْزَل کا مؤنث ہے، جس کے معنی ہیں: مشکیزہ وغیرہ سے پانی کے گرنے کی جگہ، جمع عَزَالی اور عَزَالِیْ، اور کہا جاتا ہے: أَرْسَلَتِ السَّمَاءُ عَزَالِيَهَا یعنی آسمان نے پانی برسایا، آسمان نے اپنے دہانے کھول دیئے۔

بابُ ماجاء فی الحُبُوْبِ الَّتِیْ يُتَّخَذُ مِنْهَا الخَمْرُ

وہ غلّے جن کی شراب بنائی جاتی تھی

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''شراب گیہوں کی، جو کی، چھوہاروں کی، کشمش کی، منقی کی، اور شہد کی بنتی ہے'' اس حدیث کا ایک راوی ابراہیم بن مہاجر متکلم فیہ ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کو غریب بمعنی ضعیف کہا ہے، پھر امام شعبی کے ایک اور شاگرد ابو حیان تیمی اس حدیث کو امام شعبیؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ ابن عمرؓ سے، اور

وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ شراب گیہوں کی بھی بنتی ہے الی آخرہ۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ روایت ابراہیم کی روایت سے اصح ہے یعنی یہ روایت مرفوع نہیں ہے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور یحییٰ قطان نے ابراہیم کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ مضبوط راوی نہیں۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ''شراب ان دو درختوں سے ہے یعنی کھجور کا درخت اور انگور کا درخت'' یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے اور اس کی وضاحت پہلے باب میں گذر چکی ہے کہ یہ حدیث الحاق کے لئے ہے یعنی کھجور کو انگور کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے اور یہ الحاق باقی نبیذوں کے الحاق سے قوی ہے، پس کھجور اور انگور سے جو بھی شراب بنے گی اس کا قلیل وکثیر حرام ہوگا، مگر چونکہ یہ خبر واحد ہے اس لئے خمر سے اس کا درجہ کم ہوگا، اسی لئے احناف نے تین حرام شرابوں کو خمر اور دیگر نبیذوں کے درمیان میں درجہ دوم میں رکھا ہے۔

[۸-] باب ماجاء في الحُبُوْبِ الَّتِي يُتَّخَذُ مِنهَا الْخَمْرُ

[۱۸۶۷-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ، ثَنَا مُحمدُ بنُ يُوْسُفَ، ثَنَا إِسْرَائِيْلُ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بنُ مُهَاجِرٍ، عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:'' إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا، وَمِنَ الشَّعِيْرِ خَمْرًا، وَمِنَ التَّمْرِ خَمْرًا، وَمِنَ الزَّبِيْبِ خَمْرًا، وَمِنَ العَسَلِ خَمْرًا''

وفى الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ غريبٌ.

حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ آدَمَ، عَنْ إِسْرَائِيْلَ نَحْوَهُ.

[۱۸۶۸-] وَرَوَى أَبُوْ حَيَّانَ التَّيْمِيُّ هٰذَا الحديثَ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ، قَالَ: ''إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا'' فَذَكَرَ هٰذَا الحديثَ، أَخْبَرَنَا بِذٰلِكَ أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ إِدْرِيْسَ، عَنْ أَبِيْ حَيَّانَ التَّيْمِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ:'' إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا'' وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ إِبْرَاهِيْمَ بنِ مُهَاجِرٍ، وَقَالَ عَلِيُّ بنُ الْمَدِيْنِيِّ، قَالَ: يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ: لَمْ يَكُنْ إِبْرَاهِيْمُ بنُ الْمُهَاجِرِ بِالْقَوِيِّ.

[۱۸۶۹-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، وَعِكْرِمَةُ بنُ عَمَّارٍ، قَالاَ: ثَنَا أَبُوْ كَثِيْرٍ السُّحَيْمِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُريرةَ يَقُوْلُ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: ''الْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ: النَّخْلَةِ وَالْعِنَبَةِ''

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ كَثِيْرٍ السُّحَيْمِيُّ: هُوَ الْغُبَرِيُّ، اسْمُهُ يَزِيْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ بنِ غُفَيْلَةَ.

بابُ ماجاء فی خَلِیْطِ البُسْرِ وَالتَّمرِ

گدرّی کھجوراور چھوہارے ملاکر نبیذ بنانا

الخلیط: مختلف النوع چیزوں کا مجموعہ، البُسر: گدرّ کھجور، یعنی ادھ کچری کھجور، اور التّمر: چھوہارا یعنی سوکھی کھجور، اور الرُّطَب: تازہ پکی ہوئی کھجور۔

حدیث (۱): حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گدرّ کھجوراور تازہ پکی ہوئی کھجور: دونوں کو ملاکر نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔

حدیث (۲): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گدر کھجور اور چھوہاروں سے منع فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان جمع کیا جائے اور منقی اور چھوہارے سے منع فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان جمع کیا جائے، اور مٹی کے گھڑوں سے منع فرمایا کہ ان میں نبیذ بنائی جائے۔

تشریح: یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے کہ شراب کے برتنوں کا کیا حکم ہے؟ اوران میں نبیذ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ شراب کے برتنوں کی ممانعت لغیرہ تھی یعنی اس وجہ سے ممانعت تھی کہ لوگوں کو شراب یاد نہ آئے یا اس وجہ سے تھی کہ ان میں جو نبیذ بنائی جاتی ہے وہ جلدی نشہ آور ہو جاتی ہے پس لوگ ان میں نبیذ نہ بنائیں، اوراگر ممانعت لعینہ تھی تو وہ بعد میں ختم کر دی گئی تھی۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ دو مختلف النوع چیزوں کو ملاکر نبیذ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ حدیثوں میں اس کی بھی ممانعت آئی ہے جیسا کہ مذکورہ حدیثوں میں ہے، مگر یہ ممانعت بھی لعینہ نہیں ہے بلکہ لغیرہ ہے یعنی اس اندیشہ سے ہے کہ نبیذ میں غیر محسوس طور پر فساد پیدا نہ ہو جائے کیونکہ ایسی دو چیزیں جن میں سے ایک جلدی گلنے والی ہواور ایک دیر سے یا ایسی دو چیزیں جن میں سے ایک کھٹی ہواور ایک میٹھی، ایسی دو چیزیں ملاکر نبیذ بنائی جائے گی تو جلدی گلنے والی چیز کے اجزاء شراب کی حد میں داخل ہو جائیں گے اور پتہ بھی نہیں چلے گا، اسی طرح ترش: میٹھی چیز کو بھی جلدی شراب بنادے گی لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسی دو چیزیں ملاکر نبیذ نہ بنائی جائے۔

اوراگر یہ ممانعت لعینہ ہے تو یہ روایتیں منسوخ ہیں، ابوداؤد میں دو حدیثیں (حدیث ۳۷۰۷و ۳۷۰۸) ہیں:

۱- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منقی کی نبیذ بنائی جاتی تھی، پس اس میں چھوہارے ڈالے جاتے تھے، یا چھوہاروں کی نبیذ بنائی جاتی تھی پس اس میں منقی ڈالی جاتی تھی۔

۲- صفیہ نامی ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھوہاروں اور منقی کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میں چھوہاروں کی ایک مٹھی اور منقی کی ایک مٹھی لیتی تھی پس اس کو ایک برتن میں ڈالتی تھی، پس میں

اس کومل دیتی تھی پھر میں وہ نبی پاک ﷺ کو پلاتی تھی۔

ان دونوں روایتوں میں اگر چہ تھوڑا ضعف ہے مگر قابل استدلال ہیں، پس اگر ممانعت لعینہ تھی تو وہ ان روایات سے منسوخ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ ممانعت لغیرہ ہے، یعنی بر بنائے احتیاط ہے، پس یہ ممانعت آج بھی باقی ہے اور جس طرح دھات کے برتنوں میں اور ایسے برتنوں میں جن میں مسامات نہیں ہوتے نبیذ نہیں بنانی چاہئے اسی طرح مختلف النوع چیزوں کو ملا کر بھی نبیذ نہیں بنانی چاہئے، اور بنائی جائے تو پوری احتیاط رہنی چاہئے۔

[۹-] باب ماجاء فی خَلِیْطِ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ

[۱۸۷۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ، عَنْ عَطَاءِ بنِ أَبِىْ رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى أَنْ يُنْتَبَذَ الْبُسْرُ وَالرُّطَبُ جَمِيْعًا، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۸۷۱-] حدثنا سُفْيَانُ بنُ وَكِيْعٍ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِىْ نَضْرَةَ، عَنْ أَبِىْ سَعِيْدٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ أَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا، وَنَهَى عَنِ الزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ أَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا، وَنَهَى عَنِ الْجِرَارِ أَنْ يُنْتَبَذَ فِيْهَا.

وفى الباب: عَنْ أَنَسٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِىْ قَتَادَةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وأُمِّ سَلَمَةَ، وَمَعْبَدِ بنِ كَعْبٍ، عَنْ أُمِّهِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی كَرَاهِيَةِ الشُّرْبِ فِى آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے کی ممانعت

سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے اور یہ ممانعت ہر مکلّف کے لئے ہے خواہ مرد ہو یا عورت، عورتوں کے لئے سونے چاندی کے صرف زیورات جائز ہیں کیونکہ عورتیں زینت کی محتاج ہیں اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا تزین نہیں ہے اس لئے عورتوں کے لئے بھی یہ حرمت ہے اور سونا چاندی پہننے کے مسائل ابواب اللباس میں گذر چکے ہیں۔

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ دور فاروقی اور دور عثمانی میں مدائن کے گورنر رہے ہیں، مدائن دجلہ کے کنارے پر ایک بڑا شہر ہے، آپؓ نے کسی سے پانی مانگا وہ غیر مسلم دیہاتی تھا، وہ چاندی کے برتن میں پانی لایا، آپؓ نے وہ برتن اس پر پھینک مارا (اور ایک روایت میں ہے: رَمَى به فى وَجْهِه یعنی وہ برتن اس کے چہرے پر پھینک مارا) اور فرمایا: میں اس کو منع کر چکا ہوں مگر وہ مانتا نہیں (یعنی چاندی کے برتن میں پانی پلانے سے میں نے اس کو منع کیا ہے

پھر بھی وہ اس برتن میں پانی لے آیا) بیشک نبی ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتن میں پینے سے منع کیا ہے (اور مسند احمد میں اسی روایت میں ہے: وأنْ يُؤكَلَ فيها: اور اس میں کھانے سے بھی آپؐ نے منع فرمایا ہے) اور ریشم اور دیبا کے پہننے سے بھی منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ ''یہ نعمتیں کفار کے لئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں''

تشریح: ''میں نے اس کو منع کیا تھا'': اس میں اس وہم کو دفع کیا ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک دم برتن کیوں پھینک مارا؟ نہ تو اس کو منع کیا نہ سمجھایا ایسا کیوں کیا؟ آپؓ نے وجہ بیان کی کہ میں اس کو منع کر چکا ہوں مگر وہ مانتا نہیں، بار بار چاندی کے برتن میں پانی لاتا ہے وہ گورنر کے اعزاز میں ایسا کرتا تھا۔

اور ''یہ نعمتیں کفار کے لئے دنیا میں ہیں'' اس کا مقصد کفار کے لئے ان نعمتوں کا جواز بیان کرنا نہیں ہے بلکہ مؤمنین کے لئے حرمت کی وجہ بیان کرنا ہے یعنی کفار یہ نعمتیں دنیا میں استعمال کرتے ہیں اور مؤمنین کے لئے یہ نعمتیں دنیا میں حرام ہیں، ان کے لئے یہ نعمتیں آخرت میں ہیں، وہ وہاں ان سے متمتع ہونگے۔

[۱۰-] باب ماجاء فی کراهية الشُّرْبِ فی آنِيَةِ الذَّهَبِ والفِضَّةِ

[۱۸۷۲-] حدثنا بُنْدَارٌ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابنَ أَبِي لَيْلَى، يُحَدِّثُ أَنَّ حُذَيْفَةَ اسْتَسْقَى، فَأَتَاهُ إِنْسَانٌ بِإِنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ، فَرَمَاهُ بِهِ، وَقَالَ: إِنِّي كُنْتُ قَدْ نَهَيْتُهُ، فَأَبَى أَنْ يَنْتَهِيَ، إِنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الشُّرْبِ فِيْ آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ، وَقَالَ: ''هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا، وَلَكُمْ فِي الآخِرَةِ''

وفي الباب: عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، وَالْبَرَاءِ، وَعَائِشَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی النَّهْيِ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا

کھڑے ہوئے پینے کی ممانعت

آدابِ اسلامی میں سے یہ ہے کہ اطمینان سے بیٹھ کر کھایا پیا جائے، کھڑے کھڑے کھانا پینا نہ طبی نقطۂ نظر سے مناسب ہے نہ یہ سلیقہ مندی کی بات ہے، آج کل کھڑے کھڑے کھانے کا فیشن چلا ہے، جس کا اسلامی تہذیب سے کوئی تعلق نہیں، یہ غیروں کا طریقہ ہے، مسلمانوں کو اس طرح کھانے پینے سے احتراز کرنا چاہئے۔

اور اس مسئلہ میں روایات میں اختلاف ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے دو باب قائم کئے ہیں: پہلے باب میں کھڑے ہوئے کھانے پینے کی ممانعت کی روایت ہے اور دوسرے باب میں جواز کی روایات ہیں، اور علماء میں اختلاف ہے کہ کھڑے ہوئے کھانے پینے کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اور دونوں بابوں کی روایتوں کو کس طرح جمع کیا جائے؟

ایک رائے: یہ ہے کہ جواز کی روایتیں ممانعت کی روایتوں سے مضبوط ہیں، غالباً امام ترمذیؒ کی یہی رائے ہے چنانچہ انھوں نے پہلے ممانعت کا باب باندھا پھر رخصت کا، اور رخصت ممانعت کے بعد ہوتی ہے، پس اگلے باب کی روایات پہلے باب کی روایت کے لئے ناسخ ہیں۔

اور دوسری رائے: اس کے برعکس ہے، ابن حزم ظاہریؒ کہتے ہیں: جواز ضابطہ کے مطابق ہے، کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور ممانعت کی روایات حکم شرعی ہیں یعنی پہلے کھڑے کھڑے کھانے پینے کی اجازت تھی پھر اس کی ممانعت کردی گئی، مگر صحابہ کا عمل اس کے خلاف ہے وہ کھڑے ہوئے کھاتے پیتے تھے، اس لئے ابن حزم کی بات قابل قبول نہیں۔

تیسری رائے: یہ ہے کہ دونوں بابوں کی حدیثوں کو جمع کیا جائے یہ رائے جمہور کی ہے، انھوں نے پہلے باب کی روایات میں کراہت سے کراہت تنزیہی مراد لی ہے یعنی کھڑے ہوئے کھانا پینا خلافِ اولیٰ ہے اور جواز کی روایات حکم شرعی بیان کرنے کے لئے ہیں کہ حکم شرعی یہ ہے کہ کھڑے ہوئے کھانا پینا جائز ہے۔

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے کھڑے ہوئے پینے سے منع فرمایا، پوچھا گیا: اور کھانے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: وہ تو اور بھی زیادہ سخت ہے اور مسلم کی روایت میں أَشَرُّ ہے یعنی وہ تو اور بھی زیادہ برا ہے۔

حدیث (۲): حضرت جارود بن المعلّٰی کہتے ہیں: نبی ﷺ نے کھڑے ہوئے پینے سے منع فرمایا۔

تشریح: یہ روایت قتادہ: ابومسلم جذمی سے بلا واسطہ روایت کرتے ہیں، مگر ایک دوسری روایت میں یزید کا واسطہ ہے، وہ روایت یہ ہے: ضالَّةُ المسلم حَرَقُ النار یعنی مسلمان کا گم شدہ جانور دوزخ کی لپٹ ہے یعنی اگر کسی کا اونٹ وغیرہ جنگل میں رہ جائے جو اپنی حفاظت خود کرسکتا ہے یعنی وہ چارہ پانی تلاش کرنے کے لئے دور تک جاسکتا ہے اگر کوئی اس کو جنگل سے پکڑ کر گھر لے آئے تو وہ کسی فاسد نیت ہی سے ہوسکتا ہے پس یہ جہنم کا سامان ہے: أي ضالَّةُ المُؤمنِ إذا أَخذَهَا إنسانٌ لِيَتَملَّكَهَا أَدَّتْهُ إلى النار.

احادیث (۳-۵) (۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں چلتے ہوئے کھاتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے تھے (۴) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہوئے زمزم نوش فرمایا (۵) اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے پیتے دیکھا ہے، یہ سب روایات اعلی درجہ کی صحیح ہیں اور پہلے باب کی روایات سے اثبت اور اقوی ہیں، اس لئے امام ترمذیؒ نے ان کو ناسخ قرار دیا ہے، لیکن جمہور کہتے ہیں کہ زمزم تو کھڑے ہوکر پینا مستحب ہے اور وضو کے بعد کا پانی بھی کھڑے ہوکر پینا مستحب ہے، پس یہ دونوں صورتیں تو ممانعت سے مستثنیٰ ہیں، رہی حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی روایت تو وہ عذر پر یا بیانِ جواز پر محمول ہے، غرض اسلامی تہذیب یہ ہے کہ بیٹھ کر کھایا پیا جائے، یہی

اچھا طریقہ ہے، اور ضرورت کے وقت کھڑے ہوئے کھانا پینا بھی جائز ہے، مثلاً بیٹھنے کی کوئی مناسب جگہ نہ ہو یا میدانِ جنگ ہو، جہاں بیٹھ کر کھانے پینے کا موقع نہ ہو ایسی صورت میں کھڑے ہوئے کھانا پینا غیر اولیٰ بھی نہیں، حضرت عبداللہ کی روایت ایسے ہی مواقع کے لئے ہے۔

[۱۱-] باب ماجاء في النَّهْيِ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا

[۱۸۷۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى أَنْ يَشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا، فَقِيْلَ: الأَكْلُ؟ قَالَ: ذَاكَ أَشَدُّ. هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

[۱۸۷٤-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، ثَنَا خَالِدُ بنُ الْحَارِثِ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْ مُسْلِمٍ الْجَذْمِيِّ، عَنِ الْجَارُوْدِ بنِ العَلاَءِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا.

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، وَأَبِيْ هريرةَ، وأَنَسٍ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الحَدِيْثَ عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْ مُسْلِمٍ، عَنْ جَارُوْدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۸۷٥-] وَرُوِيَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الشِّخِّيْرِ، عَنْ أَبِيْ مُسْلِمٍ، عَنِ الْجَارُوْدِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "ضَالَّةُ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ"

وَالْجَارُوْدُ بنُ المُعَلَّى: يُقَالُ: ابنُ العَلاَءِ، وَالصَّحِيْحُ ابنُ الْمُعَلَّى.

وضاحت: حدیث (۱۸۷۴) قتادہ ابو مسلم سے بلاواسطہ روایت کرتے ہیں، مگر حدیث (۱۸۷۵) یزید کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ بات امام ترمذی نے کیوں بیان کی ہے؟ یہ بات واضح نہیں، ممکن ہے محض افادہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ در پردہ قتادہ پر اعتراض ہو کہ انھوں نے پہلی حدیث میں تدلیس کی ہے یعنی استاذ کا نام چھپایا ہے (قتادہ تدلیس کیا کرتے تھے) اور حضرت جارود کے والد کا صحیح نام المعلّی ہے۔

[۱۲-] باب ماجاء في الرُّخْصَةِ في الشُّرْبِ قَائِمًا

[۱۸۷٦-] حدثنا أَبُوْ السَّائِبِ سَلْمُ بنُ جُنَادَةَ بنِ سَلْمٍ الكُوْفِيُّ، ثَنَا حَفْصُ بنُ غِيَاثٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنَّا نَأْكُلُ عَلَى عَهْدِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَنَحنُ نَمْشِيْ، وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيَامٌ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، وَرَوَى

عِمْرَانُ بنُ حُدَيْرٍ هٰذَا الحديثَ عَنْ أَبِي الْبَزَرِيِّ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَأَبُو الْبَزَرِيِّ: اسْمُهُ يَزِيْدُ بنُ عُطَارِدٍ.

[۱۸۷۷-] حدثنا أَحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، ثَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ، وَمُغِيْرَةُ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَسَعْدٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَعَائِشَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۸۷۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَشْرَبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: نبی ﷺ نے زمزم ایک مرتبہ اونٹ پر بیٹھے ہوئے نوش فرمایا ہے، اگر اسی واقعہ کو ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے تو وهو قائم مجاز ہے، اور یہ کوئی دوسرا واقعہ ہے تو حدیث میں مجاز نہیں، بلکہ حقیقت ہے۔ واللہ اعلم

بابُ ماجاء في التَّنَفُّسِ فِي الإِنَاءِ

پینے کے دوران سانس لینے کا حکم

باب کے الفاظ حدیث کی اتباع میں ہیں اور ان لفظوں سے طلبہ کو غلط فہمی ہوسکتی ہے، بظاہر ان لفظوں کا مطلب یہ ہے کہ پیتے ہوئے برتن میں سانس لینا چاہئے مگر یہ مراد نہیں بلکہ تقدیر عبارت ہے: التنفُّسُ في شُرْبِ الإناءِ: کوئی بھی مشروب پیا جائے تو درمیان میں سانس لیا جائے مگر برتن منہ سے ہٹائے بغیر سانس لینا مکروہ ہے اور یہ کراہت طبعی ہے، مستحب یہ ہے کہ برتن منہ سے ہٹا کر سانس لیا جائے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہ مسئلہ پانی پینے کے ساتھ خاص نہیں، لوگوں نے اس مسئلہ کو پانی کے ساتھ خاص کرلیا ہے: یہ صحیح نہیں۔ ہر مشروب کے لئے یہی حکم ہے، خواہ پانی ہو، دودھ ہو، چائے ہو یا کوئی اور چیز ہو، البتہ اگر وہ چیز تھوڑی مقدار میں ہو تو ایک دو گھونٹ میں بھی پی سکتے ہیں، جیسے زمزم تھوڑا ہو تو اس کو تین سانس میں پینا ضروری نہیں، ایک سانس میں بھی پی سکتے ہیں، اور اگر کوئی چیز کافی مقدار میں ہو یا گرم ہو تو تین سے زیادہ سانسوں میں بھی پی سکتے ہیں، یہ بات الکوکب الدری میں ہے کہ تین سانس میں پینے کا حکم اس وقت ہے جب مشروب زیادہ مقدار میں ہو، ورنہ تین مرتبہ سانس لینے کی ضرورت نہیں، ایک دو سانس میں بھی پی سکتے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ہر طرح پینا جائز ہے کیونکہ روایات کا اختلاف سہولت پر دلالت کرتا ہے، البتہ اگر مشروب زیادہ مقدار میں ہو تو تین سانس میں پینا اولیٰ ہے۔

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ برتن میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ زیادہ خوشگوار ہے کیونکہ اس طرح پینے سے مشروب جسم میں رچتا پچتا ہے اور اس طرح پینے سے سیرابی خوب حاصل ہوتی ہے یعنی یہ صحت کے لئے زیادہ مفید ہے۔

تشریح: تین سانس میں پینے سے سیرابی زیادہ اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ جب پانی معدہ میں تھوڑا تھوڑا پہنچتا ہے تو طبیعت اس کو ان اعضاء کی طرف سپلائی کرتی ہے جن کو تری کی حاجت ہوتی ہے اور رُواں رُواں سیراب ہوجاتا ہے اور جب بہت سارا پانی اچانک معدہ میں پہنچتا ہے تو طبیعت حیران رہ جاتی ہے کہ اس کو کہاں سپلائی کرے، چنانچہ پیٹ بوجھل ہوجاتا ہے اور سیرابی حاصل نہیں ہوتی۔

اور تین سانس میں پینا صحت کے لئے زیادہ مفید اس طرح ہے کہ:

۱- باردمزاج آدمی: جب ایک دم اس کے معدہ پر پانی ڈالا جاتا ہے تو اس کو ''سردی'' ہوجاتی ہے کیونکہ اس میں قوت مدافعت کمزور ہوتی ہے وہ پانی کی بہت ساری مقدار کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اور اس کو ''ٹھنڈ'' لگ جاتی ہے اس کے برخلاف اگر پانی بتدریج پہنچے تو قوت مدافعت کام کرتی ہے اور سردی نہیں ہوتی۔

۲- اور گرم مزاج آدمی: جب پیٹ میں یکبارگی پانی ڈالا جاتا ہے تو مزاج اور پانی میں مزاحمت ہوتی ہے اور ٹھنڈک حاصل نہیں ہوتی اور جب معدہ میں تھوڑا تھوڑا پانی ڈالا جاتا ہے تو اول اول مزاحمت ہوتی ہے پھر برودت غالب آجاتی ہے جیسے آگ پر پانی ڈالا جائے تو شروع میں آگ اور پانی میں کشمکش ہوتی ہے پھر آگ ہار مان لیتی ہے۔

رہی خوشگواری کی بات تو وہ ظاہر ہے، اور تجربہ سے تعلق رکھتی ہے، سخت پیاس کی حالت میں تین سانس میں پانی پی کر دیکھیں، اور ایسی ہی حالت میں یکبارگی پی کر دیکھیں: فرق واضح ہوجائے گا (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۴۹۵)

فائدہ: أَمْرَأُ: مَرِیءٌ کا اسم تفضیل ہے جس کے معنی ہیں: گوارہ تر، اور أَرْویٰ بھی اسم تفضیل ہے اس کے معنی ہیں: زیادہ سیراب کرنے والا، أَرْوَاہ: سیراب کرنا، اور رَوِیَ (س) من الماءِ رَیًّا: سیراب ہونا، پیاس بجھنا...... یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابوعصام روایت کرتے ہیں اور ثمامہ بھی روایت کرتے ہیں، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، ثمامہ کی روایت مسلم شریف میں بھی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلے ابوعصام کی سند لکھی ہے اور اس کو حسنٌ غریبٌ قرار دیا ہے پھر ثمامہ کی سند لکھی ہے اور اس کو حسنٌ صحیحٌ قرار دیا ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: اونٹ کے پینے کی طرح یکبارگی مت پیو، بلکہ دومرتبہ اور تین مرتبہ کرکے پیو، اور جب بھی تم کوئی چیز پیو تو اللہ کا نام لو اور جب پی کر فارغ ہوجاؤ تو اللہ کی تعریف کرو۔

تشریح: کسی چیز کے پینے کے درمیان اگر تین مرتبہ سانس لیا جائے تو مشروب کے چار ٹکڑے ہونگے اور دو مرتبہ سانس لیا جائے تو مشروب کے تین ٹکڑے ہونگے، اس باب میں درمیان میں تین مرتبہ سانس لینے کی روایت

ہے اور آئندہ باب میں درمیان میں دومرتبہ سانس لینے کی روایت ہے...... اور کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی حکمت پہلے آچکی ہے کہ اس سے کھانے میں برکت ہوتی ہے اور شیطان اس میں شریک نہیں ہوتا...... اور فارغ ہونے کے بعد حمد اس لئے پسند ہے کہ اس سے منعم حقیقی کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ذہن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے...... اور حدیثوں میں حمد کے متعدد صیغے آئے ہیں ان میں سے کسی بھی جملے سے حمد کی جاسکتی ہے اور اگر صرف الحمد للہ کہہ لے تو یہ بھی کافی ہے۔

اور اونٹ ایک سانس میں پوری بالٹی چڑھا جاتا ہے اس طرح پینے کی ممانعت اس لئے فرمائی ہے کہ اس سے سیرابی اچھی طرح حاصل نہیں ہوتی اور طبیعت مطمئن نہیں ہوتی، اگر آپ کو شدید پیاس لگی ہو اور آپ دمادم دو تین گلاس پی لیں تو پیٹ بوجھل ہو جائے گا اور جی نہیں بھرے گا، اور ایک ہی گلاس پئیں اور درمیان میں لمبا وقفہ کریں تو ایک ہی گلاس سے کام چل جائے گا اور جی بھر جائے گا: تجربہ کر کے دیکھیں۔

ملحوظہ: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی یزید بن سفیان جزری ضعیف ہے اور حضرت عطاء کے لڑکے کا نام معلوم نہیں، پس اس کا حال بھی معلوم نہیں۔

[۱۳-] باب ماجاء فی التَّنَفُّسِ فی الإِنَاءِ

[۱۸۷۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، وَيُوسُفُ بنُ حَمَّادٍ، قَالاَ: ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِى عِصَامٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ: أَنَّ النبىَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَتَنَفَّسُ فِى الإِنَاءِ ثَلاَثًا، وَيَقُوْلُ: "هُوَ أَمْرَأُ وَأَرْوَى"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَرَوَاهُ هِشَامُ الدَّسْتَوَائِىُّ، عَنْ أَبِى عِصَامٍ، عَنْ أَنَسٍ؛ وَرَوَى عَزْرَةُ بنُ ثَابِتٍ، عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النبىَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَتَنَفَّسُ فِى الإِنَاءِ ثَلاَثًا.

[۱۸۸۰-] حدثنا بُنْدَارٌ، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِىٍّ، ثَنَا عَزْرَةُ بنُ ثَابِتٍ الأَنْصَارِىُّ، عَنْ ثُمَامَةَ بنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ أَنَّ النبىَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَتَنَفَّسُ فِى الإِنَاءِ ثَلاَثًا، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۸۸۱-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ سِنَانٍ الجَزَرِىِّ، عَنْ ابنٍ لِعَطَاءِ بنِ أَبِى رَبَاحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لاَ تَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ، وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنَى وَثُلاَثَ، وَسَمُّوْا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ، وَاحْمَدُوْا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَيَزِيْدُ بنُ سِنَانٍ الْجَزَرِىُّ: هُوَ أَبُوْ فَرْوَةَ الرَّهَاوِىُّ.

بابُ ماجاء في الشُّرْبِ بِنَفَسَيْنِ

دوسانس میں پینے کا بیان

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی چیز پیتے تھے تو درمیان میں دومرتبہ سانس لیتے تھے، پس مشروب کے تین ٹکڑے ہونگے، اس حدیث کی سند میں رشدین بن کریب ہاشمی ابوکریب مدنی ضعیف راوی ہے اور وہی یہ حدیث روایت کرتا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: میں نے امام دارمیؒ سے اس راوی کے بارے میں پوچھا کہ یہ راوی زیادہ قوی ہے یا اس کا بھائی محمد بن کریب؟ امام دارمیؒ نے فرمایا: ما أَقْرَبَهُمَا: دونوں ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں یعنی دونوں ضعیف ہیں، البتہ رشدین دونوں میں میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے، اور امام ترمذیؒ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے بھی ان دونوں کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: محمد بن کریب: رشدین سے وزنی ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: میرے نزدیک امام دارمی کی رائے بہتر ہے یعنی رشدین وزنی بھی ہے اور عمر میں بڑا بھی ہے، اس نے حضرت ابن عباسؓ کا زمانہ پایا ہے اور ان کو دیکھا ہے۔ غرض یہ دونوں بھائی ہیں اور دونوں کی روایتوں میں نہایت ضعیف روایتیں ہوتی ہیں۔

خلاصہ: یہ ہے کہ درمیان میں تین سانس لینے کی روایت راجح ہے اور دوسانس لینے کی روایت مرجوح ہے، اسی لئے علماء عام طور پر تین سانس میں پینے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

[۱۴-] باب ماذُكِرَ في الشُّرْبِ بِنَفَسَيْنِ

[۱۸۸۲-] حدثنا عَلِيُّ بنُ خَشْرَمٍ، ثَنَا عِيْسٰى بنُ يُوْنُسَ، عَنْ رِشْدِيْنَ بنِ كُرَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا شَرِبَ يَتَنَفَّسُ مَرَّتَيْنِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ رِشْدِيْنَ بنِ كُرَيْبٍ، قَالَ: وَسَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ: عَنْ رِشْدِيْنَ بنِ كُرَيْبٍ، قُلْتُ: هُوَ أَقْوَى أَمْ مُحمدُ بنُ كُرَيْبٍ؟ قَالَ: مَا أَقْرَبَهُمَا، وَرِشْدِيْنُ بنُ كُرَيْبٍ أَرْجَحُهُمَا عِنْدِيْ وَسَأَلْتُ مُحمدَ بنَ إِسْمَاعِيْلَ عَنْ هٰذَا، فَقَالَ: مُحمدُ بنُ كُرَيْبٍ أَرْجَحُ مِنْ رِشْدِيْنَ بنِ كُرَيْبٍ، وَالْقَوْلُ عِنْدِيْ مَاقَالَ أَبُوْ مُحمدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَبْدِ الرحمنِ: رِشْدِيْنُ بنُ كُرَيْبٍ أَرْجَحُ وَأَكْبَرُ، وَقَدْ أَدْرَكَ ابنَ عَبَّاسٍ، وَرَآهُ، وَهُمَا أَخَوَانِ، وَعِنْدَهُمَا مَنَاكِيْرُ.

وضاحت: رشدین کے والد کریب بن ابی مسلم ہاشمی مدنی: حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ ہیں اور ثقہ راوی ہیں، ان کا بیٹا رشدین ضعیف راوی ہے اسی طرح اس کا بھائی محمد بن کریب بھی ضعیف راوی ہے...... عبداللہ بن عبد

الرحمٰن: امام دارمی کا نام ہے...... ما أقربهما: فعل تعجب ہے، یعنی کس قدر ایک دوسرے سے قریب ہیں (ضعف میں)

بابُ ماجاء فی کَرَاهِيَةِ النَّفْخِ فِيْ الشَّرَابِ

مشروب میں پھونکنے کی ممانعت

حدیث (۱): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مشروب میں پھونکنے سے منع فرمایا، پس ایک آدمی نے کہا: میں برتن میں کوئی تنکا دیکھتا ہوں (پس اس کو دور کرنے کے لئے پھونکتا ہوں) آپؐ نے فرمایا: برتن کو بہادے، یعنی تھوڑا پانی گرادے تنکا اس کے ساتھ بہ جائے گا یعنی اس ضرورت سے بھی پھونکنا جائز نہیں، پھر اس نے دوسرا مسئلہ پوچھا کہ پیتے ہوئے سانس لئے بغیر مجھے سیرابی حاصل نہیں ہوتی، یعنی اگر میں سانس روک کر پیتا ہوں تو سیرابی حاصل نہیں ہوتی، پس کیا پیتے ہوئے برتن میں سانس لیا جاسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: پیالہ منہ سے جدا کرلے، یعنی برتن میں سانس مت لے، برتن منہ سے ہٹا کر سانس لے (اس دوسرے سوال وجواب کا تعلق آئندہ باب سے ہے)

حدیث (۲): ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے اس بات سے منع کیا کہ (پانی وغیرہ پیتے ہوئے) برتن میں سانس لیا جائے یا برتن میں پھونکا جائے۔

تشریح: کبھی مشروب (پانی وغیرہ) میں کوئی تنکا ہوتا ہے، اس کو ہٹانے کے لئے یا مشروب گرم ہوتا ہے اس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے لوگ پھونکتے ہیں یہ مکروہ ہے، تنکا وغیرہ ہو تو کسی چیز سے یا انگلی سے نکال لیا جائے یا تھوڑا پانی بہادیا جائے اس کے ساتھ تنکا بہہ جائے گا اور اگر مشروب گرم ہو تو تھوڑی دیر انتظار کیا جائے ٹھنڈا ہوجائے گا، بہرحال پھونک نہ مارے، کیونکہ کبھی منہ میں تغیر آجاتا ہے یا مسواک کلی کئے دیر ہوجاتی ہے تو بھی منہ میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے، پس پھونکنے کی صورت میں یہ بدبو مشروب میں شامل ہوجائے گی اور کبھی ایک ہی برتن سے لوگ یکے بعد دیگرے پیتے ہیں پس جس کا نمبر بعد میں ہوگا اس کو کراہیت ہوگی، اور کبھی پھونکتے ہوئے منہ سے یا ناک سے کوئی چیز پانی میں گرجاتی ہے تو خود اس کو ناگوار ہوگا اور بدنما شکل بن جائے گی، اس لئے پھونکنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

[۱۵-] باب ماجاء فی کراهية النَّفْخِ فِی الشَّرَابِ

[۱۸۸۳-] حدثنا عَلِيُّ بنُ خَشْرَمٍ، ثَنَا عِيسَى بنُ يُونُسَ، عَنْ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، عَنْ أَيُّوبَ ـ وَهُوَ ابنُ حَبِيْبٍ ـ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا الْمُثَنَّى الْجُهَنِيَّ، يَذْكُرُ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ النَّفْخِ فِيْ الشَّرَابِ، فَقَالَ رَجُلٌ: الْقَذَاةَ أَرَاهَا فِيْ الإِنَاءِ؟ فَقَالَ: "أَهْرِقْهَا" فَقَالَ:

فَإِنِّي لَا أَرْوَى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ: "فَأَبِنِ الْقَدَحَ إِذًا عَنْ فِيْكَ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۸۸٤-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْجَزَرِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى أَنْ يُتَنَفَّسَ فِي الإِنَاءِ أَوْ يُنْفَخَ فِيْهِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترکیب: القَذَاۃَ: منصوب علیٰ شریطۃ التفسیر ہے أی: أَرَی القذاۃ ...... أَبِنْ: فعل امر از إبَانة: جدا کرنا۔

بابُ ماجاء فی کراهیة التَنَفُّس فی الإِنَاءِ

برتن میں سانس لینے کی کراہیت

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إذا شَرِبَ أَحَدُکم فلا یَتَنَفَّسْ فی الإِنَاءِ: جب تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز پیئے تو برتن میں سانس نہ لے (بلکہ برتن منہ سے ہٹا کر سانس لے، تاکہ خوب سیرابی حاصل ہو اور بدنما شکل نہ بنے، اور بعد میں جس کا نمبر ہے اس کو ناگواری نہ ہو)

[۱٦-] باب ماجاء فی کراهیة التَّنَفُّسِ فی الإِنَاءِ

[۱۸۸٥-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، ثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى بنِ أَبِي كَثِيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الإِنَاءِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی النَّهْیِ عَنِ اخْتِنَاثِ الأَسْقِیَةِ

مشکیزہ کا منہ موڑ کر پینے کی ممانعت

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مشکیزوں کے منہ موڑنے سے منع فرمایا (اوران کا منہ موڑنا یہ ہے کہ ان کا سر پلٹا جائے پھر اس سے پیا جائے)

تشریح: مشکیزہ کا منہ موڑ کر اور اس سے منہ لگا کر پانی پینے میں چند نقصانات ہیں: ایک: پانی جوش سے نکلے گا اور حلق میں یکبارگی گرے گا، اس سے درد جگر پیدا ہوتا ہے، دوم: اس سے معدہ کو بھی ضرر پہنچتا ہے، سوم: پانی کے بہاؤ میں تنکے وغیرہ کا پتہ نہیں چلتا، اور منقول ہے کہ ایک شخص نے مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی پیا تو سانپ اس کے پیٹ میں چلا گیا، چہارم: اس میں کپڑے بھیگنے کا اندیشہ ہے، پنجم: جب سب لوگ اس طرح منہ لگا کر پئیں گے تو مشکیزہ کا منہ بدبودار ہو جائے گا (رحمۃ اللہ ۵:۴۹٦)

[۱۷-] باب ماجاء في اخْتِنَاثِ الأَسْقِيَةِ

[۱۸۸٦-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رِوَايَةً: أَنَّهُ نَهٰى عَنْ اخْتِنَاثِ الأَسْقِيَةِ.

وفي البابْ: عَنْ جَابِرٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، وأَبِيْ هُرَيرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغات: اِخْتَنَثَ السِّقَاءَ وَخَنَثَ: مشک کے منہ کوموڑ کر پانی پینا......رِوایةً: أی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

بابُ الرُّخْصَةِ فِيْ ذٰلِكَ

مشکیزے کا منہ موڑ کر پینے کی اجازت

حدیث (۱): عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپؐ ایک لٹکی ہوئی مشک کی طرف کھڑے ہوئے پھراس کا منہ موڑا، پھراس کے منہ سے پانی پیا (یہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے مگراس کی سند صحیح نہیں اس کا ایک راوی عبداللہ عمری معمولی ضعیف ہے اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: اس نے عیسیٰ سے یہ حدیث سنی ہے یا نہیں؟ یہ بات مجھے معلوم نہیں)

حدیث (۲): کبشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک مرتبہ نبی پاک ﷺ میرے گھر تشریف لائے پس آپؐ نے ایک لٹکی ہوئی مشک کے منہ سے کھڑے ہوئے پانی پیا، پس میں مشکیزہ کی طرف کھڑی ہوئی اور میں نے اس کا منہ کاٹ لیا (یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے)

تشریح: باب میں حضرت ام سُلیمؓ کی بھی روایت ہے ان کے گھر بھی نبی ﷺ نے مشکیزے سے براہِ راست پانی پیا تھا تو انھوں نے بھی مشکیزہ کا منہ کاٹ لیا تھا، وقالت: لِئَلَّا يَشْرَبَ منها أَحَدٌ بعد شُرْبِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: تاکہ کوئی اور شخص نبی ﷺ کے پینے کے بعد اس مشکیزے سے نہ پیئے، حضرت ام سلیم نے مشکیزے کا منہ غیرت کی وجہ سے کاٹا تھا، ان کو یہ بات گوارہ نہ ہوئی کہ اب کسی اور کا منہ اس پر لگے، اور حضرت کبشہؓ نے کیوں کاٹا تھا یہ بات روایت میں مذکور نہیں، ممکن ہے انھوں نے بھی غیرت کی وجہ سے کاٹا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ تبرکاً کاٹ لیا ہو، بہر حال زندگی میں ایک دو بار نبی ﷺ نے مشکیزے کا منہ موڑ کر کھڑے ہوئے پیا ہے، پس دونوں باتوں کا جواز ثابت ہوا، اور گذشتہ باب کی روایت میں جو ممانعت ہے اس کو خلاف اولیٰ پر محمول کیا جائے گا، علاوہ ازیں نبی ﷺ کے منہ لگانے سے نہ کسی کو ناگواری ہوگی نہ بدبو پیدا ہوگی، بلکہ حسن وخوبی پیدا ہوگی، اسی وجہ سے دونوں خواتین نے مشکیزے کا منہ کاٹ لیا تھا، غرض دوسروں کو اس پر عمل نہیں کرنا چاہئے، یہ سنت (دینی طریقہ) نہیں ہے،

حضوراقدس ﷺ کا یہ فعل بیان جواز کے لئے ہے۔

[۱۸-] بابُ الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

[۱۸۸۷-] حدثنا يَحْيىَ بنُ مُوْسَى، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، ثنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عُمَرَ، عَنْ عِيْسَى بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أُنَيْسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: رَأَيْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَامَ إِلٰى قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ، فَخَنَثَهَا، ثُمَّ شَرِبَ مِنْ فِيْهَا.

وفى الباب: عَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ، هٰذَا حديثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِصَحِيْحٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ يُضَعَّفُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ، وَلاَ أَدْرِى سَمِعَ مِنْ عِيْسٰى أَمْ لاَ؟

[۱۸۸۸-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ يَزِيْدَ بنِ جَابِرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ أَبِيْ عَمْرَةَ، عَنْ جَدَّتِهِ كَبْشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَشَرِبَ مِنْ فِيِّ قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا، فَقُمْتُ إِلٰى فِيْهَا فَقَطَعْتُهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، وَيَزِيْدُ بنُ يَزِيْدَ: هُوَ أَخُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ يَزِيْدَ بنِ جَابِرٍ، وَهُوَ أَقْدَمُ مِنْهُ مَوْتًا.

بابُ ماجاء فى أَنَّ الأَيْمَنِيْنَ أَحَقُّ بِالشُّرْبِ

دائیں والے کا حق پہلے ہے

حدیث: ایک بار نبی ﷺ کی خدمت میں دودھ پیش کیا گیا جس کو (ٹھنڈا کرنے کے لئے) پانی کے ساتھ ملایا گیا، آپؐ نے وہ دودھ نوش فرمایا، اس وقت آپؐ کی دائیں جانب ایک بدو تھا، اور بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، پس آپؐ نے بچا ہوا بدو کو دیا اور فرمایا: الأَيْمَنُ فَالأَيْمَنُ: أى الأَيْمَنُ أَحَقُّ يا الأَيْمَنَ فالأَيْمَنَ نصب کے ساتھ أى: أَعْطِ الأَيْمَنَ۔ اور ایک دوسری روایت میں: الأَيْمَنُوْنَ فَالأَيْمَنُوْنَ ہے پس اس سے رفع کی قراءت راجح قرار پاتی ہے۔

تشریح: یہ ضابطہ منازعت ختم کرنے کے لئے ہے کیونکہ اگر افضل کی تقدیم کا ضابطہ بنایا جائے گا تو کبھی لوگوں کے درمیان کسی کی فضیلت مسلم نہ ہوگی اور کبھی فضیلت مسلم ہونے کے باوجود دوسرے کی تقدیم سے دل تنگی پیدا ہوگی، اس لئے یہ ضابطہ بنادیا کہ دائیں کو دو پھر اس کے دائیں کو خواہ وہ کوئی ہو، البتہ اس کی اجازت سے دوسرے کو دیا جاسکتا ہے۔

[١٩-] باب ماجاء في أَنَّ الأَيْمَنِيْنَ أَحَقُّ بِالشُّرْبِ

[١٨٨٩-] حدثنا الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، ح: وَثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أُتِيَ بِلَبَنٍ، قَدْ شِيْبَ بِمَاءٍ، وَعَنْ يَمِيْنِهِ أَعْرَابِيٌّ، وَعَنْ يَسَارِهِ أَبُوْ بَكْرٍ، فَشَرِبَ، ثُمَّ أَعْطَى الأَعْرَابِيَّ، وَقَالَ: "الأَيْمَنُ فَالأَيْمَنُ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، وسَهْلِ بنِ سَعْدٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ بُسْرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء أَنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا

پلانے والےکوآخر میں پینا چاہئے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:سَاقِي الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا: جوشخص لوگوں کو(چائے دودھ وغیرہ) پلائے اسے سب سے آخر میں پینا چاہئے۔

تشریح: یہ اس وقت ہے جب مشروب اس کی ملکیت نہ ہو، وہ صرف تقسیم کار ہو، اور اگر مالک ہوتو جب چاہے پی سکتا ہے بلکہ پہلے کچھ پی لینا چاہئے تاکہ چائے میں چینی ڈالی ہے یانہیں: اس کا پتہ چل جائے۔

اور ساقی کوسب سے آخر میں اس لئے پینا چاہئے کہ اس کا سب سے پہلے پینا حرص کی علامت ہے اور ایثار ومروت کے خلاف ہے، پس یہ حکم آداب اسلامی کے قبیل سے ہے، کوئی شرعی حکم نہیں ہے کہ اس کی خلاف ورزی سے گنہ ہو۔

[٢٠-] باب ماجاء في أَنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا

[١٨٩٠-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتِ الْبُنَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ رَبَاحٍ، عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "سَاقِي الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا".

وفي الباب: عَنْ ابنِ أَبِيْ أَوْفَى، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء أَيُّ الشَّرَابِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رسول اللهِ صلى الله عليه وسلم؟

نبی ﷺ کوکونسا مشروب زیادہ پسند تھا؟

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مشروبات میں سے نبی ﷺ کو زیادہ پسند میٹھا ٹھنڈا تھا، میٹھا:

جیسے شہد ملا ہوا پانی یا کھجور کی نبیذ وغیرہ، اور ٹھنڈی چیز اس لئے پسند تھی کہ ہر گرم مزاج آدمی کو ٹھنڈی چیز پسند ہوتی ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو سب سے زیادہ دودھ پسند تھا، ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، پسندیدگی کی وجوہ مختلف ہوتی ہیں، غذاؤں میں دودھ پسند تھا اور عام مشروبات میں میٹھا ٹھنڈا پسند تھا۔

ملحوظہ: یہ حدیث امام زہری رحمہ اللہ کی مرسل روایت ہے، اور امام زہری کی مرسل روایتیں نہایت ضعیف ہوتی ہیں، سفیان بن عیینہ نے اس کی جو سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچائی ہے وہ صحیح نہیں، معمر، یونس اور عبدالرزاق وغیرہ اس کو مرسل روایت کرتے ہیں، اور یہی اصح ہے۔

[۲۱-] باب ماجاء أَيُّ الشَّرَابِ كَانَ أَحَبَّ إلى رسول اللهِ صلى الله عليه وسلم؟

[۱۸۹۱-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الحُلْوُ الْبَارِدُ.

هٰكَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ ابنِ عُيَيْنَةَ مِثْلَ هٰذَا، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، وَالصَّحِيْحُ مَا رَوَى الزُّهْرِيُّ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلاً.

[۱۸۹۲-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، وَيُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم سُئِلَ: أَيُّ الشَّرَابِ أَطْيَبُ؟ قَالَ: "اَلْحُلْوُ الْبَارِدُ"

وَهٰكَذَا رَوَى عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلاً، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ عُيَيْنَةَ.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أبوابُ الْبِرِّ والصِّلَةِ

عن رِسول الله صلى الله عليه وسلم

حسن سلوک (اور بدسلوکی) اور صلہ رحمی (اور قطع رحمی) کا بیان

البِرُّ: مصدر ہے، اور مختلف استعمالات میں اس کے مختلف معانی ہوتے ہیں، مگر اس کے عام معنی: نیکی کے ہیں، خواہ کوئی سی نیکی ہو، پس یہ ایک جامع لفظ ہے جو تمام عقائد واعمالِ صالحہ کو شامل ہے، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۷) میں عقائد واعمالِ صالحہ کے مجموعہ پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت نواس بن سمعانؓ نے نبی ﷺ سے بر واثم (نیکی اور گناہ) کی حقیقت پوچھی تو آپؐ نے فرمایا: البِرُّ حُسْنُ الخُلُقِ: نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے، والإثمُ ماحاكَ فی صَدْرِكَ وكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عليه الناسُ: اور گناہ وہ کام ہے جو تیرے دل میں جگہ کرلے، جم جائے اور تو نہ چاہے کہ لوگ اس سے واقف ہوں (مشکوۃ حدیث ۵۰۷۳) یعنی جو کام مؤمن کے دل میں کھٹک پیدا کرے، جس کام سے مؤمن کا دل بے چین رہے، اور اس کو وحشت لاحق ہو اور وہ نہ چاہے کہ کوئی اس سے مطلع ہو تو وہ گناہ کا کام ہے کیونکہ مؤمن کا قلب ایک کسوٹی ہے، کسی کام سے اس کا بے چین ہونا اس کام کے برے ہونے کی دلیل ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اچھے اخلاق کا نام البر ہے یعنی لوگوں کے ساتھ میل جول میں اچھا برتاؤ کرنا، بد اخلاقی سے بچنا: نیکی کا کام ہے اور یہ البرُّ کے خاص معنی ہیں اور یہی معنی یہاں مراد ہیں اور یہ آدھا مضمون ہے، اس کا مقابل الإثم (گناہ) محذوف ہے اور وہ بھی یہاں مراد ہے، یعنی معاشرتی معاملات میں اور لوگوں کے ساتھ میل جول میں برے برتاؤ کے احکام بھی انہی ابواب میں ذکر کئے جائیں گے۔

اور الصِّلَة بھی مصدر ہے، وَصَلَ الشیئَ بالشیئِ وَصْلاً وصِلَةً: کے معنی ہیں: ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانا، جوڑنا، اور الرَّحِم کے معنی ہیں: ناتہ، یعنی ددھیالی اور ننھیالی رشتہ، پس صِلَةُ الرحِم کے معنی ہیں: خاندان کے ساتھ

حسن سلوک کرنا، اور یہ بھی آدھا مضمون ہے اس کا مقابل قطع رحمی بھی مراد ہے، یعنی ان ابواب میں خاندان کے ساتھ حسن سلوک کا بھی بیان ہے اور بدسلوکی کا بھی۔ پس یہ تخصیص بعد التعمیم ہے، یعنی البرُّ سے عام معاشرتی حسن سلوک (اور بدسلوکی) مراد ہے اور الصِّلة سے خاص خاندان کے ساتھ حسن سلوک (اور بدسلوکی) مراد ہے۔

بابُ ماجاء فی بِرِّ الْوَالِدَیْنِ

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا بیان (پہلا باب)

انسان کو وجود حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے مگر والدین سبب ظاہری ہیں اس لئے قرآن کی متعدد آیات میں والدین کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے اور احادیثِ شریفہ میں بھی بہت اہمیت کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور بدسلوکی سے بچنے کا ذکر آیا ہے۔

اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کی شکلیں یہ ہیں:

۱- ان کی زندگی میں جان و مال سے ان کی خدمت کرنا اور ہمیشہ ان کو خوش رکھنا۔

۲- دل سے والدین کی تعظیم کرنا اور ان سے محبت رکھنا۔

۳- والدین کی وفات کے بعد ان کے لئے دعاء مغفرت کرتے رہنا۔

۴- والدین کے کئے ہوئے عہد و پیمان کو جہاں تک ممکن ہو پورا کرنا۔

۵- والدین کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔

حدیث: حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے نبی پاک ﷺ سے پوچھا: میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، انھوں نے پوچھا: پھر کس کے ساتھ؟ آپؐ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، انھوں نے تیسری مرتبہ پوچھا: پھر کس کے ساتھ؟ آپؐ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ۔ انھوں نے چوتھی مرتبہ پوچھا: پھر کس کے ساتھ؟ آپؐ نے فرمایا: اپنے باپ کے ساتھ، پھر درجہ بدرجہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ۔

تشریح: ماں حسن سلوک (خدمت) کی باپ سے زیادہ حقدار ہے، اور باپ کا اطاعت میں زیادہ حق ہے، فتاوی عالمگیری (۵:۳۶۵) میں یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ تعظیم واحترام میں باپ کا حق زیادہ ہے اور خدمت وانعام میں ماں کا حق زیادہ ہے یعنی دونوں ہی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہئے، مگر بوقت تعارض یہ ضابطہ ہے، مثلاً دونوں ایک ساتھ پانی مانگیں اور دونوں کو ایک ساتھ دینا ممکن نہ ہو تو ماں کو مقدم رکھا جائے، اور دونوں کوئی حکم دیں تو باپ کی اطاعت پہلے کی جائے۔

اور ابن بطالؒ نے فرمایا ہے کہ حسنِ سلوک کے معاملہ میں ماں کو تین گنا برتری اس لئے حاصل ہے کہ ماں نے تین صعوبتیں برداشت کی ہیں، یعنی حمل کی، وضع حمل کی اور دودھ پلانے کی مشقت برداشت کی ہے۔ اور باپ نے

صرف کما کر کھلایا ہے اور تربیت دونوں نے کی ہے۔

ملحوظہ: اس حدیث کا ایک راوی بہز بن حکیم ہے اس پر امام شعبہ رحمہ اللہ نے تنقید کی ہے جس سے اس کی عدالت متأثر ہوئی ہے، یہ راوی اب صرف صدوق ہے اس لئے اس کی حدیث صرف حسن ہے۔

نوٹ: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے احکام ہدایت القرآن (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳و۲۴) میں تفصیل سے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أبو اب البر و الصلة

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[١-] باب ماجاء في برِّ الْوَالِدَيْنِ

[١٨٩٣-] حدثنا بُنْدَارٌ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا بَهْزُ بنُ حَكِيْمٍ، ثَنِى أَبِىْ، عَنْ جَدِّىْ، قَالَ: قُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: "أُمَّكَ" قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أُمَّكَ" قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "أُمَّكَ" قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: "ثُمَّ أَبَاكَ، ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ"

وفى الباب: عَنْ أَبِىْ هريرةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَعَائِشَةَ، وَأَبِىْ الدَّرْدَاءِ؛ وَبَهْزُ بنُ حَكِيْمٍ: هُوَ ابنُ مُعَاوِيَةَ بنِ حَيْدَةَ الْقُشَيْرِىُّ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ.

وَقَدْ تَكَلَّمَ شُعْبَةُ فِىْ بَهْزِ بنِ حَكِيْمٍ، وَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الحَدِيْثِ، وَرَوَى عَنْهُ مَعْمَرٌ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِىُّ وَحَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ.

وضاحت: أَبَرُّ: فعل مضارع صیغہ واحد متکلم از باب ضرب...... أُمَّكَ کا ناصب بِرَّ محذوف ہے یعنی اپنے ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کر...... بہز بن حکیم محدثین کے نزدیک ثقہ راوی ہیں، معمر وغیرہ بڑے لوگ ان سے روایت کرتے ہیں مگر شعبہؒ نے ان پر تنقید کی ہے اس لئے ان کا درجہ گھٹ گیا ہے اور وہ صرف صدوق رہ گئے ہیں۔

بابٌ مِنْهُ

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا بیان (دوسرا باب)

حدیث: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کونسا

ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وقت پرنماز پڑھنا، انھوں نے پوچھا: پھر؟ آپؐ نے فرمایا: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، انھوں نے پوچھا: پھر؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا (یہاں تک حدیث أبواب الصلاة باب ۱۴ میں گذر چکی ہے) پھر اس سے آگے حضور اقدس ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا، ابن مسعودؓ کہتے ہیں: اگر میں اور پوچھتا تو حضور اکرم ﷺ مجھے اور جواب دیتے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

تشریح: یہاں ایک سوال ہے کہ ایمان سب سے افضل ہے، پھر نبی ﷺ نے اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟ جواب: سائل نے اعمال کے بارے میں پوچھا ہے اور ایمان عقیدہ ہے، دوسرا سوال: حضرت ابن مسعودؓ نے آگے کیوں نہیں پوچھا؟ جواب: یہ حسنِ ادب ہے کیونکہ سوال کی کثرت کبھی دل تنگی کا باعث ہوتی ہے اس لئے حضرت ابن مسعودؓ نے آگے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔

[۲-] بابٌ منه

[۱۸۹۴-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، عَنِ الْمَسْعُوْدِيِّ، عَنِ الْوَلِيْدِ بنِ العَيْزَارِ، عَنْ أَبِيْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: سَأَلْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَيُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: " الصَّلَاةُ لِمِيْقَاتِهَا" قُلْتُ: ثُمَّ مَاذَا يَارسولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: " بِرُّ الْوَالِدَيْنِ" قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَاذَا يَارسولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: " الجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" ثُمَّ سَكَتَ عَنِّيْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَلَوِ اسْتَزَدْتُه لَزَادَنِيْ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ الشَّيْبَانِيُّ، وَشُعْبَةُ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ الْوَلِيْدِ بنِ العَيْزَارِ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِيْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وأَبُوْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيُّ: اسْمُهُ سَعْدُ بنُ إِيَاسٍ.

وضاحت: قوله: استزدتُه: أی سألتُه أكثرَ من هٰذا...... لَزادني: أی فی الجواب۔

بابُ ماجاء مِنَ الْفَضْلِ فِيْ رِضَا الْوَالِدَيْنِ

والدین کو خوش رکھنے کا ثواب

حدیث (۱): ایک شخص حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا: میری ایک بیوی ہے اور میری ماں اس کو طلاق دینے کے لئے کہتی ہے (پس میں کیا کروں؟) حضرت ابو الدرداء نے اس کو حدیث سنائی: الوالدُ أَوْسَطُ أَبْوابِ الْجَنَّةِ، فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذٰلكَ البابَ، أَوِ احْفَظْهُ: باپ جنت کا درمیانی (بہترین) دروازہ ہے،

اب تجھے اختیار ہے خواہ اس کو ضائع کر یا اس کو محفوظ رکھ، حدیث کے راوی ابن عیینہ کبھی أُمِّی کہتے تھے اور کبھی أَبِی۔

تشریح: اگر حدیث میں أبی ہے یعنی میرا باپ طلاق دینے کے لئے کہتا ہے تب تو جواب سوال کے مطابق ہے اور اگر حدیث میں أمی ہے یعنی میری ماں طلاق دینے کے لئے کہتی ہے تو جاننا چاہئے کہ والد اور والدہ میں فرق صرف تاء تانیث کا ہے، یعنی دونوں جننے والے ہیں پس حدیث سے جو والد کے بارے میں ہے، والدہ کا حکم بھی نکلے گا۔

مسئلہ: والدین کی فرمانبرداری بعض صورتوں میں واجب ہے اور بعض صورتوں میں مستحب، اور بعض صورتوں میں ناجائز، گناہ کے کاموں میں والدین ہی کی نہیں کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں، حدیث میں ہے: ''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں'' صرف جائز کاموں میں والدین کی اطاعت واجب یا مستحب ہے، حدیث میں ہے: ''اپنے پروردگار کی اور اپنے والدین کی اطاعت کر اگر چہ وہ تجھے ہر چیز سے بے دخل ہو جانے کا حکم دیں'' اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ ان کو بیوی سے بہت محبت تھی، ان کے ابا حضرت عمرؓ اس کو ناپسند کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے حکم دیا کہ بیوی کو طلاق دیدو، ابن عمرؓ نے (عملی) انکار کیا، اور آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''اپنے ابا کا کہنا مانو'' اور حضرت ابو الدرداءؓ نے طلاق دینے کا حکم تو نہیں دیا مگر حدیث سنائی کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے، اب تیری مرضی ہے خواہ اس سے ہاتھ دھو بیٹھ یا اس کی حفاظت کر، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ والدین کا ہر حکم واجب الطاعہ نہیں، بعض واجب ہیں، بعض مستحب، چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ اگر کسی کو بیوی سے محبت ہو اور ماں یا باپ بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیں — اگر چہ وہ حکم عورت کی بدچلنی کی وجہ سے ہو — اور لڑکا اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ افضل یہ ہے کہ باپ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس عورت کو طلاق دیدے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: رِضَا الرَّبِّ فی رِضَا الْوَالِدِ، وسَخَطُ الرَّبِّ فی سَخَطِ الوالد: پروردگار کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور پروردگار کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے (اور یہی حکم ماں کا بھی ہے)

تشریح: یہ حدیث اس صورت میں ہے جبکہ والدین کی خوشی اور ناخوشی اولاد کے اختیاری عمل سے ہو اور اولاد کی کوئی مجبوری بھی نہ ہو، کیونکہ احوال مختلف ہوتے ہیں اس لئے احکام بھی مختلف ہیں، مثال کے طور پر احوال چار ہیں، پس احکام بھی چار ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

احوال:

۱۔علم دین کے دو درجے ہیں، فرض عین اور فرض کفایہ، فرضِ عین وہ علم ہے جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اور یہ دین کا وہ ضروری حصہ ہے جو اسلامی زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہے اور دین کا مکمل علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے، یعنی سب مسلمانوں پر فرض نہیں، بلکہ بقدر کفایہ (بقدر ضرورت) لوگوں پر فرض ہے، یعنی اتنے لوگوں

پر اس کی تحصیل فرض ہے جن کے ذریعہ مسلمانوں کی دینی ضرورت پوری ہو سکے اور اسلام کی حفاظت ہو سکے، یہی حال تبلیغ وجہاد کا بھی ہے کہ وہ عام حالات میں فرض کفایہ ہیں مگر خاص حالات میں فرضِ عین ہو جاتے ہیں، پس دونوں درجوں کے احکام مختلف ہونگے۔

۲-صحت، طاقت اور قوت کے اعتبار سے بھی والدین کی دو حالتیں ہیں: ایک وہ زمانہ ہے جس میں والدین جسمانی خدمت کے محتاج نہیں ہوتے اور دوسری بڑھاپے اور بیماری کی حالت ہے جس میں وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں، اس لئے دونوں حالتوں کے احکام مختلف ہیں۔

۳-معاشی لحاظ سے بھی والدین کی دو حالتیں ہیں: ایک خودکفیل ہونے کی حالت ہے، دوسری محتاجگی کی حالت، یعنی کبھی والدین کے پاس گذارہ کے لئے اندوختہ ہوتا ہے یا وہ کما سکتے ہیں اور کبھی تہی دست ہوتے ہیں اور کمانے کی قابلیت نہیں رکھتے، پس دونوں حالتوں کے احکام جدا جدا ہیں۔

۴-سفر کی اجازت نہ دینا بھی مختلف وجوہ سے ہوتا ہے ایک محبت کی وجہ سے والدین نہیں چاہتے کہ اولاد ان کی نظروں سے دور ہو، دوسرے اولاد کی دینی مصلحت کی وجہ سے مثلاً لڑکا امرد خوبصورت ہو تو اس کو دوسری جگہ بھیجنا مناسب نہیں، یا وہ لڑکی ہو جس کا تحصیل علم کے لئے سفر کرنا مصلحت نہیں، تیسرے دنیا طلبی کی وجہ سے: ماں باپ چاہتے ہیں کہ لڑکا گھر پر رہے اور کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹائے، یا کاروبار سنبھالے، چوتھے بے دینی کی وجہ سے، پانچویں علم دین کی قدر نہ جاننے کی وجہ سے، غرض سفر سے روکنے کی بھی مختلف وجوہ ہیں اس لئے ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔

احکام:

۱-والدین غریب اور خدمت کے محتاج ہوں اور کوئی دوسرا خدمت گار نہ ہو، یا وہ اولاد کی دینی مصلحت کی وجہ سے سفر کرنے سے منع کریں تو ان کی اطاعت واجب ہے، ان کی اجازت کے بغیر نہ فرضِ عین علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا جائز ہے نہ فرضِ کفایہ، اولاد کو چاہئے کہ علم دین کا جو درجہ فرضِ عین ہے وہ مقامی لوگوں سے حاصل کرے، اور تبلیغ کے لئے نکلنا بھی فرضِ کفایہ ہے فرضِ عین نہیں، البتہ جہاد کے لئے جبکہ وہ فرضِ عین ہو جائے یعنی نفیر عام کی صورت میں والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں (تفصیل ابواب الجہاد باب ۲ میں پڑھیں)

۲-اگر والدین خدمت کے محتاج ہیں مگر خودکفیل ہیں یعنی ان کے پاس گذارہ کا سامان ہے تو فرضِ عین علم دین حاصل کرنے کے لئے —— اگر وہ مقامی طور پر حاصل نہ ہو سکتا ہو —— بلا اجازت سفر کرنا جائز ہے اور والدین کو چاہئے کہ وہ کسی کو اجرت پر رکھ کر خدمت لیں، البتہ فرضِ کفایہ علم دین حاصل کرنے کے لئے اور تبلیغ کے لئے بغیر اجازت سفر کرنا جائز نہیں۔

۳-اور اگر والدین طاقت وقوت رکھتے ہوں، خدمت کے محتاج نہ ہوں تو خواہ وہ خودکفیل ہوں یا غریب، فرضِ

عین اور فرضِ کفایہ دونوں درجوں کا علم دین حاصل کرنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں، بلا اجازت سفر کرنا اور علم دین حاصل کرنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں والدین کا نفقہ (خرچ) اولاد کے ذمہ واجب نہیں، والدین کا نفقہ حیثیت رکھنے والی اولاد پر اس وقت واجب ہوتا ہے جب والدین غریب ہوں اور بڑھاپے کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے کمانے کے قابل نہ ہوں، نیز باپ اگر مالدار ہے یا کما سکتا ہے تو ماں کا خرچ اولاد پر واجب نہیں، باپ پر واجب ہے کیونکہ بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے۔

۴- اور اگر والدین علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنے سے یا تبلیغ کے لئے نکلنے سے، یا جہاد کے لئے نکلنے سے بر بنائے محبت منع کریں یا دنیا طلبی کی وجہ سے یا بے دینی کی وجہ سے یا اعمالِ دینیہ کی قدر نہ جاننے کی وجہ سے تو ان صورتوں میں ان کی اجازت ضروری نہیں، دونوں درجوں کا علم دین حاصل کرنے کے لئے اور دوسرے اعمالِ دینیہ کے لئے بلا اجازت سفر کرنا جائز ہے۔

نوٹ: یہ تو مسائل واحکام ہیں مگر سب صورتوں میں افضل یہ ہے کہ والدین کو کسی بھی طرح راضی کر کے ان کی اجازت لے کر علم دین حاصل کرنے کے لئے یا تبلیغ کے لئے نکلے، ان کی دعائیں شامل حال ہونگی تو علم میں اور کام میں برکت ہوگی۔

روح المعانی میں علامہ عمر بن رَسلان بلقینی مصری شافعی رحمہ اللہ کے فتاوی سے نقل کیا ہے کہ: ''فرضِ عین علم دین حاصل کرنے کے لئے یا فرضِ کفایہ کے لئے سفر کرنا ممنوع نہیں، اگرچہ مقامی طور پر اس کی تحصیل ممکن ہو —— کچھ لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں ان کے نزدیک اجازت ضروری ہے —— کیونکہ باہر نکل کر علم حاصل کرنے میں فراغ بالی ہوتی ہے اور استاذ کے نصائح سے بھی متمتع ہوتا ہے، اور اس قسم کے دیگر فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اگر اس قسم کے فوائد کی امید نہ ہو تو پھر اجازت کی ضرورت ہوگی۔

اور جن صورتوں میں باپ کا خرچ اولاد پر واجب ہے اور علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنے میں یہ واجب فوت ہوتا ہو یعنی والدین کا خرچ نہ دے سکتا ہو تو باپ کو منع کرنے کا حق ہے اور اگر سفر کرنے میں بچہ کی آبرو پر حرف آسکتا ہو، مثلاً وہ امرد ہے اور باہر جانے میں تہمت کا اندیشہ ہے تو باپ سفر کرنے سے منع کر سکتا ہے، اور لڑکی کو بدرجۂ اولی روک سکتا ہے۔

اور ایسی صورت میں باپ کے امر ونہی کی مخالفت کرنا جبکہ سفر میں بچہ کا قطعاً کچھ ضرر نہ ہو، باپ محض ارشاد وراہنمائی کرتا ہو تو یہ سفر باپ کی نافرمانی نہیں، اور باپ کے حکم کی مخالفت نہ کرنا بہرحال بہتر ہے (روح المعانی ۱۵:۶۰، ہدایت القرآن پارہ ۱۵)

سند کی بحث: یہ حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟

اس میں اختلاف ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلے شعبہ رحمہ اللہ کے شاگرد خالد بن الحارث کی سند لکھی ہے، انھوں نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے، پھر محمد بن جعفر کی سند لکھی ہے انھوں نے اس حدیث کو موقوف بیان کیا ہے، یعنی یہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا قول ہے، پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی کو اصح کہا ہے، کیونکہ شعبہ رحمہ اللہ کے دوسرے تلامذہ بھی موقوف روایت کرتے ہیں، صرف خالد مرفوع کرتے ہیں، پھر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ خالد ثقہ مامون یعنی قابل اعتماد ہیں، محمد بن المثنی کہتے ہیں: بصرہ میں میں نے خالد جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا، اور کوفہ میں عبداللہ بن ادریس جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا پس جب خالد نہایت ثقہ ہیں تو اصول کے مطابق ان کی زیادتی معتبر ہونی چاہئے اور موقوف کو مرفوع کرنا زیادتی ہے پس چاہئے تھا کہ امام ترمذیؒ اس زیادتی کو معتبر قرار دیتے، مگر حضرت کا مزاج یہ ہے کہ جدھر نشیب ہوتا ہے ادھر پانی بہا دیتے ہیں یعنی جس سند میں کمزوری ہوتی ہے اسی کو ترجیح دیدیتے ہیں۔

[۳-] بابُ الفَضْلِ فِيْ رِضَا الْوَالِدَيْنِ

[۱۸۹۵-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ أَبِيْ الدَّرْدَاءِ، قَالَ: إِنَّ رَجُلًا أَتَاهُ ، فَقَالَ: إِنَّ لِيْ امْرَأَةً، وَإِنَّ أُمِّيْ تَأْمُرُنِيْ بِطَلَاقِهَا، فَقَالَ أَبُوْ الدَّرْدَاءِ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ، أَوِ احْفَظْهُ" وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: إِنَّ أُمِّيْ، وَرُبَمَا قَالَ: أَبِيْ.

هٰذَا حديثٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ عَبْدِ الرحمنِ السُّلَمِيُّ: اسْمُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَبِيْبٍ.

[۱۸۹۶-] حدثنا أَبُوْ حَفْصٍ عَمْرُو بنُ عَلِيٍّ، ثَنَا خَالِدُ بنُ الْحَارِثِ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَعْلَى بنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " رِضَا الرَّبِّ فِيْ رِضَا الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ"

حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ يَعْلَى بنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو نَحْوَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

وَهٰذَا أَصَحُّ، وَهٰكَذَا رَوَى أَصْحَابُ شُعْبَةَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَعْلَى بنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو مَوْقُوْفًا، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَفَعَهُ غَيْرَ خَالِدِ بنِ الْحَارِثِ، عَنْ شُعْبَةَ، وَخَالِدُ بنُ الْحَارِثِ ثِقَةٌ مَأْمُوْنٌ، سَمِعْتُ مُحمدَ بنَ الْمُثَنَّى يَقُوْلُ: مَا رَأَيْتُ بِالْبَصْرَةِ مِثْلَ خَالِدِ بنِ الْحَارِثِ، وَلَا بِالْكُوْفَةِ مِثْلَ عبدِ اللّٰهِ بنِ إِدْرِيْسَ، وفي الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ.

بابُ ماجاء في عُقُوقِ الْوَالِدَيْنِ

والدین کے ساتھ بدسلوکی کا بیان

عُقوق (بضم العین) مصدر ہے، عَقَّ أَبَاه: نافرمانی کرنا، بدسلوکی کرنا، واجب خدمت انجام نہ دینا، والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے بھی بڑا گناہ ہے۔

حدیث (۱): حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم سے بہت بڑے کبیرہ گناہ بیان نہ کروں؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! یعنی ضرور بیان فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنا، حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اور آپؐ سیدھے بیٹھ گئے، پہلے آپؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور فرمایا: جھوٹی گواہی، یا فرمایا: جھوٹی بات (راوی کو شک ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے (دل میں) کہا: کاش آپؐ خاموش ہوجائیں!

تشریح: پہلے آپؐ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر آپؐ سیدھے بیٹھ گئے اور یہ ارشاد فرمایا: یہ بات کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تھا جس طرح بات کو بار بار دوہرانا تاکید اور اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تھا، کیونکہ لوگ پہلے دو گناہوں کو تو گناہ سمجھتے ہیں اور صحابہ تو اس سے بالکلیہ پاک تھے، مگر جھوٹی گواہی دینے کو اور جھوٹ بولنے کو لوگ معمولی بات سمجھتے ہیں، اس لئے معاملہ کی سنگینی ظاہر کرنے کے لئے آپؐ نے سیدھے بیٹھ کر یہ بات فرمائی اور بار بار فرمائی۔

جھوٹی گواہی اور جھوٹی بات میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے اول خاص ہے اور دوم عام کیونکہ جھوٹی بات کوئی بھی ہوسکتی ہے اور دونوں ہی کبیرہ گناہ ہیں، اور صحابہ کا تمنا کرنا کہ کاش آپؐ خاموش ہوجائیں: اس وجہ سے تھا کہ جب مجلس میں کوئی بڑا آدمی کسی بات پر نکیر کرتا ہے تو حاضرین خود کو اس کا مخاطب سمجھتے ہیں اور ڈانٹ ایک حد تک برداشت ہوتی ہے پھر بھاری معلوم ہونے لگتی ہے۔ طلبہ کے ساتھ معاملات میں مجھے اس کا خوب تجربہ ہے، میں بھی طالب علم رہا ہوں، اگر استاذ کسی بات پر ڈانٹتا ہے اور بار بار کہتا ہے تو طلبہ کو وہ ڈانٹ بھاری معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ یہ تمنا کرنے لگتے ہیں کہ کاش اب حضرت بس کریں۔

دوسری وجہ شارحین کرام نے یہ لکھی ہے کہ یہ تمنا انتہائی عشق و محبت کی وجہ سے تھی، صحابہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپؐ بار بار سمجھانے کی زحمت اٹھائیں، وہ بات سمجھ گئے تھے اس لئے انھوں نے خاموش ہونے کی تمنا کی۔

والدین کے ساتھ بدسلوکی کی سزا دنیا ہی میں ملتی ہے:

حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں، مگر والدین کے ساتھ بدسلوکی مستثنیٰ ہے، اس گناہ کی سزا مرنے سے پہلے دنیا ہی میں دی جاتی

ہے'' (مشکوۃ حدیث ۴۹۴۵)

پس اگر کوئی شخص زندگی میں والدین کے ساتھ بدسلوکی کرتا رہا ہو تو اب اس کا کفارہ یہ ہے کہ والدین کے لئے دعائیں کرے، ایصالِ ثواب کرے، ان کی قبروں پر جائے، اور ان کے لئے استغفار کرے، حدیث شریف میں ہے: جس شخص کے ماں باپ کا: دونوں کا یا ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے اور وہ زندگی میں ان کے ساتھ بدسلوکی کرتا رہا ہو مگر وفات کے بعد برابر ان کے لئے دعائیں کرتا ہے اور استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حسن سلوک کرنے والا قرار دے دیتے ہیں (مشکوۃ حدیث ۴۹۴۲) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کو والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر جائے تو اس کی بخشش کردی جاتی ہے، اور وہ حسنِ سلوک کرنے والا قرار دیا جاتا ہے (روح المعانی ۱۵:۵۸)

عجیب بات: والدین کے ساتھ زندگی بھر حسنِ سلوک کرنے والا ان کے مرنے کے بعد بدسلوکی کرنے والا قرار دیا جاتا ہے، اور زندگی بھر بدسلوکی کرنے والا ان کے مرنے کے بعد حسنِ سلوک کرنے والا بن جاتا ہے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جس شخص نے زندگی میں والدین کے ساتھ بدسلوکی کی ہو پھر وفات کے بعد ان کا قرضہ ادا کرے ان کے لئے استغفار کرے، اور ان کو گالیاں نہ دلوائے تو وہ حسنِ سلوک کرنے والا قرار دیا جاتا ہے، اور جو زندگی میں تو حسنِ سلوک کرتا رہا ہو مگر ان کی وفات کے بعد ان کا قرض ادا نہ کرے، نہ ان کے لئے استغفار کرے اور دوسروں سے ان کو گالیاں دلوائے تو وہ بدسلوکی کرنے والا لکھ دیا جاتا ہے (روح المعانی ۱۵:۵۸) اس میں خوش خبری ہے بدسلوکی کرنے والوں کے لئے اور ڈرنے کا مقام ہے حسنِ سلوک کرنے والوں کے لئے (ہدایت القرآن ۵:۵۹)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے یہ بات ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! ایک شخص دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے پس دوسرا اس کے باپ کو گالی دیتا ہے، اور دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے پس وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے (اس طرح آدمی سبب بن جاتا ہے اور اپنے والدین کو گالیاں دلواتا ہے پس یہ بھی خود اس کا اپنے والدین کو گالیاں دینا ہے)

تشریح: صحابہ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا اس زمانہ میں اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی اپنے ماں باپ کو گالیاں دے، اس لئے صحابہ نے حیرت سے سوال کیا، مگر آئندہ زمانہ میں یہ واقعہ بننے والا تھا اور معلوم نہیں کیسے کیسے فواحش وجود میں آنے والے تھے، اس کا صحابہ کو ادراک نہیں تھا، اس لئے آپؐ نے جواب کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کسی کام کا سبب بننا بھی اس کام کو کرنے کی طرح ہے، پس جو شخص دوسرے کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے پھر وہ جواباً اس کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے تو وہ تسبّب کی وجہ سے گویا خود اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے۔

غرض یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا ابواب الجنائز میں آپؐ کا یہ ارشاد گذرا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کرتا

ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتے ہیں، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے ملنا تو موت کے بعد ہوگا اور موت ہر شخص کو ناپسند ہے، پس جواب میں نبی ﷺ نے ایک خاص حالت کا ذکر کیا جس سے بات خوب واضح ہوگئی (تفصیل تحفۃ الالمعی ۳: ۴۷۸ کتاب الجنائز باب ۶۷ میں ہے)

اسی طرح یہاں بھی یہ بات صحابہ کے لئے ناقابل فہم تھی کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالیاں دے یا مارے پیٹے، مگر آئندہ یہ بات واقعہ بننے والی تھی مگر ابھی اس کا فہم وادراک مشکل تھا، اس لئے آپ نے ایک ایسی حالت ذکر کی جس سے بات واضح ہوگئی اور وہ حالت سبب بن کر ماں باپ کو گالیاں دلوانا ہے اور اس کا تحقق اس زمانہ میں بھی تھا اس لئے بات صحابہ کی سمجھ میں آگئی، ورنہ آپ کی مراد حقیقۃً گالیاں دینا تھا جس کو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اولاد نہ صرف والدین کو گالیاں دیتی ہے، بلکہ مارتی پیٹتی ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کی اس سے حفاظت فرمائیں (آمین)

[٤-] باب ماجاء فی عُقُوْقِ الْوَالِدَيْنِ

[١٨٩٧-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، ثَنَا بِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ، ثَنَا الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ أَبِیْ بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟" قَالُوْا: بَلٰى، يَارسولَ اللّٰهِ! قَالَ: "الإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ" قَالَ: وَجَلَسَ، وَكَانَ مُتَّكِئًا، قَالَ: "وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ، أَوْ: قَوْلُ الزُّوْرِ" فَمَا زَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُهَا حَتّٰى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ!

وفی الباب: عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وأَبُوْ بَكْرَةَ: اسْمُهُ نُفَيْعٌ.

[١٨٩٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ، عَنْ ابنِ الْهَادِ، عَنْ سَعْدِ بنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ حُمَيْدِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ يَشْتِمَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ" قَالُوْا: يَارسولَ اللّٰهِ! وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: "نَعَمْ، يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَشْتِمُ أُمَّهُ فَيَشْتِمُ أُمَّهُ" هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی إِكْرَامِ صَدِيْقِ الْوَالِدِ

باپ کے دوست کا اکرام باپ کے ساتھ حسن سلوک ہے

ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے دوستوں اور متعلقین کے ساتھ حسنِ سلوک بھی والدین کے ساتھ حسن

سلوک ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ: أَنْ يَصِلَ الرجلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ: سب سے بہترین حسن سلوک یہ ہے کہ آدمی باپ کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مکہ تشریف لے جارہے تھے، راستہ میں ایک آدمی ملا، ابن عمرؓ نے اس کو سلام کیا اور اس کو اپنے ساتھ گدھے پر بٹھالیا، اور اپنے سر سے پگڑی اتار کر اس کو عنایت فرمائی، ان کے شاگرد ابن دینار نے عرض کیا کہ یہ لوگ تو دیہاتی ہیں، کوئی معمولی چیز دی جائے تو بھی خوش ہوجاتے ہیں، یعنی آپؓ نے اتنا اکرام کیوں کیا؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: اس کا باپ میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا اور میں نے آنحضور ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے کہ: ''اولاد کا سب سے بڑا احسن سلوک باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک ہے'' (رواہ مسلم، روح المعانی ۱۵: ۵۸)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو بردہؓ ایک بار مدینہ منورہ آئے، حضرت ابن عمرؓ ان سے ملنے گئے، دورانِ ملاقات پوچھا کہ جانتے ہو: میں آپ سے ملنے کیوں آیا ہوں؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں! ابن عمرؓ نے فرمایا: میں نے آنحضور ﷺ سے سنا ہے کہ: ''جو شخص مرنے کے بعد اپنے والد کے ساتھ صلہ رحمی کرنا چاہے اس کو چاہئے کہ وہ والد کے دوستوں سے صلہ رحمی کرے'' اور میرے ابا اور آپ کے ابا کے درمیان محبت اور بھائی چارہ تھا اسی لئے میں اس تعلق کی وجہ سے آپ سے ملنے آیا ہوں (روح المعانی ۱۵: ۵۹ بحوالہ ہدایت القرآن ۵: ۵۸)

[۵-] بابٌ فی إِكْرَامِ صَدِيْقِ الْوَالِدِ

[۱۸۹۹-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا حَيْوَةُ بنُ شُرَيْحٍ، ثَنَا الْوَلِيْدُ بنُ أَبِي الْوَلِيْدِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ"

وفي الباب: عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ، هٰذَا حديثٌ إِسْنَادُهُ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنِ ابنِ عُمَرَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ.

وضاحت: أَبَرَّ: اسم تفضیل ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہے۔ أَبَرُّ البِرِّ: أی أَفْضَلُ البِرِّ: بہترین حسن سلوک...... أَهْلَ وُدِّ أبيه میں ڈبل اضافت ہے، اپنے باپ کی محبت والے یعنی اس کے دوست ...... وُدّ (مصدر، واو پر تینوں حرکتیں) بمعنی محبت، تعلق، دوستی۔

بابُ ماجاء في بِرِّ الْخَالَةِ

خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا بیان

حدیث: جب نبی ﷺ عمرۂ قضا سے فارغ ہوکر مکہ سے لوٹے تو سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی چچا! چچا! کہتی ہوئی آپ کے پیچھے چلی (آپؐ اور حضرت حمزہ رضاعی بھائی بھی تھے) آپؐ نے تو اسے نہیں دیکھا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اپنی چچازاد بہن کو لے لو (حضرت حمزہؓ حضور اقدس ﷺ کے چچا تھے، پس حضرت فاطمہ کے بھی چچا ہوئے) چنانچہ حضرت فاطمہؓ نے اس کو لے لیا، پھر اس کی کفالت اور تربیت میں حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم میں جھگڑا ہوا، حضرت علیؓ نے کہا: میں نے اس کو لیا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ اور حضرت جعفرؓ کی دلیل یہ تھی کہ یہ میرے بھی چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ اور حضرت زیدؓ کہتے تھے: یہ میرے اسلامی بھائی کی بیٹی ہے، اس نزاع میں نبی ﷺ نے خالہ کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا: **الخالةُ بمنزلةِ الأُمِّ**: خالہ ماں سی ہے یعنی ماں جیسی ہے، اور حضرت علیؓ سے فرمایا: **أَنتَ مِنِّيْ وَأَنَا منك**: تو من شدی ومن تو شدم! اور حضرت جعفرؓ سے فرمایا: آپ کی شکل وشباہت اور اخلاق میرے جیسے ہیں، اور حضرت زیدؓ سے فرمایا: آپ ہمارے اسلامی بھائی اور مولیٰ ہیں، یہ فیصلہ سن کر حضرت جعفرؓ ایک ٹانگ پر رسول اللہ ﷺ کے گرد کودنے اور اچھلنے لگے، آپؐ نے پوچھا: جعفر یہ کیا ہے؟ حضرت جعفرؓ نے عرض کیا: جب نجاشی رحمہ اللہ کسی کو مسرور کرتے تو وہ اس کے گرد اس طرح رقص کرتا تھا (یہ روایت مختصراً بخاری میں ہے حدیث ۲۶۹۹)

تشریح: جب خالہ ماں سی ہے تو ماں کی طرح اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہئے، نیز دو مسئلوں میں خالہ ماں کے قائم مقام ہے: ایک باب حضانت میں، بچہ کی تربیت کا پہلا حق ماں کا ہے، پھر نانی کا، پھر دادی کا، پھر بہن کا، پھر خالہ کا، پھر پھوپھی کا۔ اسی طرح احناف کے نزدیک ذوی الارحام بھی وارث ہوتے ہیں پس خالہ بھی اپنے درجہ میں وارث ہوگی۔

حدیث (۲): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ سے بہت بڑا گناہ ہوگیا ہے، کیا میرے لئے کوئی توبہ ہے؟ آپؐ نے پوچھا: کیا تیری ماں زندہ ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپؐ نے پوچھا: کیا تیری خالہ زندہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں، آپؐ نے فرمایا: پس آپ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں۔

تشریح: اس بندے سے کیا گناہ ہوا تھا؟ اس کا تذکرہ کسی روایت میں نہیں آیا، پس قیاس آرائی سے کیا فائدہ!

جو بھی گناہ ہوا تھا نیکی سے وہ مٹ گیا، ارشادِ پاک ہے: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، نبی ﷺ نے اس کو حسن سلوک کی تلقین کی، ماں کے ساتھ حسن سلوک کا درجہ تو بڑھا ہوا تھا مگر وہ حیات نہیں تھی اس لئے خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا امر فرمایا، کیونکہ وہ بھی ماں سی ہے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا گویا ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔

فائدہ: اگر کوئی بڑا گناہ ہو جائے تو توبہ ضروری ہے لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی نیکی کا کام بھی کیا جائے تو گناہ دل سے بھی نکل جاتا ہے ورنہ دل میں کسک باقی رہتی ہے، جیسے کسی نے حالت حیض میں بیوی سے صحبت کر لی تو اس گناہ سے توبہ ضروری ہے کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے لیکن توبہ کے بعد بھی مؤمن بندے کے دل میں بے چینی رہتی ہے کہ مجھ سے یہ گناہ ہو گیا! لیکن اگر وہ توبہ کے ساتھ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ بھی کر دے تو گناہ کا بوجھ دل سے ہٹ جائے گا، یہ تجربہ کی بات ہے، گناہ گار اس پر عمل کر کے دیکھے، وہ صحابی جو خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تھے، انھوں نے توبہ کر لی تھی، ان کا یہ جملہ کہ مجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے یہی ندامت توبہ ہے مگر ابھی ان کے دل پر بوجھ تھا، اس لئے انھوں نے پوچھا: فهل لي من توبةٍ؟ چنانچہ آپؐ نے ان کو ایک بڑا نیکی کا کام بتلایا جس پر عمل پیرا ہونے سے ان کے دل کا یہ بوجھ ہٹ جائے گا، اسی طرح گناہ گار کو توبہ کے ساتھ کوئی خاص نیک کام بھی کرنا چاہئے تا کہ دل صاف ہو جائے۔

[٦-] بابٌ في بِرِّ الْخَالَةِ

[١٩٠٠-] حدثنا سُفْيَانُ بنُ وَكِيْعٍ، ثَنَا أَبِيْ، عَنْ إِسْرَائِيْلَ، ح: وَثَنَا مُحَمَّدُ بنُ أَحْمَدَ، وَهُوَ ابنُ مَدُّوْيَه، ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ مُوْسَى، عَنْ إِسْرَائِيْلَ ـ وَاللَّفْظُ لِحَدِيْثِ عُبَيْدِ اللّٰهِ ـ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ بنِ عَازِبٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ"

وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ، هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

[١٩٠١-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ مُحمدِ بنِ سُوْقَةَ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بنِ حَفْصٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى النبيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنِّيْ أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيْمًا! فَهَلْ لِيْ مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ: "هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟" قَالَ: لَا، قَالَ: "هَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ؟" قَالَ نَعَمْ، قَالَ: "فَبَرَّهَا"

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ.

حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مُحمدِ بنِ سُوْقَةَ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بنِ حَفْصٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ مُعَاوِيَةَ، وأَبُوْ بَكْرِ بنُ حَفْصٍ: هُوَ ابنُ عُمَرَ بنِ سَعْدِ بنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ.

وضاحت: پہلی حدیث میں جو لمبا مضمون ہے وہ میں نے بیان کر دیا ہے...... اور پہلی حدیث کے الفاظ اسرائیل کے شاگرد عبید اللہ کے ہیں، وکیع کے نہیں ہیں...... اور دوسری حدیث کو ابو معاویہ متصل کرتے ہیں یعنی آخر میں ابن عمرؓ کا تذکرہ کرتے ہیں اور ابن عیینہ مرسل کرتے ہیں، امام ترمذیؒ نے اپنے مزاج کے مطابق مرسل روایت کو اصح کہا ہے۔

بابُ ماجاء فی دُعَاءِ الْوَالِدَیْنِ

والدین کی دعا کا بیان

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: تین دعائیں قبول کی ہوئی ہیں، ان میں کوئی شک نہیں: مظلوم کی (بد) دعا، مسافر کی دعا اور باپ کی اولاد کے لئے بددعا (اور یہی حکم ماں کی بددعا کا ہے)

تشریح: ان تین شخصوں کی دعائیں اس لئے مقبول ہیں کہ یہ لوگ شکستہ خاطر ہوتے ہیں، مظلوم کا پریشان ہونا تو ظاہر ہے، وہ ظالم کے حق میں جو بددعا کرتا ہے وہ دل کی تھاہ سے نکلتی ہے، اس لئے وہ قبول کر لی جاتی ہے، اسی طرح جو غریب الوطن ہے اور اہل وعیال سے دور ہے اس کا دل بھی شکستہ ہوتا ہے، اس کی امیدوں کا مرجع صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے اس لئے اس کی دعا بھی قبول کر لی جاتی ہے، اور والدین اولاد کے لئے بددعا کر ہی نہیں سکتے مگر یہ کہ ان کو اولاد کی طرف سے ناقابل برداشت تکلیف پہنچے اس لئے ان کی بددعا بھی قبول کر لی جاتی ہے۔

پس دعوة المظلوم سے بددعا مراد ہے اور اس کا قرینہ عقلی یہ ہے کہ مظلوم ظالم کے لئے دعا کر ہی نہیں سکتا، اور مسافر کی دعا عام ہے، اور والدین کی نیک دعا بھی اولاد کے حق میں قبول کی جاتی ہے کیونکہ وہ بھی اخلاص سے ہوتی ہے مگر بددعا بالیقین قبول کر لی جاتی ہے۔

پس اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کو خوش رکھے تاکہ ان کی نیک دعائیں حاصل ہوں، ان کو پریشان نہ کرے ورنہ ان کے دل سے جو آہ نکلے گی وہ فلک چیر کر بارگاہِ خداوندی میں پہنچے گی۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے والدین کو اولاد کے حق میں بددعا کرنے سے منع فرمایا، اور یہ فرمایا کہ اگر قبولیت کی گھڑی ہوئی تو بددعا قبول ہو جائے گی، پھر پچھتانا پڑے گا، لہٰذا والدین کو بددعا کرنے میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے، ان کے منہ سے کبھی اولاد کے حق میں بددعا نہیں نکلنی چاہئے ورنہ اولاد کا نقصان اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑے گا۔

[۷-] باب ماجاء فی دُعَاءِ الْوَالِدَیْنِ

[۱۹۰۲-] حدثنا عَلِیُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا إِسْمَاعِیْلُ بنُ إِبْرَاهِیْمَ، عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتَوَائِیِّ، عَنْ یَحْیَی بنِ أَبِیْ کَثِیْرٍ، عَنْ أَبِیْ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِیْ هریرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "ثَلَاثُ

دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ، لَاشَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ"
وَقَدْ رَوَى الْحَجَّاجُ الصَّوَّافُ هٰذَا الحديثَ عَنْ يَحْيَى بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ نَحْوَ حَدِيْثِ هِشَامٍ، وَأَبُوْ جَعْفَرٍ الَّذِيْ رَوَى عَنْ أَبِيْ هريرةَ: يُقَالُ لَهُ: أَبُوْ جَعْفَرٍ الْمُؤَذِّنُ، وَلَا نَعْرِفُ اسْمَهُ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ يَحْيَى بنُ أَبِيْ كَثِيْرٍ غَيْرَ حَدِيْثٍ.

وضاحت: اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوجعفر روایت کرتے ہیں، اس راوی کا لقب المؤذّن ہے اس کا نام معلوم نہیں، یہ انصاری مدنی ہیں اور مقبول ہیں اور یحیٰ بن ابی کثیر نے ان سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔

بابُ ماجاء فی حَقِّ الْوَالِدَيْنِ

والدین کے حق کا بیان

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَايَجْزِیْ وَلَدٌ وَالِداً إلَّا أن يَجِدَهُ مملوكاً، فَيَشْتَرِيَهُ، فَيُعْتِقَهُ: کوئی اولاد کسی باپ کو بدلہ نہیں دے سکتی، مگر یہ کہ وہ اس کو غلام پائے، پس وہ اس کو خریدے، پس وہ اس کو آزاد کرے۔

تشریح: ماں باپ اولاد کے وجود ظاہری کا سبب ہیں پس اگر ماں یا باپ یا دونوں غلام ہوں اور اولاد آزاد ہو اور وہ اپنے ماں باپ کو خریدے تو وہ خریدتے ہی آزاد ہو جائیں گے، پس گویا اولاد ہی نے ان کو آزاد کیا، اولاد کا یہ احسان تو والدین کے احسان کا بدلہ بن سکتا ہے کیونکہ والدین کو آزاد ہونے سے شرفِ حریت حاصل ہوگا، اور وہ غلاموں کے زمرہ سے نکل کر آزادوں کی صف میں آجائیں گے پس گویا ان کو نئی زندگی اور نیا وجود مل گیا، اس کے علاوہ ماں باپ کے حق کی ادائیگی کی اور کوئی صورت نہیں۔

اور جاننا چاہئے کہ اس طرح بھی ماں باپ کے صرف ایک احسان کا بدلہ چکایا جا سکتا ہے اور ماں باپ نے اولاد کی تربیت میں جو پاپڑ بیلے ہیں اس کی مکافات کسی طرح نہیں ہوسکتی، اس کا بس ایک ہی راستہ ہے کہ زندگی بھر ماں باپ کی خدمت کرتا رہے اور فرمانبردار رہے اور موت کے بعد ان کے لئے دعا مغفرت کرے تو ان کے احسانات کی کچھ مکافات ہوسکتی ہے۔

[٨-] باب ماجاء فی حَقِّ الْوَالِدَيْنِ

[١٩٠٣-] حدثنا أَحمدُ بنُ مُحمدِ بنِ مُوْسَى، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ سُهَيْلِ بنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَا يَجْزِیْ وَلَدٌ وَالِدًا إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ

مَمْلُوكًا، فَيَشْتَرِيَهُ، فَيُعْتِقَهُ"
هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ سُهَيْلِ بنِ أَبِي صَالِحٍ، وَقَدْ رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سُهَيْلٍ هٰذَا الحديثَ.

بابُ ماجاء في قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ

خاندان کے ساتھ بدسلوکی کا بیان

حدیث: حضرت ابوالرداد لیثی (قریشی) رضی اللہ عنہ بیمار پڑے، ان کی بیمار پرسی کے لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری (قریشی) رضی اللہ عنہ تشریف لائے (حضرت عبدالرحمٰنؓ مالدار صحابی تھے اور بڑے دل والے تھے، انھوں نے حضرت ابوالردادؓ کی کوئی مالی خدمت کی) پس ابوالرداد نے کہا: خَيْرُهُمْ وَأَوْصَلُهُمْ — مَاعَلِمْتُ — أَبُوْ محمدٍ: یعنی خاندان میں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے — میرے علم میں — ابو محمد یعنی حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ ہیں (یہ حضرت ابوالردادؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے مالی تعاون کا شکریہ ادا کیا اور ان کے منہ پر ان کی تعریف کی) پس حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے: آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: أنا اللّٰهُ، وأَنَا الرحمنُ، خَلَقْتُ الرَّحِمَ، وَشَقَقْتُ لها مِنِ اسْمِي، فَمَنْ وَصَلَهَا وصَلْتُه ومَن قَطَعَها بَتَتُّهُ: میں اللہ ہوں اور میں رحمٰن (نہایت مہربان) ہوں رحم (ناتہ رشتہ) کو میں نے پیدا کیا ہے، اور میں نے ناتے کو اپنے نام میں سے پھاڑ کر نام دیا ہے یعنی الرحمن اور الرحِمْ میں اشتقاق اکبر ہے پس الرحمٰن کا اثر الرحِم کو بھی پہنچے گا، پس جو شخص ناتے کو جوڑے گا میں اس کو اپنے ساتھ جوڑوں گا، اور جو ناتے کو کاٹے گا میں اس کو اپنے سے کاٹوں گا۔

تشریح: قطع رحمی کا بہت بڑا وبال ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قطع رحمی کرنے والے کو اپنے سے کاٹ دیں گے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے کاٹ پھینکا اس کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ کہاں ہوسکتا ہے؟ پس لوگوں کو قطع رحمی سے بہت ڈرنا چاہئے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اگر کوئی شخص احسان کرے تو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، حدیث میں ہے کہ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکریہ ادا نہیں کرتا، اور شکریہ ادا کرنے کے لئے جَزَاكَ الله خيراً بہترین جملہ ہے، حدیث میں اس کو انتہائی درجہ کا بدلہ کہا گیا ہے۔ اور احسان کرنے والے کی اور طرح بھی تعریف کی جاسکتی ہے اور تعریف احسان کرنے والے کے منہ پر بھی کی جاسکتی ہے، لیکن اس میں مبالغہ نہیں چاہئے، حضرت ابوالرداد لیثیؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی تعریف کی ہے کہ خاندانِ قریش میں سب سے بہتر شخص اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے حضرت عبدالرحمٰن ہیں مگر ساتھ ہی یہ بات بھی بڑھائی ہے کہ یہ بات میں اپنے علم کی حد تک کہہ رہا

ہوں، ممکن ہے کوئی اوران سے بھی آگے ہو۔

اوراس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی حسن سلوک کرنے والے کی تعریف اس کے منہ پر کرے تو اس کو چاہئے کہ بات پھیردے، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حدیثِ قدسی سنا کر بات پھیر دی ہے کہ یہ تو میرا فریضہ تھا میں نے بامید ثواب یہ کام کیا ہے، اس لئے میں قابل تعریف نہیں، میں نے جو کچھ کیا ہے اس حدیث قدسی میں جو فضیلت آئی ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے کیا ہے، پس میرا کیا احسان! اورمیری تعریف کی کیا حاجت!

فائدہ: اشتقاق کی تین قسمیں ہیں: صغیر، کبیر اور اکبر، اگر دوکلموں کے حروف اوران کی ترتیب ایک ہوتو ان میں اشتقاق صغیر ہوتا ہے جیسے: ضَرَبَ اور ضَرْب میں اور نَصَرَ اور نَصْر میں، اوراگر دوکلموں کے حروف تو ایک ہوں مگر ترتیب مختلف ہوتو ان میں اشتقاق کبیر ہوتا ہے، جیسے: جَبَذَ اور جَذَبَ میں، دونوں کے معنی ہیں: کھینچنا، اوراگر دوکلموں کے اکثر حروف متحد ہوں اور باقی حروف مخرج میں متقارب ہوں تو ان میں اشتقاق اکبر ہوتا ہے جیسے نَعَقَ (للکارنا) اور نَهَقَ (چیخنا) میں، اور الرحمن اور الرَّحِم میں راور ح میں اشتراک ہے اور ن اورم میں اختلاف ہے مگر دونوں حروف غنہ ہیں، پس مخرج میں تقارب ہے، اس لئے دونوں میں اشتقاق اکبر ہے۔

اوراشتقاق صغیر میں دونوں کلموں کے معنی ایک ہوتے ہیں اور کبیر میں معانی میں تقارب ہوتا ہے اوراکبر میں کسی درجہ میں اشتراک ہوتا ہے، اسی باہمی مناسبت کا اس حدیث میں ذکر ہے اور ایک دوسری حدیث میں اس باہمی مناسبت کو ایک دوسری طرح سمجھایا ہے، بخاری میں روایت ہے: الرَّحِمُ شَجْنَةٌ من الرحمنِ، وقال الله: مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُه، ومَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُه: الرَّحِمُ (ناتہ) اور الرحمن (مہربان ہستی) کی شاخیں یا جڑیں ایک دوسرے کے ساتھ گتھی ہوئی ہیں۔ شَجْنَةٌ (ش پر تینوں اعراب) کے معنی ہیں: دودرختوں کی جڑوں کا یا شاخوں کا آپس میں گتھا ہوا ہونا، پس حدیث کے معنی ہیں: ناتہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار میں سے ایک اثر ہے اوراس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ گہرا تعلق ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے کاٹے گا میں اسے کاٹوں گا (مشکوۃ حدیث ۴۹۲۰)

اورایک اور متفق علیہ روایت میں ہے: الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالعرشِ، تقول: مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَه الله، ومن قَطَعَنى قَطَعَهُ اللّٰهُ: ناتہ عرش کے ساتھ جڑا ہوا ہے، ناتہ کہتا ہے: جو مجھے جوڑے گا اس کو اللہ تعالیٰ جوڑیں گے، اور جو مجھے کاٹے گا اس کو اللہ تعالیٰ کاٹیں گے۔

اورایک اور متفق علیہ روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ناتے کو پیدا کیا تو وہ کھڑا ہوا اوراس نے رحمٰن کی کمر میں کولی بھرلی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ ناتے نے کہا: یہ قطع رحمی سے آپ کی پناہ چاہنے والے کی جگہ ہے یعنی جو کسی کی پناہ چاہتا ہے وہ کمر میں کولی بھرتا ہے میں نے کولی اس لئے بھری ہے کہ میں اس بات سے آپ کی پناہ

چاہتا ہوں کہ لوگ مجھ پر چھری چلائیں یعنی قطع رحمی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی ہے کہ جو تجھے کاٹے میں اس کو اپنے سے کاٹوں اور جو تجھے جوڑے میں اس کو اپنے سے جوڑوں؟ ناتے نے جواب دیا: میں اس پر راضی ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس جا یہ تیرے لئے وعدہ ہے (مشکوۃ حدیث ۴۹۱۹)

ان سب روایتوں میں مختلف انداز سے مہربان ہستی اور ناتے کے درمیان گہرا ربط وتعلق سمجھا گیا ہے، پس جو اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا طالب ہے وہ صلہ رحمی کرے اور جو اس سے لاپرواہ ہے وہ جو چاہے کرے۔

[۹-] باب ماجاء في قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ

[۱۹۰۴-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، وَسَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، قَالَ: اشْتَكَى أَبُوْ الرَّدَّادِ اللَّيْثِيُّ، فَعَادَهُ عَبْدُ الرحمنِ بنُ عَوْفٍ، فَقَالَ: خَيْرُهُمْ وَأَوْصَلُهُمْ ـ مَاعَلِمْتُ ـ أَبُوْ مُحمدٍ، فَقَالَ عَبْدُ الرحمنِ: سَمِعْتُ رَسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" قَالَ اللّٰهُ تبَارَكَ وَتعَالىٰ: أَنَا اللّٰهُ، وأَنَا الرَّحْمٰنُ، خَلَقْتُ الرَّحِمَ، وَشَقَقْتُ لَهَا مِن اسْمِيْ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعهَا بَتَتُّهُ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، وابنِ أَبِيْ أَوْفَى، وَعَامِرِ بنِ رَبِيْعَةَ، وأَبِيْ هريرةَ، وَجُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ.

حديثُ سُفْيَانَ عَنِ الزُّهْرِيِّ حديثٌ صحيحٌ، وَرَوَى مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ هٰذَا الحَدِيْثَ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ رَدَّادٍ اللَّيْثِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ عَوْفٍ، وَمَعْمَرٌ كَذَا يَقُوْلُ، قَالَ مُحمدٌ: وَحَدِيْثُ مَعْمَرٍ خَطَأٌ.

وضاحت: اس حدیث کی سند میں ہندوستانی نسخوں میں اشتکی أبو الرَّدَّادِ الليثي کے بجائے اشتکی أبو الدرداء ہے، یہ تصحیف ہے، اور بہت قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے اور شارحین نے بات بنانے کی بہت کوشش کی ہے مگر بنی نہیں، کیونکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف قریشی ہیں، دونوں میں کوئی خاندانی تعلق نہیں، پس ابوالدرداء کا خیرُهم و أوصلُهم کہنا یعنی ہمارے خاندان کے سب سے بہتر آدمی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے کہنا شارحین کی سمجھ میں نہیں آیا، اور انھوں نے طرح طرح کی تاویلیں کیں، حالانکہ یہ کاتبوں کی غلطی تھی أبو الرَّداد کا أبو الدرداء بن گیا تھا صحیح عبارت مصری نسخہ میں ہے اور تہذیب التہذیب میں بھی حافظ رحمہ اللہ نے رَدَّاد لیثی کے تذکرہ میں امام ترمذیؒ کی یہ عبارت نقل کی ہے اور مزّی نے بھی تحفۃ الاشراف (۷:۲۱۴) میں اس کی صراحت کی ہے۔

اور یہ دونوں حضرات قریشی ہیں، قریش: نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں اور بنولیث: کنانہ کا ایک بطن ہیں، وہ بنولیث

بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ ہیں، اور زُہرۃ بھی قریش کا ایک بطن ہے، پس ابو الرداد اور عبد الرحمٰن بن عوف ایک ہی خاندان کے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے والا تبار صاحبزادے حضرت ابو سلمہ جو مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں ان کا اپنے والد سے لقاء وسماع نہیں، وہ بچے تھے اور والد کا انتقال ہو گیا تھا پس سفیان بن عیینہ کی سند جو باب کے شروع میں ہے صحیح نہیں، سفیان امام زہری سے روایت کرتے ہیں، وہ ابو سلمہ سے اور ابو سلمہ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ابو الرداد لیثی بیمار پڑے، اور ان کی عیادت کے لئے حضرت عبد الرحمٰنؓ آئے یہ روایت منقطع ہے کیونکہ اس وقت ابو سلمہ بچے تھے، صحیح سند معمر کی ہے جو باب کے آخر میں ہے، وہ یہ حدیث امام زہری سے، اور وہ ابو سلمہ سے، اور وہ رداد لیثی سے اور وہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے روایت کرتے ہیں، جب حضرت عبد الرحمٰنؓ: ابو الرداد لیثی کی عیادت کے لئے گئے ہونگے اس وقت رداد وہاں موجود ہونگے، انھوں نے یہ حدیث حضرت عبد الرحمٰنؓ سے سنی، پھر ان سے ابو سلمہ روایت کرتے ہیں، پس صحیح سند یہی ہے اور معمر معمولی راوی نہیں، بہت بڑے آدمی ہیں اس لئے انھوں نے جو حدیث کو متصل کیا ہے وہ ثقہ کی زیادتی ہے اور معتبر ہے، اگرچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو معمر کی غلطی قرار دیا ہے، مگر ابو داؤد (حدیث ۱۶۹۵) میں اور مسند احمد (۱:۱۹۴) میں اور مستدرک حاکم (۴:۱۵۷) میں اسی سند سے یہ حدیث مروی ہے، پس امام بخاری کی بات صحیح نہیں نہ امام ترمذی کا فیصلہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

بابُ ماجاء فی صِلَةِ الرَّحِمِ

خاندان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا بیان

اس باب کی روایتیں گذشتہ باب میں آ گئی ہیں کیونکہ صلہ رحمی اور قطع رحمی ضدین ہیں، اس لئے حدیثوں میں دونوں کا تذکرہ ساتھ آیا ہے، البتہ اس باب میں جو حدیث ہے اس میں ایک زائد مضمون ہے کہ حسن سلوک کیا ہے؟ جاننا چاہئے کہ احسان کے بدلے میں احسان کرنا مکافات (بدلہ) ہے، حسن سلوک یہ ہے کہ بدسلوکی کرنے والے کو گلے سے لگائے، اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دے بلکہ پھول برسائے یہی صلہ رحمی ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: **لیسَ الوَاصِلُ بِالمُکافِیِ، ولکنَّ الوَاصِلَ الَّذِیْ إذا انْقَطَعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا**: بدلہ دینے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے جس کا ناتہ ٹوٹ جائے تو وہ اس کو جوڑ دے، یعنی بدسلوکی کے جواب میں سسن سلوک کرے، تعلقات توڑنے والے کو بھی حسن سلوک سے اپنے ساتھ جوڑے یہی صلہ رحمی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: **لایَدْخُلُ الجنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ**: ناتہ توڑنے والا جنت میں نہیں جائے گا یعنی

اسے دخول اوّلی نصیب نہیں ہوگا، اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا۔

[۱۰-] باب ماجاء فی صِلَةِ الرَّحِمِ

[۱۹۰۵-] حدثنا ابنُ أَبِیْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْیَانُ، ثنَا بَشِیْرٌ أَبُوْ إِسْمَاعِیْلَ، وَفِطْرُ بنُ خَلِیْفَةَ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم، قَالَ: " لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِئِ، ولٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ إِذَا انْقَطَعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا"

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وفی الباب: عَنْ سَلْمَانَ، وَعَائِشَةَ.

[۱۹۰۶-] حدثنا ابنُ أَبِیْ عُمَرَ، وَنَصْرُ بنُ عَلِیٍّ، وَسَعِیْدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِیُّ، قَالُوْا: ثَنَا سُفْیَانُ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ مُحمدِ بنِ جُبَیْرِ بنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِیْهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: " لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ" قَالَ ابنُ أَبِیْ عُمَرَ: قَالَ سُفْیَانُ: یَعْنِیْ قَاطِعَ رَحِمٍ، هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

وضاحت: حدیث میں صرف قاطع ہے، سفیان ثوری نے بتایا کہ مراد ناتہ کاٹنا ہے ...... الرَّحِمُ، والرِّحْمُ والرُّحْمُ: بچہ دانی، رشتہ، قرابت (مذکر ومؤنث) جمع أَرْحَام، ذوی الأرحام: وہ رشتہ دار جو نہ عصبہ ہوں نہ ذوی الفروض، جیسے خالہ، ماموں، بھتیجی، چچازاد بہن وغیرہ۔

بابُ ماجاء فی حُبِّ الْوَالِدِ وَلَدَهُ

باپ کا اولاد سے محبت کرنا

اولاد سے محبت ایک فطری امر ہے اور یہ محبت ہمیشہ باقی رہتی ہے، اور اولاد کی محبت ماں باپ سے بڑے ہونے کے بعد کم ہوجاتی ہے اور یہ بھی ایک فطری امر ہے، قدرت کا نظام یہ ہے کہ انسان زمین میں پھیلیں اور ساری زمین آباد ہو اس لئے جب اولاد صاحبِ عیال ہوجاتی ہے تو اس کا ماں باپ کی طرف میلان کم ہوجاتا ہے، وہ دنیا میں دور تک چلی جاتی ہے مگر ماں باپ کی طرف ایسی کوئی مجبوری نہیں اس لئے ان کا میلان آخر تک باقی رہتا ہے، اس میں کچھ کمی نہیں آتی، البتہ یہ الگ بات ہے کہ جب اولاد دور چلی جاتی ہے تو یاد کم آتی ہے مگر محبت بحالہ باقی رہتی ہے۔

حدیث: حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا (جو بڑے درجہ کی صحابیہ ہیں اور جو پہلے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور نبی ﷺ سے ان کا قریبی تعلق تھا وہ) فرماتی ہیں: ایک دن نبی ﷺ گھر سے

باہر تشریف لائے، آپؐ نے اپنے دونواسوں (حسن وحسین رضی اللہ عنہما) میں سے ایک کو گود میں لے رکھا تھا، آپؐ نے فرمایا: إِنَّكُمْ لَتُبَخِّلُوْنَ وَتُجَبِّنُوْنَ وَتُجَهِّلُوْنَ، وإِنَّكُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللّٰهِ: بیشک تم بخیل بنادیتے ہو، اور بزدل بنادیتے ہو اور جاہل رکھتے ہو اور بیشک تم ہو اللہ کا پھول!

تشریح: باپ اولاد کی خاطر بخیلی کرتا ہے، پیسہ پیسہ جوڑ کر رکھتا ہے، کوئی چیز ملتی ہے تو بچوں کے لئے رکھ لیتا ہے اور راہِ خدا میں جنگ کرنے سے بھی دریغ کرتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ اگر میں جنگ میں مارا گیا تو اولاد کا کیا ہوگا! اور جب اولاد ہوجاتی ہے تو آدمی نہ دنیا کا علم حاصل کرسکتا ہے نہ دین کا، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: تَعَلَّمُوْا قبلَ أَنْ تُسَوَّدُوْا: علم حاصل کرو اس سے پہلے کہ تم سردار بنائے جاؤ، کیونکہ جب اہل وعیال کا خرچہ سر پر آپڑتا ہے تو آدمی کمانے میں جت جاتا ہے اور ضروری علم حاصل کرنے سے بھی محروم رہ جاتا ہے مگر بایں ہمہ اولاد بڑی پیاری ہوتی ہے، ماں باپ ان کو نہ صرف چومتے ہیں بلکہ سونگھتے بھی ہیں کیونکہ وہ اللہ کے پھول ہیں۔

[۱۱-] باب ماجاء فی حُبِّ الْوَالِدِ وَلَدَهُ

[۱۹۰۷-] حدثنا ابنُ أَبِیْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بنِ مَيْسَرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ ابنَ أَبِیْ سُوَيْدٍ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ عُمَرَ بنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ يَقُوْلُ: زَعَمَتِ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ خَوْلَةُ بِنْتُ حَكِيْمٍ، قَالَتْ: خَرَجَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ يَوْمٍ، وَهُوَ مُحْتَضِنٌ أَحَدَ ابْنَيِ ابْنَتِهِ، وَهُوَ يَقُوْلُ: "إِنَّكُمْ لَتُبَخِّلُوْنَ، وَتُجَبِّنُوْنَ، وَتُجَهِّلُوْنَ، وإِنَّكُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللّٰهِ"

وفی الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، والأَشْعَثِ بنِ قَيْسٍ، حديثُ ابنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بنِ مَيْسَرَةَ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِهِ، وَلَا نَعْرِفُ لِعُمَرَ بنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ سَمَاعًا مِنْ خَوْلَةَ.

وضاحت: اس حدیث کا ایک راوی ابن ابی سُوید مجہول راوی ہے اس کا نام محمد ہے اور یہ وہ ابن ابی سُوید نہیں ہے جس سے حضرت غیلان رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتاب النکاح (باب ۳۱) میں مروی ہے (تحفۃ الالمعی ۳: ۵۵۹) اس کا نام بھی محمد ہے مگر وہ ثقہ راوی ہے اور یہ ابن ابی سُوید مجہول راوی ہے، دوسری کمی اس حدیث میں یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا حضرت خولہ بنت حکیم سے لقاء وسماع نہیں، پس یہ حدیث منقطع ہے۔

لغات: اِحْتَضَنَ الشیئَ: گود میں لینا، مُحْتَضِنٌ: اسم فاعل، اور تبَخِّلُوْنَ، اور تُجَبِّنُوْنَ اور تُجَهِّلُوْنَ: تینوں باب تفعیل سے ہیں، تَبَخَّلَ: کنجوسی کرنا، بخیل بننا، تَجَبَّنَ: بزدل بننا، بے حوصلہ ہوجانا، اور تَجَهَّلَ: ناواقف بننا، لاعلم رہنا اور الرَّيْحَان: ہر خوشبودار پودا اور ایک خاص قسم کا خوشبودار پودا جس کو نازبو (سیاہ تلسی) کہتے ہیں، یہاں مراد عام ہے اس لئے میں نے ترجمہ پھول کیا ہے۔

بابُ ماجاء فی رَحْمَةِ الْوَلَدِ

اولاد پر مہربانی کا بیان

یہ باب گذشتہ باب کے ہم معنی ہے، جب والدین کو اولاد سے محبت ہوگی تو وہ ان پر مہربانی بھی ہونگے، کیونکہ مہربانی محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔

حدیث: اقرع بن حابسؓ نے جو بنوتمیم کے سردار تھے، نبی ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ حضرت حسنؓ کو چوم رہے تھے (اور ایک راوی کو حسنؓ یا حسینؓ میں شک ہے) پس اقرع نے کہا: میرے دس بچے ہیں، مگر میں نے ان میں سے کسی کو نہیں چوما، پس نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَا یَرْحَمْ لَایُرْحَمْ: جو مہربانی نہیں کرتا وہ مہربانی نہیں کیا جاتا!

تشریح: مہربانی نہ کرنے کے مختلف درجات ہیں: بالکل مہربانی نہ کرنا، یا کم کرنا، یا بہت کم کرنا، اسی طرح مہربانی نہ کئے جانے کے بھی درجات ہیں، پس جو اولاد وغیرہ پر جتنا زیادہ مہربان ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہونگے، ایک دوسری حدیث میں ہے: الرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرحمنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فی الْأَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَنْ فی السَّمَاءِ: (یہ حدیث ابھی آرہی ہے) یعنی مہربانی کرنے والوں پر الرحمن (نہایت مہربان اللہ تعالیٰ) مہربانی فرماتے ہیں پس تم زمینی مخلوقات پر مہربانی کرو، وہ ہستی تم پر مہربانی کرے گی جو آسمان میں ہے (مشکوۃ حدیث ۴۹۶۹)

اور صحیحین میں یہ واقعہ ہے کہ ایک بدو نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اس نے کہا: کیا آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں؟ ہم تو ان کو نہیں چومتے! نبی ﷺ نے فرمایا: أَوَ أَمْلِكُ لَكَ: إِنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرحمةَ! اگر اللہ تعالیٰ تیرے دل سے مہربانی نکال دیں تو میں کیا کروں؟ (مشکوۃ حدیث ۴۹۴۸)

اور ایک دوسری متفق علیہ روایت میں ہے: تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فی تَرَاحُمِهِم وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَی عُضْوٌ تَدَاعَی له سَائِرُ الجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّی: آپ مؤمنین کو دیکھیں گے ایک دوسرے پر مہربانی کرنے میں اور ایک دوسرے سے محبت کرنے میں اور ایک دوسرے سے نرم برتاؤ کرنے میں جسم کی طرح، جس کا کوئی عضو جب کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے لئے سارا جسم ہمنوا ہو جاتا ہے بیداری اور بخار میں (مشکوۃ حدیث ۴۹۵۳)

اس لئے مؤمنین کو چاہئے کہ ہر مخلوق پر مہربانی کریں، خاص طور پر مؤمنین پر، اور اس سے بھی زیادہ اپنی اولاد پر، اور جان لیں کہ مہربانی کا جذبہ ہی انسان کو محبوب بناتا ہے۔

[۱۲-] باب ماجاء فی رَحْمَةِ الْوَلَدِ

[۱۹۰۸-] حدثنا ابنُ أَبِی عُمَرَ، وَسَعِیْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، قَالَا: ثَنَا سُفْیَانُ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ

أَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِیْ هُرِیرةَ، قَالَ: أَبْصَرَ الأَقْرَعُ بنُ حَابِسٍ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم، وَهُوَ یُقَبِّلُ الْحَسَنَ — وَقَالَ ابنُ أَبِیْ عُمَرَ: الحَسَنَ أَوِ الْحُسَیْنَ — فَقَالَ: إِنَّ لِیْ مِنَ الْوَلَدِ عَشَرَةً، مَا قَبَّلْتُ أَحَدًا مِنْهُمْ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "إِنَّهُ مَنْ لَا یَرْحَمْ لَایُرْحَمْ"

وفی الباب: عَنْ أَنَسٍ، وَعَائِشَةَ؛ وأَبُوْ سَلَمَةَ بنُ عَبْدِ الرحمنِ: اسْمُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، وَهٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

بابُ ماجاء فی النَّفَقَةِ عَلَی الْبَنَاتِ

بیٹیوں پرخرچ کرنے کا بیان

مصری نسخہ میں باب میں والأخَوَاتِ بھی ہے، یعنی بیٹیوں اور بہنوں پرخرچ کرنے کا ثواب، لوگ لڑکوں پر تو دل کھول کرخرچ کرتے ہیں، کیونکہ لڑکے بڑے ہوکر کام آتے ہیں اورلڑکیوں اور بہنوں پرخرچ کرنے سے جی چراتے ہیں کیونکہ وہ دوسرے گھر چلی جاتی ہیں اس لئے احادیث شریفہ میں خاص طور پر بیٹیوں اور بہنوں پرخرچ کرنے کی فضیلت آئی ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں پس وہ ان کی رفاقت اچھی کرے، یعنی ان کو بہتر طریقہ پر پالے پوسے، اوران کے حق میں اللہ سے ڈرے یعنی ان کے حقوق کما حقہ ادا کرے تو اس کے لئے جنت ہے یعنی یہ جنت میں جانے کا بہترین سبب ہے، یہی حدیث دوسری سند (نمبر ۱۹۱۰) سے مروی ہے کہ تم میں سے کسی کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں پس وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے تو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔

حدیث (۲): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مَن ابْتُلِیَ بِشیئٍ مِنَ الْبَنَاتِ، فَصَبَرَ عَلَیْهِنَّ، کُنَّ لَه حِجَابًا مِنَ النَّارِ: جو شخص بیٹیوں میں سے کسی چیز کے ساتھ آزمایا گیا یعنی خواہ ایک بیٹی ملی یا زیادہ پس اس نے ان پر صبر کیا تو وہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی (یہ حدیث مختصر ہے اور یہی حدیث اگلے نمبر پر شانِ ورود کے ساتھ مفصل آرہی ہے) اور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۰:۳۵۹) میں لکھا ہے کہ یہ ثواب ایک بیٹی کی پرورش کرنے والے کے لئے بھی ہے، پھر انھوں نے اس سلسلہ کی روایات لکھی ہیں۔

حدیث (۳): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک عورت میرے پاس آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں، پس اس نے سوال کیا: میرے پاس دینے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی، ایک کھجور کے علاوہ، پس میں نے وہ کھجور اس کو دیدی، اس نے وہ کھجور اپنی دو بیٹیوں کے درمیان بانٹ دی، اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا، پھر وہ

کھڑی ہوئی اور چلی گئی، جب نبی ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپؐ نے فرمایا: مَن ابتُلِیَ بشیئٍ مِن هذه البناتِ کُنَّ له سِترًا مِن النار: یہ پہلی ہی حدیث ہے اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے شانِ ورود بیان کیا ہے کہ آپؐ نے یہ ارشاد کس موقعہ پر فرمایا تھا۔

حدیث(۴): نبی ﷺ نے فرمایا: من عَالَ جَارِیَتَیْنِ، دَخَلتُ أنا وَهُوَ الجنةَ کَهاتَیْنِ، وأشارَ بأُصْبُعَیْهِ: جس نے دولڑکیوں کی کفالت کی تو میں اور وہ ان دوانگلیوں کی طرح جنت میں جائیں گے اور آپؐ نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا۔

تشریح: اگر آپؐ نے دونوں انگلیاں ملاکر اشارہ کیا تھا تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ وسطی (درمیانی، لمبی انگلی) کی طرح پہلے داخل ہونگے اور دو بیٹیوں کی کفالت کرنے والا شہادت کی انگلی کی طرح کچھ پیچھے داخل ہوگا، اور اگر آپ نے دونوں انگلیوں کے درمیان کچھ فاصلہ کرکے اشارہ کیا تھا تو تفاوتِ درجات واضح ہے، اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ انبیاء امت سے پہلے جنت میں جائیں گے، امت پیچھے رہے گی اس لئے ان دو تاویلوں میں سے کوئی ایک تاویل ضروری ہے۔

[۱۳-] باب ماجاء فی النَّفَقَاتِ علی الْبَنَاتِ

[۱۹۰۹-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا ابنُ عُیَیْنَةَ، عَنْ سُهَیْلِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَیُّوْبَ بنِ بَشِیْرٍ، عَنْ سَعِیْدٍ الأَعْشَی، عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "مَنْ کَانَتْ لَهُ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ، أَوِ ابْنَتَانِ، أَوْ أُخْتَانِ، فَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ، واتَّقَی اللّٰهَ فِیْهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةُ"

[۱۹۱۰-] حدثنا قُتَیْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ سُهَیْلِ بنِ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ سَعِیْدِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ: "لَایَکُوْنُ لِأَحَدِکُمْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ، فَیُحْسِنُ إِلَیْهِنَّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ"

وفی الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وَأَنَسٍ، وَجَابِرٍ، وابنِ عَبَّاسٍ؛ وأَبُوْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیُّ: اسْمُهُ سَعْدُ بْنُ مَالِكِ بنِ سِنَانٍ؛ وَسَعْدُ بْنُ أَبِیْ وَقَّاصٍ: هُوَ سَعْدُ بْنُ مَالِكِ بنِ وُهَیْبٍ، وَقَدْ زَادُوْا فِیْ هٰذَا الإِسْنَادِ رَجُلًا.

وضاحت: اس حدیث کی پہلی سند (نمبر ۱۹۰۹) ابن عیینہ کی سند ہے وہ سہیل بن ابی صالح سے اور وہ ایوب بن بشیر سے اور وہ سعید بن عبدالرحمٰن اعشی سے، اور وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں...... اور

اس حدیث کی دوسری سند (نمبر ۱۹۱۰) عبدالعزیز بن محمد دراوردی کی ہے، وہ سہیل بن ابی صالح سے، اور وہ سعید بن عبدالرحمٰن اعشٰی سے اور وہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اس سند میں ایوب بن بشیر کا واسطہ نہیں ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: وقد زادوا في هذا الإسناد رجلاً یعنی رواۃ نے اس اسناد میں ایک آدمی بڑھایا ہے، یہ وہی ایوب بن بشیر ہیں جو پہلی سند میں آئے ہیں اور یہ اضافہ سعید اعشٰی اور حضرت ابو سعید خدری کے درمیان ہے، کیونکہ سعید اعشٰی چھٹے طبقہ کے راوی ہیں اور کسی صحابی سے ان کی ملاقات نہیں ہے، اس لئے ضروری ہے کہ درمیان میں کوئی واسطہ ہو چنانچہ ابوداؤد (حدیث ۵۱۴۷ کتاب الادب باب ۱۲۲) میں سعید اعشٰی اور حضرت ابو سعید خدریؓ کے درمیان ایوب بن بشیر کا واسطہ ہے، البتہ ابن عیینہ کی سند میں ایوب کا تذکرہ سعید اعشٰی سے پہلے ہے جو صحیح نہیں۔ امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں لکھا ہے: ابن عیینہ اس حدیث کو عن سهيل، عن أيوب، عن سعيد الأعشى روایت کرتے تھے مگر یہ سند درست نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ کی سند میں کوئی قلب نہیں ہوا، ابن عیینہ اسی طرح سند بیان کرتے تھے، پس امام ترمذیؒ نے جو فرمایا ہے کہ قد زَادُوْا في هذا الإسناد رجلاً اس سے ان کی مراد حدیث کی دوسری سند میں ایوب کا اضافہ ہے اور وہ سعید اعشٰی اور ابو سعیدؓ کے درمیان ہے جیسا کہ ابو داؤد کی سند میں ہے۔

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن مالک بن وُہیب ہے، دونوں کے نام اور ان کے باپ کے نام ایک ہیں، مگر دادا کے نام میں فرق ہے، اس لئے تمیز کرنے کے لئے حضرت ابو سعید خدریؓ کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بھی تعارف کرایا۔

[۱۹۱۱-] حدثنا العَلاءُ بنُ مَسْلَمَةَ، ثَنَا عَبْدُ الْمَجِيْدِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْئٍ مِنَ الْبَنَاتِ، فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

[۱۹۱۲-] حدثنا أحمدُ بْنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنِ الْمُبَارَكِ، ثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ أَبِيْ بَكْرِ بنِ حَزْمٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَتِ امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا، فَسَأَلَتْ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِيْ شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ، فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا، فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا، وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا، ثُمَّ قَامَتْ، فَخَرَجَتْ، وَدَخَلَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْئٍ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: حضرت عائشہؓ کی پہلی حدیث (نمبر ۱۹۱۱) میں امام ترمذیؒ کا استاذ العلاء بن مسلمہ متروک راوی ہے

اور ابن حبانؒ نے اس کو وضع حدیث کے ساتھ متہم کیا ہے مگر چونکہ یہ حدیث دوسری سند سے صحیحین میں بھی ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے اس کی تحسین کی ہے اور حضرت عائشہ کی دوسری حدیث (نمبر ۱۹۱۲) میں جو عبداللہ بن ابی بکر بن حزم راوی ہے اس کا پورا نام عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ہے راوی کے باپ کی اس کے باپ کے دادا کی طرف نسبت کردی گئی ہے۔

دوسری بات ان روایتوں میں توجہ طلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی پہلی حدیث میں زہریؒ اپنے اور حضرت عروہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں بڑھاتے، اور وہ حدیث مختصر ہے۔ اور دوسری حدیث میں اپنے اور حضرت عروہ کے درمیان عبداللہ بن ابی بکر کا واسطہ بڑھاتے ہیں، اور یہ مفصل حدیث ہے، پس معلوم ہوا کہ زہری نے مختصر روایت حضرت عروہؒ سے براہ راست سنی ہے اور مفصل روایت عبداللہ کے واسطہ سے سنی ہے۔

[۱۹۱۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ وَزِيرٍ الْوَاسِطِيُّ، ثَنَا مُحمدُ بنُ عُبَيْدٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ الرَّاسِبِيُّ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ دَخَلْتُ أَنَا وَهُوَ الْجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ" وَأَشَارَ بِأُصْبُعَيْهِ.
هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَقَدْ رَوَى مُحمدُ بنُ عُبَيْدٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ غَيْرَ حَدِيْثٍ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، وَقَالَ عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ أَنَسٍ، وَالصَّحِيْحُ: هُوَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ أَبِيْ بَكْرِ بنِ أَنَسٍ.

وضاحت: اس روایت میں ابوبکر بن عبیداللہ مجہول راوی ہے مگر یہ روایت دوسری سند سے مسلم میں بھی ہے اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو حسن قرار دیا ہے، پھر امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ محمد بن عبید نے اس سند سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں اور وہ سب میں عن ابی بکر بن عبیداللہ بن انس کہتے ہیں، مگر صحیح نام عبیداللہ بن ابی بکر بن انس ہے۔

بابُ ماجاء فی رَحْمَةِ الْيَتِيْمِ وَكَفَالَتِهِ

یتیم پر مہربانی کرنے کا اور اس کی پرورش کرنے کا بیان

یتیم وہ نابالغ بچہ ہے جس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا ہے، اس لئے وہ بے سہارا رہ گیا ہے، پس تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں اور کوئی شخص اس کو پالنے پوسنے کی ذمہ داری اوڑھ لے اور اپنی اولاد کی طرح اس کی پرورش کرے، احادیث میں اس کا بڑا اجر وثواب بیان کیا گیا ہے۔

حدیث(۱): نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ قَبَضَ يَتِيمًا مِنْ بَيْنِ المسلمينَ إلى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ الْبَتَّةَ: إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لَايُغْفَرُ: جس شخص نے مسلمانوں کے کسی یتیم کو اپنے کھانے پینے میں شریک کرلیا: اللہ تعالیٰ اس کو بالیقین جنت میں داخل کریں گے، مگر یہ کہ وہ کوئی ایسا گناہ کرے جو بخشا نہیں جاتا۔

تشریح: دو گناہ بخشے نہیں جاتے: ایک: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اس کی بخشش کا کوئی امکان نہیں۔ دوسرا: حقوق العباد، وہ بھی جب تک چکائے نہ جائیں یا معافی حاصل نہ کرلی جائے بخشش نہیں ہوسکتی، پس ایسا شخص تو جنت میں نہیں جائے گا، لیکن اس قسم کا کوئی مانع نہ ہو تو یتیم کی پرورش کرنا دخول جنت کا یقینی سبب ہے۔

سند کی بحث: اس حدیث کی سند میں ایک راوی حَنَش ہے، سلیمان تیمی اس کا یہی نام لیتے تھے، یہ لقب ہے اور نام حسین بن قیس، کنیت ابوعلی اور نسبت الرَّحَبی ہے، یہ راوی محدثین کے نزدیک نہایت ضعیف ہے، تقریب میں اس کو متروک لکھا ہے مگر چونکہ یتیم کی پرورش کے سلسلہ میں متعدد صحیح روایات موجود ہیں اس لئے اس روایت کے ضعف سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حدیث(۲): نبی ﷺ نے فرمایا: أنَا وَكَافِلُ اليتيمِ فى الجنةِ كَهَاتَيْنِ: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہونگے، اور آپ نے سبابہ اور وسطی سے اشارہ فرمایا، اور بخاری میں لعان کے بیان میں ہے: وَفَرَّج بَيْنَهُما شيئًا: اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا فاصلہ کیا، یہ تفاوت درجات کی طرف اشارہ ہے اور حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے۔

[۱۴-] باب ماجاء فى رَحْمَةِ الْيَتِيْمِ

[۱۹۱۴-] حدثنا سَعِيْدُ بنُ يَعْقُوْبَ الطَّالِقَانِيُّ، ثَنَا الْمُعْتَمِرُ بنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِيْ، يُحَدِّثُ عَنْ حَنَشٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَنْ قَبَضَ يَتِيْمًا مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ إِلَىٰ طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ: أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ الْبَتَّةَ، إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ"

وفى الباب: عَنْ مُرَّةَ الفِهْرِيِّ، وأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وأَبِيْ أُمَامَةَ، وَسَهْلِ بنِ سَعْدٍ.

وَحَنَشٌ: هُوَ حُسَيْنُ بنُ قَيْسٍ، وَهُوَ أَبُوْ عَلِيِّ الرَّحْبِيُّ، وَسُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ يَقُوْلُ: حَنَشٌ؛ وَهُوَ ضَعِيْفٌ عِنْدَ أَهْلِ الحَدِيْثِ.

[۱۹۱۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عِمْرَانَ أَبُوْ الْقَاسِمِ الْمَكِّيُّ الْقُرَشِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ سَهْلِ بنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِيْ الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ" وأَشَارَ بِأُصْبُعَيْهِ، يَعْنِيْ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطَى، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی رَحْمَةِ الصِّبْیَانِ

بچوں پر مہربانی کرنے کا بیان

حدیث (۱): ایک بوڑھا شخص نبی ﷺ کی مجلس میں شرکت کے لئے آیا، اہل مجلس نے اس کو جگہ دینے میں دیر کی، تو نبی ﷺ نے فرمایا: لَیس مِنَّا مَن لم یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا ولم یُوَقِّرْ کبیرنا: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کرے۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی زَرْبِیٌّ بن عبد اللہ ازدی بصری ضعیف ہے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ان کے علاوہ سے بھی نہایت ضعیف حدیثیں روایت کرتا ہے، مگر یہ حدیث آگے دوسری صحیح سند سے آرہی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لیس مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا، وَیَعْرِفْ شَرَفَ کبیرِنا: ہم میں سے نہیں وہ شخص جو ہمارے چھوٹے پر مہربانی نہ کرے اور ہمارے بڑے کی بزرگی نہ پہچانے (یَعرف سے پہلے لَمْ پوشیدہ ہے)

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا، وَیُوَقِّرْ کبیرَنا، ویأْمُرْ بالمعروف، وینْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کرے اور بھلی بات کا حکم نہ دے اور بری بات سے نہ روکے۔

تشریح: یہ آخری دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور ان روایات میں جو لیس منا آیا اس کا مطلب بعض حضرات نے لیس من سُنَّتِنَا بیان کیا ہے، یعنی لیس مِنْ أَدَبِنَا، یعنی وہ شخص ہمارے طریقہ پر نہیں، ہماری شائستہ تہذیب پر نہیں، مگر سفیان ثوری رحمہ اللہ اس پر نکیر کیا کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے: بئس هذا القولُ: یہ بہت غلط مطلب ہے اور وہ لیس منا کی تفسیر: لیس مِثلَنا کرتے تھے یعنی وہ ہم مسلمانوں جیسا نہیں، اور مصری نسخہ میں ہے: لیس مِنْ مِلَّتِنَا: یعنی وہ ہماری ملت میں سے نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ حدیث کی کوئی تاویل نہ کی جائے، زجر وتوبیخ کا مقصد اسی صورت میں حاصل ہوگا اور یہ درحقیقت ایک محاورہ ہے، ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:

إن کُنْتِ مِنِّی، أَوْ تُرِیْدِیْنَ صُحْبَتِی ۞ فَکُوْنِیْ لَهُ کَالسَّمْنِ رُبَّتْ لَهُ الأَدَم

شاعر اپنی بیوی سے کہتا ہے: اگر تو میرے ساتھ شیر وشکر ہو کر رہنا چاہتی ہے یا کم از کم میرے ساتھ نباہ کرنا چاہتی ہے تو اس لڑکے کے لئے اس گھی کی طرح ہو جا جس کے لئے کپّی میں پہلے شیرہ بھرا گیا ہو، پس جن حضرات نے لیس من أَدَبِنَا اور لیس من سُنَّتِنَا تفسیر کی ہے وہ بھی کچھ غلط نہیں، مگر اس تفسیر سے بات کا وزن گھٹ جاتا ہے جیسے حدیث میں ہے: مَنْ تَرَکَ الصلاۃَ مُتعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ: اگر کَفَرَ کی تاویل کی جائے تو بات کا وزن گھٹ جائے گا اور

بغیر تاویل کے بیان کیا جائے تو بات پُرتاثیر رہے گی۔

[١٥-] باب ماجاء في رَحْمَةِ الصِّبْيَانِ

[١٩١٦-] حدثنا مُحمدُ بنُ مَرْزُوْقٍ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا عُبَيْدُ بنُ وَاقِدٍ، عَنْ زَرْبِيٍّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بنَ مَالِكٍ، يَقُوْلُ: جَاءَ شَيْخٌ يَرِيْدُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فَأَبْطَأَ الْقَوْمُ عَنْهُ: أَنْ يُوَسِّعُوْا لَهُ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا"

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَأَبِيْ هريرةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وأَبِيْ أُمَامَةَ، هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَزَرْبِيٌّ: لَهُ أَحَادِيْثُ مَنَاكِيْرُ عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ وَغَيْرِهِ.

[١٩١٧-] حدثنا أَبُوْ بَكْرٍ مُحمدُ بنُ أَبَانٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ فُضَيْلٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا، وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا"

[١٩١٨-] حدثنا أَبُوْ بَكْرٍ مُحمدُ بنُ أَبَانٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، عَنْ شَرِيْكٍ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا، وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا، وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ، وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ" هٰذَا حديثٌ غريبٌ.

وَحدِيْثُ مُحمدِ بنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ أَيْضًا.

قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: مَعْنَى قَوْلِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: "لَيْسَ مِنَّا": لَيْسَ مِنْ سُنَّتِنَا، يَقُوْلُ: لَيْسَ مِنْ أَدَبِنَا، وَقَالَ عَلِيُّ بنُ الْمَدِيْنِيِّ: قَالَ يَحْيَى بنُ سَعِيْدٍ: كَانَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ يُنْكِرُ هٰذَا التَّفْسِيْرَ [ويقولُ:] لَيْسَ مِنَّا: لَيْسَ مِثْلَنَا.

بابُ ماجاء في رَحْمَةِ النَّاسِ

لوگوں پر مہربانی کرنے کا بیان

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ لمْ يَرْحَمِ النَّاسَ لَايَرْحَمْهُ اللّٰهُ: جو شخص لوگوں پر مہربانی نہیں کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ مہربانی نہیں کرتے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَاتُنْزَعُ الرحمةُ إلا مِنْ شَقِيٍّ: مہربانی نہیں کھینچ لی جاتی مگر بدبخت سے۔

تشریح: دل سے مہربانی نکال لینے کے درجات ہیں اور اسی کے موافق شقاوت کے بھی مراتب ہیں، پس جس قدر مہربانی کا جذبہ گھٹے گا بدبختی بڑھے گی اور جس قدر مہربانی بڑھے گی سعادت بڑھے گی۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: الراحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرحمٰن، ارْحَمُوْا مَنْ في الأرض يَرْحَمْكُمْ مَنْ في السَّمَاءِ: مخلوق پر مہربانی کرنے والوں پر نہایت مہربان اللہ مہربانی کرتے ہیں، پس مخلوقات پر مہربانی کرو وہ ہستی تم پر مہربانی کرے گی جو آسمان میں ہے، اور اس کی وجہ ایک دوسری ضعیف حدیث میں یہ آئی ہے: الخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ، فَأَحَبُّ الخَلْقِ إلى اللّٰهِ مَنْ أَحْسَنَ إلى عِيَالِه: ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے پس مخلوق میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند وہ شخص ہے جو اللہ کے کنبہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے (رواہ البیہقی، مشکوۃ حدیث ۴۹۹۸)

اور خاص طور پر خاندان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بارے میں ارشاد ہے: الرَّحِمُ شِجْنَةٌ مِن الرحمنِ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَه اللّٰه، ومَنْ قَطَعَها قَطَعَهُ اللّٰهُ: ناتے کی جڑیں نہایت مہربان اللہ کے ساتھ گتھی ہوئی ہیں، یعنی ایک کا دوسرے سے قریبی تعلق ہے، پس جو ناتے کو جوڑتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ جوڑتے ہیں، اور جو ناتے کو توڑتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنے سے توڑتے ہیں (اس حدیث کی شرح ابھی باب ۹ میں گذر چکی ہے)

[١٦-] باب ماجاء في رَحْمَةِ النَّاسِ

[١٩١٩-] حدثنا بُنْدَارٌ، ثَنَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ إسْمَاعِيْلَ بن أَبِيْ خَالِدٍ، ثنا قَيْسُ بنُ أَبِيْ حَازِمٍ، ثَنِيْ جَرِيْرُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ لَمْ يَرْحَمِ النَّاسَ لَايَرْحَمُهُ اللّٰهُ"

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ عَوْفٍ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَابنِ عُمَرَ، وأَبِيْ هُريرةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو.

[١٩٢٠-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ، ثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: كَتَبَ بِهِ إِلَيَّ مَنْصُوْرٌ، وَقَرَأْتُهُ عَلَيْهِ، سَمِعَ أَبَا عُثْمَانَ مَوْلَى الْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وأَبُوْ عُثْمَانَ الَّذِيْ رَوَى عَنْ أَبِيْ هريرةَ: لَانَعْرِفُ اسْمَهُ، وَيُقَالُ: هُوَ وَالِدُ مُوْسَى بنِ أَبِيْ عُثْمَانَ الَّذِيْ رَوَى عَنْهُ أَبُوْ الزِّنَادِ.

وَقَدْ رَوَى أَبُوْ الزِّنَادِ، عَنْ مُوْسَى بنِ أَبِيْ عُثْمَانَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم غَيْرَ حَدِيْثٍ.

[١٩٢١-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ أَبِيْ قَابُوْسٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، ارْحَمُوْا

مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ، الرَّحِمُ شِجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللّٰهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: دوسری حدیث میں امام شعبہ کہتے ہیں: منصور نے یہ حدیث میرے پاس لکھ کر بھیجی پھر جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے یہ حدیث ان کے سامنے پڑھی، انھوں نے ابوعثمان سے سنا جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ ہیں...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ابوعثمان کا نام معلوم نہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ اس موسیٰ کے والد ہیں جن سے ابوالزناد روایت کرتے ہیں، اور ابوالزناد نے عن موسی بن أبی عثمان، عن أبيه، عن أبی هريرة کی سند سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔

بابٌ في النَّصِيْحَةِ

خیر خواہی کا بیان

خیر خواہی یعنی خیر اندیشی، بھلائی چاہنا، بہتری چاہنا، اور باب کی حدیث نہایت اہم ہے، اس کو اسلامی تعلیمات کا چوتھائی قرار دیا گیا ہے بلکہ امام نووی رحمہ اللہ نے تو اس کو سارا ہی دین قرار دیا ہے۔ پس طلبہ حدیث غور سے پڑھیں، یاد کریں اور اس پر عمل کریں، اللہ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق دے (آمین)

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: الدينُ النَّصِيْحَةُ، الدينُ النَّصِيْحَةُ، الدينُ النَّصِيْحَةُ: یعنی دین خیر خواہی ہے! دین خیر خواہی ہے! دین خیر خواہی ہے! یہ ارشاد زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہے، اس میں مبالغہ ہے کہ خیر خواہی دین کا قوام ہے یعنی دین کے وجود اور بقاء کا سامان خیر خواہی ہے۔ اور جب نبی ﷺ کوئی اہم بات مجمع میں فرماتے تھے تو تین بار فرماتے تھے، پس جب آپؐ نے بار بار یہ بات فرمائی تو صحابہ نے پوچھا: لِمَنْ؟ یارسول اللہ! اے اللہ کے رسول! کس کی خیر خواہی؟ آپؐ نے فرمایا: لِلّٰهِ، ولكتابه، ولِأئمَّةِ المُسْلِمِيْنَ، وَعَامَّتِهِم: اللہ کی، اللہ کی کتاب کی، مسلمانوں کی حکومت کے سربراہوں کی، اور عام مسلمانوں کی۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے اور مسلم شریف (حدیث ۵۵ کتاب الایمان باب ۲۳) میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ولِرَسوله بھی ہے۔

تشریح: ابواب الصلوٰۃ کے شروع (تحفۃ الالمعی ۱:۴۳۷) میں یہ بات آئی ہے کہ بعض الفاظ کے نسبتیں بدلنے سے معانی بدلتے ہیں، جیسے صلوٰۃ کے معنی ہیں: انتہائی درجہ کا میلان، پھر نسبتوں کے بدلنے سے اس کے معنی بدلتے ہیں، اللہ کے تعلق سے اس کے معنی ہیں: مہربانی کرنا، اور بندوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف آخری درجہ کا میلان "نماز" ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف آخری درجہ کا میلان "دعا" ہے، اور فرشتوں کے تعلق سے صلوٰۃ کے معنی "استغفار" کے ہیں۔

اسی طرح خیر خواہی کی شکلیں نسبت بدلنے سے مختلف ہوتی ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی: اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان لانا ہے یعنی اللہ کا وجود تسلیم کرنا، ان کی صفات کو ٹھیک ٹھیک ماننا، ان میں الحاد و کجروی اختیار نہ کرنا، ان کے رب ہونے کو ماننا اور صرف انہی کی بندگی کرنا بندگی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور ان کے احکام کی اطاعت کرنا۔

۲- اللہ کی کتاب (قرآن کریم) کی خیر خواہی: اس کو پڑھنا، اس کو سمجھنا، اس کے معانی میں غور و فکر کرنا، اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا اور اس کی دعوت کو عام کرنا ہے۔

۳- اللہ کے رسول کے ساتھ خیر خواہی: ان پر ایمان لانا، ان کی تعظیم کرنا، ان سے بے حد محبت کرنا، مگر ان کی شان میں غلو نہ کرنا اور ان کے دین کو چار دانگ عالم پھیلانے کی محنت کرنا ہے۔

۴- امراء کی خیر خواہی: ان کے احکام کو سننا اور تعمیل کرنا، اور ان کا بہی خواہ رہنا اور شدید مجبوری کے علاوہ ان کے خلاف بغاوت نہ کرنا ہے۔

۵- عام مسلمانوں کی خیر خواہی: ان کے فائدے کو سوچنا، ان کو بھلائی پہنچانے کی نیت رکھنا، لوگوں کو دین سکھانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ہے۔

اور یہ صورتیں ہم نے بطور مثال بیان کی ہیں، ان کے علاوہ خیر خواہی کی اور صورتیں بھی ہوسکتی ہیں۔

حدیث (۲): حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے تین باتوں پر بیعت کی ہے: (۱) نماز کا اہتمام کرنا (۲) زکوۃ ادا کرنا (۳) اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا۔

تشریح: طبرانی میں حضرت جریرؓ کا ایک واقعہ ہے، انھوں نے اپنے مولیٰ کو حکم دیا کہ تین سو درہم میں ایک گھوڑا خرید لاؤ، وہ بازار گیا اور ایک گھوڑے کا سودا کر کے اس کے مالک کو ساتھ لے کر آیا تا کہ حضرت جریرؓ اس کو رقم ادا کریں، حضرت جریر نے گھوڑا دیکھ کر گھوڑے والے سے کہا: تیرا گھوڑا تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا ہے کیا تو اس کو چار سو میں بیچتا ہے؟ اس نے خوش ہو کر کہا: جیسی آپ کی مرضی! یعنی اگر آپ چار سو درہم دیں تو مجھے کونسے برے لگیں گے! آپؓ نے فرمایا: تیرا گھوڑا چار سو سے بھی زیادہ قیمت کا ہے کیا تو اس کو پانچ سو میں بیچتا ہے؟ اس طرح وہ قیمت بڑھاتے ہوئے آٹھ سو تک لے گئے، پھر آٹھ سو میں اس کو خرید لیا، کسی نے حضرت سے عرض کیا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ وہ تو تین سو میں بیچنے کے لئے تیار تھا؟ آپؓ نے فرمایا: بایَعْتُ رسولَ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَی النُّصحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ: میں نے نبی ﷺ سے اس پر بیعت کی ہے کہ ہر مسلمان کے لئے بھلائی چاہوں گا، اس شخص کا گھوڑا میرے نزدیک تین سو سے زیادہ قیمت کا تھا، اگر میں تین سو میں خریدتا تو یہ خیر خواہی کے منافی ہوتا، اس لئے اس کے گھوڑے کی جو واقعی قیمت تھی وہ میں نے اس کو دی، اللہ اکبر! خیر خواہی کا کیا جذبہ تھا، اور یہ آخری درجہ کی خیر خواہی ہے۔

[١٧-] بابٌ فی النَّصِیْحَةِ

[١٩٢٢-] حدثنا بُنْدَارٌ، ثَنَا صَفْوَانُ بنُ عِیْسَی، عَنْ مُحمدِ بنِ عَجْلَانَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بنِ حَکِیْمٍ، عَنْ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْ هریرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم:" الدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ" ثَلَاثَ مِرَارٍ، قَالُوْا: یَارسولَ اللّٰهِ! لِمَنْ؟ قَالَ:" لِلّٰهِ، وَلِکِتَابِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ، وَعَامَّتِهِمْ"

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ، وَفِیْ الْبَابِ: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَتَمِیْمٍ الدَّارِیِّ، وَجَرِیْرٍ، وَحَکِیْمِ بنِ أَبِیْ یَزِیْدَ عَنْ أَبِیْهِ، وَثَوْبَانَ.

[١٩٢٣-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا یَحْیَی بنُ سَعِیْدٍ، عَنْ إِسْمَاعِیْلَ بنِ أَبِیْ خَالِدٍ، عَنْ قَیْسِ بنِ أَبِیْ حَازِمٍ، عَنْ جَرِیْرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: بَایَعْتُ النبیَّ صلی الله علیه وسلم عَلی إِقَامَةِ الصَّلَاةِ، وإِیْتَاءِ الزَّکَاةِ، والنَّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ، هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

بابُ ماجاء فی شَفَقَةِ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ

مسلمان کی مسلمان پر لطف ومہربانی

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: المُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ سورۃ الحجرات میں ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ﴾ مسلمان سب بھائی ہیں، اور یہ ارشاد آئندہ احکام کی تمہید ہے:

١- لایَخُوْنُه: وہ اس کے ساتھ خیانت نہیں کرتا، خَانَ الشیئَ یَخُوْنُ خَوْنًا وَخِیَانَةً کے معنی ہیں: خیانت کرنا، غبن کرنا، کمی کرنا، بے ایمانی کرنا۔ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے ساتھ یہ حرکت نہیں کرتا، کیونکہ بھائی بھائی کے ساتھ ایسا نہیں کرتا۔

٢- ولایَکْذِبُهُ: اور اس سے جھوٹ نہیں بولتا، یعنی اس کو خلافِ واقعہ خبر نہیں دیتا، کوئی بھی شخص بھائی کے ساتھ اس طرح کی حرکت نہیں کرتا اور اس کو وَلَا یُکَذِّبُه بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو نہیں جھٹلاتا، بلکہ اس کی تصدیق کرتا ہے، جھٹلاتا آدمی اسی کو ہے جس پر اعتماد نہیں ہوتا، اور مسلمان کو مسلمان پر اعتماد ہوتا ہے، اس لئے وہ اس کی تکذیب نہیں کرتا۔

٣- وَلَا یَخْذُلُهُ: اور اس کو رسوا نہیں کرتا، یعنی اس کی مدد سے ہاتھ نہیں کھینچ لیتا، اس سے دستبردار نہیں ہوجاتا، اس کو بے یارومددگار نہیں چھوڑتا، بلکہ آڑے وقت میں اس کا پشت پناہ بن جاتا ہے، بھائی بھائی کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔

٤- کلُّ الْمُسْلِمِ علی المسلمِ حرامٌ: عِرضُه ومالُه ودَمُه: مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے یعنی اس

کی آبرو، اس کا مال اور اس کا خون یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی نہ آبرو ریزی کرتا ہے، نہ اس کا مال ہڑپ کر جاتا ہے اور نہ اس کا خون کرتا ہے، کیونکہ ایک بھائی دوسرے بھائی کو اس طرح کا کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

۵-التَّقْویٰ هٰهُنَا: پرہیزگاری یہاں ہے اور مسلم (حدیث ۲۵۶۴) میں ہے: ویُشِیْرُ إلی صَدْرِہِ ثَلاثَ مَرَّاتٍ: اور آپؐ نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے تین مرتبہ اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا کہ پرہیزگاری کا محل دل ہے، تقوی آنکھوں سے نظر نہیں آتا، پس کسی کے ظاہری احوال سے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے گویا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، بعض مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ نازیبا برتاؤ کرتے ہیں، اس کی غیبت کرتے ہیں، اور اس کی آبرو ریزی کرتے ہیں، اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں: وہ بڑا بے ایمان ہے، اور بڑا نالائق آدمی ہے، آپؐ نے فرمایا: تم کیا جانو کہ وہ بڑا نالائق ہے، ایمان اور تقوی دل میں ہوتا ہے جس کو کوئی نہیں جان سکتا، پس کسی کے ظاہری احوال کی وجہ سے بدگمانی کرنا اور اس کی برائی کرنا جائز نہیں۔

۶-بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ یَحْتَقِرَ أَخَاهُ المسلمَ: آدمی کے برا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل وحقیر سمجھے، کسی بھی مسلمان کو حقارت کی نظر سے دیکھنا جائز نہیں، ایک بھائی دوسرے بھائی کو ایسی نظر سے نہیں دیکھ سکتا، بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ: مبتداء ہے اور ب اس میں زائد ہے اور أن یحتقر خبر ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: المُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ، یَشُدُّ بَعْضُه بَعْضًا: ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے عمارت کی طرح ہے، عمارت کا بعض بعض کو مضبوط کرتا ہے، یعنی دیواریں ایک دوسرے سے پیوستہ ہوکر عمارت مضبوط بنتی ہے اور بخاری کی روایت میں ہے: ثم شَبَّكَ بین أَصَابِعِه: پھر آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کیں اور محسوس طور پر سمجھایا کہ اس طرح اینٹیں ایک دوسرے میں گھس کر اور دیواریں ایک دوسرے سے جڑ کر مضبوط ہوتی ہیں۔ پس مسلمان بھی اسی وقت سرخ رو ہوسکتے ہیں جب وہ ایک (اور نیک) بن جائیں، پوری ملت ایک صالح اکائی بن جائے، تب عزت کا تاج ان کے سر کی زینت بن سکتا ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ أَحَدَکُمْ مِرْآۃُ أَخِیْهِ، فَإِنْ رَأَی به أَذًی، فَلْیُمِطْهُ عَنْهُ: تم میں سے ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے (جس طرح آئینہ میں چہرے کی برائی اور داغ دھبہ نظر آتا ہے مؤمن کو بھی اپنی برائی خود نظر نہیں آتی، اس کی برائی دوسرے مؤمن کو نظر آتی ہے، اس طرح وہ اس کا آئینہ ہے) پس اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی عیب دیکھے تو چاہئے کہ وہ اس کو اس سے دور کرے (اس کو مناسب انداز میں بتادے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلے، اور اگر یہ بات دشوار ہو تو اس کے لئے دعائے خیر کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی یہ برائی دور کریں)

تشریح: حدیث کا سبق یہ ہے کہ ایک مؤمن کو دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ کی طرح ہونا چاہئے، دشمن نہیں ہونا چاہئے کہ اس کی برائی پھیلائے اور یہ تمنا کرے کہ کاش اس کی خرابیاں بڑھیں، بلکہ جس طرح آئینہ آدمی میں اصلاح

کا جذبہ پیدا کرتا ہے، مسلمان کو بھی چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان میں اصلاح کا جذبہ پیدا کرے۔

[۱۸-] باب ماجاء فی شَفَقَةِ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ

[۱۹۲۴-] حدثنا عُبَيْدُ بنُ أَسْبَاطِ بنِ مُحمدٍ القُرَشِيُّ، ثَنَا أَبِیْ، عَنْ هِشَامِ بنِ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " اَلْمُسْلِمُ أَخُوْ الْمُسْلِمِ، لاَ يَخُوْنُهُ، وَلاَ يَكْذِبُهُ، وَلاَ يَخْذُلُهُ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: عِرْضُهُ وَمَالُهُ وَدَمُهُ، التَّقْوٰی هٰهُنَا، بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْتَقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

[۱۹۲۵-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلاَّلُ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِیْ بُرْدَةَ، عَنْ جَدِّهِ أَبِیْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِیْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ: قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ: يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا"

هٰذَا حديثٌ صحيحٌ، وفی الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وأَبِیْ أَيُّوْبَ.

[۱۹۲۶-] حدثنا أحمدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا يَحْيَى بنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِیْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ أَحَدَكُمْ مِرْآةُ أَخِيْهِ، فَإِنْ رَأَى بِهِ أَذًى فَلْيُمِطْهُ عَنْهُ"

وَيَحْيَى بنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ: ضَعَّفَهُ شُعْبَةُ، وَفِی الباب: عَنْ أَنَسٍ.

بابُ ماجاء فی السَّتْرِ علی الْمُسْلِمِيْنَ

مسلمانوں کی پردہ پوشی کا بیان

یہ باب اور یہ حدیث ابواب الحدود (باب ۳) میں گذر چکے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کی دنیا کی بے چینوں میں سے کوئی بے چینی دور کی تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی بے چینوں میں سے کوئی بڑی بے چینی دور فرمائیں گے (نَفَّسَ عنه كُرْبَتَه: غم وتکلیف دور کرنا، دل کو تسلی وسکون بخشنا، كُرْبَةٌ، أی هَمٌّ: فکر، پریشانی، جمع كُرَبٌ) اور جو شخص دنیا میں کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا: اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی فرمائیں گے (تنگ دست پر آسانی کرنا یہ ہے کہ اس کا قرضہ معاف کردے، یا مہلت دے) اور جو دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے (پردہ پوشی یعنی اس کے عیوب کو چھپانا، ان کو ظاہر نہ کرنا) اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جب

تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے (یعنی وہ کسی مسلمان کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا کام بناتے ہیں)

امام اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں: حُدِّثْتُ عن أبی صَالِحٍ: بیان کیا گیا میں ابوصالح سے روایت کرتے ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ اعمش اور ابوصالح کے درمیان کوئی واسطہ ہے اور آگے ابوعوانہ کہتے ہیں: عن أبی صَالِحٍ یعنی درمیان میں کوئی واسطہ نہیں، اعمش نے خود یہ حدیث ابوصالح سے سنی ہے، پس تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اعمش نے یہ حدیث واسطہ سے سنی ہوگی، پھر جب ان سے ملاقات ہوئی ہوگی تو ان سے بلا واسطہ بھی سنی ہوگی۔

[١٩-] باب ماجاء فی السَّتْرِ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ

[١٩٢٧-] حدثنا عُبَیْدُ بنُ أَسْبَاطِ الْقُرَشِیُّ، ثَنَا أَبِیْ، ثَنَا الأَعْمَشُ، قَالَ: حُدِّثْتُ عَنْ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْ هریرةَ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم قَالَ: "مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ الدُّنْیَا: نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ، وَمَنْ یَسَّرَ عَلَی مُعْسِرٍ فِی الدُّنْیَا: یَسَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فِی الدُّنْیَا وَالآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ عَلَی مُسْلِمٍ فِی الدُّنْیَا: سَتَرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فِی الدُّنْیَا وَالآخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِی عَوْنِ الْعَبْدِ مَاکَانَ الْعَبْدُ فِی عَوْنِ أَخِیْهِ"

وفی الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، هٰذَا حدیثٌ حسنٌ، وَقَدْ رَوَی أَبُوْ عَوَانَةَ وَغَیْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الحدیثَ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْ هریرةَ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم نَحْوَهُ، وَلَمْ یَذْکُرُوْا فِیْهِ: حُدِّثْتُ عَنْ أَبِیْ صَالِحٍ.

بابُ ماجاء فی الذَّبِّ عَنِ المُسْلِمِ

مسلمان کی آبرو بچانا

ذَبَّ عنه: دفع کرنا، بچانا، ہٹانا، اور المسلم سے پہلے عِرْض پوشیدہ ہے، یعنی مسلمان کی آبرو پر کوئی حرف آرہا ہو تو اس کی مدافعت کرنا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِیْهِ: رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ: جس نے اپنے مسلمان بھائی کی آبرو سے پھیرا یعنی اس کی آبرو بچائی مثلاً کوئی شخص اس کی غیبت کر رہا تھا، اس کو روکا تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے قیامت کے دن دوزخ کی آگ پھیر دیں گے (کیونکہ جزاء جنس عمل سے ہوتی ہے، بندے نے مسلمان بھائی کی آبرو بچائی تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے بچائیں گے)

تشریح: باب میں حضرت اسماء بنت یزید کی روایت کا حوالہ ہے، جو بیہقی کی شعب الایمان میں ہے اس سے

اس حدیث کی وضاحت ہوتی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: مَن ذَبَّ عَنْ لَحمِ أَخِيْهِ بِالْمَغِيْبَةِ: كَانَ حَقًّا على الله أَنْ يُعْتِقَهُ مِن النار: جس نے اپنے بھائی کے گوشت سے پیٹھ پیچھے ہٹایا یعنی غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکا تو اللہ تعالیٰ پر یہ بات ثابت ہے کہ وہ اس کو دوزخ سے رستگاری دیں (مشکوۃ حدیث ۴۹۸۱)

[۲۰-] باب ماجاء في الذَّبِّ عَنِ الْمُسْلِمِ

[۱۹۲۸-] حدثنا أحمدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنا عَبْدُ اللهِ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ النَهْشَلِيِّ، عَنْ مَرْزُوْقٍ أَبِي بَكْرٍ التَّيْمِيِّ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيْهِ: رَدَّ اللهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" وفي الباب: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ، هذا حديثٌ حسنٌ.

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ الهَجْرِ لِلْمُسْلِمِ

مسلمان سے ترکِ تعلقات کی ممانعت

هَجْر: باب نصر کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: الگ ہونا، دور ہونا اور مسلمان سے ترکِ تعلق یہ ہے کہ ملاقات پر ایک دوسرے سے اعراض کرے، جاننا چاہئے کہ معاشرہ میں باہم کسی نہ کسی بات پر ناگواری ہو ہی جاتی ہے، جہاں باسن ہوتے ہیں بجتے ہیں، مگر اس کی تھوڑی دیر کے لئے گنجائش ہے، لمبے عرصہ تک ترکِ تعلق خرابیاں پیدا کرتا ہے، اور باب میں جو حدیث ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان تین دن تک ترکِ تعلق کی گنجائش ہے، اس سے زیادہ بات چیت بند رکھنا حرام ہے۔

ایک واقعہ: دو چچازاد بھائیوں میں یعنی حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے درمیان جھگڑا ہوا اور بول چال بند ہوگئی، حقیقت میں دونوں کے نوکروں میں جھگڑا ہوا تھا جو آقاؤں تک پہنچ گیا، تیسرے دن حضرت عبداللہؓ نے حضرت حسینؓ کو پرچہ لکھا جس میں ان کے فضائل لکھے کہ آپ حضور ﷺ کے نواسے ہیں، آپ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، آپ بڑے باپ کے بیٹے ہیں، اور آپ علم وفضل میں بڑھے ہوئے ہیں، پھر لکھا کہ ہمارے درمیان بول چال بند ہے اور حدیث میں ہے کہ تین دن سے زیادہ بول چال بند نہیں رہنی چاہئے، آج تیسرا دن ہے، میں آپ کو موقعہ دیتا ہوں: آپ آکر مجھ سے معافی مانگیں، میں معاف کردوں گا، اور ہماری بول چال شروع ہوجائے گی، کیونکہ معافی مانگنا بھی ایک فضیلت ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ فضیلت بھی آپ کو حاصل ہو، اور اگر آپ اس کے لئے تیار نہیں تو میں معافی مانگنے کے لئے آرہا ہوں، جب یہ پرچہ حضرت حسینؓ کو پہنچا تو فرمایا: میری چادر لاؤ، اور فوراً حضرت عبداللہ کے پاس گئے اور معافی مانگی اور دونوں کے دل صاف ہوگئے۔ اس واقعہ میں ان لوگوں

کے لئے بڑا سبق ہے جن میں کوئی نزاع ہوجائے، اور بات چیت بند ہوجائے۔

فائدہ: خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ باپ اپنی اولاد سے اور شوہر اپنی بیوی سے اور اس کے مانند لوگ مثلاً استاذ اپنے شاگرد سے تین دن سے زیادہ ناراض رہ سکتا ہے، اور دلیل وہ حدیث ہے جو جلد اول (ص:۸٦) میں گذر چکی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج سے ایک مہینہ کے لئے ترکِ تعلق کیا تھا۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عام لوگوں کے درمیان ترکِ تعلق سادہ معاملہ ہوتا ہے اور وہ کسی کدروت کا نتیجہ ہوتا ہے، اور مذکورہ صورتوں میں باپ، شوہر اور استاذ کے پیش نظر اولاد، بیوی اور شاگرد کی تربیت بھی ہوتی ہے، اور ضروری نہیں کہ تین دن میں ماتحت کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے، اس لئے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق کی گنجائش ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عام لوگوں کے درمیان جب اس قسم کا معاملہ پیش آتا ہے اور بہت دنوں تک بات چیت بند رہتی ہے تو بات بگڑتی چلی جاتی ہے اور باپ اور اولاد کے درمیان اور شوہر اور بیوی کے درمیان اور استاذ اور شاگرد کے درمیان جب اس قسم کا معاملہ پیش آتا ہے تو معاملہ بگڑنے کا احتمال نہیں ہوتا کیونکہ ان کو ہر حال میں ایک ساتھ رہنا ہے، اس لئے تین دین سے زیادہ ترکِ تعلق کی گنجائش ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَايَحِلُّ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلاَثٍ: کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق کرے۔ يَلْتَقِيَانِ: فَيَصُدُّ هٰذَا، وَيَصُدُّ هذا: دونوں ایک دوسرے سے ملتے ہیں: پس یہ اعراض کرتا ہے اور وہ اعراض کرتا ہے، یہ ترکِ تعلق کی نشانی ہے اور اگر اتفاق سے بہت دنوں تک ملاقات نہ ہو تو وہ ترکِ تعلق نہیں۔ وَخَيْرُهُما الَّذِى يَبْدَأُ بالسلام: اور دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں ابتداء کرے، یعنی تعلقات بحال کرنے میں پہل کرے اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جیسے پہلے تعلقات تھے ویسے ہوجانے ضروری نہیں، سلام کلام شروع ہوجانا چاہئے، اتنی بات کافی ہے۔

[٢١-] باب ماجاء في كراهية الهَجْرِ لِلْمُسْلِمِ

[١٩٢٩-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا الزُّهْرِيُّ، ح: وَثَنَا سَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ الأَنْصَارِيِّ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَايَحِلُّ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلاَثٍ، يَلْتَقِيَانِ: فَيَصُدُّ هٰذَا وَيَصُدُّ هٰذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِى يَبْدَأُ بِالسَّلاَمِ"

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، وأَنَسٍ، وأَبِي هريرةَ، وَهِشَامِ بنِ عَامِرٍ، وأَبِي هِنْدٍ الدَّارِيِّ؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی مُوَاسَاةِ الأَ خِ

مسلمان کی غم خواری کرنا

مواسات: غم خواری کرنا، شریک غم ہونا، تسلی دینا۔ اور آسَی فُلَانًا بمالِه کے معنی ہیں: اپنے مال میں سے دینا، اور اپنے مال میں برابر کا شریک کرنا، باب میں دونوں معنی مراد ہیں اور حدیث کا باب سے تعلق دوسرے معنی کے اعتبار سے ہے، اور پہلے معنی استدلال سے ثابت ہونگے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو نبی ﷺ نے ان کو اور حضرت سعد بن الربیع کو بھائی بھائی قرار دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کو گھر لے گئے اور رات کو عشاء کے بعد دونوں بھائی بیٹھے، حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا: آئیں! ہم دونوں میرا مال آدھا آدھا بانٹ لیں، اور میری دو بیویاں ہیں، میں ان میں سے ایک کو طلاق دوں، جب اس کی عدت گذر جائے تو آپ اس سے نکاح کر لیں، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنے بھائی کو دعا دی: بارك الله لك فی أَهْلِك و مالك: اللہ آپ کی فیملی میں اور آپ کے مال میں برکت فرمائیں یعنی حضرت عبدالرحمٰن نے بھائی کی پیش کش قبول نہیں کی، پھر دونوں بھائی سو گئے، صبح حضرت عبدالرحمٰنؓ نے پوچھا: مدینہ کی مارکیٹ کہاں ہے؟ میری راہنمائی کرو، لوگوں نے ان کی رہنمائی کی، وہ بازار گئے اور بغیر سرمایہ کے کاروبار شروع کیا، جب وہ شام کو گھر لوٹے تو اپنے ساتھ کچھ پنیر اور گھی لائے، یہ انھوں نے دن بھر کے کاروبار میں سے بچالیا تھا یعنی اتنا نفع ہوا تھا، چند دن کے بعد نبی ﷺ نے ان کے کپڑوں پر صُفرہ کا اثر دیکھا، یہ ایک زنانی خوشبو تھی اور اس آدمی کے کپڑوں پر اس کا اثر ہوتا تھا جس کی بیوی ہو، اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ابھی ہجرت کر کے آئے تھے، ان کی بیوی نہیں تھی، چنانچہ آپؐ کو حیرت ہوئی اور آپؐ نے پوچھا: مَهْيَم: یہ کیا ہے؟ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے ایک انصاری خاتون سے شادی کر لی ہے (یہاں سے آگے حدیث ۱:۱۲۹ پر گذر چکی ہے) نبی ﷺ نے پوچھا: کیا مہر دیا؟ انھوں نے عرض کیا: ایک گٹھلی، حدیث کے راوی حمید طویل کہتے ہیں: یا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سونے کی گٹھلی کا وزن (اس کی تشریح تحفۃ الالمعی کتاب النکاح باب ۱۰، ۳:۵۱۲ میں گذر چکی ہے) پس حضور ﷺ نے فرمایا: أَوْلِمْ و لو بشاةٍ: ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری کا ہو (یہ لو تقلیل کے لئے ہے یا تکثیر کے لئے؟ ہندوستان کے احوال کے اعتبار سے تکثیر کے لئے ہے ہم لوگ چڑیا شکار کرتے ہیں تو سارے محلے کی دعوت کرتے ہیں اور عربوں کے اعتبار سے تقلیل کے لئے ہے، عرب بیس آدمیوں کے درمیان ایک بکری ذبح کرتے ہیں)

[۲۲-] باب ماجاء في مُوَاسَاةِ الأَخِ

[۱۹۳۰-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ عَبْدُ الرحمنِ بنُ عَوْفٍ الْمَدِيْنَةَ، آخَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بنِ الرَّبِيْعِ، فَقَالَ لَهُ: هَلُمَّ أُقَاسِمْكَ مَالِيْ نِصْفَيْنِ، وَلِيَ امْرَأَتَانِ، فَأُطَلِّقُ إِحْدَاهُمَا، فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجْهَا، فَقَالَ: بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ! دُلُّوْنِيْ عَلَى السُّوْقِ، فَدَلُّوْهُ عَلَى السُّوْقِ، فَمَا رَجَعَ يَوْمَئِذٍ إِلَّا وَمَعَهُ شَيْئٌ مِنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ، قَدْ اسْتَفْضَلَهُ، فَرَآهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَعْدَ ذٰلِكَ، وَعَلَيْهِ وَضَرُ صُفْرَةٍ، فَقَالَ: "مَهْيَمْ؟" فَقَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: "فَمَا أَصْدَقْتَهَا؟" قَالَ: نَوَاةً، قَالَ حُمَيْدٌ، أَوْ قَالَ: وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: "أَوْ لِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَالَ أَحْمَدُ بنُ حَنْبَلٍ: وَزْنُ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ: وَزْنُ ثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ وَثُلُثٍ، وَقَالَ إِسْحَاقُ: وَزْنُ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ: وَزْنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ، أَخْبَرَنِيْ بِذٰلِكَ إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، عَنْ أَحْمَدَ بنِ حَنْبَلٍ، وَإِسْحَاقَ.

بابُ ماجاء في الْغِيْبَةِ

غیبت کا بیان

کتاب الصوم (باب ۱۶) میں روزہ دار کی غیبت کا بیان آیا ہے، وہاں غیبت کی تفصیل بھی آئی ہے۔ یہاں حدیث میں غیبت کی تعریف ہے: لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! غیبت کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ذِکْرُكَ أَخَاكَ بما یَکْرَہُ تیرا اپنے بھائی کا تذکرہ کرنا ایسی بات کے ذریعہ جو اسے ناگوار ہو (خواہ یہ تذکرہ لفظوں سے ہو یا اشارہ سے، سب غیبت میں شامل ہے) سائل نے پوچھا: اگر میرے دینی بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں؟ یعنی اگر اس کے کسی واقعی عیب کو بیان کروں تو کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: إن کان فیه ما تقول فقد اغْتَبْتَهُ، وإن لم یکن فیه ماتقول فقد بَهَتَّه: اگر اس میں وہ بات ہے جو آپ بیان کررہے ہیں تو آپ نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ بات نہیں جو آپ کہہ رہے ہیں تو آپ نے اس پر بہتان باندھا۔

تشریح: غیبت نہایت بری چیز ہے، اس کی قباحت وشناعت اس درجہ کی ہے کہ قرآن کریم نے خصوصیت کے ساتھ اس کی حرمت بیان کی ہے۔ سورۃ الحجرات آیت ۱۲ میں ہے: ﴿وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا﴾ اورکوئی کسی کی غیبت نہ کرے ﴿أَیُحِبُّ أَحَدُکُمْ أَنْ یَأْکُلَ لَحْمَ أَخِیْهِ مَیْتًا، فَکَرِهْتُمُوْهُ﴾ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند

کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تو تم برا سمجھتے ہو! (پھر غیبت کیوں کرتے ہو؟ غیبت بھی تو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا ہے!) ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ﴾ اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ تعالیٰ بڑے توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان ہیں۔

حضرت تھانوی قدس سرہ نے ترجمہ کے حاشیہ میں لکھا ہے: محقق یہ ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے، البتہ جس سے بہت کم تاذّی ہو وہ صغیرہ ہوسکتا ہے اور بلا اضطرار غیبت سننا مثل غیبت کرنے کے ممنوع ہے۔

غیبت کا جواز: اور علماء نے بیان کیا ہے کہ چھ صورتوں میں غیبت جائز ہے۔

پہلی صورت: مظلوم کے لئے جائز ہے کہ بادشاہ، قاضی یا ایسے شخص سے ظلم کا شکوہ کرے جس سے فریادرسی کی امید ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے مگر مظلوم مستثنیٰ ہے'' (النساء آیت ۱۴۸) یعنی مظلوم اگر ظالم کے خلاف حرفِ شکایت زبان پر لائے تو جائز ہے۔

دوسری صورت: کسی امر منکر میں تبدیلی اور نافرمان کو راہ راست پر لانے کے لئے کسی سے مدد طلب کرنے کے لئے برائی کرے تو جائز ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو عبداللہ بن ابی منافق کی وہ دو باتیں پہنچائی تھیں جو سورۃ المنافقین آیات ۷ و ۸ میں مذکور ہیں (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۲) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حنین کی غنیمت کی تقسیم میں انصار کی بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچائی تھی (بخاری حدیث ۳۱۵۰)

تیسری صورت: فتوی حاصل کرنے کے لئے کسی کی غیبت کرنی پڑے تو جائز ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہندہؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو میرے اور میری اولاد کے لئے کافی ہو الی آخرہ (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۳)

چوتھی صورت: مسلمانوں کو شر سے بچانے کے لئے کسی کی برائی کرنی پڑے تو جائز ہے، جیسے ایک شخص نے نبی ﷺ کے پاس حاضری کی اجازت چاہی، آپؐ نے فرمایا: آنے دو، قبیلہ کا برا آدمی ہے (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۲۹) اور جیسے ضعیف راویوں پر جرح کرنا اور جیسے نبی ﷺ کا یہ ارشاد: ''معاویہ تو کنگال ہیں، ان کے پاس کچھ نہیں، اور ابوالجہم کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے'' (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۱)

پانچویں صورت: جو شخص کھلے عام فسق وفجور میں مبتلا ہو، لوگوں کو اس سے متنفر کرنے کے لئے اس کی برائی کرنا جائز ہے، جیسے نبی ﷺ نے دو منافقوں کے بارے میں فرمایا: ''میں نہیں خیال کرتا کہ فلاں اور فلاں ہمارے دین سے کچھ بھی جانتے ہوں!'' (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۰)

چھٹی صورت: کسی کا کوئی ایسا لقب ہو جس میں برائی ہو تو پہچان کے لئے اس کا تذکرہ جائز ہے، جیسے اعمش (چندھیا) اور اعرج (لنگڑا) وغیرہ (رحمۃ اللہ ۵:۵۷۸)

[٢٣-] باب ماجاء في الغِيْبَةِ

[١٩٣١-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنِ العَلاءِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَيْلَ: يَارسولَ اللّٰهِ! مَا الغِيْبَةُ؟ قَالَ: " ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ" قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيْهِ مَا أَقُوْلُ؟ قَالَ: "إِنْ كَانَ فِيْهِ مَاتَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهُ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ بَرْزَةَ، وابنِ عُمَرَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في الْحَسَدِ

حسد کا بیان

حسد کی دوقسمیں ہیں: حقیقی اور مجازی:

حقیقی حسد: کسی کی خوش حالی اور نصیبہ وری پر جلنا، اور یہ تمنا کرنا کہ اس کی نعمت اور خوش حالی ختم ہو جائے، خواہ وہ نعمت حاسد کو ملے یا نہ ملے، بہر حال محسود کے پاس نہ رہے، یہ حسد بہ اجماع امت حرام ہے، اور اس کی حرمت صحیح اور صریح نصوص سے ثابت ہے، اور اس میں کوئی استثناء نہیں۔

مجازی حسد: جس کا دوسرا نام غبطہ اور رشک بھی ہے یعنی یہ آرزو کرنا کہ دوسرے کو جو نعمت حاصل ہے وہ اسے بھی مل جائے۔ یہ مجازی حسد: اگر دنیوی امور میں ہے تو جائز ہے، اور عبادات میں ہے تو مستحب (پسندیدہ) ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾[التطفیف ٢٦] یعنی حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنی چاہئے، تَنَافُس: کسی کو نقصان پہنچائے بغیر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا، پس نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا مامور بہ ہے اور آیتِ پاک میں یہ ارشاد ہے کہ جسے ریس کا شوق ہو — اور یہ شوق ہر شخص میں ہوتا ہے — وہ آئے اور جنت کی نعمتیں حاصل کرنے میں ریس کرے۔

باب کی پہلی حدیث میں حسد کی پہلی قسم کا بیان ہے، اور دوسری حدیث میں دوسری قسم کا:

پہلی حدیث: نبی ﷺ نے چھ احکام بیان فرمائے:

١- لَاتَقَاطَعُوْا: ایک دوسرے سے بے تعلق مت ہو جاؤ، یعنی آپس کی ملاقاتیں بند مت کرو، تَقَاطَعَ القومُ کے معنی ہیں: لوگوں نے باہم تعلقات ترک کر لئے، ایک دوسرے سے دل میلے ہو گئے اور انھوں نے ملنا جلنا بند کر دیا، ایسا کرنا فسادذات البین کا پیش خیمہ ہے۔

٢- وَلَا تَدَابَرُوْا: اور باہم قطع تعلق مت کرو، الدُّبُر کے معنی ہیں: پیٹھ اور باب تفاعل میں معنی ہیں: ایک

دوسرے کی طرف پیٹھ پھیرنا یعنی جب ملنے کا موقعہ آئے تو ہر ایک دوسرے کی طرف منہ کرنے کے بجائے پیٹھ کرے، پس تقاطع اور تدابر کے معنی قریب قریب ہیں، البتہ تدابر کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

۳-وَلَا تَبَاغَضُوْا: اور ایک دوسرے سے بغض ودشمنی مت رکھو یعنی ایک دوسرے سے شدید نفرت مت کرو، بغض کے معنی: نفرت اور دشمنی کے ہیں، پس تباغض کا درجہ تدابر سے بڑھا ہوا ہے۔

۴-وَلَا تَحَاسَدُوْا: اور (دشمنی کی وجہ سے) ایک دوسرے پر مت جلو، اس کی خوش حالی اور نصیبہ وری کے زوال کی تمنا مت کرو، پس تحاسد کا درجہ تباغض سے بھی اوپر ہے اور یہ آخری درجہ ہے، اس کے بعد جو کچھ ہوسکتا ہے (جادو کرنا، قتل کرنا وغیرہ) اس سے اللہ کی پناہ!

۵-وَكُوْنُوْا عبادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا: اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، یہ حکم مثبت پہلو سے دیا تاکہ مذکورہ چار خرابیاں وجود میں نہ آئیں، اور بھائی کیونکر بنیں؟ اس کا طریقہ بھی ساتھ ہی بتادیا کہ تم سب اللہ کے بندے ہو، جس کو جو خوبی اور نعمت ملی ہے وہ اللہ کی طرف سے ملی ہے، پھر ایک دوسرے پر جلنے کے کیا معنی؟ اس بات کا اگر آدمی صحیح ادراک کرلے تو آپس کے سارے خرخشے ختم ہوجائیں اور سب مسلمان بھائی بھائی بن جائیں۔

علاوہ ازیں: باہمی الفت ومحبت پیدا کرنے کے اور بھی طریقے ہیں، ابھی حدیث گذری ہے کہ دین خیر خواہی کا نام ہے، اگر ہر شخص دوسرے کا خیر خواہ بن جائے تو خود بخود محبت پیدا ہوگی ...... اور مسلم شریف کی روایت ہے: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتلاؤں کہ جب تم اس کو کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ سلام کو آپس میں رواج دو (مشکوۃ حدیث ۴۶۳۱)

۶-ولایَحِلُّ للمسلمِ أنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثلاثٍ: اور مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ بے تعلق رہے، یہ منفی پہلو سے حکم دیا تاکہ مذکورہ چار خرابیاں وجود میں نہ آئیں، کچھ دیر رنجش تو ایک معاشرتی ضرورت ہے اور تین دن کافی مدت ہے، اتنے دنوں میں جوش تھم جاتا ہے، پس تین دن کے اندر صفائی ہوجانی چاہئے تاکہ بات آگے نہ بڑھے۔

دوسری حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لاَحَسَدَ إلا في اثنتين: حسد نہیں مگر دو باتوں میں، رجلٌ أتاه الله مالاً فهو يُنْفِقُ منه آناءَ الليل و آناءَ النهار: ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو، پس وہ اس سے رات کی گھڑیوں میں اور دن کی گھڑیوں میں خرچ کرتا ہو، ورجلٍ آتاه الله القرآنَ، فهو يقوم به آناءَ الليل و آناء النهار: دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہو یعنی وہ حافظ ہو، پس وہ اس کے ذریعہ رات کی گھڑیوں میں اور دن کی گھڑیوں میں نفلیں پڑھتا ہو۔

تشریح: اس حدیث میں حسد: مجازی معنی میں ہے یعنی ان دو شخصوں پر رشک کرنا چاہئے، اور ان دو کاموں (انفاق اور نوافل) سے مراد تمام دینی کام اور عبادات ہیں، اور ان دو باتوں کا تذکرہ بطور مثال ہے، اور دنیوی امور

میں رشک محض مباح ہے، اس لئے اس کی کچھ ترغیب نہیں دی، لاحَسَدَ میں ترغیب ہے کہ دینی کاموں میں ایک دوسرے کی ریس کرو۔

[٢٤-] باب ماجاء في الحَسَدِ

[١٩٣٢-] حدثنا عَبْدُ الْجَبَّارِ بنُ العَلاءِ بنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ العَطَّارُ، وَسَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَاتَقَاطَعُوْا، وَلَا تَدَابَرُوْا، وَلَا تَبَاغَضُوْا، وَلَا تَحَاسَدُوْا، وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا، وَلَا يَحِلُّ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وفي الباب: عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ، وَالزُّبَيْرِ بنِ العَوَّامِ، وابنِ عُمَرَ، وَابْنِ مَسْعُوْدٍ، وأَبِيْ هريرةَ.

[١٩٣٣-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَاحَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٍ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا، فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٍ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ، فَهُوَ يَقُوْمُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ وَأَبِيْ هريرةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوُ هٰذَا.

وضاحت: في اثنتين: أي في خَصْلَتَيْن: دو باتوں میں ...... رجلٍ: أي في خصلةِ رجلٍ ...... الآناء کا واحد اَنْیٌ ہے ...... اور رجل پر دونوں جگہ رفع بھی پڑھ سکتے ہیں۔

بابُ ماجاء في التَّبَاغُضِ

ایک دوسرے سے عداوت رکھنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إنَّ الشّيطان قد أَيِسَ أَنْ يُّعْبُدَهُ المُصَلُّوْنَ: شیطان بالیقین اس بات سے مایوس ہوگیا ہے کہ نمازی بندے اس کی بندگی کریں، ولكن في التَّحْرِيْسِ بينهم: البتہ وہ نمازی بندوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے میں لگا ہوا ہے اور وہ امید باندھے ہوئے ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہوجائے گا۔

تشریح: حدیث کے پہلے جملہ میں: المسلمون یا المؤمنون فرمانے کے بجائے المصلّون فرمایا یعنی شیطان نمازی بندوں سے مایوس ہوگیا ہے کہ وہ اس کی پوجا کریں، یعنی مرتد ہوکر شرک کی طرف پلٹ جائیں۔ اس

میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو پابندی سے نماز پڑھتا ہے وہ ان شاء اللہ! ارتداد سے محفوظ رہے گا، حج کی بھی یہی خاصیت ہے، جو حج کرلیتا ہے وہ ارتداد سے محفوظ ہوجاتا ہے، ابواب الحج کے شروع (باب ۳) میں یہ روایت آئی ہے کہ جو شخص زاد وراحلہ کا مالک ہو اور کوئی عذر بھی نہ ہو، پھر بھی حج نہ کرے تو وہ یہودی یا نصرانی ہوکر کیوں نہیں مرتا! یعنی اگر وہ ارتداد کا شکار ہوجائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے! اور مشاہدہ بھی یہی ہے، جو لوگ نماز کے پابند ہیں ان کے ارتداد کا کوئی واقعہ سننے میں نہیں آیا، اور جو مسلمان تارک صلوٰۃ ہیں ان کے ارتداد کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، پس مسلمانوں کو نماز کا اہتمام کرنا چاہئے اور وسعت ہو تو حج بھی کرنا چاہئے۔

اور حدیث کا باب سے تعلق اس طرح قائم ہوگا کہ جب شیطان نمازیوں کو آپس میں لڑانے کی امید باندھے ہوئے ہے تو وہ پہلے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرے گا، پھر تباغض یعنی ایک دوسرے سے شدید نفرت اور دشمنی پیدا کرے گا، پھر تلواریں نکلیں گی پس شیطان کو اس سے بھی مایوس کرنے کے لئے مسلمانوں کو آپسی نفرت وعداوت سے بچنا چاہئے، تاکہ شیطان کی مراد پوری نہ ہو۔

[۲۵-] باب ماجاء فی التَّبَاغُضِ

[۱۹۳٤-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِى سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ، وَلٰكِنْ فِى التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ"

وفى الباب: عَنْ أَنَسٍ، وَسُلَيْمَانَ بنِ عَمْرِو بنِ الأَحْوَصِ، عَنْ أَبِيْهِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وأَبُوْ سُفْيَانَ: اسْمُهُ طَلْحَةُ بنُ نَافِعٍ.

وضاحت: أَيِسَ يَيْئَسُ أَيْسًا وَإِيَاسًا: ناامید ہونا، مایوس ہونا ...... أَنْ سے پہلے مِنْ پوشیدہ ہے ...... التَّحْرِيْش: شرانگیزی، فتنہ پروری، حَرَّشَ بين القوم: لڑائی کرانا، ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانا۔

بابُ ماجاء فی إِصْلَاحِ ذَاتِ البَيْنِ

لوگوں کے درمیان تعلقات سنوارنا

باب میں لفظ ذات زائد ہے، اور بین ظرف مبہم ہے، اس کی دو اسموں کی طرف اضافت ہوتی ہے جیسے: جَلَسْتُ بين زَيْدٍ وعمروٍ، اور کبھی ایک ایسے اسم کی طرف اضافت ہوتی ہے جو دو اسموں کے قائم مقام ہوتا ہے، جیسے بین ذلك اور بینهم، اور کبھی مضاف الیہ کے عوض میں بَيْنَ پر الف لام لاتے ہیں اس وقت لفظ ذات زائد بڑھاتے ہیں، جیسے إصلاحُ ذات البين۔

اگر پوری احتیاط کے باوجود معاشرہ میں آگ لگ جائے تو عقلمندی کی بات یہ ہے کہ ہر شخص اس کو بجھانے کی فکر کرے یعنی اگر لوگوں میں نزاع ہو جائے یا دو شخصوں کے معاملات بگڑ جائیں تو سمجھ داروں کو دونوں کے بیچ میں پڑنا چاہئے، اور صلح صفائی کی کوشش کرنی چاہئے، ورنہ آگ بڑھ کر ساری بستی کو لپیٹ میں لے لیگی، دو کا اختلاف کہاں تک بڑھے گا؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا، اسی لئے قرآن کریم میں میاں بیوی کے نزاع کی صورت میں صلح کی تلقین کی ہے، سورۃ النساء (آیت ۱۲۸) میں ارشاد پاک ہے: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ یعنی نزاع سے صلح بہتر ہے، اور احادیث شریفہ میں اس مقصد سے کذب کی بھی اجازت دی ہے، اگرچہ کذب حرام ہے، اور علماء میں اس کے جواز میں اختلاف ہے، مگر باب میں جو دو حدیثیں ہیں (ایک: اسماء بنت یزید کی، دوسری: ام کلثوم بنت عقبہ کی) ان میں کذب کی اجازت دی گئی ہے، یہ اجازت مقصد کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، یعنی اصلاح ذات البین اتنا اہم مقصد ہے کہ اس کے لئے ایک محذور شرعی کا بھی ارتکاب کیا جاسکتا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: لَايَحِلُّ الْكِذْبُ إلافي ثلاثٍ: جھوٹ جائز نہیں مگر تین باتوں میں: (۱) يُحَدِّثُ الرجلُ امرأتَه لِيُرْضِيَهَا: آدمی اپنی بیوی کو پٹانے کے لئے اس سے کوئی (جھوٹی) بات کہے (۲) والْكِذْبُ في الحَرْبِ: اور جنگ کے موقع پر جھوٹ بولنا (۳) والْكِذْبُ لِيُصْلِحَ بينَ الناسِ: اور لوگوں کے درمیان تعلقات سنوارنے کے لئے جھوٹ بولنا۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ کے استاذ محمد بن بشار نے لَايَحِلُّ کہا ہے اور ان کے دوسرے استاذ محمود بن غیلان نے لَايَصْلُح کہا ہے، یعنی جھوٹ مناسب نہیں مگر تین باتوں میں۔ اور یہ حدیث عبداللہ بن عثمان بن خُثَیم کی سند سے متصل ہے وہ سند کے آخر میں حضرت اسماءؓ کا ذکر کرتے ہیں اور شہر بن حوشب کے دوسرے شاگرد داؤد بن ابی ہند کی سند سے مرسل ہے یعنی وہ آخر میں حضرت اسماء کا ذکر نہیں کرتے۔ پس حدیث کے وصل وارسال میں اختلاف ہوا، یہ حدیث میں دوسری خرابی ہوئی، اور ان دونوں باتوں کا کہ حدیث میں لَايَحِلُّ ہے یا لَايَصْلُح؟ اور حدیث مسند ہے یا مرسل؟ ان دونوں باتوں کا استدلال پر اثر پڑے گا کہ صریح جھوٹ جائز ہے یا نہیں؟ اور باب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جو حوالہ ہے وہ حدیث معلوم نہیں کس کتاب میں ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَيس بِالْكَاذِبِ مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ الناسِ، فَقَالَ خَيْراً، أَوْنَمَا خَيْراً: وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان معاملات کو سنوارتا ہے، پس وہ کوئی بھلی بات کہتا ہے یا وہ کوئی بھلی بات منسوب کرتا ہے، نما الحدیثَ کے معنی ہیں: حدیث کی سند بیان کرنا، اور درست طریقہ پر اسے نقل کرنا اور کسی کی طرف کوئی بات منسوب کرنا، یہاں فریقین میں سے کسی کی طرف کوئی بات منسوب کرنا مراد ہے۔

تشریح: دونوں حدیثوں کی باب پر دلالت واضح ہے، اصلاح ذات البین کی اس درجہ اہمیت ہے کہ اس کے

لئے کذب کی بھی گنجائش ہے، مگر علماء کے درمیان اس میں شدید اختلاف ہے کہ اس مقصد سے بھی صریح جھوٹ بولنا جائز ہے یا نہیں؟ بلکہ پہلا اختلاف اس میں ہوا ہے کہ کذب کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟

کذب کی حقیقت و ماہیت:

مختصر المعانی (فن اول کا شروع بعنوانِ تنبیہ) میں آپ نے اس سلسلہ میں اختلاف پڑھا ہے، جمہور کہتے ہیں: صدق (سچ) یہ ہے کہ نسبتِ کلامی اور نسبتِ واقعی میں اتحاد ہو، اور کذب (جھوٹ) یہ ہے کہ دونوں میں اختلاف ہو، جیسے کہا کہ ''زید کھڑا ہے'' اس میں نسبتِ ایجابی ہے، پس اگر خارج میں بھی زید کھڑا ہے تو کلام سچا ہے اور اگر خارج میں زید کھڑا نہیں ہے تو کلام جھوٹا ہے، اسی طرح ''زید کھڑا نہیں ہے'' کا معاملہ ہے۔

اور نظّام کہتا ہے: اگر نسبتِ کلامی اور نسبتِ واقعی میں مطابقت خبر دینے والے کے اعتقاد میں ہے تو کلام سچا ہے اگر چہ وہ اعتقاد غلط ہو، اور اگر مطابقت نہیں ہے تو کلام جھوٹا ہے، مثلاً ایک شخص کہتا ہے: ''زید کھڑا ہے'' اور وہ یہی سمجھتا ہے کہ زید کھڑا ہے مگر نفس الامر میں زید کھڑا نہیں ہے تو یہ کلام سچا ہے، اور اگر وہ کہتا ہے کہ زید کھڑا نہیں ہے، اور وہ ایسا ہی سمجھتا ہے کہ زید کھڑا نہیں ہے مگر نفس الامر میں زید کھڑا ہے تو بھی کلام سچا ہے اور اگر کوئی کہتا ہے: زید کھڑا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ کھڑا نہیں ہے مگر خارج میں کھڑا ہے تو یہ کلام جھوٹا ہے، کیونکہ نسبتِ کلامیہ اور نسبتِ خارجیہ اگر چہ واقع میں مطابق ہیں مگر خبر دینے والے کے اعتقاد میں مطابق نہیں۔

اور جاحظ: صدق و کذب میں دو باتوں کا اجتماع ضروری قرار دیتے ہیں: ایک: نسبتِ کلامیہ اور نسبتِ خارجیہ میں مطابقت یا عدم مطابقت۔ دوم: خبر دینے والے کا اس مطابقت یا عدم مطابقت پر اعتقاد، چنانچہ ان کے نزدیک چار صورتیں ایسی نکلتی ہیں جو نہ سچ ہوتی ہیں نہ جھوٹ، تفصیل مختصر المعانی میں ہے[1]

(۱) طلبہ نظّام اور جاحظ کی تعریفات میں فرق نہیں کر پاتے اس لئے جاننا چاہئے کہ جمہور کے نزدیک صدق و کذب کی تعریف یہ ہے: صِدْقُ الخَبَرِ: مطابَقَتُه للواقع، وكِذبُه: عدمُ مَطَابَقَتِه للواقع: یعنی اگر نسبتِ کلامیہ، نسبتِ واقعیہ کے مطابق ہے تو کلام سچا ہے ورنہ جھوٹا ہے۔

اور نظّام کہتے ہیں: صِدْقُ الخبرِ: مطابَقَتُهُ لِاعْتِقَادِ الْمُخْبِرِ، وَكِذْبُه: عدمُ مطابَقَتِه لاعتقاد المُخْبِرِ: یعنی اگر نسبتِ کلامیہ خبر دینے والے کے اعتقاد کے ساتھ موافق ہے (چاہے وہ اعتقاد نفس الامر میں غلط ہو) تو وہ کلام سچا ہے، اور اگر نسبتِ کلامیہ خبر دینے والے کے اعتقاد کے موافق نہیں (اگر چہ یہ موافق نہ ہونا غلط ہو) تو وہ کلام جھوٹا ہے، جیسے کوئی کہے کہ آسمان ہمارے نیچے ہے اور وہ یہی سمجھتا ہے، تو یہ کلام سچا ہے اور اگر وہ ایسا نہیں سمجھتا تو کلام جھوٹا ہے۔

اور جاحظ کہتے ہیں: صِدقُ الخبر: مطابَقَتُه للواقع مع اعتقاد المُطَابَقَةِ، وكذبُه: عدمُ مطابَقَتِه للواقع مع اعتقاد عدم المطابقةِ: یعنی نسبتِ کلامیہ، نسبتِ واقعیہ کے مطابق بھی ہو اور خبر دینے والا اس کو مطابق بھی سمجھتا ہو تو ←

اور لغت میں کذب دو معنی میں مستعمل ہے، ایک: جھوٹ بولنا، یعنی خلافِ واقعہ خبر دینا، دوم: غلطی ہو جانا، خواہ یہ غلطی زبان کرے، گمان کرے، آنکھ کرے، کان کرے یا دل کرے، چنانچہ سورۃ النجم میں ہے: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی﴾ دل نے دیکھی ہوئی بات میں کوئی غلطی نہیں کی۔

علاوہ ازیں معراض (جمع مَعاریض) یعنی توریہ کو کذب سے خارج کیا گیا ہے، توریہ میں متکلم کی مراد کے اعتبار سے کلام سچا ہوتا ہے، اور مخاطب کے فہم کے اعتبار سے کلام جھوٹا ہوتا ہے، اور حدیث میں ہے: إِنَّ فی المَعَارِيْضِ لَمَنْدُوْحَةً عَنِ الْكِذْبِ: یعنی توریہ کے ذریعہ جھوٹ سے بچا جا سکتا ہے، معلوم ہوا کہ توریہ جھوٹ نہیں ہے۔

توریہ کے چند واقعات:

۱- ابن جوزی رحمہ اللہ بڑے مقرر تھے، وہ ایک ایسے مجمع میں تقریر کے لئے گئے جس میں شیعہ اور سنی دونوں جمع تھے، کسی نے سوال کیا: حضرت ابوبکر افضل ہیں یا حضرت علی؟ ابن جوزی کے لئے پریشانی کھڑی ہوگئی، اگر حضرت ابوبکرؓ کو افضل کہتے ہیں تو شیعہ ناراض ہو جاتے ہیں، اور حضرت علیؓ کو افضل کہتے ہیں تو بات خلافِ واقعہ بھی ہوتی ہے اور سنی ناراض ہو جاتے ہیں، چنانچہ انھوں نے برجستہ جواب دیا: أفضل الصحابة من كان بِنْتُه فی بَيْتِه: صحابہ میں سب سے افضل وہ ہیں جن کی بیٹی ان کے گھر میں ہے، سنیوں نے سمجھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضور اکرم ﷺ کے گھر میں تھیں، پس وہ افضل ہیں اور شیعوں نے سمجھا کہ حضور ﷺ کی بیٹی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں، پس وہ افضل ہیں، یوں ابن جوزیؒ نے چکمہ دیدیا۔

۲- اور جب نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سفر ہجرت میں نکلے تو ایک کافر جو حضور اقدس ﷺ کی تلاش میں تھا آ پہنچا، وہ حضرت ابوبکرؓ کو پہچانتا تھا اور حضور ﷺ کو نہیں جانتا تھا، اس نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: رجلٌ يَهْدِيْنِیْ السبيل: ایک آدمی ہے جو مجھے راستہ دکھاتا ہے، حضرت ابوبکر کی مراد یہ تھی کہ یہ ہمارے پیغمبر ہیں، ہمیں دین کی راہ دکھاتے ہیں مگر وہ کافر سمجھا کہ یہ

← کلام سچا ہے اور اگر نسبتِ کلامیہ نسبتِ واقعیہ کے مطابق نہ ہو اور خبر دینے والے کا اعتقاد بھی یہی ہو تو وہ کلام جھوٹا ہے، پس چار شکلیں ایسی نکلیں گی کہ کلام نہ سچا ہوگا نہ جھوٹا: (۱) نفس الامر میں دونوں نسبتوں میں مطابقت ہو مگر خبر دینے والے کے اعتقاد میں مطابقت نہ ہو (۲) یا خبر دینے والا خالی الذہن ہو (۳) نفس الامر میں مطابقت نہ ہو مگر خبر دینے والے کے اعتقاد میں مطابقت ہو (۴) یا خبر دینے والا خالی الذہن ہو: تو ان چار صورتوں میں کلام نہ سچا ہوگا نہ جھوٹا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور صرف واقعہ یعنی خارج کے ساتھ نسبتِ کلامیہ کی موافقت یا عدم موافقت دیکھتے ہیں اور نظام صرف مخبر کے اعتقاد کے ساتھ موافقت یا عدم موافقت دیکھتے ہیں اور جاحظ دونوں کے ساتھ موافقت یا عدم موافقت دیکھتے ہیں، امید ہے اب بات طلبہ کی سمجھ میں آ جائے گی۔

ابوبکر کے گائڈ ہیں، جس کو وہ راہنمائی کے لئے ساتھ لائے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین کذبات:

۱- جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی دُرگت بنائی اور کفار نے ان سے پوچھا: ﴿ ءَ أَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيْمُ؟ ﴾ کیا تم نے ہمارے بتوں کی یہ درگت بنائی ہے اے ابراہیم؟ تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا: ﴿بَلْ فَعَلَهُ﴾ بلکہ کیا ہے اس کو (کسی کرنے والے نے) ﴿كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ إِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ﴾ ان کا بڑا یہ ہے، پس ان ٹوٹے ہوؤں سے پوچھو اگر وہ بولتے ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ یہ کام کسی کرنے والے نے کیا ہے اور جس نے بھی کیا ہے اس کا ذکر چھوڑ و، بڑا بت یہ ہے جس کے گلے میں کلہاڑی لٹک رہی ہے، پس بظاہر اس نے یہ حرکت کی ہے، مگر قوم نے کبیرھم کو فَعَلَ کا فاعل بنایا اور یہ سمجھا کہ ابراہیم یہ کہہ رہے ہیں کہ اس بڑے بت نے یہ حرکت کی ہے، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ مراد نہیں تھی، پس یہ توریہ ہوا جھوٹ نہیں ہوا۔

۲- اسی طرح جب قوم میلے میں چلی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی چلنے کے لئے کہا تو حضرت نے ستاروں کی طرف دیکھا اور فرمایا: ﴿إِنِّيْ سَقِيْمٌ﴾: میری طبیعت ناساز (ناموافق) ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف خواہ مخواہ دیکھا تھا اور طبیعت کا ناساز ہونا واقعی تھا، کس کی طبیعت کفار کے میلے میں جانے کے لئے تیار ہوتی ہے! طبیعت کے ناساز ہونے کا یہی مطلب تھا، مگر قوم ستارہ پرست تھی، وہ سمجھی کہ ابراہیم نے ستاروں کے احوال سے جانا ہے کہ وہ بیمار پڑنے والے ہیں، یہ ان کی بھول تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوٹ نہیں بولے تھے۔

۳- اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مصر کے بادشاہ نے طلب کیا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ عورت کون ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: میری بہن ہے، کیونکہ بادشاہ شوہر کو قتل کر دیتا تھا، اور دوسرے رشتہ دار سے تعرض نہیں کرتا تھا، اور حضرت کی مراد دینی بہن تھی، نیز حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آپ کی چچازاد بہن بھی تھیں، مگر بادشاہ نسبی بہن سمجھا، یہ اس کی غلطی تھی، حضرت نے کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا۔

مگر بایں ہمہ حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان تینوں باتوں پر کذب کا اطلاق آیا ہے، فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ دوٹوک بات کہا کرتے تھے، توریہ نہیں کیا کرتے تھے، مگر تین موقعوں میں آپ نے توریہ سے کام لیا ہے، کیونکہ یہ نہایت خطرناک مواقع تھے اور دوٹوک بات کہنے میں جان کا خطرہ تھا، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توریہ سے کام لیا، کیونکہ توریہ کے ذریعہ جھوٹ سے بچا جا سکتا ہے۔

کذب کے سلسلہ میں علماء کی آراء:

بعض علماء جیسے علامہ عینی رحمہ اللہ شرح بخاری میں بحالتِ مجبوری صریح جھوٹ کے جواز کے قائل ہیں مگر عام

علماء اس کی اجازت نہیں دیتے، درمختار (۵:۳۰۳) میں ہے: الكذبُ مباحٌ لإحياءِ حقِّه، وَدَفْعِ الظُّلْمِ عن نفسِه، والمرادُ التَّعريضُ، لِأَنَّ عَيْنَ الكِذبِ حرامٌ، قَالَ: وهو الحقُّ، قال تعالیٰ: ﴿قُتِلَ الْخَرَّاصُوْنَ﴾ ترجمہ: (فقہ کی کتاب مجتبیٰ میں ہے کہ) جھوٹ بولنا دوصورتوں میں جائز ہے، ایک: اپنا حق بچانے کے لئے، دوم: اپنی ذات سے ظلم دفع کرنے کے لئے، مگر کذب سے مراد توریہ ہے، اس لئے کہ صریح جھوٹ حرام ہے، صاحب مجتبیٰ کہتے ہیں: یہی قول برحق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الذاریات (آیت ۱۰) میں فرمایا ہے: غارت ہوجائیں بے سند باتیں کرنے والے! اور جھوٹ بے سند بات ہوتی ہے پس وہ کیسے جائز ہوسکتی ہے؟!

اس تفصیل کی روشنی میں باب کی حدیثوں کو سمجھنا چاہئے، پہلی حدیث میں ہے کہ جھوٹ جائز نہیں، یا جھوٹ مناسب نہیں، مگر تین صورتوں میں، اس حدیث میں کذب سے صریح جھوٹ مراد ہے یا توریہ؟ علامہ عینی رحمہ اللہ کے نزدیک صریح جھوٹ مراد ہے، اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، مگر عام علماء صریح جھوٹ کو جائز نہیں کہتے، صرف توریہ کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر صریح جھوٹ کی اجازت دیدی جائے گی تو عوام کے دلوں سے جھوٹ کی نفرت ختم ہوجائے گی، اور وہ جھوٹ بولنے پر جری ہوجائیں گے۔ اس لئے عام علماء نے ان حدیثوں میں کذب سے توریہ مراد لیا ہے۔

اور میری ناقص رائے یہ ہے کہ جب لفظ کذب صریح جھوٹ کے لئے خاص نہیں ہے، بلکہ عام ہے، غلطی کرنے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اگر دونوں حدیثوں میں کذب کو عام رکھا جائے تو کیا حرج ہے؟ مثلاً آدمی بیوی کو پٹانے کے لئے کہے: جب تنخواہ ملے گی سوٹ لاؤں گا تو یہ ایک وعدہ ہے، اگر وہ اس وعدہ کو وفا نہ کرے تو اس کو جھوٹ کیسے کہیں گے؟ یہی حال جنگ میں چال چلنے کا ہے، اور یہی حال لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے کے لئے کوئی خیر کی بات کہنے کا یا فریقِ مخالف کی طرف کوئی خیر کی بات منسوب کرنے کا ہے، مثلاً کہا کہ آپ آتش فشاں ہورہے ہیں اور وہ تو آپ کے لئے دعا کرتا ہے اور اس کی مراد یہ ہو کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے دعا کرتا ہے جس میں یہ بندہ بھی شامل ہے، پس اس میں غلط بات کیا ہوئی؟ پس اس حکمت سے جو حضرت گنگوہی قدس سرہ نے بیان فرمائی ہے بات وہی راجح معلوم ہوتی ہے جو درمختار میں ہے کہ صریح جھوٹ بولنا تو جائز نہیں مگر اس طرح بات کرنا کہ نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے: جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

[۲۶-] باب ماجاء في إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ

[۱۹۳۵-] حدثنا مُحمدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ، ثَنَا سُفْيَانُ ح: وَثَنَا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا بِشْرُ بنُ السَّرِيِّ، وأَبُوْ أَحْمَدَ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ ابنِ خُثَيْمٍ، عَنْ شَهْرِ بنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَسْمَاءَ

بِنْتِ يَزِيْدَ، قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَايَحِلُّ الْكِذْبُ إِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ: يُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ لِيُرْضِيَهَا، وَالْكِذْبُ فِي الْحَرْبِ، وَالْكِذْبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ" وَقَالَ محمودٌ فِي حَدِيْثِهِ: " لَا يَصْلُحُ الكَذِبُ إِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، لَانَعرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ أَسْمَاءَ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ ابنِ خُثَيْمٍ، وَرَوَى دَاوُدُ بنُ أَبِيْ هِنْدٍ هٰذَا الحديثَ عَنْ شَهْرِ بنِ حَوْشَبٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: عَنْ أَسْمَاءَ، حدثنا بِذٰلِكَ أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ زَائِدَةَ، عَنْ دَاوُدَ بنِ أَبِيْ هِنْدٍ؛ وفي الباب: عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ.

[۱۹۳٦-] حدثنا أَحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أُمِّهِ أُمِّ كُلْثُوْمٍ بِنْتِ عُقْبَةَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "لَيْسَ بِالْكَاذِبِ مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ، فَقَالَ خَيْراً، أَوْنَمَا خَيْراً" وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: في ثلاث: أي في ثلاث خصال: تین باتوں میں یعنی تین موقعوں پر۔

بابُ ماجاء في الْخِيَانَةِ والْغِشِّ

امانت خرد برد کرنے اور دھوکہ دینے کا بیان

جن اسباب سے معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں: ان میں خیانت اور دھوکہ دہی کا اہم کردار ہے، خائن اور دھوکہ باز سے لوگوں کا دل میلا ہو جاتا ہے اور ان کو ایسی اذیت پہنچتی ہے کہ اس کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا، چنانچہ حدیثوں میں ان دونوں باتوں پر سخت وعید آئی ہے۔ حدیث میں ہے: لا إيمان لمن لا أمانة له: جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں، اور امانت کی ضد خیانت ہے، پس خیانت کرنے والا بے ایمان ہے، اور حدیث میں ہے: من غَشَّنَا فليس منا: جو ہمیں (مسلمانوں کو) دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، یعنی ملتِ اسلامیہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔

حدیث (۱): نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱- مَن ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ به: جس نے (کسی مسلمان کو) ضرر پہنچایا: اللہ تعالیٰ اس کو ضرر پہنچائیں گے۔ ضَارَّهُ مُضَارَّةً، وضِرَارًا کے معنی ہیں: نقصان پہنچانا۔

۲- ومَن شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ عليه: اور جس نے (کسی مسلمان کو) مشقت میں ڈالا: اللہ تعالیٰ اس کو مشقت میں ڈالیں گے (کیونکہ جزاء جنسِ عمل سے ہوتی ہے) اور خیانت اور دھوکہ دہی میں نقصان پہنچایا جاتا ہے اور پریشان کیا جاتا ہے، پس وہ سزا سے بچ نہیں سکتا۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ملعونٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكَرَ بِه: وہ شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ چال چلے، یعنی کھلے عام یا خفیہ طور پر نقصان پہنچائے بہر صورت وہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے۔

فائدہ: پہلی حدیث کے راوی ابو صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور وہ شاعر بھی تھے...... اور ان سے روایت کرنے والی خاتون لؤلؤۃ انصار کی آزاد کردہ ہیں اور مقبول روایہ ہیں...... اور دوسری روایت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مُرّۃ بن شراحیل ہمدانی روایت کرتے ہیں، یہ لوگوں میں مُرَّة الطیِّب کے نام سے مشہور تھے، مرۃ کے معنی ہیں: کڑوا، اس کے ساتھ لوگوں نے الطیب لگایا تا کہ کڑواہٹ کچھ کم ہو جائے...... اور ابو سلمہ کندی مجہول راوی ہے اور فرقد سبخی لین الحدیث اور کثیر الخطاء ہے، اس لئے حدیث غریب بمعنی ضعیف ہے۔

[۲۷-] باب ماجاء فی الخِيَانَةِ و الغِشِّ

[۱۹۳۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ يَحْيىَ بنِ حَبَّانَ، عَنْ لُؤْلُؤَةَ، عَنْ أَبِىْ صِرْمَةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهِ، وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ"

وفى الباب: عَنْ أَبِىْ بَكْرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

[۱۹۳۸-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، ثَنَا زَيْدُ بنُ حُبَابٍ العُكْلِيُّ، ثَنِيْ أَبُوْ سَلَمَةَ الْكِنْدِيُّ، ثَنَا فَرْقَدُ السَّبَخِيُّ، عَنْ مُرَّةَ بنِ شَرَاحِيْلَ الهَمْدَانِيِّ ـ وَهُوَ الطَّيِّبُ ـ عَنْ أَبِىْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا، أَوْ مَكَرَ بِهِ" هٰذَا حديثٌ غريبٌ.

لغات: خَانَ يَخُوْنُ خَوْنًا وَخِيَانَةً: خیانت کرنا، امانت خرد برد کرنا، غبن کرنا، بے ایمانی کرنا۔ غَشَّ صَاحِبَهُ (ن) غِشًّا (بالفتح والکسر) دھوکہ دینا، دل میں چھپی ہوئی بات کے خلاف ظاہر کرنا، غیر مفید چیزوں کو مفید بنا کر پیش کرنا، اور غَشَّ الشیئَ کے معنی ہیں: کھوٹ ملانا، ملاوٹ کرنا اور دھوکا دینا۔

بابُ ماجاء فی حَقِّ الْجِوَارِ

حقِ ہمسائگی کا بیان

ہم سایہ (پڑوسی) دکھ درد کا ساتھی اور ہنسی خوشی میں شریک ہوتا ہے، اس لئے اسلام نے پڑوسی کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا ہے، پھر پڑوسی خواہ کوئی ہو، رشتہ دار ہو یا اجنبی، دور کا ہو یا قریب کا، ہم مذہب ہو یا غیر مذہب کا: سب کے ساتھ

حسن سلوک کا حکم دیا ہے، سورۃ النساء (آیت ۳۷) میں ہے: ’’اور عبادت کرو اللہ کی، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، اور ماں باپ کے ساتھ بہترین سلوک کرو، اور رشتہ داروں کے ساتھ، اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور ہم مجلس کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور غلام باندیوں کے ساتھ‘‘

اور حدیث میں ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہیں: ایک: وہ پڑوسی جس کے تین حق ہیں: پڑوس کا حق، رشتہ داری کا حق اور مسلمان ہونے کا حق، دوسرا: وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں: پڑوس کا حق اور مسلمان ہونے کا حق، تیسرا: وہ پڑوسی جس کا صرف ایک حق ہے یعنی صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے کیونکہ وہ رشتہ دار ہے نہ مسلمان۔

حدیث (۱): حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے گھر بکری ذبح کی گئی (آپ کہیں باہر تھے) جب گھر لوٹے تو پوچھا: کیا آپ لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کو گوشت کا ہدیہ بھیجا ہے؟ کیا آپ لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کو گوشت کا ہدیہ بھیجا ہے؟ میں نے نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ’’جبرئیل علیہ السلام برابر مجھے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنائیں گے‘‘

تشریح: جبرئیل علیہ السلام جو بار بار نبی ﷺ کو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کرتے تھے تو وہ اپنی طرف سے نہیں کرتے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرتے تھے، کیونکہ وہ رسول (پیغامبر) تھے، پس آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کو خیال ہونے لگا کہ شاید آگے چل کر وہ پڑوسی کے وارث ہونے کا حکم لے آئیں۔

یہ حدیث پہلے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، پھر یہی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے

اور پڑوسی: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک: وہ ہے جس کا گھر ساتھ لگا ہوا ہو، اور صاحبین کے نزدیک: محلّہ دار پڑوسی ہے یعنی محلّہ کی مسجد کے تمام نمازی پڑوسی ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک: ہر جانب سے چالیس گھروں تک پڑوسی ہیں اور صحیح امام اعظم کا قول ہے (درمختار ۵: ۴۸۳ کتاب الوصایا، باب الوصیة للأقارب وغیرهم)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: (سفر کے) ساتھیوں میں اللہ کے نزدیک بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لئے بہتر ہو، اور پڑوسیوں میں سے اللہ کے نزدیک بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لئے بہتر ہو‘‘ (اور پڑوسی کے لئے بہتر وہ ہے جو اس کے ساتھ حسن سلوک کرے) اور یہ حدیث پہلے آئی ہے کہ جب تم سالن ترکاری پکاؤ تو پانی بڑھالو، اور اپنے پڑوسی کو بھی چمچہ دو چمچہ دو، اور بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میرے دو پڑوسی ہوں (اور دونوں یکساں مرتبے کے ہوں) تو میں ہدیہ کس کو بھیجوں؟ آپؐ نے فرمایا: ’’جس کا دروازہ تمہارے دروازے سے قریب ہو‘‘

[۲۸-] باب ماجاء في حَقِّ الجِوَارِ

[۱۹۳۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الأَعْلَى، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ دَاوُدَ بنِ شَابُوْرَ، وَبَشِيْرٍ أَبِيْ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ مُجَاهِدٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بنَ عَمْرٍو ذُبِحَتْ لَهُ شَاةٌ فِيْ أَهْلِهِ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ: أَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا اليَهُوْدِيِّ؟ أَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا اليَهُوْدِيِّ؟ سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " مَا زَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ"

وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وأَبِيْ هريرةَ، وأَنَسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَالْمِقْدَادِ بنِ الأَسْوَدِ، وَأَبِيْ شُرَيْحٍ، وَأَبِيْ أُمَامَةَ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَائِشَةَ، وَأَبِيْ هريرةَ أَيْضًا عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۹٤۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بنِ مُحمدٍ ــ وَهُوَ ابنُ عَمْرِو بنِ حَزْمٍ ــ عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَازَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ"

[۱۹٤۱-] حدثنا أحمدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ حَيْوَةَ بنِ شُرَيْحٍ، عَنْ شُرَحْبِيْلَ بنِ شَرِيْكٍ، عَنْ أَبِيْ عَبْدِ الرحمٰنِ الحُبُلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " خَيْرُ الأَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ، وَخَيْرُ الجِيْرَانِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وأَبُوْ عَبْدِ الرحمٰنِ الحُبُلِّيُّ: اسْمُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ يَزِيْدَ.

بابُ ماجاء في الإِحْسَانِ إلى الْخَادِمِ

خادم کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا بیان

خادم: (خدمت گار) عام ہے: خواہ نوکر ہو یا رضا کار ہو یا غلام باندی ہو، سب کے ساتھ حسن سلوک مامور بہ ہے، گذشتہ باب میں سورۃ النساء کی آیت ۳۷ کا ذکر آیا ہے، اس میں ہم مجلس کا بھی ذکر ہے اور خادم: اول نمبر کا ہم مجلس ہوتا ہے، دوسرے ہم مجلسوں کا نمبر بعد میں آتا ہے، پس خادموں (غلام باندیوں) کے ساتھ حسن سلوک کرنا قرآن کریم کا حکم ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے بھائی یعنی غلام باندی: اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ہاتھوں کے

نیچے بطور خادم کیا ہے (فِتية: فَتیٰ کی جمع ہے، جس کے لغوی معنی ہیں: جوان اور مرادی معنی ہیں: خادم یعنی غلام باندی اور یہ ضمیر هُم سے حال ہے اور مصری نسخہ میں قِنْيَةً ہے، جس کے معنی ہیں: ذخیرہ کیا ہوا یعنی وہ تمہارے مملوک ہیں) پس جس کا بھائی اس کے ہاتھ کے نیچے ہو یعنی وہ اس کا مملوک ہو (اور اس کو ''بھائی'' جذبۂ ترحم ابھارنے کے لئے کہا گیا ہے) پس چاہئے کہ وہ اس کو اپنے کھانے میں سے کھلائے اور اس کو اپنے کپڑوں میں سے پہنائے اور اس کو ایسے کام کا حکم نہ دے جو اس کو ہرا دے یعنی جس کی انجام دہی اس کے لئے دشوار ہو، پس اگر وہ اس کو ایسے کام کا حکم دے جو اس کو ہرا دے تو چاہئے کہ وہ اس کی مدد کرے یعنی اس کا ہاتھ بٹائے، خود بھی اس کے ساتھ کام میں شریک ہو، اور دونوں مل کر وہ کام انجام دیں (یہ سب خادم کے ساتھ حسن سلوک کی شکلیں ہیں)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَايَدْخُلُ الجنةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ: مملوکوں کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا (یہ حدیث ضعیف ہے، فرقد: ضعیف راوی ہے اور المَلَكَة بمعنی المِلْكِيَّة ہے یعنی نوکر چاکر اور رعایا کے ساتھ برا معاملہ کرنے والے کے لئے یہ وعید ہے، پس اس کی ضد یعنی اچھا معاملہ کرنے والا جنت میں جائے گا، اس طرح یہ حدیث باب سے متعلق ہے)

[۲۹-] باب ماجاء في الإِحْسَان إلى الْخَادِمِ

[۱۹۴۲-] حدثنا بُنْدَارٌ، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنِ الْمَعْرُوْرِ بنِ سُوَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِخْوَانُكُمْ: جَعَلَهُمُ اللّٰهُ فِتْيَةً تَحْتَ أَيْدِيْكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهِ: فَلْيُطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِهِ، وَلْيُلْبِسْهُ مِنْ لِبَاسِهِ، وَلَا يُكَلِّفُهُ مَا يَغْلِبُهُ، فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ"

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وأُمِّ سَلَمَةَ، وابنِ عُمَرَ، وَأَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۹۴۳-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، عَنْ هَمَّامِ بنِ يَحْيىٰ، عَنْ فَرْقَدٍ، عَنْ مُرَّةَ، عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَقَدْ تَكَلَّمَ أَيُّوْبُ السَّخْتِيَانِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ فِيْ فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

بابُ النهي عَنْ ضَرْبِ الْخُدَّامِ وَشَتْمِهِمْ

خدام کو مارنے اور گالی دینے کی ممانعت

جو لوگ اسلامی تعلیمات سے آراستہ نہیں وہ خادموں، نوکروں اور غلام باندیوں کے ساتھ ناروا سلوک کرتے ہیں،

ان کو برے القاب سے اور گالیوں سے نوازتے ہیں اور اگر پارہ چڑھ جائے تو مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اور اس معاشرتی خرابی کی بنیاد اپنی رفعت و بلندی اور نوکروں اور غلاموں کی پستی کا تصور ہے، آقا خود کو خدا سمجھتا ہے، وہ ہر طرح سے بالادستی کے گھمنڈ میں مبتلا رہتا ہے، وہ غلاموں کے لئے شرفِ انسانیت کا بھی قائل نہیں ہوتا۔ پس اس معاشرتی خرابی کی اصلاح اسی طرح ہوسکتی ہے کہ آقا میں شعور بیدار کیا جائے کہ اس سے بالاتر بھی کوئی طاقت ہے جو اس کا محاسبہ کرسکتی ہے، چنانچہ باب کی پہلی حدیث میں نبی ﷺ نے یہی بات آقا کو سمجھائی ہے۔

غرض: جب آفتابِ اسلام طلوع ہوا تو اس معاملہ میں عربوں کی صورتِ حال بہت بدتر تھی، اس لئے اسلام نے اس سلسلہ میں چند واضح ہدایات دیں تاکہ اس قسم کی بے عنوانی ختم ہو، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ غلام باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کے نبی ﷺ نے دو مرتبے قرار دیئے ہیں: ایک: واجب کا درجہ، جو لوگوں پر لازم ہے، خواہ لوگ چاہیں یا نہ چاہیں اس پر عمل ضروری ہے۔ دوسرا: مستحب کا درجہ، جس کی ترغیب دی گئی ہے، اس کو لازم نہیں کیا۔

حسن سلوک کا پہلا مرتبہ: مثبت پہلو سے غلام باندیوں کا نان نفقہ اور لباس پوشاک مولی کے ذمے رکھا گیا، اور منفی پہلو سے چند باتوں کی ممانعت کی: ۱- ان کو ایسے کام کا حکم نہ دیا جائے جس کو وہ تنہا انجام نہ دے سکیں (حدیث ابھی گذری) ۲- ان پر تہمت نہ لگائی جائے (یہ حدیث باب میں ہے) ۳- ان کا مثلہ نہ کیا جائے یعنی ان کے ناک کان نہ کاٹے جائیں (اگر ایسا کیا جائے گا تو وہ مولیٰ کی مرضی کے بغیر آزاد ہوجائے گا) ۴- کسی بھی گناہ میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔

حسن سلوک کا دوسرا مرتبہ: جو استحبابی ہے: وہ یہ ہے کہ کھانے میں غلام باندیوں کا بھی حصہ رکھا جائے (یہ حدیث پہلے گذری ہے) اور اگر غلام باندی کو بلاوجہ حد ماری یا طمانچہ مارا تو اس کو آزاد کر دیا جائے، یہی اس کا کفارہ ہے، اسی طرح اگر غلام باندی کو مار رہا ہو اور وہ اللہ کا واسطہ دیں تو سزا دینے سے فوراً رک جایا جائے (رحمۃ اللہ ۵:۲۰۳)

حدیث (۱): نبی التوبۃ ابوالقاسم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے مملوک پر تہمت لگائی، درانحالیکہ وہ اس بات سے بری ہے جو اس کے حق میں آقا کہہ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آقا پر حد جاری کریں گے، یعنی اس پر حد قذف لگے گی، مگر یہ کہ معاملہ ایسا ہو جیسا اس نے کہا ہے، یعنی غلام واقعی بدکار ہو۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی صفت: نبی التوبہ بیان کی ہے، آپؐ کی یہ صفت مسلم شریف (حدیث ۲۳۵۵ کتاب الفضائل باب ۳۴) میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں آئی ہے، وہ فرماتے ہیں: كان رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُسَمِّيْ لنا نفسَه أسماءً، فَقَالَ: أنا مُحمدٌ، وأحمدُ، والمُقَفِّي، والحَاشِرُ، ونبيُّ التوبةِ، ونبيُّ الرحمة: رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے اپنے چند نام

بیان فرماتے تھے، چنانچہ آپؐ نے فرمایا: میں محمد (ستودہ) ہوں، احمد (اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا) ہوں، مقفّی (پیچھے آنے والا) ہوں، حاشر (جمع کرنے والا) ہوں، نبی التوبہ ہوں اور نبی الرحمہ ہوں، اور حضرت ابو ہریرہؓ اس حدیث سے پہلے یہ صفت اس لئے لائے ہیں کہ جو آقا ایسی بے عنوانی کر چکا ہو وہ جان لے کہ ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، خاتم النّبیین ﷺ نبی التوبہ ہیں، ان کی امت کی توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔ پس آقا کو اپنے برے فعل سے توبہ کرنی چاہئے۔

اور حدیث میں بَرِیْئًا: مملوك سے حال ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آقا اگر مملوک پر تہمت لگائے تو دنیا میں اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی، ورنہ آخرت میں حد جاری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

حدیث (۲): حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا، اچانک میں نے پیچھے سے سنا، کوئی کہہ رہا ہے: ''جانو اے ابو مسعود! جانو اے ابو مسعود!'' پس میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ نبی ﷺ تھے، پس آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یقیناً تم پر زیادہ قدرت رکھنے والے ہیں تم سے اس پر'' ابو مسعودؓ فرماتے ہیں: پس اس کے بعد میں نے اپنے کسی غلام کو نہیں مارا۔ اور مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ اللہ کے لئے آزاد ہے، آپؐ نے فرمایا: أمَا لو لم تفعَلْ للَفحَتْك النارُ: سنو! اگر تم یہ نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہیں جھلسا دیتی!''

تشریح: جب آقا یہ سمجھ لے کہ وہ آخری طاقت نہیں ہے، بلکہ اس سے بالاتر بھی کوئی طاقت ہے جو اس کا محاسبہ کر سکتی ہے تو دماغ درست ہو جاتا ہے، اور خواہ مخواہ کا غصہ اتر جاتا ہے، اور وہ بلاوجہ غلام باندیوں کو نہیں مارتا، یہی اصلاحِ معاشرہ کی تدبیر ہے۔

[۳۰-] بابُ النَّهْيِ عَنْ ضَرْبِ الْخُدَّامِ وَشَتْمِهِمْ

[۱۹۴۴-] حدثنا أحمدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، عَنْ فُضَيْلِ بنِ غَزْوَانَ، عَنِ ابنِ أَبِيْ نُعْمٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ أَبُوْ الْقَاسِمِ صلى الله عليه وسلم نَبِيُّ التَّوْبَةِ: "مَنْ قَذَفَ مَمْلُوْكَهُ بَرِيْئًا مِمَّا قَالَ لَهُ: أَقَامَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الحَدَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ كَمَا قَالَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَفي الباب: عَنْ سُوَيْدِ بنِ مُقَرِّنٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ.

وابنُ أَبِيْ نُعْمٍ: هُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ أَبِيْ نُعْمٍ البَجَلِيُّ، يُكْنَى أَبَا الحَكَمِ.

[۱۹۴۵-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا مُؤَمَّلٌ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: كُنْتُ أَضْرِبُ مَمْلُوْكًا لِيْ، فَسَمِعْتُ قَائِلًا مِنْ خَلْفِيْ

يَقُوْلُ: اعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ! اعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ! فَالْتَفَتُّ، فَإِذَا أَنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ" قَالَ أَبُوْ مَسْعُوْدٍ: فَمَا ضَرَبْتُ مُمْلُوْكًا لِيْ بَعْدَ ذٰلِكَ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَإِبْرَاهِيْمُ التَّيْمِيُّ: هُوَ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ يَزِيْدَ بْنِ شَرِيْكٍ.

بابُ ماجاء فی أَدَبِ الْخَادِمِ

غلام کو سلیقہ سکھانے کا بیان

ابھی غلام کو مارنے کی ممانعت آئی ہے مگر کبھی سلیقہ سکھانے کے لئے مارنا پڑتا ہے، جیسے طالب عالم کو مارنا پڑتا ہے، چنانچہ سورۃ النساء (آیت ۳۴) میں بیوی کو مارنے کی اجازت اسی مقصد سے دی گئی ہے، مگر یہ اجازت معروف طریقہ پر مارنے کی ہے، چہرے پر اور اعضائے رئیسہ پر مارنا اور ایسا مارنا جس سے جسم پر نشان پڑ جائے: جائز نہیں، صرف ہلکا مارنا جائز ہے اور وہ بھی ایک حد تک مارنا جائز ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إذا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خادِمَه، فَذَكَرَ اللّٰهَ، فَارْفَعُوْا أَيْدِيَكُمْ: جب تم میں سے کوئی اپنے غلام کو مارے پس وہ اللہ کا واسطہ دے، تو تم اپنے ہاتھ اٹھالو، یعنی مارنے سے رک جاؤ۔

تشریح: علامہ طیبی (شافعی) رحمہ اللہ نے لکھا ہے: یہ حدیث اِس صورت میں ہے جب آقا سلیقہ سکھلانے کے لئے مار رہا ہو، اور اگر غلام پر حد جاری ہو رہی ہو تو رکا نہیں جائے گا (ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: آقا خود غلام باندی پر حد جاری کرسکتا ہے، اور احناف کے نزدیک: حد صرف قاضی جاری کرے گا) اسی طرح اگر غلام مکاری سے اللہ کا نام لے تو بھی رکنا ضروری نہیں۔

[۳۱-] باب ماجاء فی أَدَبِ الخَادِمِ

[۱۹۴٦-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِیْ هَارُوْنَ الْعَبْدِيِّ، عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ فَذَكَرَ اللّٰهَ، فَارْفَعُوْا أَيْدِيَكُمْ"

وَأَبُوْ هَارُوْنَ العَبْدِيُّ: اسْمُهُ عُمَارَةُ بْنُ جُوَيْنٍ، وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ: ضَعَّفَ شُعْبَةُ أَبَا هَارُوْنَ العَبْدِيَّ، قَالَ يَحْيَى: وَمَا زَالَ ابنُ عَوْنٍ يَرْوِيْ عَنْ أَبِیْ هَارُوْنَ، حَتّٰى مَاتَ.

وضاحت: یہ حدیث ابو ہارون عبدی کی وجہ سے ضعیف ہے، یہ راوی متروک ہے، امام شعبہ رحمہ اللہ نے اس کی تضعیف کی ہے مگر عبداللہ بن عون بصریؒ (جو حضرت ایوب سختیانی کے ہمعصر تھے اور بڑے ثقہ، فاضل اور فقیہ تھے) وہ اس راوی سے برابر روایت کرتے تھے تا آنکہ ان کی وفات ہوئی، یعنی وہ اس راوی کو معتبر سمجھتے تھے۔

بابُ ماجاء فی الْعَفْوِ عَنِ الْخَادِمِ

غلام کومعاف کرنے کا بیان

غلطی بشریت کا خاصہ ہے، ہر انسان سے غلطی ہوتی ہے، پس اگر غلام باندی کوئی غلطی کریں تو ان سے درگذر کرنا چاہئے، بات بات پر سزا دینا یا ڈانٹ ڈپٹ کرنا مناسب نہیں، آقا کو سوچنا چاہئے کہ اس سے بھی غلطی ہوتی ہے، پس اگر اللہ تعالیٰ اس کی ہر غلطی پر پکڑنے لگیں تو وہ کیسے پنپ سکے گا اور غلام بھی اس جیسا ایک انسان ہے، اس سے بھی غلطی ممکن ہے، لہٰذا اس سے درگذر کرنا چاہئے۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا، اور پوچھا: یارسول اللہ! میں کتنی مرتبہ غلام کو معاف کروں؟ آپؐ خاموش رہے، اس نے پھر پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: کُلَّ یَوْمٍ سبعین مَرَّةً: روزانہ ستر مرتبہ معاف کر۔

تشریح: ستر مرتبہ یعنی بار بار معاف کر، سات، ستر اور سات سو کے اعداد عربی میں تکثیر کے لئے ہیں، تھوڑی تکثیر کے لئے سات، درمیانی تکثیر کے لئے ستر اور بے حد تکثیر کے لئے سات سو آتا ہے۔

[۳۲-] باب ماجاء فی العَفْوِ عَنِ الْخَادِمِ

[۱۹٤۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا رِشْدِيْنُ بنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْ هَانِئٍ الخَوْلَانِيِّ، عَنْ عَبَّاسِ بنِ جُلَيْدٍ الحَجْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! كَمْ أَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ؟ فَصَمَتَ عَنْهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ قَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! كَمْ أَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ؟ قَالَ: "كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَرَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ وَهْبٍ، عَنْ أَبِيْ هَانِئٍ الخَوْلَانِيِّ بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَ هٰذَا.

حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ وَهْبٍ، عَنْ أَبِيْ هَانِئٍ الخَوْلَانِيِّ بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الحديثَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ وَهْبٍ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، وَقَالَ: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو.

وضاحت: یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ کی ہے یا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی؟ اس میں اختلاف ہے، رشدین بن سعد جو ضعیف راوی ہے اس کی سند ابن عمرؓ تک پہنچاتا ہے مگر عبداللہ بن وہب جو ثقہ راوی ہیں ان کے متابع ہیں، اس لئے یہی سند صحیح ہے اور عبداللہ بن وہب کے بعض تلامذہ عبداللہ بن عمرو تک سند پہنچاتے ہیں، یہ سند صحیح نہیں۔

بابُ ماجاء فی أَدَبِ الْوَلَدِ

اولاد کی تربیت کا بیان

جاننا چاہئے کہ آدھی صدی میں دنیا بدل جاتی ہے، کچھ ہی لوگ باقی رہ جاتے ہیں، میں نے پچاس سال کی عمر میں پانچ نسلیں دیکھی ہیں، میں نے اپنے دادا کو دیکھا، اپنے والد کو دیکھا، خود کو دیکھا، بیٹوں کو دیکھا اور پوتوں کو بھی دیکھا۔ غرض دنیا اس طرح بدل جاتی ہے کہ پتہ نہیں چلتا، ایک نسل گذر جاتی ہے اور دوسری نسل اس کی جگہ آجاتی ہے، پس اگر ہر شخص آنے والی نسل کی تربیت کرے گا تو معاشرہ درست رہے گا، اور اگر اولاد کی تربیت کی طرف سے غفلت برتی جائے گی تو آدھی صدی گذرتے گذرتے معاشرہ بگڑ جائے گا۔

اور لوگ اولاد کے لئے مال ودولت جمع کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، جائداد اور بیلنس بناتے ہیں مگر ان کی تعلیم وتربیت سے غفلت برتتے ہیں، ان پر خرچ نہیں کرتے، یہ بات نہ عقلاً درست ہے نہ شرعاً، کیونکہ روزی ہر بندے کی قسمت میں لکھی ہوئی ہے، باپ اس کی فکر کرے یا نہ کرے اولاد کی قسمت کی روزی اس کو مل جائے گی، مگر تعلیم وتربیت کی طرف باپ توجہ کرے گا تبھی اولاد سنورے گی، ورنہ کندۂ ناتراش رہ جائے گی۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''البتہ یہ بات کہ آدمی اپنی اولاد کو سلیقہ سکھائے اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع (تین کلو اناج) خیرات کرے''

تشریح: اولاد کی تعلیم وتربیت پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے یعنی کار خیر ہے یہ خرچ کرنا ضائع نہیں جاتا۔ حدیث میں یہی بات سمجھائی ہے کہ غریب پر صدقہ کرنے سے بہتر اولاد کی تربیت پر خرچ کرنا ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: مانَحلَ والدٌ وَلَدًا مِنْ نُحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ: کسی باپ نے کسی اولاد کو اچھی تربیت سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔ نَحَلَ (ف) فلاناً نُحلاً: کسی کو کوئی چیز اپنی مرضی سے دینا، عطیہ دینا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ باپ کو یہ کوشش نہیں کرنی چاہئے کہ اولاد کے لئے جائداد یا بیلنس چھوڑے، بلکہ ان کی تعلیم وتربیت پر خرچ کرنا چاہئے، یہی باپ کا اولاد کے لئے بہترین عطیہ ہے۔

[۳۳-] باب ماجاء فی أَدَبِ الوَلَدِ

[۱۹۴۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا يَحْيَى بنُ يَعْلَى، عَنْ نَاصِحٍ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: '' لَأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ''

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَنَاصِحُ بنُ عَلَاءٍ الكُوْفِيُّ: لَيْسَ عِنْدَ أَهْلِ الحَدِيْثِ بِالْقَوِيِّ، وَلَا يُعْرَفُ هٰذَا الحديثُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الوَجْهِ.

وَنَاصِحٌ: شَيْخٌ آخَرُ بَصْرِيٌّ، يَرْوِي عَنْ عَمَّارِ بنِ أَبِيْ عَمَّارٍ، وَغَيْرِهِ، وَهُوَ أَثْبَتُ مِنْ هٰذَا.

[۱۹۴۹-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ الجَهْضَمِيُّ، ثَنَا عَامِرُ بنُ أَبِيْ عَامِرٍ الخَزَّازُ، ثَنَا أَيُّوْبُ بنُ مُوْسَى، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَانَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نُحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَامِرِ بنِ أَبِيْ عَامِرٍ الخَزَّازِ؛ وَأَيُّوْبُ بنُ مُوْسَى: هُوَ ابنُ عَمْرِو بنِ سَعِيْدِ بنِ الْعَاصِ، وَهٰذَا عِنْدِيْ حَدِيْثٌ مُرْسَلٌ.

وضاحت: پہلی حدیث کی سند میں ایک راوی ناصح ہے۔امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے باپ کا نام علاء ہے، یہ کوفہ کا باشندہ ہے اور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، اور یہی راوی یہ حدیث سماک سے روایت کرتا ہے، اور ایک دوسرا راوی بھی ناصح نامی ہے جو بصری ہے اور وہ عمار بن ابی عمار وغیرہ کا شاگرد ہے، یہ راوی اس راوی سے اچھا ہے۔

مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس راوی کے باپ کا نام علاء نہیں ہے، بلکہ عبداللہ یا عبدالرحمٰن ہے، اور اس کی کنیت ابوعبداللہ ہے، اور نسبت الحائک ہے، یہی سماک بن حرب کا شاگرد ہے، اور ضعیف راوی ہے۔ ترمذی شریف کی سند میں یہی راوی ہے اور جس ناصح کے والد کا نام علاء ہے اس کی کنیت ابوالعلاء ہے، اور وہ بصرہ کا رہنے والا ہے، اور وہ ضعیف نہیں ہے بلکہ لین الحدیث ہے (تہذیب التہذیب).

اور دوسری حدیث کی سند میں عامر بن صالح بن رستم ابوبکر بن ابی عامر الخَزّاز البصری صدوق راوی ہے مگر سیئ الحفظ ہے، ابن حبان نے اس راوی پر وضع حدیث کی تہمت لگائی ہے، اس کے استاذ: ایوب بن موسیٰ کا پورا نام ایوب بن موسیٰ بن عمرو بن سعید بن العاص ہے، وہ اپنے باپ یعنی موسیٰ سے روایت کرتا ہے۔ پھر وہ اپنے دادا سے روایت کرتا ہے، اور جَدِّہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں: اگر وہ ایوب کی طرف لوٹتی ہے تو یہ عمرو بن سعید کی روایت ہے، اور وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیدا ہوا ہے، اور اگر ضمیر موسیٰ کی طرف لوٹتی ہے تو پھر یہ سعید بن العاص کی روایت ہے اور یہ راوی اگرچہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا مگر آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت اس کی عمر نو سال تھی، اس لئے سعید کا بھی حضور ﷺ سے سماع نہیں۔ بہر حال یہ حدیث مرسل ہے یا تو تابعی کی مرسل ہے یا صحابی صغیر کی مرسل ہے۔

بابُ ماجاء فی قُبُوْلِ الهَدِیَّةِ، وَالْمُکَافَأَةِ عَلَیْهَا

ہدیہ قبول کرنا اور اس کا بدلہ دینا

ہدیہ قبول کرنا سنت ہے اور یہ سنت ہر شخص جانتا ہے مگر اس پر بدلہ دینا بھی سنت ہے، اس کو کم لوگ جانتے ہیں، حالانکہ ہدیے کا پورا فائدہ اس وقت حاصل ہوگا جب بدلہ بھی دیا جائے۔ موطا میں روایت ہے: تَصَافَحُوْا یَذْهَبْ عنکم الغِلُّ: مصافحہ کرو، کینہ دور ہوگا، وَتَهَادَوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبِ الشَّحْنَاءُ: اور ہدیہ دو آپس میں محبت پیدا ہوگی، اور بغض ختم ہوگا۔ تَهَادَی القومُ کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو ہدیہ دینا، پس جب تک ہدیہ کا بدلہ نہ دیا جائے محبت کیسے پیدا ہوگی؟

حدیث: نبی ﷺ ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے، اور اس کا بدلہ دیا کرتے تھے، یعنی ہدیہ کے عوض میں آپؐ بھی کچھ نہ کچھ عنایت فرمایا کرتے تھے، حضرت ازہر رضی اللہ عنہ دیہات کے رہنے والے تھے وہ ہر ہفتے کھیتوں میں سے سبزی وغیرہ چن کر لایا کرتے تھے: آپؐ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: أَزْهَرُ بَادِیَتُنَا، وَنَحْنُ حَاضِرُوْهُ: ازہرؓ ہمارا دیہات ہیں یعنی ہماری دیہات کی ضروریات پوری کرتے ہیں اور ہم اس کے شہر ہیں، آپؐ ان کو بازار سے گھر کی ضروریات خرید کر عنایت فرمایا کرتے تھے، جس کو لے کر وہ گاؤں لوٹا کرتے تھے۔

اور نبی ﷺ ہر ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ اگر مجھے بکری کے پایے ہدیے میں دیئے جائیں تو میں ان کو بھی قبول کروں گا، اور اگر بکری کے پایوں کی دعوت کی جائے تو میں وہ بھی قبول کروں گا.........اور ہدیہ کا عوض فوراً دینا ضروری نہیں، وقفہ کے بعد بھی دیا جاسکتا ہے، اور یہ بتلانا بھی ضروری نہیں کہ یہ ہدیہ کا عوض ہے، اس کو مستقل ہدیے کے طور پر بھی دے سکتے ہیں۔

اور مجمع البحار (ثوب کے مادہ) میں ایک بات لکھی ہے، جو یہاں حاشیہ میں بھی نقل ہوئی ہے کہ ہدیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک: جس کا بدلہ مطلوب ہوتا ہے، دوسرا: جو محض صلہ رحمی یا ثواب کے لئے دیا جاتا ہے، اول کا معاملہ بیع کی طرح ہے، اس میں عوض دینے پر مجبور کیا جائے گا، اور جو ہدیہ اللہ کے لئے یا صلہ رحمی کے لئے ہو اس کا بدلہ ضروری نہیں، جیسے شادیوں میں لڑکے اور لڑکی کے باپ کو ہدایا دیئے جاتے ہیں، یا ان کے واسطے سے دولہا دولہن کو دیئے جاتے ہیں یہ پہلی قسم کے ہدایا ہیں جن میں بدلہ مطلوب ہوتا ہے، اس لئے علماء اس کو قرض قرار دیتے ہیں، میں اگرچہ ان کو قرض قرار نہیں دیتا، ہدیہ ہی قرار دیتا ہوں مگر وہ ایسا ہدیہ ہے جس کا بدلہ ضروری ہے، اس کا معاملہ بیع کی طرح ہے، بیع میں عوضین ہوتے ہیں جو دیئے لئے جاتے ہیں، یہ بھی ایسا ہی ہدیہ ہے جس کا عوض دوسرے موقع پر دینا ضروری ہے، اور بزرگوں اور علماء کو جو ہدیہ دیا جاتا ہے وہ ثواب حاصل کرنے کے لئے یا خوشنودی کے لئے دیا جاتا

ہے، پس اس کا عوض ضروری نہیں۔

[۳٤-] باب ماجاء فی قُبُوْلِ الهَدِيَّةِ، وَالْمُكَافَأَةِ عَلَيْهَا

[۱۹۵۰-] حدثنا يَحْيىَ بنُ أَكْثَمَ، وَعَلِيُّ بنُ خَشْرَمٍ، قَالَا: ثَنَا عِيسَى بنُ يُوْنُسَ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقْبَلُ الهَدِيَّةَ، وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا.

وفى الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وأَنَسٍ، وابنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عِيسَى بنِ يُوْنُسَ، عَنْ هِشَامٍ.

لغات: كَافَأَهُ على الشيئ مُكافَأَةً وكِفَاءً: بدلہ دینا...... أَثَابَهُ يُثِيْبُ: لوٹانا، واپس کرنا، بدلہ دینا یا انعام دینا۔ حدیث میں ہے: أَثِيْبُوْا أَخَاكُمْ: اپنے بھائی کو ہدیہ کا بدلہ دو۔

بابُ ماجاء فی الشُّكْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ

سلوک کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا

محسن کا شکر گذار ہونا انسان کی فطرت ہے، اگر کوئی شخص چھوٹا یا بڑا احسان کرے تو اس کا قولی یا فعلی شکریہ ادا کرنا چاہئے، شکور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور بندوں کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اپنے اندر پیدا کریں۔ اور قولی شکریہ محسن کی کچھ تعریف کرنا ہے، پہلے روایت گذری ہے کہ ابوالرداء لیثی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ان کے تعاون پر تعریف کی تھی، اور قولی شکریہ کا کم سے کم درجہ دعا دینا ہے، حدیث میں ہے: جس نے احسان کے جواب میں جزاك الله کہا اس نے بہت بدلہ دیدیا، اور فعلی شکریہ یہ ہے کہ حسن سلوک کے جواب میں حسن سلوک کیا جائے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَايَشْكُرِ الناسَ لَايَشْكُرِ اللهَ: جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا، اور دوسری حدیث کے الفاظ ہیں: مَنْ لَمْ يَشْكُرِ الناسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو پہلی حدیث کا ہے۔

تشریح: اس حدیث کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں:

پہلا مطلب: جو لوگوں کے حسن سلوک کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا، کیونکہ بندوں کے احسانات ظاہر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات مخفی ہیں، پس جو شخص اس احسان کا شکر ادا نہ کرے جو ظاہر و باہر ہے وہ اس نعمت کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے جو مخفی ہے!

دوسرا مطلب: جس کی فطرت اور عادت لوگوں کے انعام کی ناشکری کرنا ہے چنانچہ وہ لوگوں کے احسان کا

شکر گذار نہیں ہوتا، وہ اللہ کی نعمتوں کی بھی ناشکری کرے گا، وہ کبھی اللہ کی نعمتوں کا شکر گذار نہیں ہوگا۔

[۳۵-] باب ماجاء في الشُّكْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ

[۱۹۵۱-] حدثنا أحمدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللهِ بنُ الْمُبَارَكِ، ثَنَا الرَّبِيْعُ بنُ مُسْلِمٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ زِيَادٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ لَا يَشْكُرِ النَّاسَ لَا يَشْكُرِ اللهَ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۹۵۲-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ ابنِ أَبِيْ لَيْلَى، ح: وَثَنَا سُفْيَانُ بنُ وَكِيْعٍ، ثَنَا حُمَيْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ الرُّؤَاسِيُّ، عَنْ ابنِ أَبِيْ لَيْلَى، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وَالْأَشْعَثِ بنِ قَيْسٍ، وَالنُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

باب مَاجاء في صَنَائِعِ المَعْرُوْفِ

حسنِ سلوک والے کام

صَنائع: صنیعةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: بھلائی، نیکی اور حسنِ سلوک، اور المعروف کے بھی یہی معنی ہیں: بھلائی، احسان، حسنِ سلوک اور ہر وہ کام جس کی خوبی عقلاً وشرعاً ثابت ہو، پس یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں، اور ایک کی دوسرے کی طرف اضافت ہے، پس مضاف کے معنی میں تجرید کی جائے گی، اور اس سے صرف اعمال وافعال مراد لئے جائیں گے یعنی حسن سلوک والے کام، اور اس باب میں جو حدیث ہے اس میں حسن سلوک والے سات کاموں کا تذکرہ ہے:

۱-تَبَسُّمُكَ في وَجْهِ أخيكَ لَكَ صَدَقَةٌ: تیرا مسکرانا اپنے دینی بھائی کے سامنے تیرے لئے خیرات ہے، یعنی کسی مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا باعث اجر وثواب ہے۔

۲و۳-وأَمْرُكَ بالمعروف، ونَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ: اور تیرا بھلی بات کا حکم دینا اور بری بات سے روکنا خیرات ہے، کیونکہ اس سے بھی دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے اس لئے اس پر بھی اجر وثواب ملتا ہے۔

۴-وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ في أَرْضِ الضَّلَالِ لك صدقةٌ: اور تیرا کسی کی راہنمائی کرنا ایسی سرزمین میں جس میں آدمی بھٹک جاتا ہے، تیرے لئے صدقہ ہے۔ یعنی شہر میں یا جنگل میں منزل تک پہنچنے کی کوئی علامت نہ ہو، اور بھٹک جانے کا خطرہ ہو وہاں کسی کی راہنمائی کرنا صدقہ ہے، کیونکہ اس سے بھی دوسرے کو فائدہ پہنچے گا۔

۵-وَبَصُرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِیِّ البَصَرِ لك صَدقةٌ: اور تیرا دیکھنا کمزور نگاہ والے شخص کے لئے تیرے لئے صدقہ ہے، یعنی جب کوئی کسی نابینا کو دیکھے اور اس کی مدد کرے اور وہ جہاں جانا چاہتا ہے وہاں تک پہنچادے تو یہ بھی صدقہ ہے یعنی اس پر بھی اجر ملے گا۔

۶-وإماطَتُكَ الحجرَ، وَالشَّوْكَ، وَالعَظْمَ عن الطريق لك صَدَقَةٌ: اور تیرا پتھر کو اور کانٹے کو اور ہڈی کو راستہ سے ہٹانا تیرے لئے صدقہ ہے، کیونکہ لوگ اس کے ضرر سے بچ جائیں گے، اس لئے ہٹانے والے کو اجر وثواب ملے گا۔

۷-وإفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فی دَلْوِ أَخِیْكَ لَكَ صَدَقَةٌ: اور تیرا اپنی ڈول سے اپنے دینی بھائی کی ڈول میں پانی ڈالنا تیرے لئے صدقہ ہے، یعنی کوئی شخص مٹکا لے کر پانی بھرنے آیا، مگر اس کے پاس ڈول نہیں ہے، پس اگر آپ اس کا مٹکا بھردیں تو یہ خیرات ہے یعنی اس پر بھی اجر وثواب ملے گا۔

[۳۶-] باب ماجاء فی صَنَائِعِ المَعْرُوْفِ

[۱۹۵۳-] حدثنا عَبَّاسُ بنُ عَبْدِ الْعَظِیْمِ العَنْبَرِیُّ، ثَنَا النَّضْرُ بنُ مُحمدٍ الْجُرَشِیُّ الیَمَامِیُّ، ثَنَا عِکْرِمَةُ بنُ عَمَّارٍ، ثَنَا أَبُوْ زُمَیْلٍ، عَنْ مَالِكِ بنِ مَرْثَدٍ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "تَبَسُّمُكَ فِیْ وَجْهِ أَخِیْكَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهْیُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِیْ أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَبَصُرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِیِّ البَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِمَاطَتُكَ الحجرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِیْقِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِیْ دَلْوِ أَخِیْكَ لَكَ صَدَقَةٌ"

وفی الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَجَابِرٍ، وَحُذَیْفَةَ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِیْ هریرةَ؛ هٰذا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ، وَأَبُوْ زُمَیْلٍ: سِمَاكُ بنُ الوَلِیْدِ الحَنَفِیُّ.

بابُ ماجاء فی المِنْحَةِ

فائدہ اٹھانے کے لئے کسی کو کوئی چیز دینا

المِنْحَةُ اور المَنِیْحَةُ کے معنی ہیں: عارضی ضرورت اور فائدہ اٹھانے کے لئے کسی متعلق کو واپسی کی شرط کے ساتھ کوئی زمین، یا دودھ کا جانور یا سواری یا اور کوئی چیز دینا، یہ بھی معاشرتی حسن سلوک کی ایک شکل ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ مَنَحَ مَنِیْحَةَ لَبَنٍ، أَوْ وَرِقٍ، أَوْهَدَی زُقَاقًا: کَانَ لَهُ مِثْلُ عِتْقِ رَقَبَةٍ:

جس نے دودھ کے جانور کا عطیہ دیا یعنی دودھ والا جانور کسی کو دودھ پینے کے لئے دیا، یا چاندی کا عطیہ دیا یعنی روپے پیسے قرض دیئے، یا کسی کوچہ کی طرف راہنمائی کی یعنی کوئی شخص کسی گلی میں جانا چاہتا ہے، اس کو اس گلی تک پہنچادیا تو یہ کام اس شخص کے لئے ایک غلام آزاد کرنے کے مانند ہونگے، اور گذشتہ باب کی حدیث میں جو لفظ صدقہ آیا ہے اس سے بھی یہی اجر مراد ہے۔

[۳۷-] باب ماجاء في المِنْحَةِ

[۱۹۵٤-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بنُ يُوْسُفَ بنِ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ طَلْحَةَ بنِ مُصَرِّفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرحمنِ بنَ عَوْسَجَةَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ البَرَاءَ بنَ عَازِبٍ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " مَنْ مَنَحَ مَنِيْحَةَ لَبَنٍ، أَوْ وَرِقٍ، أَوْ هَدَى زُقَاقًا كَانَ لَهُ مِثْلُ رَقَبَةٍ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ طَلْحَةَ بنِ مُصَرِّفٍ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رَوَى مَنْصُوْرُ بنُ الْمُعْتَمِرِ، وَشُعْبَةُ، عَنْ طَلْحَةَ بنِ مُصَرِّفٍ هٰذَا الحديثَ.

وفي الباب: عَنِ النُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: " مَنْ مَنَحَ مَنِيْحَةَ وَرِقٍ" إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ قَرْضَ الدَّرَاهِمِ، وَقَوْلُهُ: " أَوْ هَدَى زُقَاقًا" قَالَ: إِنَّمَا يَعْنِيْ بِهِ هِدَايَةَ الطَّرِيْقِ، وَهُوَ إِرْشَادُ السَّبِيْلِ.

ترجمہ: مَنْ مَنَحَ مِنِيْحَة وَرِقٍ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دراہم قرض دینا مراد لیا ہے۔ اور هَدَى زُقاقا: سے راستہ کی راہنمائی مراد لی ہے۔ هداية الطريق اور ارشاد السبيل ہم معنی ہیں۔

ملحوظہ: اس حدیث کا ایک راوی ابراہیم بن یوسف بن ابی اسحاق ہے، یہ ابواسحاق یوسف کے دادا ہیں، یوسف کے باپ اسحاق ہیں، پس عن أبيه سے یوسف مراد ہیں اور عن أبي إسحاق سے یوسف کے دادا مراد ہیں۔

بابُ ماجاء في إِمَاطَةِ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيْقِ

راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹادینا

حدیث: ایک شخص راستہ پر چلا جارہا تھا، اچانک اس نے ایک کانٹے دار ٹہنی راستہ میں پائی، پس اس نے اس کو ہٹادیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کا شکریہ ادا کیا، چنانچہ اس کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا۔

تشریح: لفظ شکر بھی ایسا لفظ ہے جس کے معنی نسبت کے بدلنے سے بدلتے ہیں، بندوں کے تعلق سے شکریہ کے معنی تو ظاہر ہیں اور اللہ کے تعلق سے اس کے معنی ہیں: جزائے خیر دینا، اجر وثواب سے نوازنا، یعنی اس کانٹے دار

ٹہنی کوراستہ سے ہٹانے کا اس کو اچھا بدلہ دیا اور وہ بدلہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی، اور کانٹے دار ٹہنی درخت سے جڑی ہوئی ٹہنی بھی ہوسکتی ہے اور کٹ کر زمین پر گری ہوئی ٹہنی بھی ہوسکتی ہے۔ پہلی صورت میں اس کو راستے سے ہٹانے کی صورت یہ ہے کہ اس کو کاٹ کر راستے سے ہٹا دیا، اور دوسری صورت میں ہٹانا ظاہر ہے۔

[۳۸-] باب ماجاء فی إِمَاطَةِ الأَذٰی عَنِ الطَّرِيْقِ

[۱۹۵۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ فِي الطَّرِيْقِ، إِذْ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ، فَأَخَّرَهُ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ، فغفَرَ لَهُ.

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ بُرْزَةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وأَبِيْ ذَرٍّ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء أَنَّ المَجَالِسَ بِالأَمَانَةِ

مجلس کی باتیں راز رہنی چاہئیں

باب کے الفاظ ابوداؤد کی حدیث کے الفاظ ہیں، یہ حدیث آگے آرہی ہے، اس باب میں یہ بیان ہے کہ معاشرہ کے صلاح وفساد میں اس بات کا بڑا دخل ہے کہ لوگ آپس کی باتیں راز رکھتے ہیں یا لیک کردیتے ہیں، اگر خانگی باتیں راز رہیں تو معاشرہ کی قدر بڑھتی ہے اور اگر راز کی باتیں لیک کردی جائیں تو دل میلے اور کھٹے ہوجاتے ہیں، اور بات بگڑتی چلی جاتی ہے۔

مجلس کی باتیں دوطرح کی ہوتی ہیں: عام اور خاص، عام باتیں تو عام ہیں ان کو راز رکھنے کا سوال نہیں، اور وہ بات بھلا کیسے راز رہ سکتی ہے جو عام مجمع میں کہی گئی ہو، ہاں خاص باتیں جن کا خاص ہونا صراحۃً یا دلالۃً معلوم ہو ان کو راز رکھنے کا حکم ہے، البتہ اگر اس بات سے کسی کو شدید ضرر پہنچ سکتا ہو، تو پھر اس کو راز رکھنا جائز نہیں، ابوداؤد شریف (حدیث ۴۸۶۹) میں ضعیف حدیث ہے: المَجَالِسُ بالأَمَانَةِ، إِلَّا ثلاثةَ مجالسَ: سَفْكُ دَمٍ حرامٍ، أَوْ فَرْجٌ حرامٌ، أَوِ اقْتِطَاعُ مالٍ بغير حقٍّ: یعنی مجلس کی باتیں امانت رہنی چاہئیں، مگر تین مجلسیں مستثنیٰ ہیں: (۱) ناجائز خون بہانے کی مجلس (۲) یا ناجائز شرم گاہ استعمال کرنے کی مجلس (۳) یا ناحق کسی کا مال ہڑپ کرنے کی مجلس، یہ باتیں راز نہیں رکھنی چاہئیں، اس شخص تک پہنچا دینی چاہئیں جو صاحب معاملہ ہے تاکہ وہ اپنا بچاؤ کرسکے۔

اور مجلس میں کہی ہوئی بات عام ہے یا خاص؟ یہ بات صراحت سے بھی معلوم ہوتی ہے اور دلالت سے بھی، صراحۃً خاص ہونا یہ ہے کہ بات کہنے والا کہہ دے: یہ بات راز رکھنا، کسی سے نہ کہنا، اور دلالۃً خاص ہونا وہ ہے جو

باب کی حدیث میں ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إذا حَدَّثَ الرجلُ الحديثَ، ثم التفتَ، فَهِيَ أَمَانَةٌ: جب کوئی شخص بات کہے پھر (دائیں بائیں) دیکھے (کہ کوئی سن تو نہیں رہا) پس وہ بات امانت ہے، یعنی بات آہستہ کرے یا بات کرتے وقت دائیں بائیں دیکھے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ راز کی بات کہہ رہا ہے پس اس کا افشاء جائز نہیں۔

[٣٩-] باب ماجاء أَنَّ الْمَجَالِسَ بِالْأَمَانَةِ

[١٩٥٦-] حدثنا أحمدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ ابنِ أَبِيْ ذِئْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الرحمنِ بنُ عَطَاءٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ جَابِرِ بنِ عَتِيْكٍ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الحَدِيْثَ، ثُمَّ الْتَفتَ، فَهِيَ أَمَانَةٌ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَإِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ أَبِيْ ذِئْبٍ.

بابُ ماجاء في السَّخَاءِ

سخاوت کا بیان

یہ دو باب ہیں: پہلے باب میں سخاوت کا اور دوسرے باب میں بخیلی کا ذکر ہے، سخاوت سے معاشرہ رونق پکڑتا ہے اور بخیلی سے معاشرہ پژمردہ ہوتا ہے، اگر معاشرے کے افراد سخی اور حاتم دل ہوں تو ہر کوئی وہاں وارد ہوگا اور اس کا شہرہ دور تک پھیلے گا، اور بخیل ہوں تو کتے بھی وہاں سے نہیں گذریں گے، وہ کس امید سے وہاں آئیں گے؟ وہاں ان کو روٹی کا ٹکڑا بھی نہیں ملے گا۔ پس معاشرے میں سخاوت کو پروان چڑھانا چاہئے تا کہ لوگ اس کا گن گائیں۔

حدیث: نبی ﷺ کی سالی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے پوچھا: میرے پاس میرا کچھ نہیں، میرے شوہر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جو کچھ مجھے لا کر دیتے ہیں وہی میرے پاس ہوتا ہے، پس کیا میں اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں کر سکتی ہو اور فرمایا: لاتُوْكِيْ فَيُوْكَى عليكِ: کنجوسی مت کرو، ورنہ تمہیں بھی تھوڑا دیا جائے گا۔

تشریح: أَوْكَى يُوْكِيْ إِيْكَاءً: بٹوہ باندھ کر رکھنا یعنی کنجوسی کرنا، اس کا مجرد وَكَى يَكِي وَكْيًا ہے، جس کے معنی ہیں: تھیلی کو ڈوری سے باندھنا۔ امام ترمذیؒ نے اس کی تفسیر کی ہے: لاتُحْصِيْ فَيُحْصَى عليكِ یعنی گن گرمت رکھو ورنہ تمہیں بھی گن کر دیا جائے گا۔ أَحْصَى الشيئَ کے معنی ہیں: شمار کرنا، مقدار جاننا، گننا، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خوب دل کھول کر خرچ کرو، اللہ تعالیٰ بے حساب دیں گے، راہِ خدا میں خرچ کرنے سے کبھی کوئی تنگ دست

نہیں ہوا، اور سینت کر رکھنے والے بہت سے بھوکے مر گئے، حوض میں پانی آتا بھی رہے اور جاتا بھی رہے تو پانی صاف رہتا ہے اور تازہ بھی، اور اگر نکلنا روک دیا جائے تو آنا بھی بند ہوجائے گا اور جو پانی حوض میں ہے وہ گندہ ہوجائے گا، یہی حال راہِ خدا میں خرچ کرنے کا ہے، آدمی کو اپنی ذات پر خرچ کرنے میں تو احتیاط کرنی چاہئے، دونوں ہاتھ کھول نہیں دینے چاہئیں، میانہ روی سے خرچ کرنا چاہئے، ورنہ ہمت ہار جائے گا، مگر راہِ خدا میں خرچ کرنے کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اللہ تعالیٰ اس خرچ کا ضرور بدلہ دیتے ہیں پھر کیوں ہاتھ روکے!

سوال: بیوی کے لئے شوہر کے مال میں سے شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا جائز نہیں، پھر نبی ﷺ نے حضرت اسماء کو شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کرنے کا حکم کیسے دیا؟ (اس سلسلہ کے احکام کتاب الزکوۃ میں گذر چکے ہیں)

جواب: اجازت کی دو قسمیں ہیں: صریح اور دلالۃً، صریح اجازت تو ظاہر ہے اور دلالۃً اجازت یہ بھی ہے کہ شوہر کے مزاج واحوال سے یہ بات معلوم ہو کہ اس کو خرچ کرنا ناگوار نہیں ہوگا تو بیوی خرچ کرسکتی ہے، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ہم زلف تھے، ان کے احوال سے آپؐ بخوبی واقف تھے کہ وہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے تنگ دل نہیں ہوتے، اس لئے آپؐ نے ان کی بیوی حضرت اسماءؓ کو خرچ کرنے کی اجازت دی۔

حضرت زبیرؓ کا انفاق کے سلسلہ میں مزاج:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں: وہ لوگوں کی بینک تھے، لوگ آپؓ کے پاس رقمیں امانت رکھتے تھے، وہ ان سے کہتے: میں امانت کہاں تک محفوظ رکھونگا! تم مجھے یہ رقم قرض دیدو، اور جب چاہو لے لو، لوگ قرض دیدیتے تھے، اور آپؓ اس کو راہِ خدا میں خرچ کردیتے تھے، پھر جب قرض خواہ آتا تو اِدھر اُدھر کرکے دیدیتے تھے، اسی طرح چلتا رہا، پھر جب آپؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کو بلایا اور فرمایا: لوگوں کے مجھ پر کتنے قرضے ہیں یہ مجھے بھی معلوم نہیں، پس میری وفات کے بعد جو بھی قرض خواہ آئے، اور جتنی بھی رقم مانگے ادا کردینا، کسی سے کوئی ثبوت نہ مانگنا، اور میری وفات کے بعد تین سال حج کے موقع پر منی میں اعلان کرنا کہ زبیر کا انتقال ہوگیا ہے، ان پر جس کا قرضہ ہو وہ مجھ سے لیلے، اور اگر کوئی قرض خواہ اتنا بڑا قرضہ مانگے جس کی ادائیگی تمہارے بس میں نہ ہو تو اچھی طرح وضو کرنا اور دو رکعتیں پڑھنا، پھر جو الفاظ میں بتا رہا ہوں انہی الفاظ سے دعا کرنا کہ اے زبیر کے رب! ایک شخص زبیر کا قرضہ مانگنے آیا ہے، اور میرے پاس انتظام نہیں، آپ اس کا انتظام کردیں، مجھے میرے رب سے امید ہے کہ وہ غیب سے میرے قرضے کی ادائیگی کا سامان کردیں گے۔

پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی، اور جو بھی قرض مانگنے آیا اس کا قرضہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ادا کردیا، اسی سلسلہ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص نے اپنا ایک لاکھ کا قرض بتایا، حضرت عبداللہؓ کے پاس انتظام نہیں تھا، وہ گھر میں گئے تاکہ دو رکعتیں پڑھ کر دعا کریں، اس شخص نے سوچا: میرے قرض مانگنے سے ان کو شرمندگی ہوئی، اس

لئے وہ گھر میں چلے گئے، چنانچہ وہ بھی اٹھ کر چلا گیا، حضرت عبداللہؓ نے حسب وصیت دعا کی اور باہر آئے تو وہ آدمی جا چکا تھا، پھر یہ ہوا کہ اسی دن ایک شخص آیا اور اس نے کہا آپ اپنا فلاں پلاٹ بیچتے ہیں؟ حضرت عبداللہ نے کہا: ہاں، اس نے کہا: میں اس کے ایک لاکھ درہم دوں گا، حضرت عبداللہ فوراً تیار ہو گئے، اور انھوں نے اس کو اپنی دعا کا اثر سمجھا، وہ شخص یہ کہہ کر چلا گیا کہ آپ غور کر لیں، اور اگر کوئی اس سے زیادہ دے تو مجھ سے مشورہ کئے بغیر نہ دینا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایلچی آیا، اس نے وہی زمین خریدنی چاہی، حضرت عبداللہ نے کہا: فلاں صاحب اس کے ایک لاکھ درہم لگا گئے ہیں۔ حضرت معاویہ کے کارندے نے کہا: میں دو لاکھ دوں گا، حضرت عبداللہؓ نے کہا: میں پہلے شخص سے پوچھ کر جواب دوں گا، اس نے کہا: اگر وہ زیادہ دیں تو مجھ سے پوچھے بغیر نہ دینا، چنانچہ حضرت عبداللہ نے جب پہلے شخص سے بات کی تو اس نے کہا: میں تین لاکھ دوں گا، حضرت عبداللہ نے فرمایا: میں دوسرے شخص سے بات کر کے جواب دوں گا۔ اس سے بات کی تو اس نے کہا: میں چار لاکھ دوں گا، یونہی بات بڑھتی رہی اور دس لاکھ میں وہ زمین بکی، جس کی واقعی قیمت ایک لاکھ تھی، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ کے پاس اتنی رقم بھیج دی کہ سارے قرضے ادا ہو گئے، اور حضرت عبداللہؓ کو پھر دعا کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

اس واقعہ سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت اسماء کو شوہر کی اجازت کے بغیر راہِ خدا میں خرچ کرنے کی اجازت اس لئے دی تھی کہ آپؐ کو ان کے شوہر کے مزاج سے واقفیت تھی، آپؐ کو معلوم تھا کہ ان کے شوہر کو یہ انفاق ناگوار نہیں ہوگا، ورنہ مسئلہ وہی ہے جو پہلے کتاب الزکوٰۃ میں گذر چکا ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: السَّخِيُّ قريبٌ مِن الله، قريبٌ مِن الجنة، قريبٌ من الناس، بعيدٌ من النار: سخی اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہے، جنت سے نزدیک ہے، لوگوں سے نزدیک ہے، یعنی لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، اور دوزخ سے دور ہے، یعنی وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ والبخيلُ بعيدٌ من الله، بعيدٌ من الجنة، بعيدٌ من الناس، قريبٌ من النار: اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ہے، یعنی اللہ کو وہ بندہ پسند نہیں، جنت سے دور ہے، یعنی جنت اس کو نصیب نہیں ہوگی، لوگوں سے دور ہے، یعنی لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اور دوزخ سے قریب ہے یعنی مرا اور دوزخ میں پہنچا! والجاهلُ السَّخِيُّ أَحَبُّ إلى الله مِن عابدٍ بخيلٍ: اور جاہل سخی عبادت گذار بخیل سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے، غور کریں! سخاوت نے بے علم کو بھی محبوب بنا دیا، اور بخل نے عبادت گذار کو بھی دور پھینک دیا۔

[۴۰-] باب ماجاء في السَّخَاءِ

[۱۹۵۷-] حدثنا أَبُو الخطَّابِ زِيَادُ بنُ يَحيىَ الحَسَّانِيُّ البَصرِيُّ، ثَنَا حَاتِمُ بنُ وَرْدَانَ، ثنا أَيُّوبُ، عَنْ ابنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: قُلْتُ يَارسولَ اللّهِ! إِنَّهُ لَيسَ لِي مِنْ شَيْءٍ إِلَّا مَا

أَدْخَلَ عَلَيَّ الزُّبَيْرُ، أَ فَأُعْطِيْ؟ قَالَ: "نعم، لَا تُوكِيْ فَيُوكَى عَلَيْكِ" يَقُوْلُ: لَا تُحْصِي فَيُحْصَى عَلَيْكِ.

وفي الباب: عَنْ عَائشةَ، وَأَبِيْ هُريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الحديثَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، عَنْ ابنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنْ عَبَّادِ بن عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ، وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا عَنْ أَيُّوْبَ، وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ: عَنْ عَبَّادِ بن عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الزُّبَيْرِ.

[١٩٥٨-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَرَفَةَ، ثَنَا سَعِيْدُ بنُ مُحمدٍ الوَرَّاقُ، عَنْ يَحْيى بنِ سَعِيْدٍ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "السَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِنَ اللّٰهِ، قَرِيْبٌ مِنَ الْجَنَّةِ، قَرِيْبٌ مِنَ النَّاسِ، بَعِيْدٌ مِنَ النَّارِ؛ وَالْبَخِيْلُ بعِيْدٌ مِنَ اللّٰهِ، بَعِيْدٌ مِنَ الْجَنَّةِ، بَعِيْدٌ مِنَ النَّاسِ، قَرِيْبٌ مِنَ النَّارِ؛ وَالْجَاهِلُ السَّخِيُّ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لانَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ سَعِيْدِ بنِ مُحمدٍ، وَقَدْ خُوْلِفَ سَعِيْدُ بنُ مُحمدٍ فِيْ رِوَايَةِ هٰذَا الحديث عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، إِنَّمَا يُرْوَى عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَائِشَةَ شَيْئٌ مُرْسَلٌ.

وضاحت: پہلی حدیث حضرت ایوب سختیانی: ابن ابی ملیکہ سے، اور وہ حضرت اسماءؓ سے روایت کرتے ہیں، اور ایوب سختیانی کے علاوہ ابن ابی ملیکہ کے بعض دوسرے تلامذہ: ابن ابی ملیکہ اور حضرت اسماء کے درمیان عباد بن عبداللہ بن الزبیر کا واسطہ بڑھاتے ہیں، مگر ایوب سختیانی کا کوئی شاگرد یہ واسطہ نہیں بڑھاتا (پس صحیح سند ایوب سختیانی کی ہے یعنی ابن ابی ملیکہ نے یہ حدیث براہِ راست حضرت اسماء سے سنی ہے، اور جس نے عباد کا واسطہ بڑھایا ہے وہ مزید فی متصل الاسناد ہے)

دوسری حدیث سعید بن محمد ورّاق کی ہے، وہ یحییٰ بن سعید انصاری سے، اور وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج سے، اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، حدیث کی یہ سند متصل ہے، اور یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے اور سعید بن محمد سے آخر تک یہی ایک سند ہے، اور یحییٰ انصاری کے دوسرے تلامذہ سعید بن محمد کی سند کے برخلاف سند پیش کرتے ہیں، وہ یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت کرتے ہیں، پھر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مختصراً روایت کرتے ہیں، یعنی بیچ کے کسی راوی کا تذکرہ نہیں کرتے، پس یہ سند مرسل یعنی منقطع ہے، اور صحیح سند پہلی ہے یعنی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے۔

بابُ ماجاء فی البُخْلِ

بخیلی کا بیان

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: خَصْلَتَانِ لَاتَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ: اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ: دو باتیں کسی

مؤمن میں جمع نہیں ہوتیں: بخیلی اور بداخلاقی۔

تشریح: اس حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ کسی مؤمن میں یہ دو صفتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتیں، اور مشاہدے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، بخیل بداخلاق نہیں ہوتا، خوش اخلاق ہوتا ہے، اور بداخلاق بخیل نہیں ہوتا، دریا دل ہوتا ہے، اور خبر میں انشاء مضمر ہے یعنی ان دو صفتوں سے بچو، ورنہ کم از کم ایک سے بچو، دونوں کو جمع مت ہونے دو۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَدْخُلُ الجنَّةَ خِبٌّ، ولا بَخِيْلٌ، وَلَا مَنَّانٌ: دغاباز جنت میں نہیں جائے گا اور نہ بخیل اور نہ احسان جتلانے والا، یہ تین صفتیں دخولِ جنت کے لئے بڑی رکاوٹیں ہیں، پس ان سے دامن بچاؤ۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: المُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ، وَالْفَاجِرُ خِبٌّ لَئِيْمٌ: مؤمن سادہ دل (بھولا بھالا سیدھا سادہ) شریف الطبع ہوتا ہے، اور بدکار (خواہ کافر ہو یا نام نہاد مسلمان) دغاباز کمینہ ہوتا ہے۔

تشریح: اس آخری حدیث کا بعض حضرات نے ایک دوسری حدیث سے تعارض سمجھا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: لَايُلْدَغُ المؤمنُ من جُحْرٍ مَرَّتَيْنِ: مؤمن: ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا یعنی وہ دھوکہ نہیں کھاتا۔ اور یہ حدیث کہہ رہی ہے کہ مؤمن بھولا بھالا سادہ دل ہوتا ہے یعنی معاملات میں دھوکہ کھاتا ہے، پس یہ تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مؤمن بے شک بھولا اور سادہ دل ہوتا ہے مگر بے وقوف نہیں ہوتا، وہ ایک آدھ بار تو دھوکہ کھاتا ہے، مگر بار بار دھوکہ نہیں کھاتا، اور حدیث میں مرتین (تثنیہ) عدد کے لئے نہیں ہے، بلکہ تکرار کے لئے ہے، جیسے سورۃ الملک (آیت ۴) میں کرتین: عدد کے لئے نہیں، بلکہ تکرار کے لئے ہے یعنی بار بار دیکھ، پس یہاں بھی مرتین کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن بار بار دھوکہ نہیں کھاتا، کیونکہ وہ بے وقوف نہیں ہوتا بلکہ سادہ دل ہوتا ہے اس لئے کبھی دھوکہ کھا جاتا ہے، یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

[٤١-] باب ماجاء في البُخْلِ

[١٩٥٩-] حدثنا أَبُوْ حَفْصٍ عَمْرُو بنُ عَلِيٍّ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ، ثَنَا صَدَقَةُ بنُ مُوْسَى، ثَنَا مَالِكُ بنُ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ غَالِبِ الحُدَّانِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ: البُخْلُ، وَسُوْءُ الْخُلُقِ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ صَدَقَةَ بنِ مُوْسَى.

[١٩٦٠-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، ثَنَا صَدَقَةُ بنُ مُوْسَى، عَنْ فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ، عَنْ مُرَّةَ الطَّيِّبِ، عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ، وَلَا بَخِيْلٌ، وَلَا مَنَّانٌ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

[۱۹۶۱-] حدثنا مُحمدُ بنُ رَافِعٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ بِشْرِ بنِ رَافِعٍ، عَنْ يَحْيىَ بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "الْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ، وَالْفَاجِرُ خِبٌّ لَئِيْمٌ" هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

وضاحت: پہلی حدیث کی سند میں صدقۃ بن موسیٰ معمولی درجہ کا راوی ہے اس لئے امام ترمذیؒ کے اصول کے مطابق یہ حدیث صرف حسن ہے...... اور دوسری حدیث کی سند میں فرقد سبخی بھی ہے یہ بھی معمولی راوی ہے اس لئے یہ حدیث بھی صرف حسن ہے...... اور تیسری حدیث کی سند میں بشر بن رافع ہے جو ضعیف ہے، اور حدیث کی یہی ایک سند ہے پس یہ سند ضعیف ہے۔

بابُ ماجاء فی النَّفَقَةِ عَلَى الأَهْلِ

اہل وعیال پر خرچ کرنے کا بیان

اہل وعیال پر خرچ کرنے میں تنگی کرنے سے بھی معاشرہ خراب ہوتا ہے، بیوی جب تنگ آجاتی ہے تو شوہر کے مال میں سے چپکے سے لیتی ہے، وہ بے چاری اس کے بغیر گھر کا خرچ کیسے چلائے؟ پھر جب لینے کی عادت پڑ جاتی ہے تو بے ضرورت بھی لیتی ہے، اسی طرح جب بچوں کو خرچ کے لئے باپ کچھ نہیں دیتا تو وہ بھی گھر میں چھوٹی موٹی چوری کرتے ہیں، اور جب ان کی عادت بگڑ جاتی ہے تو باہر بھی ہاتھ مارتے ہیں اور معاشرہ خراب ہو جاتا ہے، پس لوگوں کو سمجھنا چاہئے اور گھر کی ضروریات کے بقدر گھر میں خرچ دینا چاہئے، اور بچوں کو بھی ان کی عمروں کے لحاظ سے خرچ دینا چاہئے تا کہ وہ تنگ دستی کی وجہ سے کوئی دوسری راہ نہ سوچیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: نَفَقَةُ الرجُلِ علی أَهْلِه صَدَقَةٌ: آدمی کا اپنی فیملی پر خرچ کرنا خیرات ہے، یعنی اس کا بھی ثواب ملتا ہے، پھر آدمی گھر والوں پر تنگی کیوں کرے؟

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: بہترین دینار (تین ہیں) ایک: وہ دینار جس کو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرے۔ دوسرا: وہ دینار جس کو آدمی راہِ خدا میں اپنی استعمال ہونے والی سواری پر خرچ کرے، تیسرا: وہ دینار جس کو آدمی راہِ خدا میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔ حدیث کے راوی ابو قلابہ عبداللہ بن زید جرمی بصری جو بڑے درجہ کے آدمی ہیں فرماتے ہیں: نبی پاک ﷺ نے پہلے بال بچوں پر خرچ کرنے کا تذکرہ کیا (اس سے معلوم ہوا کہ یہی سب سے افضل خرچ کرنا ہے) پھر ابو قلابہؒ نے فرمایا: بتلاؤ! کونسا آدمی ثواب کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے، اس آدمی سے جو اپنے چھوٹے بچوں پر خرچ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کو اس خرچ کرنے کی وجہ سے پاک دامن رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس خرچ کرنے کی وجہ سے بے نیاز رکھتے ہیں! (بال بچوں پر خرچ کرنے کی اسی حکمت کا باب کی تمہید

میں تذکرہ کیا گیا ہے)

[۴۲-] باب ماجاء فی النَّفَقَةِ عَلَی الأَهْلِ

[۱۹۶۲-] حدثنا أَحمدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَدِیِّ بنِ ثَابِتٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ يَزِيْدَ، عَنْ أَبِیْ مَسْعُوْدٍ الأَنْصَارِیِّ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم، قَالَ:" نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَی أَهْلِهِ صَدَقَةٌ"

وفی الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَعَمْرِو بنِ أُمَيَّةَ، وأَبِیْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۹۶۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِیْ قِلَابَةَ، عَنْ أَبِیْ أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم، قَالَ:" أَفْضَلُ الدِّيْنَارِ: دِيْنَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَی عِيَالِهِ، وَدِيْنَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَی دَابَّتِهِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَدِيْنَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَی أَصْحَابِهِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"

قَالَ أَبُوْ قِلَابَةَ: بَدَأَ بِالْعِيَالِ، ثُمَّ قَالَ: وَأَیُّ رَجُلٍ أَعْظَمُ أَجْراً مِنْ رَجُلٍ يُنْفِقُ عَلَی عِيَالٍ لَهُ صِغَارٍ يُعِفُّهُمُ اللّٰهُ بِهِ، وَيُغْنِيْهِمُ اللّٰهُ بِهِ؟ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی الضِّيَافَةِ، وَغَايَةِ الضِّيَافَةِ: كَمْ هِیَ؟

مہمان نوازی اوراس کی آخری حد

مہمان نوازی معاشرہ کی ایک بنیادی ضرورت ہے، آدمی ہمیشہ گھر پرنہیں رہتا، اِدھراُدھر بھی جاتا ہے، اور توشہ ساتھ نہیں لے جاتا، پس اگرلوگ اس کی میزبانی نہیں کریں گے تو وہ بھوکا مرے گا، شہروں میں تو انتظام ہوتا ہے، آدمی پیسوں سے بھی کھاسکتا ہے، مگر دیہاتوں میں کوئی شکل نہیں ہوتی، اس لئے ضروری ہے کہ معاشرہ ایسے بے سہارالوگوں کا تعاون کرے اوران کی میزبانی کرے۔

پھر جمہور علماء کے نزدیک مہمانی کرنا سنتِ مؤکدہ ہے اور بعض حضرات کی رائے میں ضیافت واجب ہے، ابوداؤد (حدیث ۳۷۵۰ کتاب الأطعمة) میں روایت ہے: لَيْلَةُ الضَّيْفِ حَقٌّ علی کلِّ مُسْلِمٍ: یک شبانہ روز مہمان نوازی ہر مسلمان پرواجب ہے، نیز باب کی پہلی حدیث میں جوتعبیر ہے وہ بھی وجوب پر دلالت کرتی ہے، اس لئے علماء نے حدیثوں کومختلف طرح سے جمع کیا ہے۔ امام ابوداؤد نے روایات کوناسخ ومنسوخ قراردیا ہے، یعنی وجوب پر دلالت کرنے والی روایتیں ابتدائے اسلام کی ہیں، بعد میں یہ وجوب ختم کردیا گیا تھا۔ الکوکب الدری میں بھی یہی توجیہ کی گئی ہے، مگر بہتر تطبیق یہ ہے کہ وجوب پر دلالت کرنے والی روایات بھی استحباب پرمحمول ہیں، اس لئے کہ حق کی

دو قسمیں ہیں: ایک شریعت کا حق اور دوسرا مروّت وانسانیت کا حق، اگر یہ دوسرا حق مراد لیا جائے تو اس روایت سے بھی ضیافت کا استحباب ثابت ہوگا، یہی لفظ غسل جمعہ کے مسئلہ میں آیا ہے وہاں بھی علماء نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔

حدیث (۱): حضرت ابوشریح عدوی، کعبی، خزاعی خویلد بن عمروؓ کہتے ہیں: میری دونوں آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور میرے دونوں کانوں نے آپؐ کی بات سنی ہے جب آپؐ نے ارشاد فرمایا: مَن کان یُؤْمِنُ باللهِ والیومِ الآخرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَه: جائزَتَهُ: جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور اکرام سے مراد اس کا انعام ہے۔ جائزته: ضَیْفَه سے بدل ہے، صحابہ نے پوچھا: مہمان کا انعام کیا ہے؟ (ان کا مقصد انعام کی مدت معلوم کرنا تھا یعنی مہمان کے لئے کتنے دن تک ضیافت کا اہتمام کیا جائے؟) آپؐ نے فرمایا: یومٌ وَلَیْلَةٌ: یک شبانہ روز ضیافت میں تکلف کرنا اس کا انعام ہے، اور نبی ﷺ نے فرمایا: والضِّیافةُ ثلاثةُ أیامٍ، وماکان بعدَ ذلك فهو صَدَقَةٌ: اور مہمانی تین دن ہے، اور اس کے بعد جو کچھ ہے وہ خیرات ہے (یعنی ایک رات دن تک تو میزبانی کا اہتمام کرنا چاہئے، پھر ماحضر پیش کیا جائے اور پھر بھی مہمان نہ جائے تو خندہ پیشانی سے کھلایا جائے، کیونکہ آدمی خیرات کرتا ہی ہے، اس کو بھی ایک خیرات سمجھے) اور نبی ﷺ نے فرمایا: من کان یؤمن باللهِ والیومِ الآخرِ فَلْیَقُلْ خَیْراً أَوْ لِیَسْکُتْ: اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے، کیونکہ منہ سے نکلی ہوئی بات ریکارڈ کر لی جاتی ہے، پس اگر بھلے طریقہ پر مہمان سے کوئی بات کہے جس سے وہ رخصت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، ورنہ رخصت کرنے کے لئے بھونڈا طریقہ اختیار نہ کرے۔

ایک واقعہ: ایک بدو کے یہاں مہمان آیا، وہ جانے کا نام ہی نہیں لیتا تھا، میاں بیوی نے طے کیا کہ آج رات ہم آپس میں باتیں کریں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مہمان کب تک رکے گا؟ چنانچہ جب رات میں بیٹھے تو کسی بات پر شوہر نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمارے مہمان کی روزی ہمارے یہاں آئندہ کل بھی رکھی ہے: بات یوں ہے، مہمان سن رہا تھا، مگر کچھ نہ بولا جس سے معلوم ہوا کہ وہ آئندہ کل رکنے والا ہے، پھر بیوی نے کہا: میرے سرتاج! قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمارے مہمان کی ہمارے یہاں آئندہ پرسوں کی بھی روزی رکھی ہے، بات اس طرح نہیں ہے جس طرح آپ کہہ رہے ہیں بلکہ بات اس طرح ہے، مہمان یہ سن کر بولا: قسم ہے اس ذات کی جس نے میری روزی آپ حضرات کے یہاں ایک مہینہ تک رکھی ہے، بات اس طرح نہیں ہے جس طرح آپ دونوں کہہ رہے ہیں بلکہ بات اس طرح ہے، وہ سمجھ گئے کہ یہ آفت مہینہ تک ٹلنے والی نہیں۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: مہمانی تین دن ہے اور اس کا انعام یعنی اس کے لئے ضیافت کا اہتمام ایک رات دن ہے، اور جو کچھ اس کے بعد اس پر خرچ کیا جائے وہ خیرات ہے، اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ میزبان کے پاس پڑا رہے یہاں تک کہ اس کو تنگ کر دے، ثَوَی یَثْوِی ثَوَاءً کے معنی ہیں: قیام کرنا، ٹھہرنا، اور أَحْرَجَ فلاناً

کے معنی ہیں تنگی اور پریشانی میں ڈالنا، یہ حدیث بھی ابوشریح کعبیؓ ہی کی ہے، البتہ اس کا آخری جملہ پہلی حدیث میں نہیں ہے، اور پہلی حدیث کا آخری جملہ یہاں نہیں ہے۔

[٤٣-] باب ماجاء في الضِّيَافَةِ، وَغَايَةِ الضِّيَافَةِ: كَمْ هِيَ؟

[١٩٦٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ أَبِيْ سَعِيْدِ الْمُقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْ شُرَيْحٍ العَدَوِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: أَبْصَرَتْ عَيْنَايَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَسَمِعَتْهُ أُذُنَايَ حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهِ، قَالَ: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ: جَائِزَتَهُ" قَالُوْا: وَمَاجَائِزَتُهُ؟ قَالَ. "يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ" قَالَ: "وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَمَا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَسْكُتْ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٩٦٥-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ ابنِ عَجْلَانَ، عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْ شُرَيْحٍ الكَعْبِيِّ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَجَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَمَا أُنْفِقَ عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ"

وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "لَا يَثْوِيْ عِنْدَهُ" يَعْنِي الضَّيْفَ: لَا يُقِيْمُ عِنْدَهُ حَتَّى يَشْتَدَّ عَلَى صَاحِبِ الْمَنْزِلِ، وَالحَرَجُ: هُوَ الضِّيْقُ، إِنَّمَا قَوْلُهُ: "حَتَّى يُحْرِجَهُ" يَقُوْلُ: حَتَّى يُضَيِّقَ عَلَيْهِ.

وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وأَبِيْ هريرةَ، وَقَدْ رَوَاهُ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، وَاللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ، عَنْ سَعِيْدٍ المَقْبُرِيِّ. هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ شُرَيْحٍ الخُزَاعِيُّ: هُوَ الكَعْبِيُّ، وَهُوَ العَدَوِيُّ، واسْمُهُ: خُوَيْلِدُ بنُ عَمْرٍو.

وضاحت: لایثوی کا فاعل ضیف ہے یعنی مہمان نہ ٹھہرا رہے میزبان کے پاس یہاں تک کہ تنگی کردے گھر والے پر، اور حرج کے معنی تنگی کے ہیں، اور حتی یُحْرِجه کے معنی ہیں: یہاں تک کہ اس پر تنگی کردے۔

بابُ ماجاء في السَّعْيِ عَلَى الأَرْمَلَةِ وَاليَتِيْمِ

بیوہ اور یتیم کے کام کرنے کی فضیلت

الأَرْمَلَة: الأَرْمَلُ کا مؤنث ہے، جس کے معنی ہیں: بیوہ، یعنی جس کا شوہر مرگیا ہو، اس کی جمع أَرَامِلَةٌ ہے، اور یتیم وہ نابالغ بچہ ہے جس کا باپ مرگیا ہو، اور یتیم سے یہاں مراد وہ بچہ ہے جو بیوہ کے پاس ہے، حدیث میں اگرچہ لفظ مسکین آیا ہے مگر عام مسکین مرادنہیں، بلکہ بیوہ کا یتیم بچہ مراد ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے باب میں مسکین کے

بجائے یتیم استعمال کیا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ حدیث میں خاص مسکین مراد ہے۔

کبھی بیوی پہلے مرجاتی ہے تو شوہر ضرورت ہوتو دوسری شادی کرلیتا ہے، خواہ پہلی بیوی سے اولاد ہو یا نہ ہو، اور کبھی شوہر پہلے مرجاتا ہے تو عورت اگر بے اولاد ہوتی ہے، یا اولاد کی پرورش کرنے والا کوئی ہوتا ہے تو وہ نکاحِ ثانی کرلیتی ہے، لیکن عورت کبھی بوڑھی ہوتی ہے، یا اولاد کی پرورش کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تو وہ نکاح نہیں کرتی، شوہر کی اولاد کو پالتی ہے، ایسی صورت میں بیوہ اور اس کا بچہ بے سہارا ہوتے ہیں، پس ضروری ہے کہ معاشرہ ان کی خبر گیری کرے، ان کے کام کاج کرے، ان کا تعاون کرے اور اپنے کاموں پر ان کے کاموں کو مقدم رکھے، معاشرہ کی خوبی کے لئے یہ بات ضروری ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ والمسكينِ كالمُجاهِدِ في سبيل الله، أو كالَّذِي يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ: بیوہ اور مسکین کے کام انجام دینے والا راہِ خدا میں لڑنے والے کی طرح ہے، یا اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات میں نفلیں پڑھتا ہے۔

تشریح: اس شخص کو جو بیوہ اور یتیم کے کام انجام دیتا ہے: مجاہد فی سبیل اللہ کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے، یا شب و روز عبادت کرنے والے کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے، یعنی ان کے مانند قرار دیا ہے، یہ الحاق ہی اس کی فضیلت ہے، اور پہلے ابواب فضائل الجہاد میں حدیث گذری ہے جس میں نبی ﷺ نے مجاہد اور عبادت گذار کو ایک دوسرے کے ساتھ لاحق کیا ہے۔ غرض ان بے سہارا لوگوں کا سہارا بننا بہت بڑا ثواب کا کام ہے، لوگوں کو چاہئے کہ وہ یہ فضیلت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

[٤٤-] باب ماجاء في السَّعْيِ على الْأَرْمَلَةِ وَالْيَتِيْمِ

[١٩٦٦-] حدثنا الْأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ صَفْوَانَ بنِ سُلَيْمٍ، يَرْفَعُهُ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَوْ كَالَّذِيْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ"

[١٩٦٧-] حدثنا الْأَنْصَارِيُّ، نَا مَعْنٌ، نَا مَالِكٌ، عَنْ ثَوْرِ بنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ الغَيْثِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، مِثْلَ ذٰلِكَ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ: وَأَبُوْ الغَيْثِ: اسْمُهُ سَالِمٌ، مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُطِيْعٍ، وَثَوْرُ بنُ يَزِيْدَ: شَامِيٌّ، وَثَوْرُ بنُ زَيْدٍ مَدَنِيٌّ.

وضاحت: حدیث کی پہلی سند مرسل ہے، صفوان بن سلیم تابعی ہیں، ان سے امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کی

ہے، اور دوسری سند متصل ہے یہ بھی امام مالکؒ کی سند ہے مگر وہ ثور بن زید سے روایت کرتے ہیں، یہ دِیلی مدنی ہیں اور ثقہ ہیں، اور ایک دوسرا راوی ثور بن یزید ہے یہ حمص کا باشندہ ہے یعنی شامی ہے، اور یہ بھی ثقہ ہے مگر اس سند میں یہ راوی نہیں...... اور ابوالغیث کا نام سالم ہے، یہ مدنی ہیں، ابن مطیع کے آزاد کردہ ہیں اور ثقہ راوی ہیں۔

بابُ ماجاء فی طَلاَقَةِ الْوَجْهِ وَحُسْنِ الْبِشْرِ

خندہ پیشانی اور شگفتہ روئی کا بیان

معاشرہ کی خوبی اس بات کی رہین منت ہے کہ ہر شخص خندہ پیشانی، ہشاش بشاش دوسرے سے ملے، تاکہ باہمی ملاقاتیں خوش گوار ہوں اگر لوگ ترش روئی اور منہ لٹکا کر ایک دوسرے سے ملیں گے تو ہر شخص کبیدہ خاطر ہوگا۔ اس لئے معاشرہ کو پروان چڑھانے کے لئے بوقت ملاقات بشاشت ضروری ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ہر معروف (وہ کام جس کی خوبی عقل وشرع سے ثابت ہو) خیرات ہے، یعنی اس پر اجر وثواب ملتا ہے، اور معروف کاموں میں سے یہ دو کام ہیں: ایک: آپ اپنے دینی بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملیں، دوسرا: آپ اپنے ڈول میں سے اپنے دینی بھائی کے برتن میں پانی ڈالیں یعنی اس کے پاس ڈول نہ ہو تو آپ اپنے ڈول سے اس کا مٹکا بھر دیں۔

[٤٥-] باب ماجاء فی طَلاَقَةِ الْوَجْهِ وَحُسْنِ الْبِشْرِ

[١٩٦٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا الْمُنْكَدِرُ بنُ مُحمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ: أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ، وأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ إِنَاءِ أَخِيْكَ"

وفی الباب: عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی الصِّدْقِ وَالْكِذْبِ

سچ بولنے اور جھوٹ بولنے کا بیان

سچ بولنا اور جھوٹ بولنا: ایسی دو باتیں ہیں جن سے معاشرہ سنورتا ہے اور بگڑتا ہے، اگر لوگ آپس میں سچ بولیں گے تو معاشرہ پروان چڑھے گا اور اگر جھوٹ بولیں گے تو طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہونگی، اس لئے اسلام نے سچ بولنے کی بہت زیادہ تاکید کی ہے اور جھوٹ بولنے سے بہت سختی سے روکا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: سچ بولنے کو لازم پکڑو، اس لئے کہ سچ بولنا نیک کاموں کی راہ دکھاتا ہے، اور نیک کام جنت میں پہنچاتے ہیں، اور آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت سچا لکھ دیا جاتا ہے...... اور جھوٹ بولنے سے بچو، اس لئے کہ جھوٹ بولنا بدکاریوں کی راہ دکھاتا ہے اور بدکاریاں دوزخ میں پہنچاتی ہیں، اور بندہ برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک مہا جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

تشریح: اعمال کا حال عادات جیسا ہے، اور جس طرح اچھی بری عادتیں آہستہ آہستہ بنتی ہیں اچھے برے اعمال میں کمال بھی رفتہ رفتہ پیدا ہوتا ہے، اور ایک اچھا عمل دوسرے اچھے عمل تک پہنچاتا ہے اور اسی طرح آدمی اچھے اعمال کرتا کرتا جنت میں پہنچ جاتا ہے، سچ بولنا بھی ایک ایسا ہی نیک عمل ہے جو دوسرے نیک عمل تک مفضی ہوتا ہے، پھر وہ نیک اعمال اسے جنت تک پہنچاتے ہیں، اور جھوٹ بولنا نہایت برا عمل ہے وہ دوسرے برے عمل تک مفضی ہوتا ہے اور آدمی یکے بعد دیگرے برائیاں کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔

دوسرا مضمون اس حدیث میں یہ ہے کہ آدمی صدیق (نہایت سچا) اور کذاب (نہایت جھوٹا) ایک دم نہیں بن جاتا بلکہ رفتہ رفتہ بنتا ہے، اگر آدمی برابر سچ بولتا رہے اور سچ بولنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے تو ایک دن وہ صدیق بن جاتا ہے اور یہی حال جھوٹ بولنے کا ہے، پس ہر مؤمن کو سچ بولنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے تاکہ نبوت کے بعد جو سب سے بڑا مقام (صدیقیت) ہے اس کو حاصل کر سکے، اور جھوٹ سے ہر طرح دامن بچانا چاہئے، چھوٹی چنگاری کو بھی چھوٹا نہیں سمجھنا چاہئے، وہ گھر پھونک سکتی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: إِذَا كَذَبَ العَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ المَلَكُ مِيْلاً مِنْ نَتْنِ مَاجَاءَ بِهِ: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے اس کلمہ کی بدبو سے جس کو وہ بولا ہے۔

تشریح: جس طرح اس مادّی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو محسوس کرتے ہیں، اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت ان کی مادیت پر غالب آجاتی ہے (معارف الحدیث ۲: ۲۶۴)

[٤٦-] باب ماجاء في الصِّدْقِ وَالْكِذْبِ

[١٩٦٩-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقِ بنِ سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ إِلَى

الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ، وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ، حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا، وإِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ، فَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ، وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ العَبْدُ يَكْذِبُ، وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ الشِّخِّيْرِ، وابنِ عُمَرَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٩٧٠-] حدثنا يَحْيىَ بنُ مُوْسَى قَالَ: قُلْتُ لِعَبْدِ الرَّحِيْمِ بنِ هَارُوْنَ الغَسَّانِيِّ: حَدَّثَكُمْ عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ أَبِيْ رَوَّادٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَاجَاءَ بِهِ" قَالَ يَحْيَ: فَأَقَرَّ بِهِ عَبْدُ الرَّحِيْمِ بنُ هَارُوْنَ، وَقَالَ: نَعَمْ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ جَيِّدٌ غريبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، تَفَرَّدَ بِهِ عَبْدُ الرَّحِيْمِ بنُ هَارُوْنَ.

وضاحت: اس حدیث کی سند میں عبدالرحیم بن ہارون غسانی ہے، یہ راوی ضعیف ہے، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے، کیونکہ آپ ہلکے ضعیف راوی کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔

بابُ ماجاء في الفُحْشِ

بری باتوں کا بیان

فُحْش: باب نصر اور کرم کا مصدر ہے، فَحَشَ القولُ أو الفعلُ کے معنی ہیں: قول وفعل کا انتہائی برا ہونا، قابل مذمت ہونا اور الفاحِشَة کے معنی ہیں: قابل نفرت قول وفعل، گندی بات اور گندہ کام۔ اور تفَحَّشَ کے معنی ہیں: بہ تکلف فحش گفتگو کرنا۔ فحش گوئی، بدکلامی اور گالی گلوچ بھی معاشرہ کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہے، اور خوش کلامی، شرم وحیا اور لحاظ ومروت معاشرہ کے لئے خوبی کی بات ہے۔

پھر بعض لوگ تو بدکلامی اور گالی گلوچ کے عادی ہوتے ہیں، اور بعض بہ تکلف بھونڈے الفاظ بولتے ہیں، یہ بھی طریقۂ نبوی کے خلاف ہے، نبی ﷺ نہ فطری طور پر بدگو تھے نہ بہ تکلف بدگوئی فرماتے تھے، بلکہ آپؐ خوش کلام تھے، لوگوں سے سنجیدہ گفتگو کرتے تھے، اور آپؐ کا ارشاد ہے: ماکان الفُحْشُ فی شیئٍ إلا شانَه، وماکان الحياءُ فی شيئٍ إلا زَانَه: جس چیز میں بھی بدگوئی شامل ہوجاتی ہے: وہ اس کو عیب دار بنادیتی ہے، اور جس چیز میں بھی حیاء لحاظ شامل ہوجاتا ہے وہ اس کو شاندار بنادیتا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نہ فطری طور پر بدگو تھے اور نہ بتکلف بدگوئی کرتے تھے، کیونکہ یہ بداخلاقی ہے، اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: خِيارُكم أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا: تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہیں، پس لوگوں کو چاہئے کہ خوش کلامی اختیار کریں، لحاظ ومروت سے کام لیں اور بدکلامی اور گالی گلوچ سے دور رہیں، اور لوگوں سے بھونڈے انداز

پر خطاب نہ کریں، اس سے معاشرہ کی قدر گھٹتی ہے۔

[٤٧-] باب ماجاء في الفُحْشِ

[١٩٧١-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَاكَانَ الفُحْشُ فِيْ شَيْئٍ إِلَّا شَانَهُ، وَمَا كَانَ الحَيَاءُ فِيْ شَيْئٍ إِلَّا زَانَهُ"

وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، قَالَ أَبُوْ عيسىٰ: هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ.

[١٩٧٢-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ، أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا" وَلَمْ يَكُنِ النبيُّ صلى الله عليه وسلم فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في اللَّعْنَةِ

لعنت کا بیان

اللَّعْنة: باب فتح کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: بددعا دینا، لعنت بھیجنا، اور لَعَنَه الله کے معنی ہیں: یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اس کو خیر سے محروم کردے، اور بھلائی سے دور کردے۔

لعنت کرنا، پھٹکار بھیجنا اور بددعا دینا: بدگوئی کا آخری درجہ ہے اور ڈھیلا اگر کسی سخت چیز پر پھینکا جائے تو وہ ٹکرا کر واپس آتا ہے، اسی طرح لعنت اگر کسی ایسے شخص پر کی جائے جو لعنت کا مستحق نہیں تو وہ لوٹ کر واپس آتی ہے، اور لعنت بھیجنے والا خود معلون ہوجاتا ہے، اور ڈھیلا اگر کسی نرم چیز پر مارا جائے تو وہ اس میں گھس جاتا ہے، اسی طرح لعنت اگر مستحق پر بھیجی جائے تو وہ اس پر اثر انداز ہوتی ہے، اور وہ ملعون ہوجاتا ہے، اس لئے جس شخص کا بالیقین دشمن خدا ہونا معلوم ہو جیسے شیطان، فرعون اور قادیانی وغیرہ، ان پر لعنت بھیجنا جائز ہے، اور جس کا بالیقین کافر ہونا معلوم نہ ہو اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں، کیونکہ اگر وہ مستحق نہ ہوا تو لعنت لوٹ کر لعنت بھیجنے والے پر واپس آئے گی، اور وہ خود ملعون ہوجائے گا۔

پھر لعنت تو آخری درجہ کی بددعا ہے، شریعت نے تو عام بددعا کرنے سے بھی روکا ہے، کیونکہ کبھی قبولیت کی گھڑی

ہوتی ہے اور بددعا قبول ہوجاتی ہے، پھر پچھتانا پڑتا ہے، علاوہ ازیں: لعنت ملامت کرنے سے اور بددعائیں دینے سے معاشرہ بھی خراب ہوتا ہے، لوگوں کے دلوں میں میل اور آپس میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے ہمیشہ لوگوں کو اچھی دعائیں دینی چاہئیں یا خاموش رہے، لعنت ملامت کرنے سے اور بددعائیں دینے سے احتراز کرے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: لاتلاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ، وَلَا بِغَضَبِه، ولا بِالنَّارِ: ایک دوسرے پر اللہ کی لعنت مت بھیجو، نہ اللہ کے غصہ کی بددعا کرو، اور نہ دوزخ کی بددعا کرو۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَيس المُؤْمِنُ بِالطَّعَّان، وَلَا اللَّعَّانِ، وَلَا الْفَاحِشِ، وَلَا البَذِيِّ: مؤمن طعنہ باز نہیں ہوتا، نہ بے حد لعنت کرنے والا ہوتا ہے، نہ بدگوئی کرنے والا ہوتا ہے اور نہ بے ہودہ باتیں کرنے والا ہوتا ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ کے سامنے کسی نے ہوا پر لعنت بھیجی (ہوا اس کے کپڑے اڑا رہی ہوگی) اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہوا پر لعنت مت بھیجو اس لئے کہ وہ حکم دی ہوئی ہے'' یعنی وہ اللہ کے حکم سے چلتی ہے، وہ اپنے اختیار سے کسی کو پریشان نہیں کرتی ''اور بیشک شان یہ ہے کہ جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت بھیجتا ہے جو اس کا اہل نہیں تو وہ لعنت: بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے'' (یہ وہی بات ہے جو اوپر ہم نے تمہید میں سمجھائی ہے)

[٤٨-] باب ماجاء في اللَّعْنَةِ

[١٩٧٣-] حدثنا مُحمدُ بنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ بنِ جُنْدُبٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: '' لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ، وَلَا بِغَضَبِهِ، وَلَا بِالنَّارِ''.

وفي الباب: عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، وأَبِيْ هُريرةَ، وابنِ عُمَرَ، وَعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٩٧٤-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ الأَزْدِيُّ البَصْرِيُّ، ثَنَا مُحمدُ بنُ سَابِقٍ، عَنْ إِسْرَائِيْلَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: ''لَيْسَ المُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلَا اللَّعَّانِ، وَلَا الفَاحِشِ، وَلَا البَذِيِّ''.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ.

[١٩٧٥-] حدثنا زَيْدُ بنُ أَخْزَمَ الطَّائِيُّ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا بِشْرُ بنُ عُمَرَ، ثَنَا أَبَانُ بنُ يَزِيْدَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيْحَ عِنْدَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: ''لَاتَلْعَنِ الرِّيْحَ، فَإِنَّهَا مَأْمُوْرَةٌ، وَإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ''.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ حسنٌ، لَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَسْنَدَهُ غَيْرَ بِشْرِ بنِ عُمَرَ.

بابُ ماجاء فی تَعَلُّمِ النَّسَبِ

نسب سیکھنے کا بیان

قریب کے رشتہ داروں کو تو لوگ جانتے ہیں مگر دور کے رشتہ داروں سے واقف نہیں ہوتے، دادا پر دادا کے اوپر سے پھیلے ہوئے رشتہ دار بہت کم لوگ جانتے ہیں، ایسی صورت میں دور کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کیسے کریں گے! اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: تعَلَّمُوْا مِنْ أنسابِكُمْ، ماتَصِلُوْنَ بِه أرْحامَكُمْ: اپنے نسبوں میں سے اتنے سیکھو جن کے ذریعہ تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکو، یعنی پہچان سکو کہ یہ ہمارے رشتہ دار ہیں، پس ان کے ساتھ حسن سلوک کر سکو، فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِی الْأَهْلِ، مَثْرَاةٌ فی المال، مَنْسَأَةٌ فی الأَثَرِ: پس بیشک خاندان کے ساتھ حسن سلوک کرنا: خاندان میں محبت کا سبب ہے، مال میں زیادتی کا ذریعہ ہے اور نشان میں تاخیر کا باعث ہے۔

تشریح:

۱- جو شخص خاندان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اس سے پورا خاندان محبت کرتا ہے، اس لئے فرمایا کہ صلہ رحمی خاندان کی محبت کا باعث ہے۔

۲- المَثْراة کے معنی ہیں: مال کی کثرت کا سبب، اسی سے اردو میں ثروت بمعنی مالداری مستعمل ہے، خاندان کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے آدمی کا مال بڑھتا ہے، آدمی کو اس کی قسمت کا بھی ملتا ہے اور دوسروں کی قسمت کا بھی، آدمی جب تک اکیلا ہوتا ہے یا صرف میاں بیوی ہوتے ہیں آمدنی کم ہوتی ہے، پھر جب اولاد ہوتی ہے تو آمدنی بھی بڑھتی ہے، کیونکہ اولاد کے حصہ کی روزی بھی اللہ تعالیٰ باپ کو دیتے ہیں، اسی طرح غریبوں پر خیرات کرنے والے کی روزی بھی بڑھتی ہے، غریبوں کی قسمت کی روزی بھی اللہ تعالیٰ اس خیرات کرنے والے کے واسطے بھیجتے ہیں، یہی حال خاندان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا ہے، وہ بھی مال میں زیادتی کا سبب ہے۔

۳- مَنْسَأَةٌ کے معنی ہیں: درازی عمر کا باعث، نَسَأَ الشیئَ کے معنی ہیں: مؤخر کرنا، اور الأَثَر کے معنی ہیں: نشان، جیسے چلنے والے کے پیروں کے نشان: اس کے قدموں کے آثار ہیں، صلہ رحمی: نشان میں تاخیر کا سبب ہے، یعنی ایسے شخص کو لمبے عرصہ تک لوگ یاد کرتے ہیں، اس کے گن گاتے ہیں، اور لوگ دنیا میں اپنا نام باقی رکھنے کے لئے ہر طرح کے جتن کرتے ہیں، پس صلہ رحمی کر کے بھی دیکھ لیں، یہ بھی آدمی کو یادگار بناتا ہے۔

اور دوسرا مطلب: یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ صلہ رحمی سے عمر دراز ہوتی ہے، اور زیادہ جینے کی تمنا ہر شخص رکھتا ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ صلہ رحمی کریں، خاندان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں، ان کی عمر میں اضافہ ہوگا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔

[٤٩-] باب ماجاء فی تَعَلُّمِ النَّسَبِ

[١٩٧٦-] حدثنا أحمدُ بنُ مُحمدٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ عِيْسَى الثَّقَفِيِّ، عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "تَعَلَّمُوْا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَاتَصِلُوْنَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ، فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ، مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ" يَعْنِيْ بِهِ الزِّيَادَةَ فِيْ الْعُمْرِ.

بابُ ماجاء فی دَعْوَةِ الأَخِ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الغَيْبِ

مسلمان کی مسلمان کے لئے پیٹھ پیچھے دعا

جس طرح بری دعاؤں سے معاشرہ خراب ہوتا ہے، اچھی دعاؤں سے معاشرہ کی قدریں بڑھتی ہیں، آپس میں میل ملاپ پیدا ہوتا ہے، اور جس طرح بددعائیں ممنوع ہیں نیک دعائیں مطلوب ہیں، اور جس طرح بددعائیں پیٹھ پیچھے ممنوع ہیں، نیک دعائیں مطلوب ہیں، بلکہ جو دعائیں پیٹھ پیچھے کی جاتی ہیں وہ جلد قبول ہوتی ہیں، کیونکہ ان میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے، سامنے کی دعا میں بناوٹ اور دکھاوا بھی ہوسکتا ہے، مگر پیٹھ پیچھے کی دعا میں اس کا کوئی احتمال نہیں ہوتا، اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: مَا دَعْوَةٌ أَسْرَعَ إِجَابَةً مِنْ دَعْوَةِ غَائِبٍ لِغَائِبٍ: کوئی دعا زیادہ جلد قبول ہونے والی نہیں، غائب کی دعا سے غائب کے لئے، یعنی اگر کوئی شخص پیٹھ پیچھے کسی کے لئے دعا کرے تو وہ دعا بہت جلد قبول ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ مبنی بر اخلاص ہوتی ہے اور یہ حدیث ٹھیک ہے، افریقی ٹھیک راوی ہے، اس پر جرح غلط فہمی کی وجہ سے کی گئی ہے (تفصیل تحفۃ الالمعی ۱: ۲۸۵ میں گذر چکی ہے) مگر امام ترمذی رحمہ اللہ اس راوی سے ناراض ہیں، اس لئے ہر جگہ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

[٥٠-] باب ماجاء فی دَعْوَةِ الأَخِ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الغَيْبِ

[١٩٧٧-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، ثَنَا قَبِيْصَةُ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ زِيَادِ بنِ أَنْعُمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ يَزِيْدَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَا دَعْوَةٌ أَسْرَعَ إِجَابَةً مِنْ دَعْوَةِ غَائِبٍ لِغَائِبٍ".

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَالْإِفْرِيْقِيُّ يُضَعَّفُ فِيْ الحديثِ، وَهُوَعَبْدُ الرحمنِ بنُ زِيَادِ بنِ أَنْعُمٍ الإِفْرِيْقِيُّ.

بابُ ماجاء في الشَّتْمِ

گالی گلوچ کا بیان

گالیاں بکنا اور فحش باتیں کرنا بھی معاشرہ کو خراب کرتا ہے، اور دلوں میں نفرت کا بیج بوتا ہے جس کا انجام بہت برا ہوتا ہے، اس لئے معاشرہ کو اس سے بھی پاک رکھنا ضروری ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: اَلْمُسْتَبَّانِ: مَاقَالاَ: فَعَلَى الْبَادِئِ مِنْهُمَا، مالم يَعْتَدِ المظلومُ: ایک دوسرے کو گالیاں دینے والے: جو کچھ دونوں کہتے ہیں: پس اس کا گناہ دونوں میں سے ابتداء کرنے والے پر ہے، جب تک مظلوم حد سے نہ بڑھے (اور اگر وہ حد سے نکل جائے یعنی ظالم سے سخت یا زیادہ گالیاں دے تو پھر وہ خود اپنی گالیوں کا ذمہ دار ہے اس کی گالیوں کا گناہ اسی پر ہوگا)

لغات: اَلْمُسْتَبَّانِ: تثنیہ ہے المُسْتَبُّ کا، اس کا فعل ہے اِسْتَبَّ: ایک دوسرے کو گالی دینا، اور اس کا مجرد: سَبَّ یَسُبُّ سَبًّا ہے یعنی گالی دنیا، برا کہنا...... البادِئُ: اسم فاعل ہے، بَدَأَ یَبْدَأُ بَدْأً الشیئَ سے جس کے معنی ہیں: شروع کرنا، آغاز کرنا...... اعتَدَى عليه کے معنی ہیں: زیادتی کرنا، حد سے بڑھنا، تجاوز کرنا۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لَاتَسُبُّوْا الْأَمْوَاتَ فَتُؤْذُوْا الْأَحْيَاءَ: مرے ہوؤں کو گالیاں مت دو، پس تم زندوں کو ستاؤ۔

تشریح: جو لوگ دنیا سے گذر گئے ان کو برا کہنا اور گالیاں دینا اس لئے جائز نہیں کہ اس سے ان کے زندہ متعلقین کو تکلیف ہوگی، اس لئے جس طرح زندہ شخص کو گالیاں دینا حرام ہے، مردوں کو گالیاں دینا بھی حرام ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ: مسلمان کو گالی دینا فسق (دینداری کی حد سے نکلنا) ہے اور مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے۔

تشریح: فسق کے معنی ہیں حد سے نکل جانا، کہتے ہیں: فَسَقَتِ الرَّطْبَةُ عَنْ قِشْرِهَا: کھجور اس کے گابھے سے نکل آئی، اور دینداری کی بھی ایک حد (سرکل) ہے، جو شخص اس کے اندر ہے وہ دیندار ہے، اور جو اس سرکل سے نکل گیا وہ فاسق ہے، تمام حرام کاموں اور کبیرہ گناہوں کا مرتکب سرکل سے باہر ہو جاتا ہے، پس جب مسلمان کو گالی دینا فسق ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حرام کام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، اور کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرنا آخری درجہ کا کبیرہ گناہ ہے، جیسے جان بوجھ کر نماز چھوڑنا آخری درجہ کا کبیرہ گناہ ہے اور ایسے گناہوں پر حدیثوں میں کفر کا اطلاق آیا ہے، نماز چھوڑنے والے پر بھی یہ اطلاق آیا ہے۔

سوال: گناہ دو طرح پر کیا جاتا ہے: ایک: گناہ کو گناہ سمجھ کر، دوسرا گناہ کو حلال سمجھ کر۔ پہلی صورت میں مؤمن کا

قتل بھی فسق ہے اور دوسری صورت میں مؤمن کو گالی دینا بھی کفر ہے، کیونکہ کسی بھی گناہ کو حلال سمجھ کر کرنا کفر ہے، پھر ایک کو فسق اور دوسرے کو کفر کیوں کہا؟

جواب: اوپر ہم نے جو حدیث کی شرح کی ہے اس سے جواب سمجھ میں آجائے گا۔ قتل مؤمن پر کفر کا اطلاق تہدیداً ہے، کیونکہ قتل مؤمن حقیقتاً کفر نہیں اور دونوں گناہوں میں فرقِ مراتب کرنے کے لئے ایک پر فسق اور دوسرے پر کفر کا اطلاق کیا ہے، اور یہ ارشاد گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے کرنے کی صورت میں ہے، کیونکہ گناہ کو کوئی مسلمان جائز سمجھ کر نہیں کر سکتا، الا یہ کہ وہ نام نہاد مسلمان ہو۔

[۵۱-] باب ماجاء فی الشَّتْمِ

[۱۹۷۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ العَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " المُسْتَبَّانِ: مَاقَالَا: فَعَلَى البَادِئ مِنْهُمَا، مَالَمْ يَعْتَدِ المَظْلُوْمُ"

وفي الباب: عَنْ سَعْدٍ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُغَفَّلٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۹۷۹-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ الحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ زِيَادِ بنِ عِلَاقَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ المُغِيْرَةَ بنَ شُعْبَةَ، يَقُوْلُ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَا تَسُبُّوْا الأَمْوَاتَ فَتُؤْذُوْا الأَحْيَاءَ"

وَقَد اخْتَلَفَ أَصْحَابُ سُفْيَانَ فِيْ هٰذَا الحديثِ، فَرَوَى بَعْضُهُمْ مِثْلَ رِوَايَةِ الحَفَرِيِّ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ سُفْيَانَ، عِنْ زِيَادِ بنِ عِلَاقَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلًا يُحَدِّثُ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

[۱۹۸۰-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا وَكِيْعٌ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زُبَيْدِ بنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ" قَالَ زُبَيْدٌ: قُلْتُ لِأَبِيْ وَائِلٍ: أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: دوسری حدیث کی سند میں تھوڑا اختلاف ہے، ابوداؤد حَفَری وغیرہ نے زیاد اور حضرت مغیرہؓ کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا اور سفیان کے بعض تلامذہ: جیسے عبدالرحمٰن بن مہدی: زیاد اور حضرت مغیرہؓ کے درمیان ایک مجہول شخص کا واسطہ بڑھاتے ہیں، مگر صحیح سند بغیر واسطہ والی ہے، مگر چونکہ سند میں اختلاف ہوگیا اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا...... اور آخری حدیث کے آخر میں ہے کہ زبید یامی نے ابووائل شقیق بن سلمہ سے پوچھا: آپ نے یہ حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں!

بابُ ماجاء فی قَوْلِ المَعْرُوْفِ

بھلی بات کہنے کا بیان

قولُ المعروف: موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے، جاننا چاہئے کہ جس طرح بری باتوں سے معاشرہ بگڑتا ہے، بھلی باتوں سے سنورتا ہے اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ ایسی باتیں کہیں جو عقلاً اور شرعاً پسندیدہ ہوں، تاکہ ثواب کے حق دار بھی بنیں، اور معاشرہ بھی سدھرے، واللہ المُوَفِّقُ۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں کچھ کمرے ایسے ہیں جن کا باہر اندر سے نظر آتا ہے اور ان کا اندر باہر سے نظر آتا ہے'' ایک بدّو کھڑا ہوا، اس نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کمرے کن لوگوں کے لئے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: لِمَنْ أَطَابَ الكلامَ، وأَطْعَمَ الطَّعَامَ، وأَدَامَ الصِّيَامَ، وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ: یہ کمرے ان لوگوں کے لئے ہیں جو اچھی باتیں کہتے ہیں، اور غریبوں کو کھلاتے ہیں اور ہمیشہ یعنی کثرت سے نفل روزے رکھتے ہیں، اور رات میں نماز پڑھتے ہیں جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس حدیث کا پہلا جملہ باب سے متعلق ہے یعنی اچھی باتیں کہنے والوں کو جنت میں شاندار کمرے ملیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اچھی باتیں کہنے کی توفیق عطا فرمائیں تاکہ ہم بھی ان کمروں کے وارث بنیں، مگر خیال رہے کہ یہ کمرے صرف اس ایک بات پر نہیں ملیں گے بلکہ حدیث میں جو چار باتیں ہیں ان کے مجموعے پر ملیں گے۔

[۵۲-] باب ماجاء فی قَوْلِ المَعْرُوْفِ

[۱۹۸۱-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، ثَنَا عَلِيُّ بنُ مُسْهِرٍ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ إِسْحَاقَ، عَنِ النُّعْمَانِ بنِ سَعْدٍ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: '' إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا تُرَى ظُهُوْرُهَا مِنْ بُطُوْنِهَا، وَبُطُوْنُهَا مِنْ ظُهُوْرِهَا'' فَقَامَ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ: لِمَنْ هِيَ يَارسولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: '' لِمَنْ أَطَابَ الكَلَامَ، وأَطْعَمَ الطَّعَامَ، وأَدَامَ الصِّيَامَ، وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ''

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الرحمنِ بنِ إِسْحَاقَ.

بابُ ماجاء فی فَضْلِ الْمَمْلُوْكِ الصَّالِحِ

نیک غلام کی منقبت

غلام باندی بھی معاشرہ کا ایک حصہ ہیں، مگر وہ دوسرے درجہ کے لوگ سمجھے جاتے ہیں بلکہ وہ خود بھی اپنے آپ کو فروتر سمجھتے ہیں، حالانکہ تمام انسان اللہ کے بندے ہیں اور دین کے تعلق سے سب یکساں ہیں، اور شریعت کی پابندی

سب پر لازم ہے، پس معاشرہ کا ہر فرد دیندار ہوگا، جبھی معاشرہ شاندار بنے گا، اگر معاشرہ میں کچھ لوگ دین پر عمل نہ کریں تو وہ گیہوں میں کنکر کی مثال ہونگے، ان کی وجہ سے معاشرہ کی خوبی خاک میں مل جائے گی، اس لئے احادیث میں غلاموں کو بھی دیندار بننے کی ترغیب دی ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: نِعِمَّ مَا لِأَحَدِهِمْ: أَنْ يُطِيْعَ اللّٰهَ، وَيُؤَدِّىْ حَقَّ سَيِّدِهٖ: بہت اچھا ہے وہ غلام جو لوگوں میں سے کسی ایک کے لئے ہے: جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور اپنے آقا کا حق ادا کرتا ہے۔

تشریح: نِعْمَ فعل مدح ہے، اور مَا موصولہ ہے، اور اس سے مراد مملوک (غلام) ہے، اور أن يطيع سے غلام کے بہترین ہونے کی وجہ بیان کی ہے، جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو کعب احبارؒ نے کہا: صَدَقَ اللّٰهُ ورسولُهٗ: اللہ نے اور ان کے رسول نے سچ فرمایا، یہ تصدیق انھوں نے یا تو اس لئے کی ہے کہ انھوں نے تجربہ سے ایسے دیندار غلام کی خوبی جانی ہوگی یا انھوں نے یہ بات اہل کتاب کی کتابوں میں پڑھی ہوگی۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: تین شخص قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہونگے: ایک: وہ غلام جو اللہ کا بھی حق ادا کرتا ہے اور اپنے آقاؤں کا بھی حق ادا کرتا ہے۔ دوسرا: وہ شخص جو کسی قوم کی امامت کرتا ہے درانحالیکہ وہ اس سے خوش ہیں، اور تیسرا: وہ شخص جو روزانہ پانچ نمازوں کی اذان دیتا ہے۔

تشریح: یہ حدیث ابوالیقظان عثمان بن قیس کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ اس راوی کو اچھا سمجھتے ہیں، اس لئے حدیث کی تحسین کی ہے۔

[۵۳-] باب ماجاء فی فَضْلِ الْمَمْلُوْكِ الصَّالِحِ

[۱۹۸۲-] حدثنا ابنُ أَبِىْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِىْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِىْ هريرةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "نِعِمَّا لِأَحَدِهِمْ: أَنْ يُطِيْعَ اللّٰهَ، وَيُؤَدِّىْ حَقَّ سَيِّدِهٖ" يَعْنِى الْمَمْلُوْكَ، وَقَالَ كَعْبٌ: صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ.

وفى الباب: عَنْ أَبِىْ مُوْسَى، وابنِ عُمَرَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۹۸۳-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِى الْيَقْظَانِ، عَنْ زَاذَانَ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "ثَلَاثَةٌ عَلَى كُثْبَانِ الْمِسْكِ" أُرَاهُ قَالَ: "يَوْمَ الْقِيَامَةِ: عَبْدٌ أَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ، وَرَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ، وَرَجُلٌ يُنَادِىْ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِىْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهٗ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ سُفْيَانَ، وَأَبُوْ الْيَقْظَانِ: اسْمُهٗ عُثْمَانُ بنُ قَيْسٍ.

بابُ ماجاء فى مُعَاشَرَةِ النَّاسِ

لوگوں کے ساتھ میل جول کا بیان

انسان مدنی الطبع ہے، مل کر زندگی گذارنا اس کی فطرت ہے، جانوروں کی طرح دوسروں سے بے تعلق رہنا اس کے لئے ممکن نہیں، اس لئے میل جول کے لئے بھی کچھ احکام ہیں، تاکہ خوبصورت معاشرہ وجود میں آئے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:

۱-اتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ: اللہ سے ڈرو جہاں بھی تم ہوؤ یعنی گھر میں ہوؤ، گھر سے باہر ہوؤ، تنہائی میں ہوؤ یا لوگوں کے ساتھ ہوؤ، جہاں بھی ہوؤ اللہ سے ڈرو، یعنی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، اللہ سے ڈرنا اسی کا نام ہے، اللہ سے ڈرنا: دشمن سے، شیر سے یا سانپ سے ڈرنے کی طرح نہیں۔ یہ ڈرنا خوف کی وجہ سے ہوتا ہے، اور اللہ سے ڈرنا محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسے پیر سے، استاذ سے اور باپ سے ڈرنا محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، مرید، شاگرد اور فرمانبردار بیٹا ہمیشہ کوشش کرتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوجائے کہ پیر، استاذ یا باپ ناراض ہوجائے۔ اسی طرح مؤمن بندے کو بھی چونکہ اللہ تعالیٰ سے غایت درجہ محبت ہے اس لئے وہ سوچتا ہے کہ اسے کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائیں۔ اور مؤمن جہاں بھی ہو اس کو اللہ سے ڈرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو ہر حال میں دیکھ رہے ہیں، تنہائی میں اگرچہ لوگ نہیں دیکھ رہے مگر اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔

۲-وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الحَسَنَةَ تَمْحُهَا: اور برائی کے پیچھے نیکی کرو، نیکی برائی کو مٹادے گی۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ نیک کام یقیناً برے کاموں کو مٹادیتے ہیں، انسان چونکہ بشر ہے اس لئے اس سے غلطی ہوجاتی ہے۔ پس اگر کوئی گناہ ہوجائے تو اس کے پیچھے نیکی بھیجنی چاہئے، جیسے کپڑے پر داغ لگ جائے تو فوراً اس کو دھوڈالنا چاہئے، داغ باقی نہیں رکھنا چاہئے۔ اور گناہ کے بعد نیکی گناہ سے تعلق رکھنے والی بھی ہوسکتی ہے اور عام نیکی بھی ہوسکتی ہے، مثلاً حالت حیض میں بیوی سے صحبت کرلی تو ایک دینار صدقہ کرنا یا قسم توڑ دی تو کفارہ ادا کرنا یا گناہ ہوگیا تو صلوۃ التوبہ پڑھ کر توبہ کرنا یہ سب گناہ سے تعلق رکھنے والی نیکیاں ہیں۔ اور عام نیکیاں کوئی بھی نیک کام کرنا ہے، اس سے بھی گناہ مٹ جاتے ہیں، جیسے وضو سے، نمازوں سے، عرفہ وغیرہ کے روزوں سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

۳-وَخَالِقِ النّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ: اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا برتاؤ کرو، اس حکم کا باب سے تعلق ہے، پس معاشرتی معاملات میں اور باہمی میل جول میں ہر شخص کو چاہئے کہ اچھے اخلاق برتے تاکہ صالح معاشرہ وجود میں آئے۔

[٥٤-] باب ماجاء في مُعَاشَرَةِ النَّاسِ

[١٩٨٤-] حدثنا بُنْدَارٌ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِيٍّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حَبِيْبِ بنِ أَبِيْ ثَابِتٍ، عَنْ مَيْمُوْنِ بنِ أَبِيْ شَبِيْبٍ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ لِيْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ، وأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الحَسَنَةَ: تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ، وَأَبُوْ نُعَيْمٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَبِيْبٍ بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ قَالَ مَحْمُوْدٌ: وَحَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَبِيْبِ بنِ أَبِيْ ثَابِتٍ، عَنْ مَيْمُوْنِ بنِ أَبِيْ شَبِيْبٍ، عَنْ مُعَاذِ بنِ جَبَلٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، قَالَ محمودٌ: وَالصَّحِيْحُ حَدِيْثُ أَبِيْ ذَرٍّ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کی دو سندیں پیش کی ہیں، ایک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے اور دوسری حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تک۔ اور آخر میں فرمایا ہے کہ صحیح سند پہلی ہے۔

بابُ ماجاء في ظَنِّ السُّوْءِ

بدگمانی کا بیان

ظَنُّ السُّوْءِ میں موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے، اردو میں السُّوء کو پہلے لا کر ''بدگمانی'' کہتے ہیں، اور السَّوْء (بفتح السین) مصدر ہے، اور السُّوء (بضم السین) اسم ہے، جس کی جمع أسواءٌ آتی ہے، دونوں کے معنی ہیں: برائی، کہا جاتا ہے: رَجُلُ سَوْءٍ اور عَملُ سَوْءٍ: برا آدمی، اور برا کام۔ پس ظَنُّ السُّوْء کے معنی ہیں: برا گمان اور ظن کے معنی ہیں: گمان، خواہ اچھا ہو یا برا، مگر کبھی بدگمانی بھی اس لفظ کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔

باہمی اختلافات کو اس طرح بھی بڑھاوا ملتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق سے بدگمان ہو جاتا ہے، وہ مخالف کی ہر بات کو اپنے خلاف سمجھتا ہے، اس کی بات میں اگرچہ ہزار احتمال بھلائی کے ہوں مگر وہ اس میں سے برائی کا پہلو نکال لیتا ہے، پھر وہ اس برے پہلو کی بنیاد پر فریق مخالف پر تہمتیں اور الزام لگانا شروع کرتا ہے، پھر اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے بھید معلوم ہوں تا کہ اس پر خوب حاشیے چڑھائے اور اس کی غیبت سے اپنی مجلسیں گرم کرے، اسی لئے سورۃ الحجرات (آیت ۱۲) میں ان تینوں چیزوں کی بالترتیب ممانعت فرمائی، ارشاد پاک ہے: ﴿يـٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ، إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ، وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور جستجو میں مت رہو، اور کوئی کسی

کی غیبت نہ کرے، اگر مسلمان اس ہدایت ربانی پر عمل کریں تو بدقسمتی سے جو اختلافات رونما ہو گئے ہیں وہ بھی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھیں گے، اوران کا ضرر بہت محدود ہو جائے گا، بلکہ چند دن میں اختلافات کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا (ماخوز از فوائد شبیریہ)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ظن کے معنی ہیں: گمان، خیال، اٹکل اور اندازہ، یعنی ذہن کا کسی چیز کو ترجیح کے ساتھ قبول کر لینا: الاعتقادُ الراجحُ مع احتمالِ النقيض اور ظن کبھی شک اور کبھی یقین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور ظن کی بقول امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ چار قسمیں ہیں: حرام، واجب، مندوب اور مباح۔ آیت کریمہ میں ممنوع گمان کا بیان ہے، باقی تین قسموں کا تذکرہ نہیں۔ اس لئے لفظ کثیراً بڑھایا ہے یعنی بہت سے گمانوں سے بچو، معلوم ہوا کہ بعض گمان جائز بھی ہیں اور وہ وہی ہیں جن کو جصاصؒ نے واجب، مندوب اور مباح قرار دیا ہے، جس کی تفصیل معارف القرآن شفیعی میں اسی آیت کے ذیل میں ہے۔

پھر یہ بہت سے گمان جن سے بچنے کا حکم ہے اگر ان کے مطابق کلام بھی کیا جائے یعنی ان کی بنیاد پر الزام تراشا جائے تو وہ گناہ ہے، اور اگر ان کی بنیاد پر کوئی کلام نہ کیا جائے تو وہ صرف ممنوع ہیں گناہ نہیں، یعنی مکروہ تنزیہی ہیں، اسی طرح آئندہ حدیث میں بھی اسی ممنوع گمان کا ذکر ہے، حدیث ہر گمان کو عام نہیں [1]

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِيّاكم والظَّنَّ، فإنَّ الظنَّ أكْذَبُ الحديثِ: بدگمانی سے بچو، پس بیشک بدگمانی نہایت جھوٹی بات ہے۔

تشریح: لفظ ''الحدیث'' میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب تک گمان دماغ میں ہے گناہ نہیں، اگرچہ وہ بھی ممنوع ہے، البتہ جب وہ زبان پر آئے گا اور غلط ہوگا تو گناہ ہوگا اور نہایت گھناؤنا گناہ ہوگا، کیونکہ گمان پر اعتماد کر کے جو

---

(۱) اور وہ گمان جو واجب یا مندوب یا مباح ہیں ان کے بارے میں نصوص یہ ہیں: (۱) سورۃ النور آیت ۱۲۵ ہے: ﴿لَوْلَا إِذْسَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْراً وَقَالُوْا: هٰذَا إِفْكٌ مُبِيْنٌ﴾ یعنی جب آپ لوگوں نے یہ بات (حضرت صدیقہ پر تہمت) سنی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے لوگوں کے بارے میں نیک گمان کیوں نہ کیا، اور یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح جھوٹ ہے (۲) ایک ضعیف حدیث ہے: إنَّ من الحَزْمِ سُوْءُ الظَّنِّ: احتیاط کی بات یہ ہے کہ آدمی بدگمان رہے، یعنی تحقیق کے بغیر کسی پر اعتماد نہ کرے (۳) اور ایک بزرگ نے کہا ہے: ظُنُّوْا بالمؤمنين خيراً: یعنی مؤمنین کے بارے میں اچھا گمان رکھو (۴) اور قبلہ معلوم نہ ہو تو تحری کر کے جو ظن غالب قائم ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے (۵) نماز پڑھتے ہوئے رکعتوں کی تعداد میں شک ہو جائے تو بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ تحری کی جائے اور جو ظن غالب قائم ہو اس پر عمل کیا جائے (۶) اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک إخالة یعنی مجتہد کا گمان بھی استنباط مسائل میں معتبر ہے..... غرض ہر گمان ناجائز نہیں بلکہ لوگ آپس میں جو برے گمان قائم کرتے ہیں وہی آیت اور حدیث کا مصداق ہیں۔

باتیں کی جاتی ہیں وہ عام طور پر از قبیل الزامات ہوتی ہیں، اس لئے وہ أكذب الحديث ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گمان کی دو قسمیں ہیں: ایک گمان گناہ ہے، اور دوسرا گمان: گناہ نہیں، پس وہ گمان جو گناہ ہے وہ یہ ہے کہ آدمی ایک گمان قائم کرے پھر اس کو زبان پر لائے، اور اس کی بنیاد پر باتیں کرے، اور وہ گمان جو گناہ نہیں وہ یہ ہے کہ گمان گمان کی حد تک رہے، اس کو زبان پر نہ لائے تو اس میں کچھ گناہ نہیں، مگر پھر بھی ممنوع اس لئے ہے کہ وہ گمان گناہ تک پہنچا سکتا ہے۔

[۵۵-] باب ماجاء في ظَنِّ السُّوْءِ

[۱۹۸۵-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَسَمِعْتُ عَبْدَ بنَ حُمَيْدٍ يَذْكُرُ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ سُفْيَانَ، قَالَ: قَالَ سُفْيَانُ: الظَّنُّ ظَنَّانِ: فَظَنٌّ إِثْمٌ، وَظَنٌّ لَيْسَ بِإِثْمٍ، فَأَمَّا الظَّنُّ الَّذِيْ هُوَ إِثْمٌ: فَالَّذِيْ يَظُنُّ ظَنًّا، وَيَتَكَلَّمُ بِه، وَأَمَّا الظَّنُّ الَّذِيْ لَيْسَ بِإِثْمٍ: فَالَّذِيْ يَظُنُّ، وَلَا يَتَكَلَّمُ بِهِ.

بابُ ماجاء في المِزَاحِ

خوش طبعی کا بیان

معاشرہ کی خوبی میں خوش طبعی کا بھی بڑا دخل ہے، کبھی کبھی حدود میں رہ کر ہنسی مذاق کرنا طبیعتوں میں فرحت پیدا کرتا ہے۔ نبی ﷺ کی سیرت میں خوش طبعی تھی، آپؐ کبھی کبھی دل لگی کی باتیں بھی کرتے تھے، حدیثوں میں اس سلسلہ کے متعدد واقعات آئے ہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الادب میں باب ۸۱ الإنبساط إلى الناس قائم کیا ہے، یعنی کبھی سنجیدگی ختم کر دینا اور لوگوں سے بے تکلف ہو جانا بھی نبی ﷺ سے ثابت ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں چار روایتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے پہلی روایت کتاب الصلوٰۃ (تحفۃ الالمعی ۱۵۵:۲) میں گذر چکی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کا ہمارے گھرانے کے ساتھ اتنا میل جول تھا کہ گھر کے چھوٹے بچوں کے ساتھ آپؐ دل لگی فرماتے تھے، میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جو ہمیشہ اپنی چڑیا کے ساتھ کھیلتا رہتا تھا، ایک دن آپؐ نے اس کو مغموم دیکھا تو پوچھا: یہ بچہ آج مغموم کیوں ہے؟ گھر والوں نے بتایا کہ اس کی لال چڑیا مرگئی ہے، اس لئے عدت میں بیٹھا ہے، چنانچہ اس کے بعد آپؐ جب بھی ہمارے گھر تشریف لاتے تو اس بچہ کو چھیڑتے اور فرماتے: ''اوابوعمیر! تیری لال چڑیا کیا ہوئی؟'' بچہ کو اپنی محبوبہ یاد آجاتی اور وہ ہشاش بشاش ہو جاتا۔

اور آپؐ نے لفظوں کو ہم وزن کرنے کے لئے بچہ کی ابوعمیر کنیت رکھی، یہ ایک دل لگی ہوئی، پھر آپؐ اس بچہ کو اس کی لال چڑیا یاد دلاتے یہ دوسری دل لگی ہوئی چنانچہ وہ بچہ کھل جاتا۔

حدیث (۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمارے ساتھ دل لگی فرماتے ہیں، یعنی کیا یہ بات آپؐ کے شایانِ شان ہے؟ دل لگی میں کبھی لغو باتیں بھی کہی جاتی ہیں، اور متانت ووقار کے خلاف باتیں بھی کی جاتی ہیں جو شانِ نبوت کے خلاف ہیں، آپؐ نے جواب دیا: إنّی لاأقُوْلُ إلا حقًّا: میں ہمیشہ سچ بات ہی کہتا ہوں، یعنی آپؐ کی دل لگی میں بھی کوئی بیہودہ بات نہیں ہوتی تھی نہ کوئی خلاف واقعہ بات ہوتی تھی، پس ایسی خوش طبعی شانِ نبوت کے منافی نہیں۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ دل لگی کے طور پر ''او دو کان والے'' کہہ کر پکارا، دو کان سبھی کے ہوتے ہیں، مگر اس طرح پکارنے سے خادم کے دل میں فرحت پیدا ہوئی، یہی مزاح اور خوش طبعی ہے۔

حدیث (۴): ایک صاحب جن میں بلاہت (کند ذہنی) تھی وہ (تحصیل علم کے لئے) مدینہ منورہ آئے، اتفاق سے ان کی سواری کا اونٹ مر گیا، ان کو بڑی فکر لاحق ہوئی کہ وہ واپس کیسے جائیں گے؟ انھوں نے نبی ﷺ سے سواری مانگی، آپؐ نے فرمایا: ''میں تمہیں سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دوں گا'' وہ اٹھ کر چلے گئے، اور اپنے ساتھیوں سے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سواری کے لئے اونٹ مانگا تھا، آپؐ نے فرمایا: ''میں اونٹنی کا بچہ دوں گا'' میں بچہ کو کیا کروں گا؟ مجھے تو سواری چاہئے، ممکن ہے: نبی ﷺ میری بات نہ سمجھے ہوں، آپ لوگ جا کر عرض کریں کہ فلاں آدمی کو سواری چاہئے، لوگوں نے یہ بات عرض کی تو آپؐ نے فرمایا: وهل تَلِدُ الإبلَ إلا النّوقُ؟ ہر اونٹ: اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتا ہے! اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے: نہیں جنتی اونٹوں کو مگر اونٹنیاں، النُّوْق: الناقة کی جمع ہے۔

فائدہ: دل لگی اور خوش طبعی مسنون ہے، مگر دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، ایک یہ کہ کوئی خلاف واقعہ بات نہ کہی جائے، دوسری یہ کہ کسی کی دل آزاری نہ کی جائے، ان دو باتوں کا خیال رکھ کر خوش طبعی سنت ہے، اسی طرح بہت زیادہ مذاق کرنا بھی وقار ومتانت کے خلاف ہے جو شخص لوگوں کو ہنساتا ہے وہ مسخرہ کہلاتا ہے، اور یہ برا لقب ہے، اس لئے اس درجہ کے مذاق سے بچنا چاہئے۔

[۵۶-] باب ماجاء فی المِزَاحِ

[۱۹۸۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الوَضَّاحِ الكُوْفِيُّ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ إِدْرِيْسَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِى التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَيُخَالِطُنَا، حَتَّى إِنْ كَانَ لَيَقُوْلَ

لِأَخٍ لِيْ صَغِيْرٍ: " يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟"

حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيْ التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ نَحْوَهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ التَّيَّاحِ: اسْمُهُ يَزِيْدُ بنُ حُمَيْدٍ الضُّبَعِيُّ.

[١٩٨٧-] حدثنا العَبَّاسُ بنُ مُحمدٍ الدُّوْرِيُّ، ثنا عَلِيُّ بنُ الحَسَنِ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ أُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالُوْا: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا؟ قَالَ: " إِنِّيْ لَا أَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا"

هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: " إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا": إِنَّمَا يَعْنُوْنَ: إِنَّكَ تُمَازِحُنَا.

[١٩٨٨-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ شَرِيْكٍ، عَنْ عَاصِمٍ الأَحْوَلِ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَهُ: " يَاذَا الْأُذُنَيْنِ" قَالَ مَحمودٌ: قَالَ أَبُوْ أُسَامَةَ: إِنَّمَا يَعْنِيْ بِهِ: أَنَّهُ يُمَازِحُهُ.

[١٩٨٩-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا خَالِدُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ الوَاسِطِيُّ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِنِّيْ حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِ نَاقَةٍ" فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " وَهَلْ تَلِدُ الإِبَلَ إِلَّا النُّوْقُ؟"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء فى المِرَاءِ

بحث تکرار کا بیان

مِراءٌ: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: بحث ومباحثہ کرنا، حجت بازی کرنا، جھگڑا کرنا، سورۃ الکہف آیت ۲۲ میں ہے: ﴿فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا﴾ پس آپؐ غار والوں کے معاملہ میں سرسری بحث کے علاوہ بحث نہ کیجئے کیونکہ جب لوگوں میں تکرار بڑھتی ہے تو وہ جوتم پیزار ہو جاتے ہیں، اور معاشرہ بدنما بن جاتا ہے، اس لئے معاشرہ کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ لوگ فضول بحث ومباحثہ اور تکرار نہ کریں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا:

۱-مَنْ تَرَكَ الكَذِبَ، وَهُوَ بَاطِلٌ: بُنِيَ لَهُ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ: جس نے جھوٹ چھوڑ دیا درانحالیکہ وہ باطل پر ہے تو اس کے لئے جنت کے ڈانڈے (سرحد) میں مکان بنایا جائے گا۔ وهو باطلٌ میں هو کا مرجع مَن ہے کَذِب نہیں ہے، کذب تو ہمیشہ ہی باطل ہوتا ہے، اور اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بات کہنے والا غلط موقف پر ہے، مگر اس کو

ثابت کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لے رہا ہے اور بحث ومباحثہ کررہا ہے، یہ غلط طریقہ ہے، پس جو اس سے احتراز کرے گا وہ قابل مبارک باد ہے، اور رَبَض کے معنی ہیں: شہر کے اردگرد کا علاقہ، اردو میں اس کو ڈانڈا کہتے ہیں۔

۲-ومَنْ تَرَكَ المِرَاءَ، وهو مُحِقٌّ: بُنِيَ له في وَسَطِهَا: اور جس نے بحث وتکرار سے احتراز کیا درانحالیکہ وہ حق پر ہے، یعنی اس کا موقف صحیح ہے تو اس کے لئے جنت کے درمیان میں یعنی بہترین حصے میں مکان بنایا جائے گا، اس جملہ میں بھی ھو کا مرجع من ہے اور وَسَط سین کے زبر کے ساتھ ہے، جس کے معنی ہیں: بہترین حصہ، کیونکہ خير الأُمورِ أَوْسَاطُها: درمیانی چیز بہترین ہوتی ہے۔

۳-وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَه بُنِيَ لَهُ في أعلاها: اور جس نے اپنے اخلاق سنوار لئے اس کے لئے بہشت بریں میں مکان بنایا جائے گا، اخلاق سنوارنا آسان کام نہیں، اس لئے جزاء بقدر مشقت ہے، چنانچہ اس کے لئے جنت کے بلند وبالا حصہ میں مکان بنایا جائے گا۔

ملحوظہ: اس حدیث کا راوی سلمۃ بن وردان لیثی ضعیف راوی ہے، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کی تحسین کی ہے، کیونکہ آپ ہلکے ضعیف راوی کی حدیث کی بھی تحسین کرتے ہیں، پھر ابوداؤد (حدیث ۴۸۰۰ کتاب الادب باب ۷) میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اس کی شاہد ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: كفى بِكَ إِثْمًا أَنْ لاتَزَالَ مُخَاصِمًا: تیرے گناہ گار ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ تو ہمیشہ لڑتا جھگڑتا ہی رہے، اس لئے کہ ہروقت جھگڑنا ایسی باتوں تک پہنچاتا ہے جو آدمی کو زیب نہیں دیتیں، جھگڑے میں کوئی نہ کوئی غلط بات منہ سے نکل جاتی ہے جو آدمی کو گنہ گار بنادیتی ہے، اس لئے ہروقت نزاع تکرار سے بچنا چاہئے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: ۱-لاتُمَارِ أَخَاكَ: اپنے دینی بھائی سے بحث وتکرار مت کرو ۲-وَلَا تُمَازِحْهُ: اور اس کے ساتھ دل لگی مت کرو، یہ ممانعت اس دل لگی کی ہے جو ایذاء رسانی کا سبب بنے ۳-ولا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ: اور اس سے کوئی ایسا وعدہ مت کرو جس کو تم وفا نہ کرو۔

تشریح: کسی سے کوئی وعدہ کرتے وقت اگر وفا کا پکا ارادہ ہے پھر کسی مانع کی وجہ سے وعدہ پورا نہ کرسکا تو اس میں کوئی گناہ نہیں، اور اس حدیث میں ممانعت صرف اس صورت میں ہے کہ وعدہ کرتے وقت دل میں یہ ہو کہ وعدہ پورا نہیں کرنا، پس یہ نفاق ہے اور ممنوع ہے، مثلاً قرض دینے کا وعدہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ وہ نادہند ہے، یا رقم کا انتظام نہ ہوسکا اس لئے معذرت کردی تو یہ جائز ہے، اس کو زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ کہہ سکتے ہیں، لیکن اگر وعدہ ہی ٹلانے کے لئے کیا ہے اور پہلے سے دل میں یہ بات ہے کہ قرض نہیں دینا تو یہ ممنوع ہے، جھوٹا وعدہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ایک طرح کا نفاق ہے اور ایسے جھوٹے وعدوں سے معاشرہ خراب ہوتا ہے۔

[۵۷-] باب ماجاء في المِرَاءِ

[۱۹۹۰-] حدثنا عُقْبَةُ بنُ مُكْرَمٍ البَصْرِيُّ، ثَنَا ابنُ أَبِيْ فُدَيْكٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَلْمَةُ بنُ وَرْدَانَ اللَّيْثِيُّ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ تَرَكَ الكَذِبَ، وَهُوَ بَاطِلٌ: بُنِيَ لَهُ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ، وَهُوَ مُحِقٌّ: بُنِيَ لَهُ فِيْ وَسَطِهَا، وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِيْ أَعْلاَهَا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ لاَنعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ سَلْمَةَ بنِ وَرْدَانَ، عَنْ أَنَسٍ.

[۱۹۹۱-] حدثنا فَضَالَةُ بنُ الْفَضْلِ الْكُوْفِيُّ، ثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ، عَنْ ابنِ وَهْبِ بنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " كَفَى بِكَ إِثْمًا أَنْ لَا تَزَالَ مُخَاصِمًا" هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

[۱۹۹۲-] حدثنا زِيَادُ بنُ أَيُّوْبَ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا الْمُحَارِبِيُّ، عَنْ لَيْثٍ، وَهُوَ ابنُ أَبِيْ سُلَيْمٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَاتُمَارِ أَخَاكَ، وَلَا تُمَازِحْهُ، وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

بابُ ماجاء في الْمُدَارَاةِ

اچھی طرح پیش آنے کا بیان

دَارَاهُ، مُدَارَاةً: نرمی کا برتاؤ کرنا، دل جوئی کرنا، پیار ومحبت سے پیش آنا، اس سے بھی معاشرہ سنورتا ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ برے آدمی کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ کریں، اس سے بگڑے گا کچھ نہیں، اور وہ برا شخص قریب آجائے گا اور میل ملاپ ہوجائے گا۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں:

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرفست ❁ با دوستاں تلطف، با دشمناں مدارا

(دونوں جہاں کا آرام دو باتوں میں مضمر ہے÷ دوستوں کے ساتھ مہربانی کرنا اور دشمنوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا)

حدیث: عیینہ بن حصن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت چاہی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت آپؐ کے پاس تھیں، آپؐ نے فرمایا: بِئْسَ ابنُ العَشِيْرَةِ یا فرمایا: بِئْسَ أَخُو العشيرة: قبیلہ کا برا آدمی ہے! پھر آپؐ نے ان کو آنے کی اجازت دی، جب وہ آئے تو آپ نے نرمی اور پیار سے باتیں کیں، پھر جب وہ چلے گئے تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ قبیلہ کا برا آدمی ہے، پھر آپؐ نے ان کے

ساتھ ملاطفت اور نرمی سے بات کی، اس کی کیا وجہ ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يا عائشةُ! إنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ الناسُ اتِّقَاءَ فُحْشِه: اے عائشہ! لوگوں میں بدترین وہ ہے جس کو لوگ چھوڑ دیں اس کی بدگوئی سے بچنے کے لئے، اور بخاری (حدیث ۶۰۳۲) میں اسی روایت میں یہ اضافہ ہے: يَا عائشةُ! مَتَى عَهِدْتِنِي فاحِشًا؟ إِنَّ شَرَّ الناسِ عند الله منزلةً يومَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَه الناسُ اتِّقَاءَ شَرِّه: اے عائشہ! تم نے مجھے کب بدگو پایا ہے؟ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ کے اعتبار سے بدترین وہ شخص ہے جس کو لوگ چھوڑ دیں اس کے شر سے بچنے کے لئے۔

تشریح: اس حدیث کا مصداق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی ہوسکتی ہے اور آنے والا شخص بھی، مگر بظاہر آپؐ کی ذات مراد ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے برا آدمی وہ ہے جس کی بداخلاقی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا ترک کردیں، چنانچہ آپؐ نے آنے والے کے ساتھ سختی اور تندی سے بات نہیں کی، تاکہ لوگ آپؐ سے ملنا جلنا بند نہ کردیں، اور صلاح وفلاح سے محروم نہ ہوجائیں، سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۹ سے اس مطلب کی تائید ہوتی ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ، وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ یعنی یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ آپؐ لوگوں کے ساتھ نرم برتاؤ کرتے ہیں، اور اگر آپؐ تندخو (سخت طبیعت) ہوتے تو یہ سب لوگ آپؐ کے پاس سے منتشر ہوجاتے، غرض شانِ ورود کے اعتبار سے تو آپؐ کی ذات کا مراد ہونا اولیٰ ہے، مگر حدیث میں ملنے آنے والا شخص بھی مراد ہوسکتا ہے، بعض لوگ ایسے بداخلاق ہوتے ہیں کہ کوئی شخص ان سے ملنا پسند نہیں کرتا، ان کی بدزبانی کی وجہ سے گھر میں سے کہلوا دیتے ہیں: ''گھر میں نہیں ہیں!'' چنانچہ وہ بدگو مایوس لوٹ جاتا ہے۔

[۵۸-] باب ماجاء فی الْمُدَارَاةِ

[۱۹۹۳-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وأَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: '' بِئْسَ ابنُ العَشِيْرَةِ!'' أَوْ: '' أَخُوْ العَشِيْرَةِ!'' ثُمَّ أَذِنَ لَهُ، فَأَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ، فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ لَهُ: يَارسولَ اللّٰهِ! قُلْتَ لَهُ مَا قُلْتَ، ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ؟ قَالَ: '' يَاعَائِشَةُ! إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ أَوْ: وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ'' هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی الِاقْتِصَادِ فی الْحُبِّ وَالْبُغْضِ

محبت اور دشمنی میں میانہ روی اختیار کرنا

لوگ جب ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو محبت میں اتنے آگے بڑھ جاتے ہیں کہ سارے راز کھول دیتے

ہیں، اور جب دشمنی پر اترتے ہیں تو جو کچھ دشمن کے حق میں کہہ سکتے ہیں: کہہ ڈالتے ہیں، پھر جب اس دوست سے تعلقات بگڑ جاتے ہیں تو اپنے رازوں کے افشا پر پچھتاتے ہیں اور جب اس دشمن سے تعلقات ہموار ہو جاتے ہیں تو پہلے کہی ہوئی باتیں شرمندگی کا باعث بنتی ہیں، اس لئے اگر آدمی محبت اور دشمنی میں میانہ روی اختیار کرے تو آئندہ پچھتانا یا شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

حدیث: محمد بن سیرین حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ابن سیرین کا خیال یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے (مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جیسا کہ باب کے آخر میں آرہا ہے) آپؐ نے فرمایا: أَحْبِبْ حَبِيْبَكَ هَوْنًا مَّا، عَسَى أَنْ يَكُوْنَ بَغِيْضَكَ يَوْمًا مَّا: اپنے دوست سے ہولے ہولے (ہلکے) محبت کرو، ہوسکتا ہے کسی دن وہ تمہارا دشمن بن جائے، وأَبْغِضْ بَغِيْضَكَ هَوْنًا مَّا، عَسَى أَن يكون حَبِيْبَكَ يَوْمًا مَّا: اور اپنے دشمن سے ہولے ہولے دشمنی کرو، ہوسکتا ہے وہ کسی دن تمہارا دوست بن جائے۔

تشریح: یہ حدیث ایوب سختیانی کی ہے، وہ محمد بن سیرین سے، اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، اور یہ حدیث حضرت ایوب سے اس کے علاوہ دوسری سند سے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، مگر اس کی سند میں حسن بن ابی جعفر ہے جو نہایت ضعیف راوی ہے، اس کے باوجود امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت علیؓ کا قول ہے، مرفوع حدیث نہیں اور سندوں کی تفصیل مزّی کی تحفۃ الاشراف کے حاشیہ النکت الظراف میں ہے (تحفۃ الاشراف ۱۰: ۳۳۴، حدیث نمبر ۱۴۴۳۲)

[۵۹-] باب ماجاء فى الِاقْتِصَادِ فِي الْحُبِّ وَالْبُغْضِ

[۱۹۹٤-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا سُوَيْدُ بنُ عَمْرٍو الكَلْبِيُّ، عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ مُحمدِ بنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، أُرَاهُ رَفَعَهُ، قَالَ: " أَحْبِبْ حَبِيْبَكَ هَوْنًا مَّا، عَسَى أَنْ يَكُوْنَ بَغِيْضَكَ يَوْمًا مَّا، وأَبْغِضْ بَغِيْضَكَ هَوْنًا مَّا، عَسَى أَنْ يَكُوْنَ حَبِيْبَكَ يَوْمًا مَّا" هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ بِهٰذَا الإِسْنَادِ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنْ أَيُّوْبَ بِإِسْنَادٍ غَيْرِ هٰذَا، رَوَاهُ الحَسَنُ بنُ أَبِيْ جَعْفَرٍ، وَهُوَ حديثٌ ضعيفٌ أَيْضًا، بِإِسْنَادٍ لَهُ عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَالصَّحِيْحُ هٰذَا عَنْ عَلِيٍّ مَوْقُوْفٌ.

بابُ ماجاء فى الكِبْرِ

گھمنڈ کا بیان

تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری ان اخلاق حسنہ میں سے ہے جس کی قرآن وحدیث میں بہت زیادہ تاکید آئی

ہے، اور اس کی بڑی ترغیب دی گئی ہے، اور اس کے برعکس غرور وتکبر کی شدت کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے، اور اس پر بڑی وعیدیں سنائی ہیں، کیونکہ تواضع بندہ کے شایانِ شان ہے، اور تکبر و کبریائی اللہ کی صفتِ خاصہ ہے، بندہ کو بڑائی زیب نہیں دیتی، جب انسان بندہ ہے تو بندہ کا کمال یہی ہے کہ اس کے عمل سے نیاز مندی ٹپکے، وہ خاکساری اور تواضع کا پتلا بنے اور بڑائی اور گھمنڈ چونکہ بندگی کے منافی ہے، اس لئے بندے کے حق میں یہ بری صفت ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تکبر کی دو صورتیں ہیں: ایک اللہ کے تعلق سے تکبر کرنا، دوسری: بندوں کے تعلق سے تکبر کرنا۔ اللہ کے سامنے گھمنڈ کرنا یہ ہے کہ اللہ کے احکامات نہ مانے اور حق کا انکار کرے، اور بندوں کے سامنے گھمنڈ یہ ہے کہ خود کو دوسروں سے افضل سمجھے اور دوسروں کو ذلیل جانے حالانکہ تمام انسان اللہ کے بندے ہیں، اور سب یکساں ہیں، لوگوں میں معزز وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ عزت دیں، اور ذلیل وخوار وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ رسوا کریں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: لایَدْخُلُ الجَنَّةَ مَنْ کَانَ فی قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ کِبْرٍ: وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہے، ولا یَدْخُلُ النَّارَ مَنْ کان فی قَلْبِهِ مثقالُ حَبَّةٍ مِن إِیْمَانٍ: اور وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت سے دور کرنے والے اور جہنم میں پہنچانے والے اسباب میں قوی ترین سبب غرور وتکبر ہے، جس طرح جہنم سے دور کرنے والے اور جنت میں پہنچانے والے اسباب میں سب سے قوی سبب ایمان ہے، جس شخص میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ جنت میں ضرور جائے گا، غرض اس حدیث میں جنت وجہنم میں جانے نہ جانے کے اعتبار سے تکبر اور ایمان میں مقابلہ ڈالا گیا ہے، جس سے کبر کا نہایت برا ہونا خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔

حدیث (۲): جب نبی ﷺ نے مذکورہ بات ارشاد فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا: مجھے یہ بات پسند ہے کہ میرے کپڑے اچھے ہوں اور میری چپل اچھی ہو (پس کیا یہ چیز بھی تکبر ہے؟) آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ موزونیت کو پسند کرتے ہیں، متکبر وہ شخص ہے جو حق کے سامنے اکڑے اور لوگوں کو ذلیل سمجھے''

تشریح: حسن وجمال میں فرق ہے، ذاتی موزونیت کا نام جمال ہے، اسی وجہ سے چند کلمات خاص ترتیب کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں تو ان کو جملہ کہتے ہیں۔ اسی طرح آدمی کی ہر چیز سلیقہ سے ہو: اس کا نام جمال ہے، اور اللہ تعالیٰ جمیل ہیں، وہ جمال کو پسند کرتے ہیں۔

اور حسن عارضی صفت ہے، دوسرا شخص یہ صفت دیتا ہے، کہتے ہیں: اِسْتَحْسَنَهُ: اس نے اس کو اچھا سمجھا، اسی لئے ایک ہی چیز ایک شخص کے نزدیک خوبصورت ہوتی ہے اور دوسرے کے نزدیک اس میں کوئی خوبصورتی نہیں ہوتی، پس حسن وہ صفت ہے جو دوسرے کی نظر دیتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ جمیل تو ہیں، حسین نہیں۔

اور اس حدیث میں تکبر کی دو قسمیں کی گئی ہیں: ایک: اللہ کے تعلق سے، دوسری: لوگوں کے تعلق سے، اللہ کے

تعلق سے کبر کا نام استکبار ہے، یعنی اللہ پر ایمان نہ لانا اور اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو اور اس کے احکام کو قبول نہ کرنا، اور دوسری قسم: لوگوں کو نگاہ سے گرا دینا ہے۔

لغات: بَطِرَ (س) بَطَرًا: اترانا، زیادتی نعمت کی وجہ سے آپے سے باہر ہو جانا۔ بَطَرَ الحقَّ: تکبر کی وجہ سے حق قبول نہ کرنا بَطِرَ الشيئَ: ناپسند کرنا درانحالیکہ وہ شی ناپسندیدگی کے قابل نہ ہو...... غَمَصَه (ض) غَمْصًا کے معنی ہیں: حقیر سمجھنا، کوئی حیثیت نہ دینا، یہی معنی غَمَطَ (ض) غَمْطًا کے ہیں، اور حدیث میں یہ لفظ بھی آیا ہے، غرض لوگوں کو حقیر و ذلیل جاننا لوگوں کے تعلق سے تکبر ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: لایَزَالُ الرجلُ یَذهَبُ بِنَفْسِه، حَتَّی یُکْتَبَ فی الجَبَّارین، فَیُصِیْبُه ما أَصَابَهُمْ: آدمی برابر اپنے کو لمبا کھینچتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ متکبروں کی فہرست میں آجاتا ہے، پس اس کو وہ سزا پہنچتی ہے جو متکبروں کو پہنچتی ہے۔

تشریح: ذَهَبَ به کے معنی ہیں: لے جانا، یہاں مراد ہے خود کو اونچا اٹھانا، لمبا کھینچنا، یعنی یہ سمجھنا کہ ''ہم چوں دیگرے نیست'' یہی خیالات انسان پکاتا رہتا ہے اور پھولا نہیں سماتا، پھر جب پھول کر کپا ہو جاتا ہے، تو وہ متکبر قرار دیدیا جاتا ہے، پھر وہ اس انجام سے دوچار ہوتا ہے جو متکبروں کا ہے۔

حدیث (۴): حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگ میرے بارے میں کہتے ہیں کہ میرے اندر غرور ہے، حالانکہ میں گدھے کی سواری کرتا ہوں، اور گلیم خرد اوڑھتا ہوں، اور بکری کو دوہتا ہوں، اور مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو یہ کام کرے اس میں ذرہ بھر بھی تکبر نہیں ہوسکتا۔

تشریح: دو چیزوں کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں، ایک: خودداری، دوسری: گھمنڈ، خودداری کے معنی ہیں: غیرت مندی، یعنی کسی کے سامنے اپنے کو ذلیل نہ کرنا، اور گھمنڈ کے معنی ہیں: خود کو بڑا سمجھنا، اور دوسروں کو حقیر سمجھنا، اور دونوں کے درمیان مابہ الامتیاز یہ بات ہے کہ اگر دوسروں کو حقیر و ذلیل جانتا ہے تو وہ غرور ہے، اور نہیں جانتا تو وہ خودداری ہے، حضرت جبیر رضی اللہ عنہ میں خودداری تھی، لوگ اس کو غرور سمجھتے تھے۔ التِّیْه کے معنی ہیں: غرور و تکبر اور اکڑ، جبکہ حضرت جبیرؓ میں یہ بات نہیں تھی، آپؓ بوقت ضرورت سائیکل پر بھی بیٹھ جاتے تھے، اور شَمْلَه: یعنی چھوٹی چادر بھی اوڑھ لیتے تھے، اور بکری بھی دوہ لیتے تھے، اور یہ کام کرنے والا شخص متکبر نہیں ہوسکتا، ہاں خوددار ہوسکتا ہے جس کو لوگ غلط فہمی سے متکبر سمجھتے ہیں۔

[٦٠-] باب ماجاء فی الکِبْرِ

[١٩٩٥-] حدثنا أَبُوْ هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ، نَا أَبُوْ بَكْرِ بنُ عَيَّاشٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ

قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ، وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ إِيْمَانٍ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَسَلَمَةَ بنِ الأَكْوَعِ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۹۹۶-] حدثنا مُحمدُ بنُ المُثَنَّى، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، قَالَا: ثَنَا يَحْيىَ بنُ حَمَّادٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبَانَ بنِ تَغْلِبَ، عَنْ فُضَيْلِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ، وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيْمَانٍ" قَالَ: فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّهُ يُعْجِبُنِيْ أَنْ يَكُوْنَ ثَوْبِي حَسَنًا، وَنَعْلِيْ حَسَنًا! قَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْجَمَالَ، وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ بَطَرَ الحَقَّ، وَغَمَصَ النَّاسَ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

[۱۹۹۷-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ عُمَرَ بنِ رَاشِدٍ، عَنْ إِيَاسِ بنِ سَلَمَةَ بنِ الأَكْوَعِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" لَايَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهِ، حَتَّى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ، فَيُصِيْبُهُ مَا أَصَابَهُمْ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

[۱۹۹۸-] حدثنا عَلِيُّ بنُ عِيْسَى بنِ يَزِيْدَ البَغْدَادِيُّ، ثَنَا شَبَابَةُ بنُ سَوَّارٍ، نَا ابنُ أَبِيْ ذِئْبٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ عَبَّاسٍ، عَنْ نَافِعِ بنِ جُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: يَقُوْلُوْنَ لِيْ فِيَّ التِّيْهُ، وَقَدْ رَكِبْتُ الحِمَارَ، وَلَبِسْتُ الشَّمْلَةَ، وَقَدْ حَلَبْتُ الشَّاةَ، وَقَدْ قَالَ لِيْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ فَعَلَ هٰذَا فَلَيْسَ فِيْهِ مِنَ الْكِبْرِ شيئٌ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

وضاحت: پہلی اور دوسری حدیثیں ایک ہیں، پہلی حدیث ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے تلمیذ سلیمان اعمشؒ کی ہے اور دوسری: فضیل بن عمرو فُقَیْمی ابوالنضر کوفی کی ہے۔

بابُ ماجاء في حُسْنِ الخُلُقِ

خوش اخلاقی کا بیان

احادیث میں ایمان کے بعد جس چیز پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، اور جس چیز پر انسان کی سعادت موقوف ہے وہ اخلاقِ حسنہ ہیں۔ پس ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اخلاقِ حسنہ اپنائے، اور برے اخلاق سے بچے، کیونکہ بعثتِ نبوی کا ایک بڑا مقصد انسانوں کا تزکیہ ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے: ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ یعنی نبی ﷺ لوگوں کو پاکیزہ کرتے ہیں (آل عمران آیت ۱۶۴ والجمعہ آیت ۲) اور پاکیزہ کرنے کا مطلب ہے: اخلاق رذیلہ سے پاک کرتے ہیں، اور

اخلاقِ حسنہ سے آراستہ کرتے ہیں، اور حدیث میں ہے: بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الأخلاق: میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کروں یعنی تمام اچھے اخلاق امت کو سکھلا دوں۔

غرض انسان کی زندگی میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہونگے تو اس کو قلبی سکون حاصل ہوگا، اور زندگی خوش گوار گذرے گی، اس کا وجود دوسروں کے لئے رحمت ہوگا، اور اگر انسان کے اخلاق گندے ہونگے تو وہ خود بھی زندگی کے لطف سے محروم رہے گا، اور دوسروں کی زندگیوں کو بھی کرکرا کردے گا۔

اور یہ خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے دنیوی نتائج ہیں جو روزمرہ ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں، اور مرنے کے بعد ان کے نتائج اس سے بھی زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا وجنت ہے، اور بداخلاقی کا انجام خداوند غالب وقہار کا غضب ودوزخ ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اخلاق کے سلسلہ میں احادیث دوطرح کی ہیں: ایک: وہ ہیں جن میں آپؐ نے اصولی طور پر حسنِ اخلاق پر زور دیا ہے، اور اس کی اہمیت وفضیلت سمجھائی ہے، اور اس کا غیر معمولی اخروی ثواب بیان کیا ہے، اور دوسری: وہ ہیں جن میں آپؐ نے خاص خاص اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے کی اور خاص خاص بداخلاقیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے، چنانچہ یہاں سے أبواب البر والصلة کے آخر تک یہی بیان ہے، پہلے باب میں خوش اخلاقی کی اہمیت وفضیلت بیان کی ہے۔

حدیث (۱): نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما شيئٌ أَثْقَلُ في ميزانِ المؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ: قیامت کے دن مؤمن کی میزان عمل میں اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری (وزنی) کوئی چیز نہیں ہوگی، یعنی اخلاقِ حسنہ کا درجہ ایمان کے بعد ارکانِ اسلام سے بھی بڑھا ہوا ہے، فإنَّ اللّٰهَ تعالى يُبْغِضُ الفَاحِشَ البَذِيْءَ: پس بیشک اللہ تعالیٰ نہایت ناپسند کرتے ہیں بدگو بیہودہ بکنے والے کو، یہ منفی پہلو سے اخلاقِ حسنہ کی خوبی سمجھائی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ضدین کے احکام مختلف ہوتے ہیں، مثلاً کسی کا مزاج بارد ہے، اس لئے بارد چیزیں اس کے لئے مضر ہیں تو حار (گرم) چیزیں اس کے لئے مفید ہونگی، اسی طرح برعکس، اسی طرح بعض اخلاق قبیحہ (بدگوئی اور بیہودہ بکنا) اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں تو ان کی اضداد یعنی اخلاق حسنہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہونگے۔

حدیث (۲): نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما من شيئٍ يُوْضَعُ في الميزان أَثْقَلُ من حُسْنِ الخُلُقِ: میزانِ عمل میں کوئی چیز اخلاقِ حسنہ سے زیادہ وزنی نہیں رکھی جائے گی، اس حدیث کا مفہوم بھی وہی ہے جو گذشتہ حدیث کا ہے کہ اخلاقِ حسنہ کا درجہ ایمان کے بعد دیگر ارکانِ اسلام سے بڑھا ہوا ہے۔ وإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ درجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلاَةِ: اور بیشک اخلاقِ حسنہ والا اچھے اخلاق کی وجہ سے روزہ دار اور نفل نمازیں پڑھنے والے کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے، یعنی جس سچے مؤمن کو حسنِ اخلاق کی دولت مل گئی وہ حسن اخلاق کی وجہ سے روزہ

رکھنے والے اور شب بیداری کرنے والے کے درجہ کو پالیتا ہے، اس سے بھی اخلاقِ حسنہ کی خوبی خوب ظاہر ہوتی ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ سے پوچھا گیا: لوگوں کو جنت میں پہنچانے والی چیزوں میں سب سے زیادہ مؤثر کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق برتنا، پھر پوچھا گیا: لوگوں کو جہنم میں لے جانے والی چیزوں میں سب سے زیادہ مؤثر کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: منہ اور شرمگاہ کے گناہ، یعنی ان دو اعضا سے جو گناہ وجود میں آتے ہیں وہ جہنم میں جانے کا بڑا سبب ہیں، شرمگاہ کے گناہ تو ظاہر ہیں، اور منہ کے گناہ: کفر وشرک، سب وشتم، کذب وغیبت، حرام خوری وحرام نوشی اور افتراء پردازی وغیرہ ہیں۔

حدیث (۴): حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے اخلاقِ حسنہ کی تفسیر کی ہے کہ اخلاقِ حسنہ تین چیزوں کا نام ہے: (۱) لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا (۲) لوگوں کے ساتھ حسن سلوک برتنا خواہ جان سے ہو یا مال سے (۳) تکلیف دہی سے بچنا یعنی یہ کوشش کرنا کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

[۶۱-] باب ماجاء فی حُسْنِ الخُلُقِ

[۱۹۹۹-] حدثنا ابنُ أَبِیْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْیَانُ، ثَنَا عَمْرُو بنُ دِیْنَارٍ، عَنْ ابنِ أَبِیْ مُلَیْکَةَ، عَنْ یَعْلَی بنِ مَمْلَكٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِیْ الدَّرْدَاءِ: أَنَّ النبیَّ صلی الله علیه وسلم قَالَ: "مَاشَیْئٌ أَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیْءَ"

وفی الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وأَبِیْ هریرةَ، وَأَنَسٍ، وأُسَامَةَ بن شَرِیْكٍ، هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

[۲۰۰۰-] حدثنا أَبُوْ کُرَیْبٍ، ثَنَا قُبَیْصَةُ بنُ اللَّیْثِ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِیْ الدَّرْدَاءِ، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم یَقُوْلُ: "مَا مِنْ شَیْئٍ یُوْضَعُ فِیْ الْمِیْزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الخُلُقِ، وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الخُلُقِ لَیَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ" هٰذَا حدیثٌ غریبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

[۲۰۰۱-] حدثنا أَبُوْ کُرَیْبٍ مُحمدُ بنُ العَلَاءِ، نَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ إِدْرِیْسَ، ثَنِیْ أَبِیْ، عَنْ جَدِّیْ، عَنْ أَبِیْ هریرةَ، قَالَ: "سُئِلَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم عَنْ أَکْثَرِ مَا یُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: "تَقْوَی اللّٰهِ، وَحُسْنُ الخُلُقِ" وَسُئِلَ عَنْ أَکْثَرِ مَا یُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ؟ قَالَ: "الْفَمُ وَالْفَرْجُ"

هٰذَا حدیثٌ صحیحٌ غریبٌ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ إِدْرِیْسَ: هُوَ ابنُ یَزِیْدَ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الأَوْدِیُّ.

[۲۰۰۲-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ عَبْدَةَ، نَا أَبُوْ وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْمُبَارَكِ، أَنَّهُ وَصَفَ حُسْنَ الخُلُقِ، فَقَالَ: هُوَ بَسْطُ الوَجْهِ، وَبَذْلُ الْمَعْرُوْفِ، وَکَفُّ الأَذَی.

لغات: أَبْغَضَ (از باب افعال) دشمنی کرنا، نفرت کرنا...... الفاحش: بدخلق، بدگو، أَفْحَشَ: بری بات کہنا...... بَذَا (ن) بَذْوًا اور أَبْذیٰ إِبذاءً علیه: فحش بکنا، بَذُوَ (ک) بَذَاءً وَبَذَاءَۃً: فحش گو ہونا۔ البذاءُ: بیہودہ کلام۔

بابُ ماجاء فی الإِحْسَانِ وَالْعَفْوِ

حسن سلوک اور درگذر کا بیان

احسان (حسن سلوک) کا مطلب ہے: لوگوں کو بھلائی پہنچانا، تحفہ دینا، یا کسی کا کوئی کام کر دینا، یا اس کو آرام پہنچانا، یا ایسا کوئی کام کرنا جو اس کے لئے خوشی اور مسرت کا باعث ہو...... اور عفو (درگذر) یہ ہے کہ آدمی اپنے متعلقین کی خُردہ گیری نہ کرے، ان کی نازیبا حرکتوں سے صرف نظر کرے، اور ان کے اچھے کاموں کو سراہے، اور ان کی تکلیف دہ باتوں سے درگذر کرے۔

حدیث (۱): ابوالاحوص کے والد مالک بن نَضْلَة نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: میں ایسے شخص کے پاس سے گذرتا ہوں جو نہ میری مہمان نوازی کرتا ہے نہ تکریم کرتا ہے (قَرَی یَقْرِیْ قِرًی وقِرَاءً الضیفَ: میز بانی کرنا، قِری اور ضیافت ایک چیز ہیں پس ایک کے معنی تکریم کے اور ایک کے معنی میز بانی کے کریں گے یا ایک کے معنی کھلانے اور ایک کے معنی ٹھہرانے کے کریں گے) پھر وہ شخص میرے پاس سے گذرتا ہے تو کیا میں اس کو ترکی بہ ترکی جواب دوں؟ آپؐ نے فرمایا: لا، أَقْرِهِ: (أَقْرِ فعل امر ہے) یعنی نہیں، آپ اس کی ضیافت کریں۔

مالک بن نَضلہؓ کہتے ہیں: اور نبی ﷺ نے مجھے بوسیدہ کپڑوں میں دیکھا تو پوچھا: کیا آپ کے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا: ہر مال اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے، اونٹ بھی اور بکریاں بھی! آپؐ نے فرمایا: فَلْيُرَ علیك: پس چاہئے کہ وہ آپ پر نظر آئے، یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اثر ظاہر ہونا چاہئے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال دیا ہے تو اچھی حالت میں رہنا چاہئے۔ یُرَ: یَرَی کا مجہول ہے، آخر سے ی جزم کی وجہ سے گرگئی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لاتکونوا إِمَّعَةً: دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے والے نہ بنو، إِمَّعَة: أنا مع الناس کا مخفف ہے اور شروع میں ہمزہ اصلی ہے اور ۃ مبالغہ کے لئے ہے، تقولون: إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا، وإِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا: کہو تم کہ اگر لوگ حسن سلوک کریں گے تو ہم بھی حسن سلوک کریں گے، اور اگر لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے، یہ إِمَّعَة کی تفسیر ہے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے کا یہی مطلب ہے، ولکن وَطِّنُوْا أَنْفُسَكُمْ: إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوْا، وإِنْ أَسَاءُ وْا فَلَا تَظْلِمُوْا: بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پکا کرو، یعنی اپنے آپ کو خوگر بناؤ کہ اگر لوگ حسن سلوک کریں تب بھی تم حسن سلوک کرو، اور اگر لوگ بدسلوکی کریں تب بھی تم ظلم نہ کرو، بلکہ حسن سلوک کرو۔

تشریح: دنیا میں خواہ حسن سلوک کا چلن ہو، یا ظلم وستم کا دور دورہ ہو، اہل ایمان کو ہر حال میں دوسروں کے ساتھ

حسن سلوک کرنا چاہئے، اور یہ حسن سلوک صرف ان لوگوں کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے جو ہمارے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، بلکہ برا سلوک کرنے والوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو چند باتوں کا حکم دیا ہے، ان میں یہ بھی ہے کہ قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ بھی صلہ رحمی کی جائے، اور محروم رکھنے والے کو بھی دیا جائے، اور ظلم کرنے والے کو بھی معاف کیا جائے (رواہ رزین)

[٦٢-] باب ماجاء فی الإِحْسَانِ والْعَفْوِ

[٢٠٠٣-] حدثنا بُنْدَارٌ، وأَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، وَمَحْمُوْدُ بنُ غَيْلاَنَ، قَالُوْا: نَا أَبُوْ أَحْمَدَ، عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِيْ الأَحْوَصِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! الرَّجُلُ أَمُرُّ بِهِ، فَلاَ يَقْرِيْنِيْ، وَلاَ يُضَيِّفُنِيْ، فَيَمُرُّ بِيْ أَفَأَجْزِيْهِ؟ قَالَ: "لاَ، أَقْرِهِ" قَالَ: وَرَآنِي رَثَّ الثِّيَابِ، فَقَالَ:" هَلْ لَكَ مِنْ مَالٍ؟" قَالَ: قُلْتُ: مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِي اللّٰهُ مِنَ الإِبِلِ وَالْغَنَمِ، قَالَ:" فَلْيُرَ عَلَيْكَ"

وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَجَابِرٍ، وأَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ الأَحْوَصِ: اسْمُهُ عَوْفُ بنُ مَالِكِ بنِ نَضْلَةَ الجُشَمِيُّ. وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "أَقْرِهِ" يَقُوْلُ: أَضِفْهُ، وَالقِرَى: الضِّيَافَةُ.

[٢٠٠٤-] حدثنا أَبُوْ هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ، ثَنَا مُحمدُ بنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الْوَلِيْدِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ جُمَيْعٍ، عَنْ أَبِيْ الطُّفَيْلِ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" لاَتَكُوْنُوْا إِمَّعَةً: تَقُوْلُوْنَ: إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا، وَإِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا، وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا أَنْفُسَكُمْ: إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوْا، وَإِنْ أَسَاءُوْا فَلاَ تَظْلِمُوْا" هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لاَ نعرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الوَجْهِ.

بابُ ماجاء في زِيَارَةِ الإِخْوَانِ

دینی بھائیوں سے ملنے کا بیان

باہمی انس ومحبت خاص ایمانی صفت ہے، پس مؤمن کو چاہئے کہ دوسرے مؤمنوں سے محبت کرے، اور دوسرے اس سے محبت کریں، اور مانوس ہوں، اگر معاشرہ میں لوگوں میں باہمی انس ومحبت نہیں ہوگی تو نہ ایک دوسرے کو کوئی نفع پہنچا سکیں گے اور نہ ایک دوسرے سے نفع اٹھا سکیں گے، اور باہمی الفت ومحبت کا پیکر محسوس گاہ بہ گاہ ایک دوسرے سے ملنا ہے، ایسے بندوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ نے یہ حدیث قدسی نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہے جو باہم میری وجہ سے محبت کرتے ہیں، میری وجہ سے کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں، میری وجہ سے باہم ملاقات کرتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ

کرتے ہیں، پس خشک مزاج لوگ جوسب سے بے تعلق رہتے ہیں اوراس کو دین کا تقاضہ سمجھتے ہیں یہ لوگ ایک ایمانی صفت سے محروم ہیں، ایسے لوگوں کے طرزِ عمل سے معاشرہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جوشخص کسی بیمار کی بیمار پرسی کرتا ہے، یا اپنے کسی دینی بھائی سے ملاقات کرتا ہے تو اس کوایک فرشتہ پکار کر کہتا ہے: طِبْتَ، وَطَابَ مَمْشَاكَ، وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الجنة منزِلاً: خوش رہ، اور تیرا چلنا اچھا ہو، اور تو جنت میں اپنا مقام بنالے۔

تشریح: فرشتے نے تین دعائیں دی ہیں: ایک: خوشگوار ہونے کی، اس کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے، دوسری: چال کے عمدہ ہونے کی اس کا تعلق عمل کی خوبی سے ہے، تیسری: جنت میں مقام بنانے کی، اس کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے، پس بیمار کی بیمار پرسی کے لئے جانا یا دینی بھائی سے ملنے کے لئے جانا خیر محض ہے۔

[۶۳-] باب ماجاء في زِيَارَةِ الإِخْوَانِ

[۲۰۰۵-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، وَالحُسَيْنُ بنُ أَبِيْ كَبْشَةَ البَصْرِيُّ، قَالاَ: حدثنا يُوْسُفُ بنُ يَعْقُوْبَ السَّدُوْسِيُّ، نَا أَبُوْ سِنَانٍ القَسْمَلِيُّ، عَنْ عُثْمَانَ بنِ أَبِيْ سَوْدَةَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ عَادَ مَرِيْضًا، أَوْ زَارَ أَخًا لَهُ فِي اللّٰهِ: نَادَاهُ مُنَادٍ: أَنْ طِبْتَ، وَطَابَ مَمْشَاكَ، وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلاً"

هٰذَا حديثٌ[حسنٌ]غريبٌ، وَأَبُوسِنَانٍ: اسْمُهُ عِيسَى بنُ سِنَانٍ، وَقَدْ رَوَى حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيْ رَافِعٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم شَيْئًا مِنْ هٰذَا.

وضاحت: قوله شيئًا من هذا: یعنی مختصراً، معلوم نہیں یہ مختصر روایت کس کتاب میں ہے، حماد بن سلمہ کی مفصل روایت مسلم شریف (حدیث ۲۵۶۷) میں ہے۔

بابُ ماجاء في الحَيَاءِ

شرم کا بیان

شرم وحیا: ایک بنیادی وصف ہے جس کا انسان کی سیرت سازی میں اور معاشرہ کو سنوارنے میں بہت زیادہ دخل ہے، یہی وصف انسان کو بہت سے برے کاموں سے اور بری باتوں سے روکتا ہے، اور فواحش ومنکرات سے اس کو بچاتا ہے، اور اچھے اور شریفانہ کاموں پر آمادہ کرتا ہے، بلکہ شرم وحیا انسان کی بہت سی خوبیوں کی جڑ بنیاد ہے۔

اور حیا انسان کی اِس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض ہو اور اس کے

ارتکاب سے اذیت پہنچے، پھر حیا کا تعلق صرف انسانوں سے نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے۔ ابوداؤد (حدیث ۴۰۱۲) میں ہے: إِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ، يُحِبُّ الحيَاءَ وَالسَّتْرَ، فإذا اغْتَسَلَ أَحَدُكم فَلْيَسْتَتِرْ: بیشک اللہ تعالیٰ بہت شرم کرنے والے، پردہ پوش ہیں، شرم اور پردہ کو پسند فرماتے ہیں، پس جب تم میں سے کوئی نہائے تو چاہئے کہ پردہ کر کے نہائے، پس جب یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو ضروری ہے کہ مؤمن اس کو اپنے اندر پیدا کرے، اور اللہ تعالیٰ کے حیادار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام کام شاندار اور پر حکمت ہوتے ہیں، کوئی کام نامناسب اور برا نہیں ہوتا، پس جس مؤمن میں یہ صفت ہوگی وہ بھی ہمیشہ اچھے کام کرے گا اور برے اور شرم ناک کاموں سے بچے گا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: الحَيَاءُ مِنَ الإِيْمَانِ، والإيْمانُ فی الجنة: حیا ایمان کی شاخ ہے، اور ایمان کا صلہ جنت ہے۔ والبَذَاءُ مِنَ الجَفَاءِ، وَالجَفَاءُ فی النار: اور بدکلامی گنوارپن کی شاخ ہے، اور گنوارپن کا انجام دوزخ ہے۔

تشریح: ایک دوسری حدیث میں ہے: الحياءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإيمان: حیا ایمان کی اہم شاخ ہے، پس حیا اور ایمان میں خاص مناسبت ہے اور دونوں میں گہرا تعلق ہے، جس طرح کا تعلق درخت اور اس کے پھل میں ہوتا ہے، اسی طرح بدگوئی اور گنوارپن میں خاص مناسبت ہے، بدسلیقہ لوگ ہی بدکلامی کرتے ہیں، اور بدسلیقہ لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے، کیونکہ وہ ایسی حرکتیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو بالیقین جہنم میں پہنچانے والے ہیں۔

[٦٤-] باب ماجاء فی الحَيَاءِ

[٢٠٠٦-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نَا عَبْدَةُ بنُ سُلَيْمَانَ، وَعَبْدُ الرَّحِيْمِ، وَمُحَمَّدُ بنُ بِشْرٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو، نَا أَبُوْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "الحيَاءُ مِنَ الإِيْمَانِ، وَالإِيْمَانُ فِيْ الْجَنَّةِ؛ وَالبَذَاءُ مِنَ الجفَاءِ، وَالْجفَاءُ فِيْ النَّارِ"

وفی الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَأَبِيْ بَكْرَةَ، وأَبِيْ أُمَامَةَ، وَعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی التَّأَنِّیْ و العَجَلَةِ

اطمینان سے کام کرنے کا اور جلد بازی کا بیان

ہر کام کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت پسندیدہ عادت ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے نصیب ہوتی ہے، اور جلد بازی بری عادت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: السَّمْتُ الحسن، والتُّؤَدَة، والاقتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وعشرين جُزْءً من النُّبُوَّةِ: اچھی سیرت اور اطمینان سے کام انجام دینا اور میانہ روی نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہیں۔

تشریح: نبوت تو خاتم النّبیین ﷺ پر ختم ہوگئی، مگر کمالاتِ نبوت باقی ہیں، یعنی جب نبوت جاری تھی تو اللہ تعالیٰ جن خوبیوں پر نبوت عطا فرماتے تھے وہ کمالاتِ نبوت باقی ہیں، اور کمالاتِ نبوت سب ایک درجہ کے نہیں ہیں، ان کا وزن کم وبیش ہے، کوئی اہم کمال ہے اور کوئی اس سے فروتر، پس ہر کمال کی مجموعۂ کمالات سے نسبت دیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کمال کا وزن کرلیا جائے پھر اس کمال کے ہم وزن باقی کمالات کے مجموعہ کو تقسیم کیا جائے تو کل جتنے اجزاء ہونگے، یہ کمال اس کا ایک بٹا ہوگا، مثلاً مبشرات: نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں، یعنی جتنی اہمیت مبشرات کی ہے اس کے اعتبار سے اگر کمالاتِ نبوت کے مجموعہ کے اجزاء کئے جائیں تو چھیالیس اجزاء ہوں گے، پس مبشرات $\frac{1}{46}$ ہوئے۔ اسی طرح اِن تین کمالات کا مجموعہ یعنی اچھی سیرت، اور اطمینان سے کام انجام دینا اور میانہ روی کا مجموعہ: کمالاتِ نبوت کا $\frac{1}{24}$ ہے، یعنی پہلے ان تین کو تولا جائے، پھر اس کے ہم وزن باقی مجموعۂ کمالات کے اجزاء بنالئے جائیں تو مجموعہ چوبیس حصے ہوگا، پس ان تین کمالات کا مجموعہ $\frac{1}{24}$ ہوا، یعنی مبشرات سے ان تین کمالات کے مجموعہ کی اہمیت تقریباً دوگنی ہوگی(۱)

اور میانہ روی سے مراد یہ ہے کہ ہر کام میں اور ہر حال میں افراط وتفریط سے بچا جائے، اور اعتدال کی راہ اختیار کی جائے، چنانچہ جن صحابہ نے بہت زیادہ عبادت گذاری کا ارادہ کیا تھا، آپؐ نے ان کو منع کردیا تھا، کیونکہ وہ میانہ روی کے خلاف تھا، اسی طرح بعض صحابہ نے اپنا پورا مال راہِ خدا میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو آپؐ نے ان کو بھی اس سے روک دیا تھا، کیونکہ یہ بھی میانہ روی کے خلاف تھا، اور صرف ایک تہائی مال خیرات کرنے کی اجازت دی تھی، یہی انفاق کا اعتدال ہے، اسی طرح تنگ دستی اور فراخ دستی میں بھی اپنے اوپر یا دوسروں پر خرچ کرنے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔

لغات: السَّمْت: کے تقریباً وہی معنی ہیں جو اردو میں س کے زیر کے ساتھ سِمت کے ہیں، یعنی رخ اور راہ، کہتے ہیں: سیدھی سمت چلنا، یہی السَّمْتُ الحسن ہے، اور سَمَتَ یَسْمِتُ سَمْتًا کے معنی ہیں: بہتر رخ والا ہونا، اچھی ہیئت والا ہونا، اور السَّمْتُ کے معنی ہیں: ہیئت وصورت ...... اور التُّؤَدَة کی اصل وُؤَدَةٌ ہے، اور اس کے معنی ہیں متانت وسنجیدگی، اور آہستگی سے کوئی کام کرنا۔ اِتَّأَدَ فی أَمْرِہ کے معنی ہیں: کام کو اطمینان سے انجام دینا، ثابت قدم رہنا، اپنے معاملہ میں پختہ ہونا ...... اور الاقتصادُ کے معنی ہیں: میانہ روی، اعتدال، اور درمیانی راہ جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط ...... اور یہ حدیث دوسندوں سے مروی ہے، پہلی سند میں عاصم احول ہیں اور دوسری سند میں یہ راوی

(۱) جاننا چاہئے کہ کل کمالاتِ نبوت کتنے ہیں؟ اور کیا کیا ہیں؟ اور ہر ایک کا وزن اور اہمیت کتنی ہے؟ یہ بات صرف اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ جانتے ہیں، ہم یہ بات نہیں جانتے، نہ جان سکتے ہیں، بس جس کمال کے بارے میں آپؐ نے بتادیا اسی کو ہم جانتے ہیں ۱۲

نہیں ہے۔ امام ترمذیؒ نے جس سند میں عاصم کا واسطہ ہے اس کو صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ یہ سند نازل ہوگئی، اس لئے حضرت کے مزاج کے مطابق یہی صحیح ہے۔

حدیث (۲): جب قبیلہ عبد القیس کا وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا تو ان میں مُنذر بن عائذ بھی تھے، ان کی پیشانی پر زخم کا نشان تھا اس لئے وہ اشج کہلاتے تھے، ان کا قبیلہ العَصْر تھا اس لئے العَصْری کہلاتے تھے، جب یہ وفد مدینہ منورہ پہنچا تو سب ارکان جلدی سے نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے، مگر منذر نہیں گئے، انھوں نے غسل کیا، کپڑے بدلے، پھر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، پھر مجلس میں ایک خاص بات یہ پیش آئی کہ آپؐ نے فرمایا: اپنی قوم کی طرف سے بیعت کرو، سب تیار ہوگئے، مگر منذرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم قوم کی طرف سے بیعت کیسے کریں؟ معلوم نہیں وہ اسلام قبول کرتے ہیں یا نہیں؟ ہم اتنا کر سکتے ہیں کہ لوٹ کر ان کو اسلام کی دعوت دیں، نبی ﷺ نے ان کی اس تجویز کو پسند فرمایا اور ان کے بارے میں فرمایا: إِنَّ فيكَ خَصلَتَيْنِ يُحِبُّهما اللّٰهُ: الحِلْمُ وَالأَناةُ: تمہارے اندر دو ایسی عادتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں: ایک برد باری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسری اطمینان سے کام کرنا، اس حدیث سے بھی جہاں برد باری کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے متانت ووقار اور اطمینان کے ساتھ کام کرنے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: الأناةُ من الله والعَجَلَةُ من الشيطان: اطمینان سے کام انجام دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یعنی بتوفیق خداوندی کسی کو یہ خوبی نصیب ہوتی ہے، اور جلد بازی شیطان کے اثر سے ہے، سعدیؒ کہتے ہیں: ''تعجیل: کارِ شیاطین بود'' یہ اسی حدیث کا ترجمہ ہے، اور اس حدیث کا ایک راوی عبد المہیمن بن عباس ہے یہ حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ کا پوتا ہے اور ضعیف راوی ہے، اس کو حدیثیں اچھی طرح یاد نہیں تھیں۔

[۶۵-] باب ماجاء في التَّأَنِّي وَالْعَجَلَةِ

[۲۰۰۷-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، نا نُوحُ بنُ قَيْسٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عِمْرَانَ، عَنْ عَاصِمٍ الأَحْوَلِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ سَرْجِسٍ المُزَنِيِّ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "السَّمْتُ الحَسَنُ، وَالتُّؤَدَةُ، وَالاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْأً مِنَ النُّبُوَّةِ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

[۲۰۰۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا نُوحُ بنُ قَيْسٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عِمْرَانَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ سَرْجِسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: عَنْ عَاصِمٍ، وَالصَّحِيْحُ حَدِيْثُ نَصْرِ بنِ عَلِيٍّ.

[۲۰۰۹-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ بَزِيْعٍ، نا بِشْرُ بنُ المُفَضَّلِ، عَنْ قُرَّةَ بنِ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي

جَمْرَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ: " إِنَّ فِيْكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ" وفي الباب: عَنِ الْأَشَجِّ الْعَصَرِيِّ.

[۲۰۱۰-] حدثنا أَبُوْ مُصْعَبٍ الْمَدِيْنِيُّ، نَا عَبْدُ الْمُهَيْمِنِ بْنُ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "الْأَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ، وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ" هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ عَبْدِ الْمُهَيْمِنِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

بابُ ماجاء في الرِّفْقِ

نرمی کا بیان

لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور سختی کا رُویہ اختیار نہ کرنا بھی ایک خوبی ہے جس سے معاشرہ کو رونق ملتی ہے، مسلم شریف میں روایت ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نرم ہیں، اور نرمی کو پسند فرماتے ہیں، اور نرمی کرنے پر اتنا دیتے ہیں جتنا سختی کرنے پر نہیں دیتے، اور نہ اس کے علاوہ کسی اور اچھی صفت پر اتنا دیتے ہیں'' پس جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ سختی کے بغیر کام نہیں چلتا، ان کا یہ خیال صحیح نہیں، بلکہ مسلم شریف میں یہ بھی روایت ہے کہ جو شخص نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ ہر خیر سے محروم کیا گیا۔

حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کو نرمی سے اس کا حصہ دیا گیا اس کو یقیناً خیر میں سے اس کا حصہ دیا گیا، اور جو شخص نرمی سے اس کے حصہ سے محروم رکھا گیا وہ خیر سے اس کے حصہ سے محروم رکھا گیا'' (اس حدیث میں چاروں جگہ حَظَّہٗ مفعول ثانی ہے اس لئے منصوب ہے)

تشریح: نرمی اور سختی کا دائرہ بہت وسیع ہے، اپنے گھر والوں سے، بیوی بچوں سے، غریب وقریب سے، پڑوسیوں اور شاگردوں سے، حاکموں اور افسروں سے: سب سے اس کا تعلق ہے، آدمی کو زندگی میں جن جن سے واسطہ پڑتا ہے ان سب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے، اور یہ بات خود اس کے لئے بھی رحمت کا باعث ہے اور دوسروں کے لئے بھی سکون کا سبب ہے، نرمی کرنے سے باہم محبت ومودت پیدا ہوتی ہے، اکرام واحترام اور خیر خواہی کے جذبات ابھرتے ہیں اور سخت رویہ اختیار کرنے سے آپس میں بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے، اور حسد وبدخواہی اور جنگ وجدال کے جذبات ابھرتے ہیں اس لئے اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جس کے مزاج میں نرمی ہے وہ بہت سی منفعتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے، اور جو اس اچھی خصلت سے محروم ہے وہ بہت سے نقصانات اور زحمتوں سے دوچار ہوتا ہے۔

[٦٦-] باب ماجاء في الرِّفْقِ

[٢٠١١-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، نا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بن دِيْنَارٍ، عَنْ ابنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنْ يَعْلَى بن مَمْلَكٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: قَالَ:" مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ: فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ: فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ"
وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَجَرِيْرِ بن عَبْدِ اللّٰهِ، وأَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ

مظلوم کی بددعا کا بیان

اس باب میں اگرچہ منطوق کے ذریعہ ظلم وزیادتی کی قباحت وشناعت کا بیان ہے مگر مفہوم مخالف کے ذریعہ عدل وانصاف کی خوبی بیان کرنا مقصود ہے، کیونکہ ظلم کے سلسلہ میں آگے باب ۸۲ آرہا ہے، پس جاننا چاہئے کہ عدل وانصاف کرنا بھی بڑی خوبی ہے، اوراس سے معاشرہ کو رونق ملتی ہے، اور ظلم وزیادتی معاشرہ کو تباہ کرتی ہے، جب حاکم ظلم پر کمر باندھ لیتا ہے تو بیچارہ مظلوم سوائے بددعا کے کیا کرسکتا ہے؟ اور اضطراری حالت میں اس کے دل سے جو آہ نکلتی ہے وہ عرش الٰہی سے ورے نہیں رکتی، اور ابواب الزکوٰۃ (تحفۃ الالمعی ۲:۵۳۱) میں یہ حدیث گذری ہے کہ جب نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا: اتَّقِ دعوةَ المظلومِ، فإنَّه ليس بينها وبين الله حجابٌ: مظلوم کی بددعا سے بچنا! کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں یعنی مظلوم کی آہ سیدھی اللہ تک پہنچتی ہے۔

[٦٧-] باب ماجاء في دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ

[٢٠١٢-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نا وَكِيْعٌ، عَنْ زَكَرِيَّا بنِ إِسْحَاقَ، عَنْ يَحْيَى بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ مَعْبَدٍ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: "اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ"
هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ مَعْبَدٍ: اسْمُهُ نَافِذٌ، وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، وأَبِيْ هريرةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وأَبِيْ سَعِيْدٍ.

وضاحت: فإنه کی ضمیر: ضمیر شان ہے جو اس کا اسم ہے اور جملہ لیس خبر ہے۔

بابُ ماجاء في خُلُقِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم

نبی ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کا بیان

آپؐ کے اخلاقِ حسنہ کی گواہی قرآنِ عظیم نے دی ہے، سورۃ القلم آیت ۴ میں ہے: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ اورآپؐ یقیناً بڑے اخلاق پر ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اعلیٰ اخلاق پر پیدا فرمایا ہے، آپؐ کا کوئی عمل اعتدال سے ہٹا ہوا نہیں تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے دس سال نبی ﷺ کی خدمت کی ہے مگر کبھی کسی بات پر آپؐ نے ''ہوں'' نہیں کہا، نہ کسی کام کے کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں کیا؟ اور نہ کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا؟ اور نبی ﷺ اخلاق میں سب لوگوں سے بڑھ کر تھے (اسی طرح جسمانی حلیہ کے اعتبار سے بھی آپ سب سے بہتر تھے) میں نے کبھی کوئی خالص ریشم اور سلکی کپڑا، اور نہ کوئی نرم چیز ایسی چھوئی ہے جو نبی ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو، اور نہ میں نے کبھی کوئی مشک اور نہ کوئی عطر نبی ﷺ کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار سونگھا ہے۔

تشریح: جس طرح گناہوں کی کثرت سے خاص طور پر بدنظری سے پسینہ میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے، اسی طرح اعمالِ حسنہ سے خوشبو پیدا ہوتی ہے اور اعمالِ حسنہ میں نبی ﷺ سے بڑھا ہوا کون تھا؟ اس لئے آپؐ کا پسینہ نہایت خوشبودار تھا۔

سوال: جب آپ ﷺ کا پسینہ خوشبودار تھا تو پھر آپؐ عطر کیوں لگاتے تھے؟

جواب: آپؐ عطر اس لئے استعمال فرماتے تھے کہ خوشبو اور بڑھے جیسے وہ شخص جو فطری طور پر خوبصورت ہوتا ہے وہ بھی بنتا سنورتا ہے بلکہ دوسرے سے زیادہ سنورتا ہے، حالانکہ حسنِ خداداد کے بعد مانگ پٹی کی ضرورت نہیں رہتی، یا جیسے ایک نماز سے دوسری نماز تک کے گناہ نمازوں کی وجہ سے معاف ہوجاتے ہیں، پھر جمعہ سے جمعہ تک کے گناہ جمعہ کی وجہ سے معاف ہوتے ہیں، پھر عاشوراء اور عرفہ کے روزوں سے بھی سال بھر کے گناہ معاف ہوتے ہیں، نیز وضو سے بھی اعضاء کے تمام گناہ نکل جاتے ہیں، پس اگر کوئی سوال کرے کہ جب ایک عمل سے گناہ معاف ہوگئے تو دوسرا عمل کیا کام کرے گا؟ اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ مکفِّرات کے مجموعہ سے جلا پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اس کو بھی سمجھنا چاہئے کہ آپؐ کا پسینہ نہایت خوشبودار تھا، ایک مرتبہ آپؐ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر سو رہے تھے، گرمی کا زمانہ تھا، پسینہ نکل رہا تھا، حضرت ام سلیم وہ پسینہ ایک شیشی میں جمع کر رہی تھیں، آپؐ کی آنکھ کھل گئی، آپؐ نے پوچھا: کیا کر رہی ہو؟ انھوں نے عرض کیا: آپؐ کا پسینہ جمع کر رہی ہوں ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے، کیونکہ آپ کا پسینہ ہماری خوشبوؤں سے بھی زیادہ خوشبودار ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ دو خوشبوؤں کے جمع ہونے سے خوشبو میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے آپؐ بکثرت عطر استعمال فرماتے تھے۔

اور خادم کے فعل پر نکیر نہ کرنے کی وجہ اخلاق کی خوبی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ دس سال تک آپؐ کی خدمت میں رہے ہیں، اتنے لمبے عرصہ تک خادم سے کوئی نامناسب بات سرزد نہ ہو یہ ناممکن ہے، اور کبھی بھی خادم کو تنبیہ نہ کرنا یہ انتہائی درجہ کی تواضع ہے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے تھے، اور اس پر راضی رہتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے، یعنی تقدیر سے ہٹ کر کوئی بات نہیں ہوتی، پھر آدمی کسی بات پر چیں بہ جبیں کیوں ہو؟ ہاں اگر خادم شرارت کرے، اور بالقصد کام بگاڑے تو اس کو سلیقہ سکھلانا چاہئے، اور اس کی حرکت پر نکیر کرنی چاہئے، مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کی امید نہیں تھی ان سے اگر کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو دانستہ نہیں ہوتی تھی، اس لئے نبی ﷺ کبھی ان کو نہیں ٹوکتے تھے۔

حدیث: ابو عبد اللہ جدلی کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: لَمْ یکن فاحِشًا ولا مُتَفحِّشًا: آپؐ نہ (طبعی طور پر) فحش گو تھے اور نہ بہ تکلف فحش باتیں کرتے تھے۔ ولا صَخَّابًا فی الأَسْوَاقِ: اور نہ آپؐ بازاروں میں چلا کر بولتے تھے (جہاں ہر کوئی چلاتا ہے) ولا یَجْزِیْ بالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةَ: اور آپؐ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، ولکن یَعفو وَیَصْفَحُ: بلکہ آپؐ معاف کر دیتے تھے اور درگذر فرماتے تھے۔

تشریح:

۱- بعض لوگ فطری طور پر بیہودہ باتیں کرنے کے عادی ہوتے ہیں، اور بعض لوگ بہ تکلف مجلس گرم کرنے کے لئے یا مجلس کا طرز نبا ہنے کے لئے فحش گوئی کرتے ہیں، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دونوں باتوں کی نفی کی کہ آپؐ نہ طبعاً فحش گو تھے، نہ بہ تکلف فحش باتیں کرتے تھے۔

۲- اور مختلف مصلحتوں سے آپ بازار جاتے تھے، اور اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں، لیکن بازار میں شور و شغب کرنا وقار کے منافی ہے، آدمی کو چاہئے کہ سکون کے ساتھ اپنی ضرورت پوری کر کے بازار سے لوٹ آئے، اور بازار میں عموماً شور وغل ہوتا ہے پس جو شخص وہاں بھی سکون و وقار سے رہتا ہے وہ ہر جگہ پر سکون رہتا ہے۔

۳- آپؐ برائی کا بدلہ برائی سے کبھی نہیں دیتے تھے، کفار نے آپؐ کو کتنی اذیتیں پہنچائیں تھیں مگر فتح مکہ کے دن آپؐ نے سب کو معاف کر دیا تھا۔ اور الفاظ عفو و صَفح مترادف نہیں ہیں، بلکہ عفو کا تعلق ظاہر سے ہے، معاف کرنے کا مطلب ہے: غلط کام کرنے والے کو سزا دینا نہ ڈانٹ ڈپٹ کرنا، برا بھلا کہنا نہ شکوہ شکایت کرنا، اور صَفح (درگذر کرنا) کا تعلق باطن سے ہے، یعنی دل سے غلطی کرنے والے کو معاف کر دینا، جو کچھ اس نے کیا ہے اس کو بھول جانا، دل کو اس کی طرف سے صاف کر لینا۔

ملحوظہ: باب کی دونوں حدیثیں شمائل ترمذی (ص:۲۵) میں بھی ہیں۔

[٦٨-] باب ماجاء فی خُلُقِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم

[٢٠١٣-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا جَعْفَرُ بنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: خَدَمْتُ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم عَشْرَ سِنِيْنَ، فَمَا قَالَ لِيْ: أُفٍّ قَطُّ، وَمَا قَالَ لِشَيْئٍ صَنَعْتُهُ: لِمَ صَنَعْتَهُ؟ وَلَا لِشَيْئٍ تَرَكْتُهُ: لِمَ تَرَكْتَهُ؟ وَكَانَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا، وَمَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ، وَلَا حَرِيْرًا، وَلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رسولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم، وَلَا شَمِمْتُ مِسْكًا قَطُّ، وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رسولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم.

وفی الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَالْبَرَاءِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٢٠١٤-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا أَبُوْ دَاوُدَ، أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِيَّ يَقُوْلُ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ خُلُقِ رسولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم؟ فَقَالَتْ: لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا، وَلَا مُتَفَحِّشًا، وَلَا صَخَّابًا فِي الْأَسْوَاقِ، وَلَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ.

هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِيُّ: اسْمُهُ عَبْدُ بنُ عَبْدٍ، وَيُقَالُ: عَبْدُ الرحمنِ بنُ عَبْدٍ.

وضاحت: خزّ اور حریر ایک چیز ہیں، ریشم کا کپڑا خزّ، اور خود ریشم حریر کہلاتا ہے اور بعض کہتے ہیں: خزّ: نرم بال ہیں۔

بابُ ماجاء فی حُسْنِ الْعَهْدِ

حسنِ وفا کا بیان

العہد کے چند معانی ہیں: یہاں وفا کے معنی ہیں، کہا جاتا ہے: هو ثابتُ العَهْدِ: وہ باوفا ہے یعنی پابندِ وعدہ ہے، اور وفا کی عمدگی تعلقات کی پاسداری سے ہوتی ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ما غِرْتُ على أَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِ النبيِّ صلی اللہ علیه وسلم مَا غِرْتُ على خديجةَ: نبی ﷺ کی ازواج میں سے کسی پر مجھے اتنی غیرت نہیں آتی جتنی حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا پر آتی ہے (غَارَ يَغَارُ غَيْرَةً کے معنی ہیں: رشک کرنا، اور پہلا ما نافیہ ہے اور دوسرا ما موصولہ یا مصدریہ ہے اور اس سے پہلے مثل محذوف ہے اور جملہ کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ رشک حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا پر آتا ہے۔ ومابی أَنْ أَكُوْنَ أَدْرَكْتُهَا: حالانکہ نہیں تھا (رشک) میرے ساتھ

یعنی میرے اندر بایں وجہ کہ میں نے ان کو پایا تھا (جملہ حالیہ ہے اور أن سے پہلے باء محذوف ہے، اور بخاری ومسلم میں ہے: وما رَأَيْتُها: اور میں نے ان کو دیکھا نہیں تھا، اس لئے ان پر غیرت کی کوئی وجہ نہیں تھی، غیرت سوکنوں میں ہوتی ہے، اور سوکنیں وہ بیویاں ہیں جو ایک ساتھ کسی کے نکاح میں جمع ہوتی ہیں، اور حضرت خدیجہ کا زمانہ مقدم ہے اس لئے ان پر غیرت کھانے کی کوئی وجہ نہیں تھی، اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان پر بہت زیادہ غیرت آتی تھی، کیوں؟ وما ذاك إلا لِكَثْرَةِ ذِكْرِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم لها: اور نہیں تھی وہ غیرت مگر بکثرت نبی ﷺ کے ان کا تذکرہ کرنے کی وجہ سے، یعنی آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اتنا زیادہ تذکرہ فرماتے تھے اور اتنی زیادہ تعریف کرتے تھے کہ دل سن کر کباب ہوجاتا تھا، بلکہ ایک مرتبہ تو حضرت عائشہؓ نے جھلا کر کہہ دیا تھا کہ آپؐ قریش کی ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان سے بہتر بیوی دی ہے، اس پر آپؐ نے فرمایا: نہیں، ان سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی، اللہ نے مجھے ساری اولاد ان سے دی ہے۔ وإن كان لَيَذْبَحُ الشاةَ فَيَتَتَبَّعُ بها صَدائِقَ خديجةَ، فَيُهْدِيْها لَهُنَّ: اور بیشک شان یہ ہے کہ نبی ﷺ بکری ذبح کیا کرتے تھے، پس آپؐ ٹوہ لگاتے بکری کے گوشت کے بارے میں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کی، پس آپؐ ہدیہ بھیجتے بکری کے گوشت کا ان سہیلیوں کے پاس، اسی کا نام تعلقات کی پاسداری ہے، اور یہی حسن وفا ہے، کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو اس کے متعلقین کے ساتھ بھی محبت ہوجاتی ہے۔ حاکم اور بیہقی نے حضرت عائشہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بڑھیا نبی ﷺ کے پاس آئی، آپؐ نے پوچھا: تم کیسی ہو؟ تمہارا کیا حال ہے؟ ہمارے بعد تمہارے احوال کیا رہے؟ بڑھیا نے کہا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! ہمارے احوال اچھے ہیں، پھر جب وہ بڑھیا چلی گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپؐ نے اس بڑھیا کی طرف اتنا التفات کیوں کیا؟ آپؐ نے فرمایا: یاعائشة! إِنَّهَا كَانَتْ تَأْتِيْنَا زَمَانَ خديجةَ، وإِنَّ حُسْنَ العَهْدِ مِن الإِيْمَان: اے عائشہ! یہ بڑھیا ہمارے پاس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں آیا کرتی تھی، اور تعلقات کی پاسداری ایمان کا تقاضہ ہے، اس لئے میں نے اس کی طرف اتنا التفات کیا۔

[۶۹-] باب ماجاء في حُسْنِ الْعَهْدِ

[۲۰۱۵-] حدثنا أَبُوْ هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ، نا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عائشةَ، قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيْجَةَ، وَمَا بِيْ أَنْ أَكُوْنَ أَدْرَكْتُهَا، وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِكَثْرَةِ ذِكْرِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَهَا، وَإِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّاةَ فَيَتَتَبَّعُ بِهَا صَدَايِقَ خَدِيْجَةَ، فَيُهْدِيْهَا لَهُنَّ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء في مَعَالِي الأَخْلاَقِ

بلنداخلاقی کا بیان

مَعَالي: مَعْلاَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: شرف وبلندی، اورصفت کی موصوف کی طرف اضافت ہےاوراس باب میں یہ بیان ہے کہ جن لوگوں میں اعلی درجہ کے اخلاق ہوتے ہیں ان کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:إنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ، وأَقْرَبِكم مِنِّى مجلسًا يَوْمَ القيامةِ: أَحَاسِنَكُمْ أَخْلاَقًا: میرے نزدیک (دنیا میں) محبوب تر اور قیامت کے دن مجھ سے قریب تر: وہ لوگ ہونگے جوتم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں (أحاسِنَكم: إنَّ کا اسم مؤخر ہے) اورجس طرح اللہ تعالیٰ کی نزدیکی بڑی خوبی کی بات ہے اسی طرح نبی ﷺ کی نزدیکی بھی بڑی خوبی کی بات ہے جو قیامت کے دن بلند اخلاق لوگوں کو حاصل ہوگی، وإنَّ مِنْ أَبْغَضِكُمْ إِلَيَّ، وَأَبْعَدِكُمْ مِنِّى يَوْمَ القيامة: الثَّرْثَارون، والمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ: اورتم میں سے میرے نزدیک (دنیا میں) مبغوض تر اور قیامت کے دن مجھ سے بعید تر: وہ لوگ ہونگے جو بہت زیادہ بک بک کرنے والے ہیں، اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے والے ہیں (یا باتوں میں غیر محتاط ہیں) اور تکبر سے بغبغانے والے ہیں، صحابہ نے عرض کیا: ثرثارون اور مُتَشَدِّقُوْن کو تو ہم جانتے ہیں، مُتَفَيْهِقون سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: گھمنڈی لوگ (یہ بلند اخلاق والوں کا مقام ومرتبہ بیان کرنے کے بعد پست اخلاق والوں کا تذکرہ ہے، تاکہ تقابل سے اچھے اخلاق والوں کا مقام ومرتبہ اور بھی واضح ہوجائے)

[۷۰-] باب ماجاء في مَعَالِي الأَخْلاَقِ

[۲۰۱۶-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ الحَسَنِ بنِ خِرَاشٍ البَغْدَادِيُّ، نَا حَبَّانُ بنُ هِلاَلٍ، نَا مُبَارَكُ بنُ فَضَالَةَ، ثَنِيْ عَبْدُ رَبِّهِ بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ المُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ، وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّىْ مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: أَحَاسِنَكُمْ أَخْلاَقًا، وَإِنَّ مِنْ أَبْغَضِكُمْ إِلَيَّ، وَأَبْعَدِكُمْ مِنِّى يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الثَّرْثَارُوْنَ، وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ، وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ" قَالُوْا: يَارسولَ اللهِ! قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارِيْنَ، وَالْمُتَشَدِّقِيْنَ، فَمَا الْمُتَفَيْهِقُوْنَ؟ قَالَ:" الْمُتَكَبِّرُوْنَ"

وفي الباب: عَنْ أَبِى هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

الثَّرْثَارُ: هُوَ كَثِيْرُ الْكَلاَمِ، وَالْمُتَشَدِّقُ: هُوَ الَّذِى يَتَطَاوَلُ عَلَى النَّاسِ فِى الْكَلاَمِ، وَيَبْذُوْ عَلَيْهِمْ.

وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الحديثَ عَنِ الْمُبَارَكِ بنِ فَضَالَةَ، عَنْ مُحمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيْدٍ، وَهٰذَا أَصَحُّ.

لغات: ثَرْثَرَ في الكلام: فضول بولنا، بکواس کرنا، ثرثار: کثیر الکلام، بہت بولنے والا......تَشَدَّقَ: عمدہ گفتگو کرنے کے لئے باچھوں (گوش ہائے لب) کو موڑنا، المُتَشَدِّق: وہ شخص جو لوگوں کے سامنے ڈینگنے مارے اور بدزبانی کرے، تَطَاوَلَ: غرور وتکبر کرنا۔ بَذَی (ن) بَذْوًا وَبَذَاءً بدکلامی اور بدزبانی کرنا......تَفَهَّقَ بالکلام: مزین اور پرتکلف کلام کرنا، اور مراد متکبر لوگ ہیں، جیسا کہ خود نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے......بغبغانا: کبوتر یا اونٹ کا مستی میں بولنا، متکبرانہ کلام کرنا۔

وضاحت: حدیث کی پہلی سند حبان بن ہلال کی ہے وہ مبارک اور محمد بن المنکدر کے درمیان عبدربہ کا واسطہ بڑھاتے ہیں، اور مبارک کے دوسرے تلامذہ یہ واسطہ نہیں بڑھاتے۔ امام ترمذیؒ نے اس بغیر واسطہ والی سند کو اصح کہا ہے، کیونکہ مبارک کا محمد بن المنکدر سے لقاء وسماع ہے، پس عبدربہ کے واسطہ والی سند مزید فی متصل الاسناد ہوگی۔

بابُ ماجاء في اللَّعْنِ وَالطَّعْنِ

لعن طعن کا بیان

اللَّعْن: باب فتح کا مصدر ہے: لعنت کرنا، اللہ کا کسی کو خیر سے محروم کرنا، اور الطَّعْن بھی باب فتح کا مصدر ہے: کسی کو طعنہ دینا، کسی کی برائی بیان کرنا، عیب نکالنا، تنقید کرنا، چھینٹے ڈالنا، کسی کے نسب میں کیڑے نکالنا۔ یہ دونوں باتیں بھی لوگوں کے دلوں میں کینہ پیدا کرتی ہیں اور جھگڑے ٹنٹے کھڑے کرتی ہیں، اس لئے لوگوں کو ان سے بچنا چاہئے، نہ کسی پر لعنت ملامت کرنی چاہئے، نہ کسی کی خردہ گیری کرنی چاہئے، اور نہ کسی کے نسب میں کیڑے نکالنے چاہئیں، نبی ﷺ نے فرمایا: لَايَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا: مؤمن بکثرت لعنت کرنے والا نہیں ہوتا، اور دوسری سند سے اس حدیث کے الفاظ ہیں: لَايَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يكون لَعَّانًا: یہ بات مؤمن کی شان کے خلاف ہے کہ وہ بہت زیادہ لعن طعن کرنے والا ہو، ان لفظوں نے پہلے لفظوں کی مراد واضح کی کہ بکثرت لعنت کرنا مؤمن کی شان کے خلاف ہے، مگر اس حرکت سے اس کا ایمان سلب نہیں ہوجاتا، اور لَعَّان (صیغہ مبالغہ) میں اشارہ ہے کہ کبھی کبھی کسی پر لعنت کرنا ممانعت میں داخل نہیں، نہ لعنت مباحہ حدیث کا مصداق ہے، یعنی ایسے لوگوں پر لعنت کرنا جو حقیقت میں ملعون ہیں، جیسے ارشادِ پاک ہے: ﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ﴾ اور حدیث میں ہے: لَعَنَ اللّٰهُ الوَاصِلة والمُسْتَوْصِلَةَ إلى آخره۔

[۷۱-] باب ماجاء في اللَّعْنِ وَالطَّعْنِ

[۲۰۱۷-] حدثنا بُنْدَارٌ، نَا أَبُوْ عَامِرٍ، عَنْ كَثِيْرِ بنِ زَيْدٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَايَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا"

وفي الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الحديثَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَقَالَ: " لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَكُوْنَ لَعَّانًا "

بابُ ماجاء في كَثْرَةِ الغَضَبِ

بہت زیادہ غصہ کرنے کا بیان

غصہ شیطان کے اکسانے سے آتا ہے، اور اس کی وجہ سے انسان حدِ اعتدال سے نکل جاتا ہے۔ غلط باتیں بکتا ہے اور مذموم حرکتیں کرتا ہے، اور بغض وکینہ اور دیگر برائیاں غصہ پر مرتب ہوتی ہیں، اس لئے اگرچہ غصہ اپنے محل میں صفتِ محمودہ ہے کیونکہ یہ اللہ کی صفت ہے اور اللہ کے حبیب ﷺ کو بھی موقع محل میں غصہ آتا تھا مگر ہر وقت غصہ کرنا، یا غیر محل میں غصہ کرنا یا حد سے تجاوز کرنا معاشرہ کی خرابی کا باعث ہے، اور غصہ سے آدمی کی شخصیت بھی مجروح ہوتی ہے۔ حضرت علامہ بلیاوی قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ غصہ کی کثرت قوت عاقلہ کی کمزوری کی دلیل ہے، یعنی حد سے زیادہ غصہ اس شخص کو آتا ہے جس کی قوتِ عاقلہ کمزور ہوتی ہے اور اگر پہلے سے کمزور نہیں ہوتی تو غصہ کرنے سے کمزور ہو جاتی ہے، ایک شاعر کہتا ہے:

رفتہ رفتہ آدمی را کمتر سازد غضب ❁ آب را چنداں کہ جوشانند کمتر شود

(آہستہ آہستہ آدمی کو غصہ اوچھا بنا دیتا ہے ÷ پانی کو جتنا جوش دو گے گھٹتا چلا جائے گا)

حدیث: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا، اور کہا: مجھے کچھ سکھلایئے، اور بہت زیادہ باتیں نہ بتایئے، شاید میں اس کو محفوظ کر سکوں یعنی اگر لمبی بات ہوگی تو میں یاد نہیں رکھ سکوں گا، اس لئے کوئی مختصر بات بتلائیں، نبی ﷺ نے فرمایا: لَاتَغْضَبْ: غصہ مت کر، اس نے اپنی بات بار بار دوہرائی، آپؐ ہر بار یہی فرماتے رہے لاتغضب، غصہ مت کر۔

تشریح: ان صحابی نے اس چھوٹی سی بات کو یا تو بات ہی نہیں سمجھا یا تھوڑی بات سمجھا، اس لئے انھوں نے بار بار سوال کیا کہ مجھے کچھ اور سکھلایئے، مگر آپؐ ہر بار یہی جواب دیتے رہے کہ اپنے غصہ پر کنٹرول کرو، اور آپؐ نے یہی بات بار بار اس وجہ سے فرمائی ہوگی کہ مخاطب کی سب سے بڑی بیماری یہی ہوگی، اس کے علاج سے دوسرے تمام امراض کا علاج ہو جائے گا، پس آپؐ کی یہ نصیحت معمولی نہیں تھی بلکہ کانٹے کی بات تھی، جیسے ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: میں بہت سے گناہوں میں مبتلا ہوں، شراب پیتا ہوں، چوری کرتا ہوں، جھوٹ بولتا ہوں وغیرہ وغیرہ، اور یہ سب گناہ ایک ساتھ نہیں چھوڑ سکتا، ہاں ان میں سے ایک گناہ چھوڑ سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: جھوٹ بولنا چھوڑ دو، انھوں نے ہامی بھر لی، پھر جب شراب پینے کا وقت آیا تو سوچا کہ اگر نبی ﷺ نے پوچھا تو مجھے سچ بولنا پڑے گا، اور اپنے ہی اقرار سے کوڑے کھانے پڑیں گے۔ اسی طرح جب زنا کا ارادہ کیا تو بھی یہی

سوچا، اس طرح سارے گناہوں سے بچ گیا۔ اسی طرح نبی ﷺ نے ان صحابی کو بھی کانٹے کی نصیحت فرمائی جوان کی پوری زندگی کے اعمال وافعال پر اثر انداز ہوگی۔

[۷۲-] باب ماجاء في كَثْرَةِ الغَضَبِ

[۲۰۱۸-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نا أَبُوْ بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِيْ حَصِيْنٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: عَلِّمْنِيْ شَيْئًا، وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ، لَعَلِّي أَعِيْهِ، قَالَ: "لَا تَغْضَبْ" فَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا، كُلَّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ: "لَا تَغْضَبْ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، وَسُلَيْمَانَ بنِ صُرَدَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وأَبُوْ حَصِيْنٍ: اسْمُهُ عُثْمَانُ بنُ عَاصِمٍ الأَسَدِيُّ.

لغت: أَعِيْ (مضارع واحد متکلم) وَعَى يَعِيْ وَعْيًا الحديثَ: بات کو اچھی طرح سمجھ کر ذہن میں محفوظ کر لینا۔

بابُ ماجاء في كَظْمِ الغَيْظِ

غصہ پینے کا بیان

ہمارے نسخوں میں باب نہیں ہے، مصری نسخہ میں ہے۔ كَظَمَ الباب کے معنی ہیں: دروازہ بند کرنا، اور كَظَمَ الغَيْظَ کے معنی ہیں: غصہ نگل جانا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ كَظَمَ غَيْظًا، وهو يَسْتَطِيْعُ أَنْ يُنَفِّذَه: دعاه اللّٰهُ يوم القيامة على رُؤُسِ الخَلَائِقِ، حتى يُخَيِّرَه في أَيِّ الحورِ شَاءَ: جو شخص غصہ نگل گیا درانحالیکہ وہ طاقت رکھتا تھا کہ غصہ اتارے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن تمام مخلوقات کے سامنے بلائیں گے، پھر اس کو اختیار دیں گے کہ وہ جونسی حور چاہے لیلے۔

تشریح: نَفَّذَ الحكمَ کے معنی ہیں: حکم پر عمل کرانا، نَفَّذَ القولَ: بات کو عملی جامہ پہنانا، نَفَّذَ الغضبَ: کسی پر غصہ اتارنا، کبھی غصہ بہت آتا ہے مگر کر کچھ نہیں سکتا، کیونکہ جس پر غصہ آرہا ہے وہ بڑا ہے یا با اقتدار ہے یا با اختیار ہے یا زور آور ہے، اس صورت میں غصہ نگل جانے کا کوئی ثواب نہیں، ثواب اس صورت میں ہے جب آدمی غصہ اتارنے پر قادر ہو اور في أيِّ الحور شاءَ میں أَخْذ محذوف ہے: أي في أَخْذِ أيتهن شاءَ۔

اور قرآنِ کریم میں بھی غصہ نگل جانے کو پرہیزگاروں کی صفات میں شمار کیا گیا ہے۔ سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴ میں ہے: ﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی اللہ سے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں، اور غصہ کو نگل جاتے

ہیں، اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ جب ان کا بس چل سکتا ہو غصہ پی جائیں، اور کوتاہی کرنے والے سے درگذر کریں، ہاں اگر ناراضگی میں اس کی کوئی دینی یا دنیوی مصلحت ہو تو دوسری بات ہے۔

[٧٣-] بابٌ في كَظْمِ الغَيْظِ

[٢٠١٩-] حدثنا العَبَّاسُ بنُ مُحمدٍ الدُّوْرِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: نَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ يَزِيْدَ المُقْرِئُ، نَا سَعِيْدُ بنُ أَبِيْ أَيُّوْبَ، ثَنِيْ أَبُوْ مَرْحُوْمٍ عَبْدُ الرَّحِيْمِ بنُ مَيْمُوْنٍ، عَنْ سَهْلِ بنِ مُعَاذِ بنِ أَنَسٍ الجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَنْ كَظَمَ غَيْظًا، وَهُوَ يَسْتَطِيْعُ أَنْ يُنَفِّذَهُ: دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُءُوْسِ الخَلَائِقِ، حَتّٰى يُخَيِّرَهُ فِيْ أَيِّ الحُوْرِ شَاءَ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء في إِجْلَالِ الكَبِيْرِ

بڑے کی تعظیم کرنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ما أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهِ إلا قَيَّضَ اللّٰهُ له مَنْ يُكْرِمُه عند سِنِّهِ: نہیں اکرام کرتا کوئی جوان کسی بوڑھے کا اس کی عمر کی وجہ سے مگر مقدر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسے شخص کو جو اس کا اکرام کرے اس کی عمر زیادہ ہونے کے وقت۔

تشریح: پہلے (باب ۱۵) میں یہ حدیث آئی ہے کہ جو چھوٹے پر رحم نہیں کرتا، اور بڑے کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں، یعنی ایسا شخص خاک مسلمان ہے! اور اس حدیث میں بڑے کی عزت کرنے کا دنیوی فائدہ بیان کیا ہے کہ آج جس جوان نے کسی بوڑھے کی عزت کی محض اس کے بڑے ہونے کی وجہ سے تو کل جب یہ جوان بوڑھا ہوگا تو دوسرے جوان اس کی عزت کریں گے۔

[٧٤-] باب ماجاء في إِجْلَالِ الكَبِيْرِ

[٢٠٢٠-] حدثنا مُحمدُ بنُ المُثَنّٰى، نَا يَزِيْدُ بنُ بَيَانٍ العُقَيْلِيُّ، ثَنِيْ أَبُوْ الرَّحَّالِ الأَنْصَارِيُّ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ هٰذَا الشَّيْخِ: يَزِيْدَ بنِ بَيَانٍ، وَأَبُوْ الرِّجَالِ الأَنْصَارِيُّ آخَرُ.

وضاحت: سند میں أبو الرَّحَّال انصاری ہیں: ان کا نام محمد بن خالد ہے اور یہ ضعیف راوی ہے، اور ایک دوسرے ابوالرجال (رجل کی جمع) ہیں، ان کا نام محمد بن عبدالرحمٰن انصاری ہے، یہ ثقہ راوی ہیں۔ یہ اس سند میں نہیں ہیں۔

بابُ ماجاء فی المُتَهَاجِرَیْنَ

دو قطع تعلق کرنے والوں کا حکم

پہلے (باب ۲۱) میں یہ حدیث آئی ہے کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے، کیونکہ جب باہمی تعلقات بگڑ جاتے ہیں اور لوگ ایک دوسرے سے کشیدہ ہو جاتے ہیں تو پھر فساد کی کوئی انتہا نہیں رہتی، اور معاشرہ بگاڑنے والے اللہ کے نزدیک نہایت مبغوض ہیں، فرشتے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں، پس ان دنوں میں ہر اس شخص کی مغفرت کردی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، مگر آپس میں قطع تعلق کرنے والے دو شخص مستثنیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ان دونوں کو پیچھے کرو، یہاں تک کہ دونوں مصالحت کریں'' یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور اس میں ترک تعلقات کرنے والے دونوں شخصوں کے لئے سخت وعید ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم رہتے ہیں، اس لئے انہیں پہلی فرصت میں تعلقات ہموار کر لینے چاہئیں۔

[۷۵-] باب ماجاء فی المُتَهَاجِرَیْنِ

[۲۰۲۱-] حدثنا قُتَیْبَةُ، نَا عَبْدُ العَزِیْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ سُهَیْلِ بنِ أَبِی صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ أَبِی هریرةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ: " تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ یَوْمَ الِاثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ، فَیُغْفَرُ فِیْهِمَا لِمَنْ لَا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ، إِلَّا الْمُتَهَاجِرَیْنِ، یَقُوْلُ: رُدُّوْا هٰذَیْنِ حَتّٰی یَصْطَلِحَا"

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَیُرْوَی فِیْ بَعْضِ الحدیثِ:" ذَرُوْا هٰذَیْنِ حَتّٰی یَصْطَلِحَا" وَمَعْنَی قَوْلِهِ: " الْمُتَهَاجِرَیْنِ": یَعْنِی الْمُتَصَارِمَیْنِ، وَهٰذَا مِثْلُ مَا رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم قَالَ: "لَایَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَیَّامٍ"

وضاحت: رُدُّوْا اور ذَرُوْا ہم معنی ہیں...... متهاجرَیْن: تثنیہ ہے، یعنی دو تعلق توڑنے والے، تَهَاجَرَ القومُ: باہم قطع تعلق کرنا، یہی معنی تَصَارَمَا کے ہیں، یعنی باہم قطع تعلق کرنا، صَرَمَ الحَبْلَ: کاٹنا۔

بابُ ماجاء في الصَّبْرِ

صبر کا بیان

صبر کے اصل معنی ہیں: روکنا، سورۃ الکہف آیت ۲۸ میں ہے: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ اور آپ خود کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں، پھر متعلقات کے اعتبار سے صبر کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں:

ایک: صَبْرُ النَّفْسِ علی مَایَکْرَہُ یعنی ناگوار چیز کے پائے جانے کے وقت نفس کو قابو میں رکھنا۔ دوم: صَبْرُ النَّفْسِ علی الطاعة یعنی نفس کو عبادات اور طاعات پر مجبور کرنا۔ سوم: صَبْرُ النفس علی المَعْصِيَةِ یعنی نفس کو حرام اور ناجائز چیزوں سے روکنا۔ چہارم: صبرُ النفس علی البلایٰ والمصائب یعنی مصیبتوں پر نہ گھبرا، حالات کو انگیز کرنا...... مگر لوگوں نے صبر کو اس آخری معنی کے ساتھ خاص کر دیا ہے، وہ صبر کے یہی معنی سمجھتے ہیں کہ کسی کے مرنے پر نہ رونا، یہ صحیح نہیں، لفظ عام ہے، اور اس باب میں عام معنی ہی مراد ہیں۔

صبر وہمت سے کام لینا ایک اچھا وصف ہے، اس سے بڑی سے بڑی مشکلات حل ہو جاتی ہیں، اور جو شخص بے صبرا اور بے ہمت ہوتا ہے اس کی مراد کبھی پوری نہیں ہوتی، اور جب کوئی شخص کسی مقصد کے پیچھے لگ جاتا ہے اور صبر وہمت سے کام لیتا ہے تو وہ ایک نہ ایک دن منزل تک پہنچ جاتا ہے اور اس کا مقصد برآتا ہے۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کچھ انصار نے نبی ﷺ سے مالی تعاون مانگا، آپؐ نے ان کو عنایت فرمایا، پھر دوسرے وقت میں دوسری مرتبہ مانگا تو بھی آپؐ نے عنایت فرمایا اور اس موقع پر آپؐ نے پانچ باتیں ارشاد فرمائیں:

۱- مایکونُ عندی مِنْ خیرٍ، فلن أَدَّخِرَہ عنکم: میرے پاس جو بھی خیر ہوتی ہے، پس میں اس کو ہرگز تم سے ذخیرہ کر کے نہیں رکھتا۔ اس میں ما موصولہ متضمن معنی شرط ہے، اس لئے جزاء میں ف آئی ہے، اور خیر سے مراد صرف مال نہیں بلکہ دنیا وآخرت کی ہر بھلائی مراد ہے یعنی خواہ وہ علم دین ہو یا دنیوی ساز وسامان، سب خیر کا مصداق ہے اور من خیرٍ: ما کا بیان ہے اور یہ روایت امام مالک رحمہ اللہ کی ہے، ان کے بعض تلامذہ حدیث میں لن کہتے ہیں، اور بعض لم: لن سے مستقبل میں تاکید کے ساتھ نفی ہوتی ہے اور لم سے زمانہ ماضی میں نفی ہوتی ہے۔ مگر مراد دونوں صورتوں میں ایک ہے، ماضی میں بھی ادخار کی نفی کرنی مقصود ہے اور مستقبل میں بھی، کیونکہ جس نے ماضی میں ذخیرہ نہ کیا ہو، جو کچھ آیا وہ لوگوں کو دیدیا ہو، وہ مستقبل میں کیا ذخیرہ کرے گا!

۲- وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ: اور جو شخص مالداری ظاہر کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ مالدار بنا دیتے ہیں، یعنی جو قناعت

کرتا ہے اوراپنے پاس جوکچھ ہے اس پر راضی رہتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کی ہر ضرورت پوری کردیتے ہیں، اس کومخلوق سے بے نیاز کردیتے ہیں، اوراس کودل کا بادشاہ بنادیتے ہیں، اور مالداری کی حقیقت دل کی بے نیازی ہے، سامان کی زیادتی کا نام مالداری نہیں۔

۳-وَمَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللّٰهُ: اور جو پاک دامن بننے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پاک دامن بنادیتے ہیں استعفاف میں سوال سے بچنا بھی مراد ہے، یعنی جولوگوں سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کوسوال کرنے سے بچالیتے ہیں۔

۴-وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ: اور جو برداشت سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو برداشت کی قوت دیدیتے ہیں، یعنی جوصبر کی عادت ڈالتا ہے اس کوصبر کی توفیق مل جاتی ہے، باب سے اسی ٹکڑے کاتعلق ہے۔

۵-وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ شَيْئًا هو خيرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ: اورکوئی شخص کوئی چیز نہیں دیا گیا جوصبر سے بہتر اور کشادہ ہو، یعنی سب سے اہم وصف صبر وہمت ہے، اوراس کا فائدہ بھی بے حدوحساب ہے، اس ٹکڑے کا بھی باب سے تعلق ہے کیونکہ اس سے صفت صبر کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

[٧٦-] باب ماجاء في الصَّبْرِ

[٢٠٢٢-] حدثنا الأَنْصَارِيُّ، نَا مَعْنٌ، نَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بنِ يَزِيْدَ، عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ: أَنَّ نَاسًا مِنَ الأَنْصَارِ سَأَلُوْا النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فَأَعْطَاهُمْ، ثُمَّ سَأَلُوْا فَأَعْطَاهُمْ، ثُمَّ قَالَ: " مَايَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ، وَمَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ شَيْئًا هُوَ خَيْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ "

وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَيُرْوَى هٰذَا الحديثُ عَنْ مَالِكٍ: " فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ " وَيُرْوَى عَنْهُ: " فَلَمْ أَدَّخِرْهُ عَنْكُمْ " وَالْمَعْنَى فِيْهِ وَاحِدٌ، يَقُوْلُ: " لَنْ أَحْبِسَهُ عَنْكُمْ "

لغات: اِدَّخَرَ کی اصل اِذَّخَرَ (ذال کے ساتھ) ہے اس کے معنی ہیں: جمع کرنا، ذخیرہ کرنا اور اِذَّخَرَ اصل میں اِذْتَخَرَ: باب افتعال سے تھا، مجرد: ذَخَرَ الشيئَ (ف) ذَخْرًا وَذُخْرًا کے معنی ہیں: وقت ضرورت کے لئے محفوظ کرنا، ذخیرہ کرنا، اسٹاک کرنا...... يَسْتَغْنِ از اسْتَغْنَى اسْتِغْنَاءً: مالدار ہونا، استغْنَى عنه: بے نیاز ہونا، استغنى به: کسی چیز پر اکتفا کرنا، کافی سمجھنا...... يُغْنِ از أَغْنَى اللّٰهُ فلاناً: مالدار کرنا...... يَسْتَعِفُّ از اسْتَعَفَّ اسْتِعْفَافًا: پاک دامن ہونے کی خواہش رکھنا، برائی سے بچنا، مجرد عَفَّ يَعِفُّ عِفَّةً: پاک دامن ہونا...... يُعِفُّ از أَعَفَّهُ اللّٰهُ: پاک دامن بنانا، بری اور ناجائز باتوں سے محفوظ رکھنا...... يَتَصَبَّرْ از تَصَبَّرَ: صبر سے کام لینا، برداشت کرنا، صبر کا اظہار کرنا......

يُصَبِّرُ ازصَبَّرَہ:صبرکرانا،برداشت کرانا۔

بابُ ماجاء في ذِيْ الْوَجْهَيْنِ

دورخے آدمی کا حال

دورخا: وہ شخص ہے جوایک کے پاس ایک چہرے سے آئے اور دوسرے کے پاس دوسرے چہرے سے یعنی اس سے بھی دوستی ظاہر کرتا ہے اوراس کے مخالف سے بھی، یہ براوصف ہے، اور ایسے شخص سے دونوں فریقوں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے،مگراس برے وصف کواب سیاسی لوگ خوبی سمجھتے ہیں۔سیاسی لوگوں کے ستّر منہ ہوتے ہیں، اس لئے سیاسی لوگوں کی باتوں پرلوگ اعتمادنہیں کرتے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:إنَّ مِنْ شرِّ الناسِ عند الله يوم القيامة ذَا الوَجْهَيْنِ: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک دورخا شخص بدترین لوگوں میں سے ہوگا،اس حدیث میں إنَّ کی خبرمقدم ہےاورحدیث کا مطلب یہ ہے کہ دورخا آدمی خواہ دنیامیں دونوں فریقوں کامنظورنظربن جائےمگرقیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ذلیل وخوارہوگا۔

[۷۷-] باب ماجاء في ذِي الوَجْهَيْنِ

[۲۰۲۳-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الوَجْهَيْنِ"

وفي الباب: عَنْ عَمَّارٍ، وأَنَسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في النَّمَّامِ

چغلخورکابیان

چغلخوری ایک براوصف ہے، اصلاح ذات البین کی جس قدراہمیت ہے، اسی قدرفسادات ذات البین کی قباحت ہے، لترا(اِدھرکی اُدھرکہنے والا آدمی) لچاسمجھا جاتا ہے، جب اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے کھلتی ہے تو اس کا اعتبارختم ہوجاتا ہےاورلوگ اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، چغلخورکولگائی بجھائی میں بڑامزہ آتا ہے، مگر اس کوسمجھنا چاہئے کہ اس سے اس کی شخصیت مجروح ہوتی ہے، اس کا اعتبارختم ہوجاتا ہےاوراس کی حیثیت چارپیسے کی باقی نہیں رہتی، اس لئے اس کواس حرکت سے بازآجانا چاہئے۔

حدیث: ہمّام بن الحارثؒ کہتے ہیں: ایک شخص حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرا، لوگوں نے آپؓ

کو بتلایا کہ یہ شخص حاکموں تک لوگوں کی باتیں پہنچاتا ہے، پس حضرت حذیفہؓ نے یہ حدیث سنائی: لایَدْخُلُ الجنةَ قَتَّاتٌ: سخن چیں (باتیں چننے والا) جنت میں نہیں جائے گا، یعنی وہ اپنے گناہ کی سزا ضرور پائے گا، اللہ کی معافی اس کے حصہ میں نہیں آئے گی۔

[٧٨-] باب ماجاء فی النَّمَّامِ

[٢٠٢٤-] حدثنا ابنُ أَبِی عُمَرَ، نا سُفْیَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِیْمَ، عَنْ هَمَّامِ بنِ الحَارِثِ، قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ عَلَی حُذَیْفَةَ بنِ الیَمَانِ، فَقِیْلَ لَهُ: إِنَّ هٰذَا یُبَلِّغُ الْأُمَرَاءَ الحدیثَ عَنِ النَّاسِ، فَقَالَ حُذَیْفَةُ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم یَقُوْلُ: "لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ"

قَالَ سُفْیَانُ: وَالْقَتَّاتُ: النَّمَّامُ، هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

لغات: نَمَّ بین القوم: چغلخوری کرنا، لگائی بجھائی کرنا۔ نَمَّ الحدیثَ: بطور چغلی بات نقل کرنا اور فساد پھیلانا، النَّمَّام: بڑا چغلخور، یہی معنی القتَّات کے ہیں، قَتَّ الحدیثَ: فساد پھیلانے کی غرض سے باتیں لوگوں تک پہنچانا، چُغَلْ کے اصل معنی ہیں: وہ کنکر جسے چلم میں تمباکو کے نیچے رکھتے ہیں، اور چغلخور کے معنی ہیں لُترا، اِدھر کی اُدھر کہنے والا، بات ادھر سے اُدھر جا لگانا، فساد پھیلانا۔

بابُ ماجاء فی العِیِ

قلت کلام کا بیان

العِیُّ (ع کے زیر اور زبر کے ساتھ) مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: کام کی بات نہ کہہ سکنا، افہام مقصود پر قادر نہ ہونا، مگر یہاں قلت کلام مراد ہے، کیونکہ حیاء کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے، اس لئے حیاء کی وجہ سے بات نہ کہہ سکنا مراد ہے، اور یہ وصف محمود ہے، جیسے بیہودہ گوئی اور طلاقتِ لسانی وصف مذموم ہیں، یعنی بدلحاظی اور چاپلوسی بری صفتیں ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:

١- الحیاءُ والعِیُّ شُعْبتان من الإیمان: شرم ولحاظ اور قلت کلام ایمان کی دو شاخیں ہیں، یعنی یہ دونوں باتیں ایمان کے تقاضہ سے پائی جاتی ہیں، اور قلتِ کلام خود حیاء میں داخل ہے، کیونکہ حیاء کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ حیاء جس کا اثر ظاہر نہ ہو، دوسری: وہ حیاء جس کا اثر ظاہر ہو، حیاء کی پہلی قسم لفظ حیاء سے مراد لی گئی ہے، اور دوسری قسم لفظ العِیُّ سے مراد لی گئی ہے یعنی شرم ولحاظ کی وجہ سے بات نہ کہہ سکنا خوبی کی بات ہے۔

٢- والبَذَاءُ والبیانُ شعبتان من النفاق: اور بیہودہ گوئی اور طلاقتِ لسانی نفاق کی دو شاخیں ہیں، بیہودہ گوئی

یعنی بے سمجھے اور انجام کی پرواہ کئے بغیر بولنا اور واہی تباہی باتیں کہنا، اور بیان یعنی طلاقت لسانی، جیسے اس زمانہ کے مقرروں میں ہوتی ہے وہ جب بولنے پر آتے ہیں تو لگام ہاتھ سے چھٹ جاتی ہے وہ بولتے ہی چلے جاتے ہیں، اگر کسی کی برائی شروع کرتے ہیں تو جھوٹ اور بہتان تک پہنچ جاتے ہیں، یہی بیہودہ گوئی ہے، اور کسی کی تعریف شروع کرتے ہیں تو پل باندھ دیتے ہیں، اور خوشامد اور چاپلوسی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، یہی بیان نفاق کا شعبہ ہے، ایسے لوگ گفتار کے میری اور کردار کے پھسڈی رہتے ہیں۔

[٧٩-] باب ماجاء في العِيِّ

[٢٠٢٥-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، نا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، عَنْ أَبِيْ غَسَّانَ مُحمَّدِ بنِ مُطَرِّفٍ، عَنْ حَسَّانَ بنِ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" الحَيَاءُ وَالعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الإِيْمَانِ، وَالبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ غَسَّانَ مُحمَّدِ بنِ مُطَرِّفٍ.

قَالَ: وَالعِيُّ: قِلَّةُ الْكَلَامِ، وَالْبَذَاءُ: هُوَ الْفُحْشُ فِي الْكَلَامِ، وَالْبَيَانُ: هُوَ كَثْرَةُ الْكَلَامِ، مِثْلَ هٰؤُلَاءِ الخُطَبَاءِ الَّذِينَ يَخْطُبُوْنَ، فَيَتَوَسَّعُوْنَ فِي الْكَلَامِ، وَيَتَفَصَّحُوْنَ فِيْهِ، مِنْ مَدْحِ النَّاسِ فِيْمَا لَا يُرْضِي اللّٰهَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: العِیُّ کے معنی ہیں: قلتِ کلام، یعنی مطلق حصر (کلام سے رکنا اور بات کہنے سے بے بسی) مراد نہیں بلکہ شرم ولحاظ کی وجہ سے بات نہ کہہ سکنا مراد ہے...... اور البذاء کے معنی ہیں: بیہودہ گوئی...... اور البیان کے معنی ہیں: کلام کی زیادتی، جیسے یہ مقررین جو تقریریں کرتے ہیں، پس کلام میں درازنفسی سے کام لیتے ہیں یعنی بہ تکلف فصیح بننے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کی ایسی تعریفیں کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں۔

بابُ ماجاء إنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا

بعض بیان جادو اثر ہوتے ہیں

حدیث: دور نبوی میں دو شخص مدینہ منورہ آئے، اور دونوں نے تقریریں کیں، لوگ دونوں کی باتیں سن کر حیرت میں رہ گئے، اس موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا: إنَّ مِن البیانِ سِحْرًا یا فرمایا: إنَّ بَعْضَ البیان سِحْرٌ: مطلب دونوں کا ایک ہے، پہلے ارشاد میں بھی من تبعیضیہ ہے، یعنی کچھ تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں، جادو منٹوں میں اثر کرتا ہے، اسی طرح تقریر لمحوں میں مجمع کا رخ پلٹ دیتی ہے، اچھائی کی طرف بھی اور برائی کی طرف بھی، پس اس ارشاد

میں تقریر کی مدح بھی ہے اور برائی بھی۔ اگر تقریر اچھی ہے اور لوگوں کا ذہن اچھی بات کی طرف پلٹا ہے تو مدح ہے اور بصورت دیگر مذمت ہے۔

تشریح: اس حدیث کا شان ورود یہ ہے کہ زَبرقان اور عمرو بن اہتم مدینہ منورہ آئے، پہلے زبرقان نے اپنے قومی مفاخر بیان کئے اور نہایت فصیح تقریر کی، عمرو نے اس کا جواب دیا اور اس نے بھی نہایت بلیغ تقریر کی، اور زبرقان کا کمینہ پن ثابت کیا، زبرقان نے عرض کیا: یارسول اللہ! بخدا! عمرو جانتا ہے کہ میرے اندر اس کے علاوہ صفتیں ہیں جو اس نے کہی ہیں، مگر میرے فضائل کے اظہار سے اس کو حسد نے روک دیا ہے، عمرو نے اس کا بھی جواب دیا اور پہلے سے بھی زیادہ فصیح تقریر کی۔

اور احیاء العلوم میں ہے: ایک دن عمرو نے زبرقان کی تعریف کی، پھر دوسرے دن اس کی برائی کی، تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ماھذا؟ یہ کیا بات ہوئی؟ کل تو نے اس کی تعریف کی تھی، اور آج اس کی برائی کر رہا ہے؟ عمرو نے کہا: کل میں نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا اور آج جو میں نے کہا وہ بھی جھوٹ نہیں، کل اس نے مجھے خوش کیا تھا اس لئے میں نے اس کے وہ فضائل بیان کئے جو میں جانتا تھا، اور آج اس نے مجھے ناراض کر دیا پس میں نے اس کی وہ برائیاں بیان کیں جو میں اس میں پاتا ہوں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: إنَّ من البيان سِحراً: بعض تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں، قلوب کو ادھر سے اُدھر پھیر دیتی ہیں، بہرحال اس ارشاد میں بیان کی مدح بھی ہے اور ذم بھی۔

[۸۰-] باب ماجاء إنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا

[۲۰۲۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عَنْ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ رَجُلَيْنِ قَدِمَا فِيْ زَمَنِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَخَطَبَا، فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِهِمَا، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا" أو: " إِنَّ بَعْضَ الْبَيَانِ سِحْرًا"

وفى الباب: عَنْ عَمَّارٍ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ الشِّخِّيْرِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فى التَّوَاضُع

خاکساری کا بیان

تَوَاضَعَ فلانٌ کے معنی ہیں: انکساری کرنا، اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنا، یہ بہت اچھی صفت ہے، یہ تکبر اور گھمنڈ کی ضد ہے اس لئے جس قدر گھمنڈ برا ہے اسی قدر تواضع اچھی صفت ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے تین باتیں ارشاد فرمائیں:

۱-مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مالٍ: نہیں گھٹایا کسی خیرات نے کوئی مال یعنی غریبوں پر خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کا عوض دیتے ہیں، اور جوڑ کر رکھنے والے بھوکے مرجاتے ہیں، وقت پر ان کی دولت کچھ کام نہیں آتی، ڈاکٹر ہر چیز کے کھانے سے منع کردیتا ہے اور وہ کھانے پینے کے لئے ترستے رہتے ہیں۔

۲-وَما زَادَ اللّٰهُ رجلًا بعفوٍ إلَّا عِزًّا: اور نہیں بڑھاتے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو درگذر کرنے کی وجہ مگر عزت میں، یعنی معاف کرنے سے مونچھ نیچی نہیں ہوجاتی، معاف کرنے سے ہمیشہ عزت بڑھتی ہے، تھوڑی دیر کے لئے لوگ چاہے کچھ کہیں، مگر آخر میں لوگ ایسے شخص کی تعریف کرتے ہیں۔

۳- وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إلا رَفَعَهُ اللّٰهُ: اور جو بھی شخص اللہ کے لئے خاکساری کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کو سربلندی عطا فرماتے ہیں، مگر لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ خود کو لمبا کھینچنا چاہئے ورنہ لوگ چھوٹا سمجھیں گے، حالانکہ خاکسار اور متواضع ہی کو اللہ تعالیٰ سربلند کرتے ہیں اسی کا مقام ومرتبہ بلند کرتے ہیں، جس کا جی چاہے تجربہ کرکے دیکھ لے۔

[۸۱-] باب ماجاء فی التَّوَاضُعِ

[۲۰۲۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ رَجُلًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رُفَعَهُ اللّٰهُ"

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ عَوْفٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، وأَبِيْ كَبْشَةَ الأَنْمَارِيِّ، وَاسْمُهُ: عُمَرُ بنُ سَعْدٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی الظُّلْمِ

ظلم کا بیان

عدل وانصاف بڑی خوبی کی بات ہے، اور ظلم وزیادتی بری صفت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ القيامَةِ: ظلم قیامت کے دن تاریکیاں ہوگا، یعنی ظلم کرنا تاریکیوں کا سبب بنے گا، مظالم قیامت کے دن تاریکیوں کی صورت اختیار کریں گے، اور ظالم خدا کے نور سے محروم رہ جائے گا، غرض ظلم کا انجام بہت برا ہے۔

[۸۲-] باب ماجاء فی الظُّلْمِ

[۲۰۲۸-] حدثنا عَبَّاسُ العَنْبَرِيُّ، نا أَبُوْ دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " الظُّلْمُ

ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَعَائِشَةَ، وأَبِيْ مُوْسَى، وأَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ عُمَرَ.

بابُ ماجاء في تَرْكِ العَيْبِ لِلنِّعْمَةِ

نعمت کی برائی نہیں کرنی چاہئے

یہ بھی بڑی خوبی کی بات ہے کہ انسان اللہ کی ہر نعمت کو نعمت سمجھے اور اس کی برائی نہ کرے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے کبھی کسی کھانے کی برائی نہیں کی، اگر آپؐ کو کھانا پسند ہوتا تو نوش فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے، مگر اس کی برائی نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح آپؐ کسی کھانے کی غیر معمولی تعریف بھی نہیں کرتے تھے، البتہ لوگوں کی دلداری کے لئے کبھی آپؐ نے سرکہ وغیرہ کی تعریف کی ہے، کیونکہ کھانے کی تعریف کرنا دنیا کی طرف رغبت کی علامت ہے اور برائی کرنا اللہ کی نعمتوں کی ناقدری ہے، پس دونوں باتوں سے بچنا چاہئے۔

[٨٣-] باب ماجاء في تَرْكِ العَيْبِ لِلنِّعْمَةِ

[٢٠٢٩-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مُحمدٍ، نَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: مَاعَابَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم طَعَامًا قَطُّ، كَانَ إِذَا اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ، وَإِلَّا تَرَكَهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ حَازِمٍ: هُوَ الأَشْجَعِيُّ، وَاسْمُهُ: سَلْمَانُ مَوْلَى عَزَّةَ الأَشْجَعِيَّةِ.

بابُ ماجاء في تَعْظِيْمِ الْمُؤْمِنِ

مؤمن کے احترام کا بیان

مؤمن ــ یہ ایک انسان ہے مگر اس میں ایک وصف محمود یعنی ایمان ہے۔ اس اعتبار سے وہ قابل تعظیم ہے، پس جو جتنا قوی الایمان ہوگا اتنا ہی قابل تعظیم ہوگا۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نبی ﷺ منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے فرمایا: اے وہ لوگو جو صرف زبان سے مسلمان ہوئے ہو، اور دلوں تک ایمان نہیں پہنچا! مسلمانوں کو مت ستاؤ۔ اور ان کو عار مت دلاؤ، اور ان کے عیوب مت ڈھونڈھو، کیونکہ جو شخص مسلمان بھائی کا عیب ڈھونڈھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا عیب

ڈھونڈھتے ہیں، اور جس کا اللہ تعالیٰ عیب ڈھونڈھتے ہیں اس کو رسوا کردیتے ہیں، اگرچہ وہ اپنے مکان میں ہو۔

تشریح: یہ حدیث متعدد صحابہ سے مروی ہے اور تمام روایتیں سیوطی رحمہ اللہ نے الدر المنثور (۶:۹۳) میں ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ کی تفسیر میں جمع کی ہیں، مگر کسی روایت میں اس کی وضاحت نہیں کہ نبی ﷺ نے کس بات سے ناراض ہوکر یہ بات فرمائی تھی، یقیناً کوئی ایسی بات پیش آئی ہوگی مگر وہ روایت میں مروی نہیں۔

ابن عمرؓ کا ارشاد: نافع کہتے ہیں: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دن کعبہ شریف کی طرف دیکھا اور فرمایا: ما أَعْظَمَكِ! وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ! وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عند الله مِنْكِ!: یعنی تیرا مرتبہ کس قدر بڑا ہے! اور تیرا احترام کس قدر زیادہ ہے! مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن کا احترام تجھ سے بھی بڑھا ہوا ہے!

[۸٤-] باب ماجاء فی تَعْظِيْمِ الْمُؤْمِنِ

[۲۰۳۰-] حدثنا يَحْيىَ بنُ أَكْثَمَ، وَالْجَارُوْدُ بنُ مُعَاذٍ، قَالاَ: نَا الفَضْلُ بنُ مُوْسَى، نَا الحُسَيْنُ بنُ وَاقِدٍ، عَنْ أَوْفَى بنِ دَلْهَمٍ: عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: صَعِدَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم المِنْبَرَ، فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ، قَالَ:" يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ، وَلَمْ يُفْضِ الإِيْمَانُ إِلَى قَلْبِهِ! لَاتُؤْذُوْا الْمُسْلِمِيْنَ، وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ، وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يُفْضِحْهُ، وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهِ"

قَالَ: وَنَظَرَ ابنُ عُمَرَ يَوْمًا إِلَى البَيْتِ، أَوْ: إِلَى الكَعْبَةِ، فَقَالَ: مَا أَعْظَمَكِ! وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ! وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللّٰهِ مِنْكِ!

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الْحُسَيْنِ بنِ وَاقِدٍ، وَقَدْ رَوَى إِسْحَاقُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ السَّمَرْقَنْدِيُّ، عَنْ حُسَيْنِ بنِ وَاقِدٍ نَحْوَهُ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِيْ بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوُ هٰذَا.

وضاحت: حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوداؤد (حدیث ۴۸۸۰) وغیرہ میں ہے اور یہ حدیث دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے، وہ روایات الدر المنثور میں ہیں۔

بابُ ماجاء فی التَّجَارِبِ

تجربات کا بیان

تجربہ عربی میں ر کے زیر کے ساتھ ہے، اور اردو میں زبر کے ساتھ، تجربہ کے معنی ہیں: سبب کے پائے جانے پر

مسبب کے پائے جانے کا بار بار مشاہدہ کرنا، اور تجربہ سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور یہ باب یہاں اس لئے لائے ہیں کہ معاشرہ کے افراد کے بارے میں تجربات سے جو اچھی یا بری بات معلوم ہو اس کا لحاظ کرنا چاہئے، اگر تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بات نہیں ماننی چاہئے اور کوئی شخص خیانت کرتا ہے تو اس کے پاس امانت نہیں رکھنی چاہئے، وقس علی ہذا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- لَاحَلِیْمَ إلا ذو عَثْرَۃٍ: بردبار نہیں مگر لغزش والا، یعنی جس سے کبھی لغزش ہوئی ہے اس کا سوچنے کا انداز بدل جاتا ہے، وہ دوسروں کے بارے میں بھی یہی سوچتا ہے کہ ان سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں، اس لئے اس میں بردباری کی صفت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ غلطی کرنے والوں سے درگذر کرتا ہے۔ العَثْرَۃ: کے معنی ہیں: لغزش، ٹھوکر۔

۲- ولاحَکِیْمَ إلا ذُوْ تَجْرِبَۃٍ: اور دانشمند نہیں مگر تجربہ کار، یعنی جب آدمی تجربات سے گذرتا ہے تب اس کی عقل پختہ ہوتی ہے، اس کے بغیر دانشمندی ادھوری رہتی ہے، کہتے ہیں: سَلِ المُجَرِّبَ، وَلَا تَسْئَلِ الحکیمَ: تجربہ کار سے پوچھ، دانشمند سے مت پوچھ، چنانچہ دینی اور دنیوی علوم پڑھ کر فارغ ہونے والے جب تک پریکٹس نہیں کرتے ان کے علوم پختہ نہیں ہوتے۔

[۸۵-] باب ماجاء فی التَّجَارِبِ

[۲۰۳۱-] حدثنا قُتَیْبَۃُ، نا عَبْدُ اللّٰہِ بنُ وَھْبٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ الحَارِثِ، عَنْ دَرَّاجٍ، عَنْ أَبِی الْھَیْثَمِ، عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: " لَاحَلِیْمَ إِلَّا ذُوْ عَثْرَۃٍ، وَلَا حَکِیْمَ إِلَّا ذُوْ تَجْرِبَۃٍ" ھٰذَا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ لَا نَعْرِفُہُ إِلَّا مِنْ ھٰذَا الْوَجْہِ.

بابُ ماجاء فی الْمُتَشَبِّعِ بِمَا لَمْ یُعْطَہُ

نعمت کی جھوٹی نمائش کرنا

تَشَبَّعَ: شکم سیری کا اظہار کرنا، نعمت کا جھوٹا مظاہرہ کرنا۔ المُتَشَبِّع (اسم فاعل) از تَشَبَّعَ: شکم سیری کا اظہار کرنے والا، بمالم یُعْطَہ: ایسی چیز کے ذریعہ جو وہ دیا نہیں گیا، جیسے ایک بخیل نے دو تولے اصلی گھی گھر میں لاکر رکھ لیا تھا، جب وہ روٹی چٹنی کھا کر نکلتا تو گھی میں انگلیاں بھگو کر مونچھوں پر ملتا ہوا نکلتا، تاکہ لوگ جانیں کہ اس نے اصلی گھی کھایا ہے، یہ نعمت کی جھوٹی نمائش ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ أُعْطِیَ عَطَاءً: جو شخص کوئی عطیہ دیا گیا یعنی اس کو کسی نے کوئی ہدیہ دیا، فَوَجَدَ:

پس اس نے پایا، یعنی اس کے پاس بدلہ دینے کے لئے کوئی چیز ہے فَلْيَجْزِ بِهِ: پس چاہئے کہ وہ اس کے ذریعہ بدلہ دے، اور یہ مضمون پہلے (باب ۳۴) میں آیا ہے کہ ہدیہ ایک طرفہ نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس کا بدلہ دینا چاہئے، آگے أبواب الولاء والهبة میں بھی اس سلسلہ کی حدیث آرہی ہے۔ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ: اور جو شخص بدلہ دینے کے لئے کوئی چیز نہ پائے تو چاہئے کہ وہ تعریف کرے، یہ مضمون بھی پہلے (باب ۹) میں آچکا ہے اور ہدیہ دینے والے کے منہ پر بھی تھوڑی تعریف کی جاسکتی ہے، اور ایسی صورت میں ہدیہ دینے والے کو چاہئے کہ بات پھیر دے، فَإِنَّ مَنْ أَثْنَى فَقَدْ شَكَرَ: اس لئے کہ جس نے ہدیہ دینے والے کی تعریف کی: اس نے یقیناً شکریہ ادا کردیا، وَمن كَتَمَ فقد كَفَرَ: اور جس نے چھپایا یعنی تعریف یا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے ناشکری کی، یہ كَفَرَ: کفرانِ نعمت کے معنی میں ہے، دین سے نکل جانے کے معنی میں نہیں ہے۔ وَمَنْ تَحَلَّى بمالم يُعْطَهُ كان كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ: اور جو شخص مزین ہوا ایسی چیز کے ذریعہ جو وہ دیا نہیں گیا تو وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے (تَحَلَّى: آراستہ اور مزین ہونا، زیور پہننا)۔

لطیفہ: ایک شخص کی شادی کا وقت آیا، اس کے پاس شیروانی نہیں تھی، اس کا ایک بےوقوف ساتھی تھا، اس سے شیروانی لی، اور بارات چلی، راستہ میں کسی نے پوچھا: دولہا کون ہے؟ وہ احمق صاحب کہتے ہیں: دولہا یہ ہے مگر شیروانی میری ہے، دولہا کو شرمندگی ہوئی، اس نے کہا: اللہ کے بندے! یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس نے کہا: اچھا آئندہ نہیں کہوں گا، پھر آگے کوئی ملا، اس نے بھی یہی سوال کیا کہ دولہا کون ہے؟ وہ بیوقوف صاحب کہتے ہیں: دولہا یہ ہے مگر میں شیروانی کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا!

غرض جھوٹا سوٹ پہننے کا یہی انجام ہوتا ہے، اسی طرح جو شخص کسی ایسی نعمت سے خود کو آراستہ پیراستہ کر کے پیش کرتا ہے جس سے وہ تہی دست ہے تو وقت پر وہ رسوا ہو جاتا ہے، مثلاً عالم نہیں اور شیخ الحدیث بنا ہوا ہے، جبہ قبہ پہن رکھا ہے تو لوگ دھوکا کھائیں گے اور جب اس سے مسئلہ پوچھیں گے تو قلعی کھل جائے گی۔

اور اس آخری ٹکڑے کا سابقہ مضمون سے جوڑ یہ ہے کہ جیسے کسی نعمت کا چھپانا اس کی ناشکری ہے، ایسے ہی اس کا برعکس بھی برا ہے یعنی نعمت حاصل نہیں مگر وہ ایسا مظاہرہ کرتا ہے کہ گویا وہ نعمت حاصل ہے۔ یہ شخص جھوٹا سوٹ پہننے والے آدمی کی طرح ہے، اس کا احمق ساتھی اس کی پول کھول دے گا۔ پس یہ پہلے مضمون کی ضد کا بیان ہے والأشياء تتبين بأضدادها: میٹھا کڑوے سے پہچانا جاتا ہے، پس نعمت سے تہی دست کا جو حال ہے اس کا برعکس حال اس شخص کا ہوتا ہے، جس کو نعمت حاصل ہے پس اس کو منعم کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

[٨٦-] باب ماجاء في المُتَشَبِّعِ بِمَالَمْ يُعْطَهُ

[٢٠٣٢-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ عَيَّاشٍ، عَنْ عُمَارَةَ بنِ غَزِيَّةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ

جَابِرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً، فَوَجَدَ، فَلْيَجْزِ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ، فَإِنَّ مَنْ أَثْنَى فَقَدْ شَكَرَ، وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ، وَمَنْ تَحَلَّى بِمَا لَمْ يُعْطَهُ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ"

وفي الباب: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ، وَعَائِشَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ:"وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ"، يَقُوْلُ: كَفَرَ تِلْكَ النِّعْمَةَ.

بابُ ماجاء في الثَّنَاءِ بِالْمَعْرُوْفِ

نیک سلوک پر تعریف کا بیان

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ صُنِعَ إليه مَعْروفٌ، فقال لفاعِلِه: جزاك اللّٰهُ خَيْراً، فقد أَبْلَغَ في الثَّنَاءِ: جس شخص کے ساتھ کوئی حسن سلوک کیا گیا پس اس نے حسن سلوک کرنے والے سے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دیں! اس نے آخری درجہ کی تعریف کردی، کیونکہ اس نے دنیا وآخرت کی بھلائی کی دعا دیدی، پس اس سے آگے کیا رہ گیا...... اور یہ دعا دینے میں کیا خرچ ہوتا ہے، مگر لوگ اس میں بخیلی کرتے ہیں...... مگر یاد رکھنا چاہئے کہ دعا دے کر معاملہ نمٹا دینا اس وقت درست ہے جب بھلائی کے جواب میں بھلائی کرنے کے لئے کوئی چیز نہ ہو، ورنہ اصل حکم جوابی بھلائی کرنا ہے جیسا کہ ابھی گذرا۔

[٨٧-] باب ماجاء في الثَّنَاءِ بِالْمَعْرُوْفِ

[٢٠٣٣-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بنُ سَعِيْدٍ الجَوْهَرِيُّ، وَالْحُسَيْنُ بنُ الحَسَنِ المَرْوَزِيُّ – وَكَانَ سَكَنَ بِمَكَّةَ – قَالَا: ثَنَا الأَحْوَصُ بنُ جَوَّابٍ، عَنْ سُعَيْرِ بنِ الْخِمْسِ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ أُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ، فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْراً! فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ جَيِّدٌ غَرِيْبٌ، لَانَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ أُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِيْ هريرةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلُهُ.

﴿ آخر أبواب البر والصلة ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أبوابُ الطِبِّ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علاج معالجہ کا بیان

طبِ نبوی کی روایات پڑھنے سے پہلے چھ باتیں جان لیں:

پہلی بات: وہ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے لکھی ہے کہ احادیث کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ جن کا پیغام رسانی سے تعلق ہے یعنی جو حکم شرعی کے طور پر وارد ہوئی ہیں، دوسری: وہ جن کا پیغام رسانی سے تعلق نہیں، بلکہ وہ دنیوی امور میں ایک رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں، علاج معالجہ اور طب سے تعلق رکھنے والی روایات قسم دوم کی ہیں، اس لئے ابواب الطب کی روایات پڑھتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ یہ احکام شرعیہ نہیں ہیں۔

دوسری بات: بیماریاں اور دوائیں دو قسم کی ہیں: مفرد اور مرکب، جو بیماریاں مفرد غذا کے فساد سے پیدا ہوتی ہیں ان کے لئے مفرد دوائیں کافی ہیں، اور جو بیماریاں مرکب غذاؤں کے فساد سے پیدا ہوتی ہیں ان کے لئے مرکب دوائیں ضروری ہیں، مفرد دواؤں سے ان کا علاج ممکن نہیں، اور قدیم زمانہ میں لوگ سادہ زندگی گذارتے تھے اور مفرد غذائیں کھاتے تھے، اس لئے حدیثوں میں جو مفرد علاج آئے ہیں وہ کارگر تھے، مگر اب جبکہ لوگ مرکب (طرح طرح کی) غذائیں کھانے لگے ہیں تو اب مفرد دوائیں زیادہ کارگر نہیں، اب مرکب دواؤں کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے بھی طب نبوی کی روایات معمول بہ نہیں ہیں۔

تیسری بات: پہلے جب حکماء اور ڈاکٹر صاحبان کم تھے تو ہر شخص حکیم ڈاکٹر تھا، ایک ایک بیماری کے کئی کئی علاج لوگ جانتے تھے، جس کے سامنے بھی بیماری کا تذکرہ کیا جائے: ایک نئی دواء بتاتا تھا، اور اب شہروں کا حال تو یہ ہوگیا ہے کہ لوگ نزلے کی دواء بھی نہیں جانتے، اس کے لئے بھی حکیم ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتے ہیں، غرض قدیم زمانہ

میں لوگ عام طور پر بیماریوں کے علاج خود کرتے تھے، اورنئی نسل بڑوں سے علاج معالجہ اور دواؤں کا علم حاصل کرتی تھی، ابواب الطب کی روایات اسی قبیل کی ہیں، نبی ﷺ نے تجربہ سے یا بڑوں سے جو باتیں جانی تھیں وہ امت کو بتلائیں تاکہ امت ان سے استفادہ کرے۔

چوتھی بات: ابواب الطب کی روایات پر عمل کرنے کے لئے دو باتیں جانی ضروری ہیں:

ایک: مرض کی پہچان۔ بعض امراض پیچیدہ ہوتے ہیں، اور بعض امراض متشابہ (ملتے جلتے) ہوتے ہیں، اس لئے آنکھ بند کر کے کسی نسخہ پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

دوم: دواء کے استعمال کا طریقہ جاننا ضروری ہے یعنی یہ علم ضروری ہے کہ دواء مفرد استعمال کی جائے یا مرکب؟ پھر ہر دوا کی مقدار کیا ہو؟ اور دواء کتنی مقدار میں اور کتنی مرتبہ استعمال کی جائے؟ ان سب باتوں کا علم ضروری ہے، مگر یہ سب تفصیلات روایات میں نہیں آئیں، اس لئے بھی طب نبوی کی روایات پر کما حقہ عمل ممکن نہیں، جیسے حدیث میں آیا ہے کہ چار علاج مفید ہیں: (۱) سَعوط (ناک میں دواء ڈالنا) (۲) لدود (گوشۂ فم میں دواء ڈالنا) (۳) پچھنے لگوانا (۴) مسہل لینا، مگر یہ بات مروی نہیں کہ سر کی کس بیماری میں ناک میں دواء ڈالی جائے؟ اور کونسی دواء ڈالی جائے؟ اسی طرح کس بیماری میں لدود کیا جائے؟ اور کونسی دواء سے لدود کیا جائے؟ جبکہ اس روایت پر عمل کرنے کے لئے یہ باتیں جانی ضروری ہیں، اس لئے بھی طب نبوی کی روایات پر کما حقہ عمل نہیں کیا جاسکتا۔

پانچویں بات: لوگ پہلے بیماریوں کا علاج خود کیا کرتے تھے، کیونکہ حکیم ڈاکٹر کی جنس نایاب تھی، اور تیار دوائیں بھی بازار میں دستیاب نہیں تھیں، اور اب صورتِ حال بدل گئی ہے، گاؤں گاؤں ڈاکٹر پھیل گئے ہیں، اور دواء ساز کمپنیاں ہر مرض کی دواء بازار میں لے آئی ہیں، اس لئے جب روٹی ملے یوں تو کھیتی کرے کیوں؟ لوگ اب از خود علاج کرنے کا ذوق نہیں رکھتے، اس لئے بھی لوگ طب نبوی پر عمل پیرا نہیں، کیونکہ یہ احکام شرعیہ نہیں۔

چھٹی بات: علاج دو ہیں: جسمانی اور روحانی، جو علاج دواؤں سے کیا جاتا ہے وہ جسمانی ہے اور جو علاج دعا تعویذ سے کیا جاتا ہے وہ روحانی ہے، کیونکہ بیماریاں دو طرح کی ہیں، زیادہ تر بیماریاں دواؤں کی ہیں، وہ دواؤں کا اثر جلدی قبول کرتی ہیں، اگرچہ دعا تعویذ بھی ان میں فائدہ پہنچاتا ہے، اور کچھ بیماریاں جھاڑ کی ہیں جیسے سانپ بچھو کا زہر: جھاڑ زیادہ سنتا ہے، دواء اس میں کم اور دیر سے اثر کرتی ہے اس لئے ان ابواب میں دونوں علاجوں کا ذکر ہے۔

بابُ ماجاء فِي الْحِمْيَةِ

پرہیز کا بیان

طب کی تین بنیادیں ہیں: حفظانِ صحت، پرہیز اور استفراغ مادۂ فاسد، اور تینوں کی طرف قرآنِ کریم نے اشارہ

کیا ہے:

۱- حفظانِ صحت: سب سے مقدم یہ بات ہے کہ آدمی اپنی صحت کی حفاظت کرے، کوئی ایسی غذا نہ کھائے جس سے صحت خراب ہو، اور نہ ایسے اسباب اختیار کرے جو بیماری کو دعوت دیں، سورۃ الاعراف (آیت ۳۱) میں ہے: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾: کھاؤ پیو اور حد سے مت نکلو۔ یہ حد سے نکلنے کی ممانعت حفظانِ صحت کے اصول سے ہے، کیونکہ جب کھانے میں اعتدال نہیں رہے گا، اور آدمی پُرخوری کا عادی ہوجائے گا تو طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہونگی...... اور حدیث میں ہے کہ کوڑھی کے پاس سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو، یہ اسباب مرض سے بچنے کی تعلیم ہے جو حفظانِ صحت کے اصول سے ہے۔

۲- پرہیز: اور بیماری سے پہلے بھی، اور بیماری کے ساتھ بھی، اور بیماری کے بعد بھی پرہیز ضروری ہے، پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ آپ ﷺ نے کچایا پھیکا خربوزہ کھجور کے ساتھ نوش فرمایا، اور یہ ارشاد فرمایا: ہم ایک کی گرمی سردی دوسرے کی گرمی سردی سے توڑتے ہیں، کیونکہ پھیکا خربوزہ بارد ہوتا ہے اور کھجور گرم ہے، پس یہ بیماری سے پہلے پرہیز (احتیاط) کی مثال ہے، آدمی کو صرف حار یا صرف بارد چیزیں نہیں کھانی چاہئیں، بلکہ ان میں اعتدال پیدا کر کے کھانی چاہئیں، کھجور کو مکھن کے ساتھ کھانے میں بھی یہی حکمت ہے.......... اور سورۃ النساء (آیت ۴۳) اور سورۃ المائدۃ (آیت ۶) میں ارشادِ پاک ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى﴾ الآیۃ یعنی اگر تم بیمار ہوؤ.......... پھر تم کو (حقیقۃً یا حکماً) پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمّم کرلیا کرو۔ تیمّم کی یہ اجازت حمیہ (پرہیز) کے اصول سے ہے یعنی اگر پانی سے وضو یا غسل کرنا سخت مضر ہو تو پانی سے پرہیز کیا جائے اور مٹی سے تیمّم کرلیا جائے اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالا جائے، اور یہ بیماری کی حالت میں حمیہ کی مثال ہے.......... اور اس باب میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو ابھی بیماری سے اٹھے تھے: کھجوریں کھانے لگے تو آپؐ نے ان کو منع کیا، یہ بیماری کے بعد حمیہ کی مثال ہے۔

۳- اخراج مادّۂ فاسدہ: جب بیماری کا علاج کیا جائے تو توجہ اس پر مرکوز رکھی جائے کہ فاسد مادہ جسم سے نکل جائے، ورنہ علاج شفا بخش نہ ہوگا، صلح حدیبیہ کے موقع پر احرام کی حالت میں حضرت کعب بن عجرہؓ کے سر میں جوئیں پڑ گئیں، جس سے وہ بہت پریشان ہوئے، چنانچہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۶ نازل ہوئی: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾ اس آیت کے نازل ہونے پر نبی ﷺ نے ان کو سر منڈا کر فدیہ دینے کا حکم دیا، کیونکہ جب تک بالوں کی جڑوں میں سے میل دور نہیں ہوگا: جوؤں کی افزائش رکے گی نہیں، پس یہ اجازت جسم سے فاسد مادہ دور کرنے کے لئے تھی۔ کیونکہ فاسد مادہ سبب مرض ہے، اور اس کے ازالے پر شفا موقوف ہے (یہ مضمون ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (۳:۹۷) میں لکھا ہے)

فائدہ: علاج کے سلسلہ میں یونانی اور ایلوپیتھی یعنی انگریزی طریقہ علاج مختلف ہیں، طب میں سبب کا علاج کیا جاتا ہے اور جب بیماری کا سبب ختم ہوجاتا ہے تو مسبب یعنی بیماری خود بخود ختم ہوجاتی ہے، وہ دوبارہ نہیں لوٹتی، اور انگریزی طریقہ علاج میں مسبب کا علاج کیا جاتا ہے تا آنکہ اس کا سبب ختم ہوجائے، چنانچہ یونانی دواؤں سے فوراً بیماری نہیں دبتی، اور انگریزی دواء کی پہلی خوراک ہی اثر دکھاتی ہے، نیز یونانی دواء کا کوئی کورس نہیں ہوتا، بلکہ جب تک بیماری کا سبب ختم نہ ہو: دواء کھانی پڑتی ہے، اور سبب کے ختم ہونے کی علامت یہ ہے کہ مسبب یعنی بیماری ختم ہوجائے، اور انگریزی طریقہ علاج میں دواؤں کا کورس ہوتا ہے، جس کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے، ورنہ بیماری عود کر آنے کا احتمال رہتا ہے کیونکہ سبب ابھی باقی ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں: دیوار میں درخت نکل آیا اس کو ختم کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک: تیزاب سے اس کی جڑیں جلادی جائیں، درخت خود بخود سوکھ جائے گا اور پھر کبھی نہیں اگے گا، دوسرا: پہلے درخت کی ٹہنیاں کاٹی جائیں، پھر تنا نکالا جائے پھر جڑیں کھودی جائیں تو بھی درخت ختم ہوجائے گا، لیکن اگر ذرا سی جڑ بھی باقی رہ گئی تو درخت دوبارہ اُگ آئے گا۔

حدیث (۱): حضرت ام المنذر انصاریہ کہتی ہیں: نبی ﷺ میرے گھر تشریف لائے، آپؐ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، ہمارے گھر میں کھجوروں کے خوشے لٹک رہے تھے، نبی ﷺ نے کھجوریں کھانی شروع کیں، حضرت علیؓ بھی آپؐ کے ساتھ کھانے لگے، آپؐ نے ان سے فرمایا: ''علی! رکو، تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو'' یعنی ابھی تمہارے لئے کھجوریں مضر ہیں، پس حضرت علیؓ بیٹھ گئے، اور آپؐ کھاتے رہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ام المنذر کہتی ہیں: پھر میں نے ان کے لئے چقندر اور جو کا کھانا (کھچڑا) تیار کیا (یہ دونوں بارد ہیں) پس نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے علی! اس میں سے لو، یہ آپ کے لئے زیادہ موافق ہے''

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: إذا أحَبَّ اللّٰه عبداً: حَمَاهُ الدنيا، كما يَظَلُّ أحدُكم يَحْمِيْ سَقِيْمَهُ الماءَ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو دنیا سے بچاتے ہیں، جس طرح تم میں سے ایک شخص اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔

تشریح: دنیا سے بچانے کی دو صورتیں ہیں: ایک: سرے سے صالح بندے کو دنیا دی ہی نہ جائے، اس کو غریب رکھا جائے، دوسری: دنیا دی تو جائے اور خوب دی جائے مگر اس کے دل کو مال میں نہ اٹکایا جائے، بہت سے صحابہ کرام اور صلحائے عظام ایسے گذرے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے صاحبِ ثروت (مال و دولت والا) بنایا تھا، مگر ان کے دل دولت میں پھنسے ہوئے نہیں تھے۔

ایک واقعہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے، جب رمضان آتا اور شام کو ان کے سامنے دسترخوان بچھایا جاتا تو افطاری دیکھ کر رونا شروع کر دیتے، اور ان صحابہ کو یاد کرتے جو غربت کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، پھر سارا دسترخوان غریبوں کو بانٹ دیا جاتا خود اس میں سے کچھ بھی نہیں کھاتے تھے۔

دوسرا واقعہ: پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بڑے مالدار تھے، آپ ایکسپورٹ اور امپورٹ کا کاروبار کرتے تھے، ایک مرتبہ مجلس میں منیجر نے اطلاع دی کہ فلاں جہاز جو فلاں ملک جا رہا تھا: ڈوب گیا، آپ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: الحمدللہ! لوگوں کو حیرت ہوئی، کیونکہ یہ إنا لله وإنا إليه راجعون پڑھنے کا موقعہ تھا، مگر کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی.......... پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ مجلس ہی میں منیجر نے اطلاع دی کہ فلاں ملک سے جو جہاز مال لے کر آیا تھا وہ پہنچتے ہی دوگنے نفع پر بک گیا تو آپ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: الحمدللہ! اب لوگوں سے صبر نہ ہو سکا، اور پوچھ ہی لیا کہ حضرت! دونوں موقعوں پر آپ نے تحمید کی اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ دونوں موقعے مختلف تھے، آپ نے فرمایا: میں نے پہلی مرتبہ الحمدللہ نقصان ہونے پر نہیں کہا تھا، نہ اب نفع ہونے پر کہا ہے، بلکہ جب نقصان کی خبر ملی تو میں نے سر جھکا کر دل کا جائزہ لیا کہ اس کو صدمہ پہنچایا نہیں؟ میں نے دیکھا کہ قلب نقصان سے متاثر نہیں ہوا اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا، اور اب جبکہ نفع کی خبر ملی تو بھی میں نے دل کا جائزہ لیا کہ اس کو خوشی ہوئی یا نہیں؟ میں نے دیکھا کہ دل اس سے بھی متاثر نہیں ہوا، اس پر میں نے الحمدللہ کہا ہے۔

تیسرا واقعہ: خواجہ عبیداللہ احرار رحمہ اللہ بھی بہت مالدار تھے، جب وہ خدام کے ساتھ نکلتے تھے تو بادشاہ کا جلوس ماند پڑ جاتا تھا، میں نے آپ کی قبر کی زیارت کی ہے اور اس سے متصل خانقاہ بھی دیکھی ہے، ان کے یہاں بزرگی کا شہرہ سن کر ایک مرید آیا، اور آپ کا ٹھاٹھ دیکھ کر بدگمان ہو گیا، اس نے خانقاہ کے دروازے پر لکھ دیا: نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد! وہ کیسا بزرگ جو دولت جمع کئے ہوئے ہے! کسی مرید نے حضرت کو اطلاع دی کہ نو وارد مہمان نے خانقاہ کے دروازے پر یہ لکھا ہے، آپ نے فرمایا: اس کے نیچے لکھ دو: وگر دارد برائے دوست دارد! یعنی اگر کوئی اللہ کے لئے اور حاجت مندوں پر خرچ کرنے کے لئے دنیا رکھتا ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے!

اور دنیا سے بچانے کی یہ دونوں صورتیں اسی حدیث سے سمجھ میں آتی ہیں، اس طرح کہ آپ ﷺ نے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح تم میں سے ہر شخص اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے، اور ظاہر ہے: پانی ہر مریض کے لئے مضر نہیں گردے کی پتھری میں تو پانی خوب پلایا جاتا ہے، اور عرب تو بخاری کو پانی سے نہلاتے ہیں، یہی حال مال کا بھی سمجھنا چاہئے، وہ ہر حال میں مضر نہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

أبواب الطب

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[١-] باب ماجاء فى الحِمْيَةِ

[٢٠٣٤-] حدثنا عَبَّاسُ بنُ مُحمدٍ الدُّوْرِيُّ، نَا يُوْنُسُ بنُ محمدٍ، ثَنَا فُلَيْحُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُثْمَانَ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ يَعْقُوْبَ بنِ أَبِيْ يَعْقُوْبَ، عَنْ أُمِّ الْمُنْذِرِ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَمَعَهُ عَلِيٌّ، وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ، قَالَتْ: فَجَعَلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُ، وَمَعَهُ عَلِيٌّ يَأْكُلُ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِعَلِيٍّ:" مَهْ مَهْ! يَا عَلِيُّ، فَإِنَّكَ نَاقِهٌ " قَالَ: فَجَلَسَ عَلِيٌّ، وَالنبيُّ صلى الله عليه وسلم يَأْكُلُ، قَالَتْ: فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَشَعِيْراً، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "يَا عَلِيُّ! مِنْ هٰذَا فَأَصِبْ، فَإِنَّهُ أَوْفَقُ لَكَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ فُلَيْحِ بنِ سُلَيْمَانَ، وَيُرْوَى هٰذَا عَنْ فُلَيْحِ بنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَيُّوْبَ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ.

حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا أَبُوْ عَامِرٍ، وَأَبُوْ دَاوُدَ، قَالَا: نَا فُلَيْحُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَيُّوْبَ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ يَعْقُوْبَ بنِ أَبِيْ يَعْقُوْبَ، عَنْ أُمِّ الْمُنْذِرِ الْأَنْصَارِيَّةِ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيْثِ يُوْنُسَ بنِ مُحمدٍ، عَنْ فُلَيْحِ بنِ سُلَيْمَانَ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: "أَنْفَعُ لَكَ" وَقَالَ مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ فِيْ حَدِيْثِهِ: حَدَّثَنِيْهِ أَيُّوْبُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، هٰذَا حديثٌ جَيِّدٌ غريبٌ.

[٢٠٣٥-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ، نَا إِسْحَاقُ بنُ مُحمدٍ الفَرْوِيُّ، نَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عُمَارَةَ بنِ غَزِيَّةَ، عَنْ عَاصِمِ بنِ عُمَرَ بنِ قَتَادَةَ، عَنْ مُحمودِ بنِ لَبِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ بنِ النُّعْمَانِ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا، كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِيْ سَقِيْمَهُ الْمَاءَ"

وفى الباب: عَنْ صُهَيْبٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنْ مَحمود بنِ لَبِيْدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلًا.

حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِيْ عَمْرٍو، عَنْ عَاصِمِ بنِ عُمَرَ بنِ

قَتَادَةَ، عَنْ مُحمودِ بنِ لَبِيْدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: عَنْ قَتَادَةَ بنِ النُّعْمَانِ، وَقَتَادَةُ بنُ النُّعْمَانِ الظَّفَرِيُّ: هُوَ أَخُوْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الخُدْرِيِّ لِأُمِّهِ، وَمَحْمُوْدُ بنُ لَبِيْدٍ قَدْ أَدْرَكَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم وَرَآهُ، وَهُوَ غُلَامٌ صَغِيْرٌ.

وضاحت:

۱- پہلی حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلی بات یہ فرمائی ہے کہ اس کے راوی صرف فلیح بن سلیمان ہیں، مگر یہ بات صحیح نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر میں اس کی ایک اور سند بھی ذکر کی ہے (تحفۃ الاشراف مزی ۱۳: ۱۰۸)

اور دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ فلیح اس حدیث کو عثمان بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہیں، اور ایوب بن عبد الرحمٰن سے بھی، پھر ایوب کی سند لکھی ہے اور دونوں کی روایتوں میں ذرا سا فرق ہے، عثمان کی روایت میں فإنه أوفق لك ہے اور ایوب کی روایت میں فإنه أنفع لك ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہے ...... اور پہلی حدیث کی دونوں سندوں کے آخر میں جو عبارت ہے: وقال محمد بن بشار فی حدیثه الی آخرہ اس عبارت کا مطلب واضح نہیں، کیونکہ محمد بن بشار: ایوب بن عبد الرحمٰن کے شاگرد نہیں ہیں کہ کہیں: مجھ سے ایوب نے حدیث بیان کی (ممکن ہے حدثنیه سے پہلے قال رہ گیا ہو یعنی فلیح نے کہا: مجھ سے ایوب نے یہ حدیث بیان کی، کیونکہ پہلے عن سے روایت آئی ہے، اب یہ سماع کی صراحت کی تا کہ یہ احتمال ختم ہو جائے کہ شاید ایوب کا تذکرہ سند میں وہم ہو)

۲- اور دوسری حدیث کی بھی دو سندیں لکھی ہیں: پہلی سند موصول ہے اور دوسری مرسل، اس کے آخر میں حضرت قتادہ کا تذکرہ نہیں .... اور یہ قتادہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی ہیں ..... اور حضرت محمود بن لبید صحابی صغیر ہیں۔

لغات: دَوَال: دَالِيَة کی جمع ہے: کچی کھجور کا خوشہ جو لٹکا دیا جاتا ہے، پھر جب وہ پک جاتا ہے تو کھاتے ہیں، اور اس کا واو الف سے بدلا ہوا ہے (نہایہ مادہ دول) ...... نَاقِه: اسم فاعل از نَقِهَ من مرضه نَقَهًا: صحت یابی کے بعد کی کمزوری۔

بابُ ماجاء فی الدَّوَاءِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ

دوا دارو کی ترغیب

دنیا دار الاسباب ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا سبب بنایا ہے۔ پس بیماری کے لئے بھی اسباب پیدا کئے ہیں، اور شفا کے بھی اسباب بنائے ہیں، پھر جو اسباب ظاہری ہیں ان کو اختیار کرنا مامور بہ ہے، اس لئے بیماری کا علاج کرانا

مسنون ہے، اور یہ توکل کے منافی نہیں۔

حدیث: اَعراب (بدوؤں) نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہم علاج نہ کرائیں؟ آپؐ نے فرمایا: نعم، یا عبادَ اللّٰہ تَدَاوَوْا: ہاں اے اللہ کے بندو! علاج کراؤ۔ فإنَّ اللّٰہَ لَمْ یَضَعْ داءً إلا وَضَعَ له شِفَاءً أوْ: دَوَاءً، إلَّا دَاءً واحِدًا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری پیدا نہیں کی مگر اس کے لئے شفاء بھی پیدا کی ہے، یا فرمایا: دوا بھی پیدا کی ہے (اور نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: عَلِمَه مَنْ عَلِمَه، وَجَهِلَه مَنْ جَهِلَه: اس دوا کو جو جانتا ہے جانتا ہے اور جو نہیں جانتا نہیں جانتا یعنی کوئی جانتا ہے کوئی نہیں جانتا) البتہ ایک بیماری مستثنیٰ ہے، لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ ایک بیماری کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: الهَرَمُ: بڑھاپا، اسی لئے احادیث میں بڑھاپے سے پناہ مانگی گئی ہے کیونکہ یہ لاعلاج بیماری ہے۔

تشریح: یہاں بڑھاپے سے مراد موت ہے، بڑھاپا اس کی تمہید ہے، اور موت ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔

سوال: قرآن وحدیث میں توکل (اللہ کی ذات پر اعتماد کرنے) کی تعلیم دی گئی ہے اور اس حدیث میں علاج کا حکم دیا گیا ہے، بظاہر یہ دونوں باتیں متعارض معلوم ہوتی ہیں، پس اس کا کیا حل ہے؟

جواب: جب یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے تو صحت کے اسباب اختیار کرنا اور مرض کے اسباب سے بچنا ضروری ہے، ورنہ اسباب بے فائدہ ہونگے، البتہ اسباب تین قسم کے ہیں: ظاہری، خفی اور اخفی، سبب ظاہر وہ ہے جس کا سبب ہونا ہر شخص جانتا ہے، اور سبب خفی: سبب ظنی کا نام ہے، اور سبب اخفی وہ سبب ہے جس کا سبب ہونا عام طور پر لوگ نہیں جانتے، جیسے روٹی سے آدمی شکم سیر ہوتا ہے اور پانی سے سیراب، اور دوا سے شفا حاصل ہوتی ہے، یہ اسباب ظاہرہ ہیں، اور جھاڑ پھونک سے بھی فائدہ ہوتا ہے مگر یہ سبب خفی ہے، اور علویات (ستاروں) کے سفلیات یعنی انسانی حوادث (صحت، مرض، عزت، ذلت وغیرہ) پر اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہ سبب اخفی ہے، اس کا ادراک نجومیوں کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا، اور نجومیوں کی باتیں اٹکل پچو ہوتی ہیں، اس لئے شریعت نے سبب اخفی کی تو قطعاً ممانعت کردی، فرمایا: ''جو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں پچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی وہ پچھتروں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں، اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے فضل سے بارش ہوئی وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور پچھتروں کا انکار کرتے ہیں''

اور اسباب خفیہ کی ممانعت تو نہیں کی مگر اس کے ترک کو اولیٰ قرار دیا، مسلم شریف (حدیث ۲۲۰) میں حدیث ہے کہ قیامت کے دن ستر ہزار لوگ ایسے ہونگے جو بے حساب اور بے عذاب جنت میں جائیں گے، صحابہ نے دریافت کیا: وہ کون لوگ ہونگے؟ آپؐ نے فرمایا: هُم الذین لَایَرْقُوْنَ، وَلَایَسْتَرْقُوْنَ، وَلَا یَتَطَیَّرُوْنَ، وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ: وہ وہ لوگ ہیں جو نہ جھاڑتے ہیں اور نہ جھڑواتے ہیں، اور نہ بدشگونی لیتے ہیں اور اپنے پروردگار پر

بھروسہ کرتے ہیں۔

اور اسباب ظاہری کو اختیار کرنا مأمور بہ ہے، اس حدیث میں نبی ﷺ نے علاج کرانے کا حکم دیا ہے، کیونکہ یہ سبب ظاہری ہے، مگر سبب ظاہری اختیار کرنے کی حالت میں بھی بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہئے، کیونکہ اسباب محض اسباب ہیں، وہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، وہ خود کار نہیں، مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہیں، وہ چاہیں گے تو اسباب کام کریں گے، ورنہ نہیں کریں گے۔ اور آگے یہ حدیث آرہی ہے کہ ایک بدو نے پوچھا: میں اونٹ کے پیر باندھ کر اللہ پر اعتماد کروں یا یونہی چرنے کے لئے چھوڑ دوں اور اللہ پر اعتماد کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ: اونٹ کے پیر میں رسی باندھ، پھر اللہ پر بھروسہ کر۔ مولانا روم فرماتے ہیں: برتوکل زانوئے اُشتر بہ بند! اور جنگؐ احد نہایت سخت معرکہ تھا، چنانچہ نبی ﷺ نے دو زرہیں اوپر تلے پہنی تھیں حالانکہ آپؐ سید المتوکلین تھے، اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی تھی کہ سب ایک دروازہ سے شہر میں داخل مت ہونا، کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی نظروں میں آجاؤ۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی بتادیا تھا کہ ہوگا وہی جو اللہ چاہیں گے: ﴿مَا أُغْنِى عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ میری تدبیر اللہ کے کسی فیصلہ کو روک نہیں سکے گی، پھر سوال پیدا ہوا کہ تدبیر بتانے سے کیا فائدہ؟ قرآنِ کریم نے اس کا جواب دیا ہے: ﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوْهُمْ﴾ الآية: یعنی جب وہ لوگ مصر پہنچ کر جس طرح ان کے ابا نے کہا تھا اس طرح شہر میں داخل ہوئے، اور وہ ان سے اللہ کے حکم میں سے کسی چیز کو ٹال نہیں سکتے تھے، یعنی ان کی بتلائی ہوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، صاحبزادگان میں سے ایک کے بجائے دو روک لئے گئے، تاہم ان کے ابا کا ارمان پورا ہوگیا، یہ ارمان کیا تھا؟ اسباب کو اختیار کرنے کی آرزو! کیونکہ انبیاء نے امتوں کو اسباب اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے، وہی تعلیم آپ نے اپنے بیٹوں کو بھی دی تھی، مگر تدبیر بتلانے کا مقصد اللہ کے حکم کو ٹالنا نہیں تھا، پھر قرآن نے فرمایا: ﴿وَإِنَّهُ لَذُوْ عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنٰهُ﴾ اور یعقوبؑ بلاشبہ بڑے عالم تھے، اس وجہ سے کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا یعنی یہ ارمان جوان کے دل میں پیدا ہوا تھا وہ اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کا ایک حکم تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسباب ظاہرہ اختیار کرنے کے ساتھ اللہ پر اعتماد ضروری ہے، پس اسباب ظاہرہ کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، جس طرح اسباب کا اختیار کرنا تقدیر کے منافی نہیں، کیونکہ اسباب بھی تقدیر کا ایک حصہ ہیں، تفصیل ابواب القدر میں آئے گی، امید ہے اس تفصیل سے آپ حضرات مسئلہ کی حقیقت سمجھ گئے ہونگے، اور اسباب کے احکام بھی آپ حضرات کی سمجھ میں آگئے ہونگے، مزید تفصیل کے لئے میری تفسیر ہدایت القرآن (پارہ ۱۳ ص: ۱۶ سورۂ یوسف آیت ۶۸ کی تفسیر) دیکھیں۔

[۲-] باب ماجاء في الدَّوَاءِ، وَالْحَثِّ عَلَيْهِ

[۲۰۳۶-] حدثنا بِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ العَقَدِيُّ الْبَصْرِيُّ، نَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ زِيَادِ بنِ عِلَاقَةَ، عَنْ

أُسَامَةَ بنِ شَرِيْكٍ، قَالَ: قَالَتِ الأَعْرَابُ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَلَا نَتَدَاوَى؟ قَالَ: " نَعَمْ، يَا عِبَادَ اللّٰهِ! تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً، أَوْ: دَوَاءً، إِلَّا دَاءً وَاحِدًا" فَقَالُوْا: يَارسولَ اللّٰهِ! وَمَا هُوَ؟ قَالَ: "الْهَرَمُ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وأَبِيْ هريرةَ، وأَبِيْ خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، وابنِ عَبَّاسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء مَا يُطْعَمُ المَرِيْضُ؟

بیمار کو کیا کھلانا چاہئے؟

بیمار کی دو حالتیں ہیں، کبھی اس کو کھانے کی خواہش نہیں ہوتی، اور کبھی بھوک نہیں ہوتی۔ پہلی صورت میں اس کو حریرہ پلانا چاہئے، اور دوسری صورت میں زبردستی نہیں کھلانا چاہئے، کیونکہ اس وقت طبیعت مرض کی مقاومت (مقابلہ) کررہی ہوتی ہے، پس اس کو کھانے کی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہئے، چنانچہ اطباء سخت بخار میں اور بحرانی کیفیت میں غذا دینے سے منع کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں جب مریض کا کھانے کو جی نہ چاہ رہا ہو اس وقت کا حکم ہے، اور دوسرے باب میں جب مریض بالکل کھانے کے لئے تیار نہ ہو اس وقت کا حکم ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی ﷺ کے گھر میں کسی کو بخار آتا تو آپؐ حریرہ بنانے کا حکم دیتے، چنانچہ وہ بنایا جاتا، پس آپؐ مریض کو حکم دیتے کہ وہ اس میں سے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے، اور آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ حریرہ غمگین کے دل کو قوی کرتا ہے، اور بیمار کے دل سے تکلیف ہٹاتا ہے، جس طرح عورتیں اپنے چہرے سے پانی کے ذریعہ میل ہٹاتی ہیں۔

تشریح: بخاری (حدیث ۵۴۱۷) میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: التَّلْبِيْنَةُ مَجَمَّةٌ لِفُؤَادِ المَرِيْضِ، تَذْهَبُ بِبَعْضِ الْحُزْنِ: تلبینہ یعنی بھوسی یا چھنے ہوئے آٹے میں دودھ اور شہد ملا کر بنایا ہوا حریرہ بیمار کی دلجوئی کا ذریعہ ہے، اور اس کا کچھ غم دور کرتا ہے۔ امام ترمذیؒ نے حضرت عائشہؓ کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہی حدیث ہے، کبھی مریض کو بھوک تو ہوتی ہے مگر کھانے کو جی نہیں چاہتا، ایسی صورت میں تھوڑے گھی میں آٹا بھون لیا جائے، پھر اس میں کافی دودھ ڈال کر پکا لیا جائے، اور اس کو ایسا پتلا رکھا جائے کہ اس کو گھونٹ گھونٹ پیا جاسکے، مریض اس کو دل نہ چاہنے کے باوجود پی لے تو اس کے دل سے بوجھ ہٹ جائے گا، اور یہ خیال نکل جائے گا کہ اس نے کچھ نہیں کھایا، اور غذا بھی پیٹ میں پہنچ جائے گی، جس سے اس کو قوت ملے گی۔

اورمسند احمد (۷۹:۶) میں حریرہ کاایک فائدہ یہ بھی آیا ہے کہ اس سے پیٹ صاف ہوجاتا ہے، فرمایا: إِنَّهَا تَغسِلُ بَطْنَ أَحَدِكُمْ كَمَا تَغسِلُ إِحداكُنَّ وَجْههَا مِن الوَسَخِ: یعنی تلبینہ (حریرہ) تم میں سے ایک کے پیٹ کو اس طرح دھودیتا ہے جس طرح تم میں سے ایک عورت چہرہ دھوکر اس کا میل دور کردیتی ہے اور جب معدہ صاف ہوجائے گا جو بیماریوں کا گھر ہے تو بیماری خود بخود چلی جائے گی۔

[۳-] باب ماجاء مَا يُطْعَمُ الْمَرِيْضُ؟

[۲۰۳۷-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، نَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، نَا مُحمدُ بنُ السَّائِبِ بنِ بَرَكَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رسولُ اللّهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَخَذَ أَهْلَهُ الوَعَكُ، أَمَرَ بِالْحَسَاءِ، فَصُنِعَ، ثُمَّ أَمَرَهُمْ فَحَسَوْا مِنْهُ، وَكَانَ يَقُوْلُ: " إِنَّهُ لَيَرْتُوْ فُؤَادَ الحَزِيْنِ، وَيَسْرُوْ عَنْ فُؤَادِ السَّقِيْمِ، كَمَا تَسْرُوْ إِحْدَاكُنَّ الْوَسَخَ بِالْمَاءِ عَنْ وَجْهِهَا"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَى الزُّهْرِيُّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم شَيْئًا مِنْ هٰذَا، حدثنا بِذَٰلِكَ الحُسَيْنُ الجَرِيْرِيُّ، نَا أَبُوْ إِسْحَاقَ الطَّالَقَانِيُّ، عَنْ ابنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم بِمَعْنَاهُ، حدثنابِذٰلِكَ أَبُوْ إِسْحَاقَ.

لغات: الوَعَكُ: تیز بخار...... الحَسَاءُ والحَسَا والحَسْوُ والحُسُوُّ: ہر رقیق چیز جو پی جاسکے، ایک قسم کا کھانا جو آٹا پانی اور گھی ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔ حَسَا(ن) حَسْوًا المَرَقَ: تھوڑا تھوڑا پینا...... رَتَا يَرْتُوْ رَتْوًا القلبَ: دل کو قوی کرنا...... سَرَا يَسْرُوْ سَرْوًا الثوبَ: کپڑے اتارنا، سُرِّيَ عنه الهَمُّ: غم زائل ہونا، دور ہونا۔

سند کی بحث: اس حدیث کو محمد بن السائب اپنی ماں سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں، اور محمد کی ماں کا نام کسی نے نہیں لکھا، البتہ ان کے نسب نامہ میں دادا کی جگہ بَرَكَة (عورت کا نام) آتا ہے، ممکن ہے یہ تصحیف ہو اور یہ ان کی ماں کا نام ہو، ابن ماجہ (تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی) میں سند اس طرح ہے: ثنا محمد بن السائب، عَنْ بَرَكَةَ، عن أُمِّه، عن عائشة (حدیث ۳۴۴۵ باب التلبينة، كتاب الطب) یعنی برکۃ سے پہلے بن نہیں ہے بلکہ عن ہے، پس عن أُمِّه کو عن بَرَكَةَ کا بدل بنائیں گے اور اس کی نظیر ترمذی (کتاب الزکاۃ باب ۵) میں گذر چکی ہے قال: رَوَى شريكٌ هذا الحديثَ عَن خُصَيْفٍ، عن أبي عُبيدة، عن أبيه، عن عبد الله، اس سند میں عن عبد الله: عن أبيه سے بدل ہے یعنی ابوعبیدۃ کے والد حضرت ابن مسعود ہی ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی عن أمه کو عن بَرَكَة سے بدل بنایا جاسکتا ہے، یعنی برکہ ہی محمد بن السائب کی ماں ہیں۔

البتہ باب کے بالکل آخر میں جو حدثنا بذلك أبو إسحاق ہے اس کا مطلب واضح نہیں، کیونکہ ابو اسحاق طالقانی: امام ترمذیؒ کے استاذ نہیں، اور مزی نے بھی تحفۃ الاشراف (۱۲:۶۱) میں امام ترمذیؒ کی یہ عبارت اسی طرح نقل کی ہے، پھر لکھا ہے: كذا في نُسَخِ السَّماعِ: یعنی انھوں نے اپنے اساتذہ سے جو ترمذی پڑھی ہے اس میں یہ عبارت اسی طرح ہے، اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں کیا گڑ بڑ ہوئی ہے۔

باب ماجاء لَا تُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ

بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور مت کرو

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَاتُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيْهِمْ: اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور مت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتے پلاتے ہیں، یعنی ان کو نہ کھانے سے ضعف لاحق نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کا مداوا کر دیتے ہیں، اور اگر اس شدید ناگواری کی حالت میں زبردستی کھلاؤ گے تو اس کی طبیعت کھانے کے نظم و انتظام کی طرف متوجہ ہوگی، اور وہ مرض کی مقاومت نہیں کر سکے گی، مگر دو کیفیتوں میں فرق کرنا ضروری ہے: ایک: مریض کو بھوک تو ہے مگر کھانے کو جی نہیں چاہتا، اس حالت میں اس کو حریرہ دینا چاہئے، اور دوسری حالت یہ ہے کہ مریض بالکل کھانا ہی نہیں چاہتا، اس کو بھوک ہی نہیں، پس ایسی حالت میں زبردستی نہیں کھلانا چاہئے، اور اللہ کے کھلانے پلانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کھانے پینے کی حاجت نہیں، پھر زبردستی اس کو کیوں کھلایا پلایا جائے؟!

[٤-] باب ماجاء لَا تُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ

[۲۰۳۸-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نَا بَكْرُ بنُ يُوْنُسَ بنِ بُكَيْرٍ، عَنْ مُوْسَى بنِ عُلَيٍّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ الجُهَنِيِّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَا تُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيْهِمْ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

بابُ ماجاء فِى الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ

کلونجی کا بیان

کلونجی کے اور نام: شونیز اور الحبة السوداء (سیاہ دانہ) ہیں، یہ پیاز کے بیج کے مشابہ سیاہ رنگ کے بیج ہوتے ہیں

جن کی بو تیز اور مزہ تلخ ہوتا ہے، ان کا مزاج گرم خشک ہے، مسالوں، اچاروں اور داؤوں میں عام طور پر مستعمل ہے، اس لئے عطاروں اور پرچون کی دوکانوں میں ملتی ہے، کلونجی: کثیر المنافع دواء ہے، کبھی اس کو مفرد استعمال کرتے ہیں، کبھی دوسری دواؤں کے ساتھ مرکب کر کے استعمال کرتے ہیں، پھر کبھی اس کا سفوف بنا کر کھلاتے ہیں اور کبھی جوشاندہ بنا کر پلاتے ہیں اور اس کا روغن بھی نکالتے ہیں، نیز سردز کام میں اس کو سونگھاتے بھی ہیں اور دھونی بھی دیتے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عليكم بهٰذِهِ الحَبَّةِ السَّوْدَاءِ، فَإِنَّ فِيهَا شِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ، إِلَّا السَّامَ: آپ لوگ اس کالے دانے (کلونجی) کو لازم پکڑو یعنی اس سے علاج کرو اور دیگر استعمالات میں بھی لو، اس لئے کہ اس میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفاء ہے۔

تشریح: کلونجی میں ہر شفا ہے: یہ حدیث عام ہے یا خاص؟ اس میں اختلاف ہے۔ خطابی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ ارشاد بظاہر عام مگر حقیقت میں خاص ہے، کیونکہ کوئی جڑی بوٹی ایسی نہیں جو ہر بیماری کا علاج ہو، کلونجی بھی صرف بارد اور مرطوب بیماریوں کا علاج ہے، اس لئے کہ اس کا مزاج گرم خشک ہے اور یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا آگے باب ۲۹ میں سنا کے بارے میں آرہا ہے کہ اگر کسی چیز میں موت کا علاج ہوتا تو وہ سَنا میں ہوتا، ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ کثیر المنافع دوائیں ہیں۔

اور دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ ارشاد عام ہے، کلونجی ہر بیماری کی دواء ہے مگر اس کے استعمال کے طریقے مختلف ہیں، کبھی مفرد استعمال کی جاتی ہے، اور کبھی دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر استعمال کی جاتی ہے، نیز مرض کی رعایت اور قواعد طب کا لحاظ بھی ضروری ہے، اس طرح وہ ہر بیماری کی دواء بن جاتی ہے، ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ إلا السام استثناء ہے، پس ایک بیماری کو مستثنیٰ کر کے کلونجی ہر بیماری کی دواء ہے، جیسے ﴿إِنَّ الإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ، إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ الآية کا حال ہے۔

مگر صحیح رائے پہلی معلوم ہوتی ہے کہ کلونجی کثیر المنافع دواء ہے کیونکہ جب اس کا مزاج گرم خشک ہے تو وہ بارد مرطوب بیماریوں ہی کا علاج ہوسکتی ہے، ہر بیماری کا علاج کیسے ہوسکتی ہے؟ اور جب دوسری دوائیں اس کے ساتھ ملا کر استعمال کریں گے تو سارا فائدہ کلونجی کا کہاں رہا، اس میں دوسری دوائیں بھی شریک ہوگئیں۔ اور آیت کریمہ سے استدلال اس لئے درست نہیں کہ طب نبوی کی روایات تبلیغ رسالت کی قسم سے نہیں ہیں، جیسا کہ ابواب الطب کے شروع میں بیان کیا گیا ہے، اور جب ان حضرات نے یہ فرمایا کہ مرض کی رعایت اور قواعد طب کا لحاظ بھی ضروری ہے تو انھوں نے حدیث کو خود ہی خاص کر دیا، کیونکہ اس قید کا مطلب یہ ہے کہ کلونجی صرف انہی امراض میں استعمال کی جاسکتی ہے جو بارد اور مرطوب ہیں، کیونکہ کلونجی کا مزاج حار یابس ہے، اس لئے صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث اگرچہ بظاہر عام ہے مگر حقیقت میں خاص ہے۔ واللہ اعلم

[٥-] باب ماجاء في الحَبَّةِ السَّوْدَاءِ

[٢٠٣٩-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، وَسَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ المَخْزُوْمِيُّ قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيرةَ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الحَبَّةِ السَّوْدَاءِ، فَإِنَّ فِيْهَا شِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ، إِلَّا السَّامَّ" وَالسَّامُ: الْمَوْتُ.

وفي الباب: عَنْ بُرَيْدَةَ، وابنِ عُمَرَ، وَعَائِشَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: السَّامُ کے معنی ہیں: موت، اور یہ معنی امام زہری رحمہ اللہ نے بیان کئے ہیں۔

بابُ ماجاء في شُرْبِ أَبْوَالِ الإِبِلِ

اونٹوں کا پیشاب پینے کا بیان

کتاب الطہارۃ باب ۵۵ (تحفۃ الالمعی ۱: ۳۱۶) میں یہ حدیث گذری ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے، ان کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہیں آئی اور جوی بیماری نے ان کو پکڑ لیا، پس نبی ﷺ نے ان کو زکوۃ کے اونٹوں میں بھیج دیا اور فرمایا: ''اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو'' اور باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جس روایت کا حوالہ ہے وہ ابن المنذر نے مرفوعاً روایت کی ہے: علیکم بأبوالِ الإبلِ، فإنّها نافِعَةٌ لِذَرَبَةِ بُطُوْنِهِمْ: آپ لوگ اونٹوں کا پیشاب لازم پکڑو یعنی اس سے علاج کرو، کیونکہ وہ معدہ کے فساد کا علاج ہے۔

تشریح: اس حدیث کی بنا پر یہ مسئلہ اختلافی ہوا ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کے فضلات پاک ہیں یا ناپاک؟ امام مالک، امام محمد اور امام احمد رحمہم اللہ پاک قرار دیتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام ابویوسف رحمہم اللہ ناپاک کہتے ہیں، اور اس حدیث کو ضرورت اور علاج پر محمول کرتے ہیں، تفصیل جلد اول میں گذر چکی ہے۔

فائدہ: ناپاک یا حرام چیز سے علاج جائز ہے یا نہیں؟ ظاہر روایت یہ ہے کہ جائز نہیں مگر دوسرا قول یہ ہے کہ اگر حرام اور ناپاک میں شفا ہو اور کوئی دوسری دواء معلوم نہ ہو تو گنجائش ہے، اور اسی پر فتوی ہے، شامی میں یہ مسئلہ مصرح ہے۔

[٦-] باب ماجاء في شُرْبِ أَبْوَالِ الإِبِلِ

[٢٠٤٠-] حدثنا الحَسَنُ بنُ مُحمدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ، نَا عَفَّانُ، نَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، نَا حُمَيْدٌ، وَثَابِتٌ، وَقَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوْا المَدِيْنَةَ، فَاجْتَوَوْهَا، فَبَعَثَهُمْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ، وَقَالَ: "اشْرَبُوْا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا"

وفي الباب: عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ أَوْ غَيْرِهِ

زہروغیرہ سے خودکشی کرنے کا بیان

سَمٌّ: کی سین پر تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں، اور کُشی: کاف کے پیش کے ساتھ ہے، کشتن مار ڈالنا سے ماخوذ ہے، کشیدن: کھینچنا سے ماخوذ نہیں، اور خودکشی حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، حدیثوں میں اس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں، کیونکہ جس طرح دوسرے کو قتل کرنا حرام ہے خود کو مار ڈالنا بھی حرام ہے، آدمی نہ اپنی جان کا مالک ہے نہ اعضاء کا کہ جس طرح چاہے ان کے ساتھ معاملہ کرے۔ پھر خودکشی کا فائدہ کچھ نہیں، آدمی سمجھتا ہے کہ میں مرکر مصیبتوں سے نجات پا جاؤں گا حالانکہ آدمی مرکر بھی نہیں مرتا، کیونکہ:

یہ نکتہ سیکھا میں نے بو الحسن سے ❁ کہ روح مرتی نہیں مرگِ بدن سے

حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے یہ بات واضح کی ہے کہ موت بدن سے روح کے جدا ہونے کا نام ہے، پس بدن تو مرتا ہے مگر روح نہیں مرتی، اس کو جسم سے نکلنے کے بعد جزاؤ سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے، پھر خودکشی کرنے سے کیا فائدہ؟ ہوسکتا ہے آگے اور بھی سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے، اس لئے مؤمن کو کبھی یہ حرکت نہیں کرنی چاہئے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ، جاءَ يَوْمَ الْقِيَامَة، وحَدِيْدَتُه في يَده، يَتَوَجَّأُ بها بَطْنَه: في نار جهنمَ خَالِدًا مُخَلَّدا أَبَدًا: جس نے اپنے آپ کو مار ڈالا کسی لوہے سے یعنی چھری تلوار وغیرہ سے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا، وہ اس سے اپنے پیٹ کو بھونکے گا: وہ دوزخ کی آگ میں لمبے عرصہ تک رہے گا، بہت دنوں تک رہے گا، ہمیشہ ہمیش رہے گا!

۲- ومَن قَتَلَ نفْسَه بِسَمٍّ، فَسَمُّه في يده، يَتَحَسَّاه: في نار جهنمَ خالداً مُخَلَّداً أَبَدًا: اور جس نے اپنے آپ کو مار ڈالا کسی زہر سے تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا، وہ اس کو گھونٹ گھونٹ پیئے گا: وہ دوزخ کی آگ میں لمبے عرصہ تک رہے گا، بہت دنوں تک رہے گا، ہمیشہ ہمیش کے لئے رہے گا۔

تشریح: یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟ عَبیدۃ بن حُمید کو شک ہے، وہ کہتے ہیں: أُراه رَفَعَهَ: میرا گمان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے، لیکن آگے اعمشؒ کے دوسرے تلامذہ کی جو سندیں آرہی ہیں ان میں یہ حدیث بالاتفاق مرفوع ہے۔

حدیث (۲): یہ اعمشؒ کے تلمیذ شعبہؒ کی روایت ہے، اس میں دو باتیں تو وہی ہیں جو پہلی حدیث میں ہیں، اور تیسری بات یہ ہے:

۳- وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ، فَقَتَلَ نَفْسَه، فهو يَتَرَدَّى: في نارِ جهنمَ، خالداً مُخلَّدًا فيها أبَدًا: اور جو شخص کسی پہاڑ سے گرا، پس اس نے اپنے آپ کو مارڈالا تو وہ پہاڑ سے گرے گا: وہ دوزخ کی آگ میں لمبے عرصہ تک رہے گا، بہت دنوں تک رہے گا، ہمیشہ ہمیش کے لئے رہے گا۔

تشریح: اس حدیث کو اعمشؒ سے وکیع اور ابو معاویہ بھی شعبہ کی طرح روایت کرتے ہیں، یعنی وہ حدیث کو بالیقین مرفوع کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ صحیح حدیث ہے، اور پہلی حدیث سے صحیح تر ہے، اعمش کے دیگر متعدد تلامذہ نے بھی یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے، پس عبیدہ کو جو حدیث کے مرفوع ہونے میں شک تھا وہ صحیح نہیں، یہ حدیث بالیقین مرفوع ہے۔

حدیث (۳): اور مذکورہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور سند سے بھی مروی ہے: محمد بن عجلان: سعید مقبری سے، اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے، اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: من قَتَلَ نَفْسَه بِسَمٍّ عُذِّبَ في نَارِ جهنمَ: جس نے اپنے آپ کو کسی زہر سے مارڈالا وہ دوزخ کی آگ میں سزا دیا جائے گا، اس حدیث میں خالِداً مُخَلَّدًا فيها أبداً نہیں ہے، اور یہ حدیث اسی طرح ابو الزناد: عبد الرحمٰن بن ہرمز اعرج سے، وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے، اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، یعنی ابو الزناد کی سند سے بھی حدیث میں خالدا مخلدا فيها أبدا نہیں ہے۔

اور امام ترمذیؒ کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ تیسری روایت صحیح ترین ہے، جس میں خالداً مخلداً فيها أبداً نہیں ہے، کیونکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ گنہ گار مؤمنین دوزخ میں جائیں گے، مگر بعد میں وہ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے، اور کسی روایت میں یہ بات نہیں آئی کہ مؤمنین ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہیں گے، اس لئے صحیح روایت یہ تیسری ہے، جس میں خالداً مخلداً فيها أبدا نہیں ہے۔

حدیث (۴): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے گندی دواء سے یعنی زہر کے ذریعہ علاج کرنے سے منع فرمایا۔

تشریح: یہ حدیث اس باب میں لاکر اشارہ کیا کہ زہر کے ذریعہ خودکشی کرنا عام ہے، خواہ مرنے کے لئے زہر پیا ہو، یا علاج کے طور پر زہر پیا ہو اور مرگیا ہو، دونوں صورتوں میں خودکشی کرنے کا گناہ ہوگا، کیونکہ خطرناک دوائیں ماہر حکیم کے مشورے کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں، بے احتیاطی کی صورت میں حکیم اور بیمار دونوں کو قتل نفس کا گناہ ہوگا، مگر اس حدیث میں دوائے خبیث کی تفسیر زہر سے متعین نہیں کیونکہ یہ تفسیر یا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کی ہے یا نیچے کے کسی راوی نے کی ہے بہر حال حدیث کا جز نہیں اور حرام اور ناپاک دواء سے بھی اس کی تفسیر کی جاسکتی ہے، پس حدیث عام ہوگی، زہر کے ساتھ خاص نہ رہے گی۔

فائدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان سے ان کے تین شاگرد روایت کرتے ہیں، ابو صالح ذکوان، سعید مقبری اور عبد الرحمٰن بن ہرمز اعرج، پھر اعرج سے ابو الزناد روایت کرتے ہیں، یہ روایت بخاری (حدیث ۱۳۶۵) میں ہے، اس میں: خالداً مخلداً فیھا أبدا نہیں ہے، اور سعید مقبری سے محمد بن عجلان روایت کرتے ہیں، اس میں بھی یہ بات نہیں ہے۔

اور ابو صالح ذکوان سے سلیمان اعمش روایت کرتے ہیں، پھر ان سے چار تلامذہ روایت کرتے ہیں: (۱) عبیدۃ بن حمید، جن کو حدیث کے مرفوع ہونے میں شک ہے، باقی تین تلامذہ حدیث کو بالیقین مرفوع کرتے ہیں اور اس حدیث کا مرفوع ہونا ہی صحیح ہے (۲) اور شعبہ کی حدیث بخاری (حدیث ۵۷۷۸) میں اور نسائی (حدیث ۱۹۶۵) میں ہے (۳) اور ابو معاویہ کی حدیث ابو داؤد (حدیث ۳۸۷۳) میں اور مسند احمد (۲:۲۵۴) میں ہے (۴) اور وکیع کی روایت مسلم (حدیث ۱۰۹) اور ابن ماجہ (حدیث ۳۴۶۰) میں ہے، ان تمام روایات میں خالداً مخلداً فیھا أبداً ہے، پس ان سب روایات کو جن میں سے بعض متفق علیہ ہیں غیر صحیح کہنا جیسا کہ امام ترمذیؒ نے کہا ہے: ممکن نہیں، اس لئے اشکال اپنی جگہ باقی ہے۔

اور اسی قسم کی روایات سے گمراہ فرقوں (معتزلہ وغیرہ) نے استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس لئے اہل السنۃ والجماعۃ نے اس قسم کی روایات کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

پہلا جواب: یہ حدیث مستحل کے بارے میں ہے، یعنی جو شخص خودکشی وغیرہ گناہوں کو حلال سمجھ کر کرتا ہے وہ کافر ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، مگر اس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ ہر گناہ کو حلال سمجھنا کفر نہیں ہے، بلکہ صرف اس گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے جس کی حرمت لعینہ ہو اور اس کا ثبوت ایسی دلیل قطعی سے ہو جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو، اور خودکشی اگرچہ حرام ہے مگر اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت نہیں، اور ارشاد پاک: ﴿لَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ﴾ اگرچہ نص قطعی ہے مگر ظنی الدلالۃ ہے، أنفس سے مراد دیگر مؤمنین بھی ہوسکتے ہیں، أی لا یقتل بعضُکم بعضاً اور أنفسکم سے ان کو اس لئے تعبیر کیا ہے کہ سب مؤمنین کنفسٍ واحدۃ ہیں۔

دوسرا جواب: خلود سے مکثِ طویل مراد ہے۔ خَلَدَ بالمکان کے معنی ہیں: دیر تک قیام کرنا، اور خَلَّدَہ کے معنی ہیں: عمر بھر قید رکھنا، سورۃ النساء آیت ۹۳ میں کسی مسلمان کو قصداً قتل کرنے والے کے بارے میں ﴿فَجَزَاءُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا﴾ آیا ہے یعنی اس کی سزا جہنم ہے جس میں اس کو ہمیشہ رہنا ہوگا، اس آیت کی تفسیر مکثِ طویل سے کی گئی ہے، یعنی خلود سے لمبی مدت تک جہنم میں رہنا مراد ہے۔ اور الأبد مطلق زمانہ کے لئے بھی آتا ہے، کہا جاتا ہے: طَالَ الأَبَدُ علی لُبَدٍ: یعنی اس پر ایک طویل زمانہ گذر چکا ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہ وعید کی حدیث ہے اور زجر و توبیخ کے طور پر وارد ہوئی ہے، یعنی اس گناہ کی اصل سزا تو یہی ہے مگر دیگر نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ مؤمنین پر یہ سزا جاری نہیں ہوگی، جس شخص میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ کسی

نہ کسی دن جہنم سے نکال لیا جائے گا، کیونکہ تمام اہل حق متفق ہیں کہ بجز کفر وشرک کے کوئی امر موجب خلود فی النار نہیں۔ امام ترمذیؒ نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔ لأنَّ الروايات إلى آخره: ترجمہ: اس لئے کہ روایات صرف اس طرح آئی ہیں کہ اہل توحید دوزخ میں سزا دیئے جائیں گے پھر وہ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے اور (روایات میں) ذکر نہیں کیا جاتا کہ مؤمنین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ غایت بیان کئے بغیر سزا کا ذکر ہے۔

[٧-] بابُ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ أَوْ غَيْرِهِ

[٢٠٤١-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، نَا عَبِيْدَةُ بنُ حُمَيْدٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرة — أُرَاهُ رَفَعَهُ — قَالَ: "مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَحَدِيْدَتُهُ فِيْ يَدِهِ، يَتَوَجَّأُ بِهَا بَطْنَهُ: فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ، فَسَمُّهُ فِيْ يَدِهِ، يَتَحَسَّاهُ: فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا"

[٢٠٤٢-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلاَنَ، نَا أَبُوْ دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ، فَحَدِيْدَتُهُ فِيْ يَدِهِ، يَجَأُ بِهَا فِيْ بَطْنِهِ: فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ، فَسَمُّهُ فِيْ يَدِهِ، يَتَحَسَّاهُ: فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَهُوَ يَتَرَدَّى: فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا"

حدثنا مُحَمَّدُ بنُ العَلاَءِ، نَا وَكِيْعٌ، وأَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ حَدِيْثِ شُعْبَةَ عَنِ الأَعْمَشِ.

هٰذَا حديثٌ صحيحٌ، وَهُوَ أَصَحُّ مِنَ الحَدِيْثِ الأَوَّلِ، هٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الحديثَ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[٢٠٤٣-] وَرَوَى مُحمدُ بنُ عَجْلاَنَ، عَنْ سَعِيْدٍ المَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ عُذِّبَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ" وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: "خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا"

وَهٰكَذَا رَوَاهُ أَبُوْ الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهٰذَا أَصَحُّ، لِأَنَّ الرِّوَايَاتِ إِنَّمَا تَجِيْئُ بِأَنَّ أَهْلَ التَّوْحِيْدِ يُعَذَّبُوْنَ فِي النَّارِ، ثُمَّ يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا، وَلاَ يُذْكَرُ: "أَنَّهُمْ يُخَلَّدُوْنَ فِيْهَا"

[٢٠٤٤-] حدثنا سُوَيْدُ بنُ نَصْرٍ، نَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُوْنُسَ بنِ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الدَّوَاءِ الخَبِيْثِ، يَعْنِيْ السَّمَّ.

ملحوظہ: خبیث دواء کی تفسیر زہر سے یا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے یا نیچے کے کسی راوی نے کی ہے اور یہ تفسیر متعین نہیں، حرام سے بھی تفسیر کی جاسکتی ہے۔

بابُ ماجاء فی کَرَاھِیَۃِ التَّدَاوِیْ بِالْمُسْکِرِ

نشہ آور چیز سے علاج کرانے کی ممانعت

ابواب الاشربہ کے شروع میں یہ حدیث گذری ہے کہ: کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ: ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور حرام اور ناپاک چیز سے علاج کے بارے میں ظاہر روایت یہ ہے کہ وہ ممنوع ہے، لیکن اگر نشہ آور چیز میں علاج منحصر ہو، اور دوسرا کوئی علاج معلوم نہ ہو تو مجبوری میں حرام اور ناپاک چیز سے بھی علاج کرانے کی گنجائش ہے، اور شامی میں ہے کہ اسی قول پر فتوی ہے۔

حدیث: حضرت طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے خمر (انگوری شراب) کے بارے میں پوچھا: آپؐ نے ان کو منع کیا، انھوں نے عرض کیا: ہم خمر سے علاج کرتے ہیں، یعنی اس کو دواء کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: إنَّھَا لَیْسَتْ بِدَوَاءٍ، ولکنّھا داءٌ: وہ علاج نہیں ہے، بلکہ وہ آفت ہے، یعنی جب اس کی عادت پڑ جاتی ہے تو پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے، جیسے پیسا ہوا تمبا کو دانتوں میں ملنا: عادی بنا دیتا ہے، پھر اس کے لئے آدمی بے چین رہتا ہے۔

تشریح: یہ حدیث اگر خمر (انگوری شراب) کے بارے میں ہے تو کسی تاویل کی حاجت نہیں، کیونکہ انگوری شراب قطعاً حرام ہے، اور اگر یہ حدیث ہر مُسکر کے بارے میں ہے جیسا کہ ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے تو پھر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے تصورات میں شراب میں ذاتی شفاء تھی: اس کی نفی کی ہے کہ خمر دواء نہیں، یعنی اس میں ذاتی شفا نہیں، بلکہ وہ بیماری ہے یعنی بلاء ہے، کیونکہ اس کی عادت بہت بری ہے۔

فائدہ: چار قسم کی شرابیں بالاتفاق ناپاک اور حرام ہیں، وہ چار یہ ہیں: (۱) انگور کی کچی شراب (۲) اور انگور کی پکی شراب (۳) اور منقی کی شراب (۴) اور کھجور کی شراب، ان کا ایک قطرہ بھی حرام ہے، گھر میں رکھنا اور کسی کام میں لانا جائز نہیں۔

اور دیگر نشہ آور چیزوں میں سے جو خشک ہیں وہ پاک ہیں، اور شدید ضرورت کے وقت علاج کے طور پر طبیب کے مشورہ سے اتنی مقدار کھانا جس سے نشہ نہ ہو درست ہے، اور جو نشہ آور چیزیں سیّال ہیں یعنی رقیق ہیں جن کو شراب کہتے ہیں، ان میں سے مذکورہ چار شرابیں تو قطعی حرام ہیں، اور ان کے علاوہ کا حکم یہ ہے کہ بعض روایات سے ان کا بھی حرام اور نجس ہونا معلوم ہوتا ہے، اور بعض روایات سے ان کا پاک ہونا اور دواء کے طور پر اتنی مقدار پینا

جس سے نشہ نہ ہو جائز ہونا معلوم ہوتا ہے، اور جس چیز کی حلت وحرمت میں اختلاف ہو: مسلمان کی طبیعت اسے قبول نہیں کرسکتی، لیکن عموم بلوی ایسی چیز ہے جس سے فتوی میں ایسے موقع پر گنجائش نکلتی ہے، اور یہاں سے تمام انگریزی ادویات کا حکم نکل آیا، تمام انگریزی ادویات میں اسپرٹ ملی ہوئی ہوتی ہے، اگر وہ مذکورہ چار شرابوں کے علاوہ دیگر شرابوں سے بنی ہوئی ہو تو ایسی اسپرٹ ملی ہوئی دواء کا شیخین کے نزدیک استعمال جائز ہے (اس کی مفصل بحث بہشتی زیور حصہ نہم ص:۱۰۱-۱۰۳ میں ہے)

[۸-] باب ماجاء فی كَرَاهِيَةِ التَّدَاوِیْ بِالْمُسْكِرِ

[۲۰۴۵-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا أَبُوْ دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سِمَاكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بنَ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ شَهِدَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، وَسَأَلَهُ سُوَيْدُ بنُ طَارِقٍ، أَوْ: طَارِقُ بنُ سُوَيْدٍ، عَنِ الْخَمْرِ؟ فَنَهَاهُ: فَقَالَ: إِنَّا لَنَتَدَاوَى بِهَا، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّهَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ، وَلٰكِنَّهَا دَاءٌ"

حدثنا محمودٌ، نا النَّضْرُ، وَشَبَابَةُ، عَنْ شُعْبَةَ بِمِثْلِهِ، قَالَ مَحْمُوْدٌ: قَالَ النَّضْرُ: طَارِقُ بنُ سُوَيْدٍ، وَقَالَ شَبَابَةُ: سُوَيْدُ بنُ طَارِقٍ؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: شَهِدَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم: حضرت وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری موجودگی میں نبی ﷺ سے یہ بات پوچھی گئی کیونکہ پوچھنے والے صحابی حضرمی تھے، یعنی حضرت وائل کے ہم وطن تھے، ان کا نام طارق بن سوید ہے، اور بعض راوی اس کے برعکس سوید بن طارق کہتے ہیں۔

بابُ ماجاء فی السَّعُوْطِ وَغَيْرِهِ

ناک میں دواٹپکانے وغیرہ علاج کا بیان

لغات: السَّعوط (بفتح السین) اسم ہے، ناک میں ڈالنے کی دواء، اور السُّعوط (بضم السین) مصدر ہے۔ سَعَطَ الدَّوَاءَ: ناک میں دواء چڑھانا (یہ فرق الطَّهور اور الطُّهور کی طرح ہے) لَدود (بفتح اللام) اسم ہے، منہ میں زبان کی ایک جانب سے ڈالنے کی دواء، لُدُوْد (بضم اللام) مصدر ہے، لَدَّ المریضَ: بیمار کی زبان ایک طرف کرکے دوسری جانب دواء ڈالنا...... الحِجامة: پچھنے لگانا، سینگی لگانا، یعنی سینگی کے ذریعہ خراب خون چوسنا...... المَشِيُّ: مسہل دواء، أَمْشَى الدواءُ فلاناً: دواء سے کسی کو دست آنا، اسْتَمْشَى فلانٌ اور استَمْشَى بالدواء: مسہل (دست آور) دوا لینا، جُلّاب لینا...... تَدَاوَى: دواء لینا، اپنا علاج کرنا...... جَلَا يَجْلُوْ بَصَرَه بِالْكُحْلِ: نگاہ کو سرمہ

سے صاف کرنا، جلا دینا...... المُکْحُلَۃُ: سرمہ دانی، إِکْتَحَلَ الرجلُ: سرمہ لگانا۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک وہ چیزیں جن سے آپ لوگ علاج کرتے ہیں: ان میں بہترین: ناک میں دواء ڈالنا، اور گوشۂ فم میں دواء ڈالنا اور سینگی لگانا اور مُسہل لینا ہے، چنانچہ جب صحابہ نے آپؐ کے گوشۂ فم میں دواء ڈالی، اور وہ نمٹ گئے تو آپؐ نے فرمایا: سب کے گوشۂ فم میں دواء ڈالی جائے، راوی کہتا ہے: پس سبھی کے گوشۂ فم میں دواء ڈالی گئی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ۔

تشریح:

۱- دماغی بیماریوں کے لئے ناک میں دواء ڈالنا بہترین علاج ہے، رہی یہ بات کہ کس دماغی بیماری میں کونسی دواء ناک میں ٹپکائی جائے، یہ بات لوگ جانتے تھے، اس لئے حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں آیا، اور آج بھی بہت سے لوگ جانتے ہیں یا طب کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور اس کے مطابق حکیم علاج کرتے ہیں۔

ایک واقعہ: میرے ابا قدس سرہ نے بیان کیا کہ ایک بیل رات بھر کھونٹے سے سر کوٹتا تھا، اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے، اتفاق سے ایک ہالی (ہل چلانے والا) آیا، ابا نے اس سے تذکرہ کیا کہ یہ بیل رات بھر کھونٹے سے سر کوٹتا ہے، ہالی کھیت میں گیا اور ایک پودا لایا، اور اس کو کوٹ لیا، پھر اس نے ابا سے کہا: بیل کے منہ کو اوپر پکڑے رہو، اور اس نے وہ کوٹا ہوا پودا ہتھیلیوں میں لے کر دونوں نتھنوں میں نچوڑا، بیل نے بہت ہچر مچر کی مگر ابا نے نہیں چھوڑا، پھر جب ہالی نے کہا: اب چھوڑ دو تو بیل نے ایک زوردار چھینک لی اور اس کی ناک سے ایک مینڈ کی نکلی، پانی پیتے ہوئے دماغ میں چڑھ گئی ہوگی، اس کے بعد بیل ٹھیک ہو گیا۔

۲- اور نمونیا وغیرہ میں زبان ایک طرف کر کے دوسری جانب دواء ڈالتے ہیں، اس کا نام لُدود ہے، یہ بھی بہترین طریقۂ علاج ہے۔ نبی ﷺ جب آخری مرتبہ بیمار ہوئے تو لوگوں کو خیال ہوا کہ آپؐ کو نمونیا ہو گیا ہے، حالانکہ آپؐ کو یہ بیماری نہیں تھی، بلکہ اس زہر کا اثر لوٹ آیا تھا جو آپؐ کو خیبر میں دیا گیا تھا، صحابہ اپنے خیال کے مطابق لدود کرنا چاہتے تھے، آپؐ نے منع فرمایا، پھر آپؐ کو غشی سی طاری ہو گئی تو گھر والے بے چین ہو گئے اور انھوں نے لدود کیا، جب آپؐ ہوش میں آئے تو آپؐ نے منہ میں دواء کا اثر محسوس کیا۔ آپؐ سخت ناراض ہوئے، اور فرمایا: مجھے کس نے لدود کیا؟ سب خاموش رہے، آپؐ نے فرمایا: گھر میں جتنے ہیں سب کے منہ میں دواء ڈالی جائے، چنانچہ سب کے منہ میں دواء ڈالی گئی، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا روزے سے تھیں پھر بھی ان کا لدود کیا گیا، صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا گیا، کیونکہ آپؐ نے ان کو مستثنیٰ کیا تھا اور اس کی وجہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ آئی ہے کہ وہ دواء پلانے میں شریک نہیں تھے، غرض اس طرح آپؐ نے سب کو لدود کروا کر اپنا انتقام لے لیا، ورنہ اپنے حبیب ﷺ کا انتقام اللہ تعالیٰ لیتے اور معلوم نہیں کیا سزا ملتی، اب سستے چھوٹ گئے۔

۳-سینگی لگانا فسادِ خون کا بہترین علاج ہے، مگر گرم خشک ممالک ہی میں یہ علاج مفید ہے، بارد اور مرطوب خطوں میں یہ علاج مفید نہیں، جب خون میں زیادتی ہوتی ہے تو جسم کی خاص حصوں میں سینگی لگاتے ہیں اور خون چوس کر نکالتے ہیں، اس سے خون کا پریشر کم ہوجاتا ہے، اور خون کی بہت سی بیماریوں سے حفاظت ہوجاتی ہے۔

۴-مسہل لینا بھی بہترین طریقہ علاج ہے، مگر لوگ اس کی اہمیت نہیں جانتے، حالانکہ مہینہ میں ایک مرتبہ کوئی ہلکا مسہل لیا جائے تو پیٹ صاف ہوجائے گا اور معدہ کی بیماریوں سے حفاظت ہوجائے گی۔

میرے استاذ حضرت شیخ محمود عبدالوہاب محمود قدس سرہ جامعہ ازہر کی طرف سے **دارالعلوم دیوبند** میں مبعوث تھے، میں ان کا خادم تھا، اور میں نے سبع طول انہی سے حفظ کی ہیں، وہ مہینہ میں ایک مرتبہ مسہل ضرور لیتے تھے، ان کے پاس کوئی سفید پاوڈر تھا، رات کو اس کی ایک مقدار گھول کر پی لیتے تھے، صبح چار پانچ دست آجاتے تھے، میں نے دو سال ان کی خدمت کی ہے، مجھے یاد نہیں کہ کبھی ان کو حکیم یا ڈاکٹر کے یہاں جانا پڑا ہو۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ به اللَّدُوْدُ، والسَّعُوْطُ، وَالْحِجَامَةُ، وَالْمَشِيُّ: آپ لوگ جن طریقوں سے علاج کرتے ہو ان میں بہترین طریقے گوشۂ فم میں دواء ڈالنا، ناک میں دواء ٹپکانا، سینگی لگانا اور مسہل لینا ہے۔

۲-وَخَيْرَ مَا اكْتَحَلْتُمْ به الإِثْمِدُ، فَإِنَّه يَجْلُوْ البصرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ: اور وہ سرمے جن کو آپ لوگ آنکھ میں ڈالتے ہو ان میں بہترین اثمد ہے، پس بیشک وہ نگاہ کو جلا دیتا ہے اور پلکوں کے بالوں کو اگاتا ہے۔

۳-ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے آپ سوتے وقت ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں ڈالتے تھے۔

ملحوظہ: نمبر۲ اور۳ کی تفصیل ابواب اللباس (باب ۲۳) میں گذر چکی ہے اور شمائل (ص:۵) میں بھی یہ روایت ہے۔

[۹-] باب ماجاء في السَّعُوْطِ وَغَيْرِه

[۲۰۴۶-] حدثنا مُحمدُ بنُ مَدُّوْيَهْ، نَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ حَمَّادٍ، نَا عَبَّادُ بنُ مَنْصُوْرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ خَيْرَ مَاتَدَاوَيْتُمْ بِهِ السَّعُوْطُ، وَاللَّدُوْدُ، وَالحِجَامَةُ، وَالمَشِيُّ" فَلَمَّا اشْتَكَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَدَّهُ أَصْحَابُهُ، فَلَمَّا فرَغُوْا، قَالَ: " لُدُّوْهُمْ" قَالَ: فَلُدُّوْا كُلُّهُمْ غَيْرَ العَبَّاسِ.

[۲۰۴۷-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ، نَايَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، نَا عَبَّادُ بنُ مَنْصُوْرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ: اللَّدُوْدُ، وَالسَّعُوْطُ،

وَالْحِجَامَةُ، وَالْمَشِيُّ، وَخَيْرَ مَا اكْتَحَلْتُمْ بِهِ الإِثْمِدُ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ" قَالَ: وَكَانَ رَسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَهُ مُكْحُلَةٌ، يَكْتَحِلُ بِهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلاَثًا فِي كُلِّ عَيْنٍ"
هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَهُوَ حَديثُ عَبَّادِ بنِ مَنْصُوْرٍ.

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ الكَيِّ

گرم لوہے سے داغنے کی ممانعت

الکَیُّ اور الکَیَّۃُ مصدر ہیں، کَوَاہُ یَکْوِیْ: لوہا تپا کر کھال کو داغنا، اسی سے کپڑوں کی پریس کو المِکْوَاۃُ کہتے ہیں، گذشتہ زمانہ میں کچھ بیماریوں کا علاج داغنا تھا، اور یہ نہایت تکلیف دہ علاج تھا، اگرچہ سُن کرنے والی دواء لگا کر داغتے تھے مگر جب سُن کرنے والی دواء کا اثر ختم ہوجاتا تھا تو بے چین کرنے والی تکلیف شروع ہوجاتی تھی۔ اس لئے نبی ﷺ نے علاج کے اس طریقہ سے منع فرمایا۔ پہلے باب میں ممانعت کی روایت ہے، مگر آپؐ نے متعدد مرتبہ اس طریقہ سے علاج کیا بھی ہے، دوسرے باب میں یہ روایت ہے، پس نہایت سخت مجبوری میں یہ علاج کرنا چاہئے، اور اگر دوسرا متبادل علاج موجود ہو تو یہ علاج نہیں کرنا چاہئے، یہ سخت تکلیف دہ علاج ہے، اور یہی حکم خطرناک آپریشن کا ہے، جب کوئی چارہ نہ رہے تو ایسا آپریشن کرانا چاہئے، اور اگر کوئی متبادل طریقہ ہو تو ایسے خطرناک آپریشن سے بچنا چاہئے، کیونکہ علاج سنت ہے، مگر کوئی خاص طریقۂ علاج سنت نہیں، اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔

حدیث (۱): حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے گرم لوہے سے داغنے سے منع فرمایا، حضرت عمرانؓ کہتے ہیں: مگر ہم مصیبت میں پھنس گئے (ان کو بواسیر تھی) پس ہم نے گرم لوہے سے دغوایا، مگر ہم کامیاب نہ ہوئے، اور نہ ہم بامراد ہوئے (فلاح ونجاح ہم معنی ہیں) یعنی دغوانا بے فائدہ رہا۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ کے بدن پر نکلنے والی تکلیف دہ سرخ پھنسیوں کو نبی ﷺ نے گرم لوہے سے داغا تھا۔

تشریح: حضرت اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے بعد جلدی انتقال ہوگیا تھا، اس لئے اسلامی تاریخ میں ان کا نام نہیں ابھرا، ورنہ ان کا مقام بہت بلند تھا، ان کی سعی سے جمعہ شروع ہوا ہے، اور ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ کے مسلمانوں کے سرپرست آپ ہی تھے، آپ کو الشَّوکۃ: کا عارضہ تھا، یعنی منہ اور بدن پر تکلیف دہ سرخ پھنسیاں ہوگئی تھیں، اور ان کا علاج داغنا ہی تھا، اس لئے نبی ﷺ نے ان کو داغا تھا، اسی طرح حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی غزوۂ احزاب میں بازو کی رگ کٹ گئی تھی، نبی ﷺ نے خون بند کرنے کے لئے ان کو دو مرتبہ داغا تھا، غرض جب کوئی علاج نہ رہے تو یہ خطرناک علاج اختیار کیا جاسکتا ہے۔

[۱۰-] باب ماجاء في كَرَاهِيَةِ الْكَيِّ

[۲۰۴۸-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ الْكَيِّ، قَالَ: فَابْتُلِيْنَا، فَاكْتَوَيْنَا، فَمَا أَفْلَحْنَا وَلَا أَنْجَحْنَا، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۲۰۴۹-] حدثنا عَبْدُ الْقُدُّوْسِ بنُ مُحمدٍ، نَا عَمْرُو بنُ عَاصِمٍ، نَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الحَسَنِ، عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: نُهِيْنَا عَنِ الْكَيِّ.

وفي الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۱-] باب ماجاء في الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

[۲۰۵۰-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، نَايَزِيْدُ بنُ زُرَيْعٍ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَوَى أَسْعَدَ بنَ زُرَارَةَ مِنَ الشَّوْكَةِ.

وفي الباب: عَنْ أُبَيٍّ، وَجَابِرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء في الْحِجَامَةِ

پچھنے لگوانے کا بیان

سینگی لگوانا فسادِ خون کا بہترین علاج ہے، رہی یہ بات کہ سینگی جسم کے کس حصہ میں لگائی جائے؟ اور کن بیماریوں میں لگائی جائے؟ اور کن تاریخوں میں لگائی جائے؟ یہ باتیں اس فن کے ماہرین جانتے ہیں، ہمارے یہاں چونکہ یہ طریقہ رائج نہیں اس لئے ہم تفصیلات نہیں جانتے۔

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ گردن کی ہر دو جانب کی رگوں میں اور مونڈھے میں پچھنے لگواتے تھے، اور چاند کی سترہ، انیس اور اکیس تاریخوں میں لگواتے تھے۔

لغات: الأَخْدَع: گردن کی دونوں جانبوں میں دو پوشیدہ رگوں میں سے ایک...... الکاھل: کندھا، مونڈھا۔

حدیث (۲): حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اس رات کا تذکرہ کیا جس میں آپؐ کو معراج میں لے جایا گیا۔ آپؐ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گذرے انھوں نے آپؐ کو حکم دیا کہ آپؐ اپنی امت کو سینگی لگانے کا حکم دیں۔

تشریح: ملائکہ انسانوں کی مصلحت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اور یہ مضمون تفصیل سے حضرت شاہ ولی اللہ

صاحب قدس سرہ نے بیان فرمایا ہے، ملائکہ کی توجہات ہمیشہ انسانوں کی طرف مبذول رہتی ہے، چنانچہ انھوں نے نبی ﷺ کے ذریعہ مؤمنین کو یہ خیر کی بات بتلائی، اور یہ حدیث قاسم بن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم نہیں ہیں جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے تھے، بلکہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔

حدیث (۳): یہ طویل روایت ہے، اس میں چھ باتیں ہیں:

۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تین سینگی لگانے والے غلام تھے، ان میں سے دو سینگی لگانے کا پیشہ کرتے تھے، اور اجرت لاکر حضرت ابن عباسؓ کو اور ان کے گھر والوں کو دیتے تھے، اور ایک غلام ان کو اور ان کے گھر والوں کو سینگی لگایا کرتا تھا، یعنی وہ اس کام کے لئے ریزرو تھا۔

۲- عکرمہ کہتے ہیں: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سینگی لگانے والا غلام بہترین غلام ہے، خون لے جاتا ہے اور پیٹھ ہلکی کرتا ہے، اور نگاہ کو جلا بخشتا ہے (یہ سینگی لگانے کے تین اہم فائدے ہیں)

۳- اور ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ جب نبی ﷺ کو معراج میں لے جایا گیا تو آپؐ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گذرے تو انھوں نے کہا: آپ سینگی لگانے کو لازم پکڑیں۔

۴- اور نبی ﷺ نے فرمایا: وہ دن جن میں تم سینگی لگواتے ہو: ان میں بہترین دن سترہ، انیس اور اکیس تاریخیں ہیں۔

۵- اور نبی ﷺ نے فرمایا: وہ علاج جو آپ لوگ کرتے ہیں، ان میں بہترین ناک میں دواء ٹپکانا، گوشۂ فم میں دواء ڈالنا، سینگی لگوانا اور مسہل لینا ہے۔

۶- اور حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کے منہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے دواء ڈالی۔ آپؐ نے پوچھا: میرے منہ میں کس نے دواء ڈالی؟ سب خاموش رہے، پس آپؐ نے فرمایا: کوئی باقی نہ رہے ان لوگوں میں سے جو گھر میں ہیں، مگر اس کے منہ میں دواء ڈالی جائے، آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے علاوہ امام لغت نضر بن شمیلؒ نے جو اس حدیث کے راوی ہیں، لدود کے معنی وَجُور کئے ہیں، مگر یہ تفسیر صحیح نہیں، وَجور کے معنی ہیں: منہ کے درمیان میں دواء ڈالنا، کبھی مریض کا منہ کسی وجہ سے بند ہوجاتا ہے تو منہ کے بیچ میں دواء ڈالی جاتی ہے، اس کو وَجور کہتے ہیں، اور لدود: زبان ایک طرف کر کے دوسری جانب دواء ڈالنے کا نام ہے۔

تشریح: یہ بات کہ نبی ﷺ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے لدود کیا تھا صحیح نہیں، متفق علیہ روایت میں یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت عباسؓ موجود نہیں تھے، اور نبی ﷺ نے ان کا استثناء اسی بنا پر کیا تھا کہ وہ اس موقعہ پر موجود نہیں تھے۔

[١٢-] باب ماجاء في الحِجَامَةِ

[٢٠٥١-] حدثنا عَبْدُ الْقُدُّوْسِ بنُ مُحمدٍ، نَا عَمْرُو بنُ عَاصِمٍ، نَا هَمَّامٌ، وَجَرِيْرُ بنُ حَازِمٍ، قَالاَ: نَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَحْتَجِمُ فِيْ الْأَخْدَعَيْنِ، وَالْكَاهِلِ، وَكَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ، وَتِسْعَ عَشْرَةَ، وَإِحْدَى وَعِشْرِيْنَ.

وفي الباب: عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، وَمَعْقِلِ بنِ يَسَارٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

[٢٠٥٢-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ بُدَيْلِ بنِ قُرَيْشٍ اليَامِيُّ الْكُوْفِيُّ، نَا مُحمدُ بنُ فُضَيْلٍ، نَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ إِسْحَاقَ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ - هُوَ ابنُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ - عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: حَدَّثَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ لَيْلَةٍ أُسْرِيَ بِهِ: أَنَّهُ لَمْ يَمُرَّ عَلَى مَلَأٍ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ إِلَّا أَمَرُوْهُ: أَنْ مُرْ أُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ مَسْعُوْدٍ.

[٢٠٥٣-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، نَا النَّضْرُ بنُ شُمَيْلٍ، نَا عَبَّادُ بنُ مَنْصُوْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ، قَالَ:

[١-] كَانَ لابْنِ عَبَّاسٍ غِلْمَةٌ ثَلاَثَةٌ حَجَّامُوْنَ، فَكَانَ اثْنَانِ يُغِلَّانِ عَلَيْهِ، وَعَلَى أَهْلِهِ، وَوَاحِدٌ يَحْجِمُهُ وَيَحْجِمُ أَهْلَهُ.

[٢-] قَالَ: وَقَالَ ابنُ عَبَّاسٍ: قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ: "نِعْمَ العَبْدُ الْحَجَّامُ، يَذْهَبُ بِالدَّمِ، وَيُخِفُّ الصُّلْبَ، وَيَجْلُوْ عَنِ الْبَصَرِ"

[٣-] وَقَالَ: إِنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ عُرِجَ بِهِ، مَامَرَّ عَلَى مَلَاءٍ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ إِلَّا قَالُوْا: عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ.

[٤-] وَقَالَ: "إِنَّ خَيْرَ مَا تَحْتَجِمُوْنَ فِيْهِ: يَوْمُ سَبْعَ عَشْرَةَ، وَيَوْمُ تِسْعَ عَشْرَةَ، وَيَوْمُ إِحْدَى وَعِشْرِيْنَ"

[٥-] وَقَالَ: "إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ السَّعُوْطُ، وَاللَّدُوْدُ، وَالْحِجَامَةُ، وَالْمَشِيُّ"

[٦-] وَإِنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَدَّهُ العَبَّاسُ وَأَصْحَابُهُ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ لَدَّنِيْ؟" فَكُلُّهُمْ أَمْسَكُوْا فَقَالَ: "لَايَبْقَى أَحَدٌ مِّمَنْ فِيْ الْبَيْتِ إِلَّا لُدَّ، غَيْرُ عَمِّهِ العَبَّاسِ" قَالَ النَّضْرُ: اللَّدُوْدُ: الوَجُوْرُ.

وفي الباب: عَنْ عَائشةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبَّادِ بنِ مَنْصُوْرٍ.

بابُ ماجاء فی التَّدَاوِیْ بِالْحِنَّاءِ

مہندی سے علاج کرنا

مہندی انار جیسا ایک درخت ہے، اس کے پتے سنا کے پتوں کے مشابہ ہیں، ان کو پیس کر عورتیں ہاتھوں پر لگاتی ہیں، جس سے سرخ رنگ پیدا ہوتا ہے، اس کا مزاج سرد اور گرم دو جوہروں سے مرکب ہے، جن میں گرم جوہر غالب ہے، مگر سرد جوہر کی قوت بہت جلد نمایاں ہوتی ہے، اور اس کا مزاج سرد خشک بیان کیا جاتا ہے، مہندی مُسَکِّن الم اور مخفف ہے، ورموں کو تحلیل کرتی ہے، مدر بول اور مصفی خون ہے، اس کو پانی میں پیس کر ہاتھ پاؤں کی سوزش کو رفع کرنے کے لئے ہتھیلی اور تلووں پر لگاتے ہیں، اس کے علاوہ مختلف بیماریوں میں مختلف طرح سے استعمال کی جاتی ہے (مخزنِ مفردات، کتاب الادویہ) (مُدِرّ: پیشاب لانے والی دواء)

حدیث: حضرت سلمی رضی اللہ عنہا جو پہلے نبی ﷺ کی باندی تھیں، اور آپؐ کی خدمت کرتی تھیں، پھر آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا تھا، اور اپنے آزاد کردہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا، وہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ کو جب بھی کوئی پھوڑا پھنسی نکلتی یا کوئی زخم ہوتا تو آپؐ مجھے حکم دیتے: میں اس پر مہندی لگاتی (کیونکہ مہندی ورم کو تحلیل کرتی ہے، اور زخم کی سوزش زائل کرتی ہے)

راوی کا تعارف: اس حدیث کو حضرت سلمیٰؓ سے ان کے پوتے عبید اللہ بن علی بن ابی رافع روایت کرتے ہیں، بعض راویوں نے ان کا نام الٹ کر علی بن عبید اللہ کر دیا ہے، یہ صحیح نہیں، اور غلط فہمی کی وجہ یہ بنی کہ حضرت ابورافع کے ایک صاحبزادے عبید اللہ نامی بھی تھے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سکریٹری تھے، لوگوں نے اس علی کو ان کا لڑکا قرار دیدیا، حالانکہ حضرت ابورافع کے علی نامی بھی ایک لڑکے تھے جن کے عبید اللہ نامی یہ لڑکے ہیں، پھر ان سے فَائِد روایت کرتے ہیں جو ابورافع کے خاندان کے آزاد کردہ ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلے فائد کے شاگرد حماد کی سند لکھی ہے جس میں علی بن عبید اللہ ہے جو صحیح نہیں، پھر فائد کے دوسرے شاگرد زید بن حباب کی سند پیش کی ہے جس میں صحیح نام عبید اللہ بن علی ہے۔

[۱۳-] باب ماجاء فی التَّدَاوِیْ بِالْحِنَّاءِ

[۲۰۵۴-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، نَا حَمَّادُ بنُ خَالِدٍ الخَيَّاطُ، نَا فَائِدُ مَوْلًى لِآلِ أَبِیْ رَافِعٍ، عَنْ عَلِيِّ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ جَدَّتِهِ، وَكَانَتْ تَخْدِمُ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم، قَالَتْ: مَاكَانَ يَكُوْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَرْحَةٌ وَلَا نَكْبَةٌ إِلَّا أَمَرَنِیْ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ

أَضَعَ عَلَيْهَا الحِنَّاءَ.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ فَائِدٍ. وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ فَائِدٍ فَقَالَ: عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَلِيٍّ، عَنْ جَدَّتِهِ سَلْمَى، وَعُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ عَلِيٍّ أَصَحُّ.

حدثنا مُحمدُ بنُ العَلَاءِ، نَا زَيْدُ بنُ حُبَابٍ، عَنْ فَائِدٍ مَوْلَى عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَلِيٍّ، عَنْ مَوْلَاهُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عَلِيٍّ، عَنْ جَدَّتِهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ.

لغات: القَرْحَة: پھوڑا، پھنسی جس میں مواد پیدا ہو گیا ہو، جمع قُرُوْح .... النَّكْبَة: مصیبت، حادثہ، زخم، جمع نَكَبَات۔

بابُ ماجاء فی کَرَاهِیَةِ الرُّقْیَةِ

جھاڑ پھونک کی ممانعت

یہ دو باب ہیں، پہلے باب میں جھاڑ پھونک کی ممانعت کی روایت ہے، اور دوسرے باب میں جواز کی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان روایات کو ناسخ ومنسوخ قرار دیا ہے یعنی پہلے ممانعت تھی، پھر اجازت ہوگئی۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: مَن اكْتَوَى، أو اسْتَرْقَى، فهو برىءٌ من التوكُّلِ: جس نے گرم لوہے سے دغوایا، یا جھاڑ پھونک کروائی: وہ توکل (اللہ پر اعتماد) سے بری (دست بردار) ہو گیا، یعنی یہ دونوں عمل توکل کے منافی ہیں، مگر جس طرح سخت ضرورت میں گرم لوہے سے علاج کرانا جائز ہے، خاص بیماریوں میں جھاڑ پھونک کرانا بھی جائز ہے، پس اس وقت یہ دونوں عمل توکل کے منافی نہیں ہونگے۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے تین بیماریوں میں جھاڑ پھونک کی اجازت دی: ڈنک کے زہر سے، نظر بد سے اور پہلو کی پھنسی سے۔

سند کی بحث: یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عبد اللہ بن الحارث روایت کرتے ہیں یا ان کے بیٹے یوسف؟ معاویہ بن ہشام کی سند میں عبد اللہ روایت کرتے ہیں اور سفیان کے دوسرے شاگردوں کی سند میں یوسف روایت کرتے ہیں، امام ترمذیؒ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: لاَرُقْيَةَ إلا من عَيْنٍ أو حُمَةٍ: جھاڑ پھونک نہیں مگر نظر بد سے یا ڈنک کے زہر سے (یہ حصر ادعائی ہے، یعنی یہ دو خطرناک بیماریاں ہیں اس لئے ان میں جھاڑ پھونک کروانی چاہئے)

تشریح: ابواب الطب کے شروع میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ بیماریاں دو طرح کی ہیں، اس لئے علاج بھی دو ہیں: اکثر بیماریاں جسمانی ہوتی ہیں اور وہ دواء سے ٹھیک ہوتی ہیں، دعا، تعویذ اور جھاڑ پھونک ان میں کم اثر کرتے

ہیں، جیسے کسی کو چوٹ لگ گئی تو دواء فائدہ کرے گی، جھاڑ سے خاص فائدہ نہیں ہوگا، اور کچھ بیماریاں جھاڑ سے جلدی متاثر ہوتی ہیں جیسے سانپ بچھو کا زہر، نظر بد اور پہلو کی پھنسیاں وغیرہ۔ یہ جھاڑ کی بیماریاں ہیں، ان میں جھاڑ سے فوری فائدہ ہوتا ہے، اور دوائیں دیر سے اثر کرتی ہیں، اور کچھ بیماریاں بین بین ہوتی ہیں جیسے بخار دواء سے بھی اترتا ہے اور جھاڑ پھونک سے بھی تخفیف ہوتی ہے، پس ہر بیماری کو جھڑوانا توکل کے منافی ہے، جیسے ہر بیماری میں گرم لوہے سے داغنا توکل کے منافی ہے، اور جو بیماریاں بین بین ہیں ان میں جھاڑ پھونک کی اجازت ہے، توکل کے منافی نہیں۔ نبی ﷺ آخری بیماری میں خود کو معوذتین سے جھاڑتے تھے، پھر جب آپ میں سکت نہ رہی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں قل پڑھ کر آپؐ کے ہاتھ پر دم کرتیں، پھر ان کو آپؐ کے بدن پر پھیرتیں، اور جو بیماریاں جھاڑ کی ہیں ان میں جھڑوانا مامور بہ ہے، پس وہ توکل کے منافی کیسے ہوسکتا ہے؟

رہی یہ بات کہ کونسی بیماری جھاڑ کی ہے؟ یہ جھاڑنے والے جانتے ہیں، اور ایک موٹی علامت یہ ہے کہ ہر ضدی بیماری جھاڑ سے بھاگتی ہے، اسی طرح جس بیماری میں جھاڑنے سے فوری فائدہ ہو وہ بھی جھاڑ کی بیماری ہے، اور ایسی بیماریاں دو ہی نہیں ہیں، بلکہ متعدد ہیں، اور جو بیماریاں بین بین ہیں ان میں بھی جھڑوانا مفید ہے، مگر خواہ مخواہ جھاڑ پھونک یا تعویذ گنڈے کرنا اور ان پر اعتماد کرنا توکل کے منافی ہے، پہلے باب کی حدیث کا مصداق یہی صورت ہے۔

[۱٤-] باب ماجاء في كَرَاهِيَةِ الرُّقْيَةِ

[۲۰۵۵-] حدثنا بُنْدَارٌ، نَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَقَّارِ بنِ الْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ اكْتَوَى أَوِ اسْتَرْقَى فَهُوَ بَرِيْءٌ مِنَ التَّوَكُّلِ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱٥-] باب ماجاء في الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

[۲۰۵٦-] حدثنا عَبْدَةُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُزَاعِيُّ، نَا مُعَاوِيَةُ بنُ هِشَامٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَاصِمٍ الأَحْوَلِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِيْ الرُّقْيَةِ مِنَ الْحُمَةِ، وَالْعَيْنِ، وَالنَّمْلَةِ.

[۲۰۵۷-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، نَا يَحْيىَ بنُ آدَمَ، وَأَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَا: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمٍ عَنْ يُوْسُفَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْحُمَّةِ، وَالنَّمْلَةِ. وَهٰذَا عِنْدِيْ أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ مُعَاوِيَةَ بنِ هِشَامٍ، عَنْ سُفْيَانَ.

وفي الباب: عَنْ بُرَيْدَةَ، وَعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وَجَابِرٍ، وَعَائِشَةَ، وَطَلْقِ بنِ عَلِيٍّ، وَعَمْرِو بنِ حَزْمٍ، وأَبِيْ خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيْهِ.

[۲۰۵۸-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عِمْرَانَ بنُ حُصَيْنٍ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ، أَوْ حُمَةٍ" وَرَوَى شُعْبَةُ هٰذا الحديثَ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ بُرَيْدَةَ.

لغات: كَوَاه يَكْوِی كَيًّا: لوہا گرم کر کے علاج کے لئے داغنا...... اسْتَرْقٰی: جڑھوانا...... الحُمَة: زہر، خاص طور پر نیشِ عقرب، مگر مراد عام ہے، صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: رَخَّصَ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فی الرقیة من کل ذی حُمَةٍ...... النَّمْلَة: پہلو کی پھنسیاں۔

بابُ ماجاء فی الرُّقْيَةِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ

معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) سے جھاڑنا

الْمُعَوِّذَةُ: اسم فاعل واحد مؤنث، پناہ دینے والی، المُعَوِّذتان (تثنیہ) سورۂ فلق اور سورۂ ناس جو سحر وغیرہ دفع کرنے کے لئے اکسیر ہیں، یہ دونوں سورتیں چونکہ بندے کو اللہ کی پناہ میں دیتی ہیں اس لئے ان کا یہ نام ہے۔
العُوْذَةُ: تعویذ، گنڈا وغیرہ، جو بیماری دور کرنے کے لئے یا سحر جن کو دفع کرنے کے لئے قرآنی آیات یا اللہ کا نام لکھ کر یا پڑھ کر تیار کیا جاتا ہے، اسی کو تعویذ بھی کہتے ہیں۔

حدیث: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ آسیب کو اور نظر بد کو مختلف دعاؤں سے جھاڑا کرتے تھے، یہاں تک کہ سورۂ فلق اور سورۂ ناس نازل ہوئیں تو آپؐ نے ان دونوں کو لے لیا، یعنی ان سے جھاڑنا شروع کیا اور ان کے علاوہ جھاڑوں کو چھوڑ دیا، مگر بالکلیہ نہیں چھوڑا، دیگر جھاڑوں سے بھی آپؐ جھاڑتے تھے، حدیثوں میں وہ جھاڑیں بھی آئی ہیں، پس اس حدیث کو اکثری احوال پر محمول کریں گے۔

[۱۶-] باب ماجاء فی الرُّقْيَةِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ

[۲۰۵۹-] حدثنا هِشَامُ بنُ يُوْنُسَ الْكُوْفِيُّ، نَا الْقَاسِمُ بنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيُّ، عَنْ الجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ نَضْرَةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ، وَعَيْنِ الإِنْسَانِ، حَتّٰى نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ، فَلَمَّا نَزَلَتْ أَخَذَ بِهِمَا، وَتَرَكَ مَاسِوَاهُمَا.

وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، قالَ أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء في الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ

نظر بد سے جھاڑنے کا بیان

کسی کسی کی نظر بڑی زہریلی ہوتی ہے، جب کوئی چیز ان کی نگاہ میں کھب جاتی ہے تو ان کی آنکھ سے زہریلی لہریں نکلتی ہیں جو معیون کو متاثر کرتی ہیں، جیسے بعض سانپوں کی نظر سے نظر مل جائے تو ان کی آنکھوں سے زہر کی لہریں نکلتی ہیں اور حاملہ عورت کا حمل گرادیتی ہیں، اور آدمی کو اندھا کر دیتی ہیں، اسی طرح نظر بد کو بھی سمجھنا چاہئے، اور ایسے سخت نظر والے لوگ معاشرے میں معروف ہوتے ہیں، لوگ ان سے بچتے ہیں اور اپنے بچوں کو ان سے بچاتے ہیں، بلکہ کبھی عام آدمی کی نظر بھی لگ جاتی ہے، بلکہ کبھی ماں باپ کی نظر بھی بچہ کو لگ جاتی ہے، جبکہ وہ بچہ کو بہت زیادہ پیار کرتے ہیں، مگر یہ نظر مہلک نہیں ہوتی، پس ہر شخص کو چاہئے کہ جب اس کو کوئی چیز پسند آئے تو فوراً ماشاء اللہ یا ماشاء الله لاقوة إلا بالله کہہ لے، نظر کا اثر فوراً زائل ہوجائے گا۔

حدیث (۱): حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جو پہلے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ان کی اولاد بہت خوبصورت تھی، انھوں نے حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد نبی ﷺ سے عرض کیا کہ جعفر کی اولاد کو نظر بہت جلدی لگ جاتی ہے تو کیا میں ان کو جھڑواؤں؟ آپؐ نے فرمایا: نعم، فإنّه لو کان شيئٌ سابِقَ القَدْرِ لَسَبَقَتْهُ العَيْنُ: ہاں جھڑواؤ، کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی ہے تو وہ نظر بد ہے، یعنی نظر بد قوی التاثیر ہے۔

تشریح: سابِقَ القَدْرِ: اسم فاعل مفعول کی طرف مضاف بھی ہوسکتا ہے اور سَابَقَ القَدْرَ: فعل ماضی اور مفعول بھی ہوسکتا ہے، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے، یعنی تقدیر سے آگے کوئی چیز نہیں جاسکتی، جو کچھ مقدر ہے وہی ہوگا، لیکن اگر فرض کرو: کوئی چیز تقدیر کو اُورٹیک کرسکتی ہے تو وہ نظر بد کرسکتی ہے، اس لئے اگر کسی کو نظر لگ جائے تو اس کو جھڑوانا چاہئے۔

سند کی بحث: یہ روایت سفیان کے علاوہ ایوب سختیانی بھی عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں، اور ان کی روایت میں: أَنَّ أَسْمَاءَ کے بجائے عَنْ أَسْمَاءَ ہے، یعنی عُبید یہ واقعہ بیان نہیں کرتے، کیونکہ وہ اس وقت موجود نہیں تھے، بلکہ وہ یہ حدیث حضرت اسماءؓ سے روایت کرتے ہیں، پس یہی سند صحیح ہے مگر سند میں انقطاع ہے۔

حدیث (۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو اس جھاڑ سے جھاڑتے تھے: أُعِيذُ كُمَا بكلماتِ اللهِ التَّامَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ: پناہ میں دیتا ہوں میں تم دونوں کو اللہ کے کامل کلمات کے ذریعہ (مراد قرآن کریم ہے یا اللہ کے اسماء وصفات ہیں) ہر شیطان اور زہریلے کیڑے سے، اور ہر ملامت کرنے والی آنکھ سے، یعنی لگنے والی نظر سے، اور آپؐ نے فرمایا: حضرت ابراہیم

علیہ السلام بھی اسی طرح حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو جھاڑتے تھے۔

تشریح: اگر ایک بچہ ہو تو کُما کی جگہ كَ کہیں گے، اور بچی ہو تو كِ کہیں گے، اور چند بچے ہوں تو کُم کہیں گے، اور چند بچیاں ہوں تو کُنَّ کہیں گے۔ اور یہ بہت قیمتی جھاڑ ہے، اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، اور التَّامَّة: کے معنی ہیں: کامل، جس میں کوئی کمی اور عیب نہ ہو، یا اس کے معنی ہیں: مفید، اور هَامَّة کی جمع هَوَامٌّ ہے، ہر وہ زہریلا جانور جس کے کاٹنے سے آدمی مرجاتا ہے، اور جس کے کاٹنے سے آدمی نہ مرے جیسے بچھو اور بھڑ تو وہ سَامَّة ہے، اور لَامَّة کے معنی ہیں: ملامت کرنے والی، یعنی لگ جانے والی۔

[۱۷-] باب ماجاء في الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ

[۲۰۶۰-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، نا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عُرْوَةَ - وَهُوَ ابنُ عَامِرٍ - عَنْ عُبَيْدِ بنِ رِفَاعَةَ الزُّرَقِيِّ: أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ قَالَتْ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ تُسْرِعُ إِلَيْهِمُ العَيْنُ، أَفَأَسْتَرْقِيْ لَهُمْ؟ قَالَ: "نَعَمْ، فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ شَيْئٌ سَابِقَ الْقَدْرِ لَسَبَقَتْهُ العَيْنُ"

وفي الباب: عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وَبُرَيْدَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عُرْوَةَ بنِ عَامِرٍ، عَنْ عُبَيْدِ بنِ رِفَاعَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، حدثنا بِذٰلِكَ الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَيُّوْبَ بِهٰذَا.

[۲۰۶۱-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، وَيَعْلَى، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنِ الْمِنْهَالِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُعَوِّذُ الحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ، يَقُوْلُ: "أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ" وَيَقُوْلُ: "هٰكَذَا كَانَ إِبْرَاهِيْمُ يُعَوِّذُ إِسْحَاقَ وَإِسْمَاعِيْلَ"

حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، نَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء أَنَّ العَينَ حَقٌّ، وَالغُسْلَ لَهَا

نظر برحق ہے اور اس کے لئے دھونا

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: لاشيئَ في الهَامِ، والعَيْنُ حَقٌّ: ہام: کوئی چیز نہیں، اور نظر واقعی لگتی ہے۔

تشریح: هَامَة: الّو کو کہتے ہیں، لوگ اس کو منحوس سمجھتے ہیں، یہ بے اصل بات ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ جو شخص قتل کیا جائے اور اس کا قصاص نہ لیا جائے تو اس کی روح الّو بن کر جابجا پکارتی پھرتی ہے: ''مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ'' پھر جب اس کا قصاص لے لیا جائے تو وہ اڑ جاتی ہے، یہ بھی بے اصل بات ہے، اور کچھ لوگ کہتے ہیں: مقتول کی کھوپڑی سے ایک پرندہ نکلتا ہے جو یہ پکارتا ہے، یہ بھی بے اصل بات ہے، البتہ لوگوں میں جو مشہور ہے کہ نظر لگتی ہے یہ صحیح بات ہے، نظر واقعی لگتی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لو كان شيئٌ سَابَقَ القَدَرَ لَسَبَقَتْهُ العَيْنُ، وإِذَا اغْتُسِلْتُمْ فَاغْسِلُوْا: اگر کوئی ایسی چیز ہوتی جو تقدیر کو اور ٹیک کر سکتی تو نظر بد ضرور تقدیر کو اور ٹیک کرتی، اور جب تم سے دھونے کے لئے کہا جائے تو دھوؤ۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں نظر بد کا ایک علاج یہ تھا کہ عائن (جس کی نظر لگی ہے) وہ اطراف بدن کو اور وسط بدن کو ایک برتن میں دھوتا تھا، پھر وہ غسالہ معیون پر ڈالا جاتا تھا، پس وہ اللہ کے حکم سے ٹھیک ہو جاتا تھا، اس کی تفصیل حاشیہ میں ہے[1] اب اسلام نے اچھی اچھی جھاڑیں بتلا دی ہیں اس لئے اب لوگ اس طریقہ پر عمل نہیں کرتے، جب یہ طریقہ رائج تھا اور عائن سے نہانے کے لئے کہا جاتا تھا تو وہ اپنی بدنامی کے ڈر سے ہجر مجر کرتا تھا، اس لئے آپؐ نے حکم دیا کہ تمہارا کیا بگڑتا ہے، دھو کر پانی دیدو، بیمار کا فائدہ ہو جائے گا۔

ملحوظہ: پہلی حدیث کی پہلی سند حابس تمیمیؓ پر رک جاتی ہے، یہ بھی صحابی ہیں، اور اس کی دوسری سند جو باب کے آخر میں ہے اس میں حضرت حابسؓ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں اور اس اختلاف سے روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ حابسؓ بھی صحابی ہیں، پس یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے۔

---

(۱) امام زہری رحمہ اللہ نے دھونے کا طریقہ یہ بیان کیا ہے کہ جس کی نظر لگی ہو اس کے پاس ایک بڑا پیالہ (یا تسلا یا بالٹی) بھر کر لے جایا جائے وہ شخص اس میں اپنی ہتھیلی ڈالے، پھر کلی کر کے پیالہ میں ڈالے، پھر وہ پیالہ میں اپنا چہرہ دھوئے، پھر بایاں ہاتھ ڈال کر پیالہ میں اپنی دائیں ہتھیلی دھوئے، پھر دایاں ہاتھ ڈال کر اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ریڑھے، پھر بایاں ہاتھ ڈال کر اپنی دائیں کہنی پر پانی ریڑھے، پھر دایاں ہاتھ ڈال کر اپنی بائیں کہنی پر پانی ریڑھے، پھر بایاں ہاتھ ڈال کر اپنے دائیں پیر پر پانی ریڑھے، پھر دایاں ہاتھ ڈال کر اپنے بائیں پیر پر پانی ریڑھے، پھر بایاں ہاتھ ڈال کر اپنے دائیں گھٹنے پر پانی ریڑھے، پھر دایاں ہاتھ ڈال کر اپنے بائیں گھٹنے پر پانی ریڑھے، پھر لنگی کے اندر کا حصہ اس میں دھوئے اور پیالہ زمین پر نہ رکھا جائے پھر جس کو نظر لگی ہے اس پر پیچھے سے یکبارگی وہ سارا پانی ڈال دیا جائے، اور لنگی کے اندر کے حصہ سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: مذاکیر یعنی ذکر اور دونوں فوطے پیالے میں دھوئے۔ اور بعض کہتے ہیں: رانیں اور ران کا بالائی حصہ اس میں دھوئے (شرح السنہ ۶: ۲۶۳)

[۱۸-] باب ماجاء أَنَّ العَيْنَ حَقٌّ، وَالغَسْلَ لَهَا

[۲۰۶۲-] حدثنا أَبُوْ حَفْصٍ عَمْرُو بنُ عَلِيٍّ، نَا يَحْيىَ بنُ كَثِيْرٍ، أَبُوْ غَسَّانٍ العَنْبَرِيُّ، نَا عَلِيُّ بنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيىَ بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، قَالَ: ثَنِيْ حَيَّةُ بنُ حَابِسٍ التَّمِيْمِيُّ، ثَنِيْ أَبِيْ، أَنَّهُ سَمِعَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "لَاشَيْئَ فِي الهَامِ، وَالْعَيْنُ حَقٌّ"

[۲۰۶۳-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ الحَسَنِ بنِ خِرَاشٍ البَغْدَادِيُّ، نَا أَحْمَدُ بنُ إِسْحَاقَ الْحَضْرَمِيُّ، نَا وُهَيْبٌ، عَنْ ابنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَوْ كَانَ شَيْئٌ سَابِقَ القَدَرِ لَسَبَقَتْهُ العَيْنُ، وَإِذَا اغْتُسِلْتُمْ فَاغْسِلُوْا"

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَحَدِيْثُ حَيَّةَ بنِ حَابِسٍ حديثٌ غريبٌ، رَوَى شَيْبَانُ عَنْ يَحْيىَ بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ حَيَّةَ بنِ حَابِسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم؛ وَعَلِيُّ بنُ الْمُبَارَكِ، وَحَرْبُ بنُ شَدَّادٍ، لَا يَذْكُرَانِ فِيْهِ: عَنْ أَبِيْ هريرةَ.

بابُ ماجاء في أَخذِ الأَجْرِ عَلَى التَّعْوِيْذِ

تعویذ پر اجرت لینے کا بیان

جھاڑ پھونک اور تعویذ پر اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ یہ بھی ایک علاج ہے، پس جس طرح دواء کی اجرت لینا جائز ہے تعویذ کی اجرت لینا بھی جائز ہے، اور طاعات مقصودہ پر اجارہ کے باطل ہونے کے حنفیہ کے جو دلائل ہیں ان کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں طاعت مقصود ہوتی ہے اور جھاڑ پھونک میں علاج مقصود ہوتا ہے۔

پھر جس طرح جسمانی علاج کبھی کامیاب ہوتا ہے اور کبھی کامیاب نہیں ہوتا، اسی طرح روحانی علاج بھی کبھی کامیاب ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا، پس عاملوں کے بارے میں یہ بدگمانی جو عام ہے کہ یہ جھوٹے، پیسے بٹورنے والے اور دھوکہ دینے والے ہیں یہ بات عمومی طور پر صحیح نہیں۔ ہاں جس طرح حکیم ڈاکٹر بوگس بھی ہوتے ہیں عاملوں میں بھی یہ جنس نایاب نہیں، مگر سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنا درست نہیں، پس جس طرح حکیم ڈاکٹر سے چند دن علاج کرانے کے بعد فائدہ نظر نہیں آتا تو معالج بدل لیتے ہیں اسی طرح کسی عامل کے علاج سے بھی فائدہ نظر نہ آئے تو دوسرے عامل کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ (چھوٹے لشکر) میں بھیجا، ہم ایک قوم کے پاس اترے، یعنی کسی گاؤں کے پاس پڑاؤ کیا، پس ہم نے ان سے مہمانی مانگی (اس زمانہ میں

یہی دستور تھا، گاؤں والے سریوں کی ایک وقت کی دعوت کیا کرتے تھے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۵۲۶:۴ باب ۳۰) میں گذر چکی ہے) پس ان لوگوں نے ہماری میزبانی نہ کی، پھر ان کا سردار ڈسا گیا، یعنی اس کو بچھو نے کاٹ لیا، پس وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ لوگوں میں کوئی بچھو جھاڑنا جانتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، میں جانتا ہوں مگر میں اس کو نہیں جھاڑوں گا جب تک تم ہمیں بکریاں نہ دو، ان لوگوں نے کہا: ہم آپ کو تیس بکریاں دیں گے، ہم نے وہ قبول کیں، اور میں نے اس پر سورۂ فاتحہ سات مرتبہ پڑھی، وہ چنگا ہو گیا، اور ہم نے بکریوں پر قبضہ کر لیا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس ہمارے دلوں میں ان بکریوں کے بارے میں کچھ وسوسہ آیا، اس لئے ہم نے کہا: جلدی نہ کرو، یعنی ابھی ان بکریوں کو مت کھاؤ، یہاں تک کہ تم نبی ﷺ کے پاس پہنچو، حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: پس جب ہم آپؐ کے پاس پہنچے تو میں نے وہ بات آپؐ سے ذکر کی جو میں نے کی تھی، آپؐ نے فرمایا: وَمَا عَلِمْتَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ! تم نے کیسے جانا کہ سورۂ فاتحہ جھاڑ ہے؟ بکریوں کو لے لو اور میرا بھی اپنے ساتھ حصہ لگاؤ۔

تشریح: یہ حدیث امام سلیمان اعمش کی ہے، وہ ابوبشر جعفر بن ابی وحشیہ ایاس یشکری سے، اور وہ ابونضرۃ منذر بن مالک بن قُطَعَہ عبدی بصری سے، اور وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، یعنی ابوبشر اور ابوسعید کے درمیان واسطہ ابونضرۃ کا ہے اور اس حدیث کو امام شعبہ اور ابوعوانہ وغیرہ بھی ابوبشر سے روایت کرتے ہیں، پھر وہ ابوالمتوکل سے، اور وہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں یعنی درمیان میں واسطہ ابوالمتوکل کا ہے۔ ابوعوانہ کی روایت بخاری (حدیث ۲۲۷۶ و ۵۷۴۹) میں اور شعبہ کی روایت بخاری (حدیث ۵۷۳۶) اور مسلم (حدیث ۲۲۰۱) میں ہے، اور یہی دوسری سند صحیح ہے جو اگلے نمبر پر آرہی ہے، مگر امام ترمذیؒ نے پہلی سند کو بھی صحیح قرار دیا ہے یہ عجیب بات ہے، دوسری سند کے بعد خود فرمائیں گے کہ اصح یہ ہے، پھر اس کی مقابل سند حسن صحیح کیسے ہو سکتی ہے؟

حدیث (۲): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چند صحابہ عرب کے ایک قبیلہ کے پاس سے گذرے، پس ان لوگوں نے ان کی نہ تو دعوت کی اور نہ ان کو مہمان بنایا، پس ان کا سردار بیمار پڑ گیا، پس وہ ہمارے پاس آئے، اور انھوں نے کہا: آپ لوگوں کے پاس کوئی دواء علاج ہے، ہم نے کہا: ہاں، مگر آپ لوگوں نے نہ ہماری میزبانی کی اور نہ ہمارا اکرام کیا، پس ہم علاج نہیں کریں گے یہاں تک کہ آپ لوگ ہمارے لئے کوئی اجرت مقرر کریں، چنانچہ انھوں نے علاج کی اجرت بکریوں کا ایک ریوڑ مقرر کی، پس ہم میں سے ایک شخص نے مریض پر الحمد شریف پڑھنی شروع کی، پس وہ اچھا ہو گیا، پس جب ہم نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو ہم نے آپؐ سے یہ بات ذکر کی، آپؐ نے فرمایا: وما يُدريك أَنَّهَا رُقْيَةٌ: آپ کو کیسے پتہ چلا کہ سورۂ فاتحہ جھاڑ ہے؟! اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے اجرت کی ممانعت کا تذکرہ نہیں کیا، اور نبی ﷺ نے فرمایا: كُلُوْا واضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ بِسَهْمٍ: کھاؤ اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ لگاؤ۔

تشریح: اس دوسری حدیث کی سند میں ابو بشر اور ابو سعید خدریؓ کے درمیان ابوالمتوکل کا واسطہ ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ سند پہلی سند سے اصح ہے، اور اس حدیث سے جھاڑ پھونک اور تعویذ کی اجرت کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے (مگر یہ استدلال واضح نہیں، اس لئے کہ اگر یہ بکریاں اجرت تھیں تو وہ صرف جھاڑنے والے کا حق تھیں، یعنی صرف حضرت ابو سعید خدریؓ کی ملک تھیں، سارے سریہ پر ان کی تقسیم اور ساتھ میں نبی ﷺ کا بھی حصہ رکھنا ذہن کو اس طرح لے جاتا ہے کہ شاید آپؐ نے ان بکریوں کو مالِ غنیمت قرار دیا ہے، اور یہ بات پہلے گذری ہے کہ ہر غنیمت میں نبی ﷺ کا حصہ اللہ کا رسول ہونے کی وجہ سے ہوتا تھا، اور وہاں یہ اختلاف بھی گذرا ہے کہ نبی ﷺ کے بعد امیر المؤمنین کے لئے یہ حصہ ہے یا نہیں؟ (تفصیل تحفۃ الالمعی ۴: ۵۰۳ باب ۱۱ میں گذر چکی ہے) اور جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنا حصہ سریہ والوں کا دل خوش کرنے کے لئے رکھوایا ہے یہ بات کچھ زیادہ قرین صواب نہیں، بظاہر مالِ غنیمت میں اپنا حصہ رکھوایا ہے، اور اس بات کی تو کوئی بھی توجیہ نہیں کی جاسکتی کہ اجرت کو سارے سریہ پر تقسیم کیوں کروایا؟ اجرت تو اس شخص کی ملک ہوتی ہے جس نے جھاڑا ہے، اس لئے اس حدیث سے اجرت کے جواز پر استدلال صحیح معلوم نہیں ہوتا، مگر میں نے عرض کیا ہے کہ اس مسئلہ میں کسی دلیل کی حاجت نہیں، کیونکہ جس طرح جسمانی علاج کا عوض لے سکتے ہیں، روحانی علاج کا عوض بھی لے سکتے ہیں)

تعلیم قرآن پر اجرت کا مسئلہ:

اور اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ نے ایک دوسرا مسئلہ مستنبط کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے، البتہ ضروری ہے کہ اجرت پہلے طے کر دی جائے، ورنہ اجارہ فاسد ہوگا، جیسے رمضان میں حفاظ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ ایک دو نمازیں اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، مگر اس سے جواز پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ وہ تنخواہ طے نہیں کرتے، اس لئے وہ اجارہ فاسدہ ہوتا ہے۔

اور حنفیہ کی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ طاعاتِ مقصودہ کا اجارہ باطل ہے، اور ان کے دلائل میں سے ایک دلیل کتاب الصلوٰۃ (باب ۴۲) میں گذری ہے کہ نبی ﷺ نے طائف کے گورنر حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: أَنِ اتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لاَيَأْخُذُ علی أَذَانِهِ أَجْرًا: ایسا مؤذن مقرر کیجئے جو اذان پر اجرت نہ لے، اگرچہ بعد میں جب اسلامی حکومت کا حال پتلا ہوا تو متأخرین احناف نے ایسی طاعات مقصودہ پر جن کے ساتھ نظام اسلامی وابستہ ہے، جیسے اذان، امامت، تعلیم قرآن اور تعلیم علوم شرعیہ پر اجارہ کے جواز کا فتوی دیا ہے۔ تفصیل تحفۃ الالمعی (۱: ۵۳۲) میں گذر چکی ہے۔

فائدہ: نبی ﷺ کا ارشاد: وَمَا عَلِمْتَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ؟ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ جھاڑ ہے؟! یہ حوصلہ افزائی اور ستائش ہے کہ آپ نے صحیح سمجھا، فاتحہ میں صرف دینی فائدے ہی نہیں ہیں، دنیوی پریشانیوں، بیماریوں اور

بلاؤں کا علاج بھی ہے۔دارمی میں روایت ہے کہ سورۂ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے، چنانچہ میں ہر بیماری کو سورۂ فاتحہ سے جھاڑتا ہوں، اور الحمد للہ فائدہ ہوتا ہے، ایک مرتبہ میری بھتیجی کو کسی زہریلے جانور نے کاٹ لیا، میں نے اس کو سورۂ فاتحہ سے جھاڑا، اور وہ اللہ کے فضل سے ٹھیک ہوگئی، البتہ عمل کی تاثیر کے لئے اکل حلال اور صدق مقال ضروری ہے، اور قرآن وحدیث میں جو دعائیں آئی ہیں ان کی تاثیر پر یقین بھی ضروری ہے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مریض کا یقین ضروری ہے یہ قطعاً غلط ہے، عامل کا یقین ضروری ہے، اگر پختہ ایمان کے ساتھ سورۂ فاتحہ کے ذریعہ جھاڑا جائے تو ان شاءاللہ ہر بیماری میں جھاڑ مفید ہوگی۔

[۱۹-] باب ماجاء فی أَخْذِ الأَجْرِ عَلَی التَّعْوِیْذِ

[۲۰٦٤-] حدثنا هَنَّادٌ، نَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ إِيَاسٍ، عَنْ أَبِيْ نَضْرَةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ: بَعَثَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَرِيَّةٍ، فَنَزَلْنَا بِقَوْمٍ، فَسَأَلْنَاهُمُ القِرَى، فَلَمْ يَقْرُوْنَا، فَلُدِغَ سَيِّدُهُمْ، فَأَتَوْنَا، فَقَالُوْا: هَلْ فِيْكُمْ مَنْ يَرْقِيْ مِنَ الْعَقْرَبِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، أَنَا، وَلٰكِنْ لاَ أَرْقِيْهِ حَتَّى تُعْطُوْنَا غَنَمًا، قَالُوْا: فَإِنَّا نُعْطِيْكُمْ ثَلاَثِيْنَ شَاةً، فَقَبِلْنَا، فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ الحَمْدَ سَبْعَ مَرَّاتٍ، فَبَرَأَ، وَقَبَضْنَا الغَنَمَ، قَالَ: فَعَرَضَ فِيْ أَنْفُسِنَا مِنْهَا شَيْئٌ، فَقُلْنَا: لاَ تَعْجَلُوْا حَتَّى تَأْتُوْا رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَيْهِ: ذَكَرْتُ لَهُ الَّذِيْ صَنَعْتُ، قَالَ: "وَمَا عَلِمْتَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ؟ اقْبِضُوْا الغَنَمَ، وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ بِسَهْمٍ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ نَضْرَةَ: اسْمُهُ الْمُنْذِرُ بْنُ مَالِكِ بنِ قُطَعَةَ.

وَرَخَّصَ الشَّافِعِيُّ لِلْمُعَلِّمِ أَنْ يَأْخُذَ عَلَى تَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ أَجْرًا، وَيَرَى لَهُ أَنْ يَشْتَرِطَ عَلٰى ذٰلِكَ، وَاحْتَجَّ بِهٰذَا الحديثِ.

وَرَوَى شُعْبَةُ وَأَبُوْ عَوَانَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِيْ بِشْرٍ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ هٰذَا الحديثَ.

[۲۰٦٥-] حدثنا أَبُوْ مُوْسَى مُحمدُ بنُ الْمُثَنَّى، ثَنِيْ عَبْدُ الصَّمَدِ بنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، نا شُعْبَةُ، نا أَبُوْ بِشْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْمُتَوَكِّلِ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ: أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مَرُّوْا بِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ، فَلَمْ يَقْرُوْهُمْ، وَلَمْ يُضَيِّفُوْهُمْ، فَاشْتَكَى سَيِّدُهُمْ، فَأَتَوْنَا، فَقَالُوْا: هَلْ عِنْدَكُمْ دَوَاءٌ؟ قُلْنَا: نَعَمْ، وَلٰكِنَّكُمْ لَمْ تَقْرُوْنَا وَلَمْ تُضَيِّفُوْنَا، فَلاَ نَفْعَلُ حَتَّى تَجْعَلُوْا لَنَا جُعْلاً، فَجَعَلُوْا عَلٰى ذٰلِكَ قَطِيْعًا مِنْ غَنَمٍ، فَجَعَلَ رَجُلٌ مِنَّا يَقْرَأُ عَلَيْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، فَبَرَأَ، فَلَمَّا أَتَيْنَا النبيَّ صلى الله عليه وسلم ذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهُ، قَالَ: "وَمَا يُدْرِيْكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ؟" وَلَمْ يَذْكُرْ نَهْيًا مِنْهُ، وَقَالَ: "كُلُوْا، وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ بِسَهْمٍ"

ا حديثٌ صحيحٌ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ الأَعْمَشِ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ إِيَّاسٍ، وَهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الحديثَ عَنْ أَبِيْ بِشْرٍ جَعْفَرِ بنِ أَبِيْ وَحْشِيَّةَ، عَنْ أَبِيْ الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، وَجَعْفَرُ بنُ إِيَاسٍ: هُوَ جَعْفَرُ بنُ أَبِيْ وَحْشِيَّةَ.

وضاحت: پہلی حدیث کے آخر میں ورَوَى شعبةُ وأبوعوانة إلخ میں عن أبي بشرٍ ہندوستانی نسخے میں چھوٹ گیا ہے، صحیحین کی سندوں میں اس کا ذکر ہے، اور مزی نے تحفۃ الاشراف (۳:۴۵۳) میں امام ترمذیؒ کی عبارت نقل کی ہے، وہاں بھی عن أبي بشرٍ ہے اور مصری نسخہ میں بھی ہے، اس لئے میں نے سند میں اس کا اضافہ کیا ہے۔

ترجمہ: اور امام شافعی رحمہ اللہ نے (اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ نے) معلم کے لئے اجازت دی ہے کہ وہ تعلیم قرآن پر اجرت لے، اور امام شافعیؒ دیکھتے ہیں معلم کے لئے کہ وہ اس پر شرط کرے، یعنی پہلے سے اجرت طے کرلے، ورنہ اجارہ فاسدہ ہوگا، اور امام شافعیؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے (مگر جب اس سے تعویذ کی اجرت پر استدلال صحیح نہیں تو تعلیم قرآن کی اجرت پر استدلال کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟)

یہ یعنی شعبہ کی سند سے حدیث صحیح ہے اور یہ سند اعمش کی سند سے صحیح تر ہے، اعمش: جعفر بن ایاس سے نقل کرتے ہیں، ایاس کی کنیت ابو وحشیّہ ہے، پھر وہ ابونضرۃ سے، اور وہ ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں، اور اسی طرح یعنی شعبہؒ کی طرح متعدد حضرات اس حدیث کو ابو بشر سے روایت کرتے ہیں، پھر وہ ابوالمتوکل سے اور وہ ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں، یعنی درمیانی واسطہ ابوالمتوکل کا ہے، ابونضرۃ کا نہیں ہے، یہی سند صحیح ہے اور اسی کو شیخین نے صحیحین میں لیا ہے۔

بابُ ماجاء في الرُّقَى وَالأَدْوِيَةِ

جھاڑ پھونک اور علاج معالجہ کا بیان

اس باب میں جو حدیث ہے اس کا ابواب الطب سے کوئی خاص تعلق نہیں، یہ حدیث درحقیقت ابواب القدر کی ہے، اور وہاں آئے گی، اور تفصیل بھی وہیں آئے گی، یہاں صرف ترجمہ پڑھ لیں۔

حدیث: ابوخزامہ کے والد کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! بتائیں: وہ جھاڑ پھونک جس کو ہم کرواتے ہیں اور وہ دوائیں جن کے ذریعہ ہم علاج کرتے ہیں اور وہ پرہیز جن کو ہم برتتے ہیں: کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کچھ ٹلا سکتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: هي مِنْ قَدَرِ اللهِ: یہ سب چیزیں اللہ کی تقدیر میں شامل ہیں، پس ٹلانے کا کیا سوال؟ اس کی تفصیل ابواب القدر میں آئے گی۔

تشریح: سفیان بن عیینہ کے تلامذہ میں اختلاف ہے کہ زہریؒ کے استاذ کون ہیں؟ ابوخزامہ یا ان کے بیٹے ابن

ابی خزامہ؟ پہلی سند میں عن أبی خزامة ہے اور دوسری سند میں عن ابن أبی خزامة ہے، اور صحیح سند پہلی ہے، کیونکہ زہریؒ کے دیگر تلامذہ عن أبی خزامة، عن أبیه کہتے ہیں، اور حضرت ابوخزامہ کی یہی ایک حدیث ہے۔

[۲۰-] باب ماجاء فی الرُّقَی وَالأَدْوِیَةَ

[۲۰۶۶-] حدثنا ابنُ أَبِیْ عُمَرَ، نا سُفْیَانُ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ أَبِیْ خِزَامَةَ، عَنْ أَبِیْهِ، قَالَ: سَأَلْتُ رسولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم، قُلْتُ: یَارسولَ اللّٰهِ! أَرَأَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْهَا، وَدَوَاءً نَتَدَاوَی بِهِ، وَتُقَاةً نَتَّقِیْهَا: هَلْ تَرُدُّ مِن قَدَرِ اللّٰهِ شَیْئًا؟ قَالَ: "هِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ" هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

[۲۰۶۷-] حدثنا سَعِیْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، نا سُفْیَانُ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ ابنِ أَبِیْ خِزَامَةَ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم نَحْوَهُ.

وَقَدْ رُوِیَ عَنْ ابنِ عُیَیْنَةَ کِلْتَا الرِّوَایَتَیْنِ: فَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَنْ أَبِیْ خِزَامَةَ، عَنْ أَبِیْهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَنْ ابنِ أَبِیْ خِزَامَةَ، عَنْ أَبِیْهِ.

وَقَدْ رَوَی غَیْرُ ابنِ عُیَیْنَةَ هٰذَا الحدیثَ عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ أَبِیْ خِزَامَةَ، عَنْ أَبِیْهِ، وَهٰذَا أَصَحُّ، وَلَانَعْرِفُ لِأَبِیْ خِزَامَةَ غَیْرَ هٰذَا الحدیثِ.

بابُ ماجاء فی الْکَمْأَةِ وَالعَجْوَةِ

کھمبی اور کھجور کا بیان

حدیث میں چونکہ دونوں کا تذکرہ ساتھ آیا ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے بھی دونوں کو ایک باب میں جمع کیا ہے:

الْکَمْأَة: کھمبی، ایک قسم کی سفید نبات جو اکثر برسات میں پیدا ہوتی ہے اور خودرو ہے، اس کی سبزی بھی پکاتے ہیں اور تل کر بھی کھاتے ہیں، اس کو سانپ کی چھتری بھی کہتے ہیں، اگر وہ سیاہ یا سرخی مائل ہو تو آنکھ کے لئے مضر ہے اور بالکل سفید ہو تو مفید ہے۔

العجوۃ: کھجور کی ایک قسم جو کالی ہوتی ہے اور اس کی گٹھلی بڑی ہوتی ہے، کھجور کا مزاج گرم ہے اس لئے اس کو مکھن کے ساتھ کھاتے ہیں اور اس میں غذائیت بہت زیادہ ہے، اور عجوہ میں فوائد بہت ہیں، مگر وہ بہت گراں ہے اور ہمارے ملک میں عام طور پر نہیں ملتی، اس لئے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:

۱-العَجْوَةُ مِن الجَنَّةِ، وفیها شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ: عجوہ جنتی پھل ہے، اور اس میں زہر کی دواء ہے۔

تشریح: جنتی پھل ہونے کے دومطلب ہیں:
پہلا مطلب: اگر یہ تمثیل (پیرایۂ بیان) ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عجوہ بابرکت اور نہایت مفید پھل ہے، صحیحین کی روایت میں ہے کہ جو شخص نہار منہ روزانہ عجوہ کے سات دانے کھائے وہ سحر اور زہر سے متاثر نہیں ہوگا، اور اس کے علاوہ بھی عجوہ میں بہت فوائد ہیں۔
دوسرا مطلب: اور اگر حدیث میں بیانِ حقیقت ہے تو اس کا مطلب وہ ہے جو بزّار اور طبرانی کی روایت میں آیا ہے: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تو ان کو جنت کے پھلوں کا توشہ دیا، اور ان کو ہر صنعت سکھلائی، پس تمہارے یہ پھل جنت کے پھلوں میں سے ہیں، البتہ ان پھلوں میں تبدیلی آگئی ہے اور جنت کے پھل بدستور ہیں (مجمع الزوائد ۸: ۱۹۷)
فائدہ: اور یہ جو کتابوں میں لکھا ہے کہ عجوہ کا درخت نبی ﷺ کا لگایا ہوا ہے یہ بات صحیح نہیں، عجوہ کا وجود پہلے سے تھا، ہاں حضرت سلمان فارسیؓ کے لئے نبی ﷺ نے جو کھجور کے درخت لگائے ہیں وہ ممکن ہے عجوہ کے ہوں۔
۲-والكَمْأَةُ مِن المَنِّ، وماءُ ها شِفاءٌ لِلْعَيْنِ: کھمبی منّ سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے مفید ہے (اور منّ وہ میٹھا گوند تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور غذا بنی اسرائیل پر نازل کیا تھا)
تشریح: کھمبی منّ سے ہے اس کے بھی دو مطلب ہو سکتے ہیں:
پہلا مطلب: اگر یہ تمثیل ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کھمبی مفت حاصل ہونے والی نعمت ہے، جیسے منّ بنی اسرائیل کو مفت ملتا تھا، اور باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے کہ صحابہ نے کہا: کھمبی زمین کی چیچک ہے، پس آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا، اس سے اس مطلب کی تائید ہوتی ہے۔
دوسرا مطلب: اور اگر یہ بیانِ واقعہ ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر جو منّ اترا تھا اس کا اثر زمین میں باقی رہ گیا ہے جو کبھی کبھی کھمبی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔
احادیث کا خلاصہ: باب کی پہلی حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے دونوں مضمون ہیں، اور دوسری حدیث میں جو سعید بن زیدؓ کی ہے صرف دوسرا مضمون ہے، پھر تیسری حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے: حدیث کا شان ورود بھی ہے، پھر اس کے بعد کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ انھوں نے تین، پانچ یا سات کھمبیاں لیں، اور ان کو نچوڑ لیا، اور ان کا پانی ایک شیشی میں بھر لیا پھر ان کی ایک چندھیا باندی تھی اس کی آنکھ میں ڈالا تو وہ اچھی ہوگئی۔
اس کے بعد آخری روایت باب سے بے جوڑ ہے، قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: مجھ سے بیان کیا گیا (یعنی درمیان میں کوئی مجہول واسطہ ہے) کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شونیز یعنی کلونجی موت کے علاوہ ہر بیماری کی دواء ہے، پھر قتادہؒ نے اس کا طریقہ استعمال بیان کیا کہ ہر دن اکیس دانے لے کر کپڑے میں پوٹلی باندھ لی جائے،

پھراس کو پانی میں بھگودیا جائے، پھر پہلے دن دائیں نتھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ٹپکایا جائے، اگرایک دن میں بیماری دور نہ ہوتو پھر اکیس دانے باندھ کر بھگوئے جائیں اور دوسرے دن بائیں نتھنے میں دو قطرے اور دائیں میں ایک قطرہ ٹپکایا جائے، اب بھی اگر شفا نہ ہوتو تیسرے دن پھر اکیس دانے بھگوئے جائیں اور دائیں نتھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ٹپکایا جائے، اسی طرح شفا ہونے تک عمل جاری رکھا جائے، مگر یہ علاج کس بیماری کا ہے؟ یہ بات بیان نہیں کی، اس لئے بات بے فائدہ ہے، نیز باب سے اس کا جوڑ بھی نہیں، اس کو کلونجی کے باب میں آنا چاہئے تھا۔

[۲۱-] باب ماجاء في الْكَمْأَةِ وَالْعَجْوَةِ

[۲۰۶۸-] حدثنا أَبُوْ عُبَيْدَةَ بنِ أَبِي السَّفَرِ، وَمَحْمُوْدُ بنُ غَيْلَانَ، قَالَا: ثَنَا سَعِيْدُ بنُ عَامِرٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اَلعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَفِيْهَا شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ؛ وَالْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ، وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ"

وفي الباب: عَنْ سَعِيْدِ بنِ زَيْدٍ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَجَابِرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، لانَعرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ مُحمدِ بنِ عَمْرٍو إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ سَعِيْدِ بنِ عَامِرٍ.

[۲۰۶۹-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نَا عُمَرُ بنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ عُمَيْرٍ، ح: وَحَدَّثَنَا مُحمدُ بنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ حُرَيْثٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ زَيْدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " الْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ، وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ". هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۲۰۷۰-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ، ثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ شَهْرِ بنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ: أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالُوْا: الْكَمْأَةُ جُدَرِيُّ الْأَرْضِ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ، وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ، وَالْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَهِيَ شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

[۲۰۷۱-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذٌ، ثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حُدِّثْتُ بِأَنَّ أَبَا هُريرةَ قَالَ: أَخَذْتُ ثَلَاثَةَ أَكْمُؤٍ، أَوْ: خَمْسًا، أَوْ: سَبْعًا، فَعَصَرْتُهُنَّ، فَجَعَلْتُ مَاءَهُنَّ فِيْ قَارُوْرَةٍ، فَكَحَلْتُ بِهِ جَارِيَةً لِيْ [عَمْشَاءَ] فَبَرَأَتْ.

[۲۰۷۲-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ، ثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حُدِّثْتُ أَنَّ أَبَا هُريرةَ قَالَ: الشُّوْنِيْزُ دَوَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ، قَالَ قَتَادَةُ: يَأْخُذُ كُلَّ يَوْمٍ إِحْدَى وَعِشْرِيْنَ حَبَّةً،

فَيَجْعَلُهُنَّ فِيْ خِرْقَةٍ، فَيَنْقَعُهُ، فَيَسْتَعِطُ بِهِ كُلَّ يَوْمٍ فِيْ مَنْخِرِهِ الأَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ، وَالأَيْسَرِ قَطْرَةً، وَالثَّانِيْ فِي الأَيْسَرِ قَطْرَتَيْنِ، وَفِي الأَيْمَنِ قَطْرَةً، وَالثَّالِثِ فِي الأَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ، وَفِي الأَيْسَرِ قَطْرَةً.

وضاحت: عبارت میں کھڑی دوقوسوں کے درمیان [عَمْشَاء] یعنی چوندھیا بڑھایا ہے، یہ مشکوٰۃ سے بڑھایا ہے، مشکوٰۃ میں یہ روایت ترمذی سے منقول ہے اور اس میں یہ لفظ ہے۔

بابُ ماجاء فی أَجْرِ الْكَاهِنِ

غیب کی باتیں بتلانے والے کی اجرت

حدیث: نبی ﷺ نے کتے کی قیمت سے، رنڈی کی فیس سے اور غیب کی باتیں بتلانے والے کے نذرانے سے منع فرمایا۔

تشریح: یہ حدیث پہلے دو جگہ (ابواب النکاح باب ۳۵ اور ابواب البیوع باب ۴۶) میں گذر چکی ہے، اور یہاں کاہن کا مسئلہ ہے۔ نبی ﷺ نے اس کو پیش کئے جانے والے نذرانے سے منع کیا، کیونکہ غیب کی باتیں کوئی نہیں جانتا، اور کاہنوں کی باتیں اٹکل پچو کے تیر ہوتی ہیں، اس لئے ان کی اجرت جائز نہیں۔ اجرت منفعتِ معلومہ ہی کی جائز ہے، مگر حدیث میں اجرت کا لفظ نہیں ہے، بلکہ حُلوان ہے حلوانذرانہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، اور اس کے جواز کے لئے کوئی شرط نہیں، دینے والا اگر خوشی سے دے تو جائز ہے، جیسے عَسْبُ الفَحْلِ (سانڈ کی اجرت) سے منع کیا تو کسی نے عرض کیا: إِنَّا نُكْرَمُ: ہم طے کر کے کوئی اجرت نہیں لیتے بلکہ بطور نذرانہ ہمیں دیا جاتا ہے، تو نبی ﷺ نے اس کی اجازت دی، تاہم کاہن کے حلوے کی ممانعت فرمائی تاکہ لوگ کہانت سے باز آجائیں اور کہانت کو ذریعہ معاش نہ بنائیں، پس یہ ممانعت لغیرہ ہے۔

ملحوظہ: اس باب کا اور اس حدیث کا ابواب الطب سے کوئی خاص تعلق نہیں، مگر یہ کہ کہا جائے کہ کاہن اپنے جن کو منتر کے ذریعہ حاضر کرتا ہے اور ابواب الطب میں رُقی (منتروں) کا بھی بیان ہے، پس ہوسکتا ہے کہ اسی مناسبت سے یہ حدیث اور یہ باب یہاں لائے ہوں۔ یا یہ کہا جائے کہ جھاڑ پھونک کی اجرت تو جائز ہے مگر کہانت کی اجرت جائز نہیں۔

[۲۲-] باب ماجاء فی أَجْرِ الْكَاهِنِ

[۲۰۷۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی کَرَاهِیَةِ التَّعْلِیْقِ

کوڑی وغیرہ باندھنے کی ممانعت

امام ترمذی رحمہ اللہ نے گول مول لفظ ''لٹکانا'' استعمال کیا ہے، کیا چیز لٹکانے کی ممانعت ہے؟ اس کی وضاحت نہیں کی، لوگ علاج کے لئے یا احتیاط کے طور پر مختلف چیزیں باندھتے ہیں، قرآن وحدیث سے تیار کئے ہوئے تعویذ بھی باندھتے ہیں، اعداد کے تعویذ بھی پہنتے ہیں، اور گنڈے، ٹونے اور ٹوٹکے بھی کرتے ہیں، اور جھڑواتے بھی ہیں، اور روایات ان سلسلہ میں مختلف ہیں۔

پہلی روایت: ابوداؤد (حدیث ۳۸۸۳) میں ہے: إِنَّ الرُّقَی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ: جھاڑ پھونک، گھونگے اور تسخیر شوہر کا عمل شرک ہے، یعنی یہ ہندوانہ چیزیں ہیں۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں ایسے منتروں سے جھاڑتے تھے جن میں مورتیوں سے اور شیاطین سے استمداد ہوتی تھی، ان کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ وہ منتر شرک ہیں، اور تمیمہ: کوڑی، گھونگا ہے جو ایک قسم کے دریائی کیڑے کا خول ہے جو ہڈی کے مانند یا سینگ کی قسم کا ہوتا ہے جو بطور تعویذ استعمال کیا جاتا ہے تاکہ نظر نہ لگے، عام طور پر اسے بچوں کے گلوں میں باندھتے ہیں، اسی طرح ہندو گھر کے دروازے پر پتّے وغیرہ باندھتے ہیں اور گاؤں میں جو راستہ داخل ہوتا ہے اس پر بھی باندھتے ہیں، اسی طرح مرچوں کی کیاری میں کالی ہانڈی اوندھی کرتے ہیں یا پیپتے کے تنے میں کالے بال باندھتے ہیں، یہ سب تمیمہ ہیں اور ہندوانہ چیزیں ہیں۔

اور تِوَلَة: ٹوٹکا یعنی محبت کا تعویذ جو بیوی اپنے خاوند کے لئے کراتی ہے، یہ بھی چونکہ از قبیل جادو ہے، اس لئے شرک ہے۔

اس حدیث میں یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ حضرت زینبؓ کے گلے میں ڈورا دیکھا، آپؓ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ بیوی نے کہا: پڑھا ہوا دھاگہ ہے، آپؓ نے اس کو کاٹ دیا اور فرمایا: تم عبداللہ کے گھر والے اس سے بے نیاز ہو اور مذکورہ حدیث سنائی، اس پر حضرت زینب نے کہا: میری آنکھ دکھتی تھی میں فلاں یہودی سے جھڑواتی تھی، جب وہ جھاڑتا تھا تو درد ختم ہو جاتا تھا، معلوم ہوا کہ جھاڑ فائدہ کرتی ہے، ابن مسعودؓ نے فرمایا: وہ شیطانی حرکت تھی، شیطان انگلی چبھوتا تھا، جب یہودی جھاڑتا تھا تو شیطان رک جاتا تھا (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ حدیث ۴۵۵۲)

دوسری حدیث: لَا رُقْيَةَ إِلا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ: یعنی نظر بد یا زہر ہی کو جھڑوانا چاہئے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً منتر ممنوع نہیں، جھاڑ کی بیماری کو جڑھوانا جائز ہے، حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں ایک باندی تھی جس کو جنّ کی نظر لگی تھی تو آپؐ نے اس کو جڑھوانے کا امر فرمایا۔

تیسری حدیث: باب کی حدیث ہے، جو ابن ابی لیلیٰ صغیر کی ہے، جن کا نام محمد ہے، وہ اپنے بھائی عیسیٰ سے روایت کرتے ہیں: وہ حضرت عبداللہ بن عُکیم ابومعبد جہنی رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے گئے، ان کو خسرہ نکلا ہوا تھا، یہ ایک جلدی بیماری ہے، جس میں بدن سرخ ہو جاتا ہے، اور تیز بخار چڑھتا ہے، عیسیٰ نے حضرت عبداللہ سے کہا: آپ کوئی چیز کیوں نہیں لٹکا لیتے (غالباً عربوں میں اس مرض میں کوئی گنڈا باندھنے کا رواج تھا، عیسیٰ نے اس کو باندھنے کا مشورہ دیا) حضرت نے فرمایا: الموتُ أقْرَبُ من ذلك: اس سے مرجانا بہتر ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ: جس نے کوئی چیز باندھی وہ اس کے حوالہ کردیا جائے گا۔ اس حدیث سے قرآن وحدیث کے تعویذوں کے علاوہ ہر چیز باندھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

چوتھی حدیث: مسند احمد (۴: ۱۵۴) میں روایت ہے: مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلاَ أَتَمَّ اللّٰهُ له، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلاَ وَدَعَ اللّٰهُ لَهُ: جس نے کوڑی باندھی: اللہ اسے بامراد نہ کرے، اور جس نے گھونگا باندھا اللہ تعالیٰ اس کو آرام نہ پہنچائے، اس روایت سے بھی تعویذ کے علاوہ چیزیں باندھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

اور علماء میں اس سلسلہ میں اختلاف ہے، کچھ حضرات ہر چیز کو ناجائز کہتے ہیں، نجدی حضرات کا یہی خیال ہے، وہ قرآنی تعویذ کو بھی ناجائز کہتے ہیں، صرف جھاڑنے کو جائز کہتے ہیں اور دوسرے حضرات قرآنی تعویذ باندھنے کی اجازت دیتے ہیں، ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا عمل ہے، وہ أعوذ بكلماتِ الله التامات إلى آخره لکھ کر بچوں کے گلوں میں ڈالتے تھے [1] اور صحیح رائے یہی ہے، قرآن وحدیث سے بنایا ہوا تعویذ بوقت ضرورت پہننا جائز ہے، اور بے ضرورت پہننا یا بچوں کو پہنانا توکل کے منافی ہے، اور ٹونے ٹوٹکے بالکل ناجائز ہیں [2] اور قرآن وحدیث سے جھاڑنا سنت ہے، میں بچوں وغیرہ کو جھاڑتا ہوں، اسی طرح پینے کا تعویذ دیتا ہوں، مگر

---

(۱) یہ حدیث ابوداؤد میں ہے اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قال: "إِذَا فَزِعَ أَحَدُكم في النَّوْمِ، فَلْيَقُلْ: أعوذ بكلمات الله التَّامّاتِ من غَضَبِه، وعِقَابِه، وشرِّ عبادِه، ومن هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ، وأَنْ يَحْضُرُوْنِ. فإنَّها لن تَضُرَّه" وكان عبدُ الله بنِ عمروٍ يُعَلِّمُها من بَلَغَ من وَلَدِه، ومن لم يَبْلُغْ منهم، كَتَبَهَا في صَكٍّ، ثُم عَلَّقَهَا فِيْ عُنُقِه (مشکوۃ حدیث ۲۴۷۷ باب الاستعاذة، كتاب الدعوات)

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک خوبصورت بچہ دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: دَسِّمُوْا نُوْنَتَه، كيلا تُصِيْبُه العَيْنُ اس کی ٹھوڑی کا گڑھا کالا کردو تاکہ اس کو نظر نہ لگے، بعض لوگ اس روایت سے ٹونے ٹوٹکے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور عورتیں بھی بچوں کو کاجل لگا کر کسی جگہ سیاہ دھبہ بنا دیتی ہیں، مگر یہ روایت اللہ جانے کس کتاب کی ہے، اس کی سند کا حال معلوم نہیں، علامہ بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنہ (۶: ۲۶۴) میں رُوِيَ کہہ کر بیان کی ہے، یعنی اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، نیز احادیث صحیحہ کی موجودگی میں کسی کے قول سے استدلال نہیں کیا جاتا ۱۲

باندھنے کا تعویذ سخت ضرورت کے بغیر نہیں دیتا، کیونکہ اس سلسلہ میں لوگوں نے بہت بے احتیاطی شروع کردی ہے، بے ضرورت بچوں کے گلوں میں تعویذ ڈالتے ہیں یہ توکل کے منافی ہے۔

ایک واقعہ: میری ایک بچی تھی جس کا نام عائشہ تھا، وہ پونے دو سال کی عمر میں راندیر میں وفات پاگئی، اسے یرقان ہوا میں اس کا علاج کرتا رہا، اتفاق سے میرے یہاں ایک مولانا صاحب مہمان آئے، انھوں نے بچی کو دیکھا تو کہا: اسے یرقان ہورہا ہے، میں ایک تعویذ دیتا ہوں اسے باندھ لو، میں نے کہا: میں تعویذ نہیں باندھتا، آپ کوئی جھاڑ جانتے ہوں تو جھاڑ دیں، کیونکہ میرے نزدیک بچی کا مرجانا تعویذ باندھنے سے آسان ہے، انھوں نے کہا: فلاں حضرت کا تعویذ ہے، میں نے کہا: چاہے کسی کا ہو میں نہیں باندھتا، بچی چند دن کے بعد وفات پاگئی، اور مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں، جو اللہ نے مقدر کیا تھا وہ ہوا۔

[۲۳-] باب ماجاء فی کَرَاهِيَةِ التَّعْلِيْقِ

[۲۰۷٤-] حدثنا مُحمدُ بنُ مَدُّوَيْهِ، نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ ابنِ أَبِيْ لَيْلَى، عَنْ عِيْسَى، وَهُوَ ابنُ عَبْدِ الرحمنِ بنِ أَبِيْ لَيْلَى، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُكَيْمٍ أَبِيْ مَعْبَدٍ الجُهَنِيِّ، أَعُوْدُهُ، وَبِهِ حُمْرَةٌ، فَقُلْتُ: أَلَا تُعَلِّقُ شَيْئًا؟ قَالَ: الْمَوْتُ أَقْرَبُ مِنْ ذٰلِكَ! قَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ"

وَحَدِيْثُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُكَيْمٍ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ أَبِيْ لَيْلَى.

حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ ابنِ أَبِيْ لَيْلَى نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ، وَفِي الْبَابِ: عُنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ.

بابُ ماجاء فی تَبْرِيْدِ الْحُمَّى بِالْمَاءِ

پانی سے بخار کو ٹھنڈا کرنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''بخار آگ کا جوش ہے پس اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو''

تشریح: یہ روایت حضرت رافع، حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور بَرَدَ يَبْرُدُ بَرْدًا وَبُرُوْدًا لازم بھی ہے اور متعدی بھی، ٹھنڈا ہونا اور ٹھنڈا کرنا دونوں معنی ہیں، پس حدیث میں ابْرُدُوْها کو مجرد سے بھی پڑھ سکتے ہیں (ابْرُدُوْهَا) اور مزید سے بھی (أَبْرِدُوْهَا) إبراد باب افعال کے معنی ٹھنڈا کرنے کے ہیں، مگر علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ فصیح مجرد سے پڑھنا ہے...... اور فورٌ کے معنی ہیں: جوش، اور فَيْحٌ کے

معنی ہیں: پھیلاؤ، یہ بیان حقیقت ہے یا تمثیل؟ اس کی تفصیل تحفۃ الالمعی (۱: ۴۵۵، کتاب الصلوٰۃ باب ۶) میں گذر چکی ہے ...... اور حضرت اسماءؓ کی حدیث مسلم شریف میں ہے، ان کے پاس جب کوئی بخار والی عورت آتی تو وہ پانی منگواتیں اور اس کے گریبان میں ڈالتیں پھر نبی ﷺ کا یہ ارشاد سناتیں۔

اور علامہ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں طب نبوی کے بیان میں بخار کے علاج کے سلسلہ میں بہت ہی اچھی تفصیل کی ہے، اس کا پورا خلاصہ بیان کرنا تو مشکل ہے، اس میں سے ایک بات یہ ہے کہ پانی سے بخار کو ٹھنڈا کرنے کا حکم اہل حجاز کے ساتھ خاص ہے، یعنی جو ممالک گرم خشک ہیں اور جہاں دھوپ لگتی ہے وہاں بخاری کا پانی میں نہانا مفید ہے، اور یہ حدیث اگرچہ بظاہر عام ہے مگر حقیقت میں خاص ہے، جیسے استنجاء کرتے وقت آپؐ کا ارشاد: شَرِّقوا أو غَرِّبوا اور استقبال قبلہ میں آپؐ کا ارشاد: ما بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالمغربِ قبلة عام حکم نہیں ہے بلکہ مدینہ اور مدینہ کی جہت والوں کے لئے خاص حکم ہے، اسی طرح بخار میں نہانے کا حکم بھی اہل حجاز کے ساتھ خاص ہے (علامہ ابن القیم کی بات پوری ہوئی)

اور ہمارے ملک میں بھی اطباء اور ڈاکٹر بعض بخاروں میں سر پر اور پاؤں پر برف رکھنے کا یا ملنے کا یا کپڑا بھگو کر رکھنے کا علاج بتاتے ہیں۔ اور بخاروں کی بہت سی قسمیں ہیں، پس یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ حکم سب بخاروں کے لئے نہیں ہے، خاص بخاروں کے لئے ہے، جیسے گردن توڑ بخار وغیرہ۔

یہ تو بخار کی تدبیر کا بیان تھا، پھر آخری روایت میں اس کی ایک جھاڑ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ لوگوں کو بخار میں اور سبھی دردوں میں یہ دعا سکھلایا کرتے تھے: بسم الله الكبير، أعوذ بالله العظيم، مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ، وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ: بڑی ہستی اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، عظیم ہستی اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، ہر پھڑ کنے والی رگ کی برائی سے اور آگ کی گرمی کی برائی سے، نَعَّار: اسم مبالغہ ہے، نَعَرَ يَنْعَرُ نَعْراً العِرْقُ کے معنی ہیں: رگ پھٹ کر زور زور سے خون نکلنا۔ اور ایک دوسری روایت میں يَعَّارٌ ہے، یہ بھی اسم مبالغہ ہے، اور يَعَرَتِ الشّاةُ، تَيْعَرُ (ف،ض) يَعْرًا: بکری کا ممیانا، آواز نکالنا، یعنی آواز کے ساتھ خون کا نکلنا، اور مراد خون کا باہر نکلنا نہیں ہے بلکہ رگوں میں خون کا پریشر بڑھ جانا ہے، اور آگ کی گرمی سے مراد بخار ہے۔

اس دعا سے بخار والے کو دوسرا شخص بھی جھاڑ سکتا ہے، اور مریض خود بھی یہ دعا پڑھ سکتا ہے، پھر چاہئے کہ وہ اپنے اوپر دم کرے، اور جب بھی پڑھے سات مرتبہ پڑھے، اور اسی طرح وقفہ وقفہ سے بار بار پڑھتا رہے، ان شاء اللہ شفا ہو جائے گی۔

رہی دواء تو سادہ معاشرہ میں اس کی طرف توجہ کم کی جاتی ہے، دعا تدبیر ہی سے کام چلایا جاتا ہے، اور شہری معاشرہ میں لوگ دواء دارو کرنا چاہتے ہیں، پس وہ کسی حکیم یا ڈاکٹر کی طرف رجوع کریں۔

[٢٤-] باب ماجاء في تَبْرِيْدِ الْحُمَّى بِالْمَاءِ

[٢٠٧٥-] حدثنا هَنَّادٌ، نَا أَبُوْ الأَحْوَصِ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبَايَةَ بنِ رِفَاعَةَ، عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " الحُمَّى فَوْرٌ مِنَ النَّارِ، فَابْرُدُوْهَا بِالْمَاءِ"

وفي الباب: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ، وابنِ عُمَرَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَامْرَأَةِ الزُّبَيْرِ، وَعَائِشَةَ.

[٢٠٧٦-] حدثنا هَارُوْنُ بنُ إِسْحَاقَ الهَمْدَانِيُّ، نَا عَبْدَةُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنَّ الحُمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَابْرُدُوْهَا بِالْمَاءِ"

[٢٠٧٧-] حدثنا هَارُوْنُ بنُ إِسْحَاقَ، ثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَفِيْ حَدِيْثِ أَسْمَاءَ كَلاَمٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا، وَكِلاَ الحَدِيْثَيْنِ صَحِيْحٌ.

[٢٠٧٨-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ العَقَدِيُّ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ بنِ أَبِيْ حَبِيْبَةَ، عَنْ دَاوُدَ بنِ حُصَيْنٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُعَلِّمُهُمْ مِنَ الْحُمَّى، وَمِنَ الأَوْجَاعِ كُلِّهَا، أَنْ يَقُوْلَ: " بِسْمِ اللّٰهِ الكَبِيْرِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ العَظِيْمِ، مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ، وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ إِبْرَاهِيْمَ بنِ إِسْمَاعِيْلَ بنِ أَبِيْ حَبِيْبَةَ، وَإِبْرَاهِيْمُ يُضَعَّفُ فِيْ الحَدِيْثِ، وَيُرْوَى: عِرْقٍ يَعَّارٍ.

وضاحت: حضرت اسماءؓ کی روایت میں جوزائد کلام ہے وہ مسلم شریف میں ہے اور تقریر میں میں نے اس کو ذکر کر دیا ہے، اور دونوں حدیثیں صحیح ہیں یعنی یہ روایت حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے اور حضرت اسماءؓ سے بھی، پس کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ راویوں کو وہم ہوا ہے، کسی نے حضرت عائشہؓ کا ذکر کر دیا اور کسی نے حضرت اسماءؓ کا بلکہ یہ حدیث دونوں سے مروی ہے، اسی طرح پہلی حدیث جو حضرت رافع سے مروی ہے وہ بھی صحیح ہے ...... اور آخری روایت ابراہیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

بابُ ماجاء في الغِيْلَةِ

دودھ پلانے کے زمانہ میں صحبت کرنا

غَالَتِ الْمَرْأَةُ وَلَدَهَا، يَغِيْلُ غَيْلاً کے معنی ہیں: زمانۂ حمل میں دودھ پلانا، اور غالَ الرجلُ وَلَدَه کے معنی

ہیں: بچہ کی شیر خواری کے زمانہ میں اس کی ماں سے صحبت کرنا۔ لغت میں اس فعل کے دونوں معنی ہیں، مگر یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ نے جو اس حدیث کے راوی ہیں، یہی معنی بیان کئے ہیں، اور دودھ پلانے کے زمانہ میں بیوی سے صحبت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں روایات مختلف ہیں:

حدیث (۱): حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: لَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكم سِرًّا، فَإِنَّ الغَيْلَ يُدْرِكُ الفارسَ فَيُدَعْثِرُهُ عَنْ فَرَسِهِ: اپنی اولاد کو چپکے سے مت مار ڈالو، اس لئے کہ زمانہ رضاعت میں بیوی سے صحبت کرنا شاہ سوار کو پاتا ہے، پس اس کو گھوڑے سے پچھاڑ دیتا ہے، یعنی جس زمانہ میں عورت بچہ کو دودھ پلا رہی ہو اس زمانہ میں اگر شوہر اس سے صحبت کرے تو بچہ کو اس کا ضرر پہنچتا ہے، اور ضرر مخفی ہوتا ہے، فوراً ظاہر نہیں ہوتا، بڑی عمر میں جا کر ظاہر ہوتا ہے، جب وہ شاہ سوار بن جاتا ہے اچانک گھوڑے سے گر پڑتا ہے، یہ اس صحبت کا ضرر ہے اس لئے مدت رضاعت میں شوہر کو چاہئے کہ بیوی سے صحبت نہ کرے (رواہ ابوداؤد، مشکوۃ حدیث ۳۱۹۶)

حدیث (۲): حضرت عُکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی اخیافی بہن حضرت جُدامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میری موجودگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں سے فرمایا: بخدا! میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں دودھ پلانے والی عورت سے صحبت کرنے سے منع کردوں، پھر میں نے روم اور فارس کے احوال میں غور کیا تو وہ دودھ پلانے والی عورت سے صحبت کرتے ہیں اور یہ چیز بچوں کو ذرا بھی ضرر نہیں پہنچاتی (یہ حدیث باب میں بھی ہے اور مسلم شریف میں بھی ہے)

تشریح: پہلی حدیث میں دودھ پلانے کے زمانہ میں بیوی سے صحبت کرنے کی ممانعت ہے اور دوسری حدیث میں اجازت ہے، اور اس تعارض کا حل یہ ہے کہ پہلی حدیث منسوخ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اجتہاد یہ تھا کہ اس سے بچے کو ضرر پہنچتا ہے اس لئے منع فرمایا، پھر روم و فارس کے احوال میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی ضرر نہیں اس لئے آپ نے اجازت دیدی۔

فائدہ: حمل کے زمانہ میں شروع میں تو عورت کا دودھ ٹھیک ہوتا ہے، مگر کچھ عرصہ کے بعد جب عورت کا دودھ پیلا پڑ جائے تو وہ بچے کے لئے ناموافق ہو جاتا ہے، اس لئے جب حمل پر کچھ عرصہ گذر جائے اور دودھ میں تغیر آجائے تو دودھ پلانا بند کر دینا چاہئے، نیز دودھ پلانے والی عورت سے شوہر کا صحبت کرنا چونکہ استقرار حمل کا سبب ہے اس لئے بھی اس سے احتراز کرنا چاہئے مگر ایک بیوی والا کیا کرے!

[۲۵-] باب ماجاء فی الغِیْلَةِ

[۲۰۷۹-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، نَا يَحْيىَ بنُ إِسْحَاقَ، نَا يَحْيىَ بنُ أَيُّوبَ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ بنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ بِنْتِ وَهْبٍ، وَهِيَ جُدَامَةُ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رسولَ

اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" أَرَدْتُ أَنْ أَنْهَى عَنِ الْغِيَالِ، فَإِذَا فَارِسُ وَالرُّوْمُ يَفْعَلُوْنَ، وَلَايَقْتُلُوْنَ أَوْلَادَهُمْ"

وفي الباب: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ، هٰذَا حديثٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ الْأَسْوَدِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

قَالَ مَالِكٌ: وَالغِيَالُ: أَنْ يَطَأَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، وَهِيَ تُرْضِعُ.

[۲۰۸۰-] حدثنا عِيْسَى بنُ أَحْمَدَ، ثَنَا ابنُ وَهْبٍ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ الْأَسْوَدِ مُحمدِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ بنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهْبِ الْأَسَدِيَّةِ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهٰى عَنِ الْغِيْلَةِ، حَتّٰى ذُكِرْتُ أَنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ يَصْنَعُوْنَ ذٰلِكَ، وَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ"

قَالَ مَالِكٌ: وَالغِيْلَةُ: أَنْ يَمَسَّ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، وَهِيَ تُرْضِعُ.

قَالَ عيسىَ بنُ أَحْمَدَ: وحدثنا إِسْحَاقُ بنُ عِيسىَ، قَالَ ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ الْأَسْوَدِ نَحْوَهُ.

قَالَ أَبُوْ عيسىٰ: هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

وضاحت: پہلی حدیث میں جو محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل ہیں انہی کی کنیت ابوالاسود ہے، امام مالک رحمہ اللہ ان سے ہی روایت کرتے ہیں، اس لئے دوسری حدیث میں ہمارے نسخہ میں عن أبی الأسود کے بعد جو واو ہے وہ غلط ہے، مصری نسخہ میں نہیں ہے اس لئے اس کو حذف کیا ہے...... اور باب میں امام مالکؒ کا قول دو مرتبہ آیا ہے کیونکہ وہ دونوں روایتوں میں مذکور ہے (دونوں حدیثیں امام مالکؒ کی سند سے ہیں)

بابُ ماجاء في دَوَاءِ ذَاتِ الجَنْبِ

پہلو کے درد (نمونیا) کا علاج

ذات الجنب کو نمونیا کہتے ہیں، اس میں پھیپھڑے کی جھلی میں ورم ہو جاتا ہے، پھر جھلی اور پھیپھڑے کے درمیان پانی کا ترشح ہونے لگتا ہے یہ حقیقی ذات الجنب ہے، اور یہی دِق ہے، پھر پھیپھڑے پر زخم ہو جاتے ہیں یہ سِل ہے، جس کو ٹی بی کہتے ہیں (ٹی بی کینسر کی طرح جسم کے ہر حصہ میں ہو سکتی ہے، نمونیا کے آخری شکل کے ساتھ خاص نہیں) ذات الجنب خطرناک بیماری ہے اس میں پہلو میں سخت درد ہوتا ہے، اس لئے اس بیماری میں دواء کھلائی بھی جاتی ہے اور لیپ بھی کیا جاتا ہے۔

حدیث (۱): حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ ذات الجنب میں زیتون کا تیل اور وَرس بتایا کرتے تھے۔

تشریح: نَعَتَه (ف) نَعْتًا: حالت بیان کرنا، یہ وہی فعل ہے جس سے نعت منعوت (موصوف صفت) مستعمل ہیں، اور وَرس ایک قسم کا پودا ہے جس کو رنگائی کے کام میں لایا جاتا ہے، اور ہندوستان، عرب اور ملک حبشہ میں پیدا ہوتا ہے، خضاب میں مہندی کے ساتھ اس کے پتے بھی ملائے جاتے ہیں، یہ دواء ذات الجنب میں کس طرح استعمال کی جائے؟ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ورس کے پتے زیتون کے تیل میں پیس لئے جائیں، پھر وہ دواء گوشۂ فم میں ڈالی جائے اور اس جانب سے ڈالی جائے جس طرف درد ہے، مگر حضرت گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں: حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا بتایا ہوا یہ طریقہ ان کے اپنے تجربہ پر مبنی ہے، ورنہ لیپ کرنا بھی ذات الجنب میں مفید ہے، اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ بڑے طبیب تھے، علاج معالجہ بھی کرتے تھے، اس لئے حضرتؒ کی بات وزنی ہے، اسی طرح علامہ ابن القیم رحمہ اللہ بھی بہت بڑے حکیم تھے، فن کے بڑوں میں ان کا نام آتا ہے، اس لئے ان دونوں حضرات کی بات وزنی ہوتی ہے۔

حدیث (۲): حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ذات الجنب کا علاج کریں قُسط بحری اور زیتون کے تیل سے۔

تشریح: قُسط کو کوٹھ کہتے ہیں، یہ ایک نبات کی جڑ ہے، اور تین قسم کی ہوتی ہے (۱) شیریں: جو سفید زردی مائل ہوتی ہے، اور وزن میں ہلکی اور خوشبودار ہوتی ہے، اس کو قسط بحری اور قسط عربی بھی کہتے ہیں (۲) تلخ: جس کا رنگ باہر سے سیاہی مائل ہوتا ہے، اور توڑنے پر اندر سے زردی مائل نکلتا ہے، یہ موٹی اور وزن میں ہلکی ہوتی ہے، اس کو قُسط ہندی کہتے ہیں (۳) سرخی مائل: جو وزنی اور خوشبودار ہوتی ہے، مگر تلخ نہیں ہوتی، یہ زہریلی ہونے کی وجہ سے استعمال نہیں کی جاتی، اور اس علاج کے بارے میں حضرت گنگوہی قدس سرہ نے کچھ نہیں فرمایا کہ یہ پلانے کی دوا ہے یا لیپ کرنے کی، میرے خیال میں یہ بھی لیپ کرنے کی دواء ہے۔

[۲۶-] باب ماجاء في دَوَاءِ ذَاتِ الْجَنْبِ

[۲۰۸۱-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ، ثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَرْقَمَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَنْعَتُ الزَّيْتَ وَالْوَرْسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ، قَالَ قَتَادَةُ: وَيُلَدُّ مِنَ الجَانِبِ الَّذِيْ يَشْتَكِيْهِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وأَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: اسْمُهُ مَيْمُوْنٌ، هُوَ شَيْخٌ بَصْرِيٌّ.

[۲۰۸۲-] حدثنا رَجَاءُ بنُ مُحمدٍ العُذْرِيُّ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا عَمْرُو بنُ مُحمدِ بنِ أَبِي رَزِيْنٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، ثَنَا مَيْمُوْنٌ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ، قَالَ: أَمَرَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ نَتَدَاوَى مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِيِّ وَالزَّيْتِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مَيْمُوْنٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَرْقَمَ، وَقَدْ رَوَى عَنْ مَيْمُوْنٍ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ هٰذَا الحديثَ، وَذَاتُ الْجَنْبِ: يَعْنِي السِّلَّ.

وضاحت: دونوں حدیثوں کوحضرت زید بن ارقم سے ابوعبداللہ روایت کرتے ہیں، ان کا نام میمون ہے، باپ کا صحیح نام معلوم نہیں، کچھ لوگ ''استاذ'' بتاتے ہیں، یہ بصرہ کے رہنے والے تھے اور ضعیف راوی ہیں، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک اچھے ہیں، اس لئے ان کی دونوں حدیثوں کی تصحیح کی ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ میمون سے متعدد ذی علم حضرات نے یہ حدیث روایت کی ہے، پس یہ ان کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے...... پھر امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ ذات الجنب سے سِل مراد ہے، حالانکہ سِل ذات الجنب کا آخری مرحلہ ہے، جس میں پھیپھڑے میں زخم ہوجاتے ہیں، جس کو ٹی بی کہتے ہیں، اور سِل سے پہلے دِق کا مرحلہ ہے، اور اس سے پہلے ذات الجنب ہے، پس جو دواء ذات الجنب کے لئے مفید ہوگی وہ دق میں بھی مفید ہوگی، اور سِل میں بھی۔

بابٌ

درد کی ایک جھاڑ

حدیث: حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، درانحالیکہ میں اتنے سخت درد میں مبتلا تھا کہ قریب تھا کہ وہ درد مجھے ہلاک کردے، پس آپؐ نے فرمایا: اپنا دایاں ہاتھ درد کی جگہ پر سات مرتبہ پھیرو اور کہو: أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ، وَقُدْرَتِهِ، وَسُلْطَانِهِ: مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ: اللہ کی عزت، قدرت اور بادشاہت کی استعانت سے پناہ چاہتا ہوں اس تکلیف کی برائی سے جو میں پارہا ہوں، حضرت عثمانؓ کہتے ہیں: میں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری وہ تکلیف دور فرمادی، چنانچہ میں برابر وہ دعا اپنے گھر والوں کو اور ان کے علاوہ کو بتلاتا رہتا ہوں، طلبہ کو بھی یہ جھاڑ یاد کرنی چاہئے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

[۲۷-] بابٌ

[۲۰۸۳-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مُوْسَى الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثنا مَالِكٌ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ خُصَيْفَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ كَعْبٍ السُّلَمِيِّ، أَنَّ نَافِعَ بنَ جُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ، عَنْ عُثْمَانَ بنِ أَبِي

الْعَاصِ، أَنَّهُ قَالَ: أَتَانِيْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَبِيْ وَجَعٌ، قَدْ كَادَ يُهْلِكُنِيْ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "امْسَحْ بِيَمِيْنِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ، وَقُلْ: أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ وَسُلْطَانِهِ، مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ" قَالَ: فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللّٰهُ مَاكَانَ بِيْ، فَلَمْ أَزَلْ آمُرُ بِهِ أَهْلِيْ وَغَيْرَهُمْ، هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في السَّنَا

سَنا کا بیان

سَنا کا پودا جنگلی نیل کے مشابہ ہوتا ہے، اور دو بالشت تک بلند ہوتا ہے، اس کے پتے مہندی کے پتوں کے مانند اور پھول کسی قدر نیل گول ہوتے ہیں، اس کی پھلی چپٹی ہوتی ہے، اور اس کے اندر چپٹا، لمبوترا اور کسی قدر خمیدہ چھوٹا سا بیج ہوتا ہے، اس کا مزاج گرم خشک ہے، اور یہ مُلین اور مسہل ہے، اس کے پتے دواء کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں، سب سے بہتر وہ سنا ہے جو بلادِ حجاز سے آتی ہے، اس لئے وہ سنا مکی کے نام سے مشہور ہے۔

سنا کو اگر بغرض تلیین استعمال کرنا ہو تو مقدار قلیل میں مثلاً تین ماشہ دیتے ہیں، اور زیادہ مقدار میں استعمال کرکے مسہل قوی کا کام لیتے ہیں، اخلاط فاسدہ کو خارج کرنے کے لئے بہترین مسہل ہے، اس کے علاوہ اور بھی متعدد بیماریوں میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے (مخزن مفردات ص:۲۳۳)

حدیث: حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے ان سے پوچھا: تم کس چیز کا مُسہل لیتی ہو؟ انھوں نے کہا: شُبرم کا (شبرم: چنے کی طرح کا ایک دانہ ہے، اس کا مزاج سخت حار ہے، اس کا پانی دواء کے طور پر پیتے ہیں، اس کا دانہ بھی مُسہل ہے اور اس کی جڑ بھی مسہل ہے) نبی ﷺ نے فرمایا: گرم انگار! بند کھول دینے والا! جارّ حارّ کا تابع ہے، مگر عربی میں تابع مہمل نہیں ہوتا، بلکہ معنی دار ہوتا ہے، جَارّ: جَرَّ سے اسم فاعل ہے، کھینچنے والا یعنی بہت دست لانے والا، وہ اپنی حدت کی وجہ سے اس مادہ کو بھی کھینچ لاتا ہے جس کا نکل جانا صحت کے لئے مضر ہے۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں: پھر میں نے سنا کا مُسہل لیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: لَوْ أَنَّ شَيْئًا كان فيه شفاءٌ مِن الموتِ لكان في السَّنا: اگر کوئی چیز ایسی ہوتی جس میں موت کا علاج ہو تو وہ سنا ہی میں ہوتا، یعنی سنا کثیر الفوائد نبات ہے، موت کا علاج بھی اس میں ہوسکتا تھا مگر موت کا علاج کسی چیز میں نہیں۔

تشریح: اس حدیث کی سند میں عتبہ بن عبداللہ مجہول راوی ہے، اس لئے یہ حدیث ضعیف ہے، اور پہلے ہم نے یہ بات بیان کی ہے کہ مہینہ میں ایک مرتبہ مُسہل لینا چاہئے، اس سے پیٹ کی بیماریوں سے آدمی محفوظ ہو جاتا ہے، مگر اب لوگ کھاتے بہت ہیں، اور معدہ صاف نہیں کرتے اس لئے بیمار پڑتے ہیں اور ڈاکٹروں کی جیب بھرتے ہیں۔

اور حارٌ کا ترجمہ میں نے گرم انگار: تابع کی وجہ سے کیا ہے، کیونکہ عربی میں تابع کے اگرچہ معنی ہوتے ہیں مگر وہ متبوع میں تاکید بھی پیدا کرتا ہے۔

[۲۸-] باب ماجاء في السَّنَا

[۲۰۸۴-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ بَكْرٍ، ثَنَا عَبْدُ الْحَمِيْدِ بْنُ جعْفرٍ، ثَنِيْ عُتْبَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم سَأَلَهَا بِمَا تَسْتَمْشِيْنَ؟ قَالَتْ: بالشُّبْرُمِ، قَالَ: " حَارٌّ جَارٌّ!" قَالَتْ: ثُمَّ اسْتَمْشَيْتُ بِالسَّنَا، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَوْ أَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيْهِ شِفَاءٌ مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِيْ السَّنَا" هٰذَا حديثٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء في العَسَلِ

شہد کا ذکر

شہد کو کون نہیں جانتا؟ فارسی میں اس کو انگبیں اور عربی میں عَسَل کہتے ہیں، شہد کی مکھیاں پھولوں وغیرہ کا رس چوس کر اپنے چھتے میں شہد بناتی ہیں جو شکر کے قوام کے مانند شیریں ہوتا ہے، اس میں مختلف پھولوں کی بو، مزہ اور تاثیر بھی ہوتی ہے، شہد کا مزاج گرم خشک ہے، وہ ورموں کو پکاتا اور تحلیل کرتا ہے، بدن کو طاقت بخشتا ہے اور ہضم میں امداد کرتا ہے، اور قبض کو رفع کرتا ہے، پھوڑے پھنسیوں پر لگاتے ہیں، اور جلائے بصر کے لئے آنکھوں میں بھی ڈالتے ہیں۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، اور اس نے کہا: میرے بھائی کو دست آتے ہیں؟ (پس میں اس کو کیا دواء پلاؤں؟) آپؐ نے فرمایا: اس کو شہد پلاؤ، چنانچہ اس نے اس کو شہد پلایا، پھر وہ آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! میں نے اس کو شہد پلایا، مگر اس سے دست بڑھ گئے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کو (پھر) شہد پلاؤ، راوی کہتے ہیں: اس نے اس کو پھر شہد پلایا، پھر وہ آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اس کو شہد پلایا پس اس کو اور زیادہ دست آنے لگے، نبی ﷺ نے فرمایا: صَدَقَ اللّٰهُ، وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيْكَ، اسْقِهِ عَسَلاً: اللہ کا ارشاد سچا ہے کہ فيه شفاءٌ للناس: شہد میں لوگوں کے لئے شفا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے یعنی دست نہیں آنے چاہئیں، اس کو اور شہد پلا، چنانچہ اس نے اس کو اور شہد پلایا تو وہ اچھا ہو گیا۔

تشریح: معدے کے اندر تولیے جیسے روئیں ہوتے ہیں، وہی کھانا ہضم کرتے ہیں، اس میں کبھی سُدّے بھر جاتے ہیں، جب مریض کو شہد پلایا گیا اور وہ ہضم نہ ہوا تو دست آنے لگے، پھر پلایا تو دست بڑھ گئے، پھر پلایا تو اور

بڑھ گئے، اس طرح معدہ اندر سے صاف ہوگیا، اور اس کی ہضم کی قوت لوٹ آئی، چنانچہ وہ اچھا ہوگیا، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر دواء کا ایک کورس ہے، جب وہ کورس پورا ہو تبھی فائدہ ہوتا ہے، دواء کی تھوڑی مقدار استعمال کرنے سے اگر فائدہ ظاہر نہ ہو تو مایوس نہیں ہونا چاہئے، ماہر حکیم کی رائے کے مطابق دواء کا استعمال جاری رکھنا چاہئے، نبی ﷺ سے ماہر کون ہوسکتا ہے؟ ان صاحب نے علاج جاری رکھا تو آخر میں بامراد ہوئے۔

[۲۹-] باب ماجاء فی العَسَلِ

[۲۰۸۵-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: إِنَّ أَخِي اسْتُطْلِقَ بَطْنُهُ؟ فَقَالَ: "اسْقِهِ عَسَلاً" فَسَقَاهُ، ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! قَدْ سَقَيْتُهُ عَسَلاً، فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا! قَالَ: فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " اسْقِهِ عَسَلاً" قَالَ: فَسَقَاهُ، ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنِّي قَدْ سَقَيْتُهُ فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا! قَالَ: فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "صَدَقَ اللّٰهُ، وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيْكَ، اسْقِهِ عَسَلاً" فَسَقَاهُ فَبَرَأَ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغت: اسْتَطْلَقَ بطنُه: پیٹ چلنا، دست آنا۔

بابٌ

بیمار کو جھاڑنے کی ایک دعا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں ہے کوئی بھی مسلمان بندہ جو کسی ایسے بیمار کی بیمار پرسی کرے جس کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا، پس وہ سات مرتبہ کہے: أَسْأَلُ اللّٰهَ العظيمَ، رَبَّ العَرْشِ العظيمِ، أَن يَشْفِيَكَ: عظیم المرتبت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، جو بڑے عرش کے مالک ہیں کہ وہ آپ کو شفا بخشیں: مگر وہ صحت یاب ہوجائے گا۔

تشریح: یہ دعا سات مرتبہ پڑھ کر مریض پر دم کی جائے اور حدیث میں ما نافیہ ہے اور مِن زائدہ ہے جو نفی کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے، اور لم يَحْضُر أَجَلُه: مریضاً کی صفت ہے، اور رَبَّ العرشِ العظيمِ: اللہ کی صفت ہے اور أن يَشْفِيَكَ: أَسْأَلُكَ کا مفعول ثانی ہے، اور إِلَّا نفی کا اثبات ہے، اور عَفَى الأَثَرُ (ن) عَفْوًا کے معنی ہیں: نشان مٹنا، یعنی بیمار کا صحت یاب ہونا، یہ دعا بھی طلبہ کو یاد کرنی چاہئے، اور جب کسی بیمار کے پاس جائیں تو اس سے دم کریں۔

[۳۰-] بابٌ

[۲۰۸۶-] حدثنا مُحمدُ بنُ المُثَنّٰی، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفرٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ يَزِيْدَ أَبِی خَالِدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ المِنْهَالَ بنَ عَمْرٍو، يُحَدِّثُ عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبیِّ صلی الله عليه وسلم، أَنَّهُ قَالَ: "مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مَرِيْضًا، لَمْ يَحْضُرْ أَجَلُهُ، فَيَقُوْلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ: أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ أَنْ يَشْفِيْكَ: إِلَّا عُوْفِیَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ المِنْهَالِ بنِ عَمْرٍو.

بابٌ

بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرنے کا ایک طریقہ

پہلے یہ بات گذری ہے کہ بخار آگ کا جوش ہے، پس اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو، مگر وہاں ٹھنڈا کرنے کا طریقہ مذکور نہیں، بخار کو ٹھنڈا کرنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں، مثلاً نہانا، کپڑا بھگو کر سر پر رکھنا یا پیروں سے لگانا وغیرہ، اور اس کا ایک طریقہ اس باب میں مذکور ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو بخار آئے، تو (جاننا چاہئے کہ) بخار جہنم کا ایک ٹکڑا ہے، پس چاہئے کہ اس کو اپنے سے پانی کے ذریعہ بجھائے، پس چاہئے کہ نہر میں ٹھنڈا ہونے کے لئے ٹھہرا رہے، اور اپنا منہ ادھر کرے جدھر سے پانی آرہا ہے، اور کہے: بسم الله اشْفِ عَبْدَكَ، وَصدِّق رسولَكَ: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے اللہ! اپنے بندے کو شفا بخشئے اور اپنے رسول کے فرمان کو سچا ثابت کیجئے، اور وہ نہر میں صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے اترے، اور چاہئے کہ وہ اس میں تین غوطے لگائے تین دن تک، پس اگر وہ تین دن میں اچھا نہ ہو تو پانچ دن، اور اگر پانچ دن میں بھی اچھا نہ ہو تو سات دن، پس اگر وہ سات دن میں بھی اچھا نہ ہو تو نو دن، پس بخار ان شاء اللہ نو دن سے متجاوز نہیں ہوگا (مگر عرب میں جاری نہریں نہیں ہیں، اس لئے اس حدیث کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں)

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی سعید بن زُرعہ حمصی جرّار خزّاف مستور راوی ہے، ترمذی میں اس کی یہی ایک حدیث ہے، اور یہ بات پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ ہر بخار میں اور ہر ملک میں یہ طریقہ مفید نہیں، گرم ملکوں میں لو لگنے سے جو بخار ہو جاتا ہے اسی میں یہ طریقہ مفید ہے۔

[۳۱-] بابٌ

[۲۰۸۷-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ سَعِيْدٍ الأَشْقَرُ الرِّبَاطِيُّ، ثَنَا رَوْحُ بنُ عُبَادَةَ، ثَنَا مَرْزُوْقٌ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الشَّامِيُّ، ثنَا سَعِيْدٌ - رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ - ثَنَا ثَوْبَانُ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "إِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمُ الحُمَّى، فَإِنَّ الْحُمَّى قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ، فَلْيُطْفِهَا عَنْهُ بِالْمَاءِ، فَلْيَسْتَنْقِعْ فِيْ نَهْرٍ جَارٍ، فَلْيَسْتَقْبِلْ جِرْيَتَهُ، فَيَقُوْلُ:" بِسْمِ اللّٰهِ، اللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ، وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ" بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، وَقَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ، وَلْيَغْمِسْ فِيْهِ ثَلَاثَ غَمَسَاتٍ، ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِيْ ثَلَاثٍ فَخَمْسٌ، فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِيْ خَمْسٍ فَسَبْعٌ، فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِيْ سَبْعٍ فَتِسْعٌ، فَإِنَّهَا لَاتَكَادُ تُجَاوِزُ تِسْعًا بِإِذْنِ اللّٰهِ" هذا حديثٌ غريبٌ.

بابُ التَّدَاوِیْ بِالرَّمَادِ

راکھ سے علاج کرنے کا بیان

روئی میں خون بند کرنے کی خاصیت ہے، پھر روئی یا سوتی کپڑا اجلا کر زخم پر دبایا جائے تو اس سے جلدی خون بند ہوجاتا ہے، اسی طرح کسی بھی چیز کی راکھ زخم میں بھر دی جائے تو اس سے بھی خون بند ہوجاتا ہے۔

حدیث: ابوحازم کہتے ہیں: حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے ایک بات پوچھی گئی، میں اس وقت وہاں موجود تھا، پوچھا گیا: کس چیز کے ذریعہ نبی ﷺ کے زخم کا علاج کیا گیا؟ حضرت سہلؓ نے فرمایا: اب کوئی نہیں رہا جو مجھ سے زیادہ یہ بات جانتا ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی لا رہے تھے، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے (چہرے) سے خون دھو رہی تھیں، اور آپؐ کے لئے ایک چٹائی جلائی گئی پس اس کی راکھ سے آپؐ کا زخم بھرا گیا۔

تشریح: یہ قصہ غزوۂ احد کا ہے، خود ٹوٹ کر آپ ﷺ کے ماتھے میں گڑ گیا تھا جس سے زخم ہوگیا تھا، اس کا اس طرح علاج کیا گیا تھا۔

[۳۲-] بابُ التَّدَاوِیْ بِالرَّمَادِ

[۲۰۸۸-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، قَالَ: سُئِلَ سَهْلُ بنُ سَعْدٍ، وَأَنَا أَسْمَعُ: بِأَيِّ شَيْءٍ دُوْوِيَ جُرْحُ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ فَقَالَ: مَابَقِيَ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ؛ كَانَ عَلِيٌّ يَأْتِيْ بِالْمَاءِ فِيْ تُرْسِهِ، وَفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْهُ الدَّمَ، وَأُحْرِقَ لَهُ حَصِيْرٌ، فَحُشِيَ بِهِ جُرْحُهُ.

قال أبو عيسى: هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغات: دُوْوِیَ (دوواؤں کے ساتھ) دَاوَی المریضَ مُداواۃً کا مجہول ہے، اس کے معنی ہیں: علاج کرنا، دوادارو کرنا، اور اس کا مجرد دَوِیَ فلانا کے معنی ہیں: بیمار ہونا...... حُشِیَ: حَشَا یَحْشُوْ حَشْوًا کا مجہول ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز میں کوئی چیز بھرنا۔

بابٌ

مریض کو زندگی کی امید دلانا

کوئی کسی کی بیمار پرسی کے لئے جائے تو اسے زندگی کی امید دلائے، مثلاً کہے: اللہ آپ کی عمر دراز کریں، آپ نہ گھبرائیں، کوئی خاص بیماری نہیں، ان شاء اللہ بہت جلد اچھے ہوجائیں گے، اس طرح آپ کے دعا دینے سے تقدیر ٹلے گی نہیں، مگر مریض کا دل خوش ہوجائے گا، حدیث شریف میں ہے کہ جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس کے لئے اس کی موت میں گنجائش پیدا کرو یعنی تسلی اور سکون بخشنے والی باتیں کرو، پس بیشک یہ چیز کسی چیز کو پھیرتی نہیں یعنی اس سے تقدیر ٹلتی نہیں، اور وہ اس کے دل کو خوش کردیتی ہے، اور مایوس کرنے والی باتیں مریض کو رنجیدہ کرتی ہیں۔

تشریح: اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن محمد بن ابراہیم تیمی منکر الحدیث ہے، یعنی نہایت ضعیف راوی ہے، اس لئے یہ حدیث غریب بمعنی ضعیف ہے۔

لطیفہ: ایک شخص کسی کی بیمار پرسی کے لئے گیا، اس بے وقوف نے بجائے بیمار پرسی کے تعزیت شروع کردی، گھر والوں نے کہا: ابھی ان کا انتقال نہیں ہوا! تو آپ کہتے ہیں: ان شاء اللہ جلدی ہوجائے گا! (ایسی باتیں کرنا بے وقوفی کی علامت ہے)

[۳۳-] بابٌ

[۲۰۸۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ سَعِيْدٍ الأَشَجُّ، ثَنَا عُقْبَةُ بنُ خَالِدٍ السَّكُوْنِيُّ، عَنْ مُوْسَى بنِ مُحمدِ بنِ إِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيْضِ فَنَفِّسُوْا لَهُ فِيْ أَجَلِهِ، فَإِنَّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا، وَيُطَيِّبُ نَفْسَهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أبوابُ الْفَرائِضِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

میراث کا بیان

میراث کے اکثر احکام قرآن کریم میں ہیں، اور جو باتیں قرآنِ کریم میں ہوتی ہیں وہ حدیثوں میں نہیں آتیں، البتہ کچھ مسائل احادیث سے اور کچھ مسائل اجماع امت سے ثابت ہیں، پس وہی مسائل ان ابواب میں آئیں گے، اور میراث کے احکام کی حکمتیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بہت عمدہ بیان کی ہے، ان کو رحمۃ اللہ الواسعہ جلد چہارم (ص:۶۲۶-۶۶۲) میں پڑھیں۔

بابُ ماجاء فی مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ

مال کے وارث ورثاء ہیں

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کے لئے ہے، اور جس نے ضائع ہونے والے یعنی نادار عیال چھوڑے ان کا میں ذمے دار ہوں۔

تشریح: یہ حدیث کتاب الجنائز (حدیث ۱۰۵۳) میں امام زہری رحمہ اللہ کی سند سے مفصل گذر چکی ہے، اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ترکہ ورثاء ہی کے لئے ہے، حکومت کا اس میں کوئی حصہ نہیں، آج کل غیر مسلم حکومتیں بھی مرنے والے کی وارث ہوتی ہیں اگر وہ مالدار ہوتا ہے تو اس کے ترکہ پر ٹیکس لگاتی ہیں، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، ترکہ سارا اس کے ورثاء کا ہے۔

اور اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اسلامی حکومت ویلفیر حکومت ہے، جو لوگ بے روزگار ہیں ان کی ذمہ داری حکومت پر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور ارشاد ہے کہ اگر میں ایک سال زندہ رہا تو بیواؤں کے لئے ایسا انتظام کر جاؤں گا کہ وہ عمر کے علاوہ کسی کی محتاج نہیں رہیں گی، اس میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ غریب پروری

اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، مگراب یہ بات غیروں نے لے لی اور مسلمان حکومتیں اس سے بے بہرہ ہوگئیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبواب الفرائض

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[۱-] باب ماجاء فی مَنْ ترکَ مالاً فَلِوَرَثَتِهِ

[۲۰۹۰-] حدثنا سَعِيْدُ بنُ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ الأُمَوِىُّ، ثَنَا أَبِىْ، ثَنَا مُحمدُ بنُ عَمْرٍو، ثَنَا أَبُوْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِىْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِأَهْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ ضَيَاعًا فَإِلَىَّ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ الزُّهْرِىُّ، عَنْ أَبِىْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِىْ هريرةَ، عَنِ النبىِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَطْوَلَ مِنْ هٰذَا وَأَتَمَّ.

وفى الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَأَنَسٍ. وَمَعْنَى قَوْلِهِ: "مَنْ تَرَكَ ضَيَاعًا" يَعْنِىْ ضَائِعًا، لَيْسَ لَهُ شَيْئٌ فَإِلَىَّ، يَقُوْلُ: أَنَا أَعُوْلُهُ وَأُنْفِقُ عَلَيْهِ.

لغت: ضَیَاعًا: مصدر ہے، پھر اسم کے طور پر بھی مستعمل ہے، اور اسم فاعل کے معنی میں ہے، یعنی ایسے بال بچے چھوڑے جن کے پاس کچھ نہیں، جن کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں، اس لئے وہ ضائع ہوجائیں گے۔ اور حدیث کے آخری ٹکڑے کا مطلب امام ترمذیؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کی کفالت میں کروں گا، اور ان پر خرچ میں کروں گا۔

بابُ ماجاء فی تَعْلِيْمِ الْفَرَائِضِ

فرائض کی تعلیم کا بیان

فرائض: فریضة کی جمع ہے، اس کے چند معانی ہیں: (۱) بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا عمل اور قانون۔ یعنی اللہ کی مقرر کی ہوئی وہ حد جس کا بندوں کو پابند بنایا گیا ہے، یا اس سے روکا گیا ہے، یعنی اوامر ونواہی (۲) کسی انسان کے ذمہ لازم کیا ہوا کام یا حصۂ مال (۳) ڈیوٹی اور فرض (۴) میراث۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: تَعَلَّمُوا الفرائِضَ والقرآنَ، وَعَلِّمُوا النَّاسَ، فَإِنِّیْ مَقْبُوْضٌ: فرائض اور

قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ، پس میں یقیناً وفات پانے والا ہوں۔

تشریح: ''میں یقیناً وفات پانے والا ہوں'' یہ دونوں باتوں کی تعلیل ہے کہ فرائض اور قرآن سیکھ لو، میرے بعد کون سکھائے گا؟ اور لوگوں کو سکھلاؤ، اس لئے کہ یہ سلسلہ لوگوں کے ذریعہ جاری رہے گا، آپ ﷺ تو وفات پاجائیں گے، رہی یہ بات کہ اس حدیث میں فرائض سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ علم المیراث مراد ہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں، بظاہر پہلے معنی مراد ہیں، یعنی وہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں، اور تمام اوامر ونواہی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

اور باب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: علم سیکھ لو، اور اسے لوگوں کو سکھلاؤ، فرائض سیکھ لو اور اسے لوگوں کو سکھلاؤ، اور قرآن سیکھ لو اور اسے لوگوں کو سکھلاؤ، اس لئے کہ میری یقیناً وفات ہونے والی ہے، اور علم بھی عنقریب سکیڑ لیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہونگے، یہاں تک کہ دو آدمی ایک حکم شرعی میں اختلاف کریں گے اور وہ دونوں کسی ایسے کو نہیں پائیں گے جو ان کے درمیان فیصلہ کرے، یہ روایت دارمی اور دارقطنی میں ہے (مشکوۃ حدیث ۲۷۹) پس اگر فرائض سے علم المیراث مراد ہے تب تو باب پر استدلال ظاہر ہے، اور اگر احکام شرعیہ مراد ہیں تو بھی ورثاء کے حِصَص اس کا ایک فرد ہیں، اس لئے حدیث عام سے علم المیراث کی اہمیت پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

سند کی بحث: اس حدیث کی سند میں محمد بن القاسم اسدی ضعیف راوی ہے، فضل بن دلہم بھی کچھ اچھا راوی نہیں، اور عوف اعرابی کے تلامذہ میں سخت اختلاف ہے، کوئی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتا ہے، اور ابو اسامہ سند حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں، مگر اس میں ایک مجہول راوی بھی ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا اور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[۲-] باب ماجاء فی تَعْلِيْمِ الْفَرَائِضِ

[۲۰۹۱-] حدثنا عَبْدُ الأَعْلَى بنُ وَاصِلٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ الْقَاسِمِ الأَسَدِيُّ، ثَنَا الفَضْلُ بنُ دَلْهَمٍ، ثَنِيْ عَوْفٌ، عَنْ شَهْرِ بنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: ''تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْآنَ، وَعَلِّمُوْا النَّاسَ، فَإِنِّيْ مَقْبُوْضٌ''

هٰذَا حديثٌ فِيْهِ اضْطِرَابٌ، وَرَوَى أَبُوْ أُسَامَةَ هٰذَا الحديثَ عَنْ عَوْفٍ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ جَابِرٍ، عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، حدثنا بِذٰلِكَ الحُسَيْنُ بنُ حُرَيْثٍ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ عَوْفٍ بِهٰذَا نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ.

بابُ ماجاء في مِيْرَاثِ الْبَنَاتِ

میراث میں بیٹیوں کا حصہ

اگر میت کی ایک بیٹی ہو تو اس کو نصف ملتا ہے، اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو دو تہائی ملتا ہے، اور اگر میت کے بیٹے بھی ہوں تو بیٹے اور بیٹیاں عصبہ بنتے ہیں، اور بیٹے کو دوہرا اور بیٹی کو اکہرا ملتا ہے، اور قرآنِ کریم میں اگرچہ دو سے زیادہ بیٹیوں کے لئے دو تہائی حصہ مقرر کیا گیا ہے مگر سورۃ النساء کی آخری آیت میں دو بہنوں کا حصہ دو تہائی مقرر کیا گیا ہے، اس لئے یہی حصہ دو بیٹیوں کو بھی ملے گا، غرض بیٹیوں کے تمام احوال قرآن میں مذکور ہیں، اس لئے حدیث میں اس مسئلہ کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں، باب میں جو روایت ہے وہ آیت میراث کا شانِ نزول ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی سعدؓ کی دو بیٹیوں کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں آئیں، اور عرض کیا: یارسول اللہ! یہ سعد بن الربیع کی بیٹیاں ہیں، ان کے ابا آپؐ کے ساتھ جنگ احد میں شہید ہو گئے ہیں، اور ان کے چچا نے دونوں کا مال لے لیا ہے، پس دونوں کے لئے کوئی مال نہیں رہا، اور ان دونوں کی شادی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ان کے پاس کچھ مال ہو، نبی ﷺ نے فرمایا: **يَقْضِي اللّٰهُ في ذلك**: اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں فیصلہ فرمائیں گے، چنانچہ میراث کی آیتیں نازل ہوئیں پس نبی ﷺ نے ان کے چچا کو بلایا، اور فرمایا: سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی دو، اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو، اور باقی آپ کا ہے عصبہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: جو بات قرآنِ کریم سے دلالۃ النص کے ذریعہ ثابت ہوئی تھی وہ اس حدیث سے صراحتاً ثابت ہوئی کہ دو بیٹیوں کا حصہ بھی دو تہائی ہے۔

[۳-] باب ماجاء في مِيْرَاثِ البَنَاتِ

[۲۰۹۲-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، نَا زَكَرِيَّا بنُ عَدِيٍّ، نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُحمدِ بنِ عَقِيْلٍ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: جَاءَ تِ امْرَأَةُ سَعْدِ بنِ الرَّبِيْعِ، بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدٍ، إِلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَتْ: يارسولَ اللّٰهِ! هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بنِ الرَّبِيْعِ، قُتِلَ أَبُوْهُمَا مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيْدًا، وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا، فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالاً، وَلاَ تُنْكَحَانِ إِلاَّ وَلَهُمَا مَالٌ، قَالَ: "يَقْضِي اللّٰهُ فِيْ ذٰلِكَ" فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيْرَاثِ، فَبَعَثَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى عَمِّهِمَا، فَقَالَ: "أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ، وأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ، وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُحمدِ بنِ عَقِيْلٍ، وَقَدْ رَوَاهُ شَرِيْكٌ أَيْضًا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُحمدِ بنِ عَقِيْلٍ.

بابُ ماجاء فى مِيْرَاثِ بِنْتِ الِابْنِ مَعَ بِنْتِ الصُّلْبِ

ایک بیٹی کے ساتھ پوتی کا حصہ

اگر بیٹیاں نہ ہوں تو پوتیاں بیٹیوں کے قائم مقام ہوتی ہیں، اور ایک پوتی کو نصف اور ایک سے زائد کو ثلثان ملتا ہے، اور اگر ایک صلبی بیٹی ہو تو پوتیوں کو سدس ملتا ہے، تاکہ لڑکیوں کا دو تہائی پورا ہو جائے، کیونکہ نصف اور ثلث کا مجموعہ ثلثان ہوتا ہے، اور اگر لڑکیاں دو یا زیادہ ہوں تو پوتیاں محروم رہتی ہیں، ہاں اگر ان کے ساتھ یا ان سے نیچے کوئی پوتا یا پڑپوتا ہو تو پھر پوتیاں ان کے ساتھ عصبہ بالغیر ہوتی ہیں اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو بچتا ہے وہ ان کو ملتا ہے، البتہ اگر میت کا کوئی بیٹا ہو تو پھر پوتے پوتیاں محروم ہوتے ہیں، اس لئے کہ بیٹا میت سے قریب ہے، پس اس کا حق مقدم ہے۔

حدیث: ہزیل بن شرحبیل کہتے ہیں: ایک شخص حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، اور ان سے پوچھا: میت کی ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن ہے، پس میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟ دونوں نے جواب دیا: بیٹی کو آدھا ملے گا اور باقی حقیقی بہن کو ملے گا، (اور پوتی محروم رہے گی کیونکہ حدیث میں ہے: **اجعلوا الأخواتِ مع البنات عصبةً**: بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ، چنانچہ ان دونوں حضرات نے آدھا بیٹی کو دلوایا اور باقی بہن کو) اور دونوں نے اس شخص سے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ، اور ان سے بھی یہ مسئلہ پوچھو، وہ یقیناً ہماری پیروی کریں گے، یعنی وہ بھی یہی جواب دیں گے۔ چنانچہ وہ حضرت عبداللہؓ کے پاس گیا اور ان کے سامنے صورت مسئلہ رکھی، اور ان کو وہ فتوی بھی بتایا جو ابوموسیٰ اشعری اور سلمان بن ربیعہ نے دیا تھا، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: اگر میں یہ فتوی دوں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا! اور میں راہ یاب نہیں رہوں گا! بلکہ میں اس صورت میں وہی فیصلہ کرتا ہوں جو نبی ﷺ نے کیا ہے کہ بیٹی کے لئے آدھا ہے، اور پوتی کے لئے چھٹا ہے تاکہ بیٹیوں کا دو تہائی مکمل ہو جائے، اور جو کچھ بچے گا وہ حقیقی بہن کا ہے، کیونکہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ مع الغیر ہوتی ہیں۔

تشریح: یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، اور مسئلہ وہی ہے جو حضرت ابن مسعودؓ نے بتایا ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تو سبھی جانتے ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا، ان سے پہلے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گورنر تھے، اور سلمان بن ربیعہ بھی کوفہ کے گورنر رہے ہیں، کہتے ہیں: یہ بھی صحابی ہیں، ورنہ جلیل القدر تابعی تو ہیں ہی۔

ملحوظہ: ترمذی میں سلیمان بن ربیعہ ہے مگر یہ تصحیف ہے، اس نام کا کوئی آدمی نہیں، اور ابوداؤد (حدیث ۲۸۹۳)

اور ابن ماجہ (حدیث ۲۷۲۱) اور جامع الاصول (۱۰:۳۷۳) میں سلمان بن ربیعہ ہے اور یہی صحیح ہے، اور یہ حدیث بخاری (حدیث ۶۷۳۶) میں بھی ہے مگر اس میں صرف حضرت ابو موسیٰ کا ذکر ہے، البتہ مسند احمد (۱:۳۸۹) میں سلیمان بن ربیعہ ہے مگر صحیح سلمان بن ربیعہ ہے۔

[٤-] باب ماجاء فی مِیْرَاثِ بِنْتِ الِابْنِ مَعَ بِنْتِ الصُّلْبِ

[۲۰۹۳-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عرفَةَ، نا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ أَبِىْ قَيْسٍ الْأَوْدِيِّ، عَنْ هُزَيْلِ بنِ شُرَحْبِيْلَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى أَبِىْ مُوْسَى، وَسَلْمَانَ بنِ رَبِيْعَةَ، فَسَأَلَهُمَا عَنْ ابْنَةٍ، وابْنَةِ ابنٍ، وَأُخْتٍ لِأَبٍ وَأُمٍّ، فَقَالَا: لِلابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِلْأُخْتِ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ مَا بَقِيَ، وَقَالَا لَهُ: انْطَلِقْ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ، فَاسْأَلْهُ، فَإِنَّهُ سَيُتَابِعُنَا، فَأَتَى عَبْدَ اللّٰهِ، فَذَكَرَ لَهُ ذٰلِكَ، وَأَخْبَرَهُ بِمَا قَالَا، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ! وَلٰكِنِّىْ أَقْضِىْ فِيْهَا كَمَا قَضَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: لِلابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ الِابْنِ السُّدُسُ، تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ، وَلِلْأُخْتِ مَا بَقِيَ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ قَيْسٍ الْأَوْدِيُّ: اسْمُهُ عَبْدُ الرحمنِ بنُ ثَرْوَانَ كُوْفِيٌّ، وَقَدْ رَوَاهُ أَيْضًا شُعْبَةُ عَنْ أَبِىْ قَيْسٍ.

بابُ ماجاء فی مِیْرَاثِ الإِخْوَةِ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ

حقیقی بھائیوں کی میراث

ماں اور باپ دونوں میں شریک حقیقی بھائی ہیں، اور صرف باپ میں شریک علاتی بھائی ہیں، اور صرف ماں میں شریک اخیافی بھائی ہیں، اول دو بھائی عصبہ ہیں اور اخیافی بھائی بہن ذوی الفروض ہیں، پس وہ تو اپنا مقررہ حصہ پائیں گے، مگر جب عصبہ کا نمبر آئے گا تو حقیقی بھائی وارث ہونگے اور علاتی بھائی محروم ہونگے، کیونکہ حقیقی بھائیوں کے میت سے دو رشتے ہیں، باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی، اور علاتی بھائیوں سے صرف ایک رشتہ ہے، باپ کی طرف سے، اور میراث کا قاعدہ ہے: الأقرب فالأقرب: پس حقیقی اقرب ہوئے، اس لئے وہ عصبہ ہوں گے، اور وارث ہونگے، اور علاتی محروم رہیں گے، ہاں اگر حقیقی بھائی نہ ہوں تو پھر علاتی بھائی عصبہ بنیں گے۔

یہاں ایک اشکال ہے کہ حقیقی اور علاتی تو ایک باپ کی اولاد ہیں، پس حقیقی عصبہ ہوئے اور علاتی محروم رہے ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقی اقرب ہیں اس لئے وہ وارث ہوئے، جیسے باپ اور دادا دونوں ہوں تو باپ وارث ہوتا ہے، اور بیٹا اور پوتا دونوں ہوں تو بیٹا وارث ہوتا ہے، کیونکہ وہ اقرب ہے، اور حقیقی اور علاتی دونوں باپ

کے تعلق سے تو یکساں ہیں، مگر یہاں میت بھائی ہے، اس کے تعلق سے حقیقی اقرب ہیں اور علاتی ابعد، اس لئے صرف حقیقی وارث ہونگے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اخیافی کا رشتہ صرف ماں کی طرف سے ہے، پھر وہ حقیقی اور علاتی بھائیوں کے ساتھ وارث کیسے ہوئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اخیافی ذوی الفروض ہیں، اور حقیقی اور علاتی عصبہ ہیں، پس یہ دو الگ الگ جہتیں ہیں اور الأقرب فالأقرب کا ضابطہ ایک طائفہ میں چلتا ہے، یا یہ کہیں کہ یہ قاعدہ صرف عصبات میں چلتا ہے، ذوی الفروض میں نہیں چلتا۔

حدیث (۱): حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو باتیں فرمائیں:

پہلی بات: فرمایا: آپ حضرات یہ آیت پڑھتے ہیں: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنُ بِهَا أَوْدَيْنٍ﴾ یعنی وصیت نکالنے کے بعد جس کی تم وصیت کر جاؤ یا دین کے بعد (النساء آیت ۱۲) یعنی وصیت کا نفاذ دین سے پہلے ہوگا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت سے پہلے قرض چکایا ہے، چنانچہ مسئلہ یہی ہے: میت کی تجہیز و تکفین کے بعد جو ترکہ بچے گا اس کے جمیع سے میت کے قرضے چکائے جائیں گے، پھر باقی ماندہ کے تہائی سے وصیت نافذ ہوگی، اور جو باقی بچے گا وہ ورثاء میں تقسیم ہوگا، اور آیتِ کریمہ میں وصیت کی تقدیم تاکید کے لئے ہے، یعنی وصیت کو قرض سے زیادہ اہم سمجھنا چاہئے، کیونکہ قرض مانگنے والے تو دوسرے دن گھر آ کر بیٹھ جائیں گے اور موصی لہ یعنی جس کے لئے وصیت کی ہے وہ کوئی خاص تقاضہ نہیں کرسکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے وصیت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے بیان میں اس کو مقدم کیا۔

دوسری بات: نبی ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ: أَعْيانُ بنی الأُمِّ يَتَوارَثُوْنَ، دُوْنَ بَنِی العَلاَّتِ: حقیقی بھائی بہن وارث ہونگے نہ کہ علاتی بھائی بہن۔

تشریح: اعیان کی اضافت بنی الأم کی طرف اضافت بیانیہ ہے اور اس کا لفظی ترجمہ ہے: ''ماں کے بیٹوں کے خالص''، یعنی حقیقی بھائی، اور مراد حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں ہیں، ابن کو تغلیباً ذکر کیا ہے...... اسی طرح بنوالعلات سے علاتی بھائی اور علاتی بہنیں مراد ہیں، ابن کو یہاں بھی تغلیبا ذکر کیا ہے، اور يَتَوَارَثُوْنَ: کے معنی ہیں: ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں...... اور حقیقی اور علاتی میں وجہ ترجیح چونکہ ماں کا رشتہ ہے اس لئے حدیث میں اعیان کے ساتھ بنی الأم (ماں کے لڑکے) کا اضافہ فرمایا۔

پھر اسی مضمون کو دوسرے جملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح ادا کیا: الرجلُ يَرِثُ أَخاهُ لِأَبِيْهِ وَأُمِّه، دُوْنَ أَخِيْهِ لِأَبِيْهِ: آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوتا ہے، نہ کہ اپنے علاتی بھائی کا، اس جملہ کا مطلب بھی وہی ہے جو پہلے جملہ کا ہے اور یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمائی بلکہ یہ نبی ﷺ کا فیصلہ ہے، اس کی دوسری حدیث میں صراحت ہے، اور یہ روایت اگرچہ حارث اعور کی ہے جو متکلم فیہ راوی ہے، مگر پوری امت نے اس حدیث کو قبول کیا

ہے کہ وصیت سے دین مقدم ہے اور علاتی سے حقیقی مقدم ہے، اس لئے حارث اعور کا ضعف اثر انداز نہیں ہوگا۔

[٥-] باب ماجاء في مِيْرَاثِ الإِخْوَةِ مِنَ الأَبِ وَالأُمِّ

[٢٠٩٤-] حدثنا بُنْدَارٌ، نَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّكُمْ تَقْرَأُوْنَ هٰذِهِ الآيَةَ: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ وَإِنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَضَى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الوَصِيَّةِ، وَأَنَّ أَعْيَانَ بَنِي الأُمِّ يَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِي العَلَّاتِ: الرَّجُلُ يَرِثُ أَخَاهُ لِأَبِيْهِ وَأُمِّهِ، دُوْنَ أَخِيْهِ لِأَبِيْهِ"

حدثنا بُنْدَارٌ، نَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، نَا زَكَرِيَّا بنُ أَبِيْ زَائِدَةَ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ.

[٢٠٩٥-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، نَا سُفْيَانُ، نَا أَبُوْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَضَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَنَّ أَعْيَانَ بَنِي الأُمِّ يَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِي الْعَلَّاتِ.

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعَلْمِ فِي الْحَارِثِ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الحديثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

بابُ مِيْرَاثِ الْبَنِيْنَ مَعَ الْبَنَاتِ

بیٹوں کا حصہ بیٹیوں کے ساتھ

پہلے دو باتیں جان لیں:

پہلی بات: مصری نسخہ میں باب بلا ترجمہ ہے اور ہمارے نسخہ میں ترجمہ بھی ہے، اور جس نے بھی یہ ترجمہ قائم کیا ہے ٹھیک قائم نہیں کیا، کیونکہ بیٹے تو عصبہ ہیں، وہ خواہ بیٹیوں کے ساتھ ہوں یا تنہا: عصبہ ہوتے ہیں، اگر باب اس طرح ہوتا: میراثُ البناتِ مع البنین تو ایک بات بھی تھی، کیونکہ بیٹیاں ذوی الفروض ہیں، مگر جب وہ بیٹوں کے ساتھ ہوں تو عصبہ بالغیر ہوجاتی ہیں، اور لڑکے کو لڑکی سے دو گنا ملتا ہے۔

دوسری بات: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث اس باب میں اور آئندہ باب میں ہے وہ محمد بن المنکدر کی روایت ہے، پھر اس باب میں روایت ان کے شاگرد عمرو بن ابی قیس ازرق رازی کوفی کی ہے، یہ راوی صدوق ہے، مگر غلطیاں کرتا ہے، تقریب میں ہے: صدوق له أو هام، چنانچہ اس روایت میں اس سے دو غلطیاں ہوگئی ہیں اور آئندہ باب میں محمد بن المنکدر کے شاگرد ابن عیینہ کی روایت ہے وہ صحیح ہے اس میں کوئی غلطی نہیں۔

حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے والد حضرت عبداللہؓ جنگ احد میں شہید ہوئے، اس وقت حضرت جابرؓ جنگ کے قابل نہیں تھے، چنانچہ باپ نے رات کو بیٹے کو بٹھا کر وصیت کی کہ میں تو ان شاءاللہ کل شہید ہو جاؤں گا، پس تم اپنی بہنوں کا خیال رکھنا، ان کی سات یا نو بہنیں تھیں، پھر حضرت جابر کی شادی ہوئی، ابھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی کہ وہ سخت بیمار پڑے، فرماتے ہیں: نبی ﷺ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے، میں قبیلہ بنو سلمہ میں بیمار تھا (یہ حضرت جابرؓ کا قبیلہ ہے) پس میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں اپنا مال اپنی اولاد کے درمیان کس طرح تقسیم کروں؟ (یہ پہلی غلطی ہے، جب حضرت جابرؓ نے یہ مسئلہ پوچھا تھا اس وقت ان کی کوئی اولاد نہیں تھی، وہ کلالہ تھے) پس نبی ﷺ نے مجھے کوئی جواب نہ دیا، پس آیت ﴿یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ﴾ نازل ہوئی (یہ دوسری غلطی ہے، اس موقعہ پر یہ آیت نازل نہیں ہوئی، بلکہ ﴿یَسْتَفْتُوْنَكَ﴾ نازل ہوئی ہے جیسا کہ اگلے باب میں آرہا ہے)

[٦-] بابُ مِیْرَاثِ الْبَنِیْنَ مَعَ الْبَنَاتِ

[٢٠٩٦-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَیْدٍ، نا عَبْدُ الرحمنِ بنُ سَعْدٍ، نا عَمْرُو بنُ أَبِیْ قَیْسٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ الْمُنْکَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: جَاءَ نِیْ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم یَعُوْدُنِیْ، وَأَنَا مَرِیْضٌ فِیْ بَنِی سَلِمَةَ، فَقُلْتُ: یَانَبِیَّ اللّٰهِ! کَیْفَ أَقْسِمُ مَالِیْ بَیْنَ وَلَدِیْ؟ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ شَیْئًا، فَنَزَلَتْ: ﴿یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْ أَوْلَادِکُمْ: لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَیَیْنِ﴾ الآیَةَ.

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ ابنُ عُیَیْنَةَ وَغَیْرُهُ، عَنْ مُحمدِ بنِ الْمُنْکَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه.

بابُ مِیْرَاثِ الْأَخَوَاتِ

بہنوں کا حصہ

اس باب میں وہی حدیث ہے جو اوپر آئی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بیمار پڑا، پس نبی ﷺ میری عیادت کے لئے آئے، پس آپؐ نے مجھے پایا کہ میں بیہوش ہوں، پس آپؐ میرے پاس آئے اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، اور دونوں پیدل تشریف لائے تھے، پس آپؐ نے وضو فرمائی، اور مجھ پر اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ڈالا، تو میں ہوش میں آگیا، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے مال میں کس طرح فیصلہ کروں؟ یا کہا: میں اپنے مال میں کیا کروں؟ پس آپؐ نے مجھے کوئی جواب نہ دیا، اور حضرت جابرؓ کی نو بہنیں تھیں، یہاں تک کہ آیت میراث ﴿یَسْتَفْتُوْنَكَ﴾ نازل ہوئی، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: یہ آیت میرے ہی معاملہ میں

نازل ہوئی ہے۔

تشریح: یہ صورت واقعہ کی صحیح ترجمانی ہے، اور یہ روایت حضرت سفیان بن عیینہؒ کی ہے اوران کے متابع بھی ہیں اوراوپر کے باب میں جوروایت تھی وہ عمرو بن ابی قیس کی تھی، اس واقعہ میں سورۃ النساء کی آخری آیت نازل ہوئی ہے، اسی میں کلالہ کا حکم ہے، کلالہ: وہ شخص ہے جس کے نہ باپ دادا اوپر تک ہوں اور نہ ہی کسی طرح کی کوئی اولاد یا مذکر اولاد کی اولاد ہو۔

[-۷] بابُ مِيْرَاثِ الأَخَوَاتِ

[-۲۰۹۷] حدثنا الفَضْلُ بنُ الصَّبَّاحِ الْبَغْدَادِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، ثَنَا مُحمدُ بنُ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعَ جَابِرَ بنَ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: مَرِضْتُ فَأَتَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَعُوْدُنِيْ، فَوَجَدَنِيْ قَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ، فَأَتَانِيْ وَمَعَهُ أَبُوْ بَكْرٍ، وَهُمَا مَاشِيَانِ، فَتَوَضَّأَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوْئِهِ، فَأَفَقْتُ، فَقُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! كَيْفَ أَقْضِي فِيْ مَالِيْ؟ أَوْ: كَيْفَ أَصْنَعُ فِيْ مَالِيْ؟ فَلَمْ يُجِبْنِيْ شَيْئًا، وَكَانَ لَهُ تِسْعُ أَخَوَاتٍ، حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيْرَاثِ: ﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ؟ قُلِ: اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلاَلَةِ﴾ الآيَةَ، قَالَ جَابِرٌ: فِيَّ نَزَلَتْ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فِيْ مِيْرَاثِ العَصَبَةِ

عصبہ کی میراث کا بیان

عصبہ: میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ قرآن وحدیث میں متعین نہیں، وہ تنہا ہونے کی حالت میں تمام ترکہ، اور ذوی الفروض کے ساتھ ہونے کی حالت میں باقی ترکہ کے مستحق ہوتے ہیں، پھر عصبہ کی دو قسمیں ہیں: نسبی اور سببی، عصبہ نسبی: وہ ہیں جن کا میت سے نسبی تعلق ہوتا ہے، اور عصبہ سببی: وہ ہیں جن کا میت سے آزاد کرنے کا تعلق ہوتا ہے۔

پھر عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں: (۱) عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغیرہ (۳) عصبہ مع غیرہ۔

عصبہ بنفسہ: ہر وہ مذکر رشتہ دار ہے جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں کسی مؤنث کا واسطہ نہ آئے، یہ چار ہیں: جزءِ میت، اصلِ میت، اصل قریب یعنی باپ کا جز، اور اصل بعید یعنی دادا کا جز، اور عصبہ لغیرہ: وہ عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بنتی ہیں، یعنی بیٹی، پوتی، حقیقی اور علاتی بہنیں، اور عصبہ مع غیرہ: وہ عورتیں ہیں جو مؤنث فروع کے ساتھ عصبہ بنتی ہیں، اور وہ دو ہیں: حقیقی اور علاتی بہنیں، اس باب میں صرف عصبہ بنفسہ کا بیان ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: أَلْحِقُوْا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فهو لأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ: ملاؤ تم مقررہ

حصوں کو ذوی الفروض کے ساتھ، یعنی ترکہ میں سے پہلے ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دیدو، پھر جو ترکہ بچ جائے وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے۔

تشریح: رَجُلٍ کے بعد ذَکَرٍ کی قید وضاحت کے لئے ہے، یعنی یہ صفت کاشفہ ہے، اور أَوْلَی کے معنی اقرب کے ہیں، اور میت سے اقرب اس کا جزء ہوتا ہے، یعنی بیٹا، پوتا، پھر اصل: اقرب ہوتی ہے یعنی باپ، دادا، پھر باپ کا جزء اقرب ہوتا ہے، یعنی بھائی، بھتیجے، پھر دادا کا جز ہے، یعنی چچا، چچازاد، عصبات میں یہی ترتیب ہے، وہ اسی ترتیب سے وارث ہونگے، اور اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم ہوگا۔

سوال: بیٹا صرف عصبہ ہے، اور باپ دادا ذوی الفروض بھی ہیں اور عصبہ بھی، ایسا کیوں ہے؟

جواب: بیٹے صرف عصبہ اس لئے ہیں کہ ان کو زیادہ سے زیادہ میراث ملے، ذوی الفروض کے بعد جو بھی بچ جائے گا وہ سب بیٹے لے لیں گے، اور باپ دادا چونکہ دوسرے نمبر کے عصبہ ہیں اس لئے ان کا کچھ نہ کچھ حصہ مقرر کرنا ضروری ہے، ورنہ وہ محروم رہ جائیں گے، اس لئے وہ ذوی الفروض بھی ہیں اور دوسرے نمبر پر عصبہ بھی ہیں، پس جب میت کے بیٹے نہیں ہونگے تو باقی ماندہ ترکہ یہ اصول لیں گے۔

اور باب کی حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، اور متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۶۷۳۲، مسلم حدیث ۱۶۱۵) مگر چونکہ اس کی ایک سند مرسل بھی ہے جو باب کے آخر میں ہے، اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کو صرف حسن کہا ہے۔

[۸-] باب ماجاء فی مِیْرَاثِ العَصَبَةِ

[۲۰۹۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، نَا مُسْلِمُ بنُ إِبْرَاهِیْمَ، ثَنَا وُهَیْبٌ، ثَنَا ابنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم قَالَ: "أَلْحِقُوْا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِیَ فَهُوَ لِأَوْلَی رَجُلٍ ذَکَرٍ"

حدثنا عبدُ بنُ حُمَیْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ ابنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم نَحْوَهُ.

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ، وَقَدْ رَوَی بَعْضُهُمْ عَنْ ابنِ طَاوُسٍ، عَن أَبِیْهِ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم مُرْسَلٌ.

بابُ ماجاءَ فِیْ مِیْرَاثِ الْجَدِّ

دادا کا میراث میں حصہ

دادا بھی باپ ہے، اور اس کا مقررہ حصہ چھٹا ہے، پھر وہ عصبہ بھی ہے، البتہ باپ کی موجودگی میں دادا محروم رہتا

ہے، کیونکہ باپ میت سے اقرب ہے۔

حدیث: ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، اوراس نے عرض کیا: میرے پوتے کا انتقال ہوگیا ہے، پس میراث میں میرا کتنا حصہ ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تیرا چھٹا حصہ ہے'' پھر جب اس نے پیٹھ پھیری تو آپؐ نے اس کو بلایا، اور فرمایا: ''تیرے لئے ایک دوسرا چھٹا حصہ بھی ہے'' پھر جب اس نے پیٹھ پھیری تو اس کو بلایا اور فرمایا: ''یہ دوسرا چھٹا حصہ تیرے لئے خوراک ہے''یعنی عصبہ ہونے کی بنا پر ہے۔

تشریح: اور دونوں چھٹے حصے ملا کر شروع سے تہائی حصہ دادا کو اس لئے نہیں دیا کہ اس کے فریضہ ہونے کا وہم پیدا نہ ہو، اور صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ میت کی دو بیٹیاں اور یہ دادا ہوگا، پس بیٹیوں کے لئے دو تہائی اور باقی ایک تہائی دادا کے لئے ہے، اس میں سے پہلا چھٹا ذوالفرض ہونے کی بنا پر ہے، اور دوسرا چھٹا عصبہ ہونے کی بنا پر، اور یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، اگر چہ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، مگر چونکہ ابوداؤد میں معقل بن یسار کی حدیث شاہد موجود ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کی تصحیح کی ہے۔

[۹-] باب ماجاء في مِيْرَاثِ الجَدِّ

[۲۰۹۹-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَرَفَةَ، ثَنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، عَنْ هَمَّامِ بنِ يَحْيىٰ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: إِنَّ ابنَ ابْنِي مَاتَ، فَمَالِيْ مِنْ مِيْرَاثِهِ؟ فَقَالَ:" لَكَ السُّدُسُ" فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ، فَقَالَ:" لَكَ سُدُسٌ آخَرُ" فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ، قَالَ:" إِنَّ السُّدُسَ الآخَرَ لَكَ طُعْمَةٌ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وفي الباب: عَنْ مَعْقِلِ بنِ يَسَارٍ.

بابُ ماجاء فِي مِيْرَاثِ الجَدَّةِ

دادی کا میراث میں حصہ

عربی میں دادی اور نانی کو جَدَّة کہتے ہیں، پھر جَدَّة کی دو قسمیں ہیں: صحیحہ اور فاسدہ، صحیحہ ذوی الفروض میں سے ہے اور فاسدہ ذوی الارحام میں ہے، اور جدہ صحیحہ اس مؤنث اصل بعید کو کہتے ہیں جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں جد فاسد کا واسطہ نہ آئے، اور جد فاسد اس مذکر اصل بعید کو کہتے ہیں جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں مؤنث کا واسطہ آئے، پس باپ کی ماں، دادا کی ماں وغیرہ جدہ صحیحہ ہیں، اور نانا کی ماں جدہ فاسدہ ہے، کیونکہ نانا جد فاسد ہے۔

اور جدہ صحیحہ کو اگر کوئی حاجب نہ ہو تو چھٹا حصہ ملتا ہے، خواہ وہ پدری (دادی) ہو یا مادری (نانی) اور خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ، سب چھٹے حصہ میں شریک ہوتی ہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ جدہ فاسدہ نہ ہو بلکہ صحیحہ ہو اور مرتبہ

میں سب برابر ہوں، یعنی اگر ایک جدہ ایک واسطہ سے دادی ہو، اور دوسری جدہ ایک ہی واسطہ سے نانی ہوتو دونوں چھٹا حصہ پائیں گی، اور اگر ایک قریب کی ہو مثلاً ماں کی ماں ہو اور دوسری دور کی ہو مثلاً دادا کی ماں ہو یعنی پردادی ہو تو قریب والی نانی وارث ہوگی، اور دور والی پردادی محروم ہوگی۔

فائدہ: ماں کی وجہ سے تمام جدات ساقط ہوجاتی ہیں، خواہ پدری ہوں یا مادری، اور باپ کی وجہ سے صرف پدری جدات یعنی دادیاں ساقط ہوتی ہیں، مادری جدات یعنی نانیاں ساقط نہیں ہوتیں، اور دادا کی وجہ سے صرف وہ دادیاں ساقط ہوتی ہیں جو اس کے واسطہ سے ہیں، جیسے دادا کی ماں...... اور قریب والی جدات خواہ کسی طرف کی ہوں دور والی جدات کو محروم کرتی ہیں۔

حدیث: سفیان بن عیینہؒ: امام زہریؒ سے روایت کرتے ہیں، امام زہری نے کبھی قال قبیصۃُ کہا یعنی درمیان میں کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا، اور کبھی عن رجلٍ عن قبیصۃ کہا، یعنی درمیان میں مجہول واسطہ بڑھایا، حضرت قبیصہؓ کہتے ہیں: ایک نانی (ماں کی ماں) یا فرمایا: دادی (باپ کی ماں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، اور اس نے کہا: میرے پوتے کا انتقال ہوگیا ہے، یا کہا: میرے نواسہ کا انتقال ہوگیا ہے، اور مجھے یہ بتلایا گیا ہے کہ میرا بھی قرآن میں حصہ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تیرے لئے قرآنِ کریم میں کوئی حصہ نہیں پاتا، اور میں نے نبی ﷺ کو کسی چیز کا فیصلہ کرتے بھی نہیں سنا، اور میں عنقریب لوگوں سے پوچھوں گا، پس حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ نبی ﷺ نے اس کو چھٹا حصہ دیا ہے، حضرت ابوبکر صدیق نے پوچھا: یہ بات آپ کے ساتھ کسی نے سنی ہے؟ حضرت مغیرہؓ نے کہا: محمد بن مسلمہ نے سنی ہے، راوی کہتا ہے: پس حضرت ابوبکرؓ نے اس کو چھٹا حصہ دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دوسری دادی آئی جو اس دادی کے برخلاف تھی (یعنی پہلے دادی آئی تھی تو اب نانی آئی یا اس کے برعکس) سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: امام زہریؒ سے میں نے بس اتنی ہی روایت سنی ہے، مگر زہری کے شاگرد معمر نے مجھے اس روایت میں یہ بات بھی بتائی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر تم دونوں اکٹھی ہوجاؤ تو وہ چھٹا تم دونوں کے لئے ہے، اور تم دونوں میں سے جونسی اس چھٹے حصہ کے ساتھ تنہا ہوتو وہ چھٹا حصہ اس کے لئے ہے۔

پھر یہی روایت امام مالکؒ: زہریؒ سے، وہ عثمان بن اسحاق سے، اور وہ حضرت قبیصہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دادی حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئی، پس اس نے اپنی میراث مانگی، حضرت ابوبکرؓ نے اس سے کہا: تیرے لئے اللہ کی کتاب میں کوئی حصہ نہیں، اور تیرے لئے نبی ﷺ کی سنت میں بھی کوئی حصہ نہیں (یعنی کوئی حدیث بھی میرے علم میں نہیں) پس تو واپس جا، میں لوگوں سے دریافت کروں گا، چنانچہ آپؓ نے لوگوں سے دریافت کیا، پس حضرت مغیرہؓ نے کہا: میری موجودگی میں نبی ﷺ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

پوچھا: کیا آپ کے ساتھ آپ کے علاوہ بھی کوئی ہے؟ پس محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے بھی وہی بات کہی جو حضرت مغیرہؓ نے کہی تھی، پس حضرت ابوبکرؓ نے دادی کے لئے اس حصہ کو نافذ کیا، راوی کہتا ہے: پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دوسری دادی آئی۔ اس نے بھی اپنا حصہ مانگا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تیرے لئے کتاب اللہ میں کوئی چیز نہیں، بلکہ وہی چھٹا حصہ تیرے لئے بھی ہے پس اگر تم دونوں اس میں جمع ہو جاؤ تو وہ چھٹا حصہ تمہارے درمیان ہے، اور تم میں سے جونسی اس چھٹے حصہ کے ساتھ تنہا ہو تو وہ اس کے لئے (جیسے بیوی ایک ہو یا زیادہ ان کے لئے چوتھائی یا آٹھواں حصہ ہے، اسی طرح جتنی بھی دادیاں ہونگی وہ چھٹے میں شریک ہونگی)

[۱۰-] باب ماجاء في مِيْرَاثِ الْجَدَّةِ

[۲۱۰۰-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا الزُّهْرِيُّ، قَالَ مَرَّةً: قَالَ قَبِيْصَةُ، وَقَالَ مَرَّةً: عَنْ رَجُلٍ، عَنْ قَبِيْصَةَ بنِ ذُؤَيْبٍ قَالَ: جَاءَ تِ الجَدَّةُ أُمُّ الأُمِّ أَوْ: أُمُّ الأَبِ إِلَى أَبِيْ بَكْرٍ، فَقَالَتْ: إِنَّ ابنَ ابْنِيْ أَوْ: أَنَّ ابنَ ابْنَتِيْ مَاتَ، وَقَدْ أُخْبِرْتُ أَنَّ لِيْ فِي الْكِتَابِ حَقًّا، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: مَا أَجِدُلَكِ فِيْ الْكِتَابِ مِنْ حَقٍّ، وَمَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَضَى لَكِ بِشَيْئٍ، وَسَأَسْأَلُ النَّاسَ، فَشَهِدَ المُغِيْرَةُ بنُ شُعْبَةَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَعْطَاهَا السُّدُسَ، قَالَ: وَمَنْ سَمِعَ ذٰلِكَ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحمدُ بنُ مَسْلَمَةَ. قَالَ: فَأَعْطَاهَا السُّدُسَ، ثُمَّ جَاءَ تِ الْجَدَّةُ الْأُخْرَى الَّتِيْ تُخَالِفُهَا إِلَى عُمَرَ، قَالَ سُفْيَانُ: وَزَادَنِيْ فِيْهِ معْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَلَمْ أَحْفَظْهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَلٰكِنْ حَفِظْتُهُ مِنْ مَعْمَرٍ، أَنَّ عُمَرَ قَالَ: إِنِ اجْتَمَعْتُمَا فَهُوَ لَكُمَا، وأَيَّتُكُمَا انْفَرَدَتْ بِهِ فَهُوَ لَهَا.

[۲۱۰۱-] حدثنا الأَنْصَارِيُّ، ثَنَا مَعْنٌ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ عُثْمَانَ بنِ إِسْحَاقَ بنِ خَرَشَةَ، عَنْ قَبِيْصَةَ بنِ ذُؤَيْبٍ، قَالَ: جاءَتِ الجَدَّةُ إِلَى أَبِيْ بَكْرٍ، فَسَأَلَتْهُ مِيْرَاثَهَا، فَقَالَ لَهَا: مَالَكِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ شَيْئٌ، وَمَالَكِ فِيْ سُنَّةِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم شَيْئٌ، فَارْجِعِي حَتَّى أَسْأَلَ النَّاسَ، فَسَأَلَ النَّاسَ، فَقَالَ الْمُغِيْرَةُ بنُ شُعْبَةَ: حَضَرْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَعْطَاهَا السُّدُسَ، فَقَالَ: هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ؟ فَقَامَ مُحمدُ بنُ مَسْلَمَةَ، فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِيْرَةُ بنُ شُعْبَةَ، فَأَنْفَذَهُ لَهَا أَبُوْ بَكْرٍ، قَالَ: ثُمَّ جَاءَ تِ الْجَدَّةُ الْأُخْرَى إِلَى عُمَرَ بنِ الخَطَّابِ، فَسَأَلَتْهُ مِيْرَاثَهَا، فَقَالَ: مَالَكِ فى كِتَابِ اللّٰهِ شَيْئٌ، وَلٰكِنْ هُوَ ذٰلِكِ السُّدُسَ، فَإِنْ اجْتَمَعْتُمَا فِيْهِ فَهُوَ بَيْنَكُمَا، وأَيَّتُكُمَا خَلَتْ بِهِ فَهُوَ لَهَا.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ عُيَيْنَةَ، وَفِي البابِ: عَنْ بُرَيْدَةَ.

بابُ ماجاء فی مِیْراثِ الْجَدَّۃِ مَعَ ابْنِھَا

جدہ کے بیٹے کی موجودگی میں اس کا حصہ

ماں تمام جدات کے لئے حاجب ہے خواہ پدری ہوں یا مادری...... اور باپ فقط پدری جدات کے لئے حاجب ہے...... اور جدِ صحیح صرف ان جدات کے لئے حاجب ہے جن کے درمیان وہ واسطہ بنتا ہے، یعنی جو دادیاں جدِ صحیح کے واسطہ سے دادیاں ہیں وہ جدِ صحیح کی وجہ سے ساقط ہونگی، مگر باب کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اس حدیث میں باپ اپنی ماں کے لئے حاجت نہیں بن رہا۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر ورثاء میں دادی ہو اور اس کا بیٹا بھی ہو، یعنی میت کا باپ بھی ہو تو نبی ﷺ نے اس کے بیٹے کے ساتھ دادی کو چھٹا حصہ دیا، اور یہ پہلی دادی ہے جس کو نبی ﷺ نے میراث دی ہے درانحالیکہ اس کا بیٹا زندہ تھا۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں محمد بن سالم ہمدانی ابوسہل کوفی ہے جو ضعیف ہے، اور مسئلہ میں اختلاف ہے، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم باپ کو حاجب مانتے ہیں، اور اس کی وجہ سے پدری جدہ کو ساقط کرتے ہیں، یہی جمہور علماء کی یعنی چاروں ائمہ کی رائے ہے، اور حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے نزدیک باپ کی ماں: باپ کی موجودگی میں وارث ہوتی ہے، اور اس رائے کو قاضی شریح، حسن بصری، اور ابن سرین رحمہم اللہ نے لیا ہے۔

اور اس ضعیف حدیث کی تین توجیہیں کی جاسکتی ہیں:

پہلی توجیہ: شریفیہ شرح سراجیہ میں ہے کہ میت کا باپ غلام یا کافر ہوگا، اس لئے اس کو دادی کے لئے حاجب نہیں مانا ہوگا، مگر یہ توجیہ دور کی کوڑی ہے۔

دوسری توجیہ: حضرت گنگوہی قدس سرہ نے کی ہے کہ جدۃ کا یہ بیٹا میت کا باپ نہیں تھا، بلکہ یہ جدہ نانی تھی اور اس کا بیٹا میت کا ماموں تھا، اور ماموں اپنی ماں کے لئے حاجب نہیں بنتا، یہ بہترین توجیہ ہے، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ پھر صحابہ میں اختلاف کیوں ہوا؟ یعنی میت کے باپ کی موجودگی میں دادی وارث ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں صحابہ میں اختلاف کیوں ہوا؟ اگر یہ حدیث نانی اور ماموں سے متعلق تھی تو مسئلہ میں اختلاف نہیں ہونا چاہئے تھا۔

تیسری توجیہ: میری ناقص رائے میں یہ دادی کا بیٹا میت کا باپ تھا اور شروع اسلام میں اس حالت میں دادی کو وارث بنایا گیا تھا، مگر بعد میں یہ حکم ختم ہوگیا، اور جن صحابہ کو نسخ کا علم نہیں ہوا وہ سابقہ رائے پر برقرار رہے، اور حدیث

کے الفاظ: أَوَّلُ جَدَّةٍ أَطْعَمَهَا: اس طرف مشیر ہے کہ یہ پہلی دادی تھی جس کو وارث بنایا گیا، بعد میں یہ حکم ختم ہو گیا، اور میت کے باپ کو دادی کے لئے حاجب قرار دیا گیا، اور یہی جمہور صحابہ کی رائے ہے اور اسی کو ائمہ اربعہ نے لیا ہے۔

[۱۱-] باب ماجاء فی مِیْرَاثِ الجدَّةِ مَعَ ابْنِهَا

[۲۱۰۲-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَرَفَةَ، نَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، عَنْ مُحمدِ بنِ سَالِمٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ فِي الْجَدَّةِ مَعَ ابنِهَا: إِنَّهَا أَوَّلُ جَدَّةٍ أَطْعَمَهَا رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سُدُسًا مَعَ ابْنِهَا، وَابْنُهَا حَيٌّ.

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ وَرَّثَ بَعْضُ أَصْحَابِ النبيِّ صلی اللہ علیہ وسلم الجَدَّةَ مَعَ ابْنِهَا، وَلَمْ يُوَرِّثْهَا بَعْضُهُمْ.

باب ماجاء فی مِیْرَاثِ الْخَالِ

ماموں کا میراث میں حصہ

ماموں ذوی الارحام میں ہے۔ ذوی الارحام: میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ قرآن وحدیث میں مقرر نہیں، نہ اجماع سے طے ہے اور نہ وہ عصبات ہیں، جیسے پھوپھی، خالہ، ماموں، بھانجا اور نواسہ وغیرہ۔

ذوی الارحام کی توریث میں اختلاف ہے، اکثر صحابہ وتابعین کی رائے یہ ہے کہ ذوی الفروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام کو ترکہ ملے گا، احناف اور حنابلہ کا یہی مسلک ہے، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ ذوی الارحام کو ترکہ نہیں دیا جائے گا، اور کوئی وارث نہ ہو تو ترکہ بیت المال (اسلامی سرکاری خزانہ) میں داخل کیا جائے گا، پھر وہاں سے غریبوں پر خرچ ہوگا۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مسلک یہی ہے۔

حدیث: حضرت سہل بن حنیف کے صاحبزادے ابوامامہ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھ حضرت ابوعبیدہ کو خط لکھا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''اللہ اور اس کے رسول اس شخص کے مولیٰ (کارساز) ہیں جس کا کوئی مولیٰ نہیں، اور ماموں اس شخص کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں''

تشریح: یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے اور راویوں میں اختلاف ہے، بعض آخر میں حضرت عائشہ کا ذکر کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے، اور اس مسئلہ میں صحابہ میں اختلاف تھا، جیسا کہ اوپر آیا، اور اکثر اہل علم نے اس روایت کو لیا ہے وہ ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی رائے دوسری تھی اس کی تفصیل اوپر آگئی۔

[۱۲-] باب ماجاء في مِيْرَاثِ الْخَالِ

[۲۱۰۳-] حدثنا بُنْدَارٌ، نا أَبُوْ أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَكِيْمِ بنِ حَكِيْمِ بنِ عَبَّادِ بنِ حُنَيْفٍ، عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ بنِ سَهْلِ بنِ حُنَيْفٍ، قَالَ: كَتَبَ مَعِي عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ إِلٰى أَبِيْ عُبَيْدَةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مَوْلَى مَنْ لَا مَوْلَى لَهُ، وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ"

وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وَالْمِقْدَامِ بنِ مَعْدِيْكَرِبٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

[۲۱۰٤-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، نا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " الْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَقَدْ أَرْسَلَهُ بَعْضُهُمْ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: عَنْ عَائِشَةَ.

وَاخْتَلَفَ فِيْهِ أَصْحَابُ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فَوَرَّثَ بَعْضُهُمُ الخَالَ وَالْخَالَةَ وَالْعَمَّةَ وإِلَى هٰذَا الحَدِيْثِ ذَهَبَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ تَوْرِيْثِ ذَوِي الأَرْحَامِ، وَأَمَّا زَيْدُ بنُ ثَابِتٍ فَلَمْ يُوَرِّثْهُمْ، وَجَعَلَ المِيْرَاثَ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ.

بابُ ماجاء في الَّذِيْ يَمُوْتُ وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ

لاوارث کے ترکہ کا حکم

ترکہ سے ترتیب وار چار حقوق متعلق ہوتے ہیں، سب سے پہلے ترکہ سے میت کا کفن دفن کیا جاتا ہے، پھر باقی سے میت کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے، پھر باقی کے تہائی سے میت کی وصیت نافذ کی جاتی ہے، پھر باقی ماندہ ترکہ میت کے ورثاء میں تقسیم کیا جاتا ہے، اور ورثاء میں پہلا نمبر ذوی الفروض کا ہے، پھر عصبہ نسبی کا، پھر عصبہ سببی کا، پھر ذوی الارحام کا، پھر مولی الموالات کا، یعنی جس سے میت نے دوستی کی ہو، احناف کے نزدیک میراث میں یہ عقد معتبر ہے اور شوافع کے نزدیک معتبر نہیں، پھر اگر مذکورہ ورثاء میں سے کوئی نہ ہو تو وہ شخص وارث ہوگا جس کے لئے میت نے اپنے غیر سے نسب کا اقرار کیا ہے، مثلاً یہ کہا ہے کہ وہ میرا بھائی ہے، یا چچا ہے اور موت تک وہ اپنے اقرار پر برقرار رہا ہے، پھر اگر مذکورہ ورثاء میں سے کوئی نہ ہو اور میت نے کسی کے لئے تہائی سے زائد کی یا سارے ترکہ کی وصیت کی ہے تو وہ زائد یا سارا ترکہ موصی لہ کو دیا جائے گا، اور اگر وہ بھی نہ ہو تو میت کا ترکہ بیت المال میں یعنی اسلامی حکومت کے خزانہ میں رکھ دیا جائے گا جو غریبوں پر خرچ ہوگا۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کا ایک آزاد کردہ غلام ایک کھجور کی شاخ سے گر پڑا

اور مرگیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: انْظُرُوا هل له من وارثٍ؟: دیکھو اس کا کوئی وارث ہے؟ لوگوں نے بتایا: کوئی وارث نہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس کا ترکہ گاؤں کے لوگوں میں سے کسی کو دیدو''

تشریح: میت کے وارث نبی ﷺ تھے کیونکہ انبیاء مورث نہیں ہوتے مگر وارث ہوتے ہیں، حضرت گنگوہی نے اسی کو ترجیح دی ہے، مگر نبی ﷺ نے اس کا ترکہ نہیں لیا، گاؤں کے کسی غریب کو دیدیا، کیونکہ وارث کو یہ حق ہے کہ وہ خود ترکہ نہ لے بلکہ کسی اور کو دیدے۔

[۱۳-] باب ماجاء في الَّذِيْ يَمُوْتُ، وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ

[۲۱۰۵-] حدثنا بُنْدَارٌ، ثنَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ الْأَصْبَهَانِيِّ، عَنْ مُجَاهِدِ بنِ وَرْدَانَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ مَوْلًى لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَقَعَ مِنْ عِذْقِ نَخْلَةٍ، فَمَاتَ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "انْظُرُوْا هَلْ لَهُ مِنْ وَارِثٍ؟" قَالُوْا: لَا، قَالَ: "فادْفَعُوْهُ إِلَى بَعْضِ أَهْلِ الْقَرْيَةِ" وفي الباب: عَنْ بُرَيْدَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ في مِيْرَاثِ الْمَوْلَى الْأَسْفَلِ

آزادشدہ کا میراث میں حصہ

آزادشدہ وارث نہیں اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک آدمی کا انتقال ہوا اور اس کا کوئی وارث نہیں تھا، صرف ایک غلام تھا، جس کو مرنے والے نے آزاد کیا تھا، پس نبی ﷺ نے اس کو مرنے والے کی میراث دی۔

تشریح: تمام ائمہ متفق ہیں کہ ایسی صورت میں ترکہ بیت المال میں رکھا جائے گا، پھر غرباء پر خرچ کیا جائے گا، پس نبی ﷺ نے شاید غریب ہونے کی وجہ سے آزادکردہ کو ترکہ دیا ہوگا۔

[۱۴-] باب ماجاء في مِيْرَاثِ الْمَوْلَى الْأَسْفَلِ

[۲۱۰۶-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، ثنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَوْسَجَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَجُلًا مَاتَ عَلَى عَهْدِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا إِلَّا عَبْدًا هُوَ أَعْتَقَهُ، فَأَعْطَاهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم مِيْرَاثَهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَالْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ هٰذَا البابِ: إِذَا مَاتَ رَجُلٌ وَلَمْ يَتْرُكْ عَصَبَةً: أَنَّ مِيْرَاثَهُ يُجْعَلُ فِيْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِيْنَ.

بابُ ماجاء فی إبْطَالِ الْمِیْرَاثِ بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْکَافِرِ

مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے

موانعِ ارث چار ہیں: غلامی، قتل، اختلافِ دین اور اختلافِ ملک (صرف کفار کے حق میں) غلام خواہ کسی طرح کا ہو وارث نہیں ہوتا، اور قاتل بھی مقتول کا وارث نہیں ہوتا، اور قتل کی پانچ قسمیں ہیں: عمد، شبہ عمد، خطا، شبہ خطا اور قتل بالسبب، پہلی چاروں قسموں میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوتا ہے، اس لئے کہ ان میں قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہے، اور پانچویں قسم (قتل بالسبب) میں قاتل وراثت سے محروم نہیں ہوتا (تفصیل طرازی شرح سراجی ص:۱۹ کے حاشیہ میں ہے)

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَایَرِثُ الْمُسْلِمُ الکافِرَ، ولا الکافِرُ المُسْلِمَ: یعنی نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا، اور کفر سے مراد اسلام کا انکار ہے، پس دیگر تمام مذاہب ایک ملت ہیں، وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہونگے، مگر ان کے اور مسلمان کے درمیان توریث جاری نہیں ہوگی اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

اور مسلمان مرتد کا وارث ہوگا، لیکن مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوگا، اس لئے کہ ارتداد بمنزلۂ موت ہے، پس جس طرح مسلمان اپنے رشتہ دار کا اس کے مرنے کے بعد وارث ہوتا ہے، مرتد کے ارتداد کے بعد بھی اس کا وارث ہوگا، چنانچہ مرتد کے اموال مسلمان ورثاء کے درمیان تقسیم کردیئے جائیں گے، اور جس طرح مردہ زندہ کا وارث نہیں ہوتا: مرتد کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

اور یہ حکم ان اموال کا ہے جو مرتد نے حالتِ اسلام میں کمائے ہیں، اور جو اموال اس نے حالتِ ارتداد میں کمائے ہیں وہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مالِ فی ہیں، ان کو بیت المال میں داخل کیا جائے گا، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک وہ بھی مسلمان ورثاء کو ملیں گے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حالت اسلام اور حالت ارتداد میں کمائے ہوئے سب اموال بیت المال میں داخل کئے جائیں گے۔

[۱۵-] باب ماجاء فی إبْطَالِ الْمِیْرَاثِ بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْکَافِرِ

[۲۱۰۷-] حدثنا سَعِیْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ المَخْزُوْمِیُّ، وَغَیْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: نَا سُفْیَانُ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، ح: وَثَنَا عَلِیُّ بنُ حُجْرٍ، نَا هُشَیْمٌ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ عَلِیِّ بنِ حُسَیْنٍ، عَنْ عَمْرِوبنِ عُثْمَانَ، عَنْ أُسَامَةَ بنِ زَیْدٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ: "لَایَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ، وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ"

حدثنا ابنُ أَبِیْ عُمَرَ، ثَنَا سُفْیَانُ، ثَنَا الزُّهْرِیُّ نَحْوَهُ. وفی الباب: عَنْ جَابِرٍ، وَعَبْدِ اللهِ بنِ

عَمْرٍو، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، هٰكَذَا رَوَاهُ مَعْمَرٌ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ نَحْوَ هٰذَا.
وَرَوَى مَالِكٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بنِ حُسَيْنٍ، عَنْ عُمَرَ بنِ عُثْمَانَ، عَنْ أُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.
وَحَدِيْثُ مَالِكٍ وَهْمٌ، وَهِمَ فِيْهِ مَالِكٌ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ مَالِكٍ، فَقَالَ: عَنْ عَمْرِو بنِ عُثْمَانَ، وأَكْثَرُ أَصْحَابِ مَالِكٍ قَالُوْا: عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُمَرَ بنِ عُثْمَانَ.
وَعَمْرُو بنُ عُثْمَانَ بنِ عَفَّانَ: هُوَ مَشْهُوْرٌ مِنْ وَلَدِ عُثْمَانَ، وَلَا نَعْرِفُ عُمَرَ بنَ عُثْمَانَ.
وَالعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الحديثِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ، وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي مِيْرَاثِ الْمُرْتَدِّ، فَجَعَلَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمُ الْمَالَ لِوَرَثَتِهِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَايَرِثُ وَرَثَتُهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، واحْتَجُّوْا بِحَدِيْثِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: "لَايَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ" وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

وضاحت: امام ترمذیؒ نے حدیث کی سند پر لمبی بحث کی ہے، اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ حضرت اسامہ سے روایت کرنے والے راوی کا نام عمرو (بفتح العین) ہے، عُمر (بضم العین) نہیں ہے، ابن عیینہ کا یہی بیان ہے اور ان کے متابع معمر وغیرہ ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ عمر کہتے ہیں یہ ان کا وہم ہے، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں عَمرو نامی صاحبزادے تو معروف ہیں مگر عُمر نامی صاحبزادے کو امام ترمذیؒ نہیں جانتے۔

پھر امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے، یعنی مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے، پھر امام ترمذی نے مرتد کی میراث کا مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے، بعض صحابہ وغیرہ اہل علم مرتد کے مال کو مسلمان ورثاء کے لئے گردانتے ہیں اور بعض حضرات فرماتے ہیں: مسلمان ورثاء وارث نہیں ہونگے، ان کی دلیل باب کی حدیث ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا، اور یہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے ہے (اور دوسرے ائمہ اس حدیث میں مرتد کو داخل نہیں کرتے)

[بابُ لَايَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ]

دو مختلف مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے

حنفیہ کے نزدیک اسلام کے علاوہ سارے مذاہب ایک ملت ہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے موطا میں لکھا ہے: الْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ يَتَوَارَثُوْنَ بِه: یعنی اسلام کا انکار کرنے والے سب ایک ملت ہیں، پس وہ کفر کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث

ہونگے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہود ونصاری الگ الگ ملت ہیں، پس وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے، اور مشرکین اور مورتیاں پوجنے والے سب ایک ملت ہیں، پس وہ ایک دوسرے کے وارث ہونگے، اور حنابلہ کے نزدیک ہر مذہب الگ ملت ہے اس لئے وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے، اور باب کی حدیث میں احناف کے نزدیک دوملتوں سے کفر واسلام مراد ہیں، پس اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو گذشتہ باب کی حدیث کا ہے، اور یہاں مصری نسخہ میں باب ہے جو بڑھایا گیا ہے۔ اور ابوداؤد (حدیث ۲۹۱۱) میں بھی یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے۔

سوال: غیر مذہب والوں کی توریث سے اسلام کو کیا لینا ہے؟ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں یا نہ ہوں، یہ اسلامی مسئلہ نہیں ہے، پھر وہ حدیثوں میں کیوں زیر بحث آیا ہے؟

جواب: غیر مذہب کے لوگ بھی اسلامی مملکت کے شہری ہوتے ہیں، اور وارث اور مورث میں سے ایک اسلامی ملک کا شہری ہو اور دوسرا دار الکفر کا شہری ہو ایسا بھی ہوتا ہے، پس انتظام مملکت کی حیثیت سے اسلامی حکومت کو یہ مسئلہ درپیش آسکتا ہے، اس لئے اس مسئلہ سے بحث ضروری ہے۔

[۱۶-] [بابٌ لَايَتَوارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ]

[۲۱۰۸-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، نَا حُصَيْنُ بنُ نُمَيْرٍ، عَنْ ابنِ أَبِيْ لَيْلَى، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "لَايَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ، إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ ابنِ أَبِيْ لَيْلَى.

بابُ ماجاء في إِبْطَالِ مِيْرَاثِ الْقَاتِلِ

قاتل وارث نہیں ہوتا

ابھی یہ بات بیان کی گئی ہے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا، حدیث میں ہے: القاتِلُ لايَرِثُ: اور فقہی قاعدہ ہے: مَن اسْتَعْجَلَ بالشيئ قبلَ أَوَانِه: عُوْقِبَ بِحِرْمانه: جو شخص کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے لینا چاہے وہ (بطور سزا) اس چیز سے محروم کردیا جاتا ہے، کیونکہ اگر قاتل کو میراث سے محروم نہیں کیا جائے گا تو لوگ میراث کی خاطر مورث کو قتل کریں گے اور نظام عالم درہم برہم ہوجائے گا۔

اور باب کی حدیث نہایت ضعیف ہے، اس کا ایک راوی اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروۃ متروک (نہایت ضعیف) ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، متعدد اہل علم نے اسحاق کو متروک

قرار دیا ہے، جن میں امام احمد رحمہ اللہ کا بھی شمار ہے، مگر مسئلہ تمام علماء کے نزدیک یہی ہے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا، خواہ کوئی قتل ہو، چوک کر قتل کیا ہو یا جان بوجھ کر، اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر چوک کر قتل کیا ہے تو قاتل وارث ہوگا، یہی امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے۔

جمہور نے حدیث کے عموم پر نظر کی ہے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا، خواہ کوئی قاتل ہو، اور قتل بالسبب کو قتل مجازاً کہا جاتا ہے وہ حقیقت میں قتل نہیں ہوتا، اور امام مالک رحمہ اللہ نے علت پر نظر کی ہے کہ قتل خطا سے ناحق قتل کا دروازہ نہیں کھلتا، اس لئے وہ قاتل وارث ہوگا۔

[۱۷-] باب ماجاء فی إِبْطَالِ مِيْرَاثِ الْقَاتِلِ

[۲۱۰۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ إِسْحَاقَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " الْقَاتِلُ لَايَرِثُ"

هٰذَا حديثٌ لَايَصِحُّ، لَا يُعْرَفُ هٰذَا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَإِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَبِيْ فَرْوَةَ قَدْ تَرَكَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ، مِنْهُمْ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ.

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الْقَاتِلَ لَايَرِثُ، كَانَ الْقَتْلُ خطأً أَوْ عَمْدًا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا كَانَ الْقَتْلُ خطأً، فَإِنَّهُ يَرِثُ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ.

بابُ ماجاء فی مِيْرَاثِ الْمَرْأَةِ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا

شوہر کی دیت سے عورت کو حصہ ملے گا

یہ مسئلہ ابواب الدیات (تحفۃ الالمعی ۴: ۳۴۵ باب ۱۸ حدیث ۱۴۰۰) میں گذر چکا ہے کہ مقتول کی دیت سے اس کی بیوی کو میراث ملے گی، اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ میراث نہ ملے، کیونکہ دیت شوہر کے مرنے کے بعد ثابت ہوتی ہے اور موت سے نکاح ختم ہوجاتا ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی فتوی دیا تھا، مگر اس مسئلہ میں ایک دوسری جہت ہے کہ عورت جب تک عدت میں ہوتی ہے فی الجملہ نکاح باقی رہتا ہے، پس گویا دیت نکاح کے اندر واجب ہوئی، اس لئے عورت کو میراث ملے گی، علاوہ ازیں: دیت قُبیل الموت ثابت ہوتی ہے اس لئے بھی عورت وارث ہوگی۔

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مقتول کی دیت عاقلہ ادا کرے گا، اور عورت کو اس کے شوہر کی دیت سے کچھ نہیں ملے گا، مگر حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے ان کو بتلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس خط بھیجا تھا کہ اشیم ضبابیؓ کی بیوی کو ان کے شوہر کی دیت سے حصہ دیا جائے، اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا۔

[۱۸-] باب ماجاء فی مِيْرَاثِ الْمَرْأَةِ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا

[۲۱۱۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، وَأَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: نَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيِّبِ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَلاَ تَرِثُ الْمَرْأَةُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا شَيْئًا، فَأَخْبَرَهُ الضَّحَّاكُ بنُ سُفْيَانَ الْكِلاَبِيُّ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَتَبَ إِلَيْهِ: " أَنْ وَرِّثِ امْرَأَةَ أَشْيَمِ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء أَنَّ المِيْرَاثَ لِلْوَرَثَةِ، وَالْعَقْلَ عَلَى العَصَبَةِ

میراث ورثاء کے لئے ہےاور دیت خاندان پر ہے

یہ مسئلہ اجماعی ہے اور پہلے تحفۃ الالمعی (۲: ۳۴۰ ابواب الدیات باب ۱۵، حدیث ۱۳۹۵) میں گذر چکا ہے کہ میراث کے حق دار ورثاء ہیں، اور دیت خاندان پر ہوتی ہے، اگر چہ یہ بات الغُنْمُ بِالْغُرْمِ کے خلاف ہے، یعنی ضابطہ یہ ہے کہ جو تاوان بھرے وہی فائدہ اٹھائے، پس جب خاندان نے دیت ادا کی ہے تو میراث بھی ان کو ملنی چاہئے، مگر مسئلہ یہ نہیں ہے، نبی ﷺ نے بنولحیان کی ایک عورت کے پیٹ کے بچہ کے بارے میں جو مردہ گر گیا تھا غُرّہ کا فیصلہ فرمایا، یعنی ایک بُردہ (غلام یا باندی) ادا کرنے کا حکم دیا اور یہ دیت ڈنڈا مارنے والی عورت کے عاقلہ پر لازم کی، پھر جب اس عورت کی وفات ہوئی جس پر بردہ کا فیصلہ کیا گیا تھا یعنی ڈنڈا مارنے والی عورت کی وفات ہوئی تو نبی ﷺ نے فیصلہ کیا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور اس کے شوہر کے لئے ہے، اور اس کی دیت اس کے خاندان پر ہے۔

اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ وراثت کی بنیاد تعاون، تناصر اور ہمدردی پر ہے، اور خاندان کے لوگ ہی ایک دوسرے کے نفع وضرر کو اپنا نفع وضرر سمجھتے ہیں اور وہی ایک دوسرے کی ہر طرح مدد کرتے ہیں، اس لئے وہی ایک دوسرے کے وارث ہونگے۔ اور دیت کا مدار ہاتھ پکڑنے پر ہے یعنی برائی سے روکنے پر ہے، پس جو لوگ گناہ کرنے والے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں وہی اگر گناہ سے نہیں روکیں گے تو سزا بھگتیں گے اور وہ سزا یہ ہے کہ ان کو دیت ادا کرنی ہوگی، اور ظاہر ہے یہ طاقت قبیلہ ہی میں ہوتی ہے اس لئے دیت ان پر لازم ہوتی ہے، غرض میراث اور دیت کی جہتیں مختلف ہیں اس لئے احکام بھی مختلف ہیں۔

[۱۹-] باب ماجاء أَنَّ المِيْرَاثَ لِلْوَرَثَةِ، وَالعَقْلَ عَلَى العَصَبَةِ

[۲۱۱۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَضَى فِيْ جَنِيْنِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِيْ لِحْيَانَ، سَقَطَ مَيِّتًا، بِغُرَّةٍ: عَبْدٍ

أَوْ أُمَّةٍ، ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِيْ قُضِيَ عَلَيْهَا بِغُرَّةٍ تُوُفِّيَتْ، فَقَضَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَنَّ مِيْرَاثَهَا لِبَنِيْهَا وَزَوْجِها، وأَنَّ عَقْلَهَا عَلَى عَصَبَتِهَا"

وَرَوَى يُوْنُسُ هٰذَا الحديثَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

وَرَوَى مَالِكٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ؛ وَمَالِكٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: باب کی حدیث لیث بن سعد نے امام زہری سے روایت کی ہے، پھر انھوں نے سعید بن المسیب سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور زہری کے دوسرے شاگرد یونس: امام زہری کے اساتذہ میں سعید بن المسیب اور ابوسلمہ دونوں کا ذکر کرتے ہیں اور زہری کے تیسرے شاگرد امام مالک: زهری عن أبی سلمة کی سند سے حدیث کو موصول کرتے ہیں، اور سعید بن المسیب کی سند سے مرسل کرتے ہیں (اور اصح مرفوع ہونا ہے)

بابُ ماجاء فی الرَّجُلِ يُسْلِمُ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ

جو کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس کا حکم

اس باب میں مولی الموالات کی میراث کا مسئلہ ہے، موالات ایک خاص قسم کی دوستی کا نام ہے، اور وہ اس طرح کی جاتی ہے کہ جس کا کوئی والی وارث نہ ہو، دوسرے سے کہے: آپ میرے مولیٰ (ذمہ دار) بن جائیں، میں آپ کو اپنا وارث بناتا ہوں، اگر مجھ سے کوئی موجب دیت امر سرزد ہو تو آپ دیت دیں، دوسرا اس کو قبول کرے۔ یہ ''عقد موالات'' ہے اور قبول کرنے والا ''مولی الموالات'' ہے (یہ عقد جانبین سے بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں دونوں ایک دوسرے کے مولی الموالات اور وارث ہوں گے) یہ عقد احناف کے نزدیک معتبر ہے، شوافع کے نزدیک معتبر نہیں، اور اس عقد کے لئے چند شرائط ہیں، جن کا بیان طرازی شرح سراجی (ص:۴۵) میں ہے[1]

اس عقد کا ذکر سورۃ النساء آیت ۳۳ میں ہے: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُوْنَ، وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾ ترجمہ: اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار چھوڑ

(۱) موالات کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ موالات کرنے والا آزاد، عاقل، بالغ ہو، وہ کسی کا آزاد کیا ہوا نہ ہو، نہ پہلے کسی سے عقد موالات کر چکا ہو اور عقد میں دیت اور وراثت کی صراحت ہو اور موالات قبول کرنے والے کے لئے صرف عاقل ہونا شرط ہے۔

جائیں، ہم نے وارث مقرر کردیئے ہیں، اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دو، یعنی اگر ورثاء موجود ہوں تو عقد موالات غیر معتبر ہے، رشتہ دار ہی وارث ہونگے، اور اگر کوئی وارث نہ ہو اور میت نے کسی سے عقد موالات کر رکھا ہو تو میراث کا وہی حقدار ہوگا، حدیث میں ضابطہ ہے: **الغُنم بالغُرم**: نفع بعوض تاوان ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴: ۶۶۰)

اور جب کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے تو وہ خاندان سے جدا ہو جاتا ہے اور بے آسرا رہ جاتا ہے، چنانچہ وہ اس مسلمان سے جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے یہ عقد کر لیتا ہے، پس اگر اس نومسلم نے ایسا عقد کیا ہو تو وہ اصلی مسلمان جبکہ اس نومسلم کا کوئی بھی وارث نہ ہو وارث ہوگا، یہ احناف کا مسلک ہے۔

حدیث: تمیم داری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا: کوئی مشرک کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے تو دینی راہ کیا ہے؟ یعنی مسئلہ کیا ہے، وہ مسلمان اس نومسلم کا وارث ہوگا یا نہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: **هو أَوْلَى الناسِ بِمَحْيَاه ومَمَاتِه**: وہ مسلمان اس نومسلم کا زندگی اور موت میں لوگوں میں سب سے زیادہ قریب ہے، یعنی اس مسلمان کو اس نومسلم کی حیات میں ہر طرح سے خبر گیری اور مدد کرنی چاہئے، اور اس کے مرنے کے بعد اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو یہ مسلمان اس کی میراث کا سب سے زیادہ حقدار ہوگا۔

تشریح: اس حدیث سے مولی الموالات کی توریث ثابت ہوتی ہے، اور یہی احناف کا مذہب ہے، اور جو حضرات توریث کے قائل نہیں وہ ایک دوسری حدیث سے استدلال کرتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: **إِنَّمَا الوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ**: ولاء (میراث) صرف آزاد کرنے والے کے لئے ہے، اس حدیث میں آپؐ نے حصر کر دیا ہے، پس مولی الموالات وارث نہیں ہوگا، یعنی جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس شخص کو اس نومسلم کی میراث نہیں ملے گی، کیونکہ ولاء آزاد کرنے والے ہی کے لئے ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو اس حدیث میں جس ولاء (میراث) کا حصر کیا گیا ہے وہ ولاء عتاقہ ہے، یعنی آزاد کرنے کی وجہ سے جو میراث ملتی ہے وہ صرف آزاد کرنے والے کے لئے ہے، اور مولی الموالات کو جو میراث ملتی ہے اس کی بنیاد دوسری ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کرنے والے نے اس نومسلم کو کفر سے نکالا ہے، اور اسلام میں داخل کیا ہے، پس گویا اس نے مردہ کو زندہ کیا ہے، پھر اس نومسلم نے اس مسلمان کرنے والے کے ساتھ عقد موالات کیا ہے اور وہ اس نومسلم کی زندگی بھر مدد کرتا رہا ہے اور قاعدہ ہے: **الغُرم بالغُنم**: اس لئے وہ مسلمان اس نومسلم کی زندگی اور موت میں اس سے سب سے زیادہ قریب ہے، اس لئے جب اس نومسلم کا کوئی بھی وارث نہیں ہوگا تو میراث بیت المال میں نہیں رکھی جائے گی، بلکہ اس مسلمان کرنے والے کو ملے گی، کیونکہ اس کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔

اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں: مولی الموالات وارث نہیں ہوگا، پس ترکہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ ان کے

نزدیک قرآن کا مذکورہ حکم آیتِ پاک: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللهِ﴾ سے منسوخ ہوگیا ہے (سورۃ الانفال آخری آیت) اور باب کی حدیث کے بارے میں وہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

[۲۰-] باب ماجاء في الرَّجُلِ يُسْلِمُ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ

[۲۱۱۲-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نا أَبُوْ أُسَامَةَ، وابنُ نُمَيْرٍ، وَوَكِيْعٌ، عَنْ عَبْدِ العَزِيْزِ بنِ عُمَرَ بنِ عَبْدِ العَزِيزِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مَوْهِبٍ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ وَهْبٍ، عَنْ تَمِيْمٍ الدَّارِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم: مَا السُّنَّةُ فِي الرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ يُسْلِمُ عَلَى يَدِ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ؟ فَقَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ"

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللهِ بنِ وَهْبٍ، وَيُقَالُ: ابنُ مَوْهِبٍ، عَنْ تَمِيْمٍ الدَّارِيِّ.

وَقَدْ أَدْخَلَ بَعْضُهُمْ بَيْنَ عَبْدِ اللهِ بنِ مَوْهِبٍ وَبَيْنَ تَمِيْمٍ الدَّارِيِّ: قَبِيْصَةَ بنَ ذُوَيْبٍ، وَرَوَاهُ يَحْيَى بنُ حَمْزَةَ عَنْ عَبْدِ العَزِيْزِ بنِ عُمَرَ، وَزَادَ فِيْهِ: عَنْ قَبِيْصَةَ بنِ ذُوَيْبٍ، وَهُوَ عِنْدِيْ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ.

وَالعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يُجْعَلُ مِيْرَاثُهُ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَاحْتَجَّ بِحَدِيْثِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: "أَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ"

وضاحت:

۱- یہ روایت حضرت تمیم داریؓ سے عبداللہ بن موہب روایت کرتے ہیں، یہی نام صحیح ہے، اور بعض روات عبد اللہ بن وہب کہتے ہیں: یہ صحیح نہیں۔

۲- یہ روایت عبدالعزیز نے عبداللہ بن موہب سے اور انھوں نے تمیم داریؓ سے روایت کی ہے، اس کی ایک دوسری سند ابوداؤد (حدیث ۲۹۱۸) میں ہے، عبدالعزیز کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن موہب سے سنا، وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے حدیث روایت کررہے تھے، قبیصہ بن ذویب سے روایت کرتے ہوئے، پھر امام ابوداؤد کے استاذ ہشام بن عمار کہتے ہیں: عن تمیم الداری۔ اور دوسرے استاذ یزید بن خالد کہتے ہیں: أَنَّ تَمِيْمًا: یعنی پہلے استاذ کی روایت میں قبیصہ: حضرت تمیم داریؓ سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے استاذ کی روایت میں قبیصہ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں، تمیم داریؓ سے روایت نہیں کرتے، یہی یحیٰ بن حمزہ کی روایت ہے جس کا امام ترمذی رحمہ اللہ نے حوالہ دیا ہے، پھر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہ حدیث متصل نہیں، کیونکہ قبیصہ اور عبداللہ بن موہب کی

حضرت تمیم داریؓ سے ملاقات نہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف کتاب الفرائض باب ۲۲ میں فرمایا ہے:
يُذْكَرُ عن تَميمِ الداری، رَفَعَهُ، قالَ:" هو أولَى الناسِ بِمَحْيَاه ومَمَاته واخْتَلَفُوْا فی صِحَّةِ هذا الخَبَرِ:
یعنی تمیم داریؓ سے مرفوعاً ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ مسلمان جس کے ہاتھ پر کسی نے اسلام قبول کیا ہے وہ اس نومسلم کی زندگی اور موت میں لوگوں میں سب سے زیادہ قریب ہے'' اور محدثین میں اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے (اکثر محدثین جیسے امام ترمذی اور امام بخاری حدیث کو صحیح نہیں مانتے، چنانچہ امام بخاری نے يُذْكر فعل مجہول استعمال کیا ہے، اور ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں: هذا حديث حسن متصل، لم أر أحداً من أهل العلم يدفعه (بذل مجہود ۱۰:۹۳ طبع جدید) چنانچہ بعض حضرات اس کو وارث قرار نہیں دیتے اور اس کا ترکہ بیت المال میں داخل کرتے ہیں اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔

ملحوظہ: شریفیہ شرح سراجی کے حواشی میں ہے کہ تمیم داری کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ: الرجلُ يُسْلِمُ علی يَدِیْ وَيُوَالِيْنِیْ: یعنی ایک آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے اور میرے ساتھ موالات کرتا ہے الخ، یہ قید ملحوظ رہنی چاہئے، صرف مسلمان کرنے سے احناف کے نزدیک وارث نہیں ہوگا، بلکہ جب عقد موالات کرے گا تب قرآن کریم کی رو سے وارث ہوگا، اور قرآن کریم کے اس حکم کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں، اور سورۃ الانفال کی آخری آیت اس نومسلم کے بارے میں ہے جس کے مسلمان ورثاء ہیں اور زیر بحث مسئلہ اس نومسلم کا ہے جس کا کوئی وارث نہیں ہے، اور اس نے جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے موالات کر رکھی ہے۔ اور یہ حدیث جیسی بھی ہے اس بات کی تائید کرتی ہے کہ وہ حکم باقی ہے۔

[بابُ ماجاء فی إِبْطَالِ مِيْرَاثِ وَلَدِ الزِّنَا]

ولد الزنا وارث نہیں ہوتا

یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا، اور توریث کی بنیاد نسب پر ہے، پس زانی اور اس کی اولاد کے درمیان توریث جاری نہیں ہوگی، البتہ زانی اپنی زندگی میں زنا کی اولاد کو کچھ دیدے تو وہ مالک ہو جائے گی، اسی طرح بلاد کفر میں جہاں بیت المال نہیں، زنا کی اولاد کو بیت المال کا مصرف قرار دیا جاسکتا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جونسا آدمی کسی آزاد عورت کے ساتھ یا باندی کے ساتھ زنا کرے تو اولاد زنا کی اولاد ہے، نہ وہ وارث ہوگی نہ وہ مورث بنے گی، یعنی ان کی میراث بھی زانی کو نہیں ملے گی، اس حدیث کی سند میں اگرچہ ابن لہیعہ ہیں مگر مسئلہ اجماعی ہے کہ زنا کی اولاد زانی کی وارث نہیں ہوتی، نہ زانی زنا کی اولاد کا وارث ہوتا ہے۔

[۲۱-] [بابُ ماجاء في إِبْطَالِ مِيْرَاثِ وَلَدِ الزِّنَا]

[۲۱۱۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا ابنُ لَهِيْعَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "أَيُّمَا رَجُلٍ عَاهَرَ بِحُرَّةٍ أَوْ أَمَةٍ، فَالْوَلَدُ وَلَدُ زِنًا، لاَيَرِثُ وَلاَ يُوْرَثُ"

وَقَدْ رَوَى غَيْرُ ابنِ لَهِيْعَةَ، هٰذَا الحديثَ عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ وَلَدَ الزِّنَا لاَيَرِثُ مَنْ أَبِيْهِ.

بابٌ مَنْ يَرِثُ الوَلاَءَ؟

ولاء کا وارث کون ہوتا ہے؟

آزادشدہ کی میراث پہلے اس کے ذوی الفروض کوملتی ہے، پھر عصبہ نسبی کو، اوران میں سے کوئی نہ ہوتو عصبہ سببی کو، یعنی آزادکرنے والے کو میراث ملتی ہے، اور وہ بھی نہ ہوتو آزادکرنے والے کے ورثاء کو میراث ملتی ہے، اور عورتوں کا ولاء میں کوئی حصہ نہیں، مگر یہ کہ وہ خود آزادکرنے والی ہوں، جیسا کہ آئندہ باب میں آرہا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: يَرِثُ الوَلاَءَ مَنْ يَرِثُ المالَ: ولاء کا وارث وہ ہوتا ہے جو مال کا وارث ہوتا ہے، یہ حدیث ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے، اوراس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عصبہ سببی نہ ہوتو اس کے عصبہ نسبی وارث ہونگے، اگرچہ وہ آزادکرنے والے نہیں ہیں، مگر وہ آزادکرنے والے کے وارث ہیں اس لئے ولاء کے بھی وہ وارث ہونگے۔

[۲۲-] بابٌ مَنْ يَرِثُ الْوَلاَءَ؟

[۲۱۱٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا ابنُ لَهِيْعَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "يَرِثُ الوَلاَءَ مَنْ يَرِثُ الْمَالَ" هٰذَا حديثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ.

[بابُ ماجاء مَايَرِثُ النِّسَاءُ مِنَ الْوَلاَءِ؟]

عورتوں کو ولاء کب ملتی ہے؟

عورتوں کو آٹھ صورتوں میں ولاء ملتی ہے: (۱) جس کو عورتوں نے آزادکیا ہو (۲) عورتوں کے آزادکردہ غلام نے کسی کو آزادکیا ہو (۳) عورتوں نے مکاتب بنایا ہو (۴) عورتوں کے مکاتب نے کوئی مکاتب بنایا ہو (۵) عورتوں نے

مدبر بنایا ہو(۶)عورتوں کے مدبر نے مدبر بنایا ہو(۷)عورتوں کے آزاد کردہ غلام نے ولاء کھینچی ہو یعنی حاصل کی ہو (۸)عورتوں کے آزاد کردہ غلام کے آزاد کردہ غلام نے ولاء کھینچی ہو یعنی حاصل کی ہو(یہ آٹھوں صورتیں ایک روایت میں آئی ہیں)

علاوہ ازیں عورت نے جس بچہ کی وجہ سے شوہر سے لعان کیا ہو اور نکاح ختم کر دیا گیا ہو اور بچہ کا نسب ماں کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہو تو ماں اور اس کا یہ بچہ ایک دوسرے کے وارث ہونگے۔

اور لقیط یعنی جس بچہ کو کسی عورت نے پڑا پایا ہو اور اس کی پرورش کی ہو تو ان میں توریث جاری نہیں ہوگی، کیونکہ توریث کی بنیاد نسب یا ولاء ہے، اور لقیط میں ان میں سے کوئی بات موجود نہیں، اور حدیث باب میں جو توریث کا ذکر ہے اس کو علماء نے بیت المال کے مصرف پر محمول کیا ہے، یعنی اگر وہ پرورش کرنے والی عورت غریب ہو تو میراث اس کو غربت کی بنیاد پر دی جاسکتی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عورت تین میراثیں سمیٹتی ہے: اپنے آزاد کردہ کی میراث، اپنے پڑے پائے ہوئے بچہ کی میراث اور اپنی اس اولاد کی میراث جن کی وجہ سے عورت نے شوہر سے لعان کیا ہے۔

[۲۳-] [بابُ ماجاء مَايَرِثُ النِّسَاءُ مِنَ الْوَلَاءِ؟]

[۲۱۱۵-] حدثنا هَارُوْنُ أَبُوْ مُوْسَى الْمُسْتَمْلِيُّ الْبَغْدَادِيُّ، نَا مُحمدُ بنُ حَرْبٍ، نَا عُمَرُ بنُ رُؤْبَةَ التَّغْلِبِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ بُسْرٍ النَّصْرِيِّ، عَنْ وَاثِلَةَ بنِ الأَسْقَعِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "الْمَرْأَةُ تَحُوْزُ ثَلَاثَةَ مَوَارِيْثَ: عَتِيْقَهَا، وَلَقِيْطَهَا، وَوَلَدَهَا الَّذِيْ لَاعَنَتْ عَنْهُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحمدِ بنِ حَرْبٍ عَلَى هٰذَا الْوَجْهِ.

﴿ آخر الفرائض﴾

وضاحت: یہ روایت ابوداؤد (حدیث ۲۹۰۶) میں بھی ہے مگر عبدالواحد کے دادا کا نام نہیں ہے، اور اسماء الرجال کی کتابوں میں دادا کا نام کعب بن عُمیر ہے اور ابوبُسر ان کی کنیت ہے۔
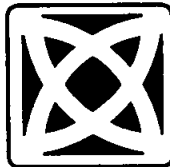
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أبوابُ الْوَصَايَا

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

وصیتوں کا بیان

وصیت: وہ عہد خاص ہے جس کو آدمی مرنے کے بعد انجام دینے کے لئے کہہ جاتا ہے، اور عام طور پر وصیت تبرع کی ہوتی ہے، تبرع یعنی کسی کو ذاتی منفعت کی امید کے بغیر کوئی چیز دینا، اور تبرعات چار ہیں: صدقہ، ہدیہ، وصیت اور وقف۔

صدقہ: وہ تبرع ہے جس سے اللہ کی رضا جوئی مقصود ہوتی ہے، اور ہدیہ: وہ تبرع ہے جس سے اس شخص کا دل خوش کرنا مقصود ہوتا ہے جس کو سوغات دی جاتی ہے، اور وصیت: یہ ہے کہ کوئی شخص کہے: میرے انتقال کے بعد میری فلاں جائداد یا میرا اتنا سرمایہ فلاں مصرف خیر میں خرچ کرنا، یا فلاں شخص کو دینا، اور وقف: جائداد جیسی باقی رہنے والی کوئی چیز محفوظ کرنا، اور اس کے منافع کو صدقہ کرنا۔

وصیت کی حکمت: وصیت کا طریقہ اس طرح چلا ہے کہ انسانوں میں ملکیت ایک عارضی چیز ہے، حقیقت میں ہر چیز کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اور یہ عارضی ملکیت اس وجہ سے ہے کہ انسانوں میں اختلاف اور جھگڑے کی نوبت آتی ہے، دیگر حیوانات: چرند و پرند میں ملکیت نہیں ہے، ہر چیز اللہ کی ہے، مخلوقات اس سے فائدہ اٹھاتی ہیں، اور ان میں کوئی بڑا جھگڑا بھی کھڑا نہیں ہوتا، مگر انسانوں کی صورت حال دوسری ہے، اس لئے عارضی طور پر انسانوں کی ملکیت تسلیم کی گئی، پھر جب انسان موت کے قریب پہنچ جائے اور مال سے بے نیازی کا وقت آجائے تو مستحب یہ ہے کہ جن لوگوں کے حق میں کوتاہی کی ہے اس کی تلافی کرے، اور اس نازک گھڑی میں ان لوگوں کی غم خواری کرے جن کا حق اس پر واجب ہے۔

فائدہ: حق واجب کی وصیت واجب ہے، اور حق مستحب کی مستحب، مثلاً: کسی کے پاس کسی کی کوئی چیز امانت ہے یا اس پر کسی کا قرض ہے یا کسی طرح کا کوئی حق ہے تو اس کی واپسی اور ادائیگی کی وصیت کرنا واجب ہے، اور اگر

مصارف خیر میں کسی غریب یا دوست عزیز پر خرچ کرنا چاہتا ہے تو اس کی وصیت مستحب ہے، اور جو بھی وصیت کرے اس کو لکھ کر محفوظ کر لینا چاہئے۔

بابُ ماجاء في الوَصِيَّةِ بالثُّلُثِ

وصیت صرف تہائی ترکہ کی جائز ہے

یہ مسئلہ کتاب الجنائز (تحفۃ الالمعی ۴: ۲۷۸) میں گذر چکا ہے۔

حدیث: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں فتح مکہ کے سال سخت بیمار ہوا (حافظؒ فرماتے ہیں: امام زہریؒ کے تمام تلامذہ متفق ہیں کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے، صرف ابن عیینہؒ فتح مکہ کا بتاتے ہیں، اور حفاظِ حدیث اس پر متفق ہیں کہ یہ ابن عیینہ کا وہم ہے) جس سے میں مرنے کے قریب ہو گیا (أشْفَيْتُ أى صِرْتُ على شَفاه: یعنی میں موت کے کنارے پہنچ گیا) پس نبی ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس مال بہت ہے، اور میری صرف ایک بیٹی وارث ہے، پس کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کردوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: پس کیا میں دو تہائی مال کی وصیت کروں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: پس آدھے کی؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: پس تہائی کی؟ آپؐ نے فرمایا: ''تہائی کی کر سکتے ہو، اور تہائی بھی بہت ہے، اگر آپ اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ آپ ان کو قلاش چھوڑیں کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پسارتے پھریں، بیشک آپ ہرگز کوئی خرچ نہیں کریں گے مگر اس کا ثواب دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ وہ لقمہ جس کو آپ اپنی بیوی کے منہ کی طرف اٹھائیں'' حضرت سعدؓ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں اپنی ہجرت سے پیچھے رہ جاؤں گا؟ (یعنی مکہ میں میری وفات ہوگی اور بظاہر میری ہجرت باطل ہوگی؟) آپؐ نے فرمایا: بیشک آپ ہرگز میرے بعد پیچھے نہیں کئے جائیں گے، پھر آپ کوئی ایسا کام کریں جس سے اللہ کی خوشنودی چاہیں: مگر آپ بڑھیں گے اس کی وجہ سے بلندی اور درجہ میں (لَنْ میں نفی ہے اور اس کے مقابل إلّا میں اثبات ہے جس سے حصر پیدا ہوا ہے، یعنی آپ میرے بعد زندہ رہ کر جو بھی نیک عمل کریں گے: وہ آپ کے لئے بلندی درجات کا سبب ہوگا، اس میں اشارہ ہے کہ حضرت سعدؓ حضور اقدس ﷺ کے بعد تک زندہ رہیں گے، چنانچہ فرمایا:) اور شاید آپ پیچھے کردیئے جائیں (یعنی میرے بعد زندہ رہیں) یہاں تک کہ آپ سے کچھ لوگ فائدہ اٹھائیں اور کچھ دوسرے لوگوں کو آپ کی وجہ سے ضرر پہنچے (اس کے بعد آپؐ نے دعا فرمائی) ''اے اللہ! میرے صحابہ کے لئے ان کی ہجرت کو نافذ فرما یعنی وطن میں ان کا انتقال نہ ہو اور ان کو ان کی ایڑیوں پر نہ پھیر، یعنی ان کی ہجرت باطل نہ ہو، لیکن قابل رحم سعد بن خولہؓ ہیں نبی ﷺ نے ان پر اظہار غم کیا اس وجہ سے کہ ان کا مکہ میں انتقال ہوا تھا۔

تشریح: تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں، بلکہ تہائی سے کم کی وصیت مستحب ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے تہائی کو ''بہت'' قرار دیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ دو وجہ سے تو وصیت جائز ہی نہیں ہونی چاہئے:

ایک: عرب وعجم کی قوموں میں میت کا مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے، اور یہ ان کے نزدیک فطری بات اور لازمی امر جیسا ہے، اور اس میں بے شمار مصلحتیں ہیں، پس جب کوئی شخص بیمار پڑتا ہے، اور موت اس کو نظر آنے لگتی ہے تو ورثاء کی ملکیت کی راہ کھل جاتی ہے، یعنی مرض الموت میں میت کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، پس غیروں کے لئے وصیت کر کے ورثاء کو اس چیز سے مایوس کرنا جس کی وہ امید باندھے بیٹھے ہیں: ان کے حق کا انکار اور ان کے حق میں کوتاہی ہے۔

دوسری وجہ: حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ میت کا مال اس کے بعد اس کے ان قریب ترین لوگوں کو ملے جو اس کے سب سے زیادہ حقدار، سب سے زیادہ مددگار، اور سب سے زیادہ غم خوار رہے ہوں، اور ایسا ماں باپ اولاد اور رشتہ داروں کے علاوہ کوئی نہیں، اسی وجہ سے دور اول کے ہنگامی حالات میں جو موالات (آپس کی دوستی) اور مواخات (بھائی چارگی) کی وجہ سے میراث ملتی تھی اس کو ختم کر دیا گیا، اور رشتہ داری کی بنیاد پر توریث کا حکم نازل ہوا۔ سورۃ الانفال آیت ۷۵ میں ارشادِ پاک ہے: ''اور جو لوگ رشتہ دار ہیں: کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں''

مگر با ایں ہمہ: بارہا ایسی باتیں پیش آتی ہیں کہ رشتہ داروں کے علاوہ لوگوں کی غم خواری ضروری ہو جاتی ہے، اور بہت سی مرتبہ مخصوص حالات مقتضی ہوتے ہیں کہ ان کے علاوہ کو ترجیح دی جائے، اس لئے وصیت کی اجازت دی گئی، مگر دوسروں کے لئے وصیت کی کوئی حد مقرر کرنی ضروری ہے تا کہ لوگ اس سے تجاوز نہ کریں، شریعت نے وہ حد ایک تہائی مقرر کی ہے، کیونکہ ورثاء کو ترجیح دینا ضروری ہے، اور اس کی یہی صورت ہے کہ ان کو آدھے سے زیادہ دیا جائے، اس لئے ورثاء کے لئے دو تہائی اور ان کے علاوہ کے لئے ایک تہائی مقرر کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبواب الوصايا

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء في الوَصِيَّةِ بِالثُّلُثِ

[۲۱۱٦-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، نَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَامِرِ بنِ سَعْدِ بنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ

أَبِيْهِ، قَالَ: مَرِضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا أَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ، فَأَتَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَعُوْدُنِيْ، فَقُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّ لِيْ مَالاً كَثِيْرًا، وَلَيْسَ يَرِثُنِيْ إِلَّا ابْنَتِيْ، أَفَأُوْصِي بِمَالِيْ كُلِّهِ؟ قَالَ:" لَا" قُلْتُ: فَثُلُثَيْ مَالِيْ؟ قَالَ:" لَا" قُلْتُ: فالشَّطْرُ؟ قَالَ:" لَا" قُلْتُ: فَالثُّلُثُ؟ قَالَ: "الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ، إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً إِلَّا أُجِرْتَ فِيْهَا، حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا إِلَى فِي امْرَأَتِكَ" قَالَ: قُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! أُخَلَّفُ عَنْ هِجْرَتِيْ؟ قَالَ:" إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ بَعْدِيْ، فَتَعْمَلَ عَمَلاً تُرِيْدُ بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ، إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ رِفْعَةً وَدَرَجَةً، وَلَعَلَّكَ أَنْ تُخَلَّفَ، حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ، وَيُضَرُّ بِكَ آخَرُوْنَ، اللّٰهُمَّ امْضِ لِأَصْحَابِيْ هِجْرَتَهُمْ، وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ، لٰكِنَّ الْبَائِسَ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ" يَرْثِيْ لَهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ.

وفي الباب: عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ سَعْدِ بنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ.

وَالعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّهُ لَيْسَ لِلرَّجُلِ أَنْ يُوْصِيَ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ، وَقَدْ اسْتَحَبَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَنْقُصَ مِنَ الثُّلُثِ، لِقَوْلِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ"

[بابُ ماجاء في الضِّرَارِ فِي الْوَصِيَّةِ]

وصیت میں ورثاء کونقصان پہنچانا

یہاں مصری نسخہ میں یہ باب ہے،اور وصیت میں نقصان پہنچانا یہ ہے کہ تہائی سے زائد کی وصیت کرے، یا وارث کے لئے وصیت کرے، یہ دونوں صورتیں شرعاً باطل ہیں، اس لئے ان پر عمل نہیں ہوگا، یا مرض موت میں وارث کو یا غیر وارث کو مال بخش دے یا اپنی حیات میں بعض ورثاء کو زیادہ دیدے اور بعض کو کم دے یا بالکل محروم کردے، یہ سب صورتیں نقصان پہنچانے کی ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک ایک آدمی یا ایک عورت ساٹھ سال تک اللہ کی اطاعت والے کام کرتے ہیں، پھر دونوں کی موت کا وقت آتا ہے، پس وہ وصیت میں نقصان پہنچاتے ہیں، پس دونوں کے لئے دوزخ لازم ہوجاتی ہے،شہر بن حوشب کہتے ہیں: پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے میرے سامنے آیت: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾ پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے:" وصیت نکالنے کے بعد جس کی وصیت کی گئی ہو، یا دَین کے بعد بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچائے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بردبار ہیں، یہ احکام ضابطہ

خداوندی ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغات میں داخل کریں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ ایک بڑی کامیابی ہے" یعنی جنت کا حقدار اس وقت ہوگا جب ورثاء میں سے کسی کو ضرر نہ پہنچائے۔

اور مشکوٰۃ (حدیث ۳۰۷۸ باب الوصایا) میں حدیث ہے: مَنْ قَطَعَ میراثَ وارِثِه قَطَعَ اللّٰهُ میراثَه مِن الجنة یومَ القیامة: جس نے اپنے وارث کی میراث کاٹ دی: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دیں گے، وارث کے حصۂ میراث کو کاٹنے کی شکل یہی ہوتی ہے کہ اپنی زندگی میں بعض ورثاء کو یا غیر ورثاء کو مال جائداد ہبہ کردے جس سے بعض وارث یا سارے ورثاء محروم رہ جائیں، اس کی آخرت میں سزا بہت سخت ہے، اللہ تعالیٰ جنت سے اس کا حصہ کاٹ دیں گے۔

[۲- بابُ ماجاء في الضِّرَارِ فِي الْوَصِيَّةِ]

[۲۱۱۷-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، نَا عَبْدُ الصَّمَدِ بنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، نَا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، ثَنَا الْأَشْعَثُ بنُ جَابِرٍ، عَنْ شَهْرِ بنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ رسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ، وَالْمَرْأَةَ، بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّيْنَ سَنَةً، ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ، فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ، فَيَجِبُ لَهُمَا النَّارُ" ثُمَّ قَرَأَ عَلَيَّ أَبُوْ هُرِيرةَ: ﴿ مِنْ بَعْضِ وَصِيَّةٍ يُوْصٰى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللّٰهِ ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَنَصْرُ بنُ عَلِيٍّ الَّذِيْ رَوَى عَنْ أَشْعَثَ بنِ جَابِرٍ، هُوَ جَدُّ نَصْرٍ الجَهْضَمِيِّ.

وضاحت: والمرأة کا عطف الرجل پر ہے......اور یحضرهما الموت ہندی نسخہ میں یحضرهم الموت ہے، مصری نسخہ میں تثنیہ کی ضمیر ہے، اسی طرح مشکوٰۃ میں بھی تثنیہ کی ضمیر ہے۔

بابُ ماجاء في الحَثِّ عَلَى الْوَصِيَّةِ

وصیت لکھ لینے کی ترغیب

یہ حدیث پہلے (تحفۃ الالمعی ۳: ۳۷۷ کتاب الجنائز باب ۵ میں) گذر چکی ہے اور وہیں حدیث کی ترکیب بھی دی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: کسی ایسے مسلمان کے لئے سزاوار نہیں جس کے پاس کوئی ایسی چیز (جائداد، سرمایہ، امانت یا قرض وغیرہ) ہو جس کے بارے میں وصیت کرنی ضروری ہو کہ وہ دو راتیں گذارے مگر اس حال

میں کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہئے۔

تشریح: وصیت کرنے میں اس بات کا انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ جب بوڑھے ہوجائیں گے اور موت کا وقت قریب آجائے گا تب وصیت کردیں گے، کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، معلوم نہیں وہ کس وقت آگھیرے، پس ہر مؤمن کو چاہئے کہ وہ وصیت نامہ تیار رکھے، دودن بھی ایسے نہیں گذرنے چاہئیں کہ وصیت نامہ موجود نہ ہو۔

فائدہ: معاملات کی یادداشت لکھ لینا، یا کسی رازدار مثلاً بیوی، بچوں کو بتلادینا بھی وصیت نامہ لکھنے کے قائم مقام ہے۔

[۳-] باب ماجاء فی الحَثِّ عَلَی الْوَصِیَّةِ

[۲۱۱۸-] حدثنا ابنُ أَبِی عُمَرَ، نا سُفْیَانُ، عَنْ أَیُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "مَا حَقُّ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ یَبِیْتُ لَیْلَتَیْنِ، وَلَهُ مَا یُوْصِیْ فِیْهِ، إِلَّا وَوَصِیَّتُهُ مَکْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ"

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَقَدْ رُوِیَ عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم نَحْوَهُ.

بابُ ماجاء أَنَّ النبیَّ صلی الله علیه وسلم لَمْ یُوْصِ

نبی ﷺ نے کوئی وصیت نہیں کی

حدیث: طلحہ بن مصرف کہتے ہیں: میں نے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے کوئی وصیت کی ہے، انھوں نے کہا: نہیں، میں نے عرض کیا: پھر وصیت کیسے فرض ہوئی؟ اور لوگوں کو وصیت کا حکم کیسے دیا گیا؟ انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے قرآنِ کریم کو مضبوط پکڑنے کی وصیت کی ہے۔

تشریح: سوال یہ تھا کہ جب نبی ﷺ نے کوئی وصیت نہیں کی تو وصیت مامور بہ کیسے ہوئی؟ قرآنِ کریم میں: ﴿کُتِبَ عَلَیْکُمْ﴾ الآیۃ ہے، یعنی ''تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کی موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہوتو وہ والدین اور اقارب کے لئے معقول طور پر وصیت کرے، جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمے یہ بات ضروری ہے'' (البقرہ آیت ۱۸۰) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: کانَ خُلُقُه القرآن: نبی ﷺ کی سیرت قرآن کریم پر عمل کرنا تھی، پھر آپؐ نے وصیت کیوں نہیں کی؟

اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ وصیت کرنی ضروری ہے، مگر دنیوی وصیت ضروری نہیں، اور آپؐ نے دینی وصیتیں فرمائی ہیں، ان میں سے ایک وصیت یہ ہے: ترکتُ فیکم أَمْرَیْنِ، لن تَضِلُّوْا ما تَمَسَّکْتُمْ بھِمَا، کتابَ اللّٰه وسنةَ رسوله: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہوگے: گمراہ نہیں

ہوں گے، ایک اللہ کی کتاب، دوسری اللہ کے رسول کی سنت، یعنی طریقہ، اسی طرح آپؐ نے امت کو نماز کے اہتمام کی اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی ہے، اور غیر مسلموں سے جزیرۃ العرب کے انخلاء کی وصیت فرمائی ہے۔ غرض آپؐ نے متعدد دینی وصیتیں فرمائی ہیں، پس قرآن کے حکم پر عمل ہو گیا، اور دنیوی وصیت اس لئے نہیں کی کہ آپؐ نے جو کچھ چھوڑا تھا وہ صدقہ تھا، پھر کس چیز کی وصیت کرتے؟

[٤-] باب ماجاء أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يُوْصِ

[٢١١٩-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، نا أَبُوْ قَطَنٍ، نا مَالِكُ بنُ مِغْوَلٍ، عَنْ طَلْحَةَ بنِ مُصَرِّفٍ، قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ أَبِيْ أَوْفَى: أَوْصَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: وَكَيْفَ كُتِبَتِ الوَصِيَّةُ؟ وَكَيْفَ أُمِرَ النَّاسُ؟ قَالَ: أَوْصَى بِكِتَابِ اللّٰهِ تعالَى.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مَالِكِ بنِ مِغْوَلٍ.

فائدہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ نے طویل عمر پائی ہے ۸۷ھ میں کوفہ میں آپ کا انتقال ہوا ہے، اور کوفہ میں آخری صحابی جن کا انتقال ہوا ہے وہ آپ ہیں۔

بابُ ماجاء لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

وارث کے لئے وصیت جائز نہیں

زمانہ جاہلیت میں میراث کا کوئی قاعدہ نہیں تھا، میت کی وصیت کے مطابق عمل کیا جاتا تھا، اور لوگ وصیت میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے تھے، وہ اس میں حکمت کے تقاضوں کا پورا لحاظ نہیں رکھتے تھے، کبھی زیادہ حقدار کو چھوڑ دیتے تھے، حالانکہ اس کی ہمدردی زیادہ ضروری تھی اور اپنی کج فہمی سے دور کے رشتہ داروں کو ترجیح دیتے تھے، اس لئے ضروری ہوا کہ میراث کے احکام نازل کر کے فساد کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے اور توریث کے سلسلہ میں رشتہ داری کی کلی احتمالی جگہوں کا اعتبار کیا جائے، اشخاص کے لحاظ سے عارضی خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے، یعنی صرف رشتہ داری کو میراث کی بنیاد بنایا جائے۔ کس وارث کا میت سے کتنا تعلق ہے: یہ بات نہ دیکھی جائے، کیونکہ انسان پورے طور پر نہیں جان سکتا کہ اصول وفروع میں سے زیادہ نفع پہنچانے والا کون ہے؟ (سورۃ النساء آیت ۱۱)

غرض جب اس بنیاد پر میراث کا معاملہ طے کر دیا گیا تا کہ لوگوں کے نزاعات ختم ہوں اور ان کے باہمی کینوں کا سلسلہ رک جائے تو اس کا تقاضہ ہوا کہ کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہ ہو، ورنہ توریث کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴: ۶۱۶)

حدیث: نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کی تقریر میں درج ذیل باتیں ارشادفرمائیں:

۱- إِنَّ اللّٰهَ تبارك وتعالىٰ قَدْ أَعْطَى كلَّ ذِي حقٍّ حَقَّه، فلاوصِيَّةَ لِوَارِثٍ: اللہ تعالیٰ نے (احکام میراث نازل کر کے) ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا ہے، پس کسی بھی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

۲-والولدُ للْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الحَجَرُ، وحسابُهم على الله تعالىٰ: اوراولاد بستر کے لئے ہے، بستر سے مراد بیوی ہے، اور لفظ صاحب محذوف ہے، یعنی بستر والے کے لئے (شوہر کے لئے) ہے اور زانی کے لئے سنگ ہے، اوران کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے، یعنی حقیقت میں بچہ کس کا ہے؟ اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے یہاں ہوگا، دنیا میں نسب شوہر سے ثابت ہوگا، مگر یہ کہ شوہر بچہ کی نفی کرے تو لعان ہوگا، پھر بچہ کا نسب ماں سے ثابت ہوگا۔ زانی سے ثابت نہیں ہوگا، اور یہ مسئلہ پہلے (تحفۃ الالمعی ۳: ۵۹۷ باب ۴۴ کتاب النکاح) میں گذر چکا ہے۔

۳-ومَنِ ادَّعَى إلى غيرِ أَبِيْهِ، أو انْتَمَى إلى غَيْرِ مَوَالِيْهِ، فَعَلَيْهِ لعنةُ اللّٰهِ التَّابِعَةُ إلى يوم القيامة: اور جس نے اپنے باپ کے علاوہ سے نسب کا دعوی کیا، یا اپنے آقاؤں کے علاوہ کی طرف منسوب ہوا تو اس پر اللہ کی پھٹکار ہے جو قیامت تک مسلسل رہے گی، اور باپ کے علاوہ سے نسب کا دعوی کرنے میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ آدمی اپنی قومیت بدل لے، مثلاً: سید نہیں ہے اور اپنے کو سید ظاہر کرے: اس کے لئے بھی یہی وعید ہے۔

۴-ولَا تُنْفِقِ امْرَأَةٌ مِنْ بَيْتِ زوجها إلا بإذن زَوْجِهَا: اور کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے خرچ نہ کرے مگر اپنے شوہر کی اجازت سے، پوچھا گیا: یارسول اللہ! کیا کھانا بھی خرچ نہ کرے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ تو ہمارا بہترین مال ہے، یعنی ہمارے گھروں کا اصل سرمایہ کھانا ہی ہے پس شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا خرچ کرنا بھی جائز نہیں، یہ بھی پہلے تحفہ (۲: ۶۰۰) میں گذر چکا ہے۔

۵-والعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ: اور برتنے کے لئے لی ہوئی چیز ادا کی ہوئی ہے، یعنی جب استعمال کر کے فارغ ہو جائے تو عاریت پر لی ہوئی چیز واپس کر کے آئے، اپنے پاس رکھ نہ چھوڑے۔

۶-والمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ: اور انتفاع کے لئے دیا ہوا جانور لوٹایا ہوا ہے یعنی کسی نے دودھ والی بھینس بکری کسی کو دی کہ اس کی خدمت کرو، اور اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاؤ، تو جب اس کا دودھ ختم ہو جائے: اس کو واپس کرنا چاہئے، دبا بیٹھنا جائز نہیں۔

۷-والدينُ مَقْضِيٌّ: اور قرض چکایا ہوا ہے، یعنی کسی سے قرض لیا تو بروقت قرضہ ادا کرنا چاہئے۔

۸- والزعيم غَارِمٌ: اور ضامن تاوان دینے والا ہے، یعنی اگر کسی معاملہ میں ضامن بنا ہو: پھر اصیل قرضہ ادا نہ کرے تو اس ضامن کو اپنی جیب سے قرضہ بھرنا ہوگا، لوگ عام طور پر ضامن بن جاتے ہیں مگر اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔

نوٹ: ۵، ۷ اور ۸ پہلے تحفۃ الالمعی (۱۹۱:۴) ابواب البیوع (باب ۳۹) میں گذر چکے ہیں۔

اسماعیل بن عیاش کا حال: اس روایت کی سند میں اسماعیل بن عیاش آئے ہیں، ان کا استاذ اگر عراقی یا حجازی ہو تو روایت قابل اعتبار نہیں، جبکہ اسماعیل اس روایت کے ساتھ متفرد ہوں، کیونکہ اسماعیل ان اساتذہ سے نہایت ضعیف حدیثیں روایت کرتے ہیں، اور اگر ان کا استاذ شامی ہو تو روایت صحیح ہے، اور یہ روایت اسماعیل بن عیاش چونکہ شرحبیل سے روایت کرتے ہیں جو شامی ہیں اس لئے یہ روایت صحیح ہے، اور یہ بات امام بخاریؒ نے بیان کی ہے۔

اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: میں نے احمد بن الحسن کے واسطہ سے امام احمدؒ کا یہ قول سنا ہے کہ اسماعیل کی حدیثیں بقیۃ بن الولید کی حدیثوں سے اچھی ہوتی ہیں، کیونکہ بقیۃ بن الولید ثقہ اساتذہ سے نہایت ضعیف حدیثیں روایت کرتا ہے۔

اور امام ترمذیؒ نے امام دارمیؒ کی سند سے ابواسحاق فزاری کا قول نقل کیا ہے کہ بقیۃ بن الولید کی وہ حدیثیں لو جو وہ ثقہ راویوں سے نقل کرتا ہے اور اسماعیل بن عیاش کی کوئی حدیث نہ لو، خواہ وہ ثقہ راویوں سے نقل کرے یا غیر ثقہ راویوں سے (غرض اسماعیل مختلف فیہ راوی ہے، تقریب میں اس کے بارے میں ہے: صدوقٌ فی روایته عن أهل بلده، مُخَلِّط فی غیرهم: یعنی اپنے شہر والوں سے روایت کرنے میں (اسماعیل خود شامی ہیں) صدوق ہیں اور ان کے علاوہ سے روایت کرنے میں غت ربود کرنے والے ہیں اور بقیۃ بن الولید کلاعی کے بارے میں لکھا ہے: صدوق کثیر التدلیس عن الضعفاء: ٹھیک راوی ہے، مگر بکثرت ضعیف اساتذہ کے نام چھپاتا ہے)

حدیث (۲): عمرو بن خارجہؓ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر بیٹھے ہوئے تقریر فرمائی، اور میں اس کی گردن کے نیچے تھا، اور وہ جگالی کر رہی تھی، اور اس کا تھوک میرے دونوں شانوں کے درمیان گر رہا تھا، میں نے آپؐ کو فرماتے سنا: بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے، پس کسی وارث کے لئے کوئی وصیت جائز نہیں، اور اولاد صاحب فراش کے لئے ہے اور زانی کے لئے سنگ ہے۔

[۵-] باب ماجاء لاَوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

[۲۱۲۰-] حدثنا هَنَّادٌ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالَا: نَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ، نَا شُرَحْبِيْلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيُّ، عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: "إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى، وَمَنْ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ أَوِ انْتَمٰى إِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ التَّابِعَةُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا تُنْفِقِ امْرَأَةٌ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ

زَوْجِهَا" قِيْلَ: يَارسولَ اللّٰهِ! وَلَا الطَّعَامَ؟ قَالَ:" ذَاكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا" وَقَالَ:" العَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ، وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ، وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ"

وفى الباب: عَنْ عَمْرِو بنِ خَارِجَةَ، وَأَنَسِ بنِ مَالِكٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِىَ عَنْ أَبِى أُمَامَةَ، عَنِ النبىِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ.

وَرِوَايَةُ إِسْمَاعِيْلَ بنِ عَيَّاشٍ عَنْ أَهْلِ العِرَاقِ وَأَهْلِ الْحِجَازِ لَيْسَ بِذَاكَ، فِيْمَا يَتَفَرَّدُ بِهِ، لِأَنَّهُ رَوَى عَنْهُمْ مَنَاكِيْرَ، وَرِوَايَتُهُ عَنْ أَهْلِ الشَّامِ أَصَحُّ، هٰكَذَا قَالَ مُحمدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ.

[قال:] سَمِعْتُ أَحْمَدَ بنَ الحَسَنِ يَقُوْلُ: قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ أَصْلَحُ حَدِيْثًا مِنْ بَقِيَّةَ، وَلِبَقِيَّةَ أَحَادِيْثُ مَنَاكِيْرُ عَنِ الثِّقَاتِ.

وَسَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ زَكَرِيَّا بنَ عَدِيٍّ يَقُوْلُ: قَالَ أَبُوْ إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ: خُذُوْا مِنْ بَقِيَّةَ مَا حَدَّثَ عَنِ الثِّقَاتِ، وَلَا تَأْخُذُوْا عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ عَيَّاشٍ مَا حَدَّثَ عَنِ الثِّقَاتِ وَلَا غَيْرِ الثِّقَاتِ.

[۲۱۲۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ شَهْرِ بنِ حَوْشَبٍ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ غَنْمٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ خَارِجَةَ، أَنَّ النبىَّ صلى الله عليه وسلم خَطَبَ عَلَى نَاقَتِهِ، وَأَنَا تَحْتَ جِرَانِهَا، وَهِىَ تَقْصَعُ بِجِرَّتِهَا، وَإِنَّ لُعَابَهَا يَسِيْلُ بَيْنَ كَتِفَيَّ، فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ:" إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَعْطَى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، وَالْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: امام احمد رحمہ اللہ کے قول میں أصلحُ حدیثا کے بجائے ہندی نسخہ میں أصلح بدنا ہے یہ تصحیف ہے، تصحیح مصری نسخہ سے کی ہے۔

لغات: الجِران (بکسر الجیم): اونٹ وغیرہ کی گردن کا اندورنی یعنی نیچے کا حصہ...... الجِرَّة (بکسر الجیم) جگالی ...... قَصَعَ (ف) الدابةُ: جگالی کرنے والے جانور کا چارہ کو چبانے کے لئے منہ میں واپس لانا ...... ادَّعَی الشیئَ: اپنے لئے کسی چیز کا دعوی کرنا کہ وہ میری ہے، اپنے لئے کوئی چیز ثابت کرنا ...... انْتَمٰی إلی کذا: کسی چیز کی طرف منسوب ہونا۔

بابُ ماجاء يُبْدَأُ بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ

قرضہ: وصیت سے پہلے چکایا جائے گا

ابھی ابواب الفرائض (باب ۵) میں یہ حدیث اور یہ مسئلہ آچکا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ

نے وصیت سے پہلے قرضہ کا فیصلہ فرمایا (یعنی یہ ارشاد فرمایا کہ پہلے سارے ترکہ سے قرضہ چکایا جائے، پھر باقی ماندہ کے تہائی سے وصیت نافذ کی جائے) جبکہ آپ لوگ وصیت کو قرضہ سے پہلے پڑھتے ہو، یعنی نبی ﷺ کے فیصلہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آیت کریمہ میں وصیت کی تقدیم محض تاکید کے لئے ہے۔

[٦-] باب ماجاء يُبْدَأُ بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ

[٢١٢٢-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، نَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيِّ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَضَى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ، وَأَنْتُمْ تَقْرَأُوْنَ الْوَصِيَّةَ قَبْلَ الدَّيْنِ.

والعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّهُ يُبْدَأُ بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ.

بابُ ماجاء في الرَّجُلِ يَتَصَدَّقُ أَوْ يُعْتِقُ عِنْدَ الْمَوْتِ

موت کے وقت خیرات کرنا یا غلام آزاد کرنا

موت کے وقت: یعنی جب آدمی بوڑھا ہوجائے، قبر میں پیر لٹکالے اور زندگی تھوڑی نظر آنے لگے، اور ابھی مرض موت شروع نہ ہوا ہو تو اس وقت آدمی جو صدقہ خیرات کرتا ہے وہ اگرچہ معتبر ہے، اور اس کا ثواب بھی ملتا ہے، مگر وہ کوئی اعلیٰ درجہ کی عبادت نہیں، حدیث میں اس کی مثال یہ آئی ہے کہ ''پیٹ بھر گیا تو بچا ہوا کھانا بانٹ دیا'' کامل خیرات یہ ہے کہ جب آدمی کو مال کی احتیاج ہو، اور طرح طرح کے تقاضے سامنے ہوں تب آدمی پیٹ کاٹ کر غریبوں کو دے یہ اعلیٰ درجہ کا صدقہ ہے۔

اور ٹھیک موت کے وقت: یعنی جب مرض موت شروع ہوجائے، اس وقت آدمی جو بھی تبرع کرتا ہے وہ بحکم وصیت ہوتا ہے (درمختار اور شامی ۲:۶۶۵ میں اس کی صراحت ہے اور بہشتی زیور حصہ پنجم ص:۵۹ وصیت کے بیان میں بھی تفصیل سے یہ مسئلہ ہے) اس لئے وہ تبرع تہائی ترکہ ہی سے نافذ ہوگا، مثلاً کسی نے مرض موت میں کسی مدرسہ کو پچاس ہزار روپے للہ چندہ دیا، پھر وہ اس بیماری میں مرگیا تو یہ دیا ہوا چندہ تہائی ترکہ سے نافذ ہوگا، اگر وہ تہائی سے زیادہ ہے تو زائد واپس لیا جائے گا، وہ ورثاء کا حق ہے۔

حدیث: ابوحبیبہ طائی کہتے ہیں: میرے بھائی نے مجھے اپنے کچھ مال کی وصیت کی، یعنی مجھے وصی بنایا کہ میں ان کا مال وجوہ خیر میں خرچ کروں، پس میری ملاقات حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ہوئی، میں نے ان سے مسئلہ پوچھا کہ میرے بھائی نے مجھے یہ وصیت کی ہے، پس آپ کی رائے میں مجھے وہ مال کہاں خرچ کرنا چاہئے؟ فقراء اور مساکین پر خرچ کروں یا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں پر خرچ کروں؟ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا:

اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو میں مجاہدین کے برابر کسی کو نہ گردانتا، یعنی اگر میں وصی ہوتا تو مجاہدین ہی پر مال خرچ کرتا، کیونکہ یہ وجوہِ خیر میں سب سے اہم مصرف ہے، پھر حضرت ابوالدرداءؓ نے موقع کی مناسبت سے ایک حدیث سنائی: مَثَلُ الذی يُعْتِقُ عند المَوْتِ كَمَثَلِ الذی يُهْدِی إِذَا شَبِعَ: اس شخص کا حال جو موت کے وقت غلام آزاد کرتا ہے اس شخص جیسا ہے جو ہدیہ دیتا ہے جب شکم سیر ہو جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا سوال وجواب سے کوئی خاص تعلق نہیں، صرف موقع کی مناسبت سے یہ حدیث سنائی ہے، اور اگر کچھ مناسبت پیدا کرنی ہے تو وہ یہ ہے کہ تیرے بھائی کی یہ وصیت کوئی اہم کارنامہ نہیں، مگر ثواب بہر حال اس کو ملے گا، کیونکہ جو شکم سیر ہونے کے بعد بچا ہوا کھانا غریبوں کو دیتا ہے اس کو بھی ثواب ملتا ہے۔

[۷-] باب ماجاء فی الرَّجُلِ يَتَصَدَّقُ أَوْ يُعْتِقُ عِنْدَ الْمَوْتِ

[۲۱۲۳-] حدثنا بُنْدَارٌ، نَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِیْ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِیْ حَبِيْبَةَ الطَّائِيِّ، قَالَ: أَوْصَى إِلَيَّ أَخِيْ بِطَائِفَةٍ مِنْ مَالِهِ، فَلَقِيْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ، فَقُلْتُ: إِنَّ أَخِيْ أَوْصَى إِلَيَّ بِطَائِفَةٍ مِنْ مَالِهِ فَأَيْنَ تَرَى لِيْ وَضْعَهُ: فِيْ الْفُقَرَاءِ، أَوِ الْمَسَاكِيْنِ، أَوِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: أَمَّا أَنَا فَلَوْ كُنْتُ لَمْ أَعْدِلْ بِالْمُجَاهِدِيْنَ، سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم يَقُوْلُ: ''مَثَلُ الَّذِیْ يُعْتِقُ عِنْدَ الْمَوْتِ كَمَثَلِ الَّذِیْ يُهْدِیْ إِذَا شَبِعَ'' هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ

ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے (پہلا باب)

ہندوستانی نسخوں میں یہاں باب بلا ترجمہ ہے، اور مصری نسخہ میں حدیث بلا باب ہے، اور دونوں نسخوں میں یہ حدیث ابواب الوصایا سے بے جوڑ ہے، اس کا تعلق آگے أبو اب الو لاء و الهبة سے ہے۔

ولاء ایک حق ہے جو آزاد کرنے والے کو اپنے آزاد کئے ہوئے غلام یا باندی پر حاصل ہوتا ہے، اور چونکہ وہ محض حق ہے اس لئے اس کا نہ بیچنا صحیح ہے نہ ہبہ کرنا، یہ حق آزاد کرنے والے ہی کے لئے ثابت ہوتا ہے، دوسرے کے لئے ثابت نہیں ہوسکتا، اور یہ حدیث ابواب البیوع (باب ۳۳ تحفۃ الالمعی ۴: ۱۷۹) میں گذر چکی ہے۔

حدیث: حضرت عروہ کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتلایا کہ بریرہ آئیں اپنی کتابت میں حضرت عائشہؓ سے مدد چاہنے کے لئے، اور ابھی انھوں نے بدل کتابت میں سے کچھ ادا نہیں کیا تھا، پس ان سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تو اپنے مالکان کے پاس واپس جا، اگر وہ پسند کریں کہ میں تیری طرف سے تیرا بدل کتابت

ادا کردوں، اور تیری میراث میرے لئے ہوتو میں ایسا کرسکتی ہوں، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات اپنے مالکان کو بتائی تو انھوں نے انکار کیا اور انھوں نے کہا: اگر عائشہ چاہیں کہ تجھے لوجہ اللہ آزاد کریں اور تیری میراث ہمارے لئے ہوتو وہ ایسا کرسکتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی، پس آپؐ نے فرمایا: ابتَاعِي، فَأَعْتِقِيْ، فإنَّمَا الوَلاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ: تم خریدلو، پھر آزاد کردو، ولاء اسی کے لئے ہوگی جو آزاد کرے گا، پھر نبی ﷺ نے تقریر فرمائی، اس میں ارشاد فرمایا: کیا بات ہے، کچھ لوگ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں یعنی شرعاً وہ جائز نہیں ہیں، جس نے کوئی بھی ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو وہ شرط اس کے لئے نہیں، اگرچہ وہ سو شرطیں ہوں۔

تشریح: اگر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا کتابت کا معاملہ باقی رہتا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کا تعاون کرتیں اور وہ اپنا بدل کتابت ادا کرکے آزاد ہوتیں تو ولاء ان کے مالکان کو ملتا، کیونکہ اس صورت میں آزاد کرنے والے وہ ہوتے، اور اگر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا خود کو عاجز کردیتیں اور کتابت کا معاملہ ختم ہوجاتا پھر حضرت عائشہؓ خریدتیں اور آزاد کرتیں تو ولاء حضرت عائشہؓ کے لئے ہوتا، کیونکہ آزاد کرنے والی آپ ہوتیں، نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو یہی مشورہ دیا کہ وہ خرید کر آزاد کردیں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، پھر آپؐ نے تقریر میں مسئلہ واضح فرمایا۔

[۸-] بابٌ

[۲۱۲٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ بَرِيْرَةَ جَاءَ تْ تَسْتَعِيْنُ عَائِشَةَ فِيْ كِتَابَتِهَا، وَلَمْ تكُنْ قَضَتْ مِنْ كِتَابَتِهَا شَيْئًا، فَقَالَتْ لَها عَائِشَةُ: ارْجِعِي إِلٰى أَهْلِكِ، فَإِنْ أَحَبُّوْا أَنْ أَقْضِيَ عَنْكِ كِتَابَتَكِ، وَيَكُوْنُ وَلَاءُكِ لِيْ: فَعَلْتُ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ بَرِيْرَةُ لِأَهْلِهَا، فَأَبَوْا، وَقَالُوْا: إِنْ شَاءَ تْ أَنْ تَحْتَسِبَ عَلَيْكِ، وَيَكُوْنَ لَنَا وَلَاؤُكِ: فَلْتَفْعَلْ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ لَهَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "ابْتَاعِي فَأَعْتِقِيْ، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ" ثُمَّ قَامَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ:" مَابَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ؟ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَيْسَ لَهُ، وإنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَائِشَةَ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أبوابُ الْوَلَاءِ وَالْهِبَةِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

ولاء اور بخشش کا بیان

جب کوئی آقا اپنے غلام یا باندی کو آزاد کرتا ہے تو ان کی میراث آزاد کرنے والے کو ملتی ہے، جبکہ ان کے ورثاء میں ذوی الفروض اور عصبہ نسبی نہ ہوں، کیونکہ آزاد شدہ آزاد کرنے والے کے خاندان کا ایک فرد بن جاتا ہے، وہی اس کی نصرت وحمایت کرتے ہیں اس لئے جب نزدیک کے ورثاء نہ رہیں تو یہ آزاد کرنے والا پھر اس کا خاندان میراث کا حق دار ہوتا ہے، اسی کا نام ولاء ہے۔

اور ہبہ کے معنی ہیں: بخشش، یعنی بلاعوض کسی کو کوئی چیز دینا، ہبہ میں بھی ثواب ملتا ہے مگر وہ مقصود نہیں ہوتا۔ اور امام ترمذیؒ نے دونوں کو ایک ساتھ اس لئے بیان کیا ہے کہ ولاء بھی ایک طرح کا ہبہ ہے۔

بابُ ماجاء أَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ

ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے (دوسرا باب)

یہ حدیث پہلے (تحفۃ الالمعی ۴: ۱۸۰ حدیث ۱۲۴۱) گذر چکی ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہؓ کو خریدنے کا ارادہ کیا، ان کے مالکان نے ولاء کی شرط لگائی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: الوَلاءُ لِمَنْ أَعْطَى الثَّمَنَ: ولاء اس شخص کے لئے ہے جس نے قیمت دی، یا فرمایا: لِمَنْ وَلِيَ النِّعْمَةَ: ولاء اس شخص کے لئے ہے جو نعمتِ عتق کا ذمہ دار ہوا یعنی جو آزاد کرتا ہے اسی کو ولاء ملتی ہے (تفصیل ابواب الوصایا کے آخری باب میں گذر چکی)

أبواب الولاءِ والهبة

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[١-] باب ماجاء أَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ

[٢١٢٥-] حدثنا بُنْدَارٌ، نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِیَ بَرِيْرَةَ، فَاشْتَرَطُوْا الْوَلَاءَ، فَقَالَ النبیُّ صلى الله عليه وسلم: "الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْطَى الثَّمَنَ" أَوْ: "لِمَنْ وَلِیَ النِّعْمَةَ"

وفی الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وأَبِیْ هريرةَ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

بابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ

ولاء بیچنا اور بخشش کرنا ممنوع ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ولاء بیچنے کی اور اس کو ہبہ کرنے کی ممانعت فرمائی۔

تشریح: ولاء: میراث پانے کا ایک حق ہے، جو آزاد کرنے والے کو اپنے آزاد کئے ہوئے پر حاصل ہوتا ہے، جب آزاد کردہ وفات پائے اور اس کے ذوی الفروض اور عصبہ نسبی نہ ہوں تو آزاد کرنے والا عصبہ سببی بن کر میراث پاتا ہے۔ عرب اس حق کو بھی بیچتے، خریدتے اور بخشش کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی (تفصیل تحفہ ۴: ۱۱۴ باب ۲۰ ابواب البیوع میں گذر چکی)

[٢-] بابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ

[٢١٢٦-] حدثنا ابنُ أَبِیْ عُمَرَ، نَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، نَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ دِيْنَارٍ، سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بنَ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰی عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ، وَسُفْيَانُ الثَّوْرِیُّ، وَمَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ، وَيُرْوَى عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ: لَوَدِدْتُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بنَ دِيْنَارٍ حِيْنَ يُحَدِّثُ بِهٰذَا الحَدِيْثِ: أَذِنَ لِیْ حَتّٰی كُنْتُ أَقُوْمُ إِلَيْهِ، فَأُقَبِّلُ رَأْسَهُ.

وَرَوَى يَحْيَى بنُ سُلَيْمٍ هٰذَا الحديثَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ وَهْمٌ، وَهِمَ فِيْهِ يَحْيَى بنُ سُلَيْمٍ، وَالصحيحُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، هٰكَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، وَتَفَرَّدَ عَبْدُ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ بِهٰذَا الحَدِيْثِ.

وضاحت: باب کی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عبداللہ بن دینار ہی روایت کرتے ہیں، کسی اور نے یہ حدیث روایت نہیں کی، کتاب العلل (تحفۃ الالمعی ۱:۱۶۵) میں بھی یہ بحث گذر چکی ہے، چنانچہ امام شعبہؒ سے مروی ہے کہ میری خواہش تھی کہ عبداللہ بن دینار جب یہ حدیث بیان کررہے تھے تو اگر وہ مجھے اجازت دیتے کہ میں ان کی طرف کھڑا ہوتا پس ان کے ماتھے کو چوم لیتا (یہ بات امام شعبہؒ نے خوشی سے فرمائی ہے، کیونکہ عبداللہ بن دینار نے یہ حدیث امت کے لئے محفوظ کی ہے، ان کے علاوہ اور کوئی یہ روایت نہیں کرتا) اور یحییٰ بن سلیم یہ روایت عبیداللہ عمری سے، وہ نافع سے، اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں مگر یہ سند صحیح نہیں، اس میں یحییٰ سے غلطی ہوئی ہے، صحیح سند یہ ہے کہ عبیداللہ عمری: عبداللہ بن دینار سے اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، یحییٰ کے علاوہ عبیداللہ کے متعدد تلامذہ نے اسی طرح حدیث روایت کی ہے، غرض اس حدیث کے ساتھ عبداللہ بن دینار متفرد ہیں، ابن عمر کا اور کوئی شاگرد یہ حدیث ان سے روایت نہیں کرتا۔

بابُ مَاجاءَ مَنْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ، أَوِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ

غیر آقاؤں سے تعلق قائم کرنا اور غیر باپ کی طرف منسوب ہونا

دورِ اول میں جو شخص کسی کو آزاد کرتا تھا وہ آزاد کرنے والے کی طرف اور اس کے خاندان کی طرف منسوب ہوتا تھا، مگر کچھ آزاد شدہ غیر آقا سے تعلق قائم کرلیتے تھے، ان کو دوست بنالیتے تھے، اور ان کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے، چنانچہ اس کو حرام قرار دیا گیا۔ اسی طرح کچھ لوگ اپنا غلط نسب بیان کرتے ہیں، باپ کی جگہ کسی اور کا نام لکھتے ہیں، یا اپنا خاندان بدل لیتے ہیں، مثلاً سید نہیں ہیں مگر اپنے کو سید ظاہر کرتے ہیں، یہ حرام ہے۔

حدیث: ابراہیم تیمی اور سلیمان تیمی کے والد یزید بن شریک بن طارق تیمی کوفی کہتے ہیں: ہمارے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی جس میں فرمایا: جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز (تحریر) ہے جس کو ہم پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے علاوہ ـــــــ وہ صحیفہ جس میں دیت کے اونٹوں کی عمریں اور زخموں کی کچھ باتیں یعنی ان کی دیتیں ہیں ـــــــ تو وہ یقیناً جھوٹ بولتا ہے (پہلے تحفۃ الالمعی ۴:۳۴۲ و ۶۱۹ میں یہ

بات گذری ہے کہ شیعوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ نبی ﷺ نے اہل بیت کو کچھ خاص علوم دیئے ہیں جو دوسروں کو نہیں دیئے، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اس کی تردید کی ہے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی تحریر نہیں صرف قرآن کریم ہمارے پاس ہے جو سبھی مسلمانوں کے پاس ہے، البتہ میرے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں کچھ احکام ہیں مگر وہ بھی عام ہیں، دیگر صحابہ بھی ان باتوں کو جانتے تھے)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس صحیفہ میں یہ تین باتیں ہیں:

۱- نبی ﷺ نے فرمایا: مدینہ محترم ہے عَیر پہاڑ سے ثور پہاڑ تک، پس جو شخص اس حرم میں کوئی نئی بات (بدعت وغیرہ) پیدا کرے یا کسی نئی بات کو ٹھکانہ دے، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس کی نہ کوئی نفل عبادت قبول کرتے ہیں اور نہ کوئی فرض عبادت۔

۲- اور جس شخص نے اپنے باپ کے علاوہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا، یا اپنے آقاؤں کے علاوہ کے ساتھ تعلق قائم کیا تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی، اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اس کی طرف سے نہ کوئی فرض عبادت قبول کی جائے گی اور نہ کوئی نفل عبادت۔

۳- اور مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے، اس کی کوشش کرتا ہے ان کا معمولی آدمی۔

تشریح:

۱- ثور پہاڑ مکہ میں بھی ہے اور وہی مشہور ہے، اس لئے کچھ لوگوں کو اشکال ہوا کہ اس حدیث میں راویوں کو وہم ہوا ہے، مگر محققین کہتے ہیں: ثور نامی پہاڑی مدینہ منورہ میں بھی ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مکہ کے حرم کی طرح مدینہ کا بھی حرم ہے، ان دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ محترم ہے وہاں شکار کرنا، ہری گھاس کاٹنا حرام ہے، پھر فقہاء میں اختلاف ہے کہ حرم مدینہ: حرم مکہ ہی کی طرح محترم ہے یا اس کا مرتبہ کچھ کم ہے؟ حنفیہ کے نزدیک دونوں کا درجہ مختلف ہے، مدینہ منورہ کے حرم کا حال حِمی (سرکاری چراگاہ) جیسا ہے، اور ائمہ ثلاثہ حرم مدینہ کو بالکل حرم مکہ کی طرح مانتے ہیں، مگر امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ شکار کی جزاء واجب نہیں کرتے، پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی حرم مدینہ کا درجہ کم ہے۔

۲- اور حدث کے معنی ہیں: نئی بات، یعنی بدعت، اور محدث اگر دال کے زبر کے ساتھ ہے تو اس کے معنی بھی بدعت کے ہیں، اور اگر دال کے زیر کے ساتھ ہے تو اس کے معنی بدعتی کے ہیں...... جاننا چاہئے کہ ہر گناہ اور غلط بات ہر جگہ ناجائز ہے اور محترم اور پاک جگہ میں اس کی قباحت وشناعت اور بھی بڑھ جاتی ہے، جیسے کوئی سڑک پر بیڑی پیئے اور مسجد میں پیئے تو دونوں میں فرق ہے، مسجد میں پینا بہت برا ہے، اسی طرح حرم مدینہ میں بدعت ایجاد کرنا بہت برا ہے، اور کسی بدعتی کو حرم میں ٹھکانہ دینا یعنی اپنا مہمان بنانا بھی بہت برا ہے، کیونکہ جب بدعتی حرم میں آئے گا تو وہاں

اپنی بدعت پھیلائے گا۔

۳-اورصرف وعدل میں سے ایک کے معنی ہیں: نفل عبادت اور دوسرے کے معنی ہیں: فرض عبادت۔ پھر اختلاف ہے کہ کس لفظ کے معنی فرض عبادت کے ہیں اور کس لفظ کے معنی نفل عبادت کے؟ درحقیقت صرف کے معنی خرچ کرنے کے ہیں، یعنی وہ عبادت جو بندہ اپنی طرف سے پیش کرتا ہے، یعنی نفل عبادت، اور عدل کے معنی برابر کے ہیں، یعنی بندہ ہونے کی وجہ سے اس کے ذمہ جو بندگی ہے وہ بجالانا عدل ہے، پس اس سے مراد فرض عبادت ہے۔

۴-تَوَلّٰی فلانا کے معنی ہیں: کسی سے تعلق قائم کرنا، دوست بنانا۔ اور ادَّعَی کے معنی ہیں: نسب بیان کرنا، اور آزاد شدہ کا تعلق آزاد کرنے والے کے ساتھ ہی اس لئے ضروری ہے کہ وَلاء: نسبی رشتہ کی طرح ایک رشتہ ہے، پس غیر مُعتِق سے تعلق قائم کرنا، غیر باپ کو باپ ظاہر کرنے کی طرح ہے، اس لئے یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔

۵-اور یہ حدیث پہلے (تحفۃ الالمعی ۴: ۵۲۰ حدیث ۱۵۷۳) گذر چکی ہے کہ مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے، ان کا معمولی آدمی اس کی کوشش کرتا ہے، یعنی معمولی آدمی بھی امان دے سکتا ہے، اور سب مسلمانوں پر اس کا پاس ولحاظ واجب ہے۔

[۳-] باب ماجاء فی مَنْ تَوَلّٰی غَیْرَ مَوَالِیْهِ، أَوِ ادَّعَی إِلَی غَیْرِ أَبِیْهِ

[۲۱۲۷-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِیَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِیْمَ التَّیْمِیِّ، عَنْ أَبِیْهِ، قَالَ: خَطَبَنَا عَلِیٌّ، فَقَالَ: مَنْ زَعَمَ أَنَّ عِنْدَنَا شَیْئًا نَقْرَؤُهُ، إِلَّا کِتَابَ اللّٰهِ وَهٰذِهِ الصَّحِیْفَةَ: صَحِیْفَةٌ فِیْهَا أَسْنَانُ الْإِبِلِ، وأَشْیَاءُ مِنَ الْجِرَاحَاتِ: فَقَدْ کَذَبَ.

وَقَالَ فِیْهَا: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم:

[۱] اَلْمَدِیْنَةُ حَرَمٌ مَا بَیْنَ عَیْرٍ إِلٰی ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِیْهَا حَدَثًا، أَوْ آوَی مُحْدِثًا، فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِکَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ، لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا.

[۲] وَمَنِ ادَّعَی إِلَی غَیْرِ أَبِیْهِ، أَوْ تَوَلّٰی غَیْرَ مَوَالِیْهِ، فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِکَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ، لَایُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ.

[۳] وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِیْنَ وَاحِدَةٌ، یَسْعَی بِهَا أَدْنَاهُمْ.

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَرَوَی بَعْضُهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِیْمَ التَّیْمِیِّ، عَنِ الْحَارِثِ بنِ سُوَیْدٍ، عَنْ عَلِیٍّ نَحْوَهُ، وَقَدْ رُوِیَ مِنْ غَیْرِ وَجْهٍ عَنْ عَلِیٍّ.

وضاحت: اعمش کے اکثر تلامذہ اس حدیث کی سند وہ بیان کرتے ہیں جو باب کے شروع میں ہے یعنی: عن

إبراهيم التيمي، عن أبيه: اور امام شعبہؒ: ابراہیم تیمی اور حضرت علیؓ کے درمیان حارث بن سوید کا واسطہ لاتے ہیں، مگر محدثین کا خیال ہے کہ پہلی سند ہی اصح ہے۔

بابُ ماجاء في الرَّجُلِ يَنْتَفِيْ مِنْ وَلَدِهِ

اولاد کے نسب کا انکار کرنا

یہ اوپر والے باب کا برعکس باب ہے، اوپر والے باب میں یہ مسئلہ تھا کہ باپ سے ہٹ جانا اور غیر باپ کی طرف اپنے کو منسوب کرنا حرام ہے، اب یہ مسئلہ ہے کہ اپنی اولاد سے ہٹ جانا یعنی ان کے نسب کا انکار کرنا بھی حرام ہے، معمولی شبہ کی بنا پر اپنی اولاد کے نسب کا انکار کردینا بھی حرام ہے۔

حدیث: قبیلۂ فزارہ کا ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا (یہ بدو تھا) اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری بیوی نے کالا لڑکا جنا ہے (وہ خود گورا ہوگا، بچہ کالا پیدا ہوا تو اس کو شبہ ہوا کہ شاید بیوی نے گڑبڑ کی ہے، اس لئے اس نے بچہ کا انکار کرنا چاہا اور اس سلسلہ میں اس نے حضور اقدس ﷺ سے مشورہ کیا) نبی ﷺ نے اس سے پوچھا: ''تیرے پاس اونٹ ہیں؟'' اس نے کہا: ہاں، آپؐ نے پوچھا: ''ان کے رنگ کیا ہیں؟'' اس نے کہا: سرخ، آپؐ نے پوچھا: ''کیا ان میں کوئی خاکستری بھی ہے؟'' اس نے کہا: ہاں، ان میں خاکستری بھی ہیں، آپؐ نے پوچھا: ''یہ رنگ اونٹوں میں کہاں سے آیا؟'' اس نے کہا: شاید کسی رگ نے اس کو کھینچا ہو (یعنی نسل میں اوپر کوئی خاکستری اونٹ رہا ہو، جس کا اثر نیچے ظاہر ہوا) آپؐ نے فرمایا: فَهٰذَا لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَه: پس یہ بھی شاید کسی رگ نے اس کو کھینچا ہو (یعنی تیرے خاندان میں اوپر کوئی باپ گندمی رنگ کا رہا ہوگا جس کا اثر تیرے لڑکے میں ظاہر ہوا) غرض نبی ﷺ نے اس کو لڑکے کی نفی کرنے کی اجازت نہیں دی، کیونکہ یہ معمولی شبہ ہے، اور بے دلیل گمان ہے اور اگلے باب میں یہ حدیث آرہی ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ گورے تھے اور ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ گندمی تھے، اس وجہ سے لوگ ان کے نسب میں شک کرتے تھے، مگر ایک قیافہ شناس نے صرف پیر دیکھ کر ایک کو دوسرے کا جزء قرار دیا، معلوم ہوا کہ رنگ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، عورت حمل کے زمانہ میں جو کھاتی، پیتی اور دیکھتی ہے اس کا بھی بچہ کے رنگ پر اثر پڑتا ہے، اور خاندان میں اوپر کوئی شخص ہوتا ہے جس کا رنگ نسل میں ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح ہم شکل ہونا بھی ضروری نہیں، یہ دیکھ کر کہ بچہ میری شکل کا نہیں یا میرے خاندان کے مشابہ نہیں: بچہ کی نفی کرنا بھی جائز نہیں۔ غرض دلیل قوی کے بغیر اولاد کا انکار نہیں کرنا چاہئے، ایک حدیث میں ہے کہ اولاد تو تیری طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی ہے اور تو اس سے ہٹا جارہا ہے! ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بہ کجا!

[٤-] باب ماجاء فی الرَّجُلِ يَنْتَفِیْ مِنْ وَلَدِهِ

[٢١٢٨-] حدثنا عَبْدُ الْجَبَّارِ بنُ العَلاءِ الْعَطَّارُ، وَسَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ المَخْزُوْمِیُّ، قَالاَ: نا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِیْ هُريرةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنْ فَزَارَةَ إِلَی النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّ امْرَأَتِیْ وَلَدَتْ غُلاَمًا أَسْوَدَ! فَقَالَ لَهُ النبیُّ صلی اللہ علیه وسلم: "هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: "فَمَا أَلْوَانُهَا؟" قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ: "فَهَلْ فِيْهَا أَوْرَقُ"؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنَّ فِيْهَا لَوُرْقًا، قَالَ: "أَنَّی أَتَاهَا ذٰلِكَ؟" قَالَ: لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَهَا، قَالَ: "فَهٰذَا لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغت: اِنْتَفَی يَنْتَفِیْ: دور ہونا، ہٹنا، کہا جاتا ہے: نَفَاهُ فَانْتَفَی: اسے ہٹایا تو وہ ہٹ گیا..... أَوْرَق: وہ اونٹ جس کا رنگ سفید سیاہی مائل ہو۔

بابُ ماجاء فی القَافَةِ

قیافہ شناسوں کا بیان

القَافَة: القَائِفُ کی جمع ہے یعنی قیافہ شناس، قیافہ: ایک علم ہے جس کے ذریعہ خدوخال اور علامات سے پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں کا بیٹا یا بھائی ہے، اسی طرح اعضاء کو دیکھ کر آدمی کے باطنی اخلاق بھی معلوم کئے جاتے ہیں، اسی طرح پیروں کے نشان دیکھ کر چور کو پہچانا جاتا ہے، مگر یہ سب ظنی باتیں ہیں۔

ائمہ ثلاثہ نسب میں قیافہ کا اعتبار کرتے ہیں، اور احناف اعتبار نہیں کرتے، مثلاً ایک مشترک باندی ہے، اس کے بچہ ہوا اس کے دونوں آقا دعوی کرتے ہیں کہ بچہ میرا ہے کیونکہ دونوں نے اس باندی سے صحبت کی ہے (مشترک باندی سے کسی کے لئے بھی صحبت کرنا جائز نہیں) اسی طرح کسی عورت سے شوہر کے علاوہ نے شبہ کی وجہ سے یعنی بیوی سمجھ کر صحبت کی، پھر اولاد میں شوہر میں اور اس شخص میں اختلاف ہوا تو ائمہ ثلاثہ قیافہ کی مدد سے نسب کا فیصلہ کرتے ہیں۔

اور احناف کہتے ہیں: شریعت نے نسب کے لئے قطعی ضابطہ مقرر کر دیا ہے: الولد للفراش وللعاهر الحَجَرُ: یعنی نسب شوہر ہی سے ثابت ہوگا اور زانی کے لئے سنگ ہے یعنی نامرادی ہے، پس جس نے بیوی سمجھ کر صحبت کی ہے اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا، اور جہاں دو شخص صاحب فراش ہوں جیسے کسی باندی سے دو آقاؤں نے صحبت کی تو بچہ دونوں کا ہوگا، بچہ دونوں کی میراث پائے گا، اور وہ دونوں ایک باپ کی میراث پائیں گے۔

اور یہ اختلاف اس وجہ سے ہوا ہے کہ باب میں جو حدیث ہے وہ قیافہ شناسی کی اعتباریت کی دلیل ہے یا نہیں؟

ائمہ ثلاثہ اس کودلیل مانتے ہیں اوراحناف کے نزدیک وہ دلیل نہیں ہے (تفصیل حدیث کے بعدآئے گی)

حدیث: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے وہ گورے تھے، اوران کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے محبوب تھے، وہ گندمی رنگ کے تھے، اس لئے لوگ ان کے نسب میں شبہ کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ ان کے پاس خوش خوش آئے، آپؐ کے چہرے کی لکیریں چمک رہی تھیں، آپؐ نے فرمایا: کیاتم نے دیکھانہیں کہ مُجَزِّز نے ابھی زیدؓ اور اسامہؓ کودیکھاپس اس نے کہا:هذه الأقدامُ بعضُها من بعضٍ: یہ پیرباپ بیٹے کے ہیں۔

یہ امام لیث کی روایت ہے، اورسفیان بن عیینہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: کیاتم نے دیکھانہیں کہ مجززز یداوراسامہ کے پاس سے گذرادرانحالیکہ دونوں نے اپنے سر چھپارکھے تھے، اوردونوں کے پیر نظرآرہے تھے، تواس نے مذکورہ بات کہی۔

تشریح: ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کا خوش ہونادلیل ہے کہ مجزز کی بات صحیح ہے اورقیافہ معتبر ہے، پس اس سے نسب ثابت ہوسکتا ہے، اوراحناف کہتے ہیں: آپؐ کا خوش ہونااس وجہ سے تھاکہ اب لوگوں کی چہ میگوئیاں بند ہوجائیں گی، ورنہ نسب توپہلے سے ثابت تھا، غرض اس حدیث سے قیافہ شناسی کی اعتباریت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، پس یہ نص فہمی کااختلاف ہے، اوراتنی بات توہرکوئی جانتاہے کہ یہ علم قطعی نہیں، پس اس علم کی بنیادپرچورکومشخص کرکے اس کاہاتھ کاٹناجائزنہیں، اسی طرح اس علم کی بنیادپرکسی کے اچھے برے اخلاق کا فیصلہ کرنابھی درست نہیں، پھرنسب جیسی اہم بات کااس ظنی علم کی بنیادپرکیسے فیصلہ کیاجاسکتاہے؟

[٥-] باب ماجاء في الْقَافَةِ

[٢١٢٩-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ عَلَيْهَا مَسْرُوْرًا، تَبْرُقُ أَسَارِيْرُ وَجْهِهِ، فَقَالَ:" أَلَمْ تَرَىْ أَنَّ مُجَزِّزًا نَظَرَ آنِفًا إِلَى زَيْدِ بنِ حَارِثَةَ وَأُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، فَقَالَ: هٰذِهِ الأَقْدَامُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَى سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ هٰذَا الحديثَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، وَزَادَ فِيْهِ:" أَلَمْ تَرَىْ أَنَّ مُجَزِّزًا مَرَّ عَلَى زَيْدِ بنِ حَارِثَةَ وَأُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، وَقَدْ غَطَّيَا رُؤُوْسَهُمَا، وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا، فَقَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ" هٰكَذَا حدثنا سَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ سُفْيَانَ بنِ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ.

وَقَدْ احْتَجَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِهٰذَا الحديثِ فِيْ إِقَامَةِ أَمْرِ القَافَةِ.

لغات: أَسَارِيْر: ہتھیلی، پیشانی اور چہرے کی لکیریں، اس کا واحد أَسْرَار ہے، اور مادہ: س، ر، ر ہے...... أَلَمْ تَرَيْ میں نون نسوۃ محذوف ہے...... مجزز (پہلے مشدد ز کے زیر اور زبر کے ساتھ) ایک قیافہ شناس کا نام ہے، یہ قبیلہ مدلج کا تھا، اس قبیلہ کے لوگ قیافہ شناسی میں مشہور تھے، لوگ ان کی باتوں کو حجت سمجھتے تھے...... اور آخر میں هكذا حدثنا سے امام ترمذیؒ نے ابن عیینہ کی سند کو موصول کیا ہے...... اور آخری جملہ کا ترجمہ ہے: بعض اہل علم نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے قیافہ شناسوں کے معاملہ کو برپا کرنے میں، یعنی ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے قیافہ شناسوں کے قول سے نسب ثابت کیا ہے۔

بابُ ماجاء فی حَثِّ النبیِّ صلی الله علیه وسلم عَلَى الهَدِيَّةِ

ہدیہ دینے لینے کی ترغیب

تحفہ کی اسی جلد میں أبواب البر والصلة باب ۳۴ میں ہدیہ قبول کرنے کا تذکرہ آچکا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: تَهَادَوْا، فَإِنَّ الهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ: باہم ہدیے دو، اس لئے کہ ہدیہ سینہ کے کینہ کو دور کرتا ہے، وَلاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا، وَلَوْ شِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ: اور ہرگز معمولی نہ سمجھے کوئی پڑوسن (کسی ہدیہ کو) اپنی پڑوسن کے لئے، چاہے وہ بکری کا کھر ہو۔

تشریح: تَهَادَوْا: تَهَادَى، تَهَادِيًا سے فعل امر ہے، اور بمعنی مُهَادَاةٌ ہے، یعنی ایک دوسرے کو ہدیہ دینا، اور وَحَرٌ (بفتح الحاء وسكونها) کے معنی ہیں: کینہ، غیظ وغضب، دشمنی، انتہائی غصہ، اور لِجَارَتِهَا: محذوف سے متعلق ہے، أي: لاتَحْقِرَنَّ جَارَةٌ هَدِيَّةً مُهْدَاةً لِجَارَتِهَا: اور فِرْسِن: (بكسر السين) اونٹ کا کھر یا پیر، یہاں مراد بکری کا کھر ہے۔

ہدیہ کا لین دین دلوں کی کدورت کو دور کرتا ہے، اور میل ملاپ اور محبت پیدا کرتا ہے، اور اس کا تعلق تجربہ سے ہے، اور دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہدیہ میں کوئی بڑی اور اہم چیز دینا ضروری نہیں جو بھی چیز میسر ہو ہدیہ میں دی جاسکتی ہے، مثلاً کسی عورت کے پاس بکری کے کھر ہی ہوں تو وہ اپنے پڑوسی کو ہدیہ دے، اور پہلے یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ عرب میں کھر سینک کر رکھ لیتے تھے، پھر اس کا سالن پکاتے تھے۔

[٦-] باب ماجاء فی حَثِّ النبیِّ صلی الله علیه وسلم عَلَى الهَدِيَّةِ

[٢١٣٠-] حدثنا أَزْهَرُ بنُ مَرْوَانَ الْبَصْرِيُّ، ثَنَا مُحمدُ بنُ سَوَاءٍ، نا أَبُوْ مَعْشَرٍ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم، قَالَ: "تَهَادَوْا، فَإِنَّ الهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ؛ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا، وَلَوْ شِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَأَبُوْ مَعْشَرٍ: اسْمُهُ نَجِيْحٌ مَوْلَى بَنِيْ هَاشِمٍ، وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيْهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

وضاحت: اس حدیث کی سند میں ابومعشر نجیح مولی بنی ہاشم ہے جس کو حدیثیں ٹھیک یاد نہیں تھیں، وہ سعید مقبری سے روایت کرتا ہے، پھر سعید براہ راست حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ صحیح سند یہ ہے کہ سعید مقبری اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں، اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، بخاری کی سند میں عن أبيه کا اضافہ ہے (بخاری حدیث ۲۵۶۶ کتاب الهبة) اس لئے یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ الرُّجُوْعِ فِي الْهِبَةِ

ہبہ کر کے واپس لینا مکروہ ہے

یہ حدیث اور یہ باب أبواب البيوع (باب ۶۱ تحفہ ۴:۲۲۲) میں گذر چکا ہے، پوری تفصیل وہاں ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: اس شخص کا حال جو عطیہ دیتا ہے پھر اس کو واپس لے لیتا ہے اس کتے جیسا ہے جس نے کھایا یہاں تک کہ جب شکم سیر ہو گیا تو قی کر دی، پھر لوٹا، پس اس نے اپنی قی ہی کھالی (کتے کو جب کوئی مردار ملتا ہے تو بے تحاشہ کھاتا ہے یہاں تک کہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے پس وہ قی کر کے خود کو ہلکا کر لیتا ہے، پھر جب اس کو کھانا نہیں ملتا اور خوب بھوکا ہوتا ہے اور اپنی قی پر گذرتا ہے تو اس کو کھا کر پیٹ بھر لیتا ہے، پس کسی بھی مسلمان کو اس بری مثال کا مصداق نہیں بننا چاہئے)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کوئی عطیہ دے، پھر اسے واپس لیلے، مگر باپ نے بیٹے کو جو عطیہ دیا ہے وہ اس کو واپس لے سکتا ہے (پھر وہی حدیث ہے جو اوپر گذری)

تشریح: احناف کے نزدیک سات موانع ہیں، اگر ان میں سے کوئی مانع موجود ہو تو رجوع نہیں ہوسکتا، اور اگر ساتوں موانع موجود نہ ہوں تو تراضی طرفین سے یا قضاء قاضی سے رجوع ہوسکتا ہے، مگر رجوع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر باپ نے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی ہے تو وہ واپس لے سکتا ہے، باپ کے علاوہ کسی بھی شخص کے لئے موہوبہ چیز واپس لینا جائز نہیں، نہ قضاءً نہ دیانۃً، اور امام شافعیؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، اور حنفیہ کہتے ہیں: اس حدیث میں لَايَحِلُّ سے استثناء ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ باپ اپنی اولاد کو کچھ دے کر واپس لے تو یہ رجوع جائز ہے، کیونکہ باپ بیٹوں میں ایسا ہوتا ہے، یہ واپس لینا سرپرست ہونے کی حیثیت سے ہوتا ہے، اس میں ادنی کراہیت نہیں، غرض اس حدیث میں رجوع کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ لَاتَحِلُّ سے استثناء ہے کہ باپ کا واپس لینا جائز ہے (تفصیل ابواب البیوع میں گذر چکی ہے)

[۷-] بابُ ماجاء فی کَرَاهِيَةِ الرُّجُوْعِ فِی الهِبَةِ

[۲۱۳۱-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، نَا إِسْحَاقُ بنُ يُوْسُفَ الأَزْرَقُ، نَا حُسَيْنُ المُكْتِبُ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ طَاوُسٍ عَنْ ابنِ عُمَرَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم، قَالَ: "مَثَلُ الَّذِیْ يُعْطِیْ الْعَطِيَّةَ، ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا، كَالْكَلْبِ أَكَلَ حَتَّى إِذَا شَبِعَ قَاءَ، ثُمَّ عَادَ فَرَجَعَ فِیْ قَيْئِهِ"

وفی الباب: عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو.

[۲۱۳۲-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا ابنُ أَبِیْ عَدِیٍّ، عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ طَاوُسٌ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، وابنِ عَبَّاسٍ، يَرْفَعَانِ الحديثَ، قَالَ: "لَايَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يُعْطِیَ عَطِيَّةً، ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا، إِلَّا الْوَالِدَ فِيْمَا يُعْطِی وَلَدَهُ، وَمَثَلُ الَّذِیْ يُعْطِی الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا، كَمَثَلِ الْكَلْبِ أَكَلَ حَتَّى إِذَا شَبِعَ قَاءَ، ثُمَّ عَادَ فِیْ قَيْئِهِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، قَالَ الشَّافِعِیُّ: لَايَحِلُّ لِمَنْ وَهَبَ هِبَةً أَنْ يَرْجِعَ فِيْهَا إِلَّا الْوَالِدَ، فَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيْمَا أَعْطَى وَلَدَهُ، وَاحْتَجَّ بِهٰذَا الحديثِ.

﴿تَمَّ الولاء والهبة﴾

وضاحت: پہلی حدیث کا ایک راوی حسین بن ذکوان المعلّم، المُکتِب ہے یہ بصرہ کے رہنے والے اور ثقہ ہیں، اور المُکْتِب: الإکتاب سے اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں: لکھنا سکھانے والا، یہ معلم (استاذ) تھے جو بچوں کو لکھنا سکھاتے تھے اس لئے ان کا یہ لقب ہوگیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أبوابُ الْقَدَرِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

تقدیر کا بیان

قَدَرَ (ض،ن) قَدَرًا وَقَدْرًا (بفتح الدال وسكونها) اور قَدَّرَ تَقْدِيْرًا کے معنی ہیں: فیصلہ کرنا، حکم لگانا، کہا جاتا ہے: قَدَّرَ اللّٰهُ عليه الأمْرَ: اور قَدَّرَ له الأمْرَ: اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کسی امر کا فیصلہ فرمایا، کوئی چیز اس کے لئے تجویز کی، اور شریعت کی اصطلاح میں تقدیر نام ہے قضاء (فیصلہ) کا، یعنی کائنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ازل سے جو پلاننگ کی ہے اس کا نام "تقدیر الٰہی" ہے، عربی میں عام طور پر لفظ قَدر مستعمل ہے اور اردو میں تقدیر، مطلب دونوں کا ایک ہے۔

قضاء وقدر میں فرق:

قضاء وقدر درحقیقت ایک ہیں مگر کبھی دونوں میں فرق کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حکم ازلی قضاء ہے اور اس کا وقوع قدر ہے، پس قضا قدر سے سابق ہے مگر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کے نزدیک معاملہ برعکس ہے، تقدیر پلاننگ کا نام ہے، اور قضا اس کے وقوع کا نام ہے، مثلاً جب کوئی مکان بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو پہلے اجمالی نقشہ ذہن میں قائم کر لیتے ہیں یہ قدر ہے، پھر اس اجمالی نقشہ کے مطابق مکان تیار کرتے ہیں یہ موجود فی الخارج مکان بمنزلہ قضاء ہے، آگے رضا بہ قضاء کا باب آرہا ہے، اس سے بھی یہی فرق سمجھ میں آتا ہے کہ جو کچھ واقع ہو یعنی جب تقدیر کا ظہور ہو تو بندے کو اس پر راضی رہنا چاہئے، یہ بات دونوں میں فرق کی طرف اور تقدیر کے سابق اور قضاء کے لاحق ہونے کی طرف مشیر ہے، مگر یہ کوئی اہم فرق نہیں، برائے نام فرق ہے اس لئے دونوں کو ایک کہنا بھی درست ہے۔

بھلی بری تقدیر کا مطلب:

حدیث جبرئیل میں ایمانیات میں تُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ آیا ہے یعنی مؤمن ہونے کے لئے تقدیر پر ایمان

ضروری ہے اوراس کے بھلے برے ہونے پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، اور ابن ماجہ کے مقدمہ میں بالأقدار كلّها: خيرِها وشرِّها، حُلْوِها ومُرِّها ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام طے کردہ باتوں پر، خواہ وہ بھلی ہوں یا بری، میٹھی ہوں یا کڑوی، ایمان لانا ضروری ہے، ان حدیثوں میں ضمیروں کا مرجع قدر اور اقدار ہیں، اور تقدیر الٰہی کا بھلا برا اور میٹھا کڑوا ہونا انسانوں کے اعتبار سے ہے ورنہ اللہ کی پلاننگ کے اعتبار سے ہر چیز بھلی ہے پس بھلی بری تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ خواہ وہ طے کردہ باتیں انسانوں کے لئے مفید ہوں یا مضر، میٹھی ہوں یا کڑوی، یعنی اچھی لگیں یا بری سب پر ایمان لانا ضروری ہے، جیسے گھی کے بارے میں تجویز الٰہی یہ ہے کہ وہ صحت بخش ہے اور زہر کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہ مہلک ہے، اسی طرح ایمان اور اعمال صالحہ کے بارے میں طے ہے کہ وہ جنت میں لے جانے والے اعمال ہیں، اور کفر و معاصی جہنم میں لے جانے والے ہیں، یعنی اول انسان کے لئے مفید اور ثانی مضر اعمال ہیں، اسی طرح بچہ کا زندہ رہنا انسان کو پسند ہے اور مرجانا ناپسند ہے، بہرحال یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہیں اور ان پر ایمان لانا اور عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

اور کائناتی چیزوں کی حد تک ہر شخص تقدیر الٰہی کا قائل بھی ہے اور اس کا پابند بھی ہے، لوگ بڑی قیمت دے کر گھی خریدتے ہیں، اور استعمال کرتے ہیں، اور زہر کے پاس کوئی نہیں پھٹکتا، اور کسی کو اس معاملہ میں تقدیر الٰہی پر اعتراض نہیں، مگر جب ایمان و اعمالِ صالحہ اور کفر و اعمالِ طالحہ کا معاملہ آتا ہے تو انسان باتیں چھانٹتا ہے اور جب اس کا بچہ فوت ہوجاتا ہے تو جزع فزع کی حد کر دیتا ہے، یہ تقدیر پر ایمان نہ ہونے کا نتیجہ ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱:۶۶۱)

خلاصہ: یہ ہے کہ لوگ ''بھلی بری تقدیر'' کا مطلب: نفس الامر کے اعتبار سے بھلی بری تقدیر یعنی فی نفسہ بھلی بری تقدیر سمجھتے ہیں، حالانکہ اس اعتبار سے تو ہر چیز خیر محض ہے، کوئی برا نہیں کارخانہ خداوندی میں۔ بلکہ مراد انسان کے تعلق سے بھلا برا ہونا ہے یعنی انسان کے لئے مفید اور غیر مفید ہونا ہے، اور اس کو کائناتی چیزوں کی حد تک ہر شخص تسلیم کرتا ہے اور مفید باتیں حاصل کرنے کی اور مضر باتوں سے بچنے کی سعی کرتا ہے۔ پس اعمال و واقعات میں بھی یہ بات مان لینی چاہئے اور یہی بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا ہے۔

تقدیر کا دائرہ:

کائنات خواہ ارضی ہو یا سماوی، اس کا کوئی ذرہ اور اس کا کوئی حال تقدیر کے دائرہ سے باہر نہیں، اور تقدیر صرف اجمالی نہیں، بلکہ تفصیلی ہے، یعنی تقدیر میں صرف مسببات و معلولات ہی نہیں بلکہ ان کے اسباب و علل بھی ہیں، ایک صحابی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ جھاڑ پھونک جس کو ہم (دکھ درد میں) کرواتے ہیں، اور وہ دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں اور وہ پرہیز (اور بچاؤ کی تدبیریں) جن کو ہم اپناتے ہیں کیا یہ چیزیں قضاء وقدر کو ٹال سکتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''یہ سب چیزیں اللہ کی تقدیر میں شامل ہیں'' یعنی ہم جن مقاصد کے لئے جو تدبیریں اور کوششیں کرتے ہیں

اوراس سلسلہ میں جن اسباب کواختیار کرتے ہیں وہ سب اللہ کی تقدیر کے ماتحت ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے کہ فلاں شخص پرفلاں بیماری آئے گی، اوروہ فلاں جھاڑ پھونک یافلاں دواء کرے گا جس سے وہ اچھا ہوجائے گا۔

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ (نا قابل) ہونا اور ہوشیار ہونا'' (رواہ مسلم) یعنی آدمی کی صفات: قابلیت وناقابلیت، صلاحیت وعدم صلاحیت، اور عقل مندی وبیوقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں پس دنیا میں جوکوئی جیسا اور جس حالت میں ہے وہ سب اللہ کی قضاوقدر کے ماتحت ہے۔

اسی طرح مکلّف مخلوقات کے جملہ احوال بھی قضاء وقدر کے دائرہ میں ہیں، یعنی یہ طے کردیا گیا ہے کہ جن وانس ایک جزوی اختیار رکھنے والی مخلوقات ہونگی اوران میں سے فلاں فلاں اپنے کسب واختیار سے یہ عمل کرکے جنت میں جائیں گے اوراتنے افراد یہ عمل کرکے جہنم میں جائیں گے، اور دیگر مخلوقات کے لئے جزوی اختیار نہیں ہوگا، اس لئے وہ پاداش عمل کے قانون سے مستثنیٰ ہوں گی۔ غرض سب احوال اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ تقدیر الٰہی میں طے شدہ ہیں۔

تقدیر کی ضرورت:

اللہ تعالیٰ مختارکل ہیں، وہ جو چاہیں کائنات میں تصرف کرسکتے ہیں، اوروہ اپنے چاہنے میں کسی کے پابند نہیں، وہ اپنی مشیت میں ہرطرح آزاد ہیں، مگر یہ ان کا مخلوقات پرفضل وکرم ہے، اورانسان کے لئے جس کوخلافت ارضی سونپی گئی ہے ضروری بھی ہے کہ انھوں نے اپنی مشیت کوآزاد اور بے قید نہیں رکھا، بلکہ ہر چیز کوتقدیر الٰہی سے وابستہ کردیا ہے، کوئی امر منتظر نہیں، ہر بات طے شدہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتے توانسان بڑی الجھنوں میں پڑجاتا، اس کی سمجھ ہی میں نہ آتا کہ وہ کیا کھائے، اور کیا نہ کھائے، کیونکہ نتیجہ معلوم نہیں، اس کونہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کے کیا آثار پیدا کریں گے، کیونکہ آثار ونتائج طے شدہ نہیں، اس طرح وہ اندھیرے میں رہتا کہ وہ کونسی زندگی اپنائے، جس سے مولیٰ خوش ہو، اورکیسی زندگی اپنانے سے احتراز کرے کہ مولیٰ ناخوش نہ ہو، وہ ہمیشہ ششش وپنج میں مبتلا رہتا، کوئی فیصلہ نہ کرپاتا، کیونکہ کوئی بات طے شدہ نہیں، اوراب جبکہ ساری باتیں طے کردی گئیں ہیں انسان ہر چیز کے متعلق آسانی سے فیصلہ کرسکتا ہے، عقل کی روشنی یا معمولی راہ نمائی بھی اس کے لئے کافی ہے، اسی بناء پراللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر چیز کے بارے میں عقل سے کام لینے کی اوراس میں غوروفکر کرنے کی دعوت دی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اگرزندگی اور کائنات کے لئے کوئی قانون اورنظام ہی نہ ہوتا، اور یہ سب کچھ بے قید مشیت ایزدی کی کرشمہ سازی ہوتی، توپھران میں غوروفکر کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اوراگرکوئی غوروفکر کرتا بھی تواس کا حاصل کیا ہوتا؟! (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱:۶۶۲)

تقدیر کا مسئلہ آسان ہے:

اور تقدیر کا مسئلہ آسان ہے، اس میں کچھ پیچیدگی نہیں، یہ مسئلہ نصاریٰ کی تثلیث کی طرح نہیں ہے جس کا رازآج

تک کوئی نہیں پا سکا، نہ آئندہ پا سکے گا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا ایمانیات میں شامل ہے، تقدیر پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا، اور ایمان کا مکلّف ہر عاقل و بالغ ہے، اور سب لوگوں کی عقلیں یکساں نہیں، پس کوئی ایسا مسئلہ ایمانیات میں کیسے شامل کیا جا سکتا ہے جو ہر ایک کے لئے قابل فہم نہ ہو، ورنہ بعض لوگوں کے حق میں تکلیف مالایطاق لازم آئے گی، جو باطل ہے، پس لامحالہ یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ تقدیر کا مسئلہ ہر کس وناکس کے لئے قابل فہم ہے، کیونکہ یہ کوئی دقیق مسئلہ نہیں، اور حدیث شریف میں جو تقدیر کے باب میں تنازع کی ممانعت آئی ہے، اور اس معاملہ میں تنازع کی وجہ سے امم سابقہ کے ہلاک ہونے کا ذکر آیا ہے، اس میں تنازع سے بحث ومباحثہ مراد ہے، اور قضاء وقدر میں بحث ممنوع اس لئے ہے کہ یہ خدا کی صفات میں بحث ہے، کیونکہ قضاء وقدر اللہ کی صفات ہیں، اور صفات میں بحث: ذات میں غور وفکر ہے، اور خالق میں غور کرنے کی ممانعت ہے۔

اور سابقہ امتوں کے ہلاک ہونے سے مراد ان کی گمراہی ہے، قرآن وحدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لئے بکثرت استعمال ہوا ہے، اس لئے آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اس وقت درآئیں جب انھوں نے اس مسئلہ کو بحث کا موضوع بنایا ـــــــ اور تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ میں بھی اعتقادی گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے (معارف الحدیث ۱: ۱۷۵)

تقدیر کا مسئلہ مشکل کیوں بن گیا ہے؟

اور تقدیر کا مسئلہ دو وجہ سے مشکل بن گیا ہے:

پہلی وجہ: یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ تقدیر کا مسئلہ درحقیقت صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ ہے، اور صفاتِ الٰہیہ کو ایک حد تک ہی سمجھا جا سکتا ہے، ان کی تمام حقیقت سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں، صفات کے باب میں ایک حد پر پہنچ کر رک جانا پڑتا ہے، اسی طرح تقدیر کے مسئلہ میں بھی ایک حد پر رکنا ضروری ہے، مگر لوگ رکتے نہیں، وہ سب کچھ سمجھنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ بات صفات کے تعلق سے ممکن نہیں، یہی بات درج ذیل حدیث میں سمجھائی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانہ دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے'' (بس تقدیر کا مسئلہ اتنا ہی ہے) صحابہ نے عرض کیا: پس کیا ہم اس نوشتہ پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ رہیں؟ اور عمل چھوڑ نہ دیں؟! (یہ تقدیر کے مسئلہ پر اٹھنے والا سوال ہے) آپؐ نے فرمایا: ''عمل کئے جاؤ، ہر ایک کے لئے وہی عمل آسان کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، نیک بخت کو نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے اور بد بخت کو بدبختی کے کاموں کی، اور دلیل میں آپؐ نے سورۃ اللیل کی آیات (۵-۱۰) پڑھیں (مشکوٰۃ حدیث ۸۵)

اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام کے سوال کا جواب نہیں دیا بلکہ ان کو عمل میں لگایا ہے، کیونکہ قضاء وقدر کے مسئلہ کو جس حد تک آپؐ نے بیان فرمایا ہے اسی حد تک سمجھا جا سکتا ہے، اس سے آگے کی بات سمجھنے کی کوشش

نہیں کرنی چاہئے، اس حد پر رک جانا ضروری ہے، تمام صفات خداوندی کا یہی معاملہ ہے۔

رہی یہ بات کہ تقدیر کا مسئلہ صفات الٰہیہ کا مسئلہ کیسے ہے؟ یہ بات اس سے واضح ہے کہ عرف میں قضاء وقدر ایک ساتھ بولتے ہیں، یہ دو مترادف لفظوں کا عطف تفسیری کے ساتھ استعمال ہے، اور ''قضاء'' کا صفت الٰہی ہونا قرآنِ کریم میں بیسیوں جگہ مصرح ہے، مثلاً: ﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ (بنی اسرائیل ۲۳) اور سورۃ الاحزاب آیت ۳۸ میں ہے: ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَراً مَقْدُوْرًا﴾ (اور اللہ کا حکم (پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہے) ان آیات سے قضاء وقدر کا صفت الٰہی ہونا صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔

دوسری وجہ: ہماری صفات مفہوم کے اعتبار سے ہماری ذات سے زائد (مغائر) ہیں اور وجود کے اعتبار سے متحد، اسی طرح ہماری متعدد صفات اپنے مفاہیم کے اعتبار سے جدا جدا ہیں مگر سب ذات کے وجود میں شامل ہیں، یعنی صفات: ذات کے ساتھ مل کر ایک اکائی بناتی ہیں، یہی حال بلاتشبیہ ذات رب اور صفات الٰہیہ کا ہے، اور ہر صفت کا اپنا ایک دائرہ ہے جیسے صفت سمع کا دائرہ الگ ہے، اور صفت بصر کا الگ، مگر کبھی ایک صفت کے دوسری صفت پر اثرات پڑتے ہیں، اگر ان سب باتوں کو باریک بینی سے ملحوظ نہ رکھا جائے تو حقائق فہمی میں دشواری پیش آئے گی، مثلاً خداوند قدوس کے تعلق سے اگر تقدیر معلق کا قائل ہوا جائے تو شمول علم کے مسئلہ پر اس کا اثر پڑے گا، یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کا علم عام وتام نہیں، حالانکہ شمول علم کے مسئلہ میں آج تک کسی فرقہ نے اختلاف نہیں کیا، اسی طرح بندوں کو ان کے اختیاری اعمال میں مختار کل مانا جائے تو عموم قدرت کے مسئلہ پر اثر پڑے گا، ماننا پڑے گا کہ کچھ چیزیں اللہ کے اختیار میں نہیں، بندوں کے اختیار میں ہیں، تو یہ ایسی حماقت بھری بات کون مان سکتا ہے!

اسی طرح لوگ قضاء وقدر کے مسئلہ کو شمول علم کے مسئلہ کے ساتھ رَلا دیتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے کہ ایسا ہونا ہے تو ویسا ہونا ضروری ہے، کیونکہ اللہ کا علم غلط نہیں ہوسکتا، پھر بندے بااختیار کیسے ہوئے؟ وہ تو مجبور محض ہوگئے! حالانکہ سوچنے کا انداز یہ ہونا چاہئے تھا کہ اگر ازل میں سب چیزوں کو طے شدہ نہیں مانیں گے تو شمول علم کی بات غلط ہوکر رہ جائے گی، جب کائنات کے ذرہ ذرہ پر اللہ کا علم محیط ہے تو ضروری ہے کہ ہر چیز ازل سے طے شدہ ہو، ورنہ اللہ کو ان کا علم کیسے ہوگا؟ غرض صفات کے دائرے الگ الگ ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اور ایک صفت کے دوسری صفت پر پڑنے والے اثرات کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے تقدیر کا مسئلہ پیچیدہ ہوگیا ہے۔

تقدیر پر ایمان لانے کے تین اہم فائدے:

پہلا فائدہ: تقدیر پر ایمان کے ذریعہ آدمی اس ہم آہنگ نظم وانتظام کو سمجھ سکتا ہے جو ساری کائنات میں پھیلا ہوا

ہے، وہ جان لے گا کہ تمام کائنات ایک منظّم ومتحد قانون کی پابند ہے، کائنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے برتاؤ میں پوری طرح یگانگت ہے، سرمو تفاوت نہیں۔

دوسرا فائدہ: جس شخص کا تقدیر الٰہی پر ٹھیک ایمان ہوگا اور وہ جانتا ہوگا کہ ہر چیز ازل سے طے شدہ ہے، کوئی امر منتظر نہیں، ہر بات فیصل ہو چکی ہے، اس کی نگاہ اللہ کی قدرت کاملہ کی طرف اٹھی رہے گی، وہ دنیا ومافیہا کو خدا کا پرتو سمجھے گا، وہ جان لے گا کہ ہر چیز قضاء وقدر سے ہے حتی کہ اختیاری اعمال میں بھی بندوں کو جو اختیار حاصل ہے وہ اللہ کی دَین ہے، انھوں نے ہی ازل میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ مکلف مخلوقات کو ایک جزوی اختیار حاصل ہو، اسی فیصلے کی وجہ سے بندے مختار ہیں، اور بندوں کا حال اس معاملہ میں ایسا ہے جیسا آئینہ میں منعکس ہونے والی صورت کا ہے کہ وہ ذی صورت کا پَرتو اور ظل ہے، اسی طرح بندوں کو اختیار بھی خالق ارض وسماء کی طرف سے ملا ہے، اور جب بندہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین رکھے گا اور خود کو ''مردہ بدست زندہ'' سمجھے گا تو وہ ہر معاملہ میں مطمئن رہے گا، کسی معاملہ میں اس کو کوئی غیر معمولی پریشانی لاحق نہیں ہوگی، وہ ہر حالت کو اللہ کی طرف سے سمجھے گا ﴿قُلْ: كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، فَمَالِ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَايَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ (النساء ۷۸) ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر ان لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہوتے۔

تیسرا فائدہ: جس طرح دیدار خداوندی آخرت میں نصیب ہوگا مگر اس کی تیاری نمازوں کی پابندی کے ذریعہ اسی دنیا میں کرنی ہے، اسی طرح تقدیر پر ایمان آدمی میں رفتہ رفتہ استعداد پیدا کرتا ہے کہ وہ خدا کی یکساں اور ہم آہنگ تدبیر وُحدانی کو سمجھ سکے، گو کہ اس کا انکشاف تام آخرت میں ہوگا، مگر اس کی صلاحیت ابھی سے پیدا کرنی ہے، اور وہ تقدیر پر ایمان سے حاصل ہوتی ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱: ۶۶۳-۶۶۶)

تقدیر کے ساتھ تدبیر ضروری ہے:

جاننا چاہئے کہ تقدیر پر ایمان لانا معرفت خداوندی کے لئے ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی تمام صفات کے ساتھ پہچاننا ضروری ہے، اور اللہ کی صفات میں قضاء وقدر بھی ہیں، مگر تقدیر پر ایمان لانے کے ساتھ معرفت خودی بھی ضروری ہے، یعنی اپنا مقام ومرتبہ پہچاننا بھی ضروری ہے، کیونکہ ہم بندے ہیں، بندگی ہمارا وصفِ خاص ہے، پس اللہ کی جانب سے تقدیر پر نظر: معرفتِ خداوندی کے لئے ضروری ہے اور اپنی جانب سے تقدیر پر نظر: معرفت خودی کے لئے ضروری ہے اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق بنایا ہے، پس ہمیں اپنے اختیار سے اپنے لئے مفید کام کرنے چاہئیں، اور اپنے اختیار سے اپنے لئے مضر کاموں سے بچنا چاہئے، تاکہ آخرت میں ہمارے لئے جو مفید گھر ہے یعنی جنت وہ ہمیں ملے، اور جو مضر جگہ ہے یعنی جہنم اس سے ہم بچ جائیں،

آ گے قضاء وقدر کی جو روایات آرہی ہیں ان کو پڑھتے وقت یہ نکتہ خاص طور پر پیش نظر رہنا چاہئے، جب نبی ﷺ نے تقدیر کا مسئلہ سمجھایا تو صحابہ کو اشکال پیش آیا یہ اشکال ان کو اللہ کی جانب سے تقدیر پر نظر کرنے کی وجہ سے پیش آیا تھا، نبی ﷺ نے ان کی نظر اس طرف پھیری کہ ہم بندوں کو اپنی جانب سے تقدیر کو دیکھنا چاہئے، یہی تدبیر ہے، فرمایا: **اعملُوا فكلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ له**: اپنے اختیار سے اچھے عمل کرو، ہر انسان کے لئے وہی عمل آسان کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے یعنی دوسرے عمل کا وہ تصور ہی نہیں کرسکتا۔

تقدیر معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے:

اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر تقدیر مبرم اور ملزم ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا ازلی فیصلہ لازم کرنے والا ہے، جس کے مطابق کائنات کا وجود پذیر ہونا ضروری ہے یعنی اس طے شدہ امر سے حوادث کا تخلف نہیں ہوسکتا، اور تقدیر: معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے، جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ''والدین کے ساتھ حسن سلوک عمر بڑھاتا ہے، اور جھوٹ روزی گھٹاتا ہے، اور دعا فیصلۂ خداوندی کو پھیر دیتی ہے'' یہ باتیں معلق صرف بندوں کے علم اور ظہور حوادث کے اعتبار سے ہیں، علم الٰہی کے تعلق سے ہر شی طے شدہ ہے، ازل سے خدا کو معلوم ہے کہ کیا ہونا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ طالب علم اگر محنت کرے گا تو امتحان میں کامیاب ہوگا، اور کھیلے گا تو فیل ہوگا، یہ بات صرف بندوں کے اعتبار سے ہے، اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے اعتبار سے نہیں، ان کو ازل سے وہ پہلو معلوم ہے جو ظہور پذیر ہونے والا ہے، بلکہ وہ پہلو انہی کا طے کیا ہوا ہے، ورنہ علم الٰہی کا ناقص ہونا لازم آئے گا کیونکہ ماننا پڑے گا کہ کچھ باتیں ان کو ازل میں متعین طور پر معلوم نہیں تھیں توبہ! توبہ!!

اور اس سے جبر اس لئے لازم نہیں آتا کہ علم: معلوم سے منتزع ہوتا ہے یعنی معلوم کے تابع ہوتا ہے، معلوم کبھی علم کے تابع نہیں ہوتا، جیسے تاج محل کا واقعی علم وہ ہے جو تاج محل سے حاصل ہو، تاج محل کبھی ہمارے تصور کے تابع نہیں ہوسکتا، بس فرق اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حضوری ہے، اکتسابی نہیں، اس لئے وہ معلومات کے محتاج نہیں، وہ لایزال میں جو کچھ رونما ہونے والا ہے: اس کو ازل سے بغیر معلومات کے جانتے ہیں اور چونکہ ان کا علم واقعہ کے مطابق ہے اس لئے وہ جو کچھ جانتے ہیں وہی ہوگا، ورنہ ان کا علم غلط ہوجائے گا، مگر قاعدہ وہی رہے گا کہ علم: معلوم سے حاصل ہوتا ہے یعنی علم معلوم کے تابع ہوتا ہے، معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا اس لئے جبر لازم نہیں آئے گا۔

خلاصۂ کلام:

پس خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قدر و تقدیر کے معنی ہیں: اندازہ کرنا، اسکیم بنانا اور پلاننگ کرنا، جس طرح آدمی حویلی بناتا ہے تو پہلے نقشہ بناتا ہے، پھر اس کے مطابق تعمیر کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے علم ازلی میں اس عالم

کے لئے پلاننگ کی ہے، جس میں انسان کا مکلّف ہونا بھی شامل ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ نے جزوی اختیار دیا ہے، اور وہ اپنے اختیار سے کیا کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، کائنات کا کوئی ذرہ ان سے مخفی نہیں، اور یہ معرفتِ خداوندی کا پہلو ہے اور اس اعتبار سے تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ معرفتِ خداوندی ناتمام رہ جائے گی۔

اور معرفتِ خودی کے نقطہ نظر سے اس طرح سوچنا چاہئے کہ ہم بندے ہیں اور مجبور بندے نہیں ہیں، بلکہ جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق ہیں، پس ہم بہ اختیار خود اچھا بھی کر سکتے ہیں اور برا بھی، پس ہمیں اچھے کاموں کی سعی کرنی چاہئے اور برے کاموں سے بچنا چاہئے، یہ اپنی جانب سے تقدیر الٰہی پر غور کرنے کا طریقہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اسی کی تعلیم دی ہے، یہی تقدیر کے ساتھ تدبیر ہے، اور دنیوی امور کی حد تک ہر شخص تدبیر کی ضرورت کا قائل ہے، ہر شخص ہاتھ پیر ہلاتا ہے تاکہ روزی روٹی ملے، اشکال صرف ایمان وکفر اور اعمالِ صالحہ وسیئہ میں پیش آتا ہے، یہ ٹھیک نہیں، اس میں بھی تقدیر پر ایمان کے ساتھ تدبیر ضروری ہے یعنی اپنے اختیار تمیزی سے ایمان لانا اور نیک کام کرنا ضروری ہے، تاکہ ہم جنت سے ہم کنار ہوں۔ واللہ الموفق۔

مثالوں سے مزید وضاحت:

بعض مسائل ذوجہتین ہوتے ہیں، اور دونوں جہتوں کے احکام الگ ہوتے ہیں، وہاں اگر فرق مراتب نہ کیا جائے تو مسئلہ پیچیدہ ہوجاتا ہے، مثلاً:

۱- حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا، حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے، بلکہ اللہ کے فضل وکرم کی وجہ سے جائیں گے...... یہاں بھی سوال پیدا ہوگا کہ پھر عمل سے کیا فائدہ؟ نیز قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں کہ ایمان واعمال صالحہ جنت میں لے جائیں گے اور کفر واعمال سیئہ جہنم میں پہنچائیں گے، پس پہلی حدیث ان تصریحات کے خلاف ہے!

اس کا جواب یہی ہے کہ پہلی حدیث میں جو بات ہے وہ عقیدہ ہے۔ اور قرآن وحدیث کی تصریحات میں اسباب کا بیان ہے، جو برائے عمل ہیں، کیونکہ اسباب محض اسباب ہوتے ہیں، مسبب الاسباب حق تعالیٰ ہیں، پس جس طرح کھانے پینے سے شکم سیری اور سیرابی حاصل نہیں ہوتی، بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ شکم سیر اور سیراب کرتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے، اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا، مگر شکم سیری اور سیرابی کے لئے اسباب اختیار کرنے ضروری ہیں، کیونکہ وہ برائے عمل ہیں۔

۲- اللہ تعالیٰ رزاق ہیں، قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے، مگر یہ عقیدہ ہے، برائے عمل یہ بات نہیں ہے، عمل

کے لئے وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے روزی کے لئے پیدا کئے ہیں، چنانچہ ہر شخص روزی کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے، اور جو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا رہتا ہے وہ بے وقوف ہے، یہاں بھی مسئلہ کی دو جانبیں ہیں: ایک: اللہ کی جانب ہے اور وہ صرف عقیدہ ہے۔ اور دوسری: عمل کی جانب ہے اور وہ اسباب کو اختیار کرنا ہے۔

اسی طرح تقدیر کے مسئلہ کی بھی دو جانبیں ہیں: ایک: اللہ کی جانب ہے کہ سب کچھ ازل سے طے شدہ ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ جانتے بھی، مگر یہ صرف عقیدہ ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت ہے۔ اور دوسری: بندوں کی جانب ہے، جو عمل کی جانب ہے یعنی ہم کو یہ حکم ہے کہ اپنے اختیار تمیزی سے اچھے کام کریں تا کہ اچھے انجام سے ہم کنار ہوں۔ کیونکہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، یہاں ہر چیز کا سبب ہے، جس سے مسببات وجود میں آتے ہیں، اور تقدیر الٰہی میں صرف مسببات نہیں، بلکہ اسباب بھی ہیں، اور کائنات کو برتنے کی حد تک ہر شخص اس کو تسلیم کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہے، پس کیوں نہ ایمان واعمال صالحہ اور کفر اور اعمالِ سیئہ میں بھی یہ بات تسلیم کرلی جائے؟ یعنی جو جنت میں جائے گا وہ اس کے اسباب کی وجہ سے جائے گا اور جو جہنم میں جائے گا وہ بھی اس کے اسباب کی وجہ سے جائے گا، اور تقدیر الٰہی اسباب ومسببات کے مجموعہ کا نام ہے، تقدیر میں صرف مسببات ہی نہیں ہیں، اسباب بھی ہیں، اور اسباب اختیار کرنا یہ عمل کی جانب ہے اور اسی اعتبار سے تقدیر معلق ہے، امید ہے کہ اس سے مسئلہ کی حقیقت واضح ہوجائے گی، مزید تفصیل احادیث کی شرح میں آئے گی۔

بابُ ماجاء مِنَ التَّشْدِیْدِ فِی الْخَوْضِ فِی الْقَدَرِ

تقدیر میں بحث وتکرار کی سخت ممانعت

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، ہم تقدیر میں جھگڑ رہے تھے، پس آپؐ اس حد تک غضبناک ہوئے کہ رخ انور سرخ ہوگیا، گویا آپؐ کے دونوں رخساروں میں انار نچوڑ دیئے گئے ہیں، پس آپؐ نے فرمایا: ''کیا اسی کا تمہیں حکم دیا گیا ہے؟ اور کیا اسی کے ساتھ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں؟ وہ لوگ جو تم سے پہلے ہوئے وہ اسی وقت ہلاک ہوئے جب انھوں نے اس معاملہ میں جھگڑا شروع کیا، میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تقدیر میں مت جھگڑو''

تشریح: ممانعت تقدیر کے باب میں سوال کرنے کی نہیں ہے، تقدیر کا مسئلہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے صحابہ نے بھی سوال کیا ہے۔ بلکہ ممانعت تقدیر کے مسئلہ میں الجھنے کی ہے اور اس کی پوری حقیقت جاننے کی کوشش کرنے کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت دوسری صفت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ صفت قضاء وقدر: صفت شمول علم کے ساتھ، اور صفت قدرت: صفتِ مشیت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور ان دوسری صفات کی وجہ سے

جب مسئلہ الجھ جاتا ہے تو اس کو حل کرنا ہر شخص کے بس کا نہیں ہوتا اس لئے عام لوگ اگر تقدیر میں بحث شروع کریں گے تو گمراہی کا اندیشہ ہے، پچھلی امتیں اسی مسئلہ میں بحثیں کر کے گمراہ ہوئی ہیں، اور اس امت میں بھی فکری گمراہی تقدیر کے مسئلہ ہی سے شروع ہوئی ہے، کچھ لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے کہا: الأَمْرُ أُنُفٌ: معاملہ اچھوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کچھ طے نہیں کیا، نہ رونما ہونے والے واقعات کا اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے، بلکہ جب زید چلتا ہوا گرتا ہے تو لوگوں کو بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ گرا اور اسی وقت اللہ کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ گرا، توبہ! اور انسان اپنے اعمال اختیاریہ کا خود خالق ہے اس لئے وہ مکلّف ہے اور اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، یہ فرقہ خود کو قدریہ کہتا ہے، حالانکہ وہ لاقدریہ ہے، یعنی تقدیر کا منکر ہے، جیسے غیر مقلدین خود کو غیر مقلد کہتے ہیں حالانکہ وہ تقلید میں مقلدین سے بھی آگے ہیں، اسی طرح یہ لوگ منکر تقدیر ہو کر بھی خود کو قدری کہتے ہیں، اسی کو کہتے ہیں: برعکس نہند نام زنگی کافور!

دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے ہے اور جو طے ہے وہ ہو کر رہے گا اور انسان بے بس ہے، اینٹ پتھر کی طرح ہے کہ جہاں چاہو اٹھا کر رکھ دو، اس لئے ایمان وکفر اور اعمال صالحہ وسیئہ یکساں ہیں، یہ فرقہ جبریہ کہلاتا ہے اور یہ بھی گمراہ فرقہ ہے، کیونکہ جب انسان کا کوئی اختیار نہ رہا تو جزاء وسزا کیسی؟ حالانکہ انسان خود میں اور جانوروں میں بدیہی طور پر فرق کرتا ہے، جانوروں کو کوئی ان کے افعال کا ذمہ دار نہیں گردانتا اور انسان کو ہر سمجھ دار اس کے اختیاری فعل کا ذمہ دار سمجھتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مجبور محض نہیں۔

بلکہ معاملہ بین بین ہے اور ہر بات تفصیلی طور پر طے ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ جانتے بھی ہیں، اور اسباب ومسببات کے دائرہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اچھوتا نہیں، بلکہ طے شدہ امر ہے، اور تکلیف ومجازات کی بنیاد انسان کا کسب واکتساب ہے، یعنی اس کو جو جزوی اختیار دیا گیا ہے جس سے وہ اچھے برے کام کرتا ہے اسی کی بنیاد پر مجازات ہوگی۔

اور تقدیر میں خوض کرنے (گھسنے) کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ تقدیر کے مسئلہ کو عقل کے دائرہ میں لانا اور اس کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرنا اور کوئی محقق اور واضح مرتبہ جبر وقدر کے درمیان ثابت کرنا جس سے ہر شخص بات سمجھ جائے اور فرق واضح ہو جائے: تقریباً ناممکن ہے اور تقدیر کی حقیقت کا انکشاف تقریباً محال ہے اس لئے اس میں غور وخوض کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی جبری ہو جاتا ہے یا قدری، پس ہر شخص کو چاہئے کہ تقدیر پر ایمان لائے، نصوص میں جو کچھ آیا ہے اس کو تسلیم کرے، اگرچہ اس کی حقیقت نہ جان سکے، اور اگلے لوگوں نے جب تقدیر میں بحث وتکرار شروع کی تو ان میں فکری گمراہی رونما ہوئی اور وہ جادۂ مستقیم سے ہٹ گئے اس لئے نبی ﷺ نے اس امت کو سختی سے تقدیر کے مسئلہ میں الجھنے سے منع فرمایا۔

بسم الله الرحمن الرحیم

أبواب القَدَرِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] باب ماجاء مِنَ التَّشْدِيْدِ فِي الخَوْضِ فى الْقَدَرِ

[۲۱۳۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ مُعَاوِيَةَ الجُمَحِيُّ، نَا صَالِحُ المُرِّيُّ، عَنْ هِشَامِ بنِ حَسَّانٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ، فَغَضِبَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهُ، حَتّٰى كَأَنَّمَا فُقِئَ فِيْ وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ، فَقَالَ: "أَبِهٰذَا أُمِرْتُمْ؟ أَمْ بِهٰذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ؟ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَازَعُوْا فِيْ هٰذَا الأَمْرِ، عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَلَّا تَنَازَعُوْا فِيْهِ"

وفى الباب: عَنْ عُمَرَ، وَعَائِشَةَ، وأَنَسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيْثِ صَالِحٍ المُرِّيِّ، وَصَالِحٌ المُرِّيُّ: لَهُ غَرَائِبُ يَتَفَرَّدُ بِهَا.

وضاحت: اس حدیث کا ایک راوی صالح بن بشیر مرّی ابوبشر بصری: غیر صالح (ضعیف) ہے اس کی روایتیں عجیب وغریب ہوتی ہیں، اوران کا وہی راوی ہوتا ہے، مگر اس حدیث کے چونکہ شواہد ہیں، باب میں تین روایتوں کا حوالہ ہے اوران کے علاوہ بھی تین روایتیں ہیں اس لئے حدیث کا مضمون صحیح ہے، اور تقدیر میں منازعت ممنوع ہے۔

بابٌ [فى حِجَاجِ آدَمَ وَمُوْسَى عليهما السلام]

آدم وموسیٰ علیہما السلام میں ایک مناظرہ

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: آدم وموسیٰ علیہما السلام میں مناظرہ ہوا، پس موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے آدم! آپ وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا ہے، اور آپ میں اپنی خاص روح پھونکی ہے، آپ نے لوگوں کو بے راہ کردیا اوران کو جنت سے نکال دیا، نبی ﷺ نے فرمایا: پس آدم علیہ السلام نے جواب دیا: آپ وہ موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا ہے، کیا آپ مجھے ایک ایسے عمل پر ملامت کرتے ہیں جس کو میں نے کیا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر لکھ دیا ہے آسمان وزمین پیدا کرنے سے پہلے؟ نبی ﷺ نے

فرمایا: پس آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے، یعنی موسیٰ علیہ السلام لا جواب ہو گئے۔

تشریح:

۱- یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، مسلم میں مفصل اور بخاری میں اختصار کے ساتھ پانچ جگہ ہے، علاوہ ازیں ابوداؤد (حدیث ۴۷۰۱) میں بھی ہے، اور مصری نسخہ میں حسنٌ کے ساتھ صحیحٌ بھی ہے۔ پس امام ترمذیؒ کی بحث اس معین سند کے بارے میں ہے کہ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے یا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی؟ سلیمان تیمی: حضرت ابو ہریرہؓ تک سند پہنچاتے ہیں اور اعمش کے دیگر تلامذہ بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں، اور اعمش کے بعض تلامذہ حضرت ابوسعید خدریؓ تک سند پہنچاتے ہیں، مگر چونکہ یہ حدیث اس سند کے علاوہ دیگر اسانید سے بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، اس لئے امام ترمذیؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔

۲- یہ مناظرہ کہاں ہوا؟ مسلم شریف کی روایت میں عند ربهما ہے یعنی یہ مناظرہ عالم ارواح میں بارگاہِ خداوندی میں ہوا، جہاں حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی ارواح جمع ہوئی تھیں۔

۳- نوشتۂ تقدیر کوتاہی کا عذر تو نہیں بن سکتا مگر اس کے ذریعہ الزام رفع کیا جا سکتا ہے، چنانچہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور عتاب خداوندی نازل ہوا تو آپ نے فوراً توبہ کی، تقدیر کا عذر پیش نہیں کیا، مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو الزام دیا تو آپ نے اپنی لغزش کا وہ پہلو سامنے رکھا جو نوشتۂ تقدیر تھا، جس کے مطابق واقعات کا رونما ہونا ضروری تھا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام لا جواب ہو گئے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش میں دو پہلو ہیں:

ایک پہلو: وہ ہے جس کا تعلق خاص حضرت آدم علیہ السلام کی ذات سے ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب تک آپ نے شجرۂ ممنوعہ نہیں کھایا تھا جنت کی سب نعمتیں حاصل تھیں، اس وقت آپ کی حالت فرشتوں جیسی تھی، کوئی کلفت پیش نہیں آتی تھی، پھر جب آپ نے درخت کھالیا تو صورتِ حال بدل گئی، اس پہلو سے درخت کا کھانا ایک ایسا گناہ تھا جس سے استغفار ضروری تھا، چنانچہ آپ نے استغفار کیا جو بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوا۔

اور دوسرا پہلو: وہ ہے جس کا تعلق نظام عالم سے ہے جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے پہلے ہی فرشتوں سے کر دیا تھا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق آدم کی غرض نوع انسانی کو زمین میں اپنا خلیفہ بنانا ہے، اور ایک ایسی مخلوق وجود میں لانا ہے جس میں خیر وشر کی صلاحیتیں جمع ہوں، جن کو احکام شرعیہ کا مکلف بنایا جائے، اس پہلو سے حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوعہ کھانا اللہ کی مراد کے مطابق اور ان کی حکمت کے موافق تھا۔

اور جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو یہ دوسرا پہلو ان سے مخفی تھا، پہلا ہی پہلو پیش نظر تھا اس لئے آپ پر عتاب نازل ہوا اور آپ نے استغفار کیا، جس کا مداوا کیا گیا، پھر جب وفات کے بعد آپ بارگاہ خداوندی

میں منتقل ہوئے تو واقعہ کا یہ دوسرا پہلو واضح ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واقعہ کے پہلے پہلو سے اعتراض کیا تھا مگر جب ان کے سامنے معاملہ کا یہ دوسرا پہلو آیا تو وہ خاموش ہو گئے، اور بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔

فائدہ: ابواب القدر کی تمہید میں میں نے یہ بات عرض کی ہے کہ بندوں کو تقدیر کا معاملہ اپنی جانب سے دیکھنا چاہئے، یعنی اپنے اختیار اور اسباب و مسببات کے دائرہ میں سوچنا چاہئے، تقدیر الٰہی کی جانب سے نہیں دیکھنا چاہئے، ہاں جب معاملات کھل جائیں تو جس طرح چاہیں سوچیں، حضرت آدم علیہ السلام نے بھی جب ان سے لغزش ہوئی تھی تو معاملہ کو اسی طرح سوچا تھا اور توبہ کی تھی، کیونکہ بندے کی بندگی کے لائق یہی طریقہ ہے، پھر جب معاملہ کلیر ہو گیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے دوسرے انداز سے گفتگو کی۔

اور اس کی نظیر یہ ہے کہ تقدیر پر تکیہ نہیں کرنا چاہئے، معاملات کو اسباب کے دائرہ میں لانا چاہئے، اور اچھائی کے اسباب اختیار کرنے چاہئیں اور برائی کے اسباب سے بچنا چاہئے، پھر جب معاملہ ایک طرف ہو جائے تو تقدیر پر اعتماد کرنا چاہئے، مثلاً کسی کا لاڈلا بچہ بیمار پڑے تو وہ ہر طرح سے علاج معالجہ کرائے، تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے، مگر جب بچہ فوت ہو جائے تو رضا بہ قضاء کا مرحلہ شروع ہوتا ہے، اب آدمی کو یہ سوچنا چاہئے کہ جو مقدر تھا وہ ہوا اور اسی میں میرے لئے خیر تھی، یہ تقدیر پر ایمان کا بہت بڑا فائدہ ہے۔

نوٹ: ہندی نسخوں میں باب بلا ترجمہ ہے اور مصری نسخہ میں ترجمہ بھی ہے جو بڑھایا گیا ہے۔

[٢-] بابٌ [فی حِجَاجِ آدَمَ وَمُوْسَی علیهما السلام]

[٢١٣٤-] حدثنا يَحْيَى بْنُ حَبِيْبِ بنِ عَرَبِيٍّ، نَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، نَا أَبِيْ، عَنْ سُلَيْمَانَ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " احْتَجَّ آدَمُ وَمُوْسَى، فَقَالَ مُوْسَى: يَاآدَمُ أَنْتَ الَّذِيْ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ، وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُوْحِهِ، أَغْوَيْتَ النَّاسَ وَأَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ؟! قَالَ: فَقَالَ آدَمُ: أَنْتَ مُوْسَى الَّذِی اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِكَلَامِهِ، أَتَلُوْمُنِی عَلٰی عَمَلٍ عَمِلْتُهُ: كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ؟ قَالَ: فَحَجَّ آدَمُ مُوْسَى "

وفی الباب: عَنْ عُمَرَ، وَجُنْدُبٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيْثِ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنِ الأَعْمَشِ، وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُ أَصْحَابِ الأَعْمَشِ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَقَدْ رُوِیَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيرةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

بابُ ماجاء فی الشَّقَاءِ وَالسَّعَادَةِ

بدبختی اور نیک بختی کا بیان

حدیث (۱): حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بتلایئے جو کام ہم کرتے ہیں وہ نئے ہیں یا طے شدہ؟ آپؐ نے فرمایا: اے عمر! وہ طے شدہ ہیں، اور ہر ایک آسان کیا ہوا ہے: اگر وہ نیک بختوں میں سے ہے تو وہ نیک بختی والے کام کرتا ہے، اور اگر وہ بدبختوں میں سے ہے تو وہ بدبختی والے کام کرتا ہے۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقدیر کا مسئلہ پوچھا تھا کہ جو واقعات پیش آتے ہیں اور جو کام ہم کرتے ہیں وہ پہلے سے طے شدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو جانتے ہیں، یا معاملہ اچھوتا ہے یعنی اس کے بارے میں پہلے سے کچھ طے نہیں، نہ اللہ تعالیٰ کو ان کا کوئی علم ہے، آپؐ نے فرمایا: تقدیر الٰہی میں ہر چیز طے شدہ ہے، مگر بندوں کو تقدیر کی جہت سے نہیں سوچنا چاہئے، اگر وہ اس جہت سے سوچیں گے تو فوراً سوال پیدا ہوگا کہ پھر عمل سے کیا فائدہ؟ اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: بندوں کو معاملات اپنی جہت سے دیکھنے چاہئیں، کیونکہ جو نیک کام کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے اور اللہ اس کو توفیق دیتے ہیں اور اس کے کاموں کی تخلیق کرتے ہیں، اور جو برے کام کرتا ہے اس کا بھی یہی حال ہے۔

اور دنیوی امور کی حد تک ہر شخص اسی طرح سوچتا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ اگر وہ ہاتھ پیر ہلائے گا تو روٹی ملے گی، اشکال صرف اعمالِ صالحہ اور سیئہ میں ہوتا ہے، حالانکہ ان اعمال کو بھی دنیوی امور ہی کی طرح سوچنا چاہئے، کیونکہ تقدیر اجمالی نہیں ہے، بلکہ تفصیلی ہے کہ فلاں بندہ اپنے اختیار سے ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اور اسی پر اس کی موت آئے گی اور وہ نیک بندوں کے زمرے میں شامل ہوگا اور دوسرا اس کے برعکس ہوگا، پس ہر ایک کو اچھے کام کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور برے کاموں سے بچنا چاہئے۔

بہ الفاظ دیگر: تقدیر مبرم صرف اللہ کی جانب سے ہے، بندوں کی طرف سے معلق ہے، یعنی مسببات: اسباب کے تابع ہیں، اور بندے کے اختیاری اعمال میں کسب بھی منجملۂ اسباب ہے، اور اس پر نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

حدیث (۲): حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے پاس تھے، آپؐ زمین کرید رہے تھے، اچانک آپؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا: ''تم میں سے کوئی نہیں مگر اس کا دوزخ کا ٹھکانہ اور اس کا جنت کا ٹھکانہ جانا گیا ہے (اور وکیعؒ کہتے ہیں: لکھا گیا ہے) صحابہ نے عرض کیا: پس کیا ہم تکیہ نہ کریں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: لا، اعمَلُوْا فکلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ له: نہیں بلکہ عمل کرو، یعنی اپنے اختیار کو استعمال کرو اور اچھے کام کرو، کیونکہ ہر شخص اس ٹھکانہ کے لئے آسان کیا گیا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی پہلے آپؐ نے اللہ کی جانب سے تقدیر کا مسئلہ سمجھایا ہے کہ ازل سے ہر معاملہ طے

ہے، پھر جب اس پر سوال پیدا ہوا تو آپؐ نے لوگوں کی توجہ دوسری طرف پھیری کہ ہمیں تقدیر کا معاملہ اپنی طرف سے تقدیر معلق کی طرح دیکھنا چاہئے، کیونکہ جب دنیوی معاملات میں ہر شخص ایسا کرتا ہے تو ایمان وعمل کے معاملہ میں ایسا کیوں نہ کرے؟!

[٣-] بابُ ماجاء فی الشَّقَاءِ وَالسَّعَادَةِ

[٢١٣٥-] حدثنا بُنْدَارٌ، نَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمِ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمَ بنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ مَا نَعْمَلُ فِيْهِ: أَمْرٌ مُبْتَدَعٌ أَوْ: مُبْتَدَأٌ، أَوْ فِيْمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ؟ قَالَ: " فِيْمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ، يا ابنَ الْخَطَّابِ! وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ: أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ، فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلسَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلشَّقَاءِ"

وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَلِيٍّ، وَحُذَيْفَةَ بنِ أَسِيْدٍ، وأَنَسٍ، وَعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٢١٣٦-] أَخْبَرَنَا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الحُلْوَانِيُّ، نَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ نُمَيْرٍ، وَوَكِيْعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ سَعْدِ بنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْ عَبْدِ الرحمنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يَنْكُتُ فِيْ الأَرْضِ، إِذْ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، ثُمَّ قَالَ: " مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ عُلِمَ – قَالَ وَكِيْعٌ: إِلَّا قَدْ كُتِبَ – مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ، وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ" قَالُوْا: أَفَلَا نَتَّكِلُ يَارسولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: " لَا، اعْمَلُوْا، فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: مُبْتَدَعٌ اور مُبْتَدَأٌ کے ایک معنی ہیں: دونوں اسم مفعول ہیں، اول: ابْتَدَعَ سے ہے جس کے معنی ہیں: نئی چیز جاری کرنا، ایجاد کرنا، اور دوسرا ابْتَدَأَ الشيئَ سے ہے جس کے معنی ہیں: شروع کرنا (اور ایک تیسرا لفظ ہے الأُنُفُ: جدید، تازہ، اچھوتا یعنی جسے ابھی تک استعمال نہ کیا گیا ہو) راوی کو شک ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کونسا لفظ استعمال کیا تھا ...... ما قد فُرِغَ مِنْه: وہ کام جس سے نمٹا جاچکا ہے ...... الشَّقَاءُ اور الشَّقَاوة: دونوں کے معنی ہیں بدبختی ...... اور دوسری حدیث میں جو واقعہ ہے وہ قبرستان کا ہے، نبی ﷺ کسی میت کی تدفین کے لئے تشریف لے گئے ہیں، اور صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہیں اور دست مبارک میں چھڑی ہے جس سے زمین کریدر ہے ہیں۔

بابُ ماجاء أنَّ الأعْمالَ بِالْخَوَاتِيْمِ

اخروی انجام آخری اعمال کے مطابق ہوگا

زندگی میں نشیب وفراز آتے ہیں، آدمی گمراہ ہوتا ہے پھر ایمان لاتا ہے، اور مؤمن ہوتا ہے پھر گمراہ ہوجاتا ہے، پس آخرت میں فیصلہ کس طرح ہوگا؟ اول زندگی کا اعتبار ہوگا یا آخر کا یا مجموعہ کا یا خیر وشر میں سے جو غالب ہوگا اس کا اعتبار ہوگا؟ احادیثِ شریفہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آخری زندگی کا اعتبار ہوگا، وہ جیسی ہوگی اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے جو صادق (سچے) اور مصدوق (تصدیق کئے ہوئے) ہیں فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش جمع کی جاتی ہے اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن میں، یعنی اس مدت میں نطفہ میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوتی، حرارت کی وجہ سے بس معمولی تغیر ہوتا ہے، پھر اتنی ہی مدت میں جما ہوا خون ہوتا ہے، پھر اتنی ہی مدت میں گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس میں روح پھونکتا ہے، اور وہ چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے، وہ اس کی روزی، اس کی مدت عمر، اس کا عمل اور بد بخت یا نیک بخت ہونا لکھتا ہے، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ایک جنتیوں والے کام کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، یعنی موت کے قریب تک ایمان وعمل صالح میں مشغول رہتا ہے، پھر اس پر نوشتۂ تقدیر غالب آتا ہے پس اس کے لئے زندگی ختم کی جاتی ہے دوزخ والوں کے عمل کے ساتھ، پس وہ دوزخ میں جاتا ہے، اور تم میں سے ایک آدمی دوزخ والوں کے کام کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر نوشتۂ تقدیر غالب آتا ہے پس اس کے لئے اختتام کیا جاتا ہے جنتیوں کے عمل کے ساتھ پس وہ جنت میں جاتا ہے۔

تشریح:

۱- اس حدیث میں مراحل تخلیق کا جو تذکرہ آیا ہے وہ اگلے مضمون کی تمہید ہے، یعنی جب اس میں فرشتہ روح پھونکتا ہے تو وہ چار باتیں لکھتا ہے، یہ تقدیر الٰہی کے پانچ مظاہر میں سے چوتھا مرحلہ ہے، جس کی تفصیل باب ۱۶ میں آرہی ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ان مراحل کو تفصیل سے بیان کیا ہے (دیکھیں: رحمۃ اللہ ۱:۴۷۶) اور فرشتہ کا یہ نوشتہ ایسا قطعی اور اٹل ہے کہ ایک شخص جو اس نوشتہ میں دوزخی لکھا گیا ہے بسا اوقات ایک مدت تک جنتیوں جیسی پاک بازانہ زندگی گذارتا ہے، پھر اچانک اس کے رویہ میں تبدیلی آجاتی ہے اور وہ دوزخ میں لے جانے والے برے اعمال کرنے لگتا ہے اور اسی حالت میں مرکر دوزخ میں پہنچ جاتا ہے، وقس علیه الآخرَ۔

۲- اور اس حدیث کا خاص سبق یہ ہے کہ کسی کو بد اعمالیوں میں مبتلا دیکھ کر اس کے قطعی دوزخی ہونے کا فیصلہ نہیں

کرنا چاہئے، کیونکہ معلوم نہیں زندگی کے باقی حصہ میں اس کا رخ اور رویہ کیا ہونے والا ہے، اسی طرح آج اعمالِ خیر کی توفیق مل رہی ہے تو اس پر مطمئن نہیں ہوجانا چاہئے بلکہ برابر حسن عمل کے لئے فکرمند اور کوشاں رہنا چاہئے۔

[٤-] بابُ ماجاء أَنَّ الأَعْمالَ بِالْخَواتِيْمِ

[٢١٣٧-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أَبُوْ مُعاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بنِ وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: ثَنَا رَسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ الصَّادِقُ المَصْدُوْقُ: " إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِيْ بَطْنِ أُمِّهِ، فِيْ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ إِلَيْهِ الْمَلَكَ، فَيَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ، وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعٍ: يَكْتُبُ رِزْقَهُ، وأَجَلَهُ، وَعَمَلَهُ، وَشَقِي أَوْ سَعِيْدٌ، فَوَالَّذِيْ لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ! إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حَتّٰى مَايَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِراعٌ، ثُمَّ يَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، حَتّٰى مَايَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، ثُمَّ يَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، نَا الأَعْمَشُ، نَا زَيْدُ بنُ وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: ثَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ مِثْلَهُ.

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وأَنَسٍ، وَسَمِعْتُ أَحْمَدَ بنَ الحَسَنِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بنَ حَنْبَلٍ، يَقُوْلُ: مَا رَأَيْتُ بِعَيْنَيَّ مِثْلَ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ الْقَطَّانِ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ، وَالثَّوْرِيُّ، عَنِ الأَعْمَشِ نَحْوَهُ، حدثنا مُحمدُ بنُ العَلَاءِ، نَا وَكِيْعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ عَنْ زَيْدٍ نَحْوَهُ.

وضاحت: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اس کی دوسری سند میں ایک راوی ہیں: یحیٰ بن سعید قطان، ان کے بارے میں امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ میری آنکھوں نے یحیٰ جیسا آدمی نہیں دیکھا...... صادق کے معنی ہیں: سچ کہنے والا اور مصدوق کے دو معنی ہیں: ایک: تصدیق کیا ہوا، یعنی لوگوں نے جن کی تصدیق کی ہو دوسرے: جن کو سچی باتیں بتائی گئیں، صَدَق کے یہ معنی بھی آتے ہیں، یعنی آپؐ کے پاس جو وحی آتی ہے وہ سچی ہوتی ہے، شیطانی نہیں ہوتی۔

بابُ ماجاء كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے

حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْمِلَّةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، وَيُنَصِّرَانِهِ، وَيُشَرِّكَانِهِ: ہر

بچہ ملت (فطرت اسلامی) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی یا ہندو بنا دیتے ہیں، پوچھا گیا: یارسول اللہ! پس جو شخص اس سے پہلے مرگیا؟ یعنی بالغ ہونے سے پہلے مرگیا، اور اس کے ماں باپ نے اس کو ابھی تک یہودی، عیسائی یا ہندو نہیں بنایا اس کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللّٰهُ أَعْلَمُ بما کانوا عاملین به: وہ جو کچھ کرنے والے تھے اس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں۔

تشریح:

۱- کسی حدیث میں مِلّة ہے، کسی میں فطرة اور کسی میں إسلام وغیرہ، اور سب کی مراد ایک ہے یعنی ہر بچہ اسلام کی استعداد پر پیدا ہوتا ہے کیونکہ انسان اس دنیا میں نیا پیدا نہیں ہوتا، اس دنیا میں اس کا صرف جسم بنتا ہے، کیونکہ یہ عالم اجساد ہے، اور اس کی روح اس سے بہت پہلے پیدا ہو چکی ہے، اور تمام روحیں عالم ارواح میں موجود ہیں، وہاں سے وہ روح شکم مادر میں بننے والے جسد خاکی میں منتقل کی جاتی ہے، سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ، أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ قَالُوْا بَلٰى، شَهِدْنَا أَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾ ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم سب گواہ ہیں، تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔

یہ عہد الست اور عالم ذرّ کا واقعہ ہے، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ان کی صلبی اولاد پیدا کی گئی، جیسا کہ حدیث میں تفصیل ہے، پھر اولاد کی پشت در پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی، اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنے سامنے پھیلا دیا، یعنی ان پر اپنی تجلی فرمائی، اپنا جلوہ دکھایا، اس طرح دیدار کرا کر اپنی معرفت اور پہچان کرائی، پھر ان سے پوچھا: ''کیا میں تمہارا رب نہیں؟'' سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم سب گواہی دیتے ہیں یعنی اقرار کرتے ہیں، یہ مضمون مسند احمد (۲۷۲:۱) اور مستدرک حاکم (۵۴۴:۲) میں ہے جس کی سند صحیح ہے۔

پھر وہ روحیں اصلاب میں واپس نہیں کی گئیں بلکہ عالم ارواح میں ان کو خاص ترتیب سے رکھ دیا گیا، بخاری شریف میں روایت ہے: الأرواحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ: عالم ارواح میں روحیں خاص ترتیب سے جیسے فوج کی پلٹنیں ہوتی ہیں رکھی ہوئی ہیں، پھر شکم مادر میں تیار ہونے والے جسم میں وہیں سے روح لاکر فرشتہ پھونکتا ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱۱۶:۱)

الغرض معرفت خداوندی اور ربوبیت ربانی کا علم ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے اور اس دنیا میں آنے کے بعد انسان گو اس عہد کی تفصیلات بھول گیا ہے، مگر اصل استعداد موجود ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آڑے وقت میں انسان کو اللہ یاد آتا ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ معرفت اس کی فطرت میں ہے۔

پس اگر کوئی مانع پیش نہ آئے تو بچہ اسی فطرت پر بڑا ہوتا ہے، مگر کبھی عوارض پیش آتے ہیں، بچہ جن ہاتھوں میں

اور جس ماحول میں پلتا بڑھتا ہے وہ ماحول اس کو بگاڑ دیتا ہے، اس وقت وہ فطری علم جہالت سے بدل جاتا ہے، جیسے ہر جانور صحیح سالم پیدا ہوتا ہے پھر لوگ پہچان کے لئے بکریوں کے کان کاٹتے ہیں، مگر کوئی بکری کان کٹی پیدا نہیں ہوتی، اسی طرح ہر انسانی بچہ فطرت اسلامی پر جنا جاتا ہے پھر بعد میں اس کو گمراہ کر دیا جاتا ہے، اور فطرت کی یہ تفسیر ابوداؤد کی روایت (حدیث ۴۷۱۶ کتاب السنۃ باب ۱۹) میں ہے۔ حماد بن سلمہ فرماتے ہیں: هذا عندنا حَيْثُ أَخَذَ اللّٰهُ العَهْدَ عليهم في أَصْلَابِ آبائِهم حَيْثُ قَالَ: أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا: بلى! یہ یعنی كلُّ مَوْلودٍ يُوْلَدُ على الفِطْرَةِ ہمارے نزدیک بایں طور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے عہد و پیمان لیا ہے، جب ان کو اصلاب آباء سے نکالا تھا جس کا تذکرہ ألست بربكم؟ قالوا بلى میں ہے۔

۲- اور یہ جو نابالغ بچوں کے بارے میں فرمایا کہ ''وہ جو کچھ کرنے والے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہیں'' یہ نابالغ بچوں کے حکم میں توقف پر دلالت کرتا ہے اور احکام شرعیہ میں توقف کی وجہ صرف یہی نہیں ہوتی کہ اس کے بارے میں وحی نازل نہیں ہوئی، بلکہ توقف کی اور وجوہ بھی ہوتی ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نابالغ بچوں کا حکم دو طرح کا ہے، دنیوی اور اخروی:

۱- نابالغ بچوں کا دنیوی حکم یہ ہے کہ وہ خیر الابوین کے تابع ہوتے ہیں: اگر ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو بچہ بھی مسلمان تصور کیا جائے گا، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، اور اس کی میراث مسلمان ورثاء کو ملے گی، اور اگر بچہ کے والدین غیر مسلم ہیں تو اس کو مسلمان تصور نہیں کیا جائے گا۔

۲- اور نابالغ بچوں کا اخروی حکم یہ ہے کہ جو بچہ نابالغ ہونے کی حالت میں مر گیا اگر وہ مسلمان کا بچہ ہے تو اس کے بارے میں تقریباً اتفاق ہے کہ وہ جنتی ہوگا، اور اطفال مشرکین کے بارے میں اختلاف ہے، پانچ چھ قول ہیں جو درج ذیل ہیں:

(الف) وہ دوزخی ہونگے، یہ مذہب بین البطلان ہے کیونکہ سلف کا اجماع ہے کہ عمل بد کے بغیر عذاب نہیں ہوتا۔

(ب) وہ اعراف میں ہونگے، وہاں ان کو نہ عذاب ہوگا نہ راحت پہنچے گی، یہ قول بھی صحیح نہیں، کیونکہ اعراف ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں۔

(ج) ان کا آخرت میں امتحان ہوگا جیسے اصحاب فَترت اور پاگلوں کا امتحان ہوگا جو کامیاب ہونگے جنت میں جائیں گے اور جو ناکام ہونگے جہنم میں جائیں گے، یہ قول بھی صحیح نہیں، کیونکہ آخرت دار جزاء ہے دار تکلیف نہیں۔

(د) ایک رائے یہ ہے کہ وہ اہل جنت کے خدام ہونگے، مگر اس قول کی مرفوع حدیث سے کوئی دلیل نہیں، اور قرآن کریم میں جو دو جگہ ﴿وِلْدَانٌ مُخَلَّدُوْنَ﴾ آیا ہے وہ لڑکے جنت کی مخلوق ہیں۔

(ھ) اطفال مشرکین بھی جنتی ہونگے، یہ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(و) اور ایک رائے یہ ہے کہ اطفالِ مشرکین کے مسئلہ میں توقف کیا جائے، توقف کے دو معنی ہیں: ایک: کسی چیز کے بارے میں علم نہ ہونا یا حکم نہ لگا سکنا، یعنی سکوت اختیار کرنا، دوسرے: کسی چیز پر کوئی کلی حکم نہ لگانا، اطفال کے مسئلہ میں توقف بالمعنی الثانی ہے، یعنی نہ ہم سب کو ناجی کہتے ہیں نہ ناری، کون ناجی ہوگا اور کون ناری؟ اس کی تعیین اللہ کے سپرد ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام سفیان ثوری رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے اکابر کا مسلک یہی ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں حدیثیں مختلف ہیں، اور نسخ یعنی تقدیم وتاخیر کا کوئی قرینہ نہیں اور سند کے اعتبار سے قوی الله أعْلَمُ بماكانوا عاملينَ به ہے، جو توقف پر دلالت کرتی ہے، پس یہی قول راجح ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳: ۹۰)

[۵-] بابُ ماجاء كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

[۲۱۳۸-] حدثنا مُحمدُ بنُ يَحْيىَ القُطَعِيُّ، نا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ رَبِيْعَةَ الْبُنَانِيُّ، نا الأَعْمَشُ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْمِلَّةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، وَيُنَصِّرَانِهِ، وَيُشَرِّكَانِهِ" قِيْلَ: يَارسولَ اللّٰهِ! فَمَنْ هَلَكَ قَبْلَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: "اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ بِهِ"

حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، وَالْحُسَيْنُ بنُ حُرَيْثٍ، قَالاَ: نا وَكِيْعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ، وَقَالَ: "يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ، وَغَيْرُهُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ"

وضاحت: پہلی سند عبدالعزیز بن ربیعہ بنانی بصری کی ہے، یہ مقبول راوی ہے، اس کی حدیث میں لفظ ملة اور يُشَرِّكَانِه ہے، اور امام وکیع اور شعبہ رحمہما اللہ وغیرہ کی روایت میں لفظ فطرة اور يُمَجِّسَانِه ہے، اور مطلب سب کا ایک ہے۔

بابُ ماجاء لاَيَرُدُّ القَدَرَ إِلاَّ الدُّعَاءُ

تقدیر کو دعا ہی پھیر سکتی ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لاَيَرُدُّ القَضَاءَ إِلاَّ الدُّعَاءُ، وَلاَ يَزِيْدُ فِي العُمُرِ إِلاَّ البِرُّ: تقدیر کو صرف دعا ہی

پھیر سکتی ہے، اور زندگی میں صرف حسن سلوک ہی اضافہ کرسکتا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف کا مقصد: دعا اور حسن سلوک کی قوت تاثیر اور اہمیت بیان کرنا ہے، یعنی اگر کوئی چیز قضاء وقدر کو پھیر سکتی ہے تو وہ دعا ہی پھیر سکتی ہے، مگر تقدیر اٹل ہے وہ ٹل نہیں سکتی، اور کوئی چیز زندگی میں اضافہ کرسکتی ہے تو وہ حسن سلوک ہی کرسکتا ہے۔ مگر اجل طے ہے، اس میں اضافہ نہیں ہوسکتا، اور حدیث کا یہ مطلب مسئلہ تقدیر کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یعنی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہونے کے اعتبار سے سوچنے کی صورت میں ہے، مگر چونکہ بندوں کی طرف سے تقدیر معلق ہوتی ہے یعنی اسباب ومسببات کے دائرہ میں ہوتی ہے، اور بندوں کو پہلے سے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ مقدر کیا ہے؟ اس لئے بندوں کے اعتبار سے دعا سے صورتِ حال بدل جاتی ہے، برے احوال اچھے احوال سےمنقلب ہوجاتے ہیں، بدحالی خوش حالی سے متبدل ہوجاتی ہے اس لئے خود بھی دعا کرنی چاہئے، اور اللہ کے نیک بندوں سے بھی دعاء کرانی چاہئے۔

مگر آج کل جو طریقہ چل پڑا ہے کہ بزرگوں سے کہتے ہیں: ''دعا میں یاد رکھنا'' یہ تکیہ کلام ہے، مقصود کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ ایسے لوگوں سے اگر فوراً پوچھا جائے کہ کیا دعا کرانی ہے؟ تو وہ ہیں ہیں کرکے رہ جاتے ہیں، ان کے ذہن میں کوئی دعا نہیں ہوتی، اور نہ کوئی دعا کرانا مقصود ہوتا ہے، ایسا دعا کے لئے کہنا بے کار ہے، بلکہ کوئی اہم مقصد پیش نظر ہو تو اس کے لئے خود بھی دعا کرنی چاہئے اور نیک آدمیوں سے بھی، اسی طرح نیک غریبوں سے بھی اپنا مقصد ظاہر کرکے دعا کرانی چاہئے کیونکہ دعا سے حالات میں تبدیلی آتی ہے، وہ قضاء وقدر کو پھیر دیتی ہے۔

اسی طرح خاندان کے ساتھ اور تمام مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے حیات میں اضافہ ہوتا ہے، لوگ ایسے بندوں کو ان کی موت کے بعد عرصہ تک یاد رکھتے ہیں، اور ان کی زندگی کے لمحات خیر کے کاموں میں خرچ ہوتے ہیں۔

[٦-] بابُ ماجاء لَايَرُدُّ القَدَرَ إِلَّا الدُّعاءُ

[٢١٣٩-] حدثنا مُحمدُ بنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، وَسَعِيْدُ بنُ يَعْقُوبَ، قَالَا: نَا يَحْيىَ بنُ الضُّرَيْسِ، عَنْ أَبِيْ مَوْدُوْدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ سَلْمَانَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: '' لَا يَرُدُّ القَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيْدُ فِي العُمُرِ إِلَّا البِرُّ''

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ أُسَيْدٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لانَعرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ يَحْيىَ بنِ الضُّرَيْسِ.

وَأَبُو مَوْدُوْدٍ: اثْنَانِ: أَحَدُهُمَا: يُقَالُ لَهُ: فِضَّةُ، والآخَرُ: عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ أَبِيْ سُلَيْمَانَ، أَحَدُهُمَا بَصْرِيٌّ، وَالآخَرُ مَدِيْنِيٌّ، وَكَانَا فِيْ عَصْرٍ وَاحِدٍ، وَأَبُو مَوْدُوْدٍ الَّذِيْ رَوَى هٰذَا الحديثَ اسْمُهُ فِضَّةُ بَصْرِيٌّ.

وضاحت: یحییٰ بن ضریس (مصغَّر) بجلی رازی قاضی صدوق راوی ہیں......اور ابومودود جس کو فضہ کہا جاتا تھا

بصری ہے اور معمولی درجہ کا راوی ہے، یہی یہ حدیث روایت کرتا ہے اور اس کی روایت صرف ترمذی میں ہے، اور اس زمانہ کا ایک دوسرا راوی عبدالعزیز بن ابی سلیمان ہذلی ہے اس کی کنیت بھی ابومودود ہے وہ مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا وہ مقبول راوی ہے۔

بابُ ماجاء أنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ أُصْبُعَيِ الرَّحْمٰنِ

دل رحمان کی دوانگلیوں کے بیچ میں ہیں

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ بکثرت یہ دعا کرتے تھے: يا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ! ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ: اے دلوں کے الٹنے پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر مضبوط رکھ، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور اس دین پر جس کو آپ لائے ہیں، ایمان لائے، پس کیا آپ ہم پر کوئی خطرہ محسوس کرتے ہیں (جو یہ دعا بکثرت کرتے ہیں) آپؐ نے فرمایا: نعم، إن القلوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ من أَصَابِعِ اللهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ شَاءَ: ہاں دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دوانگلیوں کے بیچ میں ہیں وہ ان کو الٹتے پلٹتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں۔

تشریح:

۱- اس حدیث میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ نبی ﷺ کے اقوال وافعال میں امت کی تعلیم کا پہلو بھی ملحوظ ہوتا ہے، نبی ﷺ کے مذکورہ دعا بکثرت کرنے سے صحابہ یہی سمجھتے تھے کہ یہ ہمیں دعا کی تعلیم دی جارہی ہے کہ ہم بھی یہ دعا بکثرت کریں، اور یہ دعا بکثرت وہ بندہ کرتا ہے جو اپنے انجام سے غافل نہیں ہوتا، جس کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں آگے کیا احوال پیش آئیں اور یہی بات بندگی کے لائق ہے، اور یہی تقدیر کا بندوں کے حق میں معلق ہونا ہے، اور یہی بندوں کا تقدیر کو بندگی کی جہت سے دیکھنا ہے، کیونکہ معلوم نہیں کیا اسباب پیش آئیں اور انسان کیسے حالات سے دوچار ہو کہ اس کی ڈگر بدل جائے، اور وہ ایمان سے نکل کر کفر میں جا پڑے، اور جو بندہ ہمیشہ یہ دعا کرتا رہتا ہے وہ ان شاء اللہ جادۂ مستقیم پر مضبوط رہتا ہے۔

۲- اس حدیث میں اللہ پاک کی قدرت کاملہ کا بیان ہے جس طرح اللہ پاک کا علم ہر چیز کو شامل ہے ان کی قدرت بھی کامل ہے، کائنات کا کوئی ذرہ نہ ان کے علم سے باہر ہے نہ ان کی قدرت سے خارج، اگر ایک بھی چیز کا ان کو علم نہ ہوگا یا کوئی بھی چیز ان کی قدرت سے خارج ہو جائے گی تو ان کا علم اور ان کی قدرت ناقص ہوگی، پس وہ خدا کہاں رہے؟ بلکہ جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق کے اختیاری افعال، حتی کہ اس کا چاہنا بھی اللہ کی قدرت واختیار میں ہے۔

اور جزاء وسزا کے لئے کامل اختیار ضروری نہیں، ایک حد تک اختیار کافی ہے جو انسان کو حاصل ہے، انسان کے

احوال میں اور چوپایوں کے احوال میں غور کرنے سے یہ بات عیاں ہے، اور ایک حد تک اختیار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھایا ہے۔ ایک شخص آپؓ کے پاس یہی سوال لے کر آیا کہ انسان اپنے افعال میں مختار ہے یا مجبور؟ آپؓ نے فرمایا: مختار بھی ہے اور مجبور بھی، اس نے کہا: یہ کیسے؟ آپؓ نے فرمایا: کھڑے ہوجاؤ، وہ کھڑا ہوگیا، آپؓ نے فرمایا: ایک پیر اٹھالو اس نے اٹھالیا، آپؓ نے فرمایا: دوسرا بھی اٹھالو، کہنے لگا دوسرا کیسے اٹھاؤں گر پڑوں گا، آپؓ نے فرمایا: پہلا پیر اٹھانے تک تم بااختیار تھے اب مجبور ہوگئے، اسی طرح بندوں کی مشیت واختیار کا ابتدائی حصہ ان کے اختیار میں ہے مگر آخری سرا ان کے اختیار میں نہیں، یعنی انسان کو جزوی اختیار حاصل ہے، کلی اختیار حاصل نہیں، اور مجازات کے لئے جزوی اختیار بھی کافی ہے (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۳:۹۴ میں ہے)

[۷-] بابُ ماجاء أَنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ أُصْبُعَي الرَّحْمٰنِ

[۲۱۴۰-] حدثنا هَنَّادٌ، نا مُعَاوِيَةُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُكْثِرُ أَنْ يَقُوْلَ: "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ! ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلَىٰ دِيْنِكَ" فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! آمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهِ، فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا؟ قَالَ: "نَعَمْ إِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ شَاءَ"

وفي الباب: عَنِ النَّوَّاسِ بنِ سَمْعَانَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَعَائِشَةَ، وَأَبِيْ ذَرٍّ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.
وَهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ، عَنْ أَنَسٍ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَحَدِيْثُ أَبِيْ سُفْيَانَ، عَنْ أَنَسٍ أَصَحُّ.

وضاحت: امام اعمش رحمہ اللہ کے اکثر شاگرد اس حدیث کی سند حضرت انس رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں اور بعض شاگرد حضرت جابر رضی اللہ عنہ تک، اور اصح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت انسؓ کی ہے۔

بابُ ماجاءَ أَنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ

اللہ تعالیٰ نے جنتیوں اور جہنمیوں کے نام رجسٹروں میں لکھ لئے ہیں

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ گھر میں سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے، درانحالیکہ آپؐ کے ہاتھ میں دو رجسٹر تھے، پس فرمایا: "جانتے ہو یہ دو رجسٹر کیا ہیں؟" ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! مگر یہ کہ آپ ہمیں بتلائیں (تو ہم جان سکتے ہیں) پس آپؐ نے اس رجسٹر کے لئے جو آپؐ کے دائیں ہاتھ میں تھا، فرمایا: "یہ تمام جہانوں کے پالنہار کی طرف سے ایک رجسٹر ہے جس میں جنتیوں کے، ان کے

باپ دادوں کے اوران کے قبیلوں کے نام ہیں، پھران کے آخر میں میزان لگادی گئی ہے یعنی ٹوٹل کردیا گیا ہے، پس کبھی بھی نہ توان میں کوئی اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان میں کوئی کمی کی جائے گی'' پھرآپؐ نے اس رجسٹر کے لئے جو آپؐ کے بائیں ہاتھ میں تھا، فرمایا: ''یہ تمام جہانوں کے پالنہار کی طرف سے ایک رجسٹر ہے، اس میں جہنمیوں کے، ان کے باپ دادوں کے اوران کے قبیلوں کے نام ہیں، پھران کے آخر میں میزان لگادی گئی ہے، پس کبھی بھی نہ تو ان میں کوئی اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان میں کوئی کمی کی جائے گی''

صحابہ نے عرض کیا: پس عمل کا کیا فائدہ اے اللہ کے رسول! اگر وہ ہے ایک ایسا معاملہ جس سے نمٹا جاچکا ہے؟ (یعنی جنت اور جہنم میں جانے والے طے ہوچکے ہیں تو اب عمل سے کیا فائدہ؟) پس آپؐ نے فرمایا: سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا: ٹھیک ٹھیک چلواور قریب قریب رہو، پس بیشک جنتی کی زندگی کا اختتام جنتیوں کے عمل پر ہوگا، اگرچہ وہ کوئی عمل کرتا رہا ہو، اور بیشک دوزخی کی زندگی کا اختتام دوزخیوں کے عمل پر ہوگا اگرچہ وہ کوئی عمل کرتا رہا ہو۔

پھر نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا، پس دونوں رجسٹروں کوڈال دیا، پھر فرمایا: قد فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ: فَرِيْقٌ فى الْجَنَّةِ، وَفَرِيْقٌ فى السَّعِيْرِ: تمہارے پروردگار بندوں کے معاملات سے نمٹ چکے: ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں!

تشریح:

۱- یہ دورجسٹر جوآپؐ کے ہاتھوں میں تھے: محسوس تھے یا معنوی؟ حدیث سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ محسوس تھے، اور دوسری دنیا کی چیزیں جس طرح انبیاء کے لئے متمثل ہوتی ہیں صحابہ وغیرہ کے لئے بھی کبھی متمثل ہوتی ہیں، مثلاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کبھی صحابہ کوبھی نظر آتے تھے، اسی طرح اگر یہ رجسٹر صحابہ کوبھی نظر آئے ہوں تو اس میں کوئی استبعاد نہیں۔

رہا یہ سوال کہ اتنے سارے نام ایک ایک رجسٹر میں کیسے آگئے؟ اور اتنے بڑے بڑے رجسٹر ہاتھوں میں لے کر آپؐ کیسے تشریف لائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اب کمپیوٹر اور ڈی جیٹل کا زمانہ ہے، بڑے سے بڑا کتب خانہ ایک چھوٹی سی چپ میں آجاتا ہے، پس یہ سارے نام قابل تحمل رجسٹروں میں کیوں نہیں آسکتے؟

۲- اس حدیث میں تقدیر کا اللہ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تعارف ہے یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ نے طے کردیا ہے اور ابد تک کے سارے معاملات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا علم واقعی ہے، اس میں کسی غلطی کا احتمال نہیں، اس لئے ناموں کے آخر میں جوٹوٹل ہے وہ قطعی ہے، اس میں کسی کمی بیشی کا سوال نہیں۔

۳- پھر تقدیر کے مسئلہ پر صحابہ نے اعتراض کیا کہ جب معاملہ نمٹ چکا ہے، جنتی اور جہنمی طے ہوچکے ہیں تو اب عمل سے کیا فائدہ؟ اس اعتراض کے جواب میں نبی ﷺ نے ان کا ذہن دوسری طرف پھیرا کہ بندوں کو یہ معاملہ اپنی

طرف سے دیکھنا چاہئے، بندوں کے حق میں تقدیر معلق ہے یعنی مسببات: اسباب سے پیدا ہوتے ہیں، پس بندوں کو چاہئے کہ وہ ٹھیک ٹھیک صراط مستقیم پر چلیں اور اگر ہٹیں تو دور نہ جائیں، قریب قریب ہی رہیں، ایسے بندوں کی واپسی کا امکان رہتا ہے، اور جو بندے صراط مستقیم سے بہت دور چلے جاتے ہیں ان کا واپسی کا امکان ختم ہوجاتا ہے، پھر آپؐ نے یہ بات واضح کی کہ اعتبار آخری عمل کا ہے، جنتی کی زندگی جنت والے کاموں پر ختم ہوتی ہے، چاہے وہ پہلے کچھ بھی کرتا رہا ہو، اسی طرح جہنمی کی زندگی جہنم والے کاموں پر پوری ہوتی ہے چاہے وہ پہلے کچھ بھی کرتا رہا ہو، پس ہر شخص کو آخری لمحہ تک صراط مستقیم پر آنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور ہر مؤمن کو آخری لمحہ تک صراط مستقیم سے چمٹا رہنا چاہئے، جو گمراہ ہے وہ بھی مایوس نہ ہو، اپنی آخرت سنوارے اور جو ہدایت پر ہے وہ بھی غرور میں مبتلا نہ ہو کیونکہ کسی بھی وقت گاڑی پٹڑی سے اتر سکتی ہے، اللہ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھیں اور ہر گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں (آمین)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر چاہتے ہیں تو اس کو استعمال کرتے ہیں، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کس طرح استعمال کرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: يُوَفِّقُه لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ: اس کو موت سے پہلے نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔

تشریح: امام محمد رحمہ اللہ کا مشہور واقعہ ہے۔ وفات کے بعد ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا: کیا معاملہ رہا؟ بتایا: اللہ تعالیٰ نے بخش دیا، پوچھا: کس طرح؟ فرمایا: مجھے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: ''محمد! اگر مجھے تیرے ساتھ خیر منظور نہ ہوتی تو میں تجھے اپنا علم نہ دیتا، جا تیری بخشش کردی''

یہ عالم کو استعمال کرنے کی مثال ہے۔ دوسری مثال ابن ماجہ (حدیث ۸) میں ہے: لَايَزَالُ اللّٰهُ يَغْرِسُ فی هذا الدينِ غَرْسًا يَسْتَعْمِلُهُمْ فی طَاعَتِه: اللہ تعالیٰ برابر اس دین کے لئے پودے لگاتے رہتے ہیں جن کو اپنی اطاعت میں استعمال کرتے ہیں، اس حدیث میں عام مسلمانوں کو استعمال کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت سے پہلے ان کو نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔

[۸-] بابُ ماجاءَ أَنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ

[۲۱۴۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيْدٍ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي قَبِيْلٍ، عَنْ شُفَيِّ بنِ مَاتِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَفِيْ يَدِهِ كِتَابَانِ، فَقَالَ: " أَتَدْرُوْنَ مَاهٰذَانِ الْكِتَابَانِ؟" فَقُلْنَا: لَا، يارسولَ اللّٰهِ! إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا، فَقَالَ لِلَّذِیْ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى: "هٰذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، فِيْهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ، ثُمَّ أُجْمِلَ عَلٰى آخِرِهِمْ، فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ، وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا" ثُمَّ قَالَ لِلَّذِیْ فِيْ شِمَالِهِ: " هٰذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، فِيْهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ النَّارِ،

وأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ، ثُمَّ أُجْمِلَ عَلَى آخِرِهِمْ، فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا"

فَقَالَ أَصْحَابُهُ: فَفِيمَ العَمَلُ يَارسولَ اللّٰهِ! إِنْ كَانَ أَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ؟ فَقَالَ:" سَدِّدُوْا، وَقَارِبُوْا، فَإِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ، وَإِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ"

ثُمَّ قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِيَدَيْهِ، فَنَبَذَهُمَا، ثُمَّ قَالَ:" فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ: فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ"

حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا بَكْرُ بنُ مُضَرَ، عَنْ أَبِي قَبِيْلٍ نَحْوَهُ، وفي الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، وأَبُوْ قَبِيْلٍ: اسْمُهُ حُيَيُّ بنُ هَانِئٍ.

[٢١٤٢-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْراً اسْتَعْمَلَهُ" فَقِيْلَ: كَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ يَارسولَ اللّٰهِ؟ قَالَ:" يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ" هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء لَا عَدْوَى وَلَا هَامَةَ وَلَاصَفَرَ

چھوت کی بیماری، مقتول کے سر کا پرندہ اور صفر کی نحوست بے اصل باتیں ہیں

حدیث: ابوزرعہؒ کہتے ہیں: ہمارے ایک استاذ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتلایا کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا: نبی ﷺ نے ہمارے سامنے تقریر فرمائی، پس فرمایا: لا يُعْدِي شيئٌ شيئًا: کوئی بیماری کسی کو نہیں لگتی، پس ایک بدو نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایک اونٹ جس کا حشفہ خارش زدہ ہوگیا ہے اس کو ہم باڑے میں داخل کرتے ہیں پس وہ سارے اونٹوں کو خارش لگا دیتا ہے، آپؐ نے فرمایا: فَمَنْ أَجْرَبَ الأَوَّلَ؟ پس پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی؟ یعنی اس خارش زدہ اونٹ نے تو تیرے اونٹوں کو متاثر کیا مگر اس کو خارش کہاں سے لگی؟ اسی طرح ایک سے دوسرے پر بات ٹالی جائے گی تو کوئی نہ کوئی آخری اونٹ نکلے گا، اس کے بارے میں یہی سوال ہوگا، اور کہنا ہوگا کہ اس کو اللہ کے حکم سے خارش لگی، پس یہی بات ہر جگہ کیوں نہ کہی جائے!

پھر آپؐ نے فرمایا: لاعَدْوَى: کوئی چھوت کی بیماری نہیں، یعنی ایک کی بیماری خود بخود دوسرے کو نہیں لگتی، ولَاصَفَرَ: اور ماہ صفر کو جو منحوس سمجھا جاتا ہے وہ بھی بے اصل بات ہے، اور ایک حدیث میں ہے: ولَاهَامَةَ: اور مقتول کی کھوپڑی سے پرندہ نکلنے کا تصور بھی بے اصل ہے، خَلَقَ اللّٰهُ كُلَّ شَيْئٍ فَكَتَبَ حياتَهَا، ورزقَها، ومصائِبَها: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا، پس اس کی زندگی، اس کی روزی اور اس کی مصیبتیں لکھ دیں یعنی بوقت

پیدائش ہی یہ ساری باتیں طے کردی گئی ہیں...... پس نحوست کا عقیدہ اور کھوپڑی کا پرندہ تو بے اصل باتیں ہیں کیونکہ یہ تقدیر الٰہی سے متعارض تصورات ہیں، ہاں بعض بیماریوں میں مریض کے ساتھ اختلاط منجملۂ اسباب مرض ہے، اس لئے دوسری حدیث میں ہے: فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الأَسَدِ: کوڑھی کے پاس سے ایسے بھاگو جیسے شیر کے پاس سے بھاگتے ہو، پس احتیاط اولی ہے مگر یہ سمجھنا کہ ایسے مریض کے قریب جائیں گے تو اس کی بیماری لامحالہ لگ جائے گی یہ عقیدہ تقدیر کے منافی ہے۔

لغات: العَدْوَی: چھوت چھات، مرض کا تعدیہ، یعنی بیمار سے بیماری کا تندرست آدمی کی طرف منتقل ہونا، بیماری لگنا، أعدَی فلاناً مِنْ مَرَضِه: کسی کو اپنی بیماری لگانا...... الهَامَة: زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے اعتقاد کے مطابق مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکل کر کہتا تھا: مجھے سیراب کرو، مجھے سیراب کرو، اور جب تک مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے وہ یہی کہتا رہتا تھا، اس کو الصَّدیٰ (سخت پیاس) بھی کہتے تھے۔

[۹-] بابُ ماجاء لَا عَدْوَی وَلَا هَامَةَ وَلَاصَفَرَ

[۲۱۴۳-] حدثنا بُنْدَارٌ، نَا عُبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ عُمَارَةَ بنِ الْقَعْقَاعِ، نَا أَبُوْ زُرْعَةَ بنُ عَمْرِو بنِ جَرِيْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا صَاحِبٌ لَنَا عَنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَامَ فِيْنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "لَا يُعْدِیْ شَيْئٌ شَيْئًا" فَقَالَ أَعْرَابِیٌّ: يَارسولَ اللّٰهِ! البَعِيْرُ أَجْرَبُ الحَشَفَةِ، نُدْبِنُهُ، فَيُجْرِبُ الإِبِلَ كُلَّهَا! فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "فَمَنْ أَجْرَبَ الأَوَّلَ! لَا عَدْوَی، وَلَا صَفَرَ، خَلَقَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ، فَكَتَبَ حَيَاتَهَا، وَرِزْقَهَا، وَمَصَائِبَهَا"

وفي الباب: عَنْ أَبِیْ هريرةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وأَنَسٍ.

[قال:] وَسَمِعْتُ مُحمدَ بنَ عَمْرِو بنِ صَفْوَانَ الثَّقَفِيَّ الْبَصْرِيَّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيَّ بنَ المَدِيْنِيِّ، يَقُوْلُ: لَوْ حُلِّفْتُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ: لَحَلَفْتُ أَنِّیْ لَمْ أَرَ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ مَهْدِيٍّ.

وضاحت:

۱- اعرابی کا قول ہمارے نسخوں میں اس طرح ہے: البَعِيْرُ أَجْرَبُ الحَشَفَةِ: ایک اونٹ جس کا حشفہ خارش زدہ ہوگیا۔ نُدْبِنُه: ہم اس کو باڑے میں داخل کرتے ہیں (الدِّبْن کے معنی ہیں: بکریوں کے لئے بنایا ہوا بانس کا باڑہ، یہاں مطلق باڑہ مراد ہے، اس سے فعل إِدْبَان بنایا ہے) فَيُجْرِبُ الإِبِلَ كُلَّهَا: پس وہ سارے ہی اونٹوں کو خارش لگا دیتا ہے (مگر اہل لغت نے الدِّبْن (اسم) تو لکھا ہے اور لسان العرب میں یہ بھی ہے کہ یہ فارسی لفظ ہے جو عربی میں آیا ہے، مگر اس کا فعل نہیں لکھا اور بعض نسخوں میں يُدْنِيْه ہے یعنی وہ خارش کو قریب کرتا ہے)

۲-اور یہی حدیث جامع الاصول (۱۰:۵۱۸) میں ترمذی کے حوالہ سے نقل ہوئی ہے، وہاں الفاظ یہ ہیں: فما بالُ الإبلِ يأتِيهَا البعِيرُ الأجْرَبُ الحشفَةِ بَذَنَبِهِ فيُجرِبُهَا كلّها: پس اونٹوں کا کیا حال ہے، ان میں ایک ایسا اونٹ آتا ہے جس کا حشفہ خارش زدہ ہوگیا ہے وہ اپنی دم کے ساتھ (آتا ہے) پس وہ سارے اونٹوں کو خارش لگادیتا ہے (بِذَنَبِهِ يأتيها سے متعلق ہے) اور مطلب یہ ہے کہ اس کی دم حشفہ سے لگتی ہے جس سے دم خارش زدہ ہوجاتی ہے، پھر اس سے خارش دوسرے اونٹوں کو لگتی ہے۔

۳-اور مسند احمد (۲:۳۲۷) میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: قال: يارسولَ اللهِ! إنَّ النُّقْبَةَ تكون بِمِشْفَرِ البعيرِ، أو بعَجْبِه فتَشْمَلُ الإبلَ جرَبًا: (النُّقْبَةُ: کھجلی، المِشْفَر: اونٹ کا موٹا ہونٹ، عَجْبُ الذنب: دم کی جڑ کا آخری حصہ) یعنی بیشک خارش اونٹ کے ہونٹ میں یا اس کی دم کی جڑ میں ہوتی ہے پس وہ سبھی اونٹوں کو خارش زدہ کردیتا ہے۔

۴-اور شرح السنۃ (۶:۲۶۶) میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: يارسولَ اللهِ! إنَّ النُّقْبَةَ تكونُ بِمِشْفَرِ البعيرِ، أو بِذَنَبِهِ في الإبلِ العظيمةِ فتُجْرَبُ كلُّها: بیشک خارش اونٹ کے ہونٹ میں یا اس کی دم میں ہوتی ہے وہ اونٹوں کے بڑے ریوڑ میں آتا ہے تو سبھی کو خارش لگ جاتی ہے۔

ان سبھی لفظوں کا حاصل یہ ہے کہ خارش پہلے اونٹ کے ہونٹ میں اور پیشاب کے عضو کے سرے پر لگتی ہے جس کو حشفہ کہا گیا ہے، پھر اس سے دم متاثر ہوتی ہے، پھر وہ دم جھٹکتا ہے تو وہ خارش دوسرے اونٹوں کو بھی لگ جاتی ہے۔

ترجمہ: علی بن المدینیؒ کہتے ہیں: اگر میں رکن (حجر اسود) اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم کھلایا جاؤں تو میں قسم کھاسکتا ہوں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔

بابُ ماجاءَ أنَّ الإيْمَانَ بِالْقَدَرِ: خَيْرِهِ وَشَرِّهِ

بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوتا، یہاں تک کہ تقدیر پر ایمان لائے، اس کے بھلے پر بھی اور اس کے برے پر بھی، اور یہاں تک کہ وہ یقین کرے کہ جو کچھ اس کو پہنچا ہے وہ اس کو چوک نہیں سکتا تھا، اور جو کچھ اس کو چوک گیا ہے وہ اس کو پہنچ نہیں سکتا تھا۔

تشریح: یہ حدیث اگرچہ عبداللہ بن میمون کی وجہ سے نہایت ضعیف ہے کیونکہ یہ راوی منکر الحدیث اور متروک ہے مگر حدیث کا مضمون صحیح ہے، حدیث جبرئیل میں ہے: وتُؤْمن بالقدر خيره وشرِّه (مسلم، کتاب الایمان کی پہلی حدیث)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوتا یہاں تک کہ چار باتوں کی تصدیق کرے: (۱) گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے دین حق کے ساتھ بھیجا ہے (۲) اور

موت کی تصدیق کرے (۳) اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی تصدیق کرے (۴) اور تقدیر پر ایمان لائے۔

تشریح:

ا- یہ حدیث امام شعبہ رحمہ اللہ کی ہے اور ان کے شاگرد ابوداؤد طیالسی کی سند میں ربعیؒ بن حراش اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، اور نضر بن شمیل کی سند میں مجہول آدمی کا واسطہ ہے، امام ترمذیؒ نے ابوداؤد طیالسی کی سند کو ترجیح دی ہے، اور وکیع رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ربعی نے بحالت اسلام کوئی جھوٹ نہیں بولا، اس لئے یہ روایت صحیح ہے۔

۲- پہلے ابواب القدر کی تمہید میں یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ تقدیر کے تعلق سے دو باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے:

ایک: نفس تقدیر پر، یعنی جو کچھ ہو چکا یا ہو رہا ہے یا آئندہ ابد تک ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں طے شدہ ہے، کوئی معاملہ اچھوتا نہیں اور نہ کوئی امر منتظر ہے۔

دوسری: بندوں کے تعلق سے عالم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی پلاننگ اس طرح ہے کہ کچھ اعمال واخلاق اور کچھ چیزیں بندوں کے لئے مفید ہیں اور کچھ مضر، خیرِہٖ وَشَرِّہٖ کی ضمیریں قدر کی طرف لوٹتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے تعلق سے تو ہر چیز خیر محض ہے، کوئی چیز بری نہیں، مگر بندوں کے تعلق سے بعض چیزیں بھلی ہیں، اور بعض چیزیں بری یعنی بعض چیزیں بندوں کے لئے مفید ہیں اور بعض چیزیں مضر، اور کائناتی چیزوں کی حد تک انسان اس کو مانتا بھی ہے اور برتتا بھی ہے، اپنے لئے مفید چیزیں اختیار کرتا ہے اور مضر چیزوں سے بچتا ہے، مگر جب اعمال واخلاق کا معاملہ آتا ہے تو وہ طرح طرح کی باتیں چھانٹتا ہے، حالانکہ کچھ اعمال اور کچھ اخلاق انسان کے لئے مفید ہیں جو اس کو جنت میں پہنچانے والے ہیں اور کچھ اعمال واخلاق مضر ہیں جو اس کو جہنم میں پہنچائیں گے، پس جو بندہ بھلی بری تقدیر پر ایمان رکھتا ہے، وہ ایمان اور عمل صالح کی زندگی اپناتا ہے، اور جو اس کو نہیں مانتا وہ زہر کھا کر مرتا ہے اور جہنم میں جاتا ہے۔

۳- پھر نبی ﷺ نے پہلی حدیث کے آخر میں یہ مضمون سمجھایا ہے کہ تقدیر اٹل ہے جو کچھ انسان کو پہنچنا طے ہے وہ پہنچ کر رہتا ہے اور جس کا نہ پہنچنا طے ہے وہ ہرگز نہیں پہنچ سکتا، مگر یہ تقدیر کی تعریف اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کے اعتبار سے ہے، اور بندے کے اعتبار سے تقدیر معلق ہے یعنی مسببات: اسباب سے پیدا ہوتے ہیں، پس انسان کو وہ اسباب اختیار کرنے چاہئیں جن سے خیر پیدا ہو، اور ان اسباب سے بچنا چاہئے جن سے نقصان پہنچے، مگر بہر حال ہوگا وہی جو تقدیر میں ہے۔

۴- اور دوسری حدیث میں موت پر ایمان کا تذکرہ آیا ہے، اس پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ مرنا تو ایک بدیہی حقیقت ہے اس کا تو ہر کوئی قائل ہے پھر موت پر ایمان لانے کا کیا مطلب؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ایمان لانا خالی دکھاوے کا ہوتا ہے جس پر آثار ونتائج مرتب نہیں ہوتے، اور دوسرا

ایمان لانا دل کی تھاہ سے ہوتا ہے جس پر آثار ونتائج مرتب ہوتے ہیں، اور موت کو جو لوگ مانتے ہیں مگر اس کے لئے کوئی تیاری نہیں کرتے ان کا موت پر سرسری ایمان ہے، یہ کافی نہیں، موت پر حقیقی ایمان ضروری ہے، اور یہ مؤمن کا نصیب ہے، وہ موت سے ڈر کر اگلی زندگی کی تیاری کرتا ہے، حدیث میں یہی ایمان لانا مراد ہے۔

[۱۰-] بابُ ماجاءَ أَنَّ الإِيْمَانَ بِالْقَدَرِ: خَيْرِهِ وَشَرِّهِ

[۲۱۴۴-] حدثنا أَبُوْ الْخَطَّابِ زِيَادُ بنُ يَحْيىَ البَصْرِيُّ، نا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ مَيْمُوْنٍ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ مُحمدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَايُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، وَحَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ، وَأَنَّ مَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهُ"

وفي الباب: عَنْ عُبَادَةَ، وَجَابِرٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَيْمُوْنٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ مَيْمُوْنٍ مُنْكَرُ الحَدِيْثِ.

[۲۱۴۵-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا أَبُوْ دَاوُدَ، أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بنِ حِرَاشٍ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَايُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ: يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنِّيْ رسولُ اللّٰهِ، بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ، وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ، وَيُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَيُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ"

حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا النَّضْرُ بنُ شُمَيْلٍ، عَنْ شُعْبَةَ، نَحْوَهُ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: رِبْعِيٌّ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ عَلِيٍّ؛ حديثُ أَبِيْ دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عِنْدِيْ أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ النَّضْرِ، وَهٰكَذَا رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ عَلِيٍّ.

حدثنا الجَارُوْدُ، قَالَ سَمِعْتُ وَكِيْعًا يَقُوْلُ: بَلَغَنِيْ أَنَّ رِبْعِيَّ بنَ حِرَاشٍ لَمْ يَكْذِبْ فِي الإِسْلَامِ كَذِبَةً.

بابُ ماجاءَ أَنَّ النَّفْسَ تَمُوْتُ حَيْثُ مَا كُتِبَ لَهَا

آدمی وہاں ضرور پہنچتا ہے جہاں موت مقدر ہوتی ہے

حدیث: حضرت مطر بن عکامس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لئے کسی سرزمین میں موت کا فیصلہ فرماتے ہیں تو اس کے لئے اس زمین کی طرف حاجت گردانتے ہیں۔

تشریح: عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جہاں موت مقدر ہوتی ہے آدمی وہاں جا بستا ہے، اس کے دل میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ اس جگہ میں قیام اور بود و باش خوشگوار ہے، یا کوئی تقریب (کسی کی ملاقات، ملازمت وغیرہ) باعث ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے، لیکن اگر ایسی کوئی صورت پیش نہیں آتی اور وہاں موت مقدر

ہوتی ہے تو پھر وہ صورت پیش آتی ہے جس کا اس حدیث میں تذکرہ ہے کہ ناگاہ کوئی ایسی حاجت پیش آتی ہے کہ آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے، کیونکہ اسباب کے نظام میں خلل ڈالنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، کیونکہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، اس لئے کوئی نہ کوئی سبب بن جاتا ہے اور آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے۔

یہی مضمون حضرت ابو عزّہؓ کی حدیث میں بھی ہے، مگر ان کی حدیث میں إليها حاجةً اور بها حاجةً میں راوی کو شک ہے اور مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے۔

[۱۱-] بابُ ماجاء أَنَّ النَّفْسَ تَمُوْتُ حَيْثُ مَا كُتِبَ لَهَا

[۲۱۴۶-] حدثنا بُنْدَارٌ، نَا مُؤَمَّلٌ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ مَطَرِ بنِ عُكَامِسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ أَنْ يَمُوْتَ بِأَرْضٍ، جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ عَزَّةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَلَا نَعْرِفُ لِمَطَرِ بنِ عُكَامِسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم غَيْرَ هٰذَا الحديثَ.

حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، نَا مُؤَمَّلٌ، وأَبُوْ دَاوُدَ الحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ نَحْوَهُ.

[۲۱۴۷-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، وَعَلِيُّ بنُ حُجْرٍ- الْمَعْنَى وَاحِدٌ- قَالَا: ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِي الْمَلِيْحِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ أَنْ يَمُوْتَ بِأَرْضٍ، جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً" أَوْ قَالَ: " بِهَا حَاجَةً"

هٰذَا حديثٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ عَزَّةَ: لَهُ صُحْبَةٌ، اسْمُهُ يَسَارُ بنُ عَبْدٍ، وَأَبُوْ الْمَلِيْحِ بنُ أُسَامَةَ: اسْمُهُ عَامِرُ بنُ أُسَامَةَ بنِ عُمَيْرٍ الهُذَلِيُّ.

بابُ ماجاءَ لَاتَرُدُّ الرُّقَى وَالدَّوَاءُ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَيْئًا

جھاڑ پھونک اور دوا دارو تقدیر کو ٹال نہیں سکتے

حدیث: ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، اور اس نے پوچھا: بتلایئے جو جھاڑ پھونک ہم کرتے ہیں اور جو علاج معالجہ ہم کرتے ہیں اور جو پرہیز ہم اختیار کرتے ہیں کیا یہ چیزیں اللہ کی تقدیر میں سے کچھ بھی پھیر سکتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: هِيَ مِن قَدَرِ اللّٰهِ: یہ سب چیزیں اللہ کی تقدیر میں شامل ہیں۔

تشریح:

۱- یہ حدیث پہلے بھی گذری ہے، اس کی پہلی سند میں امام زہری: ابو خزامہ کے بیٹے سے روایت کرتے ہیں، اور وہ

اپنے اباسے روایت کرتے ہیں، امام ترمذیؒ کے نزدیک یہ صحیح نہیں، کیونکہ سفیان بن عیینہ کے متعدد تلامذہ عن أبی خِزامة عن أبیه کہتے ہیں، ابن نہیں بڑھاتے، یعنی زہری یہ حدیث ابوخزامہ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ اپنے والد سے، پس صحابی ابوخزامہ نہیں بلکہ ان کے والد ہیں، امام ترمذیؒ کے نزدیک یہی صحیح ہے، کیونکہ زہری کے متعدد تلامذہ بھی اسی طرح سند بیان کرتے ہیں (الاصابہ میں ابوخزامہ کے سلسلہ میں اختلاف لکھا ہے کہ وہ صحابی ہیں یا ان کے والد صحابی ہیں؟)

۲- تقدیر کے مسئلہ میں یہ حدیث بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ تقدیر کا اللہ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تو مطلب یہ ہے کہ ہر چیز ازل سے طے ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، مگر بندوں کے اعتبار سے تقدیر میں اسباب ومسببات کا پورا سلسلہ شامل ہے، جھاڑ پھونک، علاج معالجہ اور احتیاطی تدابیر یہ سب صحت کے اسباب ہیں، اور یہ بھی تقدیر میں شامل ہیں، اسی کو میں بار بار کہتا ہوں کہ بندوں کی طرف سے تقدیر معلق ہوتی ہے اور اسی جہت سے بندوں کو امور کے ساتھ معاملہ کرنا چاہئے اور اللہ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تقدیر کے جو معنی ہیں اس پر ایمان لانا ضروری ہے، یہ صرف ایمانی بات ہے، اور عملی مرحلہ یہ ہے کہ اچھائی کے اسباب اختیار کرے تا کہ بھلائی سے ہمکنار ہو، اس کی نظیر یہ حدیث ہے کہ جنت میں کوئی اپنے عمل سے نہیں جائے گا جو بھی جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا، جبکہ قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں کہ جنت میں بندے ایمان وعمل صالح کی وجہ سے جائیں گے، یہ دونوں باتیں صحیح ہیں، اعتقاد پہلی بات کا رکھنا ہے کہ جو بھی جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا، مگر عمل دوسری بات پر کرنا ہے، کیونکہ ایمان اور عمل صالح دخول جنت کے اسباب ہیں، اور یہ دنیا دارالاسباب ہے اس لئے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے، مگر اسباب: اسباب ہوتے ہیں، ان میں تاثیر اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے، اس لئے جو بھی جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا، مگر اسباب کے سہارے جائے گا۔ اسی طرح تقدیر کے مسئلہ کو بھی سوچنا چاہئے کہ ہر چیز مقدر ہے مگر تقدیر اجمالی نہیں بلکہ اسباب بھی تقدیر میں شامل ہیں، اس لئے دارالاسباب میں اسباب اختیار کرنے ضروری ہیں، تا کہ ان سے مسببات پیدا ہوں، اس لئے سائل کا یہ سوال کہ یہ باتیں تقدیر کو پھیر سکتی ہیں؟ بے معنی ہے، کیونکہ یہ تمام چیزیں تقدیر میں شامل ہیں۔

[۱۲-] بابُ ماجاءَ لاَتَرُدُّ الرُّقَی وَالدَّوَاءُ مِنْ قَدَرِ اللهِ شَيْئًا

[۲۱۴۸-] حدثنا سَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ المَخْزُوْمِيُّ، نَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابنِ أَبِي خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى النبيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: أَرَأَيْتَ رُقًى نَسْتَرْقِيْهَا، وَدَوَاءً نَتَدَاوَى بِهِ، وَتُقَاةً نَتَّقِيْهَا، هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ شَيْئًا؟ قَالَ: "هِيَ مِنْ قَدَرِ اللهِ"

هٰذَا حديثٌ لاَنعرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الزُّهْرِيِّ، وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ،

عَنْ أَبِي خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، وَهٰذَا أَصَحُّ، هٰكَذَا قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي خِزَامَةَ، عَنْ أَبِيْهِ.

لغات: رُقًى: رقية کی جمع ہے: تعویذ منتر وغیرہ...... اسْتَرْقى فلاناً: کسی سے تعویذ لینا، دم کرنے کو کہنا...... تَدَاوَى: دواء لینا، اپنا علاج کرانا...... تُقَاة: اپنی حفاظت کرنا، بچاؤ کرنا...... اِتَّقَى الشيئَ: بچنا، احتراز کرنا، دور رہنا۔

بابُ ماجاء فی القَدَرِيَّةِ

منکرین تقدیر کا حکم

علامہ عبدالکریم شہرستانی رحمہ اللہ نے اسلامی فرقوں کے اختلاف کی چار بنیادیں بیان کی ہیں: (۱) صفاتِ الٰہی کا اثبات ونفی (۲) قدر وجبر (۳) عقائد واعمال کا ارتباط (۴) عقل ونقل کا دائرہ کار۔

پہلا اختلاف: اس طرح پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں نصوص میں جو اس قسم کے الفاظ آئے ہیں جو جسمانیات کے لئے مخصوص ہیں، مثلاً: عرش پر متمکن ہونا، چہرہ، ہاتھ اور انگلیاں ہونا اور قیامت کے دن فرشتوں کے جھرمٹ میں آنا وغیرہ وغیرہ، ان کے حقیقی معنی لئے جائیں یا مجازی؟ کچھ لوگوں نے حقیقی معنی مراد لئے، پھر جب ان میں غلو پیدا ہوا تو ان میں سے مُجَسِّمَة اور مُشَبِّهَة نکل آئے جو اللہ تعالیٰ کے لئے انسانوں جیسے ہاتھ پاؤں ماننے لگے، اور دوسروں نے ان کے مجازی معنی لئے، اور حقیقی معنی کا سرے سے انکار کردیا، اس کے قائل معتزلہ ہوئے جن کا دوسرا نام منکرین صفات ہے، وہ کہتے ہیں: اگر ہم اللہ تعالیٰ کے لئے صفات مانیں اور ان کو قدیم مانیں تو تعدد قدماء اور تعدد آلہہ لازم آئے گا، اور اگر صفات کو حادث کہیں تو خدا کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا جو خدا کے حدوث کو مستلزم ہوگا، اس لئے معتزلہ نے یہ راہ اختیار کی کہ خدا کے لئے علحدہ صفات نہیں، بلکہ ان کی ذات ہی سے وہ تمام نتائج حاصل ہوتے ہیں جو ہم کو صفات سے حاصل ہوتے ہیں۔

اور اہل السنہ والجماعہ نے تنزیہ مع التفویض کا طریقہ اختیار کیا، انھوں نے اللہ کے لئے ان تمام صفات کو ثابت کیا مگر ان کی حقیقت کے ادراک سے خود کو قاصر سمجھا، اللہ کے ہاتھ، پاؤں اور انگلیاں ہیں اور وہ عرش پر متمکن بھی ہیں مگر ان کی حقیقتیں ہم نہیں جانتے، صرف ان صفات کے آثار ونتائج ہم سمجھ سکتے ہیں اور یہی اسلم راستہ ہے۔

دوسرا اختلاف: اس میں ہوا کہ انسان کے افعالِ اختیاریہ کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں یا بندہ؟ بعض نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز ہمارے بس کی نہیں، یہاں تک کہ ہمارا ارادہ اور خواہش بھی اختیاری نہیں، لیکن یہ بات ماننے کی صورت میں ہم اپنے افعال میں مجبور محض ہوجاتے ہیں اور تکلیف اور ثواب وعقاب کی بنیاد اکھڑ جاتی ہے، اور قرآن مجید میں دونوں قسم کی آیتیں ہیں بعض میں صاف صراحت ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کراتا ہے ﴿قُلْ: كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللهِ﴾ اور بعض آیات میں یہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے: ﴿مَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ

نَفْسِكَ﴾ چنانچہ مسلمانوں میں مختلف رائیں قائم ہوگئیں۔

۱- جولوگ زیادہ آزاد تھے انھوں نے خودکو مجبورِ محض مان لیا، اور وہ جبر یہ کہلائے۔

۲- اور معتزلہ نے یہ رائے قائم کی کہ انسان اپنے افعال میں مختارِ کل ہے اور کوئی بات پہلے سے طے شدہ نہیں اور بندہ اپنے اختیار سے کوئی کام کرتا ہے تب وہ بات اللہ کے علم میں آتی ہے، توبہ! البتہ یہ اختیار اس کو خدا نے دیا ہے اس لئے خدا کے کامل اختیار میں فرق نہیں آتا۔

۳- اور اہل السنہ والجماعہ کی رائے یہ ہے کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ نے جزوی اختیار دیا ہے اور وہ کسب وارادہ کا اختیار ہے، پھر بندوں کے افعال کا خلق اللہ تعالیٰ کرتے ہیں اور یہ جزوی اختیار تکلیف اور ثواب وعقاب کی بنیاد ہے۔

تیسرا اختلاف: اس میں ہوا ہے کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال داخل ہیں یا نہیں؟ حدیثوں میں حیاء وغیرہ کے بارے میں آتا ہے کہ: إنَّه من الإيمان: چنانچہ محدثین نے ایمان کی حقیقت میں اعمال کو بھی داخل مانا، اور انھوں نے ایمان کی حقیقت تین چیزوں کا مجموعہ قرار دیا: تصدیقِ قلبی، اقرارِ لسانی اور اعمالِ صالحہ۔

دوسری طرف کچھ لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے اعتقاد وعمل میں تفریق کی اور ایمان صرف تصدیق کا نام رکھا اور اقرار واعمال کو کوئی حیثیت نہ دی، اور انھوں نے کہا کہ تصدیق کے ساتھ کوئی عمل صالح مفید نہیں، اور کوئی عمل غیر صالح مضر نہیں، یہ لوگ مرجئہ کہلائے، اِرجاءؑ کے معنی ہیں: مؤخر کرنا، یعنی انھوں نے اعمال کو ایمان سے پیچھے ہٹا دیا۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اعمال کو ایمانِ حقیقی کا جز تو نہیں مانا مگر ایمانِ کامل میں ان کا دخل تسلیم کیا، وہ فرماتے ہیں: آخرت میں فیصلہ صرف تصدیق قلبی پر ہوگا، اور دنیا میں احکام اسلام جاری کرنے کے لئے تصدیق کے ساتھ اقرار لسانی بھی ضروری ہے، اور اعمال ایمانِ کامل کا جز ہیں، یعنی نیک اعمال سے ایمان کی بہجت بڑھتی ہے اور بداعمالیوں سے ایمان کی رونق گھٹتی ہے، یہی رائے صحیح ہے، مگر بعض لوگوں نے امام اعظمؒ کے سر بھی ارجاء کا الزام دھر دیا اور ان کا نام بھی مرجئہ میں لکھ دیا۔

چوتھا اختلاف: اس میں ہوا کہ عقل ونقل کی حدود کیا ہیں؟ دونوں کا درجہ مساوی ہے یا ان میں سے کسی ایک کو ترجیح حاصل ہے؟ معتزلہ عقل کو ترجیح دیتے ہیں، اور اشاعرہ اور ماتریدیہ نقل کو ترجیح دیتے ہیں، چنانچہ متعدد مسائل میں ان میں اختلاف ہوا، مثلاً: اللہ تعالیٰ محالات کا حکم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ پر عدل وانصاف واجب ہے یا نہیں؟ اور چیزیں فی نفسہ اچھی بری ہیں یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ (ماخوذ از علم الکلام شبلیؒ)

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت کی دو قسموں کے لئے اسلام میں کوئی حصہ نہیں: ایک: مرجئہ، دوسرے قدریہ۔

تشریح: مرجئہ وہ لوگ ہیں جو اعمال کو ایمان سے مؤخر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام

ہے اور اس کے ساتھ نہ اچھا عمل مفید ہے نہ برا عمل مضر، اور قدر یہ تقدیر کے قائل نہیں وہ بندوں کو افعال اختیار یہ کا خالق مانتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ازل سے واقعات کا علم بھی نہیں مانتے: ان دونوں فرقوں کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں، اور ظاہر ہے کہ جب کوئی حصہ نہیں تو وہ مسلمان کہاں رہے؟ الا یہ کہ حدیث کو وعید مانا جائے۔

[١٣-] بابُ ماجاء فی القَدَرِيَّةِ

[٢١٤٩-] حدثنا وَاصِلُ بنُ عَبْدِ الأَعْلَى، نَا مُحمدُ بنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ حَبِيْبٍ، وَعَلِيِّ بنِ نِزَارٍ، عَنْ نِزَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِيْ لَيْسَ لَهُمَا فِي الإِسْلَامِ نَصِيْبٌ: الْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ"

وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وابنِ عُمَرَ، وَرَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

حدثنا مُحمدُ بنُ رَافِعٍ، نَا مُحمدُ بنُ بِشْرٍ، ثَنَا سَلَّامُ بنُ أَبِيْ عَمْرَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

قَالَ مُحمدُ بنُ رَافِعٍ: وَنَا مُحمدُ بنُ بِشْرٍ، نَا عَلِيُّ بنُ نِزَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

وضاحت: اس حدیث کی تین سندیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے پیش کی ہیں: پہلی سند میں علی بن نزار اسدی کوفی اپنے والد نزار بن حیان اسدی سے روایت کرتا ہے اور یہ دونوں راوی ضعیف ہیں، اور دوسری سند میں محمد بن بشر: سلام بن ابی عمرۃ سے روایت کرتا ہے، یہ سلام: ابو علی خراسانی ہے اور یہ بھی ضعیف راوی ہے، ترمذی میں اس کی یہی ایک حدیث ہے، تہذیب التہذیب میں ہے کہ وہ ثقہ رواۃ سے الٹ پلٹ روایتیں بیان کرتا ہے، چنانچہ اس کی حدیثیں قابل اعتبار نہیں، اور تیسری سند میں محمد بن بشر: علی بن نزار سے روایت کرتا ہے اور وہ عکرمہ سے، اس سند میں علی کے باپ نزار بن حیان کا واسطہ نہیں، مگر یہ علی خود ضعیف ہے، اس لئے اس حدیث کی تمام سندیں صحیح نہیں، پس اس حدیث کی بنیاد پر ان فرقوں کو کافر نہیں قرار دیا جاسکتا۔

بابٌ

انسان ننانوے اسباب موت میں گھرا ہوا ہے

حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان متمثل ہوا ہے یعنی نفس الامر میں پیدا کیا گیا ہے درانحالیکہ ننانوے (اسباب) موت اس کے پہلو کی طرف متوجہ ہیں، اگر چوک جاتے ہیں اس سے یعنی بچ جاتا ہے وہ سارے ہی اسباب موت

سے تو جا پڑتا ہے وہ بڑھاپے میں، یہاں تک کہ مرجاتا ہے یعنی اس سبب موت سے مفر نہیں۔

تشریح: موت کے یہی اسباب تقدیر الٰہی ہیں اور انسان اپنے اختیار سے یا بے احتیاطی سے ان اسباب کا ارتکاب کرتا ہے، یا ان سے بچ جاتا ہے، لیکن آخری سبب یعنی بڑھاپے سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

مُثِّل: مَثَّل الشییء کا مجہول ہے اس کے معنی ہیں: کسی چیز کی اس طرح وضاحت کرنا جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہے، یہاں مراد انسان کا نفس الامر میں پیدا کیا جانا ہے...... وجودشی کے تین ظرف ہیں: خارج، ذہن اور نفس الامر، جب کوئی چیز خارج میں موجود ہوتی ہے تو اس کی طرف اشارہ حسیہ کیا جاسکتا ہے، اور جو چیز ذہن میں موجود ہوتی ہے وہ اعتبار معتبر کے تابع ہوتی ہیں، اگر کوئی فرض کرے تو وہ ذہن میں ہوتی ہے ورنہ نہیں، اور نفس الامر: خارج اور ذہن سے عام ہے، نفس الامر میں جو چیز ہوتی ہے اس کی طرف اشارہ حسیہ نہیں کیا جاسکتا اور وہ اعتبار معتبر کے تابع بھی نہیں ہوتی، بلکہ اس کا وجود حقیقی ہوتا ہے، اس حدیث میں انسان کے اسی مرتبہ میں وجود کا تذکرہ ہے، اور المَنِیَّۃُ: کے معنی ہیں: موت، مگر مراد اسبابِ موت ہیں۔

[۱۴-] بابٌ

[۲۱۵۰-] حدثنا أَبُوْ هُرَيْرَةَ مُحمدُ بنُ فِرَاسٍ الْبَصْرِيُّ، نَا أَبُوْ قُتَيْبَةَ سَلْمُ بنُ قُتَيْبَةَ، نَا أَبُوْ العَوَّامِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ مُطَرِّفِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الشِّخِّيْرِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "مُثِّلَ ابنُ آدَمَ، وَإِلَى جَنْبِهِ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ مَنِيَّةً، إِنْ أَخْطَأَتْهُ الْمَنَايَا وَقَعَ فِيْ الهَرَمِ، حَتّٰى يَمُوْتَ".

هٰذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وأَبُوْ العَوَّامِ: هُوَ عِمْرَانُ الْقَطَّانُ.

وضاحت: اس حدیث کا راوی عمران بن دَاوَر ابو العوام القطان صدوقٌ یَھِمُ ہے، یعنی ٹھیک ہے مگر حدیثوں میں غلطیاں کرتا ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کی صرف تحسین کی ہے۔

بابُ ماجاء فی الرِّضَاءِ بِالْقَضَاءِ

فیصلۂ خداوندی پر راضی رہنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: انسان کی نیک بختی میں سے اس کا خوش رہنا ہے اس بات پر جو اللہ نے اس کے لئے مقدر کی ہے، اور انسان کی بدبختی میں سے اس کا اللہ سے خیر طلبی کو چھوڑنا ہے، اور انسان کی بدبختی میں سے اس کا ناراض ہونا ہے اس بات سے جو اللہ نے اس کے لئے مقدر کی ہے۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی محمد بن ابی حمید جس کو حماد بن ابی حمید بھی کہا جاتا ہے اور وہی ابو

ابراہیم مدینی بھی ہے، یہ راوی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

اور اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ انسان کو اسباب اختیار کرنے چاہئیں، بھلائی سے ہمکنار ہونے کی سعی کرنی چاہئے، اور برے احوال سے بچنے کی امکانی کوشش کرنی چاہئے، پھر جو کچھ قضا وقدر سے پیش آئے اس پر خوش رہنا چاہئے، یہی انسان کی نیک بختی ہے یعنی اس کے لئے مفید ہے اور دو باتیں انسان کی بدبختی میں سے ہیں: ایک: اہم کام میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ نہ کرنا، دوم: قضاء وقدر سے جو کچھ پیش آئے اس پر چیں بہ جبیں ہونا، کیونکہ انسان کی یہ ناراضگی قضاء وقدر کو ٹال نہیں سکتی، البتہ وہ اپنے لئے پریشانی کھڑی کر لیتا ہے۔

[۱۵-] باب ماجاء في الرِّضَاءِ بِالْقَضَاءِ

[۲۱۵۱-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا أَبُوْ عَامِرٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ أَبِيْ حُمَيْدٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ مُحمدِ بنِ سَعْدِ بنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مِنْ سَعَادَةِ ابنِ آدمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ، وَمِنْ شَقَاوَةِ ابنِ آدمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللّٰهِ، وَمِنْ شَقَاوَةِ ابنِ آدمَ سُخْطُهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحمدِ بنِ أَبِيْ حُمَيْدٍ، وَيُقَالُ لَهُ أَيْضًا: حَمَّادُ بنُ أَبِيْ حُمَيْدٍ، وَهُوَ أَبُوْ إِبْرَاهِيْمَ المَدِيْنِيُّ، وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ أَهْلِ الحديثِ.

بابٌ

تقدیر کا انکار گمراہی ہے

حدیث (۱): نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا، اس نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے، ابن عمرؓ نے فرمایا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس نے بدعت ایجاد کی ہے یعنی غلط عقیدہ اختیار کیا ہے، پس اگر اس نے بدعت ایجاد کی ہے تو میرا سلام اس سے مت کہنا، میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے: اس امت میں یا فرمایا میری امت میں زمین میں دھنسنا یا شکل بگڑنا یا پتھر برسایا جانا ہوگا تقدیر کا انکار کرنے والوں میں۔

تشریح: وہ شخص جس نے سلام بھیجا تھا وہ بصرہ کا باشندہ تھا اور منکرین تقدیر میں سے تھا، یہ فرقہ سب سے پہلے بصرہ میں وجود میں آیا تھا، اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے اس کا سلام قبول نہیں کیا، سلام قبول کرتے تو جواب دیتے، پس اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ گمراہ فرقوں کے ساتھ سلام دعا کا رابطہ نہیں ہونا چاہئے۔

اور حدیث میں جو في هذه الأمة یا في أمتي میں شک ہے وہ اللہ جانے کس کو ہے، ابن عمرؓ کو ہے، نافع کو ہے

یا نیچے کے کسی راوی کو ہے، یہ متعین نہیں، اور خَسْفٌ أَوْ مَسْخٌ أَوْ قَذْفٌ میں جو أَوْ ہے وہ تنویع کا ہے، یعنی منکرین تقدیر پر ان میں سے کوئی بھی عذاب آسکتا ہے، اور فی أهل القدر : فی هذه الأمة سے بدل بعض ہے حرف جر کے اعادہ کے ساتھ۔

حدیث (۲): عبدالواحد بن سُلیم کہتے ہیں: میں مکہ مکرمہ پہنچا، وہاں میری ملاقات حضرت عطاء بن ابی رباح سے ہوئی، میں نے ان سے عرض کیا: اے ابومحمد! بصرہ والے تقدیر میں گفتگو کرتے ہیں، یعنی وہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں، حضرت عطاءؒ نے فرمایا: میرے بچے! تو نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: سورۃ الزخرف پڑھ، عبدالواحد کہتے ہیں: پس میں نے پڑھا: ''حم، قسم ہے اس واضح کتاب کی، بیشک ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے، تاکہ (اے عربو) تم (آسانی سے) سمجھ لو، اور وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے'' حضرت عطاءؒ نے پوچھا: جانتا ہے: ام الکتاب یعنی لوح محفوظ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، حضرت عطاء نے فرمایا: ام الکتاب ایک نوشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کرنے سے پہلے اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے لکھ لیا ہے، اس میں یہ ہے کہ فرعون دوزخی ہے، اور اس میں: ''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو'' ہے یعنی ابولہب کا انجام بھی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے (پس بصرہ والوں کا تقدیر کا انکار کرنا اس آیت کے خلاف ہے اس لئے وہ گمراہ ہیں)

پھر حضرت عطاء نے بیان کیا: پس میری ملاقات حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ولیدؒ سے ہوئی، یہ بھی صحابی ہیں، نبی ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں، پس میں نے ان سے پوچھا: آپ کے ابا نے موت کے وقت کیا وصیت کی تھی؟ ولیدؒ نے کہا: مجھے بلایا اور کہا: اے میرے پیارے بچے! اللہ سے ڈر، اور جان لے کہ تو ہرگز اللہ سے نہیں ڈر سکتا جب تک کہ تو اللہ پر ایمان نہ لائے، اور ساری تقدیر پر ایمان نہ لائے، اس کے بھلے پر بھی اور اس کے برے پر بھی، پس اگر تو مر گیا اس کے علاوہ عقیدہ پر تو دوزخ میں جائے گا، پس بیشک میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، پس فرمایا: لکھ! اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ اللہ نے فرمایا: تقدیر لکھ، جو ہو چکا وہ بھی لکھ اور جو تا ابد ہونے والا ہے وہ بھی لکھ۔

تشریح: اس حدیث کا راوی عبدالواحد بن سلیم بصری ضعیف راوی ہے، اس لئے یہ حدیث ضعیف ہے، اور اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جو تقدیر کا منکر ہے وہ جہنم میں جائے گا، رہی یہ بات کہ یہ گمراہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یا کسی وقت نکالے جائیں گے؟ تو اس کا مدار اس پر ہے کہ اگر وہ چھوٹے دائرے سے نکل گئے ہیں تو کبھی نہ کبھی جنت میں آئیں گے، اور اگر وہ بڑے سرکل سے نکل چکے ہیں جیسے قادیانی تو ان کے جنت میں آنے کا کوئی امکان نہیں، اور ان دائروں اور سرکلوں کی تفصیل پہلے (تحفہ ۳: ۲۰۱ کتاب الحج باب ۲ میں) گذر چکی ہے۔

اورحدیث کے آخر میں جوما کان اورماھو کائنٌ آیا ہے اس سے مراد یا تو ارشادنبوی کے وقت سے ماکان اور مایکون ہے، یا قلم کی پیدائش سے سابق ولاحق مراد ہیں، کیونکہ قلم سے پہلے بھی بعض مخلوقات پیدا ہو چکی تھیں۔

[١٦-] بابٌ

[٢١٥٢-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا أَبُوْ عَاصِمٍ، نَا حَيْوَةُ بنُ شُرَيْحٍ، أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ صَخْرٍ، ثَنِيْ نَافِعٌ: أَنَّ ابنَ عُمَرَ جَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: إِنَّ فُلَانًا يُقْرِأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ، فَقَالَ: إِنَّهُ بَلَغَنِيْ أَنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ، فَإِنْ كَانَ قَدْ أَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ، فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوْ: فِيْ أُمَّتِيْ - الشَّكُّ مِنْهُ - خَسْفٌ، أَوْ مَسْخٌ، أَوْ قَذْفٌ فِيْ أَهْلِ الْقَدْرِ".

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، وأَبُوْ صَخْرٍ: اسْمُهُ حُمَيْدُ بنُ زِيَادٍ.

[٢١٥٣-] حدثنا يَحْيَى بنُ مُوْسَى، نَا أَبُوْ دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بنُ سُلَيْمٍ، قَالَ: قَدِمْتُ مَكَّةَ، فَلَقِيْتُ عَطَاءَ بنَ أَبِيْ رَبَاحٍ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا مُحمدٍ! إِنَّ أَهْلَ الْبَصْرَةِ يَقُوْلُوْنَ فِيْ الْقَدَرِ، قَالَ: يَابُنَيَّ! أَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَاقْرَأِ الزُّخْرُفَ، قَالَ: فَقَرَأْتُ: ﴿حٰمٓ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ، إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ، وَإِنَّهُ فِيْ أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ قَالَ: أَتَدْرِيْ مَا أُمُّ الْكِتَابِ؟ قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَإِنَّهُ كِتَابٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاءَ، وَقَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْأَرْضَ، فِيْهِ أَنَّ فِرْعَوْنَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَفِيْهِ: ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ﴾.

قَالَ عَطَاءٌ: فَلَقِيْتُ الْوَلِيْدَ بنَ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ صَاحِبَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَسَأَلْتُهُ: مَا كَانَتْ وَصِيَّةُ أَبِيْكَ عِنْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ دَعَانِيْ، فَقَالَ: يَابُنَيَّ اتَّقِ اللّٰهَ، وَاعْلَمْ أَنَّكَ لَنْ تَتَّقِيَ اللّٰهَ حَتَّى تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ كُلِّهِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، فَإِنْ مُتَّ عَلَى غَيْرِ هٰذَا دَخَلْتَ النَّارَ، إِنِّيْ سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ، فَقَالَ: اكْتُبْ، قَالَ: مَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبِ الْقَدَرَ مَاكَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ" هٰذَا حديثٌ غريبٌ.

تقدیر الٰہی کا دوسرا مظہر

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تقدیریں طے فرمادی ہیں آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بڑی تفصیل سے یہ مضمون سمجھایا ہے کہ تقدیر الٰہی پانچ مراحل میں ظاہر ہوتی ہے، جیسے حویلی بنانے والا پہلے انجینئر سے نقشہ بنواتا ہے، انجینئر پہلے ذہن میں

خاکہ بناتا ہے پھر اس ذہنی خاکہ کے مطابق کاغذ پر نقشہ بناتا ہے، پھر معمار اس نقشہ کے مطابق موقع پر محل تیار کرتا ہے اسی طرح بلاتشبیہ تقدیر الٰہی کے پانچ مختلف مراحل ومظاہر ہیں، پہلی مرتبہ: اللہ کے علم ازلی میں تمام چیزوں کے اندازے ٹھہرائے گئے، پھر دوسری مرتبہ: تخلیق ارض وسماء سے پچاس ہزار سال پہلے عرش کی قوت خیالیہ میں سب چیزیں موجود ہوئیں، پھر تیسری مرتبہ: تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد جب عہد الست لیا گیا اس وقت تقدیر کا تحقق ہوا، پھر چوتھی مرتبہ: شکم مادر میں جب روح پڑنے کا وقت آتا ہے تو تقدیر کا یک گونہ تحقق ہوتا ہے، پھر پانچویں: مرتبہ دنیا میں واقعہ رونما ہونے سے ذرا پہلے تقدیر پائی جاتی ہے، تقدیر کے یہ مراحل انسانوں کے احوال کے اعتبار سے ہیں، دیگر مخلوقات کا حال اس سے مختلف ہوسکتا ہے، تفصیل حجۃ اللہ البالغہ میں ہے (دیکھیں: رحمۃ اللہ الواسعہ ۱: ۶۶۸-۶۷۶)

[٢١٥٤-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْمُنْذِرِ الصَّغَّانِيُّ، نا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ يَزِيْدَ الْمُقْرِئُ، نا حَيْوَةُ بنُ شُرَيْحٍ، ثَنِيْ أَبُوْ هَانِئٍ الخَوْلَانِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا عَبْدِ الرحمنِ الحُبُلِيَّ، يَقُوْلُ: " قَدَّرَ اللّٰهُ الْمَقَادِيْرَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِيْنَ بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ " هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

تقدیر الٰہی کا قرآن سے ثبوت

حدیث (۴): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مشرکین قریش نبی ﷺ کے پاس آئے، اور انھوں نے تقدیر میں بحث شروع کی تو سورۃ القمر کی یہ آیات نازل ہوئیں: ''جس روز یہ لوگ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کی آگ کا مزہ چکھو، ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے'' یہی تقدیر الٰہی ہے، اس آخری آیت میں مشرکین قریش سے کہا گیا کہ تمہارا دوزخ میں جانا طے ہے، مگر اس کا ایک وقت مقرر ہے: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز اندازے سے بنائی ہے، پس وہ وقت آنے دو، پھر دوزخ کا مزہ چکھو!

[٢١٥٥-] حدثنا مُحمدُ بنُ العَلَاءِ، وَمُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، قَالَا: نا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ زِيَادِ بنِ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ مُحمدِ بنِ عَبَّادِ بنِ جَعْفَرٍ المَخْزُوْمِيِّ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ قَالَ: جَاءَ مُشْرِكُوْ قُرَيْشٍ إِلَى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، يُخَاصِمُوْنَ فِيْ الْقَدَرِ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ: ﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِيْ النَّارِ عَلَى وُجُوْهِهِمْ: ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرٍ، إِنَّا كُلَّ شَيْئٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أبو ابُ الْفِتَنِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

آزمائشوں کا بیان

فتنہ: کا مادہ فَتْنٌ ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: سونے کو آگ میں تپا کر کھرا کھوٹا معلوم کرنا۔ أصلُ الفَتْن: إدخالُ الذهبِ النَّارَ، لِتَظْهَرَ جَوْدَتُه مِنْ رَدَاءَ تِه (راغب) پھر فتنہ کے معنی آزمائش کے ہوگئے، اور آزمائش میں چونکہ تکلیف دی جاتی ہے اس لئے ایذاء رسانی اور اس کی مختلف شکلوں کے لئے اور آزمائش میں جو کھوٹا ثابت ہو اس کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے ان سب کے لئے قرآن وحدیث میں لفظ فتنہ اور اس کے مشتقات استعمال کئے گئے ہیں، پس فتنہ کے معنی ہیں: آزمائش، آفت، دنگا فساد، ہنگامہ، دکھ دینا، اور تختۂ مشق بنانا وغیرہ۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے، یہاں انسان ہر گھڑی میدان امتحان میں کھڑا ہے، ایمان وکفر تو بڑے امتحانات ہیں مگر مؤمن کا بھی مختلف شکلوں میں امتحان ہوتا ہے، حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ ہر امت کی آزمائش کرتے ہیں اور میری امت کی آزمائش مال سے کریں گے'' (مشکوۃ حدیث ۵۱۹۴) پس اگر مؤمن اس آزمائش میں کامیاب ہوجائے تو زہے نصیب! ورنہ اس کا خمیازہ دنیا وآخرت میں بھگتنا پڑے گا۔

فتنوں کی قسمیں: فتنے چھ قسم کے ہیں:

پہلی قسم: — آدمی کے اندر کا فتنہ — اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے احوال بگڑ جائیں، اس کا دل سخت ہوجائے، اور اس کو عبادت میں حلاوت اور مناجات میں لذت محسوس نہ ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کے جسم میں فہم کے اعتبار سے تین باریک (خفی) چیزیں ہیں: قلب، عقل اور نفس دل: سے غصہ، بہادری، حیا، محبت، خوف، انقباض وانبساط جیسے احوال کا تعلق ہے...... اور عقل کا دائرۂ کار وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں پہنچ کر حواس خمسہ ظاہرہ کا کام ختم ہوجاتا ہے، اور عقل: بدیہی اور نظری دونوں قسم کے علوم کا ادراک کرتی ہے، جیسے تجربہ اور حدس وغیرہ کے ذریعہ جو بدیہی باتیں جانی جاتی ہیں وہ عقل کا کام ہے، اسی طرح برہان

وخطابیات وغیرہ کے ذریعہ جونظری علوم حاصل کئے جاتے ہیں: وہ بھی عقل کا فعل ہے......اور نفس خواہش کرتا ہے یعنی انسان کی بقاء کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں جیسے کھانا، پینا، سونا اور صحبت کرنا: ان کی نفس خواہش کرتا ہے۔

قلب کے برے احوال:

۱- جب قلب پر بہیمی خصلتیں قبضہ جمالیتی ہیں، اور اس کی دلچسپیاں جانوروں جیسی ہوجاتی ہیں تو وہ قلب بہیمی کہلاتا ہے (یہ ادنی درجہ ہے)

۲- اور جب خواب یا بیداری میں قلب شیطان کے وسوسے قبول کرتا ہے تو وہ قلب: قلب شیطانی ہوجاتا ہے، سورۃ الانعام آیت ۱۱۲ میں ایسے لوگوں کو شیاطین الانس (انسان نما شیطان) کہا گیا ہے (یہ فساد قلب کا اعلی درجہ ہے)

قلب کے اچھے احوال:

۱- جب قلب پر ملکی خصلتیں قبضہ جمالیتی ہیں تو وہ قلب: قلب انسانی کہلاتا ہے، اور اس وقت خوف اور محبت وغیرہ جذبات ان برحق اعتقادات کی طرف مائل ہوجاتے ہیں جن کو آدمی نے محنت سے حاصل کیا ہے (یہ صلاح کا ادنی درجہ ہے)

۲- اور جب دل کی صفائی اور نور قوی ہوجاتا ہے تو صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو "روح" کہتے ہیں، اب اس دل میں انبساط ہی انبساط ہوتا ہے، انقباض کا نام ونشان نہیں رہتا، اور الفت ومحبت ہی رہ جاتی ہے، قلق وبے چینی کا نام ونشان مٹ جاتا ہے، اس دل کے احوال کو صوفیا "انفاس" کہتے ہیں، جب قلب اس حال میں پہنچ جاتا ہے تو ملکی خصوصیات عادتِ ثانیہ بن جاتی ہیں، اور وہ اکتسابی نہیں رہتیں (یہ صلاح کا اعلی درجہ ہے)

عقل کے برے احوال:

۱- جب عقل پر بہیمی خصلتیں غالب آجاتی ہیں تو عقل مکار ہوجاتی ہے، اور آدمی کو ایسے خیالات آنے لگتے ہیں جو فطری تقاضوں کی طرف مائل ہوتے ہیں، جیسے جماع کے خیالات آتے ہیں، اگر شہوت کی فراوانی ہوتی ہے، اور کھانوں کے خیالات آتے ہیں اگر وہ بھوکا ہوتا ہے (یہ فساد عقل کا ادنی درجہ ہے)

۲- اور اگر عقل پر شیطان کی وحی قبضہ جمالیتی ہے تو آدمی کو بہترین نظام کی شکست وریخت کے خیالات آتے ہیں، معتقدات حقہ میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں، اور ایسی مکروہ ومنکر ہیئتوں کی طرف اس کا میلان ہوجاتا ہے جن سے نفوس سلیمہ نفرت کرتے ہیں (یہ فساد عقل کا اعلی درجہ ہے)

عقل کے اچھے احوال:

۱- جب عقل پر کسی درجہ میں ملکی خصلتیں قبضہ جمالیتی ہیں تو وہ بدیہی یا نظری، ارتفاقی اور احسانی علوم کی تصدیق

کرنے لگتی ہے، جن کی تصدیق ضروری ہے (یہ ادنی درجہ ہے)

۲- اور جب عقل کی صفائی اور نور قوی ہوجاتا ہے تو اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں ''سرّ'' کہتے ہیں جس کا کام ایسے علوم کو قبول کرنا ہے جن کا خواب میں یا ذہانت، کشف اور غیبی آواز وغیرہ کے ذریعہ عالم غیب سے فیضان کیا جاتا ہے (یہ درمیانی درجہ ہے)

۳- اور جب عقل ایسی مجرد ذات کی طرف مائل ہوتی ہے جو زمان ومکان کی قید سے آزاد ہے تو صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو ''عقل خفی'' کہتے ہیں (اور یہ عقل کی ترقی کا اعلی درجہ ہے، اس سے اوپر کوئی درجہ نہیں)

نفس کے تین احوال:

۱- جب نفس بہیمی خصلتوں کی طرف اترتا ہے تو وہ نفس امارہ کہلاتا ہے (یہ برا نفس ہے)

۲- اور جب نفس: ملکیت وبہیمیت کے درمیان متردد ہوتا ہے، کبھی ملکیت کی طرف جھکتا ہے، کبھی بہیمیت کی طرف، تو وہ نفس لوّامہ کہلاتا ہے (یہ بین بین حالت ہے اور غنیمت ہے)

۳- اور جب نفس: شریعت کے احکام کا پابند ہوجاتا ہے، اور کبھی اس کے خلاف اقدام نہیں کرتا، ہمیشہ اس کے موافق ہی عمل کرتا ہے تو وہ نفس مطمئنہ کہلاتا ہے (یہ عمدہ نفس ہے)

غرض: قلب عقل اور نفس کے خارجی اثرات کی وجہ سے جو برے احوال ہیں وہ آدمی کے اندرونی فتنے ہیں، جن سے اپنی حفاظت ضروری ہے، اور قرآن وحدیث میں عام طور پر اسی فتنے کا تذکرہ کیا گیا ہے، سورۃ الانبیاء آیت ۳۵ میں ہے: ﴿وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ ترجمہ: اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو یعنی سختی، نرمی، تندرستی، بیماری، تنگی، فراخی، عیش، مصیبت وغیرہ احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے، تاکہ کھرا کھوٹا الگ ہوجائے، اور علانیہ ظاہر ہوجائے کہ کُندن کون ہے اور خزف کون؟!

دوسری قسم: — گھر میں فتنہ — اور وہ نظام خانہ داری کا بگاڑ ہے، حدیث میں ہے: ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، یعنی دربار لگاتا ہے، پھر وہ لشکر کی ٹکڑیاں بھیجتا ہے، ان میں سے اس کے نزدیک مرتبہ میں قریب تر وہ ہوتا ہے جو ان میں سے سب سے بڑا فتنہ بپا کرے: ان میں سے ایک آتا ہے، اور کہتا ہے: میں نے یہ کیا وہ کیا، شیطان کہتا ہے: تو نے کچھ نہیں کیا! پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے: میں ایک شخص کے پیچھے لگا رہا، یہاں تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کرادی! شیطان اس کو قریب کرتا ہے، اور کہتا ہے: پٹھے! تو نے بڑا اچھا کام کیا! (مسلم ۱۷: ۱۰۷ مصری)

تیسری قسم: — وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے — اور وہ نظام مملکت کا بگاڑ ہے، اور لوگوں کا ناحق حکومت کی آز کرنا ہے، حدیث میں ہے: ''شیطان اس سے تو مایوس ہوگیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں نمازی بندے

اس کی پرستش کریں، البتہ وہ ان کو آپس میں لڑانے میں لگا ہوا ہے (مسلم ۱۵۶:۱۷ مصری)

چوتھی قسم: — ملی فتنہ — اور وہ یہ ہے کہ مخصوص صحابہ وفات پا جائیں اور دین کا معاملہ نا اہلوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے، پس اولیاء اور علماء: دین میں غلو کریں اور بادشاہ اور عوام: دین میں سستی برتیں، نہ اچھے کاموں کا حکم دیں، نہ برے کاموں سے روکیں، پس زمانہ: زمانۂ جاہلیت ہو کر رہ جائے، حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی بھی امت میں جو نبی مبعوث کیا ہے اس کے لئے اس کی امت میں سے مخصوص حضرات اور ساتھی ہوتے تھے جو اس کی سنت پر عمل پیرا ہوتے تھے اور اس کے دین کی پیروی کرتے تھے، پھر ان کے جانشین ایسے ناخلف ہو گئے جو وہ باتیں کہتے تھے جو کرتے نہیں تھے اور وہ کام کرتے تھے جن کا وہ حکم نہیں دیئے گئے تھے۔ پس جو شخص ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، اور جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں'' (رواہ مسلم، مشکوٰۃ حدیث ۱۵۷ باب الاعتصام)

پانچویں قسم: — عالمگیر فتنہ — یہ بد دینی کا فتنہ ہے، جب یہ فتنہ رونما ہوتا ہے تو لوگ انسانیت اور اس کے تقاضوں سے نکل جاتے ہیں، اور لوگ تین طرح کے ہو جاتے ہیں۔

ایک: جو سب سے زیادہ ستھرے اور سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبت ہوتے ہیں: وہ دو کام کرتے ہیں: ایک: طبیعت کے تقاضوں سے بالکلیہ برطرف ہو جاتے ہیں، ان کی اصلاح نہیں کرتے، یعنی تارک الدنیا ہو جاتے ہیں، اور بیوی بچوں سے بے تعلق ہو کر سنیاسی بن جاتے ہیں، حالانکہ شریعت کی یہ تعلیم نہیں، شریعت نے طبیعت کی اصلاح کا حکم دیا ہے، اور اس کی صورتیں تجویز کی ہیں۔ دوم: مجردات یعنی ملائکہ کی مشابہت اور ان کا اشتیاق پیدا کرتے ہیں اور اس کی وہ کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرتے ہیں، مثلاً شب بیداری کرنا، یا کثرت سے روزے رکھنا وغیرہ۔

دوسرے: عام لوگ ہوتے ہیں جو بہیمیت خالصہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، اور حیوانیت کو شرما دینے والے کام کرنے لگتے ہیں۔

تیسرے: بیچ کے لوگ ہوتے ہیں جو نہ پوری طرح اِن کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ اُن کی طرف۔

چھٹی قسم: — فضائی حادثات کا فتنہ — بڑے بڑے طوفات اٹھتے ہیں، وبائیں پھیلتی ہیں، زمین دھنستی ہے، اور بڑے علاقہ میں آگ لگتی ہے، اور عام تباہی مچتی ہے، اللہ تعالیٰ ان حادثات کے ذریعہ مخلوق کو ڈراتے ہیں تاکہ وہ اپنی بداعمالیوں سے باز آئیں (یہ ساری تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۵:۶۵۵-۶۵۸) سے ماخوذ ہے)

فتن، ملاحم اور علاماتِ قیامت کی روایتوں کا انداز:

فتن، ملاحم اور علاماتِ قیامت کی روایات اہم ہیں۔ ان کا خاص مقصد: ملت کو زندگی کے نشیب و فراز سے واقف کرنا ہے، تاکہ وہ اپنی زندگی میں فتنوں کا شکار ہو کر متاع زندگی لٹا نہ دیں...... اور چونکہ یہ تینوں باتیں آئندہ

پیش آنے والی ہیں اس لئے ان کی روایات میں مجازی تعبیرات ہیں، یعنی آگے جو کچھ پیش آئے گا اس کو نبی ﷺ نے اپنے زمانہ کی تعبیرات میں اداء فرمایا ہے، مثلاً یاجوج ماجوج جب لوگوں سے نمٹ جائیں گے تو کہیں گے: آؤ! اب آسمان والوں کو قتل کریں، چنانچہ وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے، جو خون آلود ہوکر واپس لوٹیں گے، وہ خوش ہونگے کہ ہم نے ایک فرشتہ مارا...... اب اس کی کیا صورت ہوگی، اور ان کے تیروں کی کیا نوعیت ہوگی وہ وقت بتلائے گا، اسی طرح ان روایات میں وقت کی تحدید بھی نہیں کی جاتی، اس لئے آئندہ جو واقعات پیش آئیں گے ان میں سے متعدد واقعات پیش خبری کا مصداق ہوسکتے ہیں، پس قطعیت کے ساتھ کسی ایک واقعہ کو ان روایات کا مصداق قرار دینا درست نہیں، یہ روایات ایک اجمالی راہنمائی ہیں جس سے مؤمنین آنے والے فتنوں میں فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

فتنوں پر تفصیلی کلام کی حکمتیں:

نبی ﷺ نے فتنوں پر تفصیلی کلام فرمایا ہے، اور اس میں چند حکمتیں ہیں:

۱- بعض فتنوں کے جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ ان سے حفاظت کا سامان کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ فتنے اختیاری ہیں، اور اختیاری کام کی دونوں جہتیں اختیاری ہوتی ہیں، جیسے کذب بیانی اور جھوٹی گواہی کا فتنہ اختیاری ہے۔

۲- بعض فتنے اگرچہ غیر اختیاری ہیں، جیسے دجال کا فتنہ، ان کے بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی ان کے شر سے واقف ہوجائے تو ان سے بچنا آسان ہوجائے گا۔

۳- بعض فتنوں کے بیان کے ساتھ ہی ان سے بچنے کی راہ بھی بتادی ہے، جیسے دریائے فرات کا پانی سوکھ جائے گا اور سونے کا خزانہ ظاہر ہوگا تو فرمایا: ''پس اس میں سے کچھ نہ لینا''

۴- سبھی فتنے قیامت کی نشانیاں ہیں، ان کے بیان کرنے کا یہ مقصد بھی ہے کہ لوگوں کو قیامت کا نزدیک آنا معلوم ہوجائے، اور وہ آخرت کی تیاری میں مشغول ہوں۔

۵- اور سب سے اہم فائدہ: مخلص اور غیر مخلص کو جدا کرنا ہے، جیسے امتحان اسی مقصد سے لیا جاتا ہے کہ کس نے پڑھا ہوا یاد کیا ہے اور کس نے یاد نہیں کیا، اسی طرح مؤمن کا بھی وقتاً فوقتاً امتحان ہوتا ہے کہ کون دعوئے ایمان میں کھرا ہے اور کون کھوٹا، چنانچہ صرف مدنی زندگی میں صحابہ کرام کا کم از کم دس مرتبہ امتحان لیا گیا۔ اب یہ نبی ﷺ کی غایت درجہ شفقت ہے کہ امت کو وہ کمزور پوئنٹ بتادیئے جہاں ایک مؤمن فیل ہوسکتا ہے۔

ایک واقعہ: نصیر الدین طوسی نے اپنے زمانہ کے بادشاہ سے کہا کہ وہ رصد گاہ قائم کرنا چاہتا ہے، بادشاہ نے پوچھا: اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ طوسی نے کہا: ہم ستاروں کی چالوں پر نظر رکھیں گے اور جو واقعات رونما ہونے والے

ہیں ان سے پہلے سے واقف ہوجائیں گے، بادشاہ نے پوچھا: کیا ہم ان واقعات کو ہونے سے روک سکیں گے؟ طوسی نے کہا: نہیں، وہ واقعات پیش آ کر رہیں گے، بادشاہ نے پوچھا: رصدگاہ کا خرچ کیا ہے؟ طوسی نے کہا: پچاس ہزار روپے۔ بادشاہ نے کہا: جب ہم ان واقعات کو روک نہیں سکتے تو ان کو جاننے سے کیا فائدہ؟ اور اتنا بڑا خرچ کیوں کیا جائے؟ طوسی نے کہا: میں اس کا فائدہ بتاؤنگا۔

پھر طوسی نے ایسے بہت سارے برتن بنوائے جو وزن میں ہلکے ہوں، مگر بجیں بہت! جب برتن تیار ہوئے تو طوسی نے بادشاہ سے دربار کرنے کی درخواست کی۔ دربار شروع ہوگیا، جب دربار شباب پر تھا تو حسب پروگرام وہ برتن چھت کے سوراخ سے دربار میں ڈالے گئے، اور لوگوں میں وہ بھگدڑ مچی کہ الامان والحفیظ! مگر بادشاہ اور طوسی بہ اطمینان بیٹھے رہے، کیونکہ ان کو پہلے سے اس ڈرامہ کا علم تھا۔ جب ہنگامہ ختم ہوا تو طوسی نے کہا: ہمیں چونکہ اس حادثہ کا پہلے سے علم تھا اس لئے ہم مطمئن رہے اور لوگوں کو علم نہیں تھا اس لئے ان کے ازار بند ٹوٹ گئے، یہ حوادث کو پہلے سے جاننے کا فائدہ ہے، چنانچہ بادشاہ نے اجازت دی اور اسلام میں سب سے پہلی رصدگاہ طوسی نے بنائی۔

اسی طرح فتن کی واقفیت بھی ظہورِ فتن کے زمانے میں ایمان کی حفاظت کا سامان ہے، نیز جو فتن سے واقف نہیں وہ نادانستہ طور پر بھی فتنوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، غرض مختلف حکمتوں سے نبی ﷺ نے فتن پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔

اس امت میں فتنوں کی زیادتی:

فیض الباری (۴:۴۹۵) میں ہے کہ فتنہ وہ چیز ہے جس سے مخلص اور غیر مخلص میں امتیاز ہوتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ امت محمدیہ میں فتنے زیادہ آئیں گے، حضرت شاہ صاحب علامہ کشمیری قدس سرہ اس کی وجہ سوچتے رہے تو آپ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ گذشتہ امتوں پر عذاب آتا تھا اور وہ نیست و نابود کردی جاتی تھیں، اور اس امت کے لئے بقاء مقدر ہے اس لئے بدکار اور نیکوکار میں امتیاز ضروری ہے، اس لئے اس امت کے لئے فتنے مقدر کئے گئے ہیں تا کہ ان سے امتیاز حاصل ہو (شاہ صاحب کی بات پوری ہوئی) پس فتنہ ہر شخص کے لئے مضر نہیں آگ میل کو بھسم کرتی ہے اور سونے کو نکھارتی ہے، اسی طرح فتنے مؤمنین کی پرواز بڑھاتے ہیں، ان کے لئے فتنوں میں بھی خیر کا پہلو ہوتا ہے۔

بابُ ماجاء لَايَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ

کسی مسلمان کا قتل بجز تین وجوہ کے جائز نہیں

حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان کا قتل بجز تین وجوہ کے جائز نہیں، مگر امت میں قتل وقتال کا بازار ہمیشہ گرم رہے گا، ان تین وجوہ کے علاوہ بھی لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں گے، یہی قتل وقتال: فتنے اور آزمائشیں ہیں، آئندہ یہ روایت آرہی ہے کہ نبی ﷺ نے تین دعائیں مانگی تھیں، جن میں سے دو قبول ہوئیں اور ایک قبول نہیں ہوئی: آپ

نے مانگا تھا کہ امت عام قحط سے ہلاک نہ ہو، اور امت کا اغیار استیصال نہ کریں، یہ دونوں دعائیں قبول ہوئیں، اور آپؐ نے مانگا تھا کہ امت میں تلوار نہ چلے، مگر یہ بات قبول نہ ہوئی، پس امت میں نزاع تو ہوگا اور قتل وقتال کی نوبت بھی آئے گی۔ اور ابھی یہ حدیث گذری ہے کہ شیطان اس سے تو مایوس ہوگیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں نمازی بندے اس کی پرستش کریں، مگر وہ ان کو آپس میں لڑانے میں لگا ہوا ہے۔ لہٰذا شیطان کی چال سے مؤمنین کو ہوشیار رہنا چاہئے اور آپس میں نہیں لڑنا چاہئے۔

حدیث: جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مصر کے بلوائیوں نے گھر میں گھیرا تو آپؓ نے اوپر سے جھانکا اور فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں (بتلاؤ) کیا تم جانتے ہو کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: لَايَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ: زِنىً بَعْدَ إِحْصَانٍ، أَوِ ارْتِدَادٍ بَعْدَ إِسلامٍ، أَوْ قَتْلِ نَفْسٍ بِغَيْرِ حَقٍّ، فَقُتِلَ بِهِ: کسی مسلمان کا خون جائز نہیں مگر تین باتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے: شادی ہونے کے بعد زنا کرنے سے، اور اسلام قبول کرنے کے بعد واپس لوٹ جانے سے اور کسی نفس کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے، پس وہ اس کے بدلے میں قتل کیا جائے (لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں ہم یہ حدیث جانتے ہیں، پس آپؓ نے فرمایا:) بخدا! نہ تو میں نے زمانہ جاہلیت میں زنا کیا، نہ زمانہ اسلام میں، اور جب سے میں نے نبی ﷺ سے بیعت اسلام کی ہے اسلام سے واپس بھی نہیں پھرا، اور نہ میں نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو، پھر آپ لوگ میرے قتل کے درپے کیوں ہو!

تشریح: یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے پہلے ابواب الدیات (باب ۱۰ تحفۃ الالمعی ۳۳۲:۴) میں گذر چکی ہے، اور یہاں اس حدیث کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ امت میں ناحق قتل جاری رہے گا، اور یہی امت کے لئے فتنے اور آزمائشیں ہیں، سب سے پہلا ناحق قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہوا ہے، اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے ہیں مگر وہ غیر مسلم غلام کے ہاتھ سے شہید کئے گئے تھے، مسلمانوں کے ہاتھ سے پہلا ناحق قتل حضرت عثمانؓ کا ہوا ہے، پھر فتنوں کا وہ سلسلہ چلا کہ الامان والحفیظ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أبواب الفتن

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱-] بابُ ماجاء لَايَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ

[۲۱۵۶-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، نَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ

بنِ سَهْلِ بنِ حُنَيْفٍ، أَنَّ عُثْمَانَ بنَ عَفَّانَ أَشْرَفَ يَوْمَ الدَّارِ، فَقَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ! أَتَعْلَمُوْنَ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَايَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ: زِنًى بَعْدَ إِحْصَانٍ، أَوِ ارْتِدَادٍ بَعْدَ إِسْلَامٍ، أَوْ قَتْلِ نفسٍ بِغَيْرِ حَقٍّ، فَقُتِلَ بِهِ" فَوَ اللّٰهِ مَا زَنَيْتُ فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَلَا فِيْ إِسْلَامٍ، وَلَا ارْتَدَدْتُ مُنْذُ بَايَعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ، فَبِمَ تَقْتُلُوْنَنِيْ؟

وفي الباب: عن ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَعَائِشَةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَرَوَى حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ هٰذَا الحديثَ، وَرَفَعَهُ، وَرَوَى يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ هٰذَا الحديثَ فَوَقَفُوْهُ، وَلَمْ يَرْفَعُوْهُ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عُثْمَانَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: حدیث کی سند میں جو یحییٰ بن سعید ہیں وہ انصاری ہیں، وہ جلیل القدر تابعی ہیں، حماد بن زید ان سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور مرفوع کرتے ہیں، اور انصاری کے دوسرے تلامذہ مثلاً یحییٰ قطان وغیرہ یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور اس کی سند حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر موقوف کرتے ہیں، مگر یہ حدیث متعدد اسانید سے حضرت عثمانؓ سے مرفوع منقول ہے، اور دوسرے صحابہ سے بھی مرفوع منقول ہے، اس لئے اس کا مرفوع ہونا اصح ہے۔

بابُ ماجاء فی تَحْرِيْمِ الدِّمَاءِ وَالأَمْوَالِ

مسلمانوں کی جان ومال کی حرمت

مسلمانوں کی جانیں اور ان کے اموال سب مسلمانوں کے لئے حرام ہیں، مگر ان میں بھی دست درازی ہوتی رہتی ہے، یہی فتنے اور آزمائشیں ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تقریر میں لوگوں سے سوال کیا: یہ کونسا دن ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: بڑے حج کا دن ہے، یعنی منیٰ کا پہلا دن ہے، پس آپؐ نے اس موقع پر چار باتیں ارشاد فرمائیں:

۱- فإن دِمَاءَ كُمْ وأموالكم وأعراضكم بينكم حرامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكم هذا في بَلَدِكُمْ هذا: تمہارے خون تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان حرام ہیں، جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں، یعنی جس طرح حج کے دنوں میں حرم شریف میں ان چیزوں میں دست درازی جائز نہیں، اسی طرح مسلمانوں

کی مذکورہ تین چیزوں میں کبھی بھی دست درازی جائز نہیں (باب سے متعلق یہی بات ہے)

۲- أَلَا! لَايَجْنِيْ جانٍ إلا علی نَفْسِهِ: سنو! کوئی جنایت کرنے والا جنایت نہیں کرتا مگر اپنی ذات پر، یعنی اس کا ضرر اسی کو پہنچتا ہے، جو کرتا ہے وہی بھرتا ہے۔ دوسرا اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا، زمانۂ جاہلیت میں لوگ قاتل کے باپ کو یا اس کے بیٹے کو یا خاندان کے دوسرے شخص کو مقتول کے قصاص میں قتل کیا کرتے تھے، نبی ﷺ نے لوگوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا، اور فرمایا: آدمی کی جنایت اس کی ذات ہی پر ہوتی ہے، پھر اگلے نمبر پر اس کلی کی ایک مثال بیان فرمائی ہے جو کہ شائع ذائع تھی۔

۳- أَلَا! لَايَجْنِيْ جانٍ علی وَلَدِه، ولا مَوْلُوْدٌ علی وَالِدِه: سنو! کوئی جنایت کرنے والا اپنی اولاد پر جنایت نہیں کرتا، اور نہ کوئی اولاد اپنے باپ پر جنایت کرتی ہے، یعنی باپ کا گناہ اولاد کے سر اور اولاد کا گناہ باپ کے سر نہیں پڑتا، ہر ایک اپنے کئے کا ذمہ دار ہے، یہ مذکورہ کلی کی ایک جزئی ہے، بالتخصیص منع فرمایا ہے کہ قاتل کے عوض میں اس کے باپ یا اولاد کو نہ مارا جائے۔

۴- أَلَا! وَإِنَّ الشيطانَ قَدْ أَيِسَ أن يُعْبَدَ في بلادِكم هذه أبداً، ولكن سَتَكُوْنُ لَهُ طاعَةٌ فِيْمَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ أعْمالِكُمْ، فَسَيَرْضَى به: سنو! اور بیشک شیطان اس بات سے تو مایوس ہوگیا ہے کہ تمہارے ان علاقوں میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے، البتہ اس کی فرمانبرداری کی جائے گی، تمہارے ان کاموں میں جن کو تم معمولی سمجھتے ہو، پس وہ اسی پر خوش ہو جائے گا، یہ چھوٹے چھوٹے کاموں میں شیطان کی عبادت واطاعت کا بیان ہے، مثلاً: اس نے نماز قضا کرادی، زکوٰۃ سے غافل کر دیا، کسی کی حق تلفی کرادی وغیرہ۔

اور الکوکب الدری میں ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ کوئی عرب کبھی مشرک نہ ہو، اور شیطان کی عبادت نہ کرے، حدیث کا مقصد صرف اتنا بتانا ہے کہ شیطان فی الحال اسلام کی شوکت، شہرت اور قوت دیکھ کر اس بات سے مایوس ہوگیا ہے کہ لوگ واپس پلٹ جائیں اور کفر اختیار کرلیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی شیطان کی پوجا نہ کرے (حضرت گنگوہیؒ کی بات پوری ہوئی) یعنی یہ حدیث خطابی ارشاد ہے، منطقی کلیہ نہیں ہے اور اس قسم کی روایات میں عمومی اور اکثری احکام بیان ہوتے ہیں، پس اگر بعض افراد قاعدہ سے نکل جائیں تو یہ بات مضر نہیں۔

[۲-] بابُ ماجاء فی تَحْرِیمِ الدِّمَاءِ وَالْأَمْوَالِ

[۲۱۵۷-] حدثنا هَنَّادٌ، ثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ شَبِيْبِ بنِ غَرْقَدَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ عَمْرِو بنِ الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم يَقُوْلُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ لِلنَّاسِ: "أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟" قَالُوْا: يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ، قَالَ:

١- فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا.
٢- أَلَا! لَايَجْنِيْ جَانٍ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ.
٣- أَلَا! لَايَجْنِيْ جَانٍ عَلَى وَلَدِهِ، وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلَى وَالِدِهِ.
٤- أَلَا! وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يُعْبَدَ فِيْ بِلَادِكُمْ هٰذِهِ أَبَدًا، وَلٰكِنْ سَتَكُوْنُ لَهُ طَاعَةٌ فِيْمَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ، فَسَيَرْضَى بِهِ.
وفي الباب: عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ، وَحِذْيَمِ بنِ عَمْرٍو السَّعْدِيِّ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَرَوَى زَائِدَةُ، عَنْ شَبِيْبِ بنِ غَرْقَدَةَ نَحْوَهُ، وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ شَبِيْبِ بنِ غَرْقَدَةَ.

وضاحت: اس حدیث کی شبیب سے آخر تک یہی سند ہے، پھر نیچے روایتیں کرنے والے متعدد ہیں ابوالاحوص بھی ہیں اور زائدہ بھی۔

بابُ ماجاء لَايَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا

کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو گھبرائے

کسی مسلمان کو گھبراہٹ میں ڈالنا اور ڈرانا بھی ایک طرح کا فتنہ ہے اس سے بھی لوگوں کو بچنا چاہئے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَا يَأْخُذْ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيْهِ لَاعِبًا جَادًّا، فَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا إليه: تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی لاٹھی نہ لے، درانحالیکہ وہ کھیل کرنے والا ہو، سنجیدگی سے لینے والا ہو، پس جس نے اپنے بھائی کی لاٹھی لی تو چاہئے کہ وہ اسے لوٹا دے۔

تشریح: لاعِبًا جادًّا: دونوں حال ہیں لایأخذ کے فاعل سے، اور یہ متضاد حال دو طرح سے جمع ہوتے ہیں:
١- لاٹھی مزاح کے طور پر لی، پھر اسے دبا لی اور واپس نہیں کی تو ابتداء میں کھیل تھا اور آخر میں سنجیدگی ہوگئی۔
٢- اور شرح السنہ میں ہے کہ کسی کا سامان لیا، چرانے کا ارادہ نہیں تھا صرف اس کو غصہ دلانا اور پریشان کرنا مقصود تھا، پس وہ چرانے کے اعتبار سے تو کھیل کرنے والا ہے اور غصہ دلانے میں اور گھبرانے میں اور تکلیف پہنچانے میں سنجیدہ ہے، اس طرح یہ دو باتیں جمع ہوتی ہیں۔

[٣-] بابُ ماجاء لَايَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا

[٢١٥٨-] حدثنا بُنْدَارٌ، نَا يَحْيَى بنُ سَعِيْدٍ، نَا ابنُ أَبِيْ ذِئْبٍ، نَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ السَّائِبِ بنِ يَزِيْدَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَايَأْخُذْ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيْهِ لَاعِبًا

جَادًّا، فَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا إِلَيْهِ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وَسُلَيْمَانَ بنِ صُرَدَ، وَجَعْدَةَ، وأَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَلاَ نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ ابنِ أَبِيْ ذِئْبٍ، وَالسَّائِبُ بنُ يَزِيْدَ: لَهُ صُحْبَةٌ، قَدْ سَمِعَ مِنَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ غُلَامٌ، قُبِضَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم وَالسَّائِبُ ابْنُ سَبْعِ سِنِيْنَ، وَأَبُوْهُ يَزِيْدُ بنُ السَّائِبِ: هُوَ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَقَدْ رَوَى عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَحَادِيْثَ.

وضاحت: یہ حدیث ابن ابی ذئب: السائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں، یہ بھی صحابی ہیں، انھوں نے نبی ﷺ سے بچپن میں حدیثیں سنی ہیں، وفات نبوی کے وقت یہ سات سال کے تھے، اور ان کے ابا یزید بن السائب بڑے صحابی ہیں، انھوں نے نبی ﷺ سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔

بابُ ماجاء في إِشَارَةِ الرَّجُلِ عَلَى أَخِيْهِ بِالسِّلَاحِ

کسی بھی مسلمان کو ہتھیار دکھانا

کبھی لوگ قتل کے ارادہ کے بغیر دوسرے کو ہتھیار دکھاتے ہیں، چاقو سے اشارہ کر کے کہتے ہیں: چاقو ماردوں گا! یا بندوق پستول تان کر کہتے ہیں: اڑادوں گا۔ یہ ممنوع ہے، کبھی شیطان اس ڈرامے کو واقعہ بنا دیتا ہے، پس اس سے بچنا انتہائی ضروری ہے، تاکہ یہ چیز فتنہ نہ بن جائے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ أَشَارَ علی أَخِيْهِ بِحَدِيْدَةٍ، لَعَنَتْهُ الْمَلَائِكَةُ: جس نے اپنے بھائی کی طرف کسی ہتھیار کے ذریعے اشارہ کیا تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں، دوسری سند سے اس حدیث میں یہ اضافہ ہے: وإن کان أَخَاهُ لِأَبيهِ وَأُمِّه: چاہے وہ اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو، اس کو بھی ہتھیار نہیں دکھانا چاہئے، اگرچہ اس صورت میں قتل کا ارادہ یا احتمال نہیں ہوتا، صرف ڈرانا مقصود ہوتا ہے مگر شیطان کبھی اس کو بھی واقعہ بنا دیتا ہے۔

[٤-] بابُ ماجاء في إِشَارَةِ الرَّجُلِ عَلَى أَخِيْهِ بِالسِّلَاحِ

[٢١٥٩-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ، نَا مَحْبُوْبُ بنُ الحَسَنِ، نَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ مُحمدِ بنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيْهِ بِحَدِيْدَةٍ لَعَنَتْهُ الْمَلَائِكَةُ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ، وَعَائِشَةَ، وَجَابِرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا

الْوَجْهِ، يُسْتَغْرَبُ مِنْ حَدِيْثِ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ.
وَرَوَى أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدِ بنِ سَيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَزَادَ فِيْهِ: "وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيْهِ وَأُمِّهِ" حدثنا بِذَلِكَ قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ بِهٰذَا.

وضاحت: یہ حدیث محمد بن سیرینؒ سے خالد حذاء روایت کرتے ہیں اور مرفوع کرتے ہیں، امام ترمذیؒ نے اس کو غریب قرار دیا ہے کیونکہ رفع میں خالد کا کوئی متابع نہیں، مگر مسلم شریف (حدیث ۲۶۱۶) میں ایوب سختیانی سے ابن عیینہ کی روایت ہے، وہ بھی اس حدیث کو مرفوع کرتے ہیں، اور وإن كان أخاه لأبيه وأمه کا اضافہ اسی حدیث میں ہے، ہاں ایوب کے شاگرد حماد بن زید اس کو مرفوع نہیں کرتے، مگر جب خالد حذاء کے متابع ہیں اور ان کی روایت مسلم میں ہے تو حدیث کا مرفوع ہونا اصح ہے۔

بابُ النَّهْيِ عَنْ تَعَاطِي السَّيْفِ مَسْلُوْلاً

سونتی ہوئی تلوار دینے کی ممانعت

اگر کسی کو چھری، چاقو، تیر، پیکان یا تلوار وغیرہ دینی پڑے تو یہ چیزیں کھلی اور سونتی ہوئی نہیں دینی چاہئیں، بلکہ چاقو بند کرکے، تلوار میان میں رکھ کر کے یا پھل اپنی طرف اور دستہ دوسرے کی طرف کر کے دینا چاہئے، تاکہ غلطی سے لگ نہ جائے اور فتنہ نہ بن جائے۔

حدیث: نبی ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ سونتی ہوئی تلوار دی جائے، یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے، حماد بن سلمہ: ابوالزبیر سے اور وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں، اور عبداللہ بن لہیعہ: ابوالزبیر سے اور وہ حضرت جابر سے اور وہ حضرت بَنَّہ جہنی سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے پہلی سند کو اصح قرار دیا، کیونکہ ابن لہیعہ ضعیف راوی ہیں۔

[٥-] بابُ النَّهْيِ عَنْ تَعَاطِي السَّيْفِ مَسْلُوْلاً

[٢١٦٠-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ مُعَاوِيَةَ الجُمَحِيُّ البَصْرِيُّ، نا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُوْلاً.
وفي الباب: عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، وَرَوَى ابنُ لَهِيْعَةَ هٰذَا الحديثَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ بَنَّةَ الجُهَنِيِّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَحَدِيْثُ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ عِنْدِيْ أَصَحُّ.

بابُ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

جس نے فجر کی نماز پڑھی وہ اللہ کی گارنٹی میں ہے

پس ایسے نمازی بندے کو ستانا اللہ کی ذمہ داری میں رخنہ ڈالنا ہے اور جو شخص اللہ کی ذمہ داری میں رخنہ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بدلہ لیتے ہیں، اور اس کو آزمائشوں میں مبتلا کرتے ہیں، اس لئے آزمائش سے بچنے کے لئے ایسے بندے کو نہیں ستانا چاہئے۔ اور یہ حدیث حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی سند سے کتاب الصلوٰۃ باب ۵۲ (حدیث ۲۱۷) میں گذر چکی ہے۔

[٦-] بابُ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

[٢١٦١-] حدثنا بُنْدَارٌ، نَا مَعْدِيُّ بنُ سُلَيْمَانَ، نَا ابنُ عَجْلَانَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ، فَلَا يَتَّبِعَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْئٍ مِنْ ذِمَّتِهِ"

وفي الباب: عَنْ جُنْدُبٍ، وابنِ عُمَرَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

لغت: لَايَتَّبِعَنَّكُمْ کو مجرد سے بھی پڑھ سکتے ہیں اور مزید سے بھی، تَبِعَ الشيئ، واتَّبَعَهُ کے معنی ہیں: پیچھے چلنا، پیچھے پڑنا، یعنی اللہ تعالیٰ انتقام لینے کے لئے ہرگز تمہارا پیچھا نہ کریں۔

بابٌ فی لُزُوْمِ الْجَمَاعَةِ

جماعت کے ساتھ لگا رہنا

فتنوں سے حفاظت کا ایک ذریعہ اجتماعیت او اجتماعیت کے ساتھ لگا رہنا ہے، اتحاد و اتفاق میں جو قوت ہے وہ تشتت وافتراق میں نہیں، چند کمزور باہم مل کر قوی ہو جاتے ہیں اور مضبوط پہلوان تنہا پچھاڑ دیا جاتا ہے، بچپن میں یہ واقعہ آپ حضرات نے پڑھا ہوگا کہ جب ایک شخص کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے دس بیٹوں کو بلایا، اور ان کو ایک ایک چھڑی دی، اور کہا: اسے توڑ دو، سب نے توڑ دی، پھر اس نے ویسی ہی دس چھڑیاں منگوائیں اور ان کو جمع کر کے باندھ دیا، پھر ہر ایک سے توڑنے کے لئے کہا تو کوئی نہ توڑ سکا، اب باپ نے نصیحت کی کہ آزمائشوں اور فتنوں سے بچنا ہو تو اجتماعیت کے ساتھ رہنا، تمہیں دشمن نہیں توڑ سکے گا، ورنہ تم بے حیثیت ہو جاؤ گے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾ "اور مضبوط تھامو اللہ کی رسی کو، یعنی اللہ کے دین کو سب اکٹھے ہو کر اور

بٹ نہ جاؤ'' مگر یہ نعمت بڑی مشکل سے حاصل ہوتی ہے جب تک کسی قوم کے ساتھ اللہ کو خیر منظور ہوتی ہے: وہ ایک لڑی میں منسلک رہتی ہے، پھر جب اس کی نکبت وادبار کا وقت آتا ہے تو وہ خواہ مخواہ آپس کے جھگڑوں میں پھنس جاتی ہے، اور اس کی ہوا اکھڑ جاتی ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ اور آپس میں مت لڑو، ورنہ تمہارے پیر پھسل جائیں گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

حدیث (۱): جابیہ جو ملک شام کا ایک گاؤں ہے، جو دمشق سے جانب جنوب تقریباً پچھتر کلومیٹر ہے، جو قدیم زمانہ سے لشکروں کی چھاؤنی رہا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی شام کی بڑی چھاؤنی تھی وہاں حضرت عمرؓ ۱۷ ہجری میں تشریف لے گئے ہیں، وہاں آپؓ نے فوج کے سامنے تقریر فرمائی کہ لوگو! میں تمہارے درمیان کھڑا ہوا ہوں جیسا نبی ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے، پس آپؐ نے فرمایا:

۱- أُوْصِيْكُمْ بِأَصْحَابِيْ، ثم الذين يَلُوْنَهُمْ، ثم الذين يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُوْ الكَذِبُ، حتى يَحْلِفَ الرجلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ، وَيَشْهَدُ الشَّاهِدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ: میں آپ لوگوں کو میرے صحابہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان سے متصل ہیں، پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان سے متصل ہیں، پھر جھوٹ پھیل جائے گا یہاں تک کہ آدمی قسم کھائے گا اور وہ قسم کھلایا نہیں جائے گا، اور گواہی دے گا اور اس سے گواہی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: تین زمانے خیر القرون (بہترین زمانے) ہیں، صحابہ کا زمانہ، پھر تابعین کا زمانہ، پھر تبع تابعین کا زمانہ، اس کے بعد کوئی خیر نہیں، اور یہ زمانے طول وعرض میں ایک ساتھ چلتے ہیں، نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں جن مسلمانوں نے بحالتِ ایمان نبی ﷺ کی زیارت کی تھی وہ صحابہ تھے، مگر سب مسلمانوں نے نبی ﷺ کی زیارت نہیں کی تھی، مدینہ منورہ سے جو دور رہتے تھے ان میں سے اکثر کو آپؐ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تھی، پھر ان کے قبیلہ میں کوئی صحابی کسی ضرورت سے گیا اور اس بستی والوں نے صحابی کی زیارت کی تو وہ تابعی ہو گئے، پھر جن مسلمانوں نے ان تابعین کو دیکھا وہ تبع تابعی ہوئے، اور جنھوں نے تابعی کو بھی نہیں دیکھا وہ چوتھے قرن کے لوگ ہوئے جس میں کوئی بھلائی نہیں۔

اسی طرح نبی ﷺ کی وفات کے بعد سن ۱۱۰ ہجری تک صحابہ حیات رہے، اس زمانہ میں ان کے ساتھ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے لوگ بھی تھے، پھر سن ۱۱۰ ہجری کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد کے لوگ تھے، پس ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ تینوں قرن آگے پیچھے ہیں، بلکہ زمین کی پہنائی میں اور زمانہ کی درازی میں یہ چاروں قرن ایک ساتھ ہیں۔

اور اس حدیث میں نبی ﷺ نے امت کو وصیت کی ہے کہ وہ صحابہ کرام کے ساتھ قابل لحاظ معاملہ کریں، اسی

طرح تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ بھی، پھر صورت حال خراب ہوجائے گی، جھوٹ پھیل جائے گا، لوگ قسمیں کھانے پر دلیر ہوجائیں گے، کوئی قسم نہیں کھلائے گا تب بھی قسم کھائیں گے، اور گواہی دینے کا جذبہ اتنا بڑھ جائے گا کہ گواہی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا تب بھی وہ آگے بڑھ کر گواہیاں دیں گے۔

۲-أَلَا! لَايَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُما الشيطانُ: سنو! ہرگز تنہا نہ ہو کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ مگر ان دونوں کا تیسرا شیطان ہے، یعنی وہ یہ نہ سمجھے کہ ہم دو ہیں، وہاں تیسرا شیطان ضرور موجود ہوتا ہے، اور وہ آگ لگانے میں دیر نہیں کرتا، یہ حدیث پہلے باب ۵۲ کتاب النکاح (تحفہ۳: ۶۱۰) میں گذر چکی ہے۔

۳-عليكم بالجماعة، وإِيَّاكم والفُرقَةَ، فإنَّ الشيطان مع الواحِدِ، وهو مِنَ الإِثْنَيْنِ أَبْعَدُ: اجتماعیت کو لازم پکڑو، اور افتراق سے بچو، کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے زیادہ دور ہوتا ہے، یعنی شیطان تنہا کو جتنا ضرر پہنچا سکتا ہے دو کو اتنا ضرر نہیں پہنچا سکتا، اور جتنا دو کو پہنچا سکتا ہے تین کو اتنا نہیں پہنچا سکتا، پس زیادہ سے زیادہ اجتماعیت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

۴-مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ، فَلْيَلْزَمِ الجماعةَ: جو شخص جنت کے وسط میں جگہ چاہتا ہے: چاہئے کہ وہ اجتماعیت کو لازم پکڑے، اجتماعیت کے ساتھ جو دینی کام انجام پاتے ہیں وہ انفرادیت کے ساتھ انجام نہیں پا سکتے، اسی لئے باجماعت نماز پڑھنے کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔

۵-مَن سَرَّتْهُ حَسَنَتُه، وَسَاءَ تْهُ سَيِّئَتُه فذلكم المؤمن: جس کو اپنی نیکی سے خوشی ہو اور اپنی برائی سے تکلیف ہو، وہ مؤمن ہے، یہ ایک کسوٹی ہے، جس سے آدمی اپنے بارے میں فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس میں ایمان ہے یا نہیں؟ یوں ہر شخص خود کو مؤمن کہتا ہے مگر ایمان کی حقیقت ہمارے اندر ہے یا نہیں؟ وہ اس کسوٹی سے معلوم ہوگی۔

ملحوظہ: یہ حدیث فی نفسہ حسنٌ صحیحٌ ہے مگر اس کی یہاں جو سند ہے اس میں النضر بن اسماعیل ابوالمغیرہ مضبوط راوی نہیں، اس لئے اس سند سے یہ حدیث ضعیف ہے، اور یہ حدیث مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان میں ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ لَايَجْمَعُ أُمَّتِيْ على ضَلَالَةٍ، ويد اللّٰهُ على الجماعةِ، وَمَنْ شَذَّ شَذَّ إلى النار: بیشک اللہ تعالیٰ میری امت کو (یا فرمایا: محمد (ﷺ) کی امت کو) کسی گمراہی پر متفق نہیں کریں گے، اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے، اور جو شخص تنہا ہوا وہ دوزخ کی طرف تنہا ہوا (شَذَّ: لازم ہے اس لئے اس کا مجہول نہیں آئے گا)

تشریح: اس حدیث میں تین مضمون ہیں:

پہلا مضمون: امت کسی گمراہی پر متفق ہوجائے یہ بات ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی امت کی اس سے حفاظت فرماتے ہیں، اسی لئے اجماع امت حجت ہے، اجماع کی حجیت سورۃ النساء کی آیت ۱۱۵ سے بھی

ثابت ہے، اور بہت سی احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے، اور اس مسئلہ میں غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں، ان کے نزدیک امت کا اجماع حجت نہیں، مگر وہ عام طور پر صاف انکار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں: قطعی اجماع حجت ہے، ظنی اجماع حجت نہیں، یعنی جو اجماع اخبار آحاد سے منقول ہو وہ حجت نہیں، اسی کو کہتے ہیں: ''ناچنا نہیں آنگن ٹیڑھا'' آخر اجماع قطعی کیسے بنے گا؟ لیا اس کا تذکرہ قرآن کریم میں ہوگا، اور جب اخبار آحاد حجت ہیں جو مفید ظن ہیں تو پھر وہ اجماع جو حدیثوں ہی کی طرح منقول ہو، کیوں حجت نہیں! (اجماع کی حجیت پر مزید کلام مقدمہ (تحفۃ الالمعی ۱:۵۸) میں گذر چکا ہے)

دوسرا مضمون: اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے، اود باب کے آخری حدیث میں علی کے بجائے مَعَ ہے، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے کہ اللہ کی نصرت، حمایت اور مدد جماعت کے شامل حال رہتی ہے، پس جو بندہ جماعت کے ساتھ رہے گا وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے مستفید ہوگا۔

تیسرا مضمون: اور جو جماعت سے علحدہ ہوا یعنی اہل السنہ والجماعہ سے جدا پڑا اور کسی گمراہ فرقے کے ساتھ ہو گیا وہ دوزخ کی طرف علحدہ ہوا یعنی وہی تنہا جہنم میں جائے گا۔

ملحوظہ: اس حدیث کی سند کا ایک راوی سلیمان المدینی ضعیف ہے لیکن باب کی آخری حدیث کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور مصری نسخہ میں حسنٌ غریبٌ ہے، علاوہ ازیں اس روایت کے متعدد شواہد ہیں، اس لئے یہ روایت صحیح ہے۔ غیر مقلدین چونکہ اجماع کو حجت نہیں مانتے اس لئے وہ اس روایت میں طرح طرح سے کیڑے نکالتے ہیں۔

[۷-] بابٌ فی لُزُوْمِ الْجَمَاعَةِ

[۲۱۶۲-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، نَا النَّضْرُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ أَبُوْ الْمُغِيْرَةِ، عَنْ مُحمدِ بنِ سُوْقَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: خَطَبَنَا عُمَرُ بِالْجَابِيَةِ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّیْ قُمْتُ فِيْكُمْ كَمَقَامِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْنَا، فَقَالَ:

[۱-] أُوْصِيْكُمْ بِأَصْحَابِیْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُوْ الْكَذِبُ، حَتّٰى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ، وَيَشْهَدُ الشَّاهِدُ، وَلَا يُسْتَشْهَدُ.

[۲-] أَلَا لَايَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ.

[۳-] عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ.

[٤-] مَنْ أَرَادَ بُحْبُوْحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ.

[٥-] مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَذٰلِكُمُ الْمُؤْمِنُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رَوَاهُ ابنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مُحمدِ بنِ سُوْقَةَ، وَقَدْ رُوِىَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، عَنْ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[٢١٦٣-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بنُ نَافِعٍ البَصْرِيُّ، ثَنَا الْمُعْتَمِرُ بنُ سُلَيْمَانَ، ثَنَا سُلَيْمَانُ الْمَدِينِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَن ابنِ عُمَرَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَجْمَعُ أُمَّتِيْ - أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحمدٍ - عَلَى ضَلاَلَةٍ، وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شَذَّ إِلَى النَّارِ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَسُلَيْمَانُ الْمَدِيْنِيُّ: هُوَ عِنْدِىْ سُلَيْمَانُ بنُ سُفْيَانَ، وَفِى الْبَابِ عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ.

[٢١٦٤-] حدثنا يَحْيىَ بنُ مُوْسَى، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا إِبْرَاهِيْمُ بنُ مَيْمُوْنٍ، عَنْ ابنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَدُ اللّٰهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لاَنَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ عَبَّاسٍ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

بابُ ماجاء فى نُزُوْلِ العَذَابِ إِذَا لَمْ يُغَيَّرِ الْمُنْكَرُ

منکر کومٹایا نہ جائے تو عذاب آئے گا

دعوت یعنی لوگوں کواللہ کے دین کی طرف بلانا فرض ہے، پھر دعوت کی دوقسمیں ہیں: غیروں کودعوت دینا اور اپنوں کودعوت دینا یعنی غیروں کودین کی طرف بلانا، اور اپنوں کودین پر جمانا، یہ دونوں ہی دعوتیں ضروری ہیں، سورۂ آل عمران آیت ۱۱۰ میں ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ ترجمہ: تم لوگ اچھی جماعت ہو جولوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہو، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، اس آیت میں دونوں دعوتوں کا ذکر ہے، أخرجت للناس میں غیروں کودعوت دینے کا ذکر ہے، قرآنِ کریم الناس سے غیروں کا ذکر کرتا ہے، اور تأمرون سے آخر تک اپنوں کودعوت دینے کا اور خود کو ایمان کے تقاضوں پر جمانے کا ذکر ہے۔

پھر جاننا چاہئے کہ پہلی قسم کی دعوت سے اگر امت تغافل برتے تو اس پر عذاب کی دھمکی نہیں دی گئی، مگر دوسری دعوت میں غفلت برتنے پر احادیث شریفہ میں عذاب کی خبر دی گئی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امت مسلمہ اگر دین کا صحیح نمونہ بن جائے تو دوسروں کودعوت خود بخود پہنچے گی، اور اگر اپنوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے اور وہ نام کے مسلمان رہ جائیں تو وہ دوسروں کی دین بیزاری کا سبب بن جائیں گے، ان کو اگر دعوت دی بھی جائے گی تو وہ اثر انداز نہیں

ہوگی، اس لئے پہلے محنت اسلامی معاشرہ پر ہونی چاہئے، اگلے باب میں اس سلسلہ کی روایات آرہی ہیں۔

البتہ اس سلسلہ میں قرآنِ پاک کی ایک آیت سے غلط فہمی ہوسکتی ہے، یہاں اس کا ازالہ کیا جارہا ہے، سورۃ المائدہ آیت ۱۰۵ ہے: ﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَايَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں، اس آیت کے ظاہر سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے، اس کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، دوسرے کچھ بھی کرتے رہیں، اس پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں، مگر یہ بات قرآنِ کریم اور احادیث شریفہ کی تصریحات کے خلاف ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطابِ عام میں فرمایا: لوگو! تم یہ آیتِ کریمہ پڑھتے ہو اور اس کو بے موقع استعمال کرتے ہو، تم یہ سمجھتے ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، سنو! میں نے خود نبی ﷺ سے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرم کے ساتھ ان کو بھی عذاب میں مبتلا کردیں۔

پس اس حدیث کی روشنی میں آیتِ کریمہ یا تو پہلی دعوت کے ساتھ خاص ہے، یعنی اگر کفار رسوم شرکیہ میں اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں، اور نصیحت وفہمائش سے بھی باز نہیں آتے تو تم ان کے غم میں نہ پڑو، ان کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں، بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو، اور سیدھی راہ یہی ہے کہ آدمی ایمان وتقوی کی زندگی اختیار کرے، خود برائی سے رکے اور دوسروں کو روکنے کی کوشش کرے، پھر بھی لوگ برائی سے نہ رکیں تو اس کا کوئی نقصان نہیں (فوائد شبیریہ)

اور اگر یہ آیت مسلمانوں کو بھی عام ہے تو إذا اهتديتم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی داخل ہے، مسلمانوں کی اصلاح کی فکر اولاً ہر شخص پر ضروری ہے، پھر امکان بھر کوشش کرنے کے بعد اگر لوگ نہ سنیں تو وہ ذمہ دار نہیں۔ ابوداؤد (حدیث ۴۳۴۱) میں ہے: حضرت ابوثعلبہ خُشَنی رضی اللہ عنہ سے عليكم أنفسكم کا مطلب پوچھا گیا، آپؓ نے فرمایا: میں نے اس کا مطلب نبی ﷺ سے پوچھا ہے، آپؐ نے فرمایا: بَلِ ائْتَمِرُوْا بالمعروف، وَتَنَاهوا عن الْمُنْكَرِ، حتى إذا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا، وَهَوًى مُتَّبَعًا، ودُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَإِعْجَابَ كلِّ ذی رَأْيٍ بِرأيِه، فَعَلَيْكَ بِنَفْسِكَ، وَدَعْ عنك العَوَامَّ: ترجمہ: بلکہ ایک دوسرے کو بھلائی کا حکم دو، اور ایک دوسرے کو برائی سے روکو یہاں تک کہ جب تم دیکھو ایسی بخیلی کو جس کی پیروی کی جارہی ہے، اور ایسی خواہش کو جس کے پیچھے چلا جارہا ہے، اور ایسی دنیا کو جسے ترجیح دی جارہی ہے، اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو اپنے آپ کو لازم پکڑو، اور عوام کا خیال چھوڑو، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی محنت کے بعد عليكم أنفسكم کا نمبر ہے۔

[٨-] بابُ ماجاء في نُزُوْلِ العَذَابِ إِذَا لَمْ يُغَيَّرِ الْمُنْكَرُ

[٢١٦٥-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، نَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، نَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ أَبِيْ خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بنِ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ الصَّدِّيْقِ، أَنَّهُ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَقْرَأُوْنَ هٰذِهِ الآيَةَ:﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَايَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ وَإِنِّي سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ، فَلَمْ يَأْخُذُوْا عَلَى يَدَيْهِ، أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ "

حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَايَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بنِ أَبِيْ خَالِدٍ نَحْوَهُ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ عَائِشَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَالنُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، وَحُذَيْفَةَ، هٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ نَحْوَ حَدِيْثِ يَزِيْدَ، وَرَفَعَهُ بَعْضُهُمْ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، وَوَقَفَهُ بَعْضُهُمْ.

بابُ ماجاء في الأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان

معروف: ہر وہ کام ہے جس کا اچھا ہونا عقل وشرع سے پہچانا جاتا ہو، اور **منکر:** ہر وہ کام ہے جس کا برا ہونا عقل وشرع سے پہچانا جاتا ہو، معروف ومنکر اسم مفعول ہیں، ان کے لغوی معنی ہیں: جانا ہوا اور انجانا، اور پچھلے باب میں یہ بات عرض کی گئی ہے کہ دعوت کے دو دائرے ہیں: ایک: غیروں کو دین کی طرف بلانا، دوسرا: مسلمانوں کے احوال کو سنوارنا اور ان کو بھلی باتوں کا حکم دینا، اور برائیوں سے روکنا، کیونکہ امت اگر دین کا صحیح نمونہ بن جائے تو دوسرے خود ہی اس سے متأثر ہونگے، اور اگر امت کا حال بگڑ جائے تو ان کو دیکھ کر دوسرے بھی دین سے بدک جائیں گے، اس لئے اصل محنت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہونی چاہئے۔ اسی وجہ سے اس سے غفلت برتنے پر احادیث میں وعیدیں آئی ہیں، مگر امت ایک عرصہ سے اس طرف سے غافل ہے، چنانچہ رفتہ رفتہ امت کا جو حال ہوگیا ہے وہ ہر شخص کے سامنے ہے، آج بلا مبالغہ اسّی فیصد مسلمان بس نام کے مسلمان ہیں، جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود! والی بات صادق آتی ہے اور کسی کو فکر نہیں: نہ باپ اولاد سے کچھ کہتا ہے، نہ شوہر بیوی سے، نہ بھائی بھائی سے، سب اپنی دنیا میں مگن ہیں، پھر عذاب نہیں آئے گا تو کیا رحمت کے جھونکیں چلیں گے!

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! البتہ ضرور بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو یا بہت جلد اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دیں گے، پھر تم اللہ سے دعائیں مانگو گے

اور وہ تمہاری دعائیں قبول نہیں کریں گے۔

تشریح: عذاب کی یہ دھمکی اصلاح معاشرہ کی فکر چھوڑنے کی صورت میں دی گئی ہے، غیروں کو دعوت دینے میں کوتاہی کرنے پر ایسی کوئی دھمکی نہیں آئی، پس بنیادی اہمیت امت مسلمہ کو سنبھالنے کی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ تم اپنے امام کو قتل کرو اور باہم ایک دوسرے پر تلواریں چلاؤ، اور تمہاری دنیا کے وارث بن جائیں تمہارے بدترین لوگ!

تشریح: قیامت سے پہلے ایسا آزمائش کا زمانہ ضرور آئے گا اور یہ ملت کے بگاڑ کا آخری درجہ ہوگا کہ لوگ اپنے امام کو قتل کریں گے، آپس میں خوں ریزی ہوگی اور حکومت کی باگ ڈور برے لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی، اس کے بعد خیر نہیں، صرف قیامت کا انتظار باقی رہے گا۔

ملحوظہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قتل اور اس کے بعد کے واقعات اس حدیث کا مصداق نہیں، کیونکہ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ وارث ہوئے تھے اور وہ نیکوں کے سردار تھے۔

حدیث (۳): حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے اس لشکر کا تذکرہ کیا جس کو زمین میں دھنسایا جائے گا (اس کا تذکرہ آگے بابُ فی الخسف (باب ۱۹) میں آرہا ہے) حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس لشکر میں زبردستی لایا ہوا شخص بھی تو ہوسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: إِنَّهُمْ يُبْعَثُوْنَ علی نِيَّاتِهِم: وہ لوگ اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے، یعنی وہ لوگ بھی زمین میں دھنسائے جائیں گے مگر قیامت کے دن ان کے ساتھ ان کی نیتوں کے مطابق معاملہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قدرت ہو اور ظن غالب ہو کہ امر و نہی کا فائدہ ہوگا تو امور واجبہ میں امر و نہی واجب ہیں اور امور مستحبہ میں مستحب، اور اگر ظن غالب یہ ہو کہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا یا ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو امور واجبہ میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں، البتہ اگر آدمی ہمت کر کے اصلاح حال کی کوشش کرے تو بڑے ثواب کا حق دار ہوگا۔

[۹-] بابُ ماجاء فی الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

[۲۱۶۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِيْ عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ حُذَيْفَةَ بنِ الْيَمَانِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ، فَتَدْعُوْنَهُ

فَلَا يَسْتَجِيْبُ لَكُمْ"

حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِيْ عَمْرٍو بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

[٢١٦٧-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِيْ عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ الْأَنْصَارِيِّ الْأَشْهَلِيِّ، عَنْ حُذَيْفَةَ بنِ الْيَمَانِ، أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقْتُلُوْا إِمَامَكُمْ، وَتَجْتَلِدُوْا بِأَسْيَافِكُمْ، وَيَرِثَ دُنْيَاكُمْ شِرَارُكُمْ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

[٢١٦٨-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحمدِ بنِ سُوْقَةَ، عَنْ نَافِعِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ ذَكَرَ الجَيْشَ الَّذِيْ يُخْسَفُ بِهِمْ، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: لَعَلَّ فِيْهِمُ الْمُكْرَهُ! قَالَ: "إِنَّهُمْ يُبْعَثُوْنَ عَلَى نِيَّاتِهِمْ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنْ نَافِعِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عَائِشَةَ أَيْضًا، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

لغت: تَجْتَلِدُ: ایک دوسرے کو تلوار مارنا، مجرد: جَلَدَہ بالسَّیْفِ: تلوار سے مارنا

بابُ ماجاء في تَغْيِيْرِ الْمُنْكَرِ بِالْيَدِ أَوْ بِاللِّسَانِ أَوْ بِالْقَلْبِ

منکر کو ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے روکنا

پہلے چند ضروری باتیں جان لینی لیں:

۱- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہیں اور یہ دینی خیر خواہی ہے، اور جن لوگوں نے ﴿عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ﴾ سے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے، اسی طرح ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَى﴾ سے استدلال کیا ہے اس کا جواب آچکا کہ آیت کا حکم اصلاح حال کی کوشش کے بعد ہے، اور یہ دوسرے کا بوجھ اٹھانا نہیں ہے، بلکہ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کی سزا ہے۔

۲- پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہیں اگر کچھ لوگ اس کو انجام دیدیں تو باقی سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا، ورنہ تمام قادرین گنہ گار ہوں گے، جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو، اپنی اولاد کو یا اپنے غلام کو معروف میں کوتاہ اور منکر میں دلیر پائے تو اس کی اصلاح فرض ہے، اور عام مسلمانوں میں کوتاہی دیکھے اور اس کا خیال ہو کہ کہنے سے

کچھ فائدہ نہیں ہوگا تو بھی کہنا ضروری ہے، ﴿فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی نصیحت کرنے سے مؤمنین کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۳- اور علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ فریضہ حکّام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ عام مسلمانوں کو بھی یہ فریضہ انجام دینا چاہئے، بلکہ صدر اول میں تو عام مسلمان حکام پر بھی نکیر کرتے تھے، البتہ یہ ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا مسائل سے واقف ہو، پھر اگر مسئلہ واجبات ظاہرہ کا اور محرمات مشہورہ کا ہے جیسے نماز، روزہ اور زنا اور شراب نوشی وغیرہ جن کو سب مسلمان جانتے ہیں، پس ان سے روکنے کی ذمہ داری بھی سب کی ہے، اور اگر مسئلہ مجتہد فیہ ہو تو جو اہل علم مسئلہ میں بصیرت رکھتے ہیں انہی کا یہ مقام ہے۔

۴- اور اس فریضہ کے آداب میں سے یہ ہے کہ حکمت کا لحاظ کر کے بات کہی جائے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: جس نے اپنے بھائی کو چپکے سے نصیحت کی اس نے اس کے ساتھ خیر خواہی کی، اور اس کو سنوار دیا، اور جس نے اس کو علانیہ نصیحت کی اس نے اس کو رسوا کیا، اور اس کو عیب دار کر دیا، ہاں اگر کوئی منکر عام لوگوں میں پھیلا ہوا ہو تو کسی کا نام لئے بغیر عام لوگوں کے سامنے بھی نکیر کر سکتے ہیں۔

حدیث: طارق بن شہاب کہتے ہیں: مروان نے سب سے پہلے عیدین میں نماز سے پہلے خطبہ دیا، تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: آپ کا یہ عمل سنت (دینی راہ) کے خلاف ہے، مروان نے جواب دیا: یا فلانُ! تُرِكَ ما هُنالِكَ: او صاحب! پہلے والا طریقہ اب مفید نہیں رہا، یعنی پہلے لوگ نماز کے بعد خطبہ سننے کے لئے بیٹھتے تھے، مگر اب لوگ چل دیتے ہیں، اور نصیحت ضروری ہے، اس لئے میں پہلے خطبہ دیتا ہوں، یہی وقت کا تقاضا ہے، مگر اس کی یہ بات صحیح نہیں تھی، لوگ اس لئے چل دیتے تھے کہ بنوامیہ اپنے خطبوں میں بنوہاشم کی برائی کرتے تھے جس کو لوگ سننا نہیں چاہتے تھے، پس قصور خود ان کا تھا۔

اس پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: أَمَّا هذا فقد قَضَى مَا عَلَيْهِ: اس شخص نے وہ فریضہ انجام دیدیا جو اس پر تھا، میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے: مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَلْيُنْكِرْهُ بِيَدِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وذلك أَضْعَفُ الإِيْمَان: جو کسی ناجائز امر کو دیکھے تو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اور جس کے بس میں یہ بات نہ ہو تو چاہئے کہ وہ اس کو اپنی زبان سے بدلے، اور جس کے بس میں یہ بھی نہ ہو تو وہ اپنے دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ بات ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے (یہ حدیث مسلم (حدیث ۴۹) میں ہے)

تشریح:

۱- جمعہ اور عیدین کے خطبے چونکہ ثانوی درجہ میں مطلوب ہیں، اصل نماز مقصود ہے اس لئے ان کو نماز کے بعد رکھا

گیا ہے، پھر جمعہ میں ایک واقعہ پیش آیا تھا جس کی وجہ سے خطبہ مقدم کیا گیا، تفصیل پہلے (تحفۃ الالمعی ۲: ۴۰۵ ابواب العیدین باب ۶۸ میں) گذر چکی ہے، اور عیدین کے خطبے اپنی اصل پر ہیں، لیکن خلافتِ راشدہ کے بعد مروان نے عیدین کے خطبوں میں بھی تبدیلی کی اور ان کو بھی پہلے دینا شروع کیا، اور سب سے پہلے یہ کام کس نے کیا؟ اس سلسلہ میں مختلف نام لئے گئے ہیں، حضرت عمر کا، حضرت عثمان کا، حضرت معاویہ کا، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم کا مگر یہ سب نام صحیح نہیں، سب سے پہلے یہ کام مروان نے کیا، پھر جب بنوعباس کا دور آیا تو صورتِ حال صحیح ہوگئی اور آج تک وہی معمول بہ ہے۔

۲- اور بخاری و مسلم میں یہ روایت بھی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مروان پر نکیر کی، وہ دونوں عیدگاہ ساتھ ساتھ آئے تھے، مروان سیدھا منبر کی طرف چلا تو حضرت ابوسعید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا مگر وہ نہیں مانا، اور جواب دیا: قد تُرِكَ مَا تَعْلَمُ: آپ جو جانتے ہیں وہ زمانہ گیا! حضرت ابوسعید خدریؓ نے جواب دیا: كَلَّا: والذی نفسی بیده! لا تَأْتُونَ بِخَيْرٍ مِمَّا أَعْلَمُ: ہرگز نہیں، قسم اس ہستی کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم لوگ نہیں لاؤ گے کوئی کام بہتر ان کاموں سے جو میں جانتا ہوں، یہ بات تین مرتبہ کہہ کر حضرت ابوسعید صف میں جا بیٹھے (مسلم شریف حدیث ۸۸۹) پھر اس شخص نے جس کا اس روایت میں ذکر ہے کھڑے ہوکر نکیر کی، اس لئے اس کے عمل کا درجہ بڑھ گیا، اس لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس بندے نے جو اس پر حق تھا چکا دیا۔

۳- کسی منکر کو ہاتھ سے بدلنا یہ ہے کہ منکر میں مشغول لوگوں کو کسی بھی طرح اس سے روک دے، مثلاً: آلاتِ لہو ولعب توڑ دے، ان کی سرزنش اور پٹائی کرے، مگر یہ کام حاکم کا ہے، قوت نافذہ کے بغیر یہ کام کرنے سے فتنہ ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ زبان سے تبدیلی کرنے کا ہے، یعنی برائی میں مشغول لوگوں کو سمجھایا جائے، ان پر اعتراض کیا جائے، یہ کام عام احوال میں ہر شخص کرسکتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص بے ہمت ہو اور اس کی بھی ہمت نہ کرسکے، تو آخری درجہ دل سے منکر کو برا سمجھنے کا ہے، اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں، بلکہ اس سے نیچے مداہنت فی الدین ہے جو پورے معاشرے کو لے ڈوبتی ہے، اور اس کا تذکرہ آئندہ باب میں آرہا ہے۔

۴- اور اس آخری درجہ کو جو ایمان کا ضعیف ترین درجہ قرار دیا ہے یہ مسبب سے سبب پر استدلال ہے، اس استدلال کا نام استدلال إنِّیّ ہے، جیسے دھویں سے آگ پر استدلال کیونکہ ایمان ایک قلبی حالت ہے اور امر مخفی ہے، پس اس کی قوت وضعف کا اندازہ مؤمن کے اعمال سے لگایا جائے گا جو قوی الایمان ہوگا، وہ برملا نکیر کرے گا، اور جو کم ہمت ہوگا وہ ہچکچائے گا، یہ اس کے ایمان کے ضعف کی دلیل ہے مگر یہ خیال رہے کہ ایمان اس کا بھی ناقص نہیں، البتہ وہ کمزور ہے، چنانچہ اس کے آثار ظاہر نہیں ہوئے، اور وہ منکر کو صرف دل سے برا سمجھ کر رہ گیا، لیکن بہرحال یہ بھی

ایک ایمانی درجہ ہے جیسے قوی اور ضعیف دونوں کامل انسان ہیں، مگر دونوں میں فرق ہے، پھر اس کے بعد ایمان ہی ناقص ہے۔ یہ مداہنت کرنے والے اور موافقت کرنے والے لوگ ہیں۔

[۱۰-] بابُ ماجاء في تغْيِيْرِ الْمُنْكَرِ بِالْيَدِ أَوْ بِاللِّسَانِ أَوْ بِالْقَلْبِ

[۲۱۶۹-] حدثنا بُنْدَارٌ، نا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نا سُفْيَانُ، عَنْ قَيْسِ بنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَوَّلُ مَنْ قَدَّمَ الْخُطْبَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ لِمَرْوَانَ: خَالَفْتَ السُّنَّةَ! فَقَالَ: يَا فُلَانُ تُرِكَ مَا هُنَاكَ، فَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: أَمَّا هٰذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ، سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَلْيُنْكِرْهُ بِيَدِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ مِنْهُ

منکرات میں مداہنت کرنے والے کی مثال

اس باب میں وہی مسئلہ ہے جو گذشتہ باب میں تھا، اُس باب میں ایمان کے آخری درجہ تک بات آئی تھی، اب اس باب میں ایک دوسری روایت ذکر کر رہے ہیں جو مداہنت فی الدین کے باب سے ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی حالت جو اللہ کی حدود پر قائم ہے اور جو اللہ کی حدود میں مداہنت کرنے والا ہے، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کی اور نہ کرنے والوں کی اور اس میں مداہنت برتنے والوں کی حالت اس قوم جیسی ہے جس نے سمندر میں سفر کے لئے ایک کشتی میں قرعہ اندازی کی، پس بعض کے حصہ میں بالائی منزل آئی، اور بعض کا قرعہ زیریں منزل میں نکلا، پس جو لوگ نیچے والے طبقہ میں تھے وہ اوپر جاتے تھے تاکہ سمندر میں سے پانی اٹھائیں، وہ لوگ بالائی منزل والوں پر پانی گراتے تھے جس سے کیچ ہو جاتی تھی، پس بالائی منزل والوں نے کہا: ہم تمہیں اوپر نہیں آنے دیں گے، تم ہمیں پریشان کرتے ہو، نچلی منزل والوں نے کہا: ہم کشتی کی تہہ میں سوراخ کریں گے کیونکہ پانی تو ہمیں بہر حال چاہئے، نبی ﷺ نے فرمایا: پس اگر ان اوپر والوں نے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑا اور ان کو کشتی میں سوراخ کرنے سے روکا تو سبھی بچ جائیں گے اور اگر انھوں نے ان کو سوراخ کرنے دیا تو سبھی ڈوب جائیں گے۔

تشریح: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنے کی اور دل سے اس کو برا نہ سمجھنے کی یہ بہت عمدہ مثال ہے، یہی لوگ مداہن فی الدین کہلاتے ہیں اور ان کا وبال سب کو بھگتنا پڑے گا، کاش لوگ سمجھیں۔

[۱۱-] بابٌ مِنْهُ

[۲۱۷۰-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، نا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُوْدِ اللّٰهِ، وَالْمُدْهِنِ فِيْهَا، كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلَى سَفِيْنَةٍ فِي الْبَحْرِ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا، وأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِيْنَ فِيْ أَسْفَلِهَا يَصْعَدُوْنَ، فَيَسْتَقُوْنَ الْمَاءَ، فَيَصُبُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ فِيْ أَعْلَاهَا، فَقَالَ الَّذِيْنَ فِيْ أَعْلَاهَا: لَا نَدَعُكُمْ تَصْعَدُوْنَ فَتُؤْذُوْنَنَا، فَقَالَ الَّذِيْنَ فِيْ أَسْفَلِهَا: فَإِنَّا نَنْقُبُهَا فِيْ أَسْفَلِهَا فَنَسْتَقِيَ، فَإِنْ أَخَذُوْا عَلَى أَيْدِيْهِمْ فَمَنَعُوْهُمْ نَجَوْا جَمِيْعًا، وَإِنْ تَرَكُوْهُمْ غَرِقُوْا جَمِيْعًا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: حدود اللہ: داخلی سرکل ہیں جس کا تذکرہ پہلے (تحفہ ۳:۲۰۱ کتاب الحج باب ۲ میں) آیا ہے، اور جس سے باہر نکلنے والا آدمی فاسق ہے...... المُدْهِنُ (اسم فاعل) أَدْهَنَ فی الأَمْرِ: کسی معاملہ میں نرمی برتنا، اور المُداهن (اسم فاعل) دَاهَنَه مُدَاهَنَةً: مداہنت کرنا، حق پوشی کرنا...... سَهْمٌ: حصہ إِسْتَهَمَ: قرعہ اندازی کرکے اپنا حصہ معلوم کرنا...... نَقَبَ الجِلْدَ أو الجِدَارَ: کھال یا دیوار میں سوراخ کرنا...... اور یہ حدیث بخاری شریف کتاب الشرکۃ اور کتاب الشهادة میں ہے۔

بابُ أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الجِهَادَ كَلِمَةُ عَدْلٍ عند سُلطانٍ جَائِرٍ: بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

تشریح: ابوداؤد (حدیث ۴۳۴۴) میں أفضلُ الجهاد إلخ ہے اور بعض کتابوں میں عدلٌ کی جگہ حق بھی ہے، جہاد میں پچاس فیصد شہید ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور پچاس فیصد غازی بننے کا، بلکہ شہید ہونے کا احتمال اور بھی کچھ کم ہوتا ہے، دس پندرہ فیصد ہی احتمال ہوتا ہے کہ میدان میں کام آجائے گا، اور ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے میں معاملہ بالکل برعکس ہوتا ہے، دس، بیس فیصد ہی جان بچنے کا امکان ہوتا ہے، باقی احتمال تو گردن نپنے کا ہوتا ہے، اس لئے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہت بڑا جہاد ہے، علاوہ ازیں: مجاہد جہاد میں ایک کافر کو مارتا ہے، اور ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے والا ساری قوم کو فائدہ پہنچاتا ہے، جبکہ بادشاہ اس کی بات قبول کرلے، اس طرح اس کے جہاد کی افادیت زیادہ ہے اس لئے یہ افضل جہاد ہے۔

[۱۲-] بابُ أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

[۲۱۷۱-] حدثنا الْقَاسِمُ بنُ دِيْنَارٍ الْكُوْفِيُّ، نَا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مُصْعَبٍ أَبُوْ يَزِيْدَ، نَا إِسْرَائِيْلُ، عَنْ مُحمدِ بنِ جُحَادَةَ، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

وضاحت: اس حدیث میں اگرچہ عطیہ عوفی ہیں جوضعیف شمار کئے گئے ہیں، مگر چونکہ اس حدیث کے شواہد ہیں، حضرت ابوامامہ کی حدیث ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے، اور حضرت طارق بن شہاب کی حدیث نسائی میں ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کی تحسین کی ہے، یا اس لئے تحسین کی ہے کہ عطیہ امام ترمذیؒ کے نزدیک بہت زیادہ ضعیف نہیں ہیں، ان کا حال صدوقٌ يُخطِئُ كثيراً ہے اور ایسے راوی کی حدیث امام ترمذیؒ کے نزدیک حسنٌ ہوتی ہے۔

بابُ سُؤَالِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم ثَلاَثًا فِيْ أُمَّتِهِ

نبی ﷺ نے امت کے لئے تین دعائیں مانگیں

حدیث (۱): ایک دن نبی ﷺ عالیہ (بلندی کی طرف کے گاؤں) سے تشریف لا رہے تھے، جب مسجد بنومعاویہ سے گذرے تو مسجد میں تشریف لے گئے، اور وہاں آپؐ نے دو نفلیں پڑھیں، صحابہ نے بھی آپؐ کے ساتھ پڑھیں پھر نبی ﷺ نے لمبی دعا فرمائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج آپؐ نے ایک ایسی نماز پڑھی ہے جو آپؐ نہیں پڑھا کرتے تھے، یعنی اس وقت نماز پڑھنے کا آپؐ کا معمول نہیں تھا، آپؐ نے فرمایا: ہاں، یہ خلاف معمول نماز ہے، یہ رغبت و رہبت والی نماز ہے، یعنی اور نمازیں تو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہیں جن سے مقصود بندگی کا اظہار اور اللہ کی معبودیت کا اقرار ہوتا ہے مگر میں نے یہ نماز رغبت و رہبت والی پڑھی ہے، میں نے اس نماز میں کچھ دعائیں مانگی ہیں یہ امید باندھ کر کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائیں۔ اور اس ڈر کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول نہ فرمائیں (اس طرح اس نماز میں رغبت و رہبت دونوں جمع ہوگئے) پھر آپؐ نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے اس نماز میں تین دعائیں مانگیں، پس اللہ نے مجھے دو عنایت فرمائیں اور ایک سے منع کر دیا، میں نے اللہ تعالیٰ سے مانگا کہ وہ میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ کریں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات مجھے دیدی، اور میں نے اللہ سے مانگا کہ وہ ان پر کوئی دشمن ان کے علاوہ سے مسلط نہ کریں جو ان کو جڑ مڑ سے اکھاڑ دے، پس اللہ نے یہ بات بھی مجھے عنایت فرمائی، اور میں نے اللہ سے مانگا کہ وہ ان کے بعض کو بعض کی سختی نہ چکھائیں یعنی وہ آپس

میں نہ لڑیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات مجھے عنایت نہ فرمائی (پس مسلمان باہم لڑیں گے اور یہی فتنے ہونگے)

ملحوظہ: اس حدیث کے شروع میں جو مضمون بڑھایا ہے وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں مسلم شریف (حدیث ۲۸۹۰) میں آیا ہے، البتہ اُس روایت میں دوسری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو غرق نہ کردیں تو اللہ نے وہ دعا قبول فرمائی۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین جمع کردی، یعنی پوری زمین کو ایک چھوٹے سے نقشہ کے شکل میں مجھے دکھایا، پس میں نے اس کے مشرق ومغرب کو دیکھا، اور بیشک میری امت کی حکومت عنقریب ان مقامات تک پہنچے گی جو میرے لئے زمین میں سے جمع کئے گئے ہیں، اور میں دو خزانے: سرخ وسفید دیا گیا، سرخ سے سونے کی کرنسی مراد ہے، اور سفید سے چاندی کی کرنسی، عرب سے لگے ہوئے جو دو سپر پاور تھے ایران وروم یہ ان کی کرنسیاں تھیں، یعنی دونوں حکومتوں کی دولتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمائیں، اور میں نے پروردگار سے اپنی امت کے لئے یہ مانگا کہ وہ اس کو عام قحط سالی سے ہلاک نہ کریں، اور یہ کہ وہ اس پر کوئی دشمن مسلط نہ کریں غیر مسلموں میں سے جو ان کے اصل مرکز کو حلال وجائز سمجھ لے، اور بیشک میرے پروردگار نے فرمایا: اے محمد! (ﷺ) میں جب کوئی فیصلہ کرتا ہوں تو وہ پھیرا نہیں جاتا (اس کا تعلق آنے والی بات سے ہے) اور بیشک میں آپؐ کو دیتا ہوں آپؐ کی امت کے مفاد میں کہ میں ان کو عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا، اور نہ میں ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط کروں گا جو غیر مسلموں میں سے ہو اور وہ ان کی مرکزیت کو تباہ کردے، اگرچہ اکٹھا ہوجائیں ان پر وہ سب لوگ جو زمین کے کناروں میں ہیں، یعنی ساری دنیا مل کر بھی ان کو تہس نہس نہیں کرسکے گی، البتہ یہ ہوگا کہ ان کے بعض بعض کو ہلاک کریں گے، اور ان کے بعض بعض کو قید کریں گے (یہ وہ تیسری بات ہے جو قبول نہیں ہوئی، اور إِنِّیْ قَضَیْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَایُرَدُّ کا تعلق اسی سے ہے، یعنی ایسا فیصلہ ضرور ہوگا کہ امت آپس میں لڑے)

تشریح:

۱- اس حدیث میں یَسْتَبِیْحُ بَیْضَتَهُمْ ایک محاورہ ہے، اسْتَبَاحَهُ کے دو معنی ہیں: جائز ومباح سمجھنا اور جڑ سے اکھاڑنا، اور البَیْضَةُ کے بھی دو معنی ہیں: لوہے کا خود جو جنگ میں پہنا جاتا ہے اور انڈا، اور اس لفظ سے کسی شی کی اصل بھی مراد لی جاتی ہے، بَیْضَةُ القوم: احاطہ یا محفوظ جگہ کو کہتے ہیں، اور بَیْضَة الدار: مکان کے بیچ کو کہتے ہیں، پس اس محاورہ کے معنی ہیں: جو ان کی مرکزیت کو اور ان کی اصل جگہ کو پامال کردے، اور اس کو اجاڑ دے، اور اس پر قبضہ کرلے ایسا نہیں ہوگا۔

۲- ابواب القدر میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مبرم ہے لیکن بندوں کی جانب سے معلق ہے، یعنی اسباب سے مسببات پیدا ہوتے ہیں اور اس میں محو واثبات بھی ہوتا ہے، اس حدیث میں یہ

بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات قطعی طور پر طے کردی ہے کہ ایسے اسباب پیدا نہیں ہونگے کہ امت عام قحط سالی سے ہلاک ہوجائے، اور غیر ان کے سر پر مسلط ہوکر ان کی مرکزیت کو نیست ونابود کردیں، البتہ آپس میں خلفشار اور جنگ وجدال کے اسباب رونما ہوتے رہیں گے اور جب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کریں گے تو اس فیصلہ کو کوئی ٹال نہیں سکے گا۔

ملحوظہ: یہ حدیث مسلم (حدیث ۲۸۸۹) میں بھی ہے، مگر اس میں بھی یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ واقعہ کس موقع کا ہے، ممکن ہے غزوۂ خندق میں جب آپ ﷺ نے دوتین مرتبہ کدال چلایا تھا اور پتھر ٹوٹا تھا، اور اس میں روشنی چمکی تھی اور اس میں زمین سمیٹ کر آپ کو دکھائی گئی تھی اور قیصر وکسری کے محلات بھی دکھائے گئے تھے: یہ ارشاد شاید اس موقع کا ہو۔

[۱۳-] بابُ سُؤَالِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم ثَلاَثًا فِيْ أُمَّتِهِ

[۲۱۷۲-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا وَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ، ثَنَا أَبِيْ، قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بنَ رَاشِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ خَبَّابِ بنِ الْأَرَتِّ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: صَلَّى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَلاَةً فَأَطَالَهَا، فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! صَلَّيْتَ صَلاَةً لَمْ تَكُنْ تُصَلِّيْهَا، قَالَ:" أَجَلْ! إِنَّهَا صَلاَةُ رَغْبَةٍ وَرَهْبَةٍ: إِنِّى سَأَلْتُ اللّٰهَ فِيْهَا ثَلاَثًا، فَأَعْطَانِى اثْنَتَيْنِ، وَمَنَعَنِىْ وَاحِدَةً: سَأَلْتُهُ أَنْ لاَيُهْلِكُ أُمَّتِىْ بِسَنَةٍ، فَأَعْطَانِيْهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَعْطَانِيْهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُذِيْقَ بَعْضَهُمْ بَأْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِيْهَا"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وفى الباب: عَنْ سَعْدٍ، وابنِ عُمَرَ.

[۲۱۷۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِىْ قِلاَبَةَ، عَنْ أَبِىْ أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" إِنَّ اللّٰهَ زَوَى لِى الْأَرْضَ، فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِىْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَازُوِىَ لِىْ مِنْهَا، وأُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ، وَإِنِّىْ سَأَلْتُ رَبِّىْ لِأُمَّتِىْ أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ، وَأَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهَا عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ، فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ، وَإِنَّ رَبِّىْ قَالَ: يَامُحمدُ! إِنِّىْ قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَايُرَدُّ، وَإِنِّىْ أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَا أُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ، وَلاَ أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ، فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ، وَلَوِاجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا - أَوْ قَالَ: مَنْ بَيْنَ أَقْطَارِهَا - حَتَّى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا، وَيَسْبِىْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في الرَّجُلِ يَكُوْنُ فِي الْفِتْنَةِ

فتنوں کے زمانہ میں آدمی کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے؟

حدیث: ام مالک بہزیہ رضی اللہ عنہا جو اسی ایک حدیث کی راویہ ہیں، کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک فتنہ کا تذکرہ کیا، پس اس کو نزدیک کیا، یعنی اس طرح بیان کیا کہ گویا وہ آیا ہی چاہتا ہے، پس ام مالکؓ نے عرض کیا: اس فتنے میں بہترین شخص کون ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا:

۱-رَجُلٌ في مَاشِيَتِهِ، يُؤَدِّي حقَّهَا، ويَعْبُدُ رَبَّهُ: وہ بندہ جو اپنی بکریوں میں ہو، بکریوں کا حق ادا کرتا ہو، اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہو، یعنی بکریاں لے کر بستی سے دور نکل گیا ہو، بکریوں کی زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور پروردگار کی عبادت کرتا ہو، اس طرح فتنوں سے الگ تھلک رہتا ہو وہ بہترین آدمی ہو۔

۲-ورجلٌ آخِذٌ برأسِ فَرَسِه، يُخِيفُ العَدُوَّ، وَيُخَوِّفُوْنَه: اور وہ بندہ جو اپنے گھوڑے کا سر تھامے ہوئے ہو، وہ دشمن کو ڈراتا ہو اور دشمن اس کو ڈراتے ہوں، یعنی گھوڑا لے کر جہاد میں نکل گیا ہو، وہ اپنی دھاک دشمن پر بٹھاتا ہو اور دشمن اسے ڈراتے ہوں: اس طرح وہ جہاد میں مشغول ہو اور فتنہ سے محفوظ ہو تو وہ بہترین آدمی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: تكونُ الفِتْنَةُ، تَسْتَنْظِفُ العَرَبَ، قَتْلَاها في النار: ایک فتنہ ہوگا جو عربوں پر جھاڑو پھیر دے گا یعنی عرب اس میں بڑی تعداد میں مارے جائیں گے اس فتنہ کے سارے مقتول دوزخ میں جائیں گے، اللِّسانُ فيها أَشَدُّ مِنَ السَّيْفِ: اس فتنہ میں زبان تلوار سے زیادہ سخت ہوگی۔

تشریح: یہ حدیث زیاد کی ہے یہ راوی خود سیمیں گوش (چاندی جیسا سفید کان والا) تھا یا اس کے ابا سیمیں گوش تھے، اور یہ اسی ایک حدیث کا راوی ہے، پھر یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟ اس میں اختلاف ہے، اور اس فتنہ کا مصداق ابھی نہیں پایا گیا، ابھی ایسا کوئی فتنہ ظاہر نہیں ہوا جو عربوں پر جھاڑو پھیر دے۔ اسْتَنْظَفَ الشيئَ کے معنی ہیں: وصول کر لینا، یعنی سارے عربوں کا خاتمہ کر دے، ایسا فتنہ ابھی تک نہیں پایا گیا، اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو جنگ ہوئی تھی وہ اس کا مصداق نہیں، پس اس حدیث کی بنا پر دونوں طرف کے مقتولوں کو دوزخی کہنا صحیح نہیں، اور اس باب میں اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ فتنوں کے زمانہ میں زبان کو قابو میں رکھنا چاہئے، اگر لوگوں سے الگ تھلگ ہو جائے تب تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر لوگوں کے درمیان رہے تو پھر آدمی کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ کفِ لسان کرے، تاکہ کسی درجہ میں فتنے کے ضرر سے محفوظ رہے۔

[۱۴-] بابُ ماجاء في الرَّجُلِ يَكُوْنُ فِي الْفِتْنَةِ

[۲۱۷۴-] حدثنا عِمْرَانُ بنُ مُوْسَى القَزَّازُ البَصْرِيُّ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بنُ سَعِيْدٍ، نَا مُحمدُ بنُ

جُحَادَةَ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ أُمِّ مَالِكٍ البَهْزِيَّةِ، قَالَتْ: ذَكَرَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِتْنَةً فَقرَّبَهَا، قَالَتْ: قُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! مَنْ خَيْرُ النَّاسِ فِيْهَا؟ قَالَ: "رَجُلٌ فِيْ مَاشِيَتِهِ، يُؤَدِّيْ حَقَّهَا، وَيَعْبُدُ رَبَّهُ، وَرَجُلٌ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ، يُخِيْفُ العَدُوَّ، وَيُخَوِّفُوْنَهُ"

وفي الباب: عَنْ أُمِّ مُبَشِّرٍ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، وابنِ عَبَّاسٍ، هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَرَوَاهُ لَيْثُ بنُ أَبِيْ سُلَيْمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ أُمِّ مَالِكٍ البَهْزِيَّةِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۲۱۷۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ مُعَاوِيَةَ الجُمَحِيُّ، نَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنْ زِيَادِ بنِ سِيْمِيْنَ كُوْشَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "تَكُوْنُ الفِتْنَةُ، تَسْتَنْظِفُ العَرَبَ، قَتْلاَهَا فِي النَّارِ، اللِّسَانُ فِيْهَا أَشَدُّ مِنَ السَّيْفِ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، سَمِعْتُ مُحمدَ بنَ إِسْمَاعِيْلَ، يَقُوْلُ: لَا نَعْرِفُ لِزِيَادِ بنِ سِيْمِيْنَ كُوْشَ غَيْرَ هٰذَا الحَدِيْثِ، وَرَوَاهُ حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ لَيْثٍ، فَرَفَعَهُ، وَرَوَاهُ حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ عَنْ لَيْثٍ فَوَقَفَهُ.

بابُ ماجاء في رَفْعِ الأَمَانَةِ

امانت داری کا فقدان

امانت: کے لغوی معنی ہیں: ذمہ داری، فرض منصبی، دیانت داری، راست بازی۔ أَمِنَ (س) فلاناً علی کذا: کسی پر اعتماد کرنا، ذمہ داری دینا، أَمُنَ (ک) أَمَانَةً: امین ہونا، دیانت دار ہونا۔

اور امانت: اصطلاح میں اس ذمہ داری (Responsibility) کا نام ہے جو انسان پر اللہ کی طرف سے یا بندوں کی طرف سے عائد کی جاتی ہے، سورۃ الاحزاب میں ہے: ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الإِنْسَانُ﴾ ترجمہ: ہم نے امانت یعنی احکام خداوندی جو بمنزلہ امانت ہیں آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کئے، پس انھوں نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، یعنی ان مخلوقات میں اس ذمہ داری کو سر لینے کی صلاحیت نہیں تھی، اور وہ مخلوقات اس سے سہم گئیں، یعنی ان میں مطلق صلاحیت نہیں تھی، اور انسان نے اس ذمہ داری کو اٹھالیا، یعنی اس میں اس امانت کو اٹھانے کی پوری صلاحیت تھی، یہ امانت (ذمہ داری) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر عائد کی گئی ہے، جس کا نام شریعت ہے۔

اور حدیث میں ہے: لَا إيمانَ لِمَنْ لا أمانَةَ له، ولادينَ لِمَن لَاعَهْدَ له: اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانت نہیں، اور اس شخص میں دین نہیں جس میں عہد و پیمان کا لحاظ نہیں (رواہ احمد ۳: ۱۳۵، مشکوۃ حدیث ۳۵) اس حدیث میں اس امانت کا تذکرہ ہے جو لوگوں کے تعلق سے عائد ہوتی ہے، مثلاً کوئی ملازم ہے، مدرس ہے، حاکم ہے، لوگوں

کے ساتھ معاملات کرتا ہے تو ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ امانت کہلاتی ہیں، اور ان کو پورا کرنا بھی دین کا تقاضہ ہے، پس لوگوں میں امانت داری کا فقدان ایک بڑا فتنہ ہے جس کا درج ذیل حدیث میں تذکرہ ہے۔

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم سے نبی ﷺ نے دو باتیں بیان کیں: ان میں سے ایک میں نے دیکھ لی، یعنی وہ پوری طرح میرے سامنے آگئی اور دوسری کا میں منتظر ہوں، یعنی ابھی وہ پوری طرح میرے سامنے نہیں آئی، البتہ کچھ کچھ آثار شروع ہو گئے ہیں۔

پہلی بات: نبی ﷺ نے ہم سے بیان کیا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی تھاہ میں اتری، پھر قرآن مجید اترا، اور لوگوں نے دینی راہ سیکھی یعنی جب زمانہ نبوت کا آغاز ہونے والا تھا تو پہلے لوگوں کے دلوں میں تعلیماتِ نبوی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کی گئی، پھر قرآن اترنا شروع ہوا جس کو لوگوں نے سیکھا، اور دینی طریقہ جانا، اس پہلی بات کا پیکر محسوس صحابہ کی جماعت ہے جس کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

دوسری بات: پھر نبی ﷺ نے ہم سے یہ بات بیان فرمائی کہ امانت کس طرح اٹھالی جائے گی؟ فرمایا: آدمی ایک نیند سوئے گا یعنی ذرا غافل ہوگا، حقیقۃً سونا مراد نہیں کہ امانت دل سے نکال لی جائے گی، پس امانت کا اثر ایک چھالے کی طرح رہ جائے گا، پھر وہ ایک نیند سوئے گا تو باقی ماندہ امانت بھی اس کے دل سے نکال لی جائے گی، پس اس کا اثر آبلے کی طرح رہ جائے گا، جیسے آپ اپنے پیر پر چنگاری لڑھکائیں، پس آبلہ پڑ جائے، اور وہ آپ کو پھولا ہوا نظر آئے، درانحالیکہ اس میں کوئی کارآمد چیز نہ ہو، پھر آپؐ نے ایک کنکری لی اور اپنے پیر پر لڑھکائی (یہ مثال کو پیکر محسوس بنایا)

اور نبی ﷺ نے فرمایا: پھر لوگوں کا حال یہ ہو جائے گا کہ وہ ایک دوسرے سے لین دین کریں گے، مگر شاید ہی کوئی ایسا انسان پائیں گے جو امانت ادا کرے، یہاں تک کہ کہا جائے گا: فلاں قبیلہ میں ایک امانت دار آدمی ہے، اور یہاں تک کہ کہا جائے گا آدمی کے بارے میں: کس قدر مضبوط آدمی ہے! کس قدر زیرک ہے! کس قدر عقلمند ہے! مگر اس کے دل میں رائے کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں: بخدا! مجھ پر ایک زمانہ گذر چکا ہے اور میں پرواہ نہیں کرتا تھا کہ تم میں سے کس کے ساتھ سودا کروں، اس لئے کہ وہ شخص اگر مسلمان ہوگا تو ضرور اس کا دین اس چیز کو مجھ پر پھیرے گا، اور اگر وہ یہودی یا عیسائی ہوگا تو ضرور اس کا عامل مجھ پر اس چیز کو پھیرے گا، مگر اب میں آپ لوگوں سے معاملات نہیں کرتا، مگر فلاں اور فلاں سے۔

لغات: قوله: نَزَلَتْ فی جَذر قلوب الرِّجال: **الجَذْرُ:** ہر چیز کی جڑ، اصل، جمع جُذُوْر، یعنی امانت لوگوں کے دلوں کی تھاہ میں اتری، جیسے بوائی سے پہلے کھیت تیار کرتے ہیں، اسی طرح نبوت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے قلوب

میں صلاحیت پیدا کی، تا کہ وہ دین کو قبول کریں......قوله: يَنَامُ الرجلُ النَّومة: آدمی ایک سونا سوئے گا، اس سے سونا مراد نہیں، بلکہ دفعۃً مزاجوں کی تبدیلی مراد ہے یعنی سویا تو کامل الایمان تھا، بیدار ہوا تو امانت داری ماند پڑ چکی تھی، اور اس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی.........الوَكْت: کسی چیز کا ہلکا سا نشان، دھبہ، چتّی جو دیکھنے میں جلدی محسوس نہیں ہوتی مگر وہ عمل کا واقعی اثر ہوتی ہے، یعنی ابھی امانت کا دل میں کچھ اثر باقی ہے......مثل أَثَرِ الْمَجْلِ: آبلے کے نشان کی طرح چھالا جس میں گندہ پانی بھرا ہوا ہوتا ہے، اور وہ پھولا ہوا نظر آتا ہے، مگر اس میں سوائے گندگی کے کچھ نہیں ہوتا، یعنی اب امانت داری بالکل ختم ہوگئی ہے، مگر آدمی بناوٹی امانت دار نظر آتا ہے جو فتنہ کے سوا کچھ نہیں، مَجَلَتْ يدُه (ن) مَجْلاً: ہاتھ میں آبلہ پڑنا، چھالہ پڑنا......نَفِطَتْ يدُه نَفْطًا: ہاتھ میں آبلہ پڑنا......ما أَجْلَدَهُ (فعل تعجب) کس قدر مضبوط اور طاقت ور ہے، کس قدر باہمت اور با استقلال ہے......ما أَظْرَفَه (فعل تعجب) کس قدر ذہین، زیرک اور تیز طبع ہے......ما أَعْقَلَه: (فعل تعجب) کتنا بڑا عقلمند ہے۔

تشریح:

۱- امانت جب ابتداءً قلوب سے نکالی جاتی ہے تو اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، ہر شخص اس کو سمجھ نہیں سکتا، اس کا نشان دل میں رہتا ہے مگر اس کی تاثیر واضح نہیں ہوتی، اس لئے اس کو دھبہ کے ساتھ تشبیہ دی، کام کرتے کرتے ہاتھ میں نشان پڑ جاتا ہے، جس سے کھال میں معمولی تغیر آجاتا ہے اور وہ محسوس کیا جاسکتا ہے، پھر جب دوسری مرتبہ امانت داری نکالی جاتی ہے تو اس کا اثر ہر شخص محسوس کرسکتا ہے، اس لئے اس کو آبلہ کے ساتھ تشبیہ دی، اور پیر پر کنکری لڑھکا کر بات واضح کی کہ جس طرح چنگاری پیر پر گذر جائے تو جگہ جگہ آبلے پڑ جاتے ہیں جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے، وہ انگور کے دانہ کی طرح نظر آتا ہے، مگر اس میں گندے پانی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

۲- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ماحول میں صحابہ غالب تھے تو ان کے دل نور ایمان سے منور تھے، اور اس زمانہ کے کفار بھی ان کے آثار سے متاثر تھے، پس شاید باید کوئی خیانت کرتا تھا، اس لئے میں بے تکلف ہر ایک سے معاملہ کرتا تھا، میں سوچتا تھا کہ جس سے میں معاملہ کررہا ہوں اگر وہ مؤمن ہے تو وہ ایمان کے تقاضہ سے میری امانت ادا کرے گا اور اگر وہ غیر مسلم ہے تو اس پر جو مسلمان حاکم ہے وہ میری امانت ادا کرائے گا، مگر اب لوگوں کا حال برا ہوگیا ہے اور حکام بھی لاپرواہ ہوگئے ہیں، اس لئے میں آنکھ بند کرکے ہر کسی کے ساتھ معاملہ نہیں کرتا، بلکہ ٹھوک بجا کر قابل اعتماد آدمی کے ساتھ ہی معاملہ کرتا ہوں۔

سوال: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں نے دوسری بات نہیں دیکھی، اور اب فرمارہے ہیں کہ وہ بدلا ہوا زمانہ بھی میں نے دیکھ لیا، پس یہ دو باتیں متعارض ہیں؟

اس کا جواب: یہ ہے کہ زمانہ میں تبدیلی ابھی پوری طرح نہیں آئی، کچھ کچھ آثار شروع ہوئے ہیں، مگر چونکہ

حدیث میں ہے:الحَزْمُ سُوءُ الظَّنِّ: چوکناپن بدظنی میں ہے، اس لئے حضرت حذیفہؓ نے پھونک پھونک کر قدم رکھنا شروع کردیا ہے، مگر جیسا پہلی بات کا مشاہدہ کرلیا ہے، ایسا کامل مشاہدہ ابھی اس دوسری بات کا نہیں ہوا۔

ملحوظہ: یہ حدیث متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۶۴۹۷، مسلم حدیث ۱۷۳)

[۱۵-] بابُ ماجاء في رَفْعِ الأَمَانَةِ

[۲۱۷۶-] حدثنا هَنَّادٌ، نَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بنِ وَهْبٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حَدِيْثَيْنِ، قَدْ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا، وَأَنَا أَنْتَظِرُ الآخَرَ:

[۱-] حَدَّثَنَا: أَنَّ الأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ، ثُمَّ نَزَلَ الْقُرآنُ، وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ"

[۲-] ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الأَمَانَةِ، فَقَالَ: " يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ، فَتُقْبَضُ الأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ، فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ، ثُمَّ يَنَامُ نَوْمَةً، فَتُقْبَضُ الأَمَانَةُ، فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْمَجْلِ، كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ، فَنَفِطَتْ، فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا، وَلَيْسَ فِيْهِ شَيْئٌ" ثُمَّ أَخَذَ حَصَاةً فَدَحْرَجَهَا عَلَى رِجْلِهِ.

[۳-] قَالَ: " فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ، لَايَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّى الأَمَانَةَ، حَتَّى يُقَالَ: إِنَّ فِيْ بَنِيْ فُلَانٍ رَجُلًا أَمِيْنًا، وَحَتَّى يُقَالَ لِلرَّجُلِ: مَا أَجْلَدَهُ! وَأَظْرَفَهُ! وَأَعْقَلَهُ! وَمَا فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ"

[٤-] قَالَ: وَلَقَدْ أَتَى عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا أُبَالِيْ أَيُّكُمْ بَايَعْتُ فِيْهِ، لَإِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ دِيْنُهُ، وَلَئِنْ كَانَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ سَاعِيْهِ، فَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أُبَايِعُ مِنْكُمْ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ لَتَرْكَبُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

لوگ اگلوں کی روش پر ضرور چلیں گے

السَّنَن (بفتح السين) طریقہ، نمونہ، طرز، کہا جاتا ہے: بَنَوا بُيُوْتَهم على سَنَنٍ وَاحِدٍ: انھوں نے ایک ہی انداز کے گھر بنائے، دوسرا لفظ ہے السُّنَّة: خاص طریقہ، سیرت خواہ اچھی ہو یا بری، اس کی جمع سُنَنٌ ہے، یہ لفظ باب میں نہیں ہے۔

حدیث: جب نبی ﷺ حنین تشریف لے جارہے تھے تو لشکر مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے گذرا، جس کو ذاتُ انواط کہا جاتا تھا (النَّوْط: لٹکانے کی جگہ یا چیز، جمع أنواط، أناطَ الشيئَ به وعليه: کوئی چیز لٹکانا،

معلّق کرنا، وابستہ کرنا، یہ ایک کیکر کا درخت تھا جو متبرک قرار دے دیا گیا تھا اس پر مشرکین اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے اور وہاں ناچتے کودتے تھے۔اور حنین کے اس سفر میں مکہ مکرمہ کے تقریباً دو ہزار نومسلم بھی ساتھ تھے) انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے بھی کوئی ذات انواط مقرر کیجئے، جیسا مشرکین کے لئے ذات انواط ہے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ بات تو ایسی ہی ہے جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی: ﴿اجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ﴾ یعنی ہمارے لئے ایک ایسا ہی معبود مقرر کیجئے جیسا ان لوگوں کے لئے ہے (الاعراف آیت ۱۳۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو جواب دیا: ''تم واقعی بڑی جہالت میں ہو'' اور نبی ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم ضرور چلو گے ان لوگوں کے طریقہ پر جو تم سے پہلے گذرے ہیں، یعنی تم نے بھی بنی اسرائیل کی طرح مطالبہ شروع کر دیا جو جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

تشریح: یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے، اور آئندہ یہ حدیث آرہی ہے کہ میری امت پر ایسا وقت ضرور آئے گا جیسا بنی اسرائیل پر آچکا ہے، بالکل ہو بہو، جیسا چپل چپل کے برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہے تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ضرور پیدا ہونگے جو یہ حرکت کریں گے۔

فائدہ: کسی دلیل شرعی کے بغیر کسی چیز سے کوئی فضیلت وابستہ کر لینا جہالت ہے، حدیبیہ میں جس کیکر کے درخت کے نیچے نبی ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی، لوگ وہاں نمازیں پڑھنے لگے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوادیا ، اسی طرح دارالعلوم دیوبند جس انار کے درخت کے نیچے سے شروع ہوا تھا وہ درخت مسجد چھتہ میں تھا، اس کے ساتھ بھی طرح طرح کے خرافات شروع ہو گئے تھے، تبرکاً لوگ اس کے پتے لے جاتے تھے اور کھاتے تھے، اللہ کے کسی بندے نے وہ درخت کاٹ دیا، اللہ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے اس نے بہت اچھا کام کیا۔

اس قسم کی خودساختہ متبرک چیزیں لوگوں کے لئے فتنہ بن جاتی ہیں اور جب اعتقاد میں غلو پیدا ہوتا ہے تو لوگوں کا دین بگڑ جاتا ہے، شیعوں کو دیکھتے نہیں، ہر ملک میں اور ہر شہر میں ان کے کربلا ہیں، اور ہر سال وہ تعزیے نکالتے ہیں، اور اپنے خودساختہ ڈھانچوں کے ساتھ ضریح حسینؓ جیسا معاملہ کرتے ہیں، یہ سب خرافات ہیں اور قطعاً ممنوع ہیں، لوگوں کو اس قسم کی چیزوں سے قطعاً دور رہنا چاہئے، ورنہ یہ بات ان کے دین کے بگاڑ کا سبب بن جائے گی۔

[۱۶-] بابٌ لَتَرْكَبُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

[۲۱۷۷-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ، نَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سِنَانِ بْنِ أَبِيْ سِنَانٍ، عَنْ أَبِيْ وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَمَّا خَرَجَ إِلَى حُنَيْنٍ، مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ، يُقَالُ لَهَا: ذَاتُ أَنْوَاطٍ، يُعَلِّقُوْنَ عَلَيْهَا أَسْلِحَتَهُمْ، قَالُوْا: يَارسولَ اللهِ! اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ

أَنْوَاطٍ، كَمَالَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: " سُبْحَانَ اللّٰهِ! هٰذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسَى: ﴿ اجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةً﴾ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهِ! لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ".

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ وَاقِدٍ اللَّيْثِيُّ: اسْمُهُ الحَارِثُ بْنُ عَوْفٍ، وَفي الباب: عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ، وَأَبِیْ هريرةَ.

بابُ ماجاء في كَلَامِ السِّبَاعِ

درندوں کا لوگوں سے باتیں کرنا

عجائبات بھی کبھی فتنے کا سبب بن جاتے ہیں، کوئی انوکھی بات پیش آتی ہے تو لوگ پاگل ہوکر اس کے پیچھے دوڑتے ہیں، شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بوستان میں سومنات کی ایک مورتی کے دعا میں ہاتھ اٹھانے کا مشاہدہ لکھا ہے، لوگ کس قدر اس مورتی کے پیچھے پاگل تھے، وہ بوستان میں پڑھیں، اسی طرح ابھی قریب زمانہ میں مشہور ہوا کہ گنیش کی مورتی دودھ پیتی ہے، بس ساری دنیا کے ہندو اس کے پیچھے پاگل ہوگئے، جاہل مسلمانوں کے لئے بھی اس قسم کے عجائبات فتنے کا سبب بنتے بن جاتے ہیں۔

اور تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ایں قسم کے عجائبات اکثر جھوٹے ہوتے ہیں، ایک مرتبہ پالن پور کے علاقہ میں مشہور ہوا کہ ایک شخص ہل چلا رہا تھا، اس نے بیل کو لکڑی ماری، بیل نے مڑکر کہا: کیوں مارتا ہے؟ بس ہالی بے ہوش ہوکر گر گیا اور مر گیا، میرے والد صاحب قدس سرہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں بس میں پالن پور جا رہا تھا، جب بس اس گاؤں سے گذری جہاں کا یہ واقعہ تھا تو وہاں سے کچھ لوگ بس میں چڑھے، والد صاحب نے ان سے واقعہ کی حقیقت معلوم کی تو وہ لوگ حیرت سے کہنے لگے: ہمارے گاؤں میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، ہم نے تو سنا ہے کہ کالیڑا (والد صاحب کے گاؤں) میں ایسا واقعہ پیش آیا ہے، معلوم ہوا کہ ڈھول میں پول تھا۔

غرض اگر واقعات حقیقی بھی ہوں جیسے قیامت کی نشانیوں میں یہ بات ہے کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے تو بھی اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، آخر درندے حضرت سلیمان علیہ السلام سے باتیں کرتے ہی تھے، پس اس قسم کے واقعات انسان کے دین کے لئے فتنہ نہیں بننے چاہئیں کہ لوگ اس درندے ہی کو پوجنا شروع کردیں، جیسے ہندو شیر وغیرہ کو پوجتے ہیں۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! قیامت برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے، اور یہاں تک کہ آدمی سے بات کرے گا اس کے کوڑے کا سرا، اور اس کے چپل کا تسمہ، اور اس کو بتلادے گی اس کی ران وہ نئی باتیں جو اس کی فیملی نے اس کے بعد پیدا کی ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں تین باتیں قیامت کی علامت کے طور پر بیان کی گئی ہیں: (۱) درندوں کا انسانوں سے باتیں کرنا (۲) کوڑے کے کنارے کا اور چپل کے تسمہ کا آدمی سے باتیں کرنا (۳) اور آدمی کی ران کا اس کے گھر کے احوال کی اطلاع دینا، اس کی شکل کیا ہوگی؟ وہ وقت بتائے گا، نبی ﷺ نے اپنے زمانہ کی تعبیرات میں کلام فرمایا ہے، وقت پر اس کی جو بھی صورت ہوگی وہ سامنے آئے گی، قبل از وقت اس کی تعیین مشکل ہے۔

[۱۷-] بابُ ماجاء فی کَلامِ السِّبَاعِ

[۲۱۷۸-] حدثنا سُفْيَانُ بنُ وَكِيْعٍ، نا أَبِیْ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ الفَضْلِ، نا أَبُوْ نَضْرَةَ العَبْدِیُّ، عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ الخُدْرِیِّ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهِ! لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُكَلِّمَ السِّبَاعُ الإِنْسَ، وَحَتّٰى يُكَلِّمَ الرَّجُلَ عَذَبَةُ سَوْطِهِ، وَشِرَاكُ نَعْلِهِ، وَتُخْبِرُهُ فَخِذُهُ بِمَا أَحْدَثَ أَهْلُهُ بَعْدَهُ "

وفی الباب: عَنْ أَبِیْ هريرةَ، وَهٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الْقَاسِمِ بنِ الفَضْلِ، وَالْقَاسِمُ بنُ الْفَضْلِ ثِقَةٌ مَأْمُوْنٌ عِندَ أَهْلِ الحديثِ، وَثَّقَهُ يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ وَعَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِیٍّ.

وضاحت: یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے اور صحیح ہے، البتہ قاسم بن الفضل سے آخر تک یہی سند ہے، مگر یہ راوی محدثین کے نزدیک قابل اعتماد ہے۔

بابُ ماجاء فی انْشِقَاقِ القَمَرِ

معجزۂ شق القمر کا بیان

معجزات بھی چونکہ از قبیل عجائبات ہوتے ہیں اس لئے جہاں وہ کچھ لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان بنتے ہیں دوسرے لوگوں کے لئے آزمائش کا سبب بھی بنتے ہیں، شق القمر کا معجزہ جس کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی ہے اور احادیث میں بھی ہے باوجود مطالبہ کے کفار مکہ کے لئے ایمان کا سبب نہ بنا، بلکہ فتنہ بن گیا، ان لوگوں نے کہہ دیا: ہم پر جادو کر دیا!

معجزۂ شق القمر:

ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے ایک مرتبہ مشرکین مکہ حضور اقدس ﷺ کے پاس جمع ہو کر آئے، جن میں ولید بن مغیرة، ابوجہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبدیغوث، اسود بن مطلب، زمعۃ بن الاسود اور

نضر بن حارث وغیرہ تھے، اور انھوں نے آپؐ سے کہا: اگر آپ سچے نبی ہیں تو چاند کے دوٹکڑے کر کے دکھائیے، رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند طلوع کئے ہوئے تھا، آپؐ نے فرمایا: اگر میں یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان لے آؤ گے؟ انھوں نے کہا: ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضور ﷺ نے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا، پس چاند کے دوٹکڑے ہوگئے، ایک ٹکڑا جبل ابی قیس پر تھا، اور دوسرا جبل قیقعان پر، دیر تک لوگ حیرت سے دیکھتے رہے اور حضور اقدس ﷺ اس وقت یہ فرماتے رہے: اشْهَدُوْا، اشْهَدُوْا: لوگو! گواہ رہو، لوگو! گواہ رہو، عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ہوگیا، مشرکین مکہ نے کہا: محمد! تم نے ہم پر جادو کر دیا، ہم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرتے ہیں ہم ان سے دریافت کریں گے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمد (ﷺ) تمام لوگوں پر جادو کر دیں، اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کریں تو سچ ہے، اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھنا کہ محمد (ﷺ) نے تم پر سحر کیا ہے، چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا، ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر دیکھا ہے، مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے، اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر ہے، عنقریب اس کا اثر زائل ہوجائے گا، اس وقت سورۂ قمر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

معجزۂ شق قمر کا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں واقع ہونا قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے، اور اس پر تمام سلف وخلف کا اجماع ہے، اور کسی شاذ و نادر (مودودی صاحب) نے جو انشقَّ القمر ماضی کو بمعنی سَيَنْشَقُّ القمر لیا ہے (یہ ترجمہ مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں کیا ہے) وہ سراسر ظاہر قرآن اور احادیثِ صریحہ اور صحیحہ اور تصریحات سلف وخلف کے خلاف ہے، جو قابل اعتبار نہیں۔

مخالفین اسلام اس معجزہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اول تو یہ بات محال ہے کہ چاند کے دوٹکڑے ہوجائیں دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں، جواب یہ ہے کہ آج تک کسی دلیلِ عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح اجسام سفلیہ میں کون وفساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں، اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون وفساد محال نہیں، خداوند ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان وزمین، شمس وقمر اور شجر وحجر سب برابر ہیں، جس قادر مطلق نے شمس وقمر کو بنایا ہے وہ خدا ان کو توڑ بھی سکتا ہے اور جوڑ بھی سکتا ہے، بہر حال اس قسم کے خوارق کا ظہور قطعاً محال نہیں، ہاں مستبعد ضرور ہے اور ہر معجزہ کے لئے مستبعد ہونا ضروری ہے، جو لوگ محض استبعاد کی بنا پر محال قرار دیتے ہیں ان کو محال اور مستبعد کا فرق معلوم نہیں، اور رہی یہ بات کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صدہا اور ہزار ہا ایسے عجیب واقعات ہیں جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام ونشان نہیں، نیز شق القمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے اور شق القمر صرف

تھوڑی دیر کے لئے رہا اس لئے اگر عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہ ہوا تو تعجب نہیں، بسا اوقات چاند اور سورج گہن ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو علم ہی نہیں ہوتا، نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اس وقت دن ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات ہوگی، عموماً لوگ سوئے ہونگے، نیز اس معجزہ سے مقصود فقط اہل مکہ پر حجت تمام کرنا تھا وہ مقصود حاصل ہوگیا، تمام عالم کو دکھانا مقصود نہیں تھا (ماخوذ از سیرۃ المصطفیٰ ۱:۲۳۶)

[۱۸-] بابُ ماجاء فی انْشِقَاقِ القَمَرِ

[۲۱۷۹-] حدثنا مُحمودُ بْنُ غَيْلاَنَ، نا أَبُوْ دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: انْفَلَقَ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " اشْهَدُوْا"

وفي الباب: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وأَنَسٍ، وَجُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

لغات: انْشَقَّ: پھٹنا، چیرنا، شگاف پڑنا، کریک ہونا .... انْفَلَقَ الشيُّ: پھٹنا، اور یہ حدیث کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں جب چاند پھٹا تو آپؐ نے فرمایا: لوگو! گواہ رہو، یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے مسلم (حدیث ۲۸۰۱ کتاب صفات المنافقین، باب انشقاق القمر) میں بھی ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۴۸۶۴، مسلم حدیث ۲۸۰۰)

بابُ ماجاء فی الخَسْفِ

زمین دھنسنے کا ذکر

قیامت کی علامتیں بہت ہیں ان میں ایک زمین کا دھنسنا بھی ہے اور چونکہ قیامت کی ساری علامتیں از قبیل عجائبات ہیں اس لئے وہ لوگوں کے لئے فتنہ (آزمائش) بنتی ہیں، قیامت کی ایک نشانی بعثت نبوی بھی ہے، حدیث میں ہے: بُعثتُ أنا و السَّاعةُ کهاتَیْن: میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں اور آپؐ نے شہادت کی اور درمیانی انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے متصل ہیں، اسی طرح معجزہ شق القمر بھی قرب قیامت کی ایک نشانی ہے، سورۃ القمر میں اس کی صراحت ہے اور درج ذیل حدیث میں دس دیگر نشانیوں کا تذکرہ ہے۔

حدیث: حضرت حذیفہ بن اَسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے ہم پر بالا خانہ سے جھانکا (یہ بالا خانہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کمرہ کے اوپر تھا، اور وہاں سے مسجد کی طرف کھڑکی کھلتی تھی) اور ہم قیامت کا تذکرہ کررہے تھے، پس آپؐ نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ دیکھو تم دس نشانیاں:

۱-سورج کا مغرب سے طلوع کرنا (اس کی تفصیل اگلے باب میں آرہی ہے)

۲-یاجوج وماجوج کا خروج: ان کا خروج بھی دجال کے ظہور کی طرح علامات قیامت میں سے ہے، سورۃ الانبیاء آیت ۹۶ میں ہے: ﴿حَتّٰى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ، وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ یعنی یہ بات ناممکن ہے کہ مرے ہوئے انسان دنیا میں لوٹ آئیں یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے پھسلتے آئیں گے اور سچا وعدہ نزدیک آپہنچے گا (تو مردے دوبارہ زندہ ہونگے) اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ نفخ صور سے پہلے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ظاہر ہوگی کہ یاجوج وماجوج کے تمام قبیلے ایک ساتھ امنڈ آئیں گے اور دنیا میں عام غارت گری شروع کردیں گے، اور اپنی مقامی بلندیوں سے تیزی کے ساتھ اترتے ہوئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے (ہدایت القرآن ۵:۲۳۳) اس کا تذکرہ بھی آگے باب ۲۱ میں آرہا ہے۔

۳-دابۃ الارض کا خروج: قیامت سے پہلے مکہ مکرمہ کی صفا نامی پہاڑی پھٹے گی اور اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے، اور سچے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں کو نشانی لگا کر جدا کردے گا، اس کا تذکرہ سورۃ النمل آیت ۸۲ میں ہے۔

۴-۶-مشرق میں زمین دھنسے گی، اور مغرب میں زمین دھنسے گی، اور جزیرۃ العرب میں زمین دھنسے گی۔

۷-عدن کی سرزمین سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر شام کی طرف لے جائے گی، یا فرمایا: لوگوں کو جمع کرے گی، پس وہ آگ ان کے ساتھ رات گذارے گی جہاں وہ رات گذاریں گے، اور وہ ان کے ساتھ قیلولہ کرے گی جہاں وہ قیلولہ کریں گے۔

۸-دخان یعنی دھواں، جس کا تذکرہ سورۃ الدخان آیات ۱۰و۱۱ میں ہے: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُبِيْنٍ، يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ سو آپ (ان کے لئے) اس دن کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو جو ان سب لوگوں پر عام ہو جائے، یہ ایک دردناک سزا ہے......اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ نشانی پائی جاچکی یا آئندہ پائی جائے گی؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہجرت کے بعد مکہ میں قحط پڑا اس وقت یہ صورت پیش آچکی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ صورت آگے پیش آئے گی۔

۹-دجال کا خروج، اس کی تفصیل آگے باب ۴۶ میں آرہی ہے۔

۱۰-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا، اس کی تفصیل آئندہ باب ۵۲ میں آر[illegible] ہے، یا ایسی ہوا کا چلنا جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے (اور یہ حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ مسلم شریف، [illegible] یث ۲۹۰۱) میں اور ابوداؤد (حدیث ۴۳۱۱ کتاب الملاحم) میں ہے۔

تشریح: اس حدیث میں جن دس نشانیوں کا ذکر ہے ان میں ترتیب زمانی کا لحاظ نہیں، اور پہلی روایت میں جو عبدالرحمٰن بن مہدی کی ہے سات نشانیوں کا تذکرہ ہے، اور دوسری حدیث میں جو وکیع کی ہے دُخان کا بھی ذکر ہے اور وکیع رحمہ اللہ کے متابع ابوالاحوص ہیں وہ بھی فُرات قزّاز سے اسی طرح روایت کرتے ہیں، اور امام شعبہ اور مسعودی کی روایت میں دجال کا بھی ذکر ہے، پس یہ نویں نشانی ہے اور آخری روایت میں جو شعبہ کی ہے دسویں نشانی مذکور ہے، اور وہ ایک ایسی ہوا ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی، اگر یہ وہی نشانی ہے جس کا تذکرہ پہلی حدیث میں ہے کہ عدن کی سرزمین سے ایک آگ نکلے گی جس کے ساتھ ہوا بھی ہوگی جو کچھ لوگوں کو سمندر میں ڈال دے گی تو پھر دسویں نشانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا ہے، اور اس کا تذکرہ سورۃ الزخرف آیت ۶۱ میں ہے: ﴿وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ اور وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں، پس تم لوگ قیامت میں شک نہ کرو۔

حدیث (۲): حضرت صفیہ بنت حُیی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ اس گھر (بیت اللہ شریف) پر حملہ کرنے سے باز نہیں آئیں گے، یہاں تک کہ ایک لشکر حملہ آور ہوگا، جب وہ لوگ بیداء (چٹیل زمین) میں ہونگے تو ان کے اگلے اور ان کے پچھلے سب دھنسا دیئے جائیں گے، اور ان کے درمیان کے بھی نہیں بچیں گے (صرف ایک شخص بچے گا جو واپس جا کر حادثہ کی اطلاع دے گا) حضرت صفیہؓ نے پوچھا: جو شخص ان میں سے اس حملہ کو ناپسند کرتا ہوگا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کو اٹھائیں گے اس پر جو ان کے دلوں میں ہوگا، یعنی ان سے حسب نیت معاملہ کیا جائے گا، مگر دنیوی عذاب سب پر آئے گا، یہی جزیرۃ العرب کا خَسف ہے جس کا ذکر پہلی حدیث میں آیا ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: اس امت کے آخر میں زمین میں دھنسا، شکلوں کا بگڑنا اور پتھر برسایا جانا ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک کئے جائیں گے درانحالیکہ ہم میں نیک لوگ ہونگے؟ آپؐ نے فرمایا: نعم، إذا ظَهَرَ الخُبْثُ: ہاں جب گندگی عام ہوجائے (پھر آخرت میں حشر لوگوں کے قلوب کے اعتبار سے ہوگا)

[۱۹-] باب ماجاء في الخَسفِ

[۲۱۸۰-] حدثنا بُنْدَارٌ، نا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نا سُفْيَانُ، عَنْ فُرَاتٍ القَزَّازِ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، عَنْ حُذَيْفَةَ بنِ أَسِيْدٍ، قَالَ: أَشْرَفَ عَلَيْنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ غُرْفَةٍ، وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ السَّاعَةَ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَرَوْا عَشْرَ آيَاتٍ: طُلُوْعُ

الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَيَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ، وَالدَّابَّةُ، وَثَلاثَةُ خُسُوْفٍ: خَسْفٍ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٍ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٍ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ، وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنٍ، تَسُوْقُ النَّاسَ، أَوْ: تَحْشُرُ النَّاسَ، فَتَبِيْتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوْا، وَتَقِيْلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوْا"

حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلاَنَ، نا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ نَحْوَهُ، وَزَادَ فِيْهِ: "وَالدُّخَانُ"

حدثنا هَنَّادٌ، نا أَبُوْ الأَحْوَصِ، عَنْ فُرَاتٍ القَزَّازِ نَحْوَ حَدِيْثِ وَكِيْعٍ، عَنْ سُفْيَانَ.

حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلاَنَ، نا أَبُوْ دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، عَنْ شُعْبَةَ، وَالْمَسْعُوْدِيِّ، سَمِعَا فُرَاتًا القَزَّازَ نَحْوَ حَدِيْثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ فُرَاتٍ، وَزَادَ فِيْهِ: "الدَّجَّالُ أَوِ: الدُّخَانُ"

حدثنا أَبُوْ مُوْسَى مُحمدُ بنُ الْمُثَنَّى، نا أَبُوْ النُّعْمَانِ الحَكَمُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ العِجْلِيُّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ فُرَاتٍ نَحْوَ حَدِيْثِ أَبِيْ دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، وَزَادَ فِيْهِ: "وَالْعَاشِرَةُ: إِمَّا رِيْحٌ تَطْرَحُهُمْ فِيْ الْبَحْرِ، وَإِمَّا نُزُوْلُ عِيْسَى بنِ مَرْيَمَ"

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وأَبِيْ هُريرةَ، وأُمِّ سَلَمَةَ، وَصَفِيَّةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٢١٨١-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلاَنَ، نا أَبُوْ نُعَيْمٍ، نا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيْ إِدْرِيْسَ الْمُرْهَبِيِّ، عَنْ مُسْلِمِ بنِ صَفْوَانَ، عَنْ صَفِيَّةَ، قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لاَ يَنْتَهِي النَّاسُ عَنْ غَزْوِ هٰذَا البَيْتِ، حَتَّى يَغْزُوَ جَيْشٌ، حَتَّى إِذَا كَانُوْا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ: بِبَيْدَاءَ مِنَ الأَرْضِ، خُسِفَ بِأَوَّلِهِمْ وآخِرِهِمْ، وَلَمْ يَنْجُ أَوْسَطُهُمْ" قُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! فَمَنْ كَرِهَ مِنْهُمْ؟ قَالَ: "يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ عَلَى مَافِيْ أَنْفُسِهِمْ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٢١٨٢-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نا صَيْفِيُّ بنُ رِبْعِيٍّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ مُحمدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ هٰذِهِ الأُمَّةِ خَسْفٌ، وَمَسْخٌ، وَقَذْفٌ" قَالَتْ: قُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَنُهْلَكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ؟ قَالَ: "نَعَمْ إِذَا ظَهَرَ الْخُبْثُ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ، لاَنَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بنُ عُمَرَ تَكَلَّمَ فِيْهِ يَحْيَى بنُ سَعِيْدٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

وضاحت: یہ آخری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے ضعیف ہے، اس میں عبداللہ عمری ضعیف راوی ہے، مگر یہی حدیث حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی سند سے متفق علیہ ہے، جو آگے باب ۲۱ میں بھی آرہی ہے۔

بابُ ماجاء فی طُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا

سورج کا مغرب سے نکلنا

علاماتِ قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ سورج اپنی رفتار پر چلتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت قریب آجائے گی، پس وہ غروب ہونے کے بعد مغرب سے نکلے گا، اور ایسا ایک ہی دن ہوگا یا پھر ایسا ہی ہوتا رہے گا؟ اس سلسلہ کی تفصیلات صحیح روایات میں مروی نہیں بظاہر ایسا ایک ہی دن ہوگا، پھر حسب معمول طلوع وغروب ہوگا بہرحال یہ کرشمۂ خداوندی بھی لوگوں کے لئے آزمائش بن جائے گا۔

حدیث: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں غروب آفتاب کے وقت مسجد میں پہنچا، نبی ﷺ تشریف فرما تھے، آپؐ نے پوچھا: ابوذرؓ جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: یہ جاتا ہے تاکہ سجدہ کرنے کی اجازت چاہے، پس اس کو اجازت دیدی جاتی ہے یعنی اس کو آگے بڑھنے کی اجازت مل جاتی ہے، چنانچہ وہ اگلے دن مشرق سے طلوع کرتا ہے اور گویا اس سے کہا گیا: جہاں سے آیا ہے وہیں سے طلوع ہو (یعنی ایک وقت آئے گا کہ اس کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی) پس وہ اپنے ڈوبنے کی جگہ سے طلوع کرے گا، حدیث کا کوئی راوی کہتا ہے: پھر نبی ﷺ نے پڑھا: ﴿وَذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا﴾ یہ سورج کے ٹھہرنے کی جگہ ہے یعنی سورج اپنی چال چلتا رہے گا تا آنکہ یہ دن آئے گا تو وہ ٹھہر جائے گا۔ یہ سورۂ یٰسین کی آیت ۳۸ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے، اصل آیت یہ ہے: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا﴾ اور اللہ کی ایک نشانی آفتاب ہے، وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے، اس کو حضرت ابن مسعودؓ نے پڑھا ہے: ﴿وَذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا﴾ یعنی سورج چلتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا مستقر آجائے گا اور وہ مستقر مغرب سے طلوع ہونا ہے (یہ آیت میں قراءت نہیں ہے، بلکہ آیت سے اقتباس ہے اور نبی ﷺ نے ذلك بڑھا کر اقتباس فرمایا ہے جو قراءت بن گئی)

تشریح: یہ روایت متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۷۴۲۴، مسلم حدیث ۱۵۹) اس حدیث کے ذیل میں طلبہ دو باتیں سمجھنا چاہتے ہیں:

پہلی بات: قدیم سائنس یہ کہتی تھی کہ سورج زمین کے گرد چکر لگاتا ہے، جس سے وطلوع غروب ہوتا ہے، اور شب وروز بنتے ہیں اور اب فلکیات یہ کہتی ہے کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے اور اس کی چال سے شب وروز بنتے ہیں، دونوں صورتوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورج کے غروب کے بعد عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا اور طلوع ہونے کی اجازت طلب کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حدیث میں پیرایۂ بیان ہے اور مقصد یہ مضمون سمجھانا ہے کہ سورج حکم الٰہی کے تابع ہے، وہ ہر وقت زبانِ حال سے انقیاد ظاہر کرتا ہے کیونکہ ہر لحہ اس کا طلوع وغروب جاری ہے اور جو حکم ملتا ہے اس کی تابع داری کرتا ہے، وہ اسی طرح چلتا رہے گا تا آنکہ اس کو دوسرا حکم ملے، غرض عرش کے نیچے سجدہ کرنا انقیاد کی تعبیر ہے، ہماری طرح سجدہ کرنا مراد نہیں، سورۃ الحج آیت ۱۸ میں ارشاد پاک ہے: ''کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتی ہیں تمام وہ مخلوقات جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی'' مخلوقات کا یہ سجدہ ان کی حالت کے مناسب ہے یعنی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی ظاہر کرتی ہے اور وہ حکم کے تابع ہے۔

غرض سورج کے سجدہ کرنے کا تذکرہ مذکورہ بالا آیت میں بھی آیا ہے، وہی سجدہ اس حدیث میں بھی مراد ہے، پس طلبہ اگر ذہنوں سے انسانوں کا معروف سجدہ نکال دیں تو بات ان کی سمجھ میں آجائے گی۔

دوسری بات: سورج زمین کے چاروں طرف گھوم رہا ہے یا زمین گھوم رہی ہے، جو بھی ہو اس کا طلوع وغروب ہمارے سامنے نمودار ہونے اور چھپنے کے اعتبار سے ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ کس نقطہ سے واپس لوٹے گا؟ اور کونسے ملک میں مغرب سے طلوع ہوگا؟ اور دوسرے ممالک کا کیا حال ہوگا؟

جواب: ہم پہلے عرض کرآئے ہیں کہ آئندہ پیش آنے والے یہ واقعات عصر حاضر کی تعبیر میں سمجھائے گئے ہیں، پھر جب وہ واقعات پیش آئیں گے ان کی صحیح صورت حال سامنے آئے گی، فی الوقت ہم کما حقہ نہیں سمجھ سکتے، وقت ہی بتائے گا کہ اس کی نوعیت کیا ہوگی، جیسے اوقات نماز کے ابواب میں یہ حدیث (نمبر ۱۵۷) گذری ہے کہ گرمی کی زیادتی جہنم کے اثر کے پھیلاؤ سے ہے، مگر چونکہ یہ دوسری دنیا کی بات ہے اس لئے ہم اس کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح یہ بات بھی چونکہ آئندہ پیش آنے والی ہے اس لئے ابھی ہم اس کی تفصیلات نہیں جانتے، مخبر صادق ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

[۲۰-] بابُ ماجاء فی طُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا

[۲۱۸۳-] حدثنا هَنَّادٌ، نَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِىْ ذَرٍّ، قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ، وَالنبيُّ صلى الله عليه وسلم جَالِسٌ، فَقَالَ: " يَا أَبَا ذَرٍّ! أَتَدْرِىْ أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ؟" قَالَ: قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: " فَإِنَّهَا تَذْهَبُ لِتَسْتَأْذِنَ فِى السُّجُوْدِ، فَيُؤْذَنَ لَهَا، وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيْلَ لَهَا: اطْلَعِى مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا" قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ: (وَذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا) وَقَالَ: ذٰلِكَ قِرَاءَةُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ.

وفي الباب: عَنْ صَفْوَانَ بنِ عَسَّالٍ، وَحُذَيْفَةَ بنِ أَسِيْدٍ، وَأَنسٍ، وأَبِيْ مُوْسَى، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في خُرُوْجِ يَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ

یاجوج وماجوج کا خروج

یاجوج وماجوج کے بارے میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ عام انسانوں کی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ (۲:۱۱۰) میں لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ عام بنی آدم کی طرح ہیں، اور انہیں کی شکل وصورت اور جسمانی اوصاف رکھتے ہیں۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری (۶:۳۸۶) میں تحریر فرمایا ہے کہ یاجوج وماجوج: یافث بن نوح کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں، اور روح المعانی میں ہے کہ یہی رائے وہب بن منبہ کی ہے، اور متاخرین میں سے بھی اکثر کی یہی رائے ہے۔

رہی یہ بات کہ دنیا کی موجودہ اقوام میں سے یاجوج وماجوج کون ہیں؟ اس کا جواب یقین کے ساتھ نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ یاجوج وماجوج بہت قدیم نام ہیں اور مرور ایام کے ساتھ نام بدل جاتے ہیں، آج دنیا میں کوئی قوم ان ناموں سے موسوم نہیں، اس لئے اس کی تعیین دشوار ہے، علماء کی ایک رائے یہ ہے کہ یاجوج وماجوج منگولیا (تاتار) کے ان وحشی قبائل کو کہا جاتا ہے جو یورپ، امریکہ اور روس کی اقوام کے منبع ومنشاء ہیں، ان کے دو بڑے قبیلے موگ اور یوچی کہلاتے تھے جو عربی زبان میں یاجوج وماجوج بن گئے ہیں، واللہ اعلم۔ اور یاجوج وماجوج کا خروج وعروج دجال کے ظہور کی طرح علامات قیامت میں سے ہے۔

حدیث: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نیند سے بیدار ہوئے، آپؐ کا چہرہ سرخ ہورہا تھا اور آپؐ فرمارہے تھے: لا إله إلا الله: آپؐ نے یہ کلمہ تین بار دوہرایا، پھر فرمایا: عربوں کے لئے ہلاکت ہے، اس برائی سے جو نزدیک آپہنچی ہے، آج یاجوج وماجوج کی دیوار اتنی کھول دی گئی، اور آپؐ نے دس یا نوے کا عقد بنایا، حضرت زینبؓ کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ہلاک کردیئے جائیں گے جبکہ ہمارے اندر نیک لوگ ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا: نعم، إذا ظَهَرَ الخُبْثُ: ہاں جب گندگی پھیل جائے۔

تشریح: یہ روایت بخاری (حدیث ۳۵۹۸) میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ فرمائیں گے کہ سفیان بن عیینہؒ نے اس کی سند شاندار پیش کی ہے، انھوں نے اس حدیث کی سند میں چار خواتین کا ذکر کیا ہے: (۱) حضرت زینب بنت ابی سلمہ (۲) حضرت حبیبہ بنت عبید اللہ بن جحش (۳) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۴) اور حضرت زینب بنت جحش،

اول دو نبی ﷺ کی ربیبہ ہیں اور آخری دوام المؤمنین ہیں، مگر بخاری میں زہری کے شاگرد شعیب کی روایت ہے اس میں حبیبہ کا واسطہ نہیں، امام ترمذیؒ بھی کہیں گے کہ زہری کے شاگرد معمر کی سند میں حبیبہ کا ذکر نہیں۔

اور جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ خواب کا واقعہ ہے، یعنی خواب میں آنحضرت ﷺ نے یہ منظر دیکھا ہے اور خواب اکثر تمثیلی رنگ میں نظر آتا ہے اور اس کی تعبیر ہوتی ہے، چنانچہ اس خواب کی تعبیر آپؐ نے یہ بیان فرمائی کہ عرب کے لئے شرور وفتن کا دور شروع ہونے والا ہے، اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ واقعتاً دیوار میں اس روز اتنا سوراخ ہو گیا تھا، جیسے آنحضرت ﷺ نے ذوالفقار کے بارے میں جنگ احد کے موقع پر خواب دیکھا تھا کہ آپؐ نے اس کو ہلایا تو اس کی دھار جھڑ گئی، اور یہ بات خواب میں آپؐ کو ناگوار ہوئی، بیدار ہونے کے بعد آپؐ نے اس کی تعبیر اس شکست سے بیان فرمائی جو جنگ احد میں پیش آئی۔ ذوالفقار کی دھار حقیقت میں جھڑی نہیں تھی (یاجوج و ماجوج کا تذکرہ سورۃ الکہف آیت ۹۴ میں آیا ہے، میں نے تفسیر ہدایت القرآن میں اس کے تمام متعلقات پر تفصیلی کلام کیا ہے، طلبہ اس کو ضرور دیکھ لیں)

[۲۱-] بابُ ماجاء فی خُرُوْجِ یَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ

[۲۱۸۴-] حدثنا سَعِیْدُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ المَخْزُوْمِیُّ، وَغَیْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: نا سُفْیَانُ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ زَیْنَبَ بِنْتِ أَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ حَبِیْبَةَ، عَنْ أُمِّ حَبِیْبَةَ، عَنْ زَیْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، قَالَتْ: اسْتَیْقَظَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم مِنْ نَوْمٍ، مُحْمَرًّا وَجْهُهُ، وَهُوَ یَقُوْلُ: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ!" - یُرَدِّدُهَا ثَلاثَ مَرَّاتٍ - "وَیْلٌ لِلْعَرَبِ، مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ، فُتِحَ الْیَوْمَ مِنْ رَدْمِ یَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ مِثْلُ هٰذِهِ" وَعَقَدَ عَشْرًا، قَالَتْ زَیْنَبُ: قُلْتُ: یَارسولَ اللّٰهِ! أَفَنُهْلَكُ وَفِیْنَا الصَّالِحُوْنَ؟ قَالَ: "نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخُبْثُ"

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَقَدْ جَوَّدَ سُفْیَانُ هٰذَا الحدیثَ، وَقَالَ الْحُمَیْدِیُّ عَنْ سُفْیَانَ بنِ عُیَیْنَةَ: حَفِظْتُ مِنَ الزُّهْرِیِّ فِیْ هٰذَا الإِسْنَادِ أَرْبَعَ نِسْوَةٍ: زَیْنَبَ بِنْتَ أَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ حَبِیْبَةَ، وَهُمَا رِبِیْبَتَا النبیِّ صلی الله علیه وسلم، عَنْ أُمِّ حَبِیْبَةَ، عَنْ زَیْنَبَ بِنْتِ حَجْشٍ زَوْجِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم، وَرَوَی مَعْمَرٌ هٰذَا الحدیثَ عَنِ الزُّهْرِیِّ وَلَمْ یَذْكُرْ فِیْهِ: عَنْ حَبِیْبَةَ.

بابُ ماجاء فی صَفَةِ الْمَارِقَةِ

خوارج کا حال

اسلام میں جو فتنے سب سے پہلے رونما ہوئے ان میں خوارج کا فتنہ بھی ہے، اس کے آثار حضرت عثمان غنی رضی

اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی سے ظاہر ہونے لگے تھے، مگر یہ فرقہ باقاعدہ جنگ صفین کے بعد منصّہ شہود پر جلوہ گر ہوا، صفین میں جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا اور فریقین نے دو شخصوں کو حکم بنایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس تحکیم پر خوارج ہی نے مجبور کیا تھا، ورنہ حضرت علیؓ تو جنگ جیت چکے تھے، پھر جب نمائندہ نامزد کرنے کا وقت آیا تو حضرت علیؓ: حضرت ابن عباسؓ کو نامزد کرنا چاہتے تھے، مگر ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو مجبور کیا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو نامزد کریں، پھر جب پنچایت نے فیصلہ سنایا اور وہ ان کی مرضی کے خلاف ہوا تو انھوں نے کہنا شروع کیا: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ: فیصلہ تو خدا ہی کا ہے، پس اس حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے دونوں فریق کافر ہوگئے، اور وہ باغی جن کی تعداد دس بارہ ہزار تھی حروراء نامی گاؤں میں اکٹھا ہوگئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے اتمام حجت کیا پھر جو لوگ کسی طرح نہ مانے ان سے جنگ کی اور ان کو تتر بتر کر دیا، مگر ان کا نظریہ اور ان کے عقائد آج بھی موجود ہیں، ان کا مشہور عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے، اور جب بھی امیر المؤمنین سنت کی خلاف روزی کرے اس کے خلاف بغاوت فرض ہے، اور حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے وہ بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور ان کو کافر قرار دیتے ہیں، غرض یہ دور اول کا بڑا فتنہ تھا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: زمانہ کے آخر میں کچھ لوگ نکلیں گے جو:

۱- نوعمر ہونگے أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ: حقیقت میں مرکب توصیفی ہے یعنی نئی عمر کے لوگ ہونگے۔

۲- عقل کے اوچھے ہونگے، سُفَهاء: سَفِيْهٌ کی جمع ہے: بیوقوف اور أحلام: حُلم کی جمع ہے: عقل۔

۳- يَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ، لَايُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ: قرآن پڑھتے ہونگے جو ان کی ہنسلیوں سے آگے نہیں بڑھے گا، یعنی ان کے دل قرآن کی تعلیمات سے متأثر نہیں ہوں گے۔ التَّرْقُوَة: ہنسلی کی ہڈی، یہ دو ہڈیاں ہوتی ہیں، مجازاً گلا، جمع تَرَاقٍ، بَلَغَتِ الروحُ التَّرَاقِيَ: دم بلب ہوگیا، قرب موت سے کنایہ۔

۴- يقولون من قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ: وہ مسلمانوں کی بعض باتوں کے قائل ہونگے، اس میں من تبعیضیہ ہے اور خَيْرُ البرية سے مسلمان مراد ہیں، سورۃ البینہ آیت ۷ میں ایمان والوں کی یہ صفت آئی ہے، یعنی وہ تمام اسلامی عقائد کے قائل نہیں ہونگے، کچھ باتوں کے قائل ہونگے، اس جملہ کا یہی مطلب ہے، مگر چونکہ ان کا مشہور قول: إن الحكمُ إلا لله: تھا اس لئے شارحین نے ان کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر اس جملہ کی شرح کی ہے چنانچہ وہ اس کی شرح میں مختلف نظر آتے ہیں، حالانکہ اس کا مطلب واضح تھا۔

۵- يَمْرُقُوْنَ مِن الدينِ كما يَمْرُقُ السَّهْمُ من الرَّمِيَّة: وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، المَارِق: (اسم فاعل) دائرۂ مذہب سے نکل جانے والا، تیر کی طرح کسی چیز میں سے پار ہو جانے والا۔ الرَّمِيَّة: تیر پھینک کر جو شکار کیا جائے۔ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے، جمع: رَمَايَا۔

فائدہ: اس حدیث میں تو اس فرقے کے اتنے ہی اوصاف آئے ہیں اور اس فرقہ کی تعیین بھی نہیں کی گئی مگر دیگر احادیث میں اور بھی اوصاف آئے ہیں، بخاری شریف کتاب اسْتِتَابَةِ الْمُرْتَدِّيْن باب ۷ میں حضرت ابوسعید خدری اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں جن میں اس فرقہ کی تعیین ہے کہ یہ فرقہ خوارج کا ہے، جس کا دوسرا نام حروریہ ہے اور یہی مارقہ ہے، یہ فرقہ ۳۶ ہجری میں وجود پذیر ہوا، اور ۳۷ ہجری میں نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا صفایا کیا، مگر چونکہ ان کا بقایا موجود ہے اس لئے قیامت تک ان کے اذناب اس حدیث کا مصداق ہیں۔

[۲۲-] باب ماجاء في صِفَةِ الْمَارِقَةِ

[۲۱۸۵-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نَا أَبُوْ بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَخْرُجُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ: أَحْدَاثُ الأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الأَحْلَامِ، يَقْرَأُوْنَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَقُوْلُوْنَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ"

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَأَبِيْ ذَرٍّ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وَقَدْ رُوِيَ فِيْ غَيْرِ هٰذَا الحديثِ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَصْفُ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ يَقْرَأُوْنَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ: إِنَّمَا هُمُ الْخَوَارِجُ الْحَرُوْرِيَّةُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْخَوَارِجِ.

وضاحت: وقد رُوی فی غیر هذا الحديث إلى آخره میں امام ترمذیؒ نے جو بات بیان کی ہے وہ اوپر فائدہ میں ذکر کی ہے۔ وغیرهم: أی غیر الحروریة یعنی خوارج مراد ہیں، خواہ وہ کسی جگہ کے ہوں کیونکہ مدار عقائد پر ہے۔

بابُ ماجاء في الأَثَرَةِ

ترجیح دینے کا بیان

الأَثَرَة (مصدر) ترجیح دینا، کسی کو کسی سے مقدم کرنا، یہ بات بھی فتنہ کا سبب بن جاتی ہے، اگر نااہل کو ترجیح دی جائے تب تو بہت بڑا فتنہ ہوجاتا ہے، حدیث میں ہے: إذا وُسِّدَ الأَمْرُ إلى غير أَهْلِه فانْتَظِرِ السَّاعَة: جب حکومت کا کام کسی نااہل کو سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو، یعنی پھر اتنے فتنے رونما ہونگے کہ معاملہ قابو سے باہر ہوجائے گا، اور اگر اہل کو ترجیح دی جائے تب بھی بعض مرتبہ ترجیح واضح نہیں ہوتی، اس لئے کچھ لوگوں کے لئے

باعث شکایت ہوجاتی ہے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ سربراہ مملکت کسی طرح اس شخص کی ترجیح لوگوں کے سامنے واضح کرے، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جو نوجوان تھے قریب کرتے تھے، مجلس کے اکابر کو اشکال ہوا تو حضرت نے لوگوں سے پوچھا: بتاؤ، سورۃ النصر کے نزول کا کیا مقصد ہے؟ سب نے کہا: اس میں غلبۂ اسلام کی خبر دی گئی ہے، آپؓ نے ابن عباسؓ سے پوچھا: تم بھی یہی کہتے ہو؟ ابن عباسؓ نے کہا: نہیں، اس سورت کے ذریعہ نبی ﷺ کی وفات کی خبر دی گئی ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں بھی یہی جانتا ہوں، اس واقعہ کے بعد اہل مجلس نے حضرت ابن عباسؓ کی برتری تسلیم کرلی۔

حدیث (۱): اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک انصاری نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فلاں کو حکومت کا کام سونپا اور مجھے نہیں سونپا (حالانکہ وہ مجھ سے زیادہ اہل نہیں تھا یعنی آپؐ نے اس کو مجھ پر ترجیح دی، نبی ﷺ نے فرمایا: جو عہدہ مانگتا ہے میں اس کو عہدہ نہیں دیتا، تم نے چونکہ کام مانگا تھا اس لئے میں نے تمہیں کام نہیں دیا، میں نے اس کو تم پر ترجیح نہیں دی) بیشک آپ لوگ عنقریب میرے بعد ترجیح دیکھیں گے، یعنی آئندہ جو حکومت کے ذمہ دار ہونگے وہ غیر انصار کو انصار پر ترجیح دیں گے، پس اس وقت تم صبر کرنا، یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آملو۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ''آپ لوگ عنقریب میرے بعد ترجیح کا مشاہدہ کریں گے، اور ایسے امور دیکھیں گے جن کو آپ لوگ اوپرا سمجھیں گے'' صحابہ نے عرض کیا: پھر ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''حکام کو ان کا حق ادا کرو، اور اللہ سے وہ حق مانگو جو تمہارے لئے ہے'' (یعنی ترجیح کے وقت صبر کرنا، فتنہ پیدا نہ کرنا)

[۲۳-] باب ماجاء فی الأَثَرَةِ

[۲۱۸٦-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلاَنَ، نَا أَبُوْ دَاوُدَ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، نَا أَنَسُ بنُ مَالِكٍ، عَنْ أُسَيْدِ بنِ حُضَيْرٍ: أَنَّ رَجُلاً مِنَ الأَنْصَارِ قَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! اسْتَعْمَلْتَ فُلاَنًا، وَلَمْ تَسْتَعْمِلْنِيْ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: " إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ أَثَرَةً، فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِیْ عَلَى الْحَوْضِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۲۱۸۷-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بنِ وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، قَالَ: " إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ أَثَرَةً، وَأُمُوْرًا تُنْكِرُوْنَهَا " قَالُوْا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: " أَدُّوْا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ، واسْأَلُوْا اللّٰهَ الَّذِیْ لَكُمْ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ مَا أَخْبَرَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم أَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

قیامت تک پیش آنے والی باتیں نبی ﷺ نے صحابہ کو بتادیں

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے ایک دن عصر کی نماز دن میں جلدی پڑھادی، پھر آپؐ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے، پس آپؐ نے کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی جو قیامت تک پیش آنے والی ہے، مگر وہ بات ہمیں بتلادی، جس نے اس کو یاد رکھا: یاد رکھا اور جو اس کو بھول گیا: بھول گیا، اور ان باتوں میں سے جو آپؐ نے فرمائیں یہ باتیں تھیں:

۱- بیشک دنیا سرسبز وشیریں ہے، اور بیشک اللہ تعالیٰ تم کو دنیا میں نائب بنانے والے ہیں، پس دیکھنے والے ہیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو؟ سنو! پس دنیا سے بچو، اور عورتوں سے بچو!

تشریح: دنیا کو ہری بھری گھاس سے تشبیہ جانوروں کے تعلق سے دی ہے، اور شیریں کے ساتھ انسانوں کے تعلق سے دی ہے، جس طرح جانور ہری گھاس خوب چرتا ہے اور انسان میٹھی چیز خوب کھاتا ہے، دنیا کا حال بھی ایسا ہی ہے، صحابہ کرام کو بھی یہ دنیا ملنے والی تھی مگر دنیا امتحان ہے، اللہ تعالیٰ دنیا دیکر دیکھنا چاہتے ہیں کہ بندے اس کو کس طرح برتتے ہیں، پھر آپؐ نے خصوصیت سے دو حکم دیئے:

ایک: دنیا سے بچنے کا، یعنی ناجائز طریقوں سے دنیا حاصل نہ کی جائے، اور جائز طریقوں سے حاصل کی ہوئی دنیا جائز مصارف میں خرچ کی جائے، اگر اناپ شناپ دنیا کمائی یا اڑائی تو وہ وبالِ جان بن جائے گی۔

دوسرا حکم: عورتوں سے بچنے کا، عورتوں بچوں کی وجہ سے انسان اناپ شناپ دنیا جمع کرتا ہے اور اڑاتا ہے اس لئے خاص طور پر اس معاملہ میں تنبیہ کی۔

اور ان باتوں میں سے جو اس دن آپؐ نے فرمائیں: یہ بات بھی تھی:

۲- سنو! ہرگز نہ روکے کسی کو لوگوں کی ہیبت اس سے کہ وہ حق بات کہے جبکہ وہ اس بات کو جانتا ہو، راوی کہتا ہے: پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے بہت سی باتیں دیکھیں پس ہم ڈر گئے! یعنی ہم نے ان غلط باتوں پر نکیر نہ کی۔

اور ان باتوں میں سے جو اس دن آپؐ نے فرمائیں: یہ بات بھی تھی:

۳- سنو! بیشک گاڑا جائے گا ہر بے وفا کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا اس کی بے وفائی کے بقدر، یعنی جتنی بڑی بے وفائی کی ہوگی اتنا بڑا جھنڈا ہوگا اور کوئی بے وفائی امیر المؤمنین کے ساتھ بے وفائی سے بڑی نہیں، یعنی امیر

المؤمنین سے بیعت کر کے در پردہ اس کی مخالفت کرنا سب سے بڑی بے وفائی ہے، اس کا جھنڈا اس کی سرین کے پاس گاڑا جائے گا، یعنی وہ جھنڈا سرین کی گوشت میں گڑا ہوا ہوگا، اور پیچھے لہرا رہا ہوگا، اور وہ میدان قیامت میں اس کی رسوائی کا ذریعہ بنے گا۔

اور ان باتوں میں سے جو ہم نے اس دن یاد رکھیں: یہ بات بھی تھی:

۴-سنو! انسان مختلف درجات میں پیدا کئے گئے ہیں: (۱) ان میں سے کوئی مؤمن جنا جاتا ہے، یعنی مسلمان کے گھر میں پیدا ہوتا ہے، اور مؤمن جیتا ہے، اور مؤمن مرتا ہے (۲) اور ان میں سے کوئی کافر جنا جاتا ہے، اور کافر جیتا ہے اور کافر مرتا ہے (۳) اور ان میں سے کوئی مؤمن جنا جاتا ہے، اور مؤمن جیتا ہے، اور کافر مرتا ہے (۴) اور ان میں سے کوئی کافر جنا جاتا ہے، اور کافر جیتا ہے اور مؤمن مرتا ہے۔

۵-سنو! (۱) اور کسی انسان کو غصہ دیر میں آتا ہے اور جلدی اتر جاتا ہے (۲) اور کسی کو غصہ جلدی آتا ہے اور جلدی اتر جاتا ہے، پس یہ اس کے برابر ہوگیا یعنی ایک کی کمی کی دوسرے سے تلافی ہوگئی (۳) سنو! اور ان میں سے کسی کو غصہ جلدی آتا ہے اور دیر سے اترتا ہے......سنو! اور لوگوں میں بہترین وہ ہے جسے غصہ دیر میں آئے اور جلدی اتر جائے (یہ پہلی قسم ہے) اور ان میں بدترین وہ ہے جسے غصہ جلدی آئے اور دیر میں اترے (یہ تیسری قسم ہے)

٦-سنو! (۱) اور بیشک ان میں سے بعض اچھی طرح حق ادا کرنے والے ہوتے ہیں اور اچھی طرح حق کا مطالبہ کرتے ہیں (۲) اور ان میں سے بعض حق چکانے میں برے ہوتے ہیں اور حق کا مطالبہ کرنے میں اچھے ہوتے ہیں (۳) اور ان میں سے بعض حق چکانے میں اچھے ہوتے ہیں اور حق کا مطالبہ کرنے میں برے ہوتے ہیں، پس یہ اس کے بدل ہوگیا، یعنی ایک کی تلافی دوسرے سے ہوگئی (۴) سنو! اور بیشک ان میں سے بعض ادائیگی میں برے ہوتے ہیں اور مطالبہ میں بھی برے ہوتے ہیں، سنو! اور لوگوں میں بہترین وہ ہے جو حق چکانے میں بھی اچھا ہو اور حق کا مطالبہ کرنے میں بھی اچھا ہو (یہ پہلی قسم ہے) سنو! اور لوگوں میں بدترین وہ ہے جو حق چکانے میں بھی برا ہو اور حق کا مطالبہ کرنے میں بھی برا ہو (یہ چوتھی قسم ہے)

ملحوظہ: ۴-٦ انسانوں کے مختلف درجات کا بیان ہے۔

۷-سنو! اور بیشک غصہ انسان کے دل میں ایک چنگاری ہے، کیا تم دیکھتے نہیں اس کی دونوں آنکھوں کی سرخی کی طرف، اور اس کی گردن کی رگوں کے پھولنے کی طرف؟! پس جو شخص غصہ میں سے کچھ بھی محسوس کرے اسے چاہئے کہ وہ زمین سے چپک جائے، یعنی کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے، اس سے غصہ ہلکا پڑ جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے سورج کو دیکھنا شروع کیا کہ کتنا باقی ہے؟ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۸-سنو! بیشک نہیں باقی رہا ہے دنیا میں سے اس حصہ کی بہ نسبت جو اس میں سے گذر چکا ہے مگر اتنا جتنا بچا ہے تمہارے اس دن سے اس حصہ کی بہ نسبت جو اس میں سے گذر چکا ہے۔

فائدہ: اس حدیث کی سند میں علی بن زید بن جُد عان ہے جو ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک ضعیف ہے، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک صدوق ہے، یہ مسلم شریف اور سنن اربعہ کا راوی ہے، اس لئے امام ترمذیؒ نے اس کی حدیث کی تحسین کی ہے، پھر باب میں چند صحابہ کا حوالہ ہے وہ سب بھی یہی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کے سامنے وہ تمام باتیں بیان کیں جو قیامت تک پیش آنے والی ہیں، اور مراد بڑے بڑے واقعات ہیں کیونکہ تمام واقعات کا احاطہ اس مختصر وقت میں ممکن نہیں۔

[٢٤-] بابُ مَا أَخْبَرَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم أَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

[٢١٨٨-] حدثنا عِمْرَانُ بنُ مُوْسَى القَزَّازُ الْبَصْرِيُّ، نَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، نَا عَلِيُّ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمًا صَلَاةَ الْعَصْرِ بِنَهَارٍ، ثُمَّ قَامَ خَطِيْبًا، فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُوْنُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا أَخْبَرَنَا بِهِ، حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ، وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ، وَكَانَ فِيْمَا قَالَ:

[١-] " إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، وَإِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا، فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ؟ أَلَا فَاتَّقُوْا الدُّنْيَا، وَاتَّقُوْا النِّسَاءَ"

وَكَانَ فِيْمَا قَالَ:

[٢-] " أَلَا لَاتَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُوْلَ بِحَقٍّ، إِذَا عَلِمَهُ" قَالَ: فَبَكَى أَبُوْ سَعِيْدٍ، فَقَالَ: قَدْ وَاللّٰهِ! رَأَيْنَا أَشْيَاءَ، فَهِبْنَا.

وَكَانَ فِيْمَا قَالَ:

[٣-] " أَلَا إِنَّهُ يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بِقَدْرِ غَدْرَتِهِ، وَلَا غَدْرَةَ أَعْظَمُ مِنْ غَدْرَةِ إِمَامِ عَامَةٍ، يُرْكَزُ لِوَاؤُهُ عِنْدَ إِسْتِهِ"

وَكَانَ فِيْمَا حَفِظْنَا يَوْمَئِذٍ:

[٤-] " أَلَا إِنَّ بَنِي آدَمَ خُلِقُوْا عَلَى طَبَقَاتٍ شَتَّى: فَمِنْهُمْ: مَنْ يُوْلَدُ مُؤْمِنًا، وَيَحْيَى مُؤْمِنًا، وَيَمُوْتُ مُؤْمِنًا، وَمِنْهُمْ: مَنْ يُوْلَدُ كَافِرًا، وَيَحْيَى كَافِرًا، وَيَمُوْتُ كَافِرًا، وَمِنْهُمْ: مَنْ يُوْلَدُ مُؤْمِنًا، وَيَحْيَى مُؤْمِنًا، وَيَمُوْتُ كَافِرًا، وَمِنْهُمْ: مَنْ يُوْلَدُ كَافِرًا، وَيَحْيَى كَافِرًا، وَيَمُوْتُ مُؤْمِنًا"

[۵-] " أَلَا! وَإِنَّ مِنْهُمْ: البَطِيءَ الغَضَبِ، سَرِيْعَ الفَيْءِ، وَمِنْهُمْ: سَرِيْعَ الغَضَبِ، سَرِيْعَ الْفَيْءِ، فِتِلْكَ بِتِلْكَ، أَلَا! وَإِنَّ مِنْهُمْ: سَرِيْعَ الغَضَبِ، بَطِيْءَ الفَيْءِ، أَلَا وَخَيْرُهُمْ بَطِيْءُ الغَضَبِ سَرِيْعُ الْفَيْءِ، وَشَرُّهُمْ سَرِيْعُ الْغَضَبِ بَطِيْءُ الفَيْءِ "

[٦-] " أَلَا! وَإِنَّ مِنْهُمْ: حَسَنَ القَضَاءِ، حَسَنَ الطَّلَبِ، وَمِنْهُمْ: سَيِّءَ القَضَاءِ، حَسَنَ الطَّلَبِ، وَمِنْهُمْ: حَسَنَ الْقَضَاءِ، سَيِّءَ الطَّلَبِ، فَتِلْكَ بِتِلْكَ، أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ:السَّيِّءَ القَضَاءِ، السَّيِّءَ الطَّلَبِ، أَلَا! وَخَيْرُهُمُ الحَسَنُ الْقَضَاءِ، الحَسَنُ الطَّلَبِ، أَلَا وَشَرُّهُمْ سَيِّءُ القَضَاءِ سَيِّءُ الطَّلَبِ"

[٧-] " أَلَا! وَإِنَّ الغَضَبَ جَمْرَةٌ فِيْ قَلْبِ ابنِ آدَمَ، أَمَا رَأَيْتُمْ إِلَى حُمْرَةِ عَيْنَيْهِ وَانْتِفَاخِ أَوْدَاجِهِ؟ فَمَنْ أَحَسَّ بِشَيْئٍ مِنْ ذٰلِكَ فَلْيَلْصَقْ بِالْأَرْضِ"

قَالَ: وَجَعَلْنَا نَلْتَفِتُ إِلَى الشَّمْسِ، هَلْ بَقِيَ مِنْهَا شَيْئٌ؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:

[٨-] " أَلَا إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا فِيْمَا مَضَى مِنْهَا، إِلَّا كَمَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْمَا مَضَى مِنْهُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَفي الباب: عَنِ الْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ، وأَبِيْ زَيْدِ بنِ أَخْطَبَ، وَحُذَيْفَةَ، وَأَبِيْ مَرْيَمَ، ذَكَرُوْا: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم حَدَّثَهُمْ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى أَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ.

بابُ ماجاء في أَهْلِ الشَّامِ

شام والوں کا تذکرہ

ملک شام کے اب چار ملک بن گئے ہیں: (۱) سوریہ: جس میں دمشق، حمص، حمات اور حلب واقع ہیں (۲) لبنان (۳) اردن جس میں عمان اور خلیج عقبہ ہیں (۴) فلسطین جس میں قدس اور غزہ ہیں۔

شام کے فضائل میں متعدد روایات آئی ہیں، اور بعض روایات میں وہاں کے فتنوں کا بھی ذکر آیا ہے، وہ روایات درج ذیل ہیں:

حدیث (۱): حضرت قرۃ بن ایاس مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا:

(۱) إذا فَسَدَ أَهْلُ الشام، فلا خَيْرَ فيكم: جب شام والوں میں بگاڑ آجائے تو تم میں کوئی خیر نہیں (اس کا پہلا ظہور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا)

(۲) اور فرمایا: لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ، لَايَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حتى تقومَ السَّاعةُ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ مدد کیا ہوا رہے گا، ان کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے وہ لوگ جو ان کو رسوا کرنا چاہیں گے، تا آنکہ

قیامت قائم ہوجائے۔

تشریح: امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ کے حوالہ سے حضرت علی بن المدینی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ طائفہ منصورہ: محدثین کرام ہیں، آپ کی یہ بات صحیح ہے مگر تمام حقیقت نہیں، بلکہ تمام اہل السنہ والجماعہ اس کا مصداق ہیں، خواہ وہ مفسرین ہوں، محدثین ہوں، فقہاء ہوں، ارباب زوایا ہوں یا ارباب سیف وسناں ہوں، سب اہل حق اس حدیث کا مصداق ہیں۔

حدیث (۲): حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ مجھے کہاں کا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''یہاں کا'' اور آپ نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا۔

تشریح: یہ حدیث مجمل ہے اور ابوداؤد (حدیث ۲۴۸۳) میں ابن حوالہؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اسلام کا معاملہ یہاں تک پہنچے گا کہ لوگ مختلف لشکر بن جائیں گے، ایک لشکر شام میں ہوگا، دوسرا یمن میں، تیسرا عراق میں، ابن حوالہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے لئے انتخاب فرمائیں، اگر میں وہ وقت پاؤں، آپؐ نے فرمایا: علیك بالشام: تم شام چلے جانا، کیونکہ شام اللہ کی بہترین زمین ہوگی، اور اس کی طرف اللہ کے بہترین بندے سمٹ جائیں گے...... پہلی حدیث میں شام والوں کے بگاڑ کا تذکرہ ہے، اور اس حدیث میں ان کی خوبی کا ذکر ہے، اور دونوں باتیں احوال کے تابع ہیں، احوال اچھے ہوں تو وہ بہترین جگہ ہے، اور فتنے سر ابھاریں تو وہاں جانا مناسب نہیں۔

[۲۵-] باب ماجاء فی أَهْلِ الشَّامِ

[۲۱۸۹-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، نَا أَبُوْ دَاوُدَ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بنِ قُرَّةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلاَ خَيْرَ فِيْكُمْ، لاَتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ، لَايَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ "

قَالَ مُحمدُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ: قَالَ عَلِيُّ بنُ الْمَدِيْنِيِّ: هُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيْثِ.

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ حَوَالَةَ، وابنِ عُمَرَ، وَزَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۲۱۹۰-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، نَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، نَا بَهْزُ بنُ حَكِيْمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ قُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَيْنَ تَأْمُرُنِيْ؟ قَالَ: " هَاهُنَا" وَنَحَا بِيَدِهِ نَحْوَ الشَّامِ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ لَاتَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا: يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لَاتَرْجِعُوْا بعدی کفارًا: یَضْرِبُ بعضُکم رقابَ بعض: میرے بعد دین کا (عملی) انکار کرنے والے نہ ہوجانا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔

تشریح: مسلمانوں کے باہمی نزاعات مونڈنے والے ہیں، اور سر نہیں مونڈتے، دین مونڈتے ہیں، فتنے جب بڑھتے ہیں تو قتل وقتال کی نوبت آتی ہے جو عملی طور پر دین کا انکار ہے، حدیث میں ہے: سِبَابُ المسلمِ فُسوقٌ، وقِتَالُهُ کُفرٌ: مسلمان کو گالی دینا بدکاری ہے اور اس کو قتل کرنا دین کا (عملی) انکار ہے، اللّٰهم احفظنا منه۔

[٢٦-] بابٌ لَاتَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا: يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

[٢١٩١-] حدثنا أَبُوْ حَفْصٍ عَمْرُو بنُ عَلِيٍّ، نَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، نَا فُضَيْلُ بنُ غَزْوَانَ، ثَنَا عِكْرِمَةُ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَاتَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا: يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ "

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، وَجَرِيْرٍ، وابنِ عُمَرَ، وَكُرْزِ بنِ عَلْقَمَةَ، وَوَاثِلَةَ بنِ الأَسْقَعِ، وَالصُّنَابِحِيِّ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء أَنَّهُ تكُوْنُ فِتْنَةٌ: الْقَاعِدُ فِيْهَا خيرٌ مِنَ الْقَائِمِ

جب فتنے سر ابھاریں تو جوان میں کم سے کم حصہ لے وہ بہتر ہے

حدیث: جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتنہ رونما ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "عنقریب فتنہ رونما ہوگا، اس میں بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا ہوا چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا" حضرت سعدؓ نے عرض کیا: اگر فتنہ پرداز میرے گھر میں درآئے اور میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے تاکہ مجھے قتل کرے (تو میں کیا کروں؟) آپؐ نے فرمایا: کُنْ کَابْنِ آدم: تم حضرت آدم علیہ السلام کے بہترین لڑکے (ہابیل) کی طرح ہوجانا۔

[٢٧-] بابُ ماجاء أَنَّهُ تكُوْنُ فِتْنَةٌ: الْقَاعِدُ فِيْهَا خيرٌ مِنَ الْقَائِمِ

[٢١٩٢-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ عَيَّاشِ بنِ عَبَّاسٍ، عَنْ بُكَيْرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الأَشَجِّ، عَنْ بُسْرِ

بنِ سَعِيْدٍ، أَنَّ سَعْدَ بنَ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ عِنْدَ فِتْنَةِ عُثْمَانَ بنِ عَفَّانَ: أَشْهَدُ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ: الْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِيْ، وَالْمَاشِيْ خَيْرٌ مِنَ السَّاعِيْ" قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ دَخلَ عَلَيَّ بَيْتِيْ، وَبَسَطَ يَدَهُ إِلَيَّ لِيَقْتُلَنِيْ؟ قَالَ: "كُنْ كَابْنِ آدَمَ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وَخَبَّابِ بنِ الْأَرَتِّ، وأَبِيْ بَكْرَةَ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وَأَبِيْ وَاقِدٍ، وَأَبِيْ مُوْسَى، وَخَرْشَةَ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الحديثَ عَنْ لَيْثِ بنِ سَعْدٍ، وَزَادَ فِيْ هٰذَا الإِسْنَادِ رَجُلًا، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنْ سَعْدٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ.

وضاحت: یہ حدیث ابوداؤد (حدیث ۴۲۵۷) میں بھی ہے اس میں بُسر بن سعید اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے درمیان حسین بن عبدالرحمٰن اشجعی کا واسطہ ہے، اور مسند احمد (۱: ۱۸۵) میں ترمذی ہی کی سند ہے، پس صحیح یہی ہے۔

بابُ ماجاء سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ

عنقریب شب تار کے ٹکڑوں جیسے فتنے ہونگے!

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اعمال میں ایسے فتنوں سے سبقت کرو جو تاریک رات کے ٹکڑوں جیسے ہونگے، یعنی ان فتنوں کے آنے سے پہلے نیک اعمال کرلو، جب فتنے آئیں گے تو اعمال صالحہ نہیں کرسکو گے، آدمی صبح کرے گا مؤمن ہونے کی حالت میں اور شام کرے گا کافر ہونے کی حالت میں، اور شام کرے گا مؤمن ہونے کی حالت میں اور صبح کرے گا کافر ہونے کی حالت میں، ان میں سے ایک اپنا دین دنیا کے سامان کے عوض میں بیچ دے گا۔

تشریح: فتنوں کے زمانہ میں احوال بدلتے دیر نہیں لگتی، صبح کچھ اور شام کچھ، اور شام کچھ اور صبح کچھ ہو جاتا ہے، اور آدمی دنیا کی چند کوڑیوں کی خاطر دین بیچ دیتا ہے، اور ''تاریک رات کے ٹکڑوں'' سے مراد سنگین فتنے ہیں جیسے دجال کا فتنہ یا ایسے معاملات ہیں جن میں حق کدھر ہے اس کا پتہ نہ چلے، جیسے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانہ کا فتنہ۔

حدیث (۲): حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ ایک رات بیدار ہوئے، پس فرمایا: سبحان اللہ! آج رات کتنے فتنے اتارے گئے! اور کتنے خزانے اتارے گئے! کوئی ہے جو حجرے والیوں کو بیدار کرے؟ یعنی ازواج مطہرات کو جگادے تاکہ وہ عبادت میں مشغول ہوں، ہائے! بہت سی دنیا میں کپڑے پہننے والیاں آخرت میں ننگی ہونگی۔

تشریح: یہ نبی ﷺ کا خواب ہے، اور تعبیر کا محتاج نہیں، آپ نے خواب میں فتنوں کو خزانوں کی شکل میں اترتے ہوئے دیکھا، کیونکہ مال ودولت فتنوں کا سامان ہے، جب مال آتا ہے تو آدمی آپے سے باہر ہوجاتا ہے، اور لوگ عبادتوں میں سست پڑجاتے ہیں، کھاتے پیتے اور عیش کرتے ہیں، اس لئے آپ نے خواہش ظاہر کی کہ کوئی ہے جو ازواج مطہرات کو بیدار کردے تاکہ وہ عبادت میں لگیں، فتنے آنے سے پہلے جو کرسکتی ہیں کرلیں اور مال کا اثر فیشن کی شکل میں بھی نمودار ہوتا ہے، عورتیں خاص طور پر ایسے کپڑے پہنتی ہیں جو پردہ کے مقصد کی تکمیل نہیں کرتے، یہی وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں کپڑے پہنے ہوئے ہیں، مگر آخرت میں ننگی ہونگی۔

حدیث (۳): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور اس کا مضمون وہی ہے جو پہلی حدیث کا ہے کہ قیامت سے پہلے شب تار کے ٹکڑوں جیسے فتنے رونما ہونگے، صبح کو آدمی ان فتنوں میں ایمان کی حالت میں ہوگا، اور شام کو کافر ہوجائے گا، اور شام کو مؤمن ہونے کی حالت میں ہوگا اور صبح کو کافر ہوجائے گا، کچھ لوگ اپنا دین دنیا کے سامان کے بدلے میں بیچ دیں گے۔

حدیث (۴): اور یہ جو پہلی اور تیسری حدیث میں فرمایا ہے کہ آدمی صبح کرے گا مؤمن ہونے کی حالت میں اور شام کرے گا کافر ہونے کی حالت میں، اور شام کرے گا مؤمن ہونے کی حالت میں اور صبح کرے گا کافر ہونے کی حالت میں: اس کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: صبح میں اپنے بھائی کے مال، آبرو اور خون کو حرام سمجھتا ہوگا، اور شام کو حلال سمجھ لے گا، اور شام کو اپنے بھائی کے مال، آبرو اور خون کو حرام سمجھتا ہوگا اور صبح کو حلال سمجھ لے گا، یعنی دن اور رات گذرتے گذرتے خیالات بدل جائیں گے۔ اور حرام کو حرام سمجھنا ایمان ہے اور اس کو حلال سمجھ لینا کفر ہے۔ اور اس تفسیر میں اشارہ ہے کہ یہ فتنے فساد ذات البین کے قبیل کے ہونگے، مسلمانوں کے باہمی نزاعات اور قتل وغارت گری اس کا مصداق ہیں۔

حدیث (۵): حضرت وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک شخص کو نبی ﷺ سے یہ سوال کرتے ہوئے سنا: بتلائیں: اگر ہم پر ایسے حکام ہوں جو ہمیں ہمارا حق نہ دیں اور ہم سے اپنا حق مانگیں تو ہم کیا کریں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اسْمَعُوْا وأَطِيْعُوْا، فإنَّمَا عليهم ما حُمِّلُوْا، وإنّما عليكم مَا حُمِّلْتُمْ: ان کی بات سنو، اور ان کا کہنا مانو، ان پر وہ ذمہ داری ہے جو ان پر لادی گئی ہے، اور تم پر وہ ذمہ داری ہے جو تم پر لادی گئی ہے۔

تشریح: اس دنیا میں ہر شخص کے حقوق وفرائض ہیں، فرائض ادا کرنے ہیں اور حقوق مانگنے ہیں، لیکن لوگ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں، اور حقوق طلبی میں چست ہوتے ہیں، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہئے، اول فرائض ادا کرنے چاہئیں، پھر حقوق کی خواہش کرنی چاہئے، جیسے ماں باپ پر، استاذ پر، حاکم پر، شوہر پر: اولاد کے، طلبہ کے، پبلک کے اور بیوی کے حقوق ہیں ان کو پہلے ادا کرنا چاہئے، کیونکہ یہ فرض منصبی ہے، پھر اپنے

حقوق کی خواہش کرنی چاہئے، مگر لوگ فرائض تو ادا کرتے نہیں اور حقوق کا مطالبہ شروع کر دیتے ہیں، اس حدیث میں نبی ﷺ نے یہی بات سمجھائی ہے کہ اگر حکام اپنی ذمہ داری پوری نہ کریں اور حقوق کا مطالبہ کریں تو تمہیں اپنی ذمہ داری پہلے پوری کرنی چاہئے، ان کی بات سننی چاہئے اور ان کا حکم ماننا چاہئے، پھر اگر وہ تمہارے حقوق ادا نہیں کریں گے تو وہ خود ماخوذ ہونگے اور تم سبک دوش رہو گے!

[۲۸-] بابُ ماجاء سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ

[۲۱۹۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحمدٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا، وَيُمْسِيْ كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا، وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيْعُ أَحَدُهُمْ دِيْنَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۲۱۹٤-] حدثنا سُوَيْدُ بنُ نَصْرٍ، نَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ الْمُبَارَكِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم اسْتَيْقَظَ لَيْلَةً، فَقَالَ: " سُبْحَانَ اللّٰهِ! مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتْنَةِ! مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الخزائِنِ! مَنْ يُوْقِظُ صَوَاحِبَ الحُجُرَاتِ؟ يَارُبَّ كَاسِيَةٍ فِيْ الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِيْ الآخِرَةِ!" هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

[۲۱۹٥-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِيْ حَبِيْبٍ، عَنْ سَعْدِ بنِ سِنَانٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، عَنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " تَكُوْنُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتَنٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيْهَا مُؤْمِنًا، وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا، وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيْعُ أَقْوَامٌ دِيْنَهُمْ بِعَرَضِ الدُّنْيَا "

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وَجُنْدُبٍ، وَالنُّعْمَانِ بنِ بَشِيْرٍ، وأَبِيْ مُوْسَى، هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

[۲۱۹٦-] حدثنا صَالِحُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ، نَا جَعْفَرُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: كَانَ يَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الحديثِ: " يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا، وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا، وَيُصْبِحُ كَافِرًا" قَالَ: يُصْبِحُ مُحَرِّمًا لِدَمِ أَخِيْهِ، وَعِرْضِهِ، وَمَالِهِ، وَيُمْسِي مُسْتَحِلًّا لَهُ، وَيُمْسِي مُحَرِّمًا لِدَمِ أَخِيْهِ، وَعِرْضِهِ، وَمَالِهِ، وَيُصْبِحُ مُسْتَحِلًّا لَهُ "

[۲۱۹۷-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ، نَايَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ،

عَنْ عَلْقَمَةَ بنِ وَائِلِ بنِ حُجْرٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَرَجُلٌ يَسْأَلُهُ، فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَمْنَعُوْنَا حَقَّنَا، وَيَسْأَلُوْنَا حَقَّهُمْ؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اسْمَعُوْا، وَأَطِيْعُوْا، فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَاحُمِّلُوْا، وإِنَّمَا عَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی الهَرْجِ

قتل کی گرم بازاری

هَرَجَ القومُ يَهْرِجُ هَرْجًا: لوگوں کا فتنہ وفساد اور قتل وقتال میں مبتلا ہونا، اردو میں اس کو ہرج مرج یعنی شورش بلوی کہتے ہیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا: يُرْفَعُ فيها العِلْمُ، وَيَكْثُرُ فيها الهَرْجُ: تمہارے آگے ایسے دن ہیں جن میں علم اٹھالیا جائے گا اور ہرج ان دنوں میں زیادہ ہوجائے گا، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! ہرج کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: قتل۔

تشریح: لفظ وَرَاء: اضداد میں سے ہے، پیچھے اور آگے دونوں معنی ہوتے ہیں، یہاں آگے کے معنی ہے، اور علم اٹھالئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ علم کی گرم بازاری ختم ہوجائے گی، لوگ فتنوں میں پڑجائیں گے اور فتنے بڑھ کر بلوی کی شکل اختیار کرلیں گے، پس جو شخص آنے والے ان حالات سے واقف ہوگا وہ ان میں کم حصہ لے گا، وہ اپنے کام میں مشغول رہے گا، آج کل فتنوں کا دور ہے، اخبار اور ریڈیو وغیرہ اس کثرت سے سیاسی باتیں پھیلاتے ہیں کہ ہمارے طلبہ بھی ان میں دلچسپی لینے لگتے ہیں، اور ان کی علمی محنت ماند پڑجاتی ہے، طلبۂ عزیز کو چاہئے کہ ان امور کی طرف قطعاً التفات نہ کریں، تاکہ ان کی علمی زندگی برباد نہ ہو۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: العِبَادةُ فی الهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ: ہرج میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کی طرح ہے، یعنی اس کا عظیم ثواب ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ جب حالات بگڑ جائیں تو بہ تکلف اہتمام سے عبادتوں میں لگے رہیں، ایسے وقت کی عبادتیں بہت مفید ہوتی ہیں۔

[۲۹-] باب ماجاء فی الهَرْجِ

[۲۱۹۸-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ أَبِیْ مُوْسَى، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا: يُرْفَعُ فِيْهَا العِلْمُ، وَيَكْثُرُ فِيْهَا الْهَرْجُ"

قَالُوْا: يَارسولَ اللّٰهِ! مَا الْهَرْجُ؟ قَالَ: " الْقَتْلُ "

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وَخَالِدِ بنِ الْوَلِيْدِ، وَمَعْقِلِ بنِ يَسَارٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٢١٩٩-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنِ الْمُعَلّٰى بنِ زِيَادٍ، رَدَّهُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بنِ قُرَّةَ، رَدَّهُ إِلَى مَعْقِلِ بنِ يَسَارٍ، رَدَّهُ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " العِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ " هٰذَا حديثٌ صحيحٌ غريبٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ الْمُعَلّٰى بنِ زِيَادٍ.

وضاحت: رَدَّه إِلَيَّ: رفع حدیث کا نیا انداز ہے یعنی معلّی نے حدیث کو لوٹایا معاویہ کی طرف أی رَوَی عنه۔

جب تلوار میان سے نکل آتی ہے تو واپس نہیں جاتی

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: إذَا وُضِعَ السَّيْفُ فی أُمَّتِی لم يُرْفَع عنها إلی یوم القيامة: جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی یعنی تلوار نکل آئے گی تو پھر قیامت تک امت سے اٹھائی نہیں جائے گی، یعنی پھر فتنے آتے ہی رہیں گے، ایک فتنہ ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا شروع ہوجائے گا اور یہی ہرج مرج ہے۔

[٢٢٠٠-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ أَبِيْ أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِيْ أُمَّتِيْ لَمْ يُرْفَعْ عَنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ " هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی اتِّخَاذِ السَّيْفِ مِنْ خَشَبٍ

لکڑی کی تلوار بنانے کا حکم

حدیث (۱): عُدَیسہ تابعیہ کہتی ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے ابا اُھبان بن صیفی غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کو اپنے ساتھ جنگ میں شرکت کی دعوت دی، میرے ابا نے ان کو جواب دیا: میرے دوست اور آپ کے چچازاد بھائی نے یعنی نبی ﷺ نے مجھ سے یہ عہد و پیمان لیا ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف ہو تو میں لکڑی کی تلوار بنالوں، چنانچہ میں نے بنالی ہے، پس اگر آپؓ چاہیں تو میں اس کو لے کر آپؓ کے ساتھ جنگ میں شرکت کروں، عدیسہ کہتی ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو چھوڑ دیا، یعنی شرکت پر اصرار نہیں کیا۔

حدیث (۲): حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فتنوں کے بارے میں فرمایا: كَسِّرُوا فِيها قِسِيَّكم، وقَطِّعُوا فيها أَوْتَارَكم، والزَمُوْا فيها أجوافَ بُيُوْتِكم، وكونوا كَابْنِ آدمَ: توڑ دو تم

فتنوں میں اپنی کمانوں کو، اور کاٹ دو تم ان میں اپنی تانتوں کو، اور چپک جاؤ تم ان میں اپنے گھروں کے بیچ سے یعنی گھروں کے اندر گھس جاؤ، اور ہو جاؤ تم حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کی طرح۔

لغات: القَوْس (مذکر ومؤنث) کمان جس سے تیر چلایا جاتا ہے، جمع أقواسٌ وقِسِيٌّ...... الوَتَرُ: کمان کی تانت، جمع أوتار...... اور حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے سے مراد ہابیل ہیں جن کو قابیل نے قتل کیا تھا مگر انھوں نے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا، چنانچہ دارین میں وہی کامیاب رہے۔

[۳۰-] باب ماجاء فی اتِّخاذِ السَّیْفِ مِنْ خَشَبٍ

[۲۲۰۱-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نَا إسْمَاعِيْلُ بنُ إبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُبَيْدٍ، عَنْ عُدَيْسَةَ بِنْتِ أُهْبَانَ بنِ صَيْفِيٍّ الغِفَارِيِّ، قَالَتْ: جَاءَ عَلِيُّ بنُ أَبِيْ طَالِبٍ إِلَى أَبِيْ، فَدَعَاهُ إِلَى الْخُرُوْجِ مَعَهُ، فَقَالَ لَهُ أَبِيْ: إِنَّ خَلِيْلِيْ وَابْنَ عَمِّكَ عَهِدَ إِلَيَّ إِذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ: أَنْ أَتَّخِذَ سَيْفًا مِنْ خَشَبٍ، فَقَدِ اتَّخَذْتُهُ، فَإِنْ شِئْتَ خَرَجْتُ بِهِ مَعَكَ، قَالَتْ: فَتَرَكَهُ.

وفى الباب: عَنْ مُحمدِ بنِ مَسْلَمَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُبَيْدٍ.

[۲۲۰۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، نَا سَهْلُ بنُ حَمَّادٍ، نَا هَمَّامٌ، نَا مُحمدُ بنُ جُحَادَةَ، عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ ثَرْوَانَ، عَنْ هُزَيْلِ بنِ شُرَحْبِيْلَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ قَالَ فِي الْفِتْنَةِ: "كَسِّرُوْا فِيْهَا قِسِيَّكُمْ، وَقَطِّعُوْا فِيْهَا أَوْتَارَكُمْ، وَالْزَمُوْا فِيْهَا أَجْوَافَ بُيُوْتِكُمْ، وَكُوْنُوْا كَابْنِ آدَمَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَعَبْدُ الرحمنِ بنُ ثَرْوَانَ: هُوَ أَبُوْ قَيْسٍ الْأَوْدِيُّ.

بابُ ماجاء فی أَشْرَاطِ السَّاعَةِ

علاماتِ قیامت کا بیان (پہلا باب)

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جو میں نے نبی ﷺ سے سنی ہے، میرے بعد تم میں سے کوئی نہیں کہے گا کہ اس نے یہ حدیث نبی ﷺ سے سنی ہے (بصرہ میں وفات پانے والے صحابہ میں حضرت انسؓ آخری صحابی ہیں اس لئے آپؓ نے یہ فرمایا ہے کہ نبی ﷺ سے یہ حدیث سننے والا اب میرے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا) نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ: (۱) علم

اٹھالیا جائے گا (۲) جہل ظاہر ہوگا (۳) زنا پھیل جائے گا (۴) شراب پی جائے گی (۵) عورتیں زیادہ ہو جائیں گی (۶) اور مرد کم ہو جائیں گے، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا سرپرست ایک مرد ہوگا۔

تشریح: یا تو مرد جنگوں میں بہت مارے جائیں گے اس لئے یہ صورتِ حال ہو جائے گی یا لڑکیوں کی افزائش بڑھ جائے گی، دونوں احتمال ہیں۔

حدیث (۲): زبیر بن عدی کہتے ہیں: ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ہم نے ان سے ان مظالم کا شکوہ کیا جو ہمیں حجاج سے پہنچ رہے تھے، آپؓ نے فرمایا: ما مِنْ عامٍ إلا و الذی بعدَہ شرٌّ مِنْہ حتی تَلْقَوْا رَبَّکُمْ: نہیں ہے کوئی سال مگر جو سال اس کے بعد ہے وہ اس سے بھی برا ہے یہاں تک کہ تم اپنے پروردگار سے ملاقات کرو، یعنی صورتِ حال دن بدن خراب ہوتی جائے گی، میں نے یہ بات تمہارے نبی ﷺ سے سنی ہے۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: لاتقومُ السَّاعَۃُ حتی لَایُقَالَ فِی الْأَرْضِ اللّٰہُ اللّٰہُ: نہیں برپا ہوگی قیامت یہاں تک کہ نہیں کہا جائے گا زمین میں اللہ اللہ، یعنی جب تک زمین پر اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی بھی باقی ہے قیامت نہیں آئے گی، اور جب کوئی بھی اللہ کا نام لینے والا زمین پر باقی نہیں رہے گا قیامت برپا ہو جائے گی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صورتِ حال بگڑتی بگڑتی یہاں تک پہنچ جائے گی کہ اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔

ملحوظہ: اس حدیث کو ابن عدی نے مرفوع کیا ہے، اور خالد بن الحارث نے مرفوع نہیں کیا، امام ترمذیؒ نے اس غیر مرفوع کو اصح قرار دیا ہے مگر حدیث مرفوع کی بھی تحسین کی ہے، یہ عجیب بات ہے!

حدیث (۴): نبی ﷺ نے فرمایا: لاتقومُ الساعۃُ حتی یکونَ أَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْیَا لُکَعُ بنُ لُکَعَ: قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ لوگوں میں دنیا حاصل کرنے میں سب سے زیادہ نیک بخت: کمینہ کا بیٹا کمینہ ہوگا۔

تشریح: اللُّکَعُ: کمینہ، یہ غیر منصرف ہے کیونکہ الْکَعُ سے معدول ہے، اور کبھی پیار میں چھوٹے بچہ کو بھی لُکَع کہتے ہیں، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دینی بگاڑ یہاں تک پہنچ جائے گا کہ دنیا کے مال ومناصب کے وارث خاندانی بیوقوف ہو جائیں گے، اور انہی کی عزت افزائی ہوگی اور دین داروں کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا۔

حدیث (۵): نبی ﷺ نے فرمایا: زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قی کر ڈالے گی، سونے چاندی کے ستونوں کی شکل میں، یعنی بے حساب خزانے زمین سے نکل آئیں گے۔ اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ پھر چور آئے گا اور مال دیکھ کر کہے گا: اسی کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا، اور قاتل آئے گا اور کہے گا: اسی کی وجہ سے میں نے قتل کیا، اور قطع رحمی کرنے والا آئے گا اور کہے گا: اسی کی وجہ سے میں نے خاندان سے قطع تعلق کیا، پھر وہ لوگ اس مال کو چھوڑ کر چلے جائیں گے، اس میں سے کوئی کچھ بھی نہیں لے گا۔

فائدہ: ان سب روایات میں علاماتِ قیامت کا ذکر ہے، اور اگلے باب میں بھی بہت سی علامتوں کا ذکر آ رہا ہے۔

[٣١-] باب ماجاء في أَشْرَاطِ السَّاعَةِ

[٢٢٠٣-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، نَا النَّضْرُ بنُ شُمَيْلٍ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: أُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، لَا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِيْ: أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ: أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرَ الجَهْلُ، وَيَفْشُوَ الزِّنَا، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ، وَيَقِلَّ الرِّجَالُ، حَتَّى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَأَةٍ قَيِّمٌ وَاحِدٌ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، وَأَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٢٢٠٤-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا يَحْيىَ بنُ سَعِيْدٍ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنِ الزُّبَيْرِ بنِ عَدِيٍّ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَا نَلْقَى مِنَ الْحَجَّاجِ، فَقَالَ: " مَا مِنْ عَامٍ إِلَّا وَالَّذِيْ بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ، حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ" سَمِعْتُ هٰذَا مِنْ نَبِيِّكُمْ صلى الله عليه وسلم، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٢٢٠٥-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا ابنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى لَايُقَالَ فِيْ الْأَرْضِ: اللّٰهُ اللّٰهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

حدثنا مُحمدُ بنُ الْمُثَنَّى، نَا خَالِدُ بنُ الْحَارِثِ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيْثِ الْأَوَّلِ.

[٢٢٠٦-] حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيْدٍ، نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِيْ عَمْرٍو، ح: وَثَنَا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نَا إِسْمَاعِيْلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَبِيْ عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، وَهُوَ ابنُ عَبْدِ الرحمنِ الْأَنْصَارِيُّ الْأَشْهَلِيُّ، عَنْ حُذَيْفَةَ بنِ الْيَمَانِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكُوْنَ أَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ بنُ لُكَعَ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ عَمْرِو بنِ أَبِيْ عَمْرٍو.

[٢٢٠٧-] حدثنا وَاصِلُ بنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، نَا مُحمدُ بنُ فُضَيْلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " تَقِيْئُ الْأَرْضُ أَفلَاذَ كَبِدِهَا، أَمْثَالَ الْأُسْطُوَانِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ" قَالَ: " فَيَجِيْءُ السَّارِقُ، فَيَقُوْلُ: فِيْ هٰذَا قُطِعَتْ يَدِيْ! وَيَجِيْءُ الْقَاتِلُ، فَيَقُوْلُ: فِيْ هٰذَا قَتَلْتُ! وَيَجِيْءُ الْقَاطِعُ، فَيَقُوْلُ: فِيْ هٰذَا قَطَعْتُ رَحِمِيْ! ثُمَّ يَدَعُوْنَهُ، فَلَا يَأْخُذُوْنَ مِنْهُ شَيْئًا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

بابٌ

علاماتِ قیامت کا بیان (دوسرا باب)

یہ باب گذشتہ باب کا ذیلی باب ہے، اس میں بھی علاماتِ قیامت کا بیان ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں، ان میں سے پہلی دو حدیثیں ضعیف ہیں، پہلی حدیث میں فرج بن فضالہ تنوخی شامی ضعیف راوی ہے، علاوہ ازیں محمد بن عمر کا اپنے دادا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے لقاء وسماع نہیں، اور دوسری حدیث کی سند میں رُمیح جذامی مجہول راوی ہے، مگر دونوں حدیثیں ایک دوسرے کی شاہد ہیں، اور تیسری حدیث کی سند میں اختلاف ہے کہ وہ موصول ہے یا مرسل؟

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: جب میری امت پندرہ کام کرے گی تو اس پر بلا اترے گی، پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ پندرہ کام کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:

۱-إذا کان المَغْنَمُ دُوَلاً: جب غنیمت کا مال دولت سمجھا جائے، یعنی بادشاہ اور رئیس اس کو اپنے باپ کا مال سمجھیں اور غریب مسلمانوں پر شرع کے موافق تقسیم نہ کریں۔ المَغْنَمُ: الغنیمۃُ: جمع مَغانِم، جنگ میں بزور حاصل کیا ہوا مال، مجازاً مال مفت، بلا مشقت حاصل شدہ چیز، اور دُوَلاً: دُوْلَۃ یا دَوْلَۃٌ کی جمع: دست گرداں چیز یعنی ادل بدل ہونے والی چیز۔ جو کبھی کسی کے پاس ہو اور کبھی کسی کے پاس۔

۲- والأمَانَۃُ مَغْنَمًا: اور امانت کا مال لوٹ کا مال سمجھا جائے، لوگ امانتوں کو کھا جائیں اور صاحب مال کو واپس نہ کریں۔

۳-والزّکوۃُ مَغْرَمًا: اور زکوٰۃ کو ڈنڈ (ٹیکس) سمجھا جائے، جب زکوٰۃ کے بارے میں یہ تصور ہو جائے گا تو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے، اور اگر کریں گے تو بس برائے نام ادا کریں گے، رضاء ورغبت سے ادا نہیں کریں گے۔

۴-وَأَطَاعَ الرجلُ زَوْجَتَہُ: اور آدمی اپنی بیوی کا کہنا مانے، یعنی اس کا ہر جائز ناجائز مطالبہ پورا کرے، اور اس کی غلط سلط باتیں سن کر خاندان سے بگاڑ لے۔

۵-وَعَقَّ أُمَّہُ: اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے، یعنی ماں کے مقابلہ میں بیوی کو ترجیح دے، اس کی باتیں سنے اور ماں کے ساتھ بدسلوکی کرے۔

۶-وَبَرَّ صَدِیْقَہ: اور اپنے دوست کے ساتھ حسن سلوک کرے، اس کے ساتھ نرم مزاجی سے پیش آئے۔

۷-وَجَفَا أبَاہ: اور اپنے باپ کے ساتھ ظلم روا رکھے، اس پر ظلم وستم ڈھائے۔

۸-وارْتفَعَتِ الأَصْوَاتُ فی الْمَسَاجِدِ: اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں یعنی ان پاک جگہوں کا احترام

دل سے نکل جائے، وہاں لوگ باتیں اور شور وشغب کرنے لگیں۔

۹-وَكَانَ زَعِيمَ الْقَوْمِ أَرْذَلُهُمْ: اورقوم کا ذلیل ان کا سردار بن جائے، یعنی کمینوں کا راج ہوجائے (زعیمَ القوم خبر مقدم ہے)

۱۰-وَأُكْرِمَ الرجلُ مَخافَةَ شرِّه: اورآدمی کی عزت کی جائے اس کی برائی کے ڈر سے، یعنی اس کی شرافت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کی شرارت کی وجہ سے لوگ اس کا اکرام کریں۔

۱۱-وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ: اورشرابیں پی جائیں، یعنی شراب نوشی عام ہوجائے۔

۱۲-وَلُبِسَ الحَرِيْرُ: اورریشم پہنا جائے، یعنی مردوں میں ریشم پہننے کا رواج چل پڑے۔

۱۳-وَاتُّخِذَتِ القِيَانُ: اورگانے والی باندیاں رکھی جائیں، یعنی گانے کے اسباب فراہم کئے جائیں، قِيَان: القَيْنَةُ کی جمع ہے: باندی، زیادہ تر اس کا استعمال مغنیہ کے لئے ہوتا ہے۔

۱۴- والمَعَازِفُ: اورآلاتِ لہو اختیار کئے جائیں، المَعَازِف: المِعْزَف کی جمع ہے، باجہ، ساز، آلۂ موسیقی، سارنگی وغیرہ۔

۱۵-وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا: اوراس امت کے پچھلے: پہلوں پرلعنت بھیجیں، یعنی لوگ سلف صالحین: محدثین ومجتہدین کی برائی کرنے لگیں۔

تو چاہئے کہ لوگ اس وقت انتظار کریں سرخ آندھی کا یازمین میں دھنسنے کا، یاشکلوں کے بگڑنے کا، یعنی جب یہ پندرہ باتیں عام ہوں گی تو قیامت قریب آجائے گی، یہی پندرہ باتیں آخری زمانے کے فتنے ہیں۔

دوسری حدیث: میں بھی یہی پندرہ باتیں ہیں، پہلی بات میں المَغْنَم کے بجائے الفَيْء ہے، فَی: وہ مال ہے جو لڑے بھڑے بغیر حاصل ہوتا ہے، اور مراد مال مفت ہے، جیسے اداروں کو ملنے والے چندے: اداروں کے ذمہ داران کو باپ کا مال سمجھنے لگیں...... اور چوتھی بات: تُعُلِّمَ لغير الدين ہے، یعنی علم دین خدا کی رضامندی کے لئے نہیں، بلکہ مال وجاہ، فخر وریاء اور نزاع وجدال کے لئے حاصل کیا جائے...... اوراس حدیث میں چونکہ پندرہ کا عدد مذکور نہیں، اس لئے اس ایک بات کے بڑھنے میں کوئی اشکال نہیں ہوگا، اور اگر پندرہ کا عدد ملحوظ رکھنا ہے تو ظَهَرَتِ القينات والمعازِف کو ایک شمار کیا جائے...... أَقْصَى: دور کرنا...... اس حدیث میں سَاد القبيلةَ فَاسِقُهُمْ ہے، یعنی بدکار آدمی قبیلہ کا سردار بن جائے، یہ جملہ كان زعيمَ القومِ أرذَلُهم کے ہم معنی ہے...... اوراس حدیث کے آخر میں ہے: پس چاہئے کہ لوگ انتظار کریں ان برائیوں کے پائے جانے کے وقت سرخ آندھی کا، اور زمین میں بھونچال کا، اور زمین میں دھنسنے کا، اور شکلیں بگڑنے کا، اور پتھر برسنے کا، اور ایسی قدرتی نشانیوں کا جو پے بہ پے واقع ہونگی، جیسے پرانا ہار جس کا دھاگا کاٹ دیا گیا ہو پس مہرے مسلسل کرنے لگیں، اسی طرح علامات قیامت کا ظہور پے بہ پے ہوگا۔

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: اس امت میں زمین میں دھنسنا، شکلیں بگڑنا اور پتھر برسنا ہوگا، ایک مسلمان نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ایسا کب ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: إذا ظَهَرَتِ القِيَانُ، والمَعَازِفُ، وشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ: جب گانے والی باندیاں اور آلاتِ لہو ولعب عام ہوجائیں اور شرابیں پی جائیں (اس حدیث کو عبداللہ بن عبدالقدوس نے مرفوع کیا ہے اور اعمش کے دوسرے شاگرد اعمش سے اور وہ عبدالرحمٰن بن سابط سے اور وہ نبی ﷺ سے مرسل روایت کرتے ہیں)

[۳۲-] بابٌ

[۲۲۰۸-] حدثنا صَالِحُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ، نَا الفَرَجُ بنُ فَضَالَةَ أَبُوْ فَضَالَةَ الشَّامِيُّ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ مُحمدِ بنِ عُمَرَ بنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَلِيِّ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِيْ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً: حَلَّ بِهَا البَلَاءُ، قِيْلَ: وَمَا هِيَ يَارَسولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: إِذَا كَانَ المَغْنَمُ دُوَلًا، وَالأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيْقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ، وَارْتَفَعَتِ الأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ زَعِيْمَ الْقَوْمِ أَرْذَلُهُمْ، وأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ، وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ، وَاتُّخِذَتِ الْقِيَانُ، وَالْمَعَازِفُ، وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا: فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ، أَوْ خَسْفًا، أَوْمَسْخًا "

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَى هٰذَا الحديثَ عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ الأَنْصَارِيِّ غَيْرَ الفرَجِ بنِ فَضَالَةَ، وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيْهِ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيْثِ، وَضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ وَكِيْعٌ وَغَيْرُ واحِدٍ مِنَ الأَئِمَّةِ.

[۲۲۰۹-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نَا مُحمدُ بنُ يَزِيْدَ، عَنِ الْمُسْتَلِمِ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ رُمَيْحٍ الجُذَامِيِّ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا اتُّخِذَ الفَيْءُ دُوَلًا، وَالأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ، وأَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وأَدْنىَ صَدِيْقَهُ، وأَقْصىَ أَبَاهُ، وَظَهَرَتِ الأَصْوَاتُ فِيْ الْمَسَاجِدِ، وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ، وَكَانَ زَعِيْمَ الْقَوْمِ أَرْذَلُهُمْ، وأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَظَهَرَتِ القَيْنَاتُ، وَالْمَعَازِفُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ، وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا: فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ، وَزَلْزَلَةً، وَخَسْفًا، وَمَسْخًا، وَقَذْفًا، وَآيَاتٍ تَتَابَعُ، كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعَ " هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

[۲۲۱۰-] حدثنا عَبَّادُ بنُ يَعْقُوْبَ الْكُوْفِيُّ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَبْدِ الْقُدُّوْسِ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ

هِلَالِ بنِ يَسَافٍ، عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ، وَمَسْخٌ، وَقَذْفٌ" فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: يَارسولَ اللّٰهِ! وَمَتَى ذٰلِكَ؟ قَالَ:" إِذَا ظَهَرَتِ القِيَانُ، وَالْمَعَازِفُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَرُوِيَ هٰذَا الحديثُ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ سَابِطٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلًا.

بابُ ماجاء في قَوْلِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم:" بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ"

ارشادِ نبوی: ''میں قیامت کے ساتھ اس طرح بھیجا گیا ہوں''

السَّاعةَ: منصوب ہے اور واو بمعنی مع ہے، یعنی میں قیامت کے ساتھ ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہوں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: بُعِثْتُ أنَا في نَفَسِ السَّاعةِ، فَسَبَقْتُها كَمَا سَبَقَتْ هٰذِه هذه: میں قیامت کے سانس میں مبعوث کیا گیا ہوں یعنی بالکل ساتھ آیا ہوں (نَفَس، بفتح الفاء، سانس) پس میں اس سے اتنا آگے آگیا ہوں جتنا یہ انگلی اس انگلی سے آگے ہے، آپؐ نے یہ بات اپنی دو انگلیوں: سبابہ اور وسطی کے تعلق سے فرمائی، یعنی درمیانی انگلی ذرا آگے ہے، اسی طرح نبی ﷺ قیامت سے پہلے تشریف لائے ہیں، اور قیامت پیچھے آرہی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: بُعِثْتُ أنا و السَّاعةَ كهاتَيْنِ: میں قیامت کے ساتھ ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہوں، پھر ابوداؤد طیالسیؒ نے (جو حدیث کے راوی ہیں) انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا کہ جیسے ان دو انگلیوں میں سے ایک کی دوسری پر زیادتی، یعنی بڑی انگلی بڑھی ہوئی ہے، اسی قدر نبی ﷺ قیامت سے پہلے تشریف لائے ہیں اور مسلم شریف میں ہے: امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے حضرت قتادہ سے ان کے وعظ میں سنا: كَفَضْلِ إحداهما على الأُخرى: پھر شعبہؒ کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ قتادہ نے یہ بات حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے یا اپنی طرف سے کہی ہے (مسلم حدیث ۲۹۵۱ کتاب الفتن باب ۲۷) اور مسلم ہی میں حضرت انسؓ کی اس روایت کے آخر میں ہے: قال: وضَمَّ السَّبَّابَةَ و الوُسْطَى: حضرت انسؓ نے فرمایا: اور نبی ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا۔

تشریح: پس اس اشارہ کے دو مطلب ہو گئے:

پہلا مطلب: جس طرح دونوں انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، نبی ﷺ کی تشریف آوری بھی قیامت سے ملی ہوئی ہے، درمیان میں کسی نبی کا فصل نہیں۔

دوسرا مطلب: نبی ﷺ قیامت سے کچھ پہلے مبعوث ہوئے ہیں، اور قیامت پیچھے آرہی ہے، اب رہی یہ بات

کہ آپ کتنا پہلے آئے ہیں؟ اور قیامت کتنی پیچھے آرہی ہے؟ اس کا قطعی اندازہ لگانا مشکل ہے، کیونکہ شروع سے ڈاٹے کی پیائش معلوم نہیں (آمد وصرف کا ڈاٹا بنتا ہے اور اس کی پیائش ہوتی ہے) اس لئے آخر سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

[۳۳-] بابُ ماجاء في قَوْلِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: "بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ"

[۲۲۱۱-] حدثنا مُحمدُ بنُ عُمَرَ بنِ هَيَّاجِ الأَسَدِيُّ الْكُوْفِيُّ، نَا يَحْيىَ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَرْحَبِيُّ، نَا عُبَيْدَةُ بنُ الأَسْوَدِ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بنِ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بنِ شَدَّادٍ الفِهْرِيِّ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "بُعِثْتُ أَنَا فِيْ نَفَسِ السَّاعَةِ، فَسَبَقْتُهَا كَمَا سَبَقَتْ هٰذِهِ هٰذِهِ": لِأُصْبُعَيْهِ: السَّبَّابةِ وَالْوُسْطى.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ الْمُسْتَوْرِدِ بنِ شَدَّادٍ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

[۲۲۱۲-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، نَا أَبُوْ دَاوُدَ، أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ" وَأَشَارَ أَبُوْدَاوُدَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى، كَفَضْلِ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: آخری جملہ: کفضل ہمارے نسخوں میں فما فضل ہے، تصحیح مسلم شریف سے کی ہے۔

بابُ ماجاء في قِتَالِ التُرْكِ

ترکوں کے ساتھ جنگ کا تذکرہ

عرب: حضرت نوح علیہ السلام کے صاحبزادے سام کی اولاد ہیں اور ترک وروم: دوسرے صاحبزادے یافث کی اولاد ہیں، اور انہی میں یاجوج وماجوج بھی ہیں، عربوں کے ان کے ساتھ بڑے معرکے پیش آنے والے ہیں، حدیثوں میں اس کی پیشین گوئی ہے، رومیوں کے ساتھ تو معرکے خلفاء راشدین کے زمانہ میں پیش آئے، اور ترکوں کے ساتھ معرکے چنگیز خاں اور ہلاکو خان کے زمانہ میں پیش آئے، جنھوں نے خلافتِ اسلامیہ کو تہہ وبالا کردیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی اور وہ پاسبان اسلام بن گئے اور خلافت عثمانیہ وجود میں آئی جس نے لمبے عرصہ تک اسلام کی حفاظت کی۔

حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱-لاتقوم الساعةُ حتى تُقاتِلُوْا قومًا نِعالُهُمُ الشَّعْرُ: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم جنگ کرو ایسی قوم سے جن کے چپل بال ہیں۔

تشریح: ''جن کے چپل بال ہیں'' کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں: ایک: ان کے بال اتنے لمبے ہونگے کہ چپلوں تک پہنچے ہوئے ہونگے (یہ مطلب ایک لطیفہ ہے) دوسرا: وہ ایسے چپل پہنتے ہونگے جو بالوں سے بُنے ہوئے ہونگے یا ان کے چپلوں کے چمڑے پر بال ہونگے، یہ مطلب صحیح ہے۔

۲-ولاتقومُ الساعةُ حتى تُقاتلوا قوما كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ: اور قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم جنگ کرو ایسی قوم سے جن کے چہرے گویا تہہ بہ تہہ چمڑا چڑھائی ہوئی ڈھالیں ہیں، المِجَنُّ (بکسر المیم) ڈھال، جمع مَجَانٌّ (بفتح المیم) المُطْرَقَةُ: (اسم مفعول) أَطْرَقَ الشيئَ بِالْجِلْدِ ونحوه: چمڑا وغیرہ چڑھانا، ایک چیز کے حصوں کو ملا دینا، اور ایک روایت میں مُطَرَّقَةٌ ہے، طَرَّقَ الشيئَ کے معنی ہیں: اچھی طرح کوٹنا پیٹنا، پس دونوں لفظوں کے معنی ایک ہیں۔

تشریح: حدیث میں اگرچہ دو الگ الگ جملے ہیں مگر دونوں سے مراد ترک ہیں، اور ان کی یہ علامت کہ وہ بالوں کے یا بالدار چپل پہنے ہوئے ہونگے صرف اس وقت ہوگی جب ان کی عربوں سے جنگ ہوگی، اور دوسری علامت: گویا ان کے چہرے تہہ بہ تہہ چمڑا چڑھائی ہوئی ڈھالیں ہیں، یہ علامت ہمیشہ کے لئے ہے، ترکوں کے چہرے ایسے ہی ہوتے ہیں، پچکے ہوئے اور دبیز ہوتے ہیں میرے استاذ حضرت مولانا محمد ہاشم بخاری صاحب ترک تھے، ان کا چہرہ ایسا ہی تھا۔ اور پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ عربوں کی ہلاکت کا وقت قریب آ گیا ہے، یاجوج وماجوج کی دیوار دس یا نوے کے بقدر کھل گئی ہے، وہ حدیث اور یہ حدیث ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، چنگیز خان کا خونی معرکہ پیش آ چکا ہے وہ ابتدائی معرکہ تھا، اور آخری معرکہ یاجوج وماجوج کے ساتھ پیش آئے گا۔

ملحوظہ: ترکوں میں سے جو مسلمان ہوگئے وہ امت مسلمہ ہیں، اب وہ اس حدیث کا مصداق نہیں، صرف ان کے کفار اس حدیث کا مصداق ہیں، ان کے ساتھ امت مسلمہ کو جنگ لڑنی ہوگی، اور وہ اس امت کے لئے بڑا فتنہ بنیں گے۔

[٣٤-] باب ماجاء في قِتَالِ التُّرْكِ

[٢٢١٣-] حدثنا سَعِيْدُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَعَبْدُ الْجَبَّارِ بنُ العَلَاءِ، قَالَا: نَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ المُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوْا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ، وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوْا قَوْمًا كَأَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ "

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ، وَبُرَيْدَةَ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَعَمْرِو بنِ تَغْلِبَ، وَمُعَاوِيَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء: إِذَا ذَهَبَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ

جب شہنشاہِ ایران ختم ہوگا تو اور کوئی شہنشاہ نہیں ہوگا

کِسری: جمع أکاسِرَۃ، ایران کے بادشاہوں کا لقب ہے، اور قیصر: روم کے بادشاہوں کا لقب ہے، عرب سے ملے ہوئے یہ دو سپر پاور تھے اور جزیرۃ العرب پر کسری کی جزوی عملداری بھی تھی، اور قیصر بھی عربوں کو کھانے کے لئے منہ کھولے ہوئے تھا، اور قریش کی معیشت شام وعراق کی تجارت سے وابستہ تھی، اس لئے جب قریش مسلمان ہوئے تو ان کو اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ پڑوسی طاقتیں ان کی معیشت تنگ کر دیں گی اور ان کے اسفار بند ہو جائیں گے، چنانچہ نبی ﷺ نے ان کو خوش خبری سنائی کہ جب کسری ختم ہوگا تو اس کے بعد اور کوئی کسری نہیں ہوگا، اور جب قیصر ختم ہوگا تو اس کے بعد اور کوئی قیصر نہیں ہوگا، اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! ضرور دونوں کے خزانے راہِ خدا میں خرچ کئے جائیں گے۔

تشریح: یہ مسلمانوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ دونوں ملک عنقریب فتح ہونے والے ہیں اور دونوں کی دولتیں مسلمانوں کے ہاتھ آنے والی ہیں، اور راہِ خدا میں خرچ ہونے والی ہیں۔

اور سپر پاور کا خاتمہ بچوں کا کھیل نہیں ہوتا، جب تک بھاری شورش، عام کوشش، زبردست فوج اور اربوں کھربوں دولت خرچ نہ کی جائے یہ بات ممکن نہیں، اس لئے اس کی فتنہ سامانی اظہر من الشمس ہے، خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان طاقتوں سے ٹکر شروع ہوئی، ایران تو بہت جلد ختم ہو گیا مگر روم کی مرکزیت ختم کرنے میں عرصہ لگا، لیکن بہرحال یہ دونوں طاقتیں ٹوٹ گئیں ——— لَتُنْفَقَنَّ: لام تاکید بانون تاکید، فعل مضارع مجہول، صیغہ واحد مؤنث غائب، اور کنوزھما: اس کا نائب فاعل۔

[۳۵-] بابُ ماجاء: إِذَا ذَهَبَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ

[۲۲۱۴-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، نَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرُ بَعْدَهُ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَتُنْفَقَنَّ كُنُوْزُهُمَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ قِبَلِ الْحِجَازِ

قیامت سے پہلے حجاز کی طرف سے ایک آگ نکلے گی

حدیث: عنقریب حضرموت سے یا فرمایا: حضرت موت کے سمندر کی جانب سے قیامت سے پہلے ایک آگ

نکلے گی جو لوگوں کو جمع کرے گی، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم شام چلے جانا''

تشریح: اس آگ کی نوعیت کیا ہوگی؟ اور وہ لوگوں کو شام کی طرف کیوں جمع کرے گی؟ یہ بات قبل از وقت نہیں بتائی جاسکتی، نہ آگ کی نوعیت متعین کی جاسکتی ہے مگر جب یہ آگ نکلے گی تو لوگوں کے لئے بڑا فتنہ ہوگی، یہی اس حدیث کا اور اس باب کا مقصد ہے۔

[۳۶-] بابٌ لاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ قِبَلِ الحِجَازِ

[۲۲۱۵-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، نَا حُسَيْنُ بنُ مُحَمَّدٍ الْبَغْدَادِیُّ، ثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَی بنِ أَبِیْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِیْ قِلَابَةَ، عَنْ سَالِمِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم: ''سَتَخْرُجُ نَارٌ مِنْ حَضْرَ مَوْتَ أَوْ: مِنْ نَحْوِ بَحْرِ حَضْرَ مَوْتَ، قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ'' قَالُوْا: يَارسولَ اللّٰهِ! فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَقَالَ: ''عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ''

وفی الباب: عَنْ حُذَيْفَةَ بنِ أَسِيْدٍ، وأَنَسٍ، وأَبِیْ هريرةَ، وأَبِیْ ذَرٍّ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ عُمَرَ.

بابُ ماجاء: لاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی يَخْرُجَ كَذَّابُوْنَ

قیامت سے پہلے جھوٹے نبی پیدا ہونگے

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: لاتقومُ السَّاعَةُ حَتّٰی يَنْبَعِثَ كَذَّابُوْنَ دَجَّالُوْنَ، قريبٌ مِنْ ثَلَاثِيْنَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّه رسولُ اللّٰهِ: قیامت برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ بڑے جھوٹے بڑے مکار جاگیں گے جو تقریباً تیس ہونگے، سب دعوی کریں گے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت برپا نہیں ہوگی: (۱) یہاں تک کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکین کے ساتھ مل جائیں گے (۲) اور یہاں تک کہ وہ مورتیوں کی پوجا کریں گے (۳) اور عنقریب ہونگے میری امت میں تیس بڑے جھوٹے، سب مدعی ہونگے کہ وہ نبی ہیں حالانکہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

تشریح: دونوں حدیثوں میں جھوٹی نبوت کے فتنے کا تذکرہ ہے، اور دوسری حدیث میں ارتداد کے فتنے کا بھی تذکرہ ہے، وفات نبوی کے بعد ارتداد کا فتنہ پھیلا اور کچھ قبیلے مشرکین کے ساتھ مل گئے، اور انھوں نے مورتیوں کی پوجا شروع کردی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ سے لوہا لیا اور اس کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

اورجھوٹی نبوت کا فتنہ مسیلمہ کذاب سے شروع ہوا، اس سے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کیا اوراس کوبھی نیست ونابود کردیا، مگرجھوٹی نبوت کا فتنہ ختم نہیں ہوا، یہ فتنہ قیامت تک جاری رہنے والا فتنہ ہے، اور جس طرح سچی نبوت رحمت ہے، جھوٹی نبوت زحمت ہے، اورتیں کی تعداد سنگین فتنہ پردازوں کی ہے، یعنی ایسے متنبی جن کی پارٹیاں ہونگی، جن کا سلسلہ چلے گا وہ تقریباً تیں ہونگے، اور وہ لوگوں کے لئے فتنہ بنیں گے، رہے برساتی مینڈک توان کا کوئی شمار نہیں، ہرزمانہ میں ایسے متنبی پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور نبی ﷺ نے امت کو دوٹوک بتادیا ہے کہ آخری پیغمبر آپ ﷺ ہیں، آپؐ کے بعد کسی قسم کی کوئی نئی نبوت نہیں، اگر مسلمان اس حقیقت کو سمجھ لیں تو جھوٹی نبوت کے فتنے سے محفوظ ہوجائیں۔

[۳۷-] بابُ ماجاء: لاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ كَذَّابُوْنَ

[۲۲۱۶-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلانَ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِىْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَنْبَعِثَ كَذَّابُوْنَ دَجَّالُوْنَ، قَرِيْبٌ مِنْ ثَلاثِيْنَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رسولُ اللّٰهِ"

وفى الباب: عَنْ جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ، وابنِ عُمَرَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۲۲۱۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِىْ قِلابَةَ، عَنْ أَبِىْ أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِىْ بِالْمُشْرِكِيْنَ، وَحَتّٰى يَعْبُدُوْا الأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِىْ أُمَّتِىْ ثَلاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِىٌّ، وأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لانَبِىَّ بَعْدِىْ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء: فى ثَقِيْفٍ كَذَّابٌ وَمُبِيْرٌ

قبیلۂ ثقیف میں بڑا جھوٹا اور ہلاکو ہوگا

ثقیف عرب کا مشہور قبیلہ ہے، طائف اور حنین اس کا مقام تھا، اور کَذَّاب مبالغہ کا صیغہ ہے، بڑا جھوٹا، اور مُبیر: اسم فاعل ہے أَبَارَہ سے، جس کے معنی ہیں: ہلاک کرنا، اس کا مجرد بَارَ يَبُوْرُ بَوْرًا ہے، جس کے معنی ہیں: ہلاک ہونا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قبیلۂ ثقیف میں ایک بڑا جھوٹا اور ایک ہلاکو ہوگا'' علماء نے کذّاب کا مصداق: مختار بن ابی عبید ثقفی کو اور ہلاکو کا مصداق: حجاج بن یوسف ثقفی کو قرار دیا ہے، جس نے علاوہ میدانِ جنگ کے ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں کو ناحق قتل کیا ہے، جن میں بڑے بڑے تابعین اور اولیاء اللہ بھی ہیں۔

فائدہ: مختار بن ابی عبید سن ایک ہجری میں پیدا ہوا، اور سن ۶۷ ہجری میں مارا گیا، بنوامیہ کے خلاف بغاوت کرنے

والوں میں سے تھا اور طائف کا رہنے والا بڑا بہادر آدمی تھا، اس کی بہن حضرت ابن عمرؓ کے نکاح میں تھیں، جن کا نام صفیہ بنت ابی عبید تھا، جب سن ۶۱ ہجری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے تو یہ بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، پھر جب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوئے تو یہ ان کے ساتھ ہو گیا، اسی طرح کے احوال سے گذرتا رہا، یہاں تک کہ ابن زیاد نے اس کو قتل کیا، لوگوں میں اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ نبوت کا اور نزول وحی کا دعویدار ہے۔

اور حجاج بن یوسف ثقفی ۴۰ ہجری میں پیدا ہوا، اور ۹۵ ہجری میں مرا، طائف اس کی جائے پیدائش ہے، اور شام میں پروان چڑھا، عبدالملک نے اس کو امیر لشکر بنایا تھا، اس نے حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کے ساتھ مکہ میں جنگ کی، کوفہ اور بصرہ کے درمیان واسط شہر بسایا، اس نے قرآن میں اعراب لگوائے اور اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کے ذریعہ ہندوستان کے فتح کی داغ بیل ڈالی، غرض اس نے کچھ اچھے کام بھی کئے ہیں مگر اس کی برائی کی کوئی حد نہیں۔

[۳۸-] بابُ ماجاء: فی ثَقِيْفٍ كَذَّابٌ وَمُبِيْرٌ

[۲۲۱۸-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نَا الفَضْلُ بنُ مُوْسَى، عَنْ شَرِيْكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُصْمٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابٌ وَمُبِيْرٌ"

وفی الباب: عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ.

حدثنا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ وَاقِدٍ، نَا شَرِيْكٌ نَحْوَهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ عُمَرَ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ شَرِيْكٍ، وَشَرِيْكٌ يَقُوْلُ: عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عُصْمٍ، وَإِسْرَائِيْلُ يَقُوْلُ: عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَصْمَةَ.

وَيُقَالُ: الكَذَّابُ: الْمُخْتَارُ بنُ أَبِيْ عُبَيْدٍ، وَالْمُبِيْرُ: الْحَجَّاجُ بنُ يُوْسَفَ، حدثنا أَبُوْ دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بنُ سَلْمٍ البَلْخِيُّ، نَا النَّضْرُ بنُ شُمَيْلٍ، عَنْ هِشَامِ بنِ حَسَّانٍ، قَالَ: أَحْصَوْا مَا قَتَلَ الْحَجَّاجُ صَبْرًا، فَبَلَغَ مِائَةَ أَلْفٍ وَعِشْرِيْنَ أَلْفَ قَتِيْلٍ.

وضاحت: سند کا ایک راوی عبداللہ ہے اس کے باپ کا نام عُصم ہے یا عصمہ؟ شریک: عُصم کہتے ہیں اور اسرائیل عصمہ۔

بابُ ماجاء فی الْقَرْنِ الثَّالِثِ

تبع تابعین کا بیان

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: "لوگوں میں بہترین میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے

ملے ہوئے ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے ملے ہوئے ہیں، پھر ایسے لوگ آئیں گے جو پھول جائیں گے، اور موٹاپے کو پسند کریں گے، وہ گواہی دیں گے اس سے پہلے کہ ان سے گواہی طلب کی جائے۔

لغات: تَسَمَّنَ: موٹا ہونا، پھول جانا...... السِّمَنُ: موٹاپا، جسم کی پھلاوٹ ...... یہ حدیث محمد بن فضیل نے اسی طرح روایت کی ہے، یعنی اعمش اور ہلال کے درمیان علی بن مدرک کا واسطہ بڑھایا ہے، مگر اعمش کے دوسرے شاگرد جو حفاظ ہیں: یہ واسطہ نہیں بڑھاتے، پھر وکیع رحمہ اللہ کی سند پیش کی ہے ان کی سند میں یہ واسطہ نہیں۔ امام ترمذیؒ نے اسی حدیث کو اصح قرار دیا ہے (مگر حافظ رحمہ اللہ نے النُّکت الظِّراف میں محمد بن فضیل کے دو متابع پیش کئے ہیں، وہ بھی علی بن مدرک کا واسطہ بڑھاتے ہیں، اور علامہ ابو عمر نے اسی کو درست قرار دیا ہے (تحفۃ الاشراف ۸:۱۹۴) پس یہ اضافہ مزید فی متصل الاسناد کے قبیل سے ہوسکتا ہے)

حدیث (۲): حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا بہترین زمانہ وہ ہے جس میں میں مبعوث کیا گیا ہوں یعنی صحابہ کا دور، پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے متصل ہیں، یعنی تابعین کا دور (حضرت عمرانؓ فرماتے ہیں: اور میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ نے تیسرے قرن کا ذکر کیا یا نہیں) پھر ایسے لوگ پیدا ہونگے جو گواہی دیں گے اور وہ گواہی طلب نہیں کئے جائیں گے، اور وہ خیانت کریں گے اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، اور ان میں موٹاپا پھیل جائے گا!''

تشریح: پہلے یہ بات آچکی ہے کہ یہ تینوں ادوار زمانے کی چوڑائی میں اور لمبائی میں ایک ساتھ چلتے ہیں، نبی ﷺ کی حیات میں صحابہ بھی تھے، تابعین بھی تھے، اور تبع تابعین بھی، اور اس روایت میں اگرچہ شک ہے کہ نبی ﷺ نے تیسرے قرن کا ذکر کیا یا نہیں؟ مگر مسلم شریف میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت متعدد طرق سے مروی ہے، اس میں تیسرے قرن کا بھی ذکر ہے، اور یہی امت میں معروف ومشہور ہے، پس یہی صحیح ہے یعنی یہ فضیلت تینوں قرنوں کے لئے ہے۔

اور یہ فضیلت صحبتِ نبوی کی برکت سے ہے، پھر جس قدر زمانۂ نبوی سے دوری ہوتی گئی اثر ماند پڑتا گیا، چنانچہ تین قرنوں کے بعد اثر ختم ہو گیا، لوگوں میں جسم کی اصلاح کا جذبہ بڑھ گیا، اور دل کی اصلاح کا جذبہ گھٹ گیا، اور جب قلوب کا حال درست نہیں رہا تو گواہیوں میں اور امانتوں میں خیانت شروع ہوگئی، اور یہ بات عمومی احوال کے اعتبار سے ہے، سب لوگوں کا یہ حال نہیں ہوا، حدیث میں ہے: ''میری امت کی مثال بارش جیسی ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ پہلی بارش مفید ہے یا بعد والی'' پس بعد میں بھی لوگ اچھے احوال والے ہوئے ہیں، اور أبواب الفتن میں اس حدیث کے ذکر کا منشا یہ ہے کہ جب ایسے برے لوگ پیدا ہونگے اور احوال بگڑ جائیں گے تو وہ لوگوں کے لئے آزمائش بن جائیں گے، لوگ مؤمن ہونے کی وجہ سے ان پر اعتماد کریں گے اور وہ بد باطن ہونے کی

وجہ سے ان کو نقصان پہنچائیں گے، یہی دور مابعد کا فتنہ ہے۔

[۳۹-] باب ماجاء فی القَرْنِ الثَّالِثِ

[۲۲۱۹-] حدثنا وَاصِلُ بنُ عَبْدِ الأَعْلَى، نَا مُحمدُ بنُ الفُضَيْلِ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ عَلِيِّ بنِ مُدْرِكٍ، عَنْ هِلَالِ بنِ يَسَافٍ، عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ يَتَسَمَّنُوْنَ، وَيُحِبُّوْنَ السِّمَنَ، يُعْطُوْنَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلُوْهَا"

هٰكَذَا رَوَى مُحمدُ بنُ فُضَيْلٍ هٰذَا الحديثَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ عَلِيِّ بنِ مُدْرِكٍ، عَنْ هِلَالِ بنِ يَسَافٍ، وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحُفَّاظِ عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ هِلَالِ بنِ يَسَافٍ، وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ: عَلِيَّ بنَ مُدْرِكٍ.

حدثنا الحُسَيْنُ بنُ حُرَيْثٍ، نَا وَكِيْعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، نَا هِلَالُ بنُ يَسَافٍ، عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فَذَكَرَ نَحْوَهُ، وَهٰذَا أَصَحُّ عِنْدِيْ مِنْ حَدِيْثِ مُحمدِ بنِ فُضَيْلٍ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۲۲۲۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيْدٍ، نَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بنِ أَوْفَى، عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِيْ بُعِثْتُ فِيْهِمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ" قَالَ: وَلَا أَعْلَمُ أَذَكَرَ الثَّالِثَ أَمْ لَا؟ " ثُمَّ يَنْشَأُ أَقْوَامٌ يَشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ، وَيَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ، وَيَفْشُوْ فِيْهِمُ السِّمَنُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی الْخُلَفَاءِ

خلفاء کا بیان

الخلیفة: جانشین، قائم مقام، اور مراد نبی ﷺ کے انداز پر حکومت کرنے والے حضرات ہیں۔

حدیث(۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد بارہ امیر ہونگے'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر نبی ﷺ نے کچھ فرمایا، جس کو میں نہیں سمجھ سکا، پس میں نے اس شخص سے جو مجھ سے متصل تھا پوچھا (اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنے ابا حضرت سمرۃ بن جُنادہؓ سے پوچھا) انھوں نے بتایا: نبی ﷺ نے فرمایا: کلُّھم مِن قریش: سب امیر قریش میں سے ہونگے۔

وضاحت: اس حدیث کی پہلی سند سماک بن حرب کی ہے، وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں، اور دوسری سند ابوبکر بن ابی موسی کی ہے وہ بھی حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں، پہلی سند معروف ہے اور دوسری غریب ہے، یعنی ابوبکر کا یہ حدیث حضرت جابرؓ سے روایت کرنا انجانا ہے۔

حدیث (۲): زیاد کہتے ہیں: میں ابن عامر کے منبر کے نیچے حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، ابن عامر تقریر کررہا تھا، اور اس نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے، اس پر ابوبلال نے کہا: ہمارے امیر کو دیکھو اس نے بدکاروں جیسے کپڑے پہن رکھے ہیں، پس حضرت ابوبکرۃؓ نے فرمایا: خاموش! میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے: مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللهِ فی الأَرْضِ أَهَانَهُ اللهُ: جو زمین میں اللہ کی اتھارٹی کی توہین کرتا ہے اللہ اس کی توہین کرتے ہیں۔

تشریح: پہلی حدیث میں جن بارہ خلفاء کا تذکرہ ہے وہ منہاج نبوت پر حکومت چلانے والے خلفاء ہیں، اور ان کا مسلسل ہونا ضروری نہیں، وہ وقفہ وقفہ سے ہونگے، شروع میں چار خلفاء تو متصل آئے ہیں پھر پانچویں خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں، اسی طرح بعد میں بھی ایسے خلفاء ہوتے رہیں گے جو منہاج نبوت پر حکومت کریں گے، اور قیامت قائم ہونے سے پہلے ایسے بارہ خلفاء ضرور ہونگے۔

اور منہاج نبوت پر خلافت کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکومت کو اپنی ملک نہ سمجھے، بلکہ اللہ کی چیز سمجھے اور خود کو صرف رسول اللہ ﷺ کا نائب تصور کرے، اور وہ حکومت سے کوئی ذاتی فائدہ نہ اٹھائے، اور یہ سب خلفاء قریش میں سے ہونگے، اور قیامت سے پہلے ان کی بارہ کی تعداد پوری ہوجائے گی۔

اور دوسری حدیث میں یہ مضمون ہے کہ بادشاہ کا احترام ضروری ہے، اگر لوگ بادشاہ کی شخصیت کا احترام نہیں کریں گے تو وہ حکومت کیسے چلائے گا؟ پھر سلطان عام ہے خواہ ماتحت امیر ہو یا خلیفہ ہو کیونکہ جب سلطان (اتھارٹی) کی تعظیم ضروری ہے تو خلیفہ کی تعظیم بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے، اور جو حاکم کا احترام نہیں کرے گا وہ ذلیل ہوگا اور یہی رسوائی اس کے لئے فتنہ (آزمائش) ہوگی، اسی مناسبت سے یہ حدیث ان ابواب میں لائے ہیں۔

[۴۰-] باب ماجاء فی الخُلُفَاءِ

[۲۲۲۱-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نَا عُمَرُ بنُ عُبَيْدٍ، عَنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " يَكُوْنُ مِنْ بَعْدِیْ اثْنَا عَشَرَ أَمِيْرًا" قَالَ: ثُمَّ تَكَلَّمَ بِشَيْئٍ لَمْ أَفْهَمْهُ، فَسَأَلْتُ الَّذِیْ يَلِيْنِیْ، فَقَالَ: قَالَ: " كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ " هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِیَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ.

حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نَا عُمَرُ بنُ عُبَيْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِیْ بَكْرِ بنِ أَبِیْ مُوْسَی، عَنْ جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ،

عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَ هٰذَا الحديثِ.

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، يُسْتَغْرَبُ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ بَكْرِ بنِ أَبِيْ مُوْسَى، عَنْ جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ، وَفِيْ الْبَابِ: عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو.

[۲۲۲۲-] حدثنا بُنْدَارٌ، نَا أَبُوْ دَاوُدَ، نَا حُمَيْدُ بنُ مِهْرَانَ، عَنْ سَعْدِ بنِ أَوْسٍ، عَنْ زِيَادِ بنِ كُسَيْبٍ الْعَدَوِيِّ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ أَبِيْ بَكْرَةَ تَحْتَ مِنْبَرِ ابنِ عَامِرٍ، وَهُوَ يَخْطُبُ، وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ رِقَاقٌ، فَقَالَ أَبُوْ بِلَالٍ: انْظُرُوْا إِلَى أَمِيْرِنَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الفُسَّاقِ! فَقَالَ أَبُوْ بَكْرَةَ: اسْكُتْ، سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِيْ الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللّٰهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء فی الْخِلَافَةِ

خلافتِ راشدہ کا بیان

حدیث (۱): حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: الخِلَافَةُ فی أُمتی ثلاثونَ سَنَةً، ثُمَّ ملكٌ بعد ذلك: خلافتِ راشدہ میری امت میں تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد شہنشاہیت ہوگی، حدیث کے راوی سعید بن جمہان کہتے ہیں: پھر مجھ سے حضرت سفینہؓ نے فرمایا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت گنو (ان کی خلافت دو سال ہے) پھر فرمایا: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت گنو (حضرت عمرؓ کی خلافت دس سال اور حضرت عثمانؓ کی خلافت بارہ سال ہے، کل چوبیس سال ہوئے) پھر فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت گنو (ان کی خلافت چھ سال ہے) پس ہم نے خلافت کو تیس سال پایا۔

سعید بن جمہان کہتے ہیں: میں نے حضرت سفینہؓ سے کہا: بنو امیہ کہتے ہیں: خلافت ان میں ہے، یعنی وہ بھی خلفاء راشدین ہیں، حضرت سفینہ نے فرمایا: زرقاء کے بیٹے جھوٹ بولتے ہیں، وہ بدترین بادشاہ ہیں (اور ملوکیت کی علامت یہ ہے کہ بادشاہ حکومت کو کسی درجہ میں اپنی ملکیت سمجھے، اور اس میں من مانی کرے)

اور باب میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایات ہے کہ نبی ﷺ نے خلافت کے سلسلہ میں کوئی وصیت نہیں کی یعنی آپؐ نے خلفاء نامزد نہیں فرمائے۔

حدیث (۲): ابن عمرؓ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ سے کہا گیا: کاش آپؓ خلیفہ بناتے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا: اگر میں خلیفہ بناؤں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بنایا ہے، یعنی میرے لئے جواز ہے، اور اگر میں خلیفہ نہ بناؤں تو نبی ﷺ نے خلیفہ نہیں بنایا، پس میرے لئے اس کی بھی گنجائش ہے۔

تشریح: مسلم شریف کتاب الإمارۃ کے شروع میں یہ حدیث مفصل آئی ہے، اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے:

ابن عمرؓ کہتے ہیں: جب حضرت عمرؓ نے دونوں کا تذکرہ کیا تو میں سمجھ گیا کہ آپؓ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے، آپؓ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کسی کو برابر نہیں کریں گے، چنانچہ آپؓ نے کسی کو معین طور پر خلیفہ نہیں بنایا، بلکہ چھ آدمیوں میں خلافت دائر کی اور حدیث میں جو لمبا مضمون ہے وہ مسلم شریف (حدیث ۱۸۲۳) میں ہے۔

انعقاد خلافت کے مختلف طریقے: انعقاد خلافت کے چار طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: ارباب حل وعقد بیعت کے ذریعہ خلیفہ متعین کریں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی ہے۔

دوسرا طریقہ: موجودہ خلیفہ بعد والے خلیفہ کو نامزد کرے، اور لوگوں کو اس کی اتباع کی وصیت کرے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی ہے۔

تیسرا طریقہ: خلیفہ: خلافت کو ایک جماعت میں دائر کردے، اور کہہ دے کہ ان میں سے ایک کو منتخب کیا جائے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی ہے۔

چوتھا طریقہ: استیلاء (تغلّب) ہے، یعنی ایسا شخص جو خلافت کی شرطوں کا جامع ہے لوگوں پر غلبہ پالے اور حکومت پر قبضہ جمالے، تو اس سے بھی خلافت منعقد ہوجاتی ہے، حتی کہ عورت کی خلافت بھی اس طرح منعقد ہوجاتی ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کس طرح منعقد ہوئی تھی؟ اس میں اختلاف ہے، اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ آپؓ ان مہاجرین وانصار کے بیعت کرنے سے خلیفہ ہوئے تھے جو بروقت مدینہ منورہ میں موجود تھے، یعنی پہلے طریقہ پر آپؓ کی خلافت منعقد ہوئی تھی، اور دوسری رائے یہ ہے کہ آپؓ کی خلافت کا انعقاد بذریعہ شوری ہوا تھا، مگر یہ رائے ضعیف ہے، اس کی تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۵:۲۲۶) میں ہے۔

[٤١-] باب ماجاء في الْخِلَافَةِ

[٢٢٢٣-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيعٍ، نا سُرَيْجُ بنُ النُّعْمَانِ، نا حَشْرَجُ بنُ نُبَاتَةَ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُمْهَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَفِيْنَةُ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اَلْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُوْنَ سَنَةً، ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ" ثُمَّ قَالَ لِي سَفِيْنَةُ: أَمْسِكْ خِلَافَةَ أَبِي بَكْرٍ، ثُمَّ قَالَ: وَخِلَافَةَ عُمَرَ، وَخِلَافَةَ عُثْمَانَ، ثُمَّ قَالَ: أَمْسِكْ خِلَافَةَ عَلِيٍّ، فَوَجَدْنَاهَا ثَلَاثِيْنَ سَنَةً.

قَالَ سَعِيْدٌ: فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّ بَنِي أُمَيَّةَ يَزْعُمُوْنَ أَنَّ الْخِلَافَةَ فِيْهِمْ، قَالَ: كَذَبَ بَنُوْ الزَّرْقَاءِ! بَلْ هُمْ مُلُوْكٌ مِنْ شَرِّ الْمُلُوْكِ.

وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، قَالَا: لَمْ يَعْهَدِ النبيُّ صلى الله عليه وسلم فِي الْخِلَافَةِ شَيْئًا، هٰذَا

حديثٌ حسنٌ، قَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سَعِيْدِ بنِ جُمْهَانَ، وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِهِ.

[۲۲۲٤-] حدثنا يَحْيىَ بنُ مُوْسَى، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمِ بنِ عَبْدِ اللهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قِيْلَ لِعُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ: لَوِ اسْتَخْلَفْتَ! قَالَ: إِنْ أَسْتَخْلِفْ فَقَدِ اسْتَخْلَفَ أَبُوْ بَكْرٍ، وَإِنْ لَمْ أَسْتَخْلِفْ: لَمْ يَسْتَخْلِفْ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

وفي الحديثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ، هٰذا حديثٌ صحيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ ابنِ عُمَرَ.

بابُ ماجاء أَنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى أَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ

قیامت تک خلفاء قریش میں سے ہونگے

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں:

حدیث (۱): عبداللہ بن ابوالہذیل کہتے ہیں: قبیلۂ ربیعہ کے کچھ لوگ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، پس قبیلہ بکر بن وائل (یہ قبیلۂ ربیعہ کی شاخ ہے) کے ایک شخص نے کہا: ''قریش یا تو (فسق وعصیان سے) باز آجائیں یا اللہ تعالیٰ اس (حکومت کے) معاملہ کو ان کے علاوہ عام عربوں میں کردیں گے'' پس حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: آپ غلط کہتے ہیں، میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے: قُرِيْشٌ وُلاةُ الناسِ في الْخَيْرِ والشَّرِّ إلى يوم القيامة: قریش لوگوں کے حاکم ہونگے خیر وشر میں قیامت تک۔

تشریح: الوُلَاة: الوالی کی جمع ہے بمعنی حاکم، فرمانروا۔ اور خیر وشر سے مراد زمانہ اسلام اور زمانۂ جاہلیت ہے، یعنی گذشتہ زمانہ میں بھی یہی حاکم تھے اور اب بھی قیامت تک یہی حاکم رہیں گے، اور یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: شب وروز کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ آزادشدہ لوگوں میں سے ایک شخص بادشاہ بنے گا جس کا نام ''جہجاہ'' ہوگا (یہ روایت مسلم شریف (حدیث ۲۹۱۱) میں ہے)

علاوہ ازیں اس مسئلہ سے متعلق یہ حدیثیں بھی ہیں:

حدیث (۳): مسلم شریف میں حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہیکہ الناسُ تَبَعٌ لِقُرِيْشٍ في الْخَيْرِ والشَّرِّ: لوگ خیر وشر میں قریش کے تابع ہونگے، یعنی جاہلیت میں بھی وہی لیڈر تھے اور اب اسلام میں بھی وہی سردار ہونگے۔

حدیث (۴): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی متفق علیہ روایت ہے: لايَزالُ هذا الأَمْرُ في قُرِيْشٍ ما بَقِيَ مِن الناسِ اثْنَانِ: یہ معاملہ (حکومت) برابر قریش میں رہے گا جب تک لوگوں میں دو آدمی رہیں گے۔

حدیث (۵): مشہور حدیث ہے: الْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ: حکومت کے سربراہ قریش میں سے ہوں۔

حدیث (۶): مسند احمد میں سند صحیح سے روایت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میری موت آئی اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوئے تو میں ان کو خلیفہ بناؤں گا، اور اگر ان کا انتقال ہو گیا تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناؤں گا (حضرت معاذؓ انصاری ہیں قریشی نہیں)

حدیث (۷): نبی ﷺ نے مختلف جنگوں میں عبداللہ بن رواحہ، زید بن حارثہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کو امیر بنایا ہے۔

تشریح: شیعوں کے نزدیک خلیفہ راشد کا ہاشمی بلکہ علوی ہونا شرط ہے، مگر ان کا یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ یہ اشتراط لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا کرے گا، کہنے والے کہیں گے: یہ نیا دین اپنے خاندان کی حکومت قائم کرنے کے لئے ہے، علاوہ ازیں خلیفہ کے لئے کسی متعین خاندان میں سے ہونے کی شرط لگانا حرج اور تنگی کا باعث ہے، ممکن ہے اس خاندان میں ایسا آدمی نہ ہو، اور دوسرے خاندان میں ہو (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۲۲۵ میں ہے)

پھر امت اس پر متفق ہے کہ ماتحت امارتوں کے لئے کوئی شرط نہیں، جس میں بھی صلاحیت ہو اس کو حاکم بنایا جاسکتا ہے، اور حدیث نمبر ۷ اس کی دلیل ہے، نبی ﷺ نے مختلف مواقع میں غیر قریشیوں کو بھی امیر بنایا ہے، اور عقلاً بھی یہ بات ضروری ہے، سارے عہدے کسی ایک قوم کے لئے خاص کردیئے جائیں تو اس میں دشواری ہوگی، اور بدگمانی کا موقع بھی رہے گا۔

رہا خلیفہ (سربراہ اعظم) کا معاملہ تو عام طور پر اہل السنہ والجماعہ کی رائے یہ ہے کہ خلیفہ راشد کا قریشی ہونا ضروری ہے، حدیث میں ہے: ''ائمہ قریش میں سے ہوں'' یہ حدیث چالیس صحابہ سے مروی ہے (فتح الباری ۷:۳۲) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: اس حدیث پر امت کا اجماع ہے (ازالۃ الخفاء) اور حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب نے خلیفہ راشد کے قریشی ہونے کی وجوہ بیان فرمائی ہیں کہ اس کے ذریعہ دین کی تمکین خوب ہوسکتی ہے، اور وہ دین کی سب سے زیادہ حفاظت کرے گا، اور قریشی میں حکومت کرنے کی صلاحیت دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۲۲۱ میں ہے)

اور میری ناقص رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ استیلاء وتغلّب کی صورت میں تو کوئی بھی خلیفہ ہوسکتا ہے جیسا کہ باب کی دوسری روایت میں ہے کہ قیامت سے پہلے ایک آزاد شدہ جہجاہ نامی بادشاہ بن جائے گا، یہ وہی تغلّب والی صورت ہے، اور ایسی صورت میں عورت کی سربراہی بھی درست ہے، اس کی خلافت بھی منعقد ہوجائے گی، اور اس کے احکام واجب الاطاعت ہونگے۔

اور اگر استیلاء وتغلب کی صورت نہ ہو بلکہ معاملہ اختیار میں ہو تو پھر دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: تمام اسلامی دنیا کے خلیفہ کو قریشی ہونا چاہئے، روایات کا مصداق یہی صورت ہے۔
دوسری صورت: اگر یہ بات ممکن نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی علحدہ علحدہ حکومتیں ہوں تو ہر ملک کے بادشاہ کا قریشی ہونا ضروری نہیں۔

اور حدیث ۵ وغیرہ اگرچہ عام ہیں مگر حقیقت میں خاص ہیں، وفات نبوی ﷺ کے بعد جو صورتِ حال پیش آنے والی تھی اس میں یہ راہنمائی تھی کہ خلیفہ قریش میں سے چنا جائے، دوسرے قبائل میں سے نہ چنا جائے، اور ایسا عام طور پر ہوتا ہے کہ حدیث بظاہر عام ہوتی ہے مگر حقیقت میں اس کا مصداق خاص ہوتا ہے، اس کی نظیر کتاب الجنائز باب ۵۲ (تحفہ ۳: ۴۵۵) میں گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم

[٤٢-] باب ماجاء أَنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى أَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ

[٢٢٢٥-] حدثنا حُسَيْنُ بنُ مُحمدٍ البَصْرِيُّ، نَا خَالِدُ بنُ الْحَارِثِ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ حَبِيْبِ بنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بنَ أَبِيْ الْهُزَيْلِ، يَقُوْلُ: كَانَ نَاسٌ مِنْ رَبِيْعَةَ عِنْدَ عَمْرِو بنِ الْعَاصِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَكْرِ بنِ وَائِلٍ: لَتَنْتَهِيَنَّ قُرَيْشٌ أَوْ لَيَجْعَلَنَّ اللهُ هٰذَا الأَمْرَ فِيْ جُمْهُوْرٍ مِنَ الْعَرَبِ غَيْرِهِمْ، فَقَالَ عَمْرُو بنُ الْعَاصِ: كَذَبْتَ، سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "قُرَيْشٌ وُلَاةُ النَّاسِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ"

وفي الباب: عَنِ ابنِ عُمَرَ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وَجَابِرٍ، هٰذَا حَدِيْثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

[٢٢٢٦-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا أَبُوْ بَكْرٍ الحَنَفِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بنِ جَعْفَرٍ، عَنْ عُمَرَ بنِ الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتَّى يَمْلِكَ رَجُلٌ مِنَ الْمَوَالِيْ، يُقَالُ لَهُ: جَهْجَاهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء في الأَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ

گمراہ کرنے والے سربراہوں کا تذکرہ

اگر حکومت کا سربراہ گمراہ ہو جائے اور وہ لوگوں کو گمراہ کرنے لگے تو وہ پورے ملک کو لے ڈوبے گا، اور اتنا بڑا فتنہ ہوگا کہ لوگ اس کی تاب نہ لاسکیں گے، اور اس باب میں دو حدیثیں ہیں اور دونوں میں گہرا ربط ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: إِنَّمَا أَخَافُ على أُمَّتِيْ أَئِمَّةً مُضِلِّيْنَ: مجھے اپنی امت کے حق میں گمراہ کرنے والے سربراہوں کا خطرہ ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ائمہ سے مراد حکومت کے سربراہ ہیں، دینی راہ نما مراد نہیں، اگرچہ گمراہ دینی رانما بھی بڑا فتنہ ہیں اوراس حدیث کے عموم میں ان کو لیا جاسکتا ہے، مگر ماسِیْقَ لِأَجْلِهِ الکلام گمراہ کرنے والے حکومت کے سربراہ ہیں۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: لاتزالُ طَائِفَةٌ من أُمَّتِیْ علی الحقِّ ظاهِرِیْنَ، لَایَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُم حتی یَأْتِیَ أَمْرُ اللّٰهِ: میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر غالب رہے گا، جو لوگ ان کو رسوا کرنا چاہیں گے وہ ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے، یعنی قیامت آجائے، یا دین کے دنیا سے اٹھ جانے کا وقت آجائے یا وہ فتنہ فرو ہوجائے۔

تشریح: پہلی حدیث خطرے کی گھنٹی ہے اور دوسری حدیث میں دین کی حفاظت کی بشارت ہے، یعنی ایسے امراء ہونگے جو خود گمراہ ہونگے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے جس طرح بنوعباس کے دور میں امراء: معتزلہ سے متاثر ہوئے اور انھوں نے خلق قرآن کا مسئلہ کھڑا کیا، جس سے تمام مسلمان خوفزدہ ہوگئے، مگر اللہ تعالیٰ نے امام احمد رحمہ اللہ کو کھڑا کیا، جنھوں نے حکومت کی پرواہ کئے بغیر دین کا بول بالا کیا، اور ایک وقت آیا کہ اس فتنہ نے دم توڑ دیا، اور حق کا بول بالا ہوا۔

اسی طرح ہندوستان میں اکبر بادشاہ نے جب نیا دین: دین الٰہی گھڑا تو مسلمانوں کے لئے موت وزیست کی حالت پیدا ہوگئی، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو کھڑا کیا اور ان کی محنت سے ایک دو بادشاہوں کے بعد وہ فتنہ ختم ہوگیا، اور عالمگیرؒ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دین کا بول بالا کیا۔ غرض جب بھی ایسی صورت پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ دین کی حفاظت فرماتے ہیں، اور اہل حق غالب رہتے ہیں، اور اعدائے دین کی مخالفت ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

[۴۳-] بابُ ماجاء فی الأَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ

[۲۲۲۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِیْ قِلَابَةَ، عَنْ أَبِیْ أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِیْ أَئِمَّةً مُضِلِّيْنَ" قَالَ: وَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِیْ عَلَى الْحَقِّ، ظَاهِرِيْنَ، لَايَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِیَ أَمْرُ اللّٰهِ " هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی الْمَهْدِیِّ

حضرت مہدی کا تذکرہ

مَهْدِیٌّ: (اسم مفعول) راہ یاب، ہدایت مآب، یعنی جس کی گھٹی میں ہدایت پڑی ہوئی ہو، یہ اسم علم نہیں ہے بلکہ

اسم وصف ہے،اور سب سے پہلے یہ صفت خلفاء راشدین کے لئے استعمال ہوئی ہے، فرمایا: عليكم بِسُنَّتِي وسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الراشدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بها، وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بَالنَّوَاجِذِ: میرا طریقہ لازم پکڑو، اور میرے ان جانشینوں کا طریقہ لازم پکڑو جو راہ یاب، ہدایت مآب ہیں، ان کے طریقہ کو مضبوط تھامو، اور ان کے طریقے کو ڈاڑھوں سے کاٹو۔ اس حدیث میں چاروں خلفاء کو ''مہدی'' کہا گیا ہے، اور زمانہ کے آخر میں بھی ایک خلیفہ راشد ہونگے، ان کا بھی یہی وصف روایات میں آیا ہے اور درمیان میں بھی بہت سے مہدی (دینی راہ نما) ہونگے، اس باب میں اسی آخری شخصیت کا تذکرہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ بہت سے اسلامی فرقوں کا خیال یہ ہے کہ یہ شخصیت پیدا ہو چکی ہے، لیکن تمام اہل السنہ والجماعہ کا خیال ہے کہ ابھی یہ شخصیت پیدا نہیں ہوئی، ظہور مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج یاجوج وماجوج سب ایک ساتھ پیش آنے والے واقعات ہیں، جن کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا۔

اور شیعوں کا خیال یہ ہے کہ ان کے بارہویں امام: مہدی ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں اور ایک غار میں چھپے ہوئے ہیں، جب دنیا میں تین سو تیرہ مخلص شیعہ ہوں گے تب ان کا ظہور ہوگا، یہ سب سفسطہ (مغالطہ، وہ قیاس جو وہمیات سے مرکب ہو) ہے، اور خود انھوں نے اپنے منافق ہونے کا اقرار کر لیا۔

علاوہ ازیں: اور بھی فرقے بعض لوگوں کی مہدویت کے قائل ہیں مثلاً: ہندوستان کے مہدوی فرقہ کے لوگ محمد جونپوری کو مہدی مانتے ہیں، اور قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو مہدی کہتے ہیں، مگر روایات کی روشنی میں یہ سب ڈھکوسلے ہیں، آپ اس باب کی روایات پڑھئے، ان سے صاف معلوم ہوگا کہ ابھی اس شخصیت کا ظہور نہیں ہوا۔

ملحوظہ: حضرت مہدی کے ساتھ ''امام'' یا ''علیہ السلام'' کا اضافہ درست نہیں، مہدی کی امامت کا عقیدہ شیعوں کا ہے، اہل السنہ اس کے قائل نہیں، اور شیعوں کے نزدیک ان کے بارہ امام نبوت کی حقیقت کے حامل تھے اس لئے وہ ان کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام بڑھاتے ہیں، مگر اہل السنہ اس کے قائل نہیں، رہا ''رضی اللہ عنہ'' کا استعمال تو اس کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ ابھی اس شخصیت کا وجود ہی نہیں ہوا، اس لئے صرف مہدی یا حضرت مہدی کہنا چاہئے [1]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: لاتَذْهَبُ الدُّنْيا حتى يَمْلِكَ العَرَبَ رجلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُه اسْمِيْ: دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک عرب کا مالک نہیں ہوگا، میرے خاندان کا ایک شخص جس کا نام میرے نام کو روندتا ہوگا (یعنی اس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا)

(۱) جو لوگ مہدی کی شخصیت کے بارے میں تفصیلات جاننا چاہیں وہ مولانا محمود بارڈولی مدظلہ مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی کتاب ''ظہور مہدی کب؟ کہاں؟ اور کس طرح؟'' کا مطالعہ کریں، اس میں اچھی معلومات ہیں اور کتاب قابل اعتماد ہے (مرتب)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: یَلِیْ مِنْ أَهْلِ بَیْتِیْ یُوَاطِئُ اسْمُه اسْمِیْ: حکومت کا سربراہ بنے گا میرے خاندان کا ایک آدمی جس کا نام میرے نام کو روندتا ہوگا، یہ حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: لَوْ لَمْ یَبْقَ مِنَ الدنیا إِلَّا یَوْمًا، لَطَوَّلَ اللّٰهُ ذلك الیَوْمَ حَتّٰی یَلِیَ: اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اس کو اتنا لمبا کردیں گے کہ وہ شخصیت حاکم بنے گی۔

حدیث (۳): حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم کو ڈر ہوا کہ نبی ﷺ کے بعد کوئی نئی بات پیدا ہو، پس ہم نے نبی ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: بیشک میری امت میں مہدی ظاہر ہونگے، جو پانچ یا سات یا نو تک زندہ رہیں گے (حدیث کے ایک راوی زید عَمّی کو شک ہے کہ کونسا عدد فرمایا) حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں: میں نے پوچھا: یہ عدد کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: سال (یعنی اتنے سال تک وہ حکومت کریں گے) نبی ﷺ نے فرمایا: پس ان کے پاس ایک شخص آئے گا اور کہے گا: مہدی! مجھے دیجئے، مجھے دیجئے، نبی ﷺ نے فرمایا: پس مہدی لب بھر کر اس کے لئے اس کے کپڑے میں ڈالیں گے جتنا بھی وہ اٹھا سکے گا۔

تشریح: جب نبی ﷺ نے صحابہ کے سامنے تین قرنوں کی خیریت بیان فرمائی اور فرمایا کہ اس کے بعد لوگوں کے احوال بگڑ جائیں گے تو صحابہ سمجھ گئے کہ اس کے بعد فتن وحوادث شروع ہونگے، اس لئے انھوں نے مذکورہ سوال کیا۔ نبی ﷺ نے ان کی فکر دور کرنے کے لئے ظہور مہدی کی خوشخبری دی تا کہ ان کو اطمینان ہو جائے کہ اس خطرناک زمانہ میں بھی ہادیوں کا ظہور ہوگا اور آخر میں بڑے مہدی کا ظہور ہوگا، اور دینی تعلیم اور سنت کی اشاعت سلسلہ جاری رہے گا۔

اور حضرت مہدی کی مدت حکومت کے بارے میں جو تین عدد آئے ہیں ان میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ پانچ سال لشکر کی تیاری میں صرف ہونگے، پھر دو سال کفار سے جنگ ہوگی، پھر آخری دو سال آپ اطمینان سے حکومت کریں گے مگر یہ زبردستی کی تطبیق ہے، کیونکہ راوی کو شک ہے پس کوئی ایک ہی عدد صحیح ہے، تمام اعداد صحیح نہیں، پھر تطبیق کی کیا ضرورت ہے؟

اور آپ کا مبارک نام محمد ہوگا، آپ کے والد کا نام عبداللہ ہوگا، آپ کا خاندانی تعلق بنو ہاشم سے ہوگا، آپ والد کی طرف سے حَسنی سید ہونگے اور والدہ کی طرف سے حُسینی۔ ابو داؤد (حدیث ۴۲۹۰) میں اس کی صراحت ہے، اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اللہ کی خوشنودی کے لئے خلافت چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں ایک شخص کو سچی خلافت قائم کرنے کا موقع دیا۔ اور یہ دستور خداوندی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی چیز سے دست بردار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو یا اس کی اولاد کو اس سے بہتر چیز عطا فرماتے ہیں (المنار المُنیف ص:۱۵۱، فیض القدیر ۶: ۲۷۹)

[٤٤-] باب ماجاء فی الْمَهْدِیِّ

[٢٢٢٨-] حدثنا عُبَيْدُ بنُ أَسْبَاطِ بنُ مُحمدٍ القُرَشِيُّ، نَا أَبِيْ، نَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ عَاصِمِ بنِ بَهْدَلَةَ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ العَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِيْ"

وفی الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وأُمِّ سَلَمَةَ، وَأَبِيْ هريرةَ؛ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٢٢٢٩-] حدثنا عَبْدُ الْجَبَّارِ بنُ الْعَلاءِ العَطَّارُ، نَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " يَلِيْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِيْ" قَالَ عَاصِمٌ: وَنَا أَبُوْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: " لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمًا لَطَوَّلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اليَوْمَ حَتَّى يَلِيَ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٢٢٣٠-] حدثنا مُحمدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، نَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ زَيْداً العَمِيَّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الصِّدِّيْقِ النَّاجِيَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: خَشِيْنَا أَنْ يَكُوْنَ بَعْدَ نَبِيِّنَا حَدَثٌ، فَسَأَلْنَا نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " إِنَّ فِيْ أُمَّتِيْ الْمَهْدِيَّ يَخْرُجُ، يَعِيْشُ خَمْسًا، أَوْ سَبْعًا، أَوْ تِسْعًا"- زَيْدٌ الشَّاكُّ – قَالَ: قُلْنَا: وَمَا ذَاكَ؟ قَالَ: سِنِيْنَ، قَالَ: " فَيَجِيْءُ إِلَيْهِ الرَّجُلُ، فَيَقُوْلُ: يَا مَهْدِيُّ! أَعْطِنِيْ، أَعْطِنِيْ" قَالَ: " فَيَحْثِيْ لَهُ فِيْ ثَوْبِهِ مَا اسْتَطَاعَ أَنْ يَحْمِلَهُ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وأَبُوْ الصِّدِّيْقِ النَّاجِيُّ: اسْمُهُ بَكْرُ بنُ عَمْرٍو، وَيُقَالُ بَكْرُ بنُ قَيْسٍ.

بابُ ماجاء فی نُزُوْلِ عِيْسَى ابنِ مَرْيَمَ

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

حضرت مہدی کے زمانہ میں دجال کا خروج ہوگا، اور جب حالات سنگین ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اتاریں گے جو دجال کو قتل کریں گے اور اس فتنہ کو فرو کریں گے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! عنقریب یہ واقعہ پیش آئے گا کہ تمہارے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے، درانحالیکہ وہ انصاف کرنے والے حاکم ہونگے (یعنی حضرت مہدی کے بعد آپ خلیفۃ المسلمین بنیں گے، اور انصاف کے ساتھ حکومت کریں گے) پس آپ سولی کو توڑ دیں گے، اور

خنزیر کوقتل کریں گے، اور جزیہ کا حکم ختم کردیں گے، اور مال بہے گا یہاں تک کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔

تشریح: عیسائیوں نے سولی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر ایجاد کی ہے، اور اس کو مذہبی تقدس عطا کیا ہے، اور خنزیر کی حلت بھی حضرت کے نام لگائی ہے، اس لئے جب آپ حاکم ہونگے تو تمام سولیوں کو توڑ دینے کا اور خنزیر کو قتل کرنے کا حکم دیں گے، اور جزیہ ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اب یا تو اسلام قبول ہوگا یا برسرپیکار رہنا ہوگا، کوئی بھی اسلام کے علاوہ کسی مذہب پر باقی رہ کر اسلامی ملک کا شہری نہیں بن سکے گا، اور مال کی فراوانی حضرت مہدی کے زمانہ سے شروع ہوجائے گی جس کی تکمیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگی۔

[٤٥-] بابُ ماجاء فی نُزُوْلِ عِیْسَی ابنِ مَرْیَمَ

[٢٢٣١-] حدثنا قُتَیْبَةُ، نا اللَّیْثُ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِیْدِ بنِ الْمُسَیَّبِ، عَنْ أَبِی هریرةَ، أَنَّ النبیَّ صلی الله علیه وسلم قَالَ: "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهِ! لَیُوْشِکَنَّ أَنْ یَنْزِلَ فِیْکُمْ ابنُ مَرْیَمَ حَکَمًا مُقْسِطًا، فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ، وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ، وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ، وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَهُ أَحَدٌ" هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

بابُ ماجاء فی الدَّجَّالِ

دجال کا تذکرہ

دَجَّال: اسم مبالغہ ہے، اس کے معنی ہیں: انتہائی فریب کار، یہ مسیح کذاب کا لقب ہے جس کا آخر زمانہ میں ظہور ہوگا، اور وہ خدائی کا دعوی کرے گا۔ دَجَلَ (ن) دَجْلاً: فریب دینا، دَجَلَ الحَقَّ: حق پر باطل کا پردہ ڈالنا، حق پوشی کرنا۔

اور مَسِیْحٌ: فَعِیلٌ کا وزن ہے، مَسَحَ الشیئ کے معنی ہیں: ہاتھ پھیرنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مسیح ہیں اور دجال بھی، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح بمعنی مَاسِح (ہاتھ پھیرنے والے) ہیں، آپ کے ہاتھ پھیرنے سے بیمار چنگے ہوجاتے تھے، اس لئے آپ کا یہ لقب قرآن میں آیا ہے، اور دجال مَسیح بمعنی مَمْسُوْح (ہاتھ پھیرا ہوا) ہے، اس کی ایک آنکھ پر پیدائشی طور پر ہاتھ پھیرا ہوا ہوگا جس سے وہ آنکھ چوپٹ ہوگئی ہوگی، اس لئے اس کا لقب بھی مسیح ہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہیں اور دجال مسیح ضلالت!

تورات میں دونوں مسیحوں کی خبر دی گئی تھی، مگر جب مسیح ہدایت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو یہود نے ان کو مسیح ضلالت سمجھا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے شر سے محفوظ رکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا، مگر یہود کا خیال یہ ہے کہ انھوں نے مسیح ضلالت کو کیفر کردار تک پہنچادیا، اور وہ مسیح ہدایت کا

انتظار کر رہے ہیں، چنانچہ آخر زمانہ میں جب مسیح ضلالت پیدا ہوگا تو یہود بڑھ کر اس کی پیروی کریں گے اور اسی اشتباہ کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مسیح ہدایت کو آسمان سے اتاریں گے جو مسیح ضلالت کو قتل کریں گے، پس لوگوں کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مسیح ہدایت کون ہے اور مسیح ضلالت کون؟

اسی طرح عیسائیوں کو بھی ایک اشتباہ ہے، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد اس کا ازالہ بھی ہے۔ یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النّبیین ہیں، آپ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہیں اور ہمارے نبی ﷺ بھی خاتم النّبیین ہیں، اور آپؐ بھی انبیاء کے خاتم ہیں۔ پس عیسیٰ علیہ السلام کے خاتم النّبیین میں الف لام عہدی ہے اور ہمارے نبی ﷺ کے خاتم النّبیین میں الف لام استغراقی ہے، مگر عیسائیوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ ان کے خاتم النّبیین میں الف لام استغراقی ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام آخری پیغمبر ہیں، اس لئے وہ محمد ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں۔ آخر زمانہ میں جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دین محمدی کی پیروی کریں گے تب برملا ظاہر ہو جائے گا کہ خاتم النّبیین کامل کون تھا اور مقید کون؟ یہ بھی نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا ایک مقصد ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ دجال کا معاملہ مخفی رکھا گیا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے تمام انبیاء برابر خروج دجال کی خبر دیتے آئے ہیں، اور اپنی امتوں کو اس کے سنگین فتنہ سے ڈراتے رہے ہیں، یہاں تک کہ نبی پاک ﷺ کا دور آیا، آپؐ نے گذشتہ انبیاء سے بھی واضح اور دوٹوک انداز میں اپنی امت کو اس فتنہ سے ڈرایا، مگر آپؐ کو بھی اس کے زمانہ کا پورا اندازہ نہیں تھا، جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

دجالی فتنے:

اور دجل و تلبیس کے معنی ہیں: حقیقت پر پردہ ڈالنا، پس جو بھی نظریہ باطل پر ملمع چڑھاتا ہے اور اس کو حق باور کراتا ہے وہ دجالی فتنہ ہے، جیسے جھوٹی نبوتوں کے فتنے: دجالی فتنے ہیں، حدیثوں میں ان پر لفظ دجال کا اطلاق آیا ہے، ایسے دجالی فتنے ہمیشہ ظہور پذیر ہوتے رہیں گے، اور آخر میں دجال اکبر کا فتنہ رونما ہوگا جس کا تذکرہ اس باب میں ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر ایسے نہیں ہوئے جنھوں نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو، اور میں بھی آپ حضرات کو دجال سے ڈراتا ہوں۔

۲- پھر نبی ﷺ نے ہمارے سامنے دجال کے احوال بیان فرمائے، اور فرمایا: شاید عنقریب اس کو پالیں بعض وہ لوگ جنھوں نے مجھے دیکھا ہے، یا انھوں نے میرا کلام سنا ہے (یعنی ایک صدی گذرتے گذرتے شاید یہ فتنہ رونما ہو جائے)

۳- صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس دن ہمارے قلوب کا حال کیسا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: مِثْلُهَا أَوْ خَيْرٌ:

آج جیسا یا اس سے بھی بہتر!

تشریح: فتنے جہاں آزمائش کا سبب بنتے ہیں ایمان کی پختگی کا سبب بھی بنتے ہیں، دجال کے دور میں بہت سے مؤمنین کے قلوب کا حال صحابہ جیسا ہوگا یا اس سے بھی بہتر ہوگا۔

حدیث (۲): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے لوگوں کے سامنے تقریر فرمائی، پس اللہ کی تعریف کی، جس کے وہ اہل ہیں، پھر دجال کا تذکرہ کیا اور فرمایا: ''میں آپ لوگوں کو دجال سے ڈراتا ہوں، اور کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو، اور حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے، البتہ میں اس کے بارے میں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی، تم جانتے ہو کہ دجال ''کانا'' ہوگا اور اللہ تعالیٰ یقیناً ''کانے'' نہیں (پھر کوئی اس کی خدائی کا دعوی کیسے تسلیم کرے گا؟)

اور امام زہری رحمہ اللہ کی دوسری سند سے یہ مضمون آیا ہے کہ نبی ﷺ نے اس دن فرمایا جبکہ آپ لوگوں کو دجال کے فتنے سے ڈرا رہے تھے: ''تم جانتے ہو کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے پروردگار کو مرنے سے پہلے نہیں دیکھ سکتا (اور دجال تمہیں اپنی زندگی میں نظر آئے گا پھر وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟!) اور تم یہ بات بھی جانتے ہو کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہوا ہوگا، جس کو ہر وہ شخص پڑھ لے گا جو اس کی حرکتوں کو ناپسند کرے (اور خدا کافر نہیں ہو سکتا کافر اور مؤمن تو بندے ہی ہوتے ہیں)

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم سے یہود جنگ کریں گے، پس تم ان پر مسلط کئے جاؤ گے، یعنی تم ان پر غالب آجاؤ گے یہاں تک کہ پتھر پکارے گا: او مسلمان! یہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہے اس کو قتل کر''

[۴٦-] باب ماجاء في الدَّجَّالِ

[۲۲۳۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ مُعَاوِيَةَ الجُمَحِيُّ، نا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ شَقِيْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ سُرَاقَةَ، عَنْ أَبِيْ عُبَيْدَةَ بنِ الْجَرَّاحِ، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: '' إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوْحٍ إِلَّا قَدْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ الدَّجَّالَ، وَإِنِّيْ أُنْذِرُكُمُوْهُ'' فَوَصَفَهُ لَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: '' لَعَلَّهُ سَيُدْرِكُهُ بَعْضُ مَنْ رَآنِيْ، أَوْ سَمِعَ كَلَامِيْ''. قَالُوْا: يَارسولَ اللّٰهِ! فَكَيْفَ قُلُوْبُنَا يَوْمَئِذٍ؟ فَقَالَ: '' مِثْلُهَا - يَعْنِي الْيَوْمَ - أَوْ خَيْرٌ''

وفي الباب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ بُسْرٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ مُغَفَّلٍ، وأَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ عُبَيْدَةَ بنِ الْجَرَّاحِ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ خَالِدِ الْحَذَّاءِ، وأَبُوْ عُبَيْدَةَ بنِ الْجَرَّاحِ: اسْمُهُ عَامِرُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ الْجَرَّاحِ.

[٢٢٣٣-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: قَامَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي النَّاسِ، فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ، فَقَالَ: "إِنِّي لَأُنْذِرُكُمُوْهُ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ، وَلَقَدْ أَنْذَرَ نُوْحٌ قَوْمَهُ، وَلٰكِنْ سَأَقُوْلُ فِيْهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ: تَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ أَعْوَرُ، وَإِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ"

قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَأَخْبَرَنِيْ عُمَرُ بنُ ثَابِتٍ الأَنْصَارِيُّ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ بَعْضُ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ يَوْمَئِذٍ لِلنَّاسِ، وَهُوَ يُحَذِّرُهُمْ فِتْنَةً: "تَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ لَنْ يَرَى أَحَدٌ مِنْكُمْ رَبَّهُ حَتَّى يَمُوْتَ، وأَنَّهُ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ، يَقْرَأُهُ مَنْ كَرِهَ عَمَلَهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٢٢٣٤-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "تُقَاتِلُكُمُ الْيَهُوْدُ، فَتُسَلَّطُوْنَ عَلَيْهِمْ، حَتَّى يَقُوْلَ الْحَجَرُ: يَا مُسْلِمُ! هٰذَا الْيَهُوْدِيُّ وَرَائِي فَاقْتُلْهُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء مِنْ أَيْنَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ؟

دجال کہاں سے نکلے گا

الکوکب الدری میں ہے کہ خروج دجال دو معنی میں مستعمل ہے، ایک: دجال کا ہم پر نکلنا یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں آنا دوسرے: مطلق نکلنا یعنی اس کا ظہور ہونا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے وہ سرزمین مشرق سے نکلے گا، جس کو خراسان کہا جاتا ہے، جیسا کہ باب کی حدیث میں ہے، اور دوسرے معنی کے اعتبار سے اس کا خروج شام اور عراق کے درمیان کی گھاٹی سے ہوگا، جیسا کہ باب ۴۹ کی حدیث میں آرہا ہے۔ اور خراسان: ایک خطہ ہے، جس میں نیشاپور، طوس، مرو، سرخس، بلخ، طالقان، فاریاب اور انبار وغیرہ شہر واقع ہیں اور المنجد میں اس کا نقشہ ہے۔

حدیث: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم سے نبی ﷺ نے بیان کیا کہ دجال سرزمین مشرق سے نکلے گا جس کو خراسان کہا جاتا ہے، اس کی پیروی ایسے لوگ کریں گے جن کے چہرے گویا تہہ بہ تہہ چمڑا جمائی ہوئی ڈھالیں ہیں۔

تشریح: خروج دجال کے سلسلہ میں روایات میں چار جگہوں کا تذکرہ آتا ہے: (۱) شام وعراق کی درمیانی گھاٹی (۲) اصبہان کے مقام یہودیہ (۳) سرزمین مشرق یعنی خراسان (۴) حوز وکرمان۔

اور ان روایات میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ دجال کا خروج اولیں شام وعراق کی وسطی گھاٹی سے ہوگا، مگر اس وقت اس کی شہرت نہ ہوگی اور اس کے اعوان وانصار یہودیہ گاؤں میں اس کے منتظر ہونگے، وہ وہاں جائے گا

اوران کوساتھ لے کر پہلا پڑاؤ حوز وکرمان میں کرے گا، پھر مسلمانوں کے خلاف اس کا خروج خراسان سے ہوگا، اور یہودیہ میں جو یہودی اس کا انتظار کررہے ہوں گے وہ ترک نسل کے ہونگے، ان کے چہرے چوڑے اور ناک چپٹی ہوگی، اور پہلے (باب ۳۴) میں عربوں کی ترکوں سے جنگ کا ذکر آیا ہے، شاید وہ یہی جنگ ہو۔ واللہ اعلم

[٤٧-] باب ماجاءَ مِنْ أَيْنَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ؟

[٢٢٣٥-] حدثنا بُنْدَارٌ، وَأَحْمَدُ بنُ مَنِيْعٍ، قَالاَ: نَارَوْحُ بنُ عُبَادَةَ، نَا سَعِيْدُ بنُ أَبِي عَرُوْبَةَ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنِ الْمُغِيْرَةِ بنِ سُبَيْعٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ حُرَيْثٍ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ، قَالَ: حدثنا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " الدَّجَّالُ يَخْرُجُ مِنْ أَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ، يُقَالُ لَهَا: خُرَاسَانَ، يَتْبَعُهُ أَقْوَامٌ، كَأَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ "

وفي الباب: عَنْ أَبِي هريرةَ، وَعَائِشَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَقَدْ رَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ سَوْذَبٍ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ.

بابُ ماجاء في عَلاَمَاتِ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ

خروج دجال کی نشانیاں

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جنگ عظیم اور قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کا خروج سات ماہ میں ہوگا، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح قیامت برپا ہونے کے ساتھ ہوگی۔

تشریح:

۱- قسطنطنیہ روم کا پایۂ تخت تھا، اور قسطنطین بادشاہ کا نام تھا جس نے یہ شہر بسایا تھا، اس شہر کو سب سے پہلے یزید کی سرکردگی میں صحابہ نے فتح کیا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال اسی شہر کے محاصرہ میں ہوا ہے، پھر یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور دوسری مرتبہ ترکی کے بادشاہ محمد فاتح رحمہ اللہ نے اس کو فتح کیا، اور اس کا نام استنبول یا اسلام بول رکھا، یہ شہر فی الحال مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، آئندہ یہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا، اور خروج دجال سے پہلے حضرت مہدی اس کو فتح کریں گے۔

۲- باب کی روایت ضعیف ہے اس کا ایک راوی ابوبکر بن ابی مریم غسانی شامی ہے، جس کی حدیثیں قابل اعتبار نہیں ہوتیں، اور منذریؒ نے مختصر سنن ابی داؤد (۱۶۴:۶) میں امام ترمذیؒ کا قول: هذا حديثٌ غريبٌ لاَنَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذا الوجه: نقل کیا ہے، پس ہمارے نسخوں میں جو حسنٌ ہے وہ صحیح نہیں، اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن

بسرؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنگِ عظیم اور فتح قسطنطنیہ چھ سال میں ہوگا، اور ساتویں سال میں دجال نکلے گا'' امام ابوداودؒ نے اس حدیث کو اصح کہا ہے۔

[٤٨-] بابُ ماجاء فی عَلَامَاتِ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ

[٢٢٣٦-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، نَا الْحَكَمُ بنُ الْمُبَارَكِ، نَا الْوَلِيْدُ بنُ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِیْ بَكْرِ بنِ أَبِیْ مَرْيَمَ، عَنِ الْوَلِيْدِ بنِ سُفْيَانَ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ قُطَيْبٍ السَّكُوْنِيِّ، عَنْ أَبِیْ بَحْرِيَّةَ صَاحِبِ مُعَاذٍ، عَنْ مُعَاذِ بنِ جَبَلٍ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، قَالَ: " الْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰی، وَفَتْحُ الْقُسْطَنْطِيْنَةِ، وَخُرُوْجُ الدَّجَّالِ فِیْ سَبْعَةِ أَشْهُرٍ"

وفی الباب: عَنِ الصَّعْبِ بنِ جَثَّامَةَ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ بُسْرٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، وَأَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِیِّ، هٰذَا حدیثٌ حسنٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

[٢٢٣٧-] حدثنا مَحْمُوْدُ بنُ غَيْلَانَ، نَا أَبُوْ دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ يَحْيَی بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: " فَتْحُ الْقُسْطَنْطِيْنَةِ مَعَ قِيَامِ السَّاعَةِ " قَالَ مَحْمُوْدٌ: هٰذَا حديثٌ غريبٌ.

وَالْقُسْطَنْطِيْنَةُ: هِیَ مَدِيْنَةُ الرُّوْمِ، تُفْتَحُ عِنْدَ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ، وَالْقُسْطَنْطِيْنَةُ قَدْ فُتِحَتْ فِیْ زَمَانِ بَعْضِ أَصْحَابِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

بابُ ماجاء فی فِتْنَةِ الدَّجَّالِ

دجال کے فتنے کا تذکرہ

اس باب میں جو حدیث ہے وہ اعلی درجہ کی صحیح ہے، اور مسلم شریف (حدیث ۲۹۳۷) کی روایت ہے۔

حدیث: حضرت نواس بن سمعان کلابی کہتے ہیں:

۱- نبی ﷺ نے ایک صبح دجال کا تذکرہ کیا، پس آپؐ نے کبھی دجال کا معاملہ بڑھایا اور کبھی گھٹایا، یہاں تک کہ ہم نے اس کو کھجوروں کے جھنڈ میں گمان کیا۔

تشریح: خَفَّضَ: پست کیا، رَفَّعَ: بلند کیا، اونچا اٹھایا (دونوں میں ف مشدد ہے) یعنی تقریر میں اس کے فتنہ کی سنگینی اور اس کی ذات کی رسوائی بیان کی، یا یہ مطلب ہے کہ دجال کا حال بیان کرتے ہوئے کبھی آواز بلند ہوگئی، کبھی پست۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی سب اونچ نیچ سمجھادی، اور کھجوروں کے جھنڈ میں گمان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ سمجھے کہ دجال بس آیا۔

۲- حضرت نواسؓ کہتے ہیں: پس ہم نبی ﷺ کے پاس سے ہٹے، یعنی تقریر سن کر گھر چلے گئے، پھر (شام کو) جب ہم آپؐ کی طرف لوٹے تو آپؐ نے یہ چیز یعنی گھبراہٹ ہمارے اندر جانی، پس فرمایا: ما شأنُکم: تمہارا کیا حال ہے؟ حضرت نواسؓ کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ نے صبح دجال کا تذکرہ کیا، پس آپؐ نے اس کو پست کیا اور بلند کیا یہاں تک کہ ہم نے اس کو کھجوروں کے جھنڈ میں گمان کیا، یعنی آپؐ نے دجال کا ایسا نقشہ کھینچا کہ ہم ڈر گئے۔

۳- نبی ﷺ نے فرمایا: دجال کے علاوہ کا میں آپ لوگوں کے حق میں زیادہ خطرہ محسوس کرتا ہوں، اگر دجال نکلا اور میں تمہارے درمیان ہوا تو میں اس سے بحث کر کے نمٹ لونگا یعنی تمہاری ضرورت پیش نہیں آئے گی، اور اگر وہ نکلا اور میں تمہارے اندر نہ ہوا تو ہر شخص اپنی طرف سے اس سے بحث کر لیگا، اور اللہ تعالیٰ میرا نائب ہوگا ہر مسلمان پر، یعنی اللہ تعالیٰ دجال سے بحث میں ہر مسلمان کی مدد کرے گا۔

بیشک دجال نوجوان چھوٹے گھنگریالے بال والا ہوگا، اس کی آنکھ موجود ہوگی، وہ عبدالعُزّیٰ بن قَطَن کے ہم شکل ہوگا، پس جو شخص تم میں سے اس کو دیکھے تو چاہئے کہ وہ غار والوں کی سورت کی ابتدائی آیتیں پڑھے۔

تشریح: حَجِیْجٌ: فعیلٌ کا وزن ہے اور حَاجٌّ کے معنی میں ہے یعنی جھگڑنے والا، بحث و مباحثہ کرنے والا......
قَطَطٌ: چھوٹے گھنگریالے بال والا...... عَیْنُه قائِمَةٌ: مسلم شریف کی روایت میں عَیْنُه طَافِئَةٌ ہے، یعنی اس کی ایک آنکھ کی روشنی جاتی رہی ہوگی، طَفِئَتِ العَیْنُ کے یہی معنی ہیں، یعنی آنکھ ہوگی مگر اس میں روشنی نہیں ہوگی، یہی اس کا کانا ہونا ہے، اور عبدالعزی بن قطن قبیلۂ خزاعہ کا ایک مشرک آدمی تھا جو زمانۂ جاہلیت میں مر گیا تھا، جس کو صحابہ نے دیکھا تھا، اس لئے نبی ﷺ نے دجال کو اس کے ساتھ تشبیہ دی۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن سورۃ الکھف پڑھے وہ آٹھ دن تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا اور اگر اس ہفتہ میں دجال نکلے گا تو وہ اس کے فتنہ سے بھی محفوظ رہے گا، آج کل فتنوں کا دور ہے، ہر دن نئے دجالی فتنے ظاہر ہوتے ہیں پس لوگوں کو چاہئے کہ سورۃ الکھف کی شروع اور آخر کی دس دس آیتیں یاد کریں اور ان کو بکثرت پڑھیں۔

۴- نبی ﷺ نے فرمایا: دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا، یعنی اس کا پہلا ظہور یہاں سے ہوگا، پس وہ دائیں بائیں فساد پھیلائے گا، اے اللہ کے بندو! ٹھہرو!

تشریح: عَاثَ، عَیْثًا کے معنی ہیں: فساد پھیلانا، بگاڑ اور خرابی پیدا کرنا، اور یا عِبادَ اللّٰہ! اُثْبُتُوا: نبی ﷺ کا ارشاد ہے، دجال کے زمانہ کے لوگوں سے آپؐ نے فرمایا ہے کہ دجال سے گھبرا کر بھاگو نہیں، جم جاؤ، ڈٹ کر اس کا مقابلہ کرو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

۵-حضرت نواسؓ کہتے ہیں: ہم نے پوچھا: یارسول اللہ! دجال زمین میں کتنا عرصہ ٹھہرے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: چالیس دن، ایک دن ایک مہینہ کے برابر ہوگا، اور دوسرا دن جمعہ کے برابر ہوگا اور اس کے باقی ایام تمہارے دنوں کی طرح ہونگے۔

تشریح: اسماء بنت یزید بن السکن کی روایت شرح السنہ میں ہے کہ دجال زمین میں چالیس سال ٹھہرے گا، سال مہینہ کی طرح ہوگا، اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح، اور دن جیسے شعلہ بھڑک جاتا ہے۔ مگر حضرت نواسؓ کی حدیث مسلم شریف میں ہے اس لئے وہ اصح ہے، حضرت اسماء کی حدیث اس کے معارض نہیں ہوسکتی، یا یہ کہا جائے کہ ایک بیان درازیٔ ایام کے اعتبار سے ہے اور ایک تخفیف ایام کے اعتبار سے، حضرت نواسؓ کی حدیث میں یہ ہے کہ ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا، اور حضرت اسماء کی حدیث میں یہ ہے کہ ایک سال مہینہ کے برابر ہوگا، پس ایک ہی حقیقت کو دو جانبوں سے سمجھایا گیا ہے۔

۶-حضرت نواس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! بتلائیں، وہ دن جو سال کے برابر ہوگا: کیا ہمارے لئے اس میں ایک دن کی نماز کافی ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس کے لئے اندازہ کرو۔

تشریح: جیسے فجر سے تقریباً چھ گھنٹے کے بعد ظہر پڑھتے ہیں پھر تقریباً تین گھنٹے کے بعد عصر، پھر ڈیڑھ گھنٹے کے بعد مغرب، پھر ڈیڑھ گھنٹے کے بعد عشاء، پھر چھ گھنٹے کے بعد فجر پڑھتے ہیں، اسی طرح وقفہ وقفہ سے اس لمبے دن میں نمازیں پڑھنی ہونگی، اس پورے دن میں پانچ نمازیں کافی نہیں ہونگی، اور علماء کرام نے اس حدیث سے ان ممالک کے لئے نمازوں کا مسئلہ طے کیا ہے جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے، وہاں کلینڈر کے حساب سے کاروبار ہوتے ہیں، پس اسی طرح نمازیں بھی ادا کی جائیں گی۔

۷-حضرت نواسؓ کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دجال زمین میں کتنی تیزی سے گھومے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اس بارش کی طرح گھومے گا جس کے پیچھے ہوا ہو، پس وہ ایک قوم کے پاس آئے گا، پس وہ ان کو (اپنی خدائی کی) دعوت دے گا، پس وہ اس کو جھٹلائیں گے، اور اس پر اس کی بات پھیر دیں گے، پس دجال ان سے پھرے گا، پس لوگوں کے اموال دجال کے پیچھے ہولیں گے، پس لوگ اس حال میں ہو جائیں گے کہ ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہے گا، پھر دجال اس قوم کے پاس واپس آئے گا پس ان کو دعوت دے گا، پس لوگ اس کی دعوت پر لبیک کہیں گے، اور وہ اس کی تصدیق کریں گے، تو دجال آسمان کو برسنے کا حکم دے گا، پس آسمان برسے گا، اور زمین کو روئیدگی کا حکم دے گا تو زمین گھاس اگائے گی، پس شام کو ان کے مویشی ان پر لوٹیں گے درانحالیکہ ان کی کوہانیں زیادہ سے زیادہ دراز ہونگی، اور ان کی کوکھیں زیادہ سے زیادہ پھولی ہوئی ہونگی، اور ان کے تھن زیادہ سے زیادہ دودھ سے بھرے ہوئے ہونگے، پھر دجال ویرانے میں آئے گا اور اس کو حکم دے گا کہ اپنے خزانے نکال، پس وہ اس ویرانے سے پھرے گا درانحالیکہ خزانے اس کی

پیروی کریں گے، شہد کی مکھیوں کی طرح، پھر دجال ایک نوجوان کو بلائے گا (یہ مدینہ منورہ کا مؤمن ہوگا) جو جوانی سے بھرا ہوا ہوگا، پس اس کو تلوار سے قتل کرے گا (کیونکہ وہ اس کے خدائی کے دعوے کی تکذیب کرے گا) پھر اس کو دو ٹکڑے کر دے گا، پھر وہ اس کو بلائے گا یعنی آواز دے گا، پس وہ جوان متوجہ ہوگا درانحالیکہ اس کا چہرہ چمک رہا ہوگا، اور وہ مسکرا رہا ہوگا یعنی وہ زندہ ہو جائے گا، پس دریں اثناء کہ دجال اسی طرح ہوگا یعنی اسی طرح کی کرشمہ سازیاں دکھاتا پھر رہا ہوگا کہ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے، دمشق شہر کی مشرقی جانب میں، سفید منارے کے پاس، دو زرد چادریں پہنے ہوئے، اپنا ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے، جب آپ اپنا سر جھکائیں گے تو پانی کے قطرے ٹپکیں گے، اور جب سر اٹھائیں گے تو اس سے موتیوں کی طرح دانے لڑھکیں گے یعنی رخسار پر ڈھلکیں گے۔

تشریح: اِسْتَدْبَرَه: کسی کے پاس اس کے پیچھے سے آنا ...... السَّارِحَة: مویشی، سَرَحَتِ الْمَاشِيَةُ: مویشی کا چراگاہ میں چرنا ...... الذِّرْوَة: (بکسر الذال وضمّها) چوٹی، بلندی، جمع ذُرًى کہا جاتا ہے: هو في ذُرْوَةِ النسبِ: وہ اعلیٰ نسب کا ہے ...... أَمَدُّ: (اسم تفضیل) زیادہ لمبا ...... الخَاصِرَةُ: پہلو، سرین کی جڑ سے پسلیوں کے نیچے تک کا درمیانی حصہ، کوکھ، جمع خواصِر ...... أَدَرُّ: (اسم تفضیل) زیادہ دودھ والی، دَرَّ الدَّرُّ: دودھ کا کثرت سے ہونا ...... يَعْسُوْب: شہد کی مکھیوں کی رانی، مراد شہد کی مکھیاں ...... جِزْلَةٌ: ٹکڑا، أَجْزَلَه: کاٹنا، دو ٹکڑے کرنا ...... شَرْقِيٌّ: مشرقی جانب، مابعد کی طرف مضاف ...... مَهْرُوْدَةٌ: زرد رنگ سے رنگا ہوا کپڑا، هَرَّدَ الثَّوْبَ: کپڑے کو ورس میں رنگنا ...... تَحَدَّرَ: ڈھلکنا، نیچے اترنا ...... الجُمَانُ: موتی، اور چاندی کا ڈھلا ہوا موتی، واحد: جُمَانَةٌ۔

۸- نبی ﷺ نے فرمایا: اور عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی بو نہیں پائے گا کوئی شخص مگر وہ مر جائے گا، اور آپ کے سانس کی بو آپ کی نگاہ کے منتہی تک پہنچے گی۔

تشریح: آپ کے سانس کی یہ خصوصیت اسی موقع پر ہوگی، اور یہ عجیب بات ہے: کبھی آپ کی پھونک سے مردے زندہ ہو جاتے تھے اور آج آپ کے سانس سے دجال پگھل جائے گا۔

۹- نبی ﷺ نے فرمایا: پس عیسیٰ علیہ السلام دجال کو ڈھونڈھیں گے، یہاں تک کہ اس کو لدّ شہر کے گیٹ پر پائیں گے، پس وہ اس کو قتل کریں گے (لدّ ایک شہر کا نام ہے جو فلسطین میں ہے)

۱۰- نبی ﷺ نے فرمایا: پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام ٹھہریں گے جتنا اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔

تشریح: یہ حضرت مہدی کے بعد کا زمانہ ہے، حضرت مہدی کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام خلیفۃ المسلمین بنیں گے، اور وہ ایک عرصہ تک حکومت کریں گے۔

۱۱- نبی ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجیں گے کہ میرے بندوں کو طور پر سمیٹ لو اس لئے کہ میں ایسے بندوں کو بھیج رہا ہوں جن سے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہوگی۔

تشریح: حَوِّز الدَّوَابَّ إلى الماء: چوپایوں کو پانی کی طرف ہانکنا، اور یہ بندے جن سے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہوگی وہ یاجوج و ماجوج ہونگے۔

۱۲- نبی ﷺ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو بھیجیں گے، اور ان کا حال ویسا ہوگا جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور وہ (کثرت کی وجہ سے) ہر بلندی (پہاڑ اور ٹیلے) سے پھسلتے ہونگے'' (سورۃ الانبیاء آیت ۹۶)

۱۳- نبی ﷺ نے فرمایا: اور ان کا اگلا قافلہ بحیرہ طبریہ سے گذرے گا، پس وہ اس کا وہ پانی پی جائیں گے جو اس میں ہوگا، پھر وہاں سے ان کا پچھلا قافلہ گذرے گا تو وہ کہیں گے: یقیناً اس بحیرہ میں کبھی پانی رہا ہوگا، پھر وہ چلیں گے یہاں تک کہ بیت المقدس کے پہاڑ پر پہنچیں گے، پس وہ کہیں گے: بخدا! ہم نے زمین کے لوگوں کو ختم کردیا، اب آؤ جو آسمان میں ہیں ان کو قتل کریں، پس وہ آسمان کی طرف اپنے تیر پھینکیں گے، پس اللہ تعالیٰ ان پر ان کے تیر لوٹائیں گے درانحالیکہ وہ خون سے سرخ ہونگے۔

تشریح: طَبَرِيَّة: ایک شہر ہے جس کی طرف نسبت طبرانی ہے، اس سے لگی ہوئی جو جھیل ہے وہ بحیرہ طبریہ ہے ...... النُّشَّاب: تیر، مفرد: نُشَّابَةٌ۔

۱۴- اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی گھیرے جائیں گے یعنی محصور ہو جائیں گے یہاں تک کہ بیل کا سر اس دن ان کے لئے مہنگا ہوگا، آج تمہارے لئے سو دینار سے۔

تشریح: یعنی فاقہ کا یہ حال ہوگا کہ کھانے کی چیزیں بے حد گراں ہو جائیں گی۔

۱۵- نبی ﷺ نے فرمایا: پس عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کریں گے۔

تشریح: یعنی سب گڑگڑا کر دعا کریں گے کہ ان کی یہ پریشانی ختم ہو۔

۱۶- نبی ﷺ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج پر ان کی گردنوں میں نَغَفْ کیڑے کی بیماری بھیجیں گے (نَغَف: وہ کیڑے ہیں جو اونٹ یا بکری کی ناک میں ہو جاتے ہیں) پس وہ سب کے سب ایک ہی دن میں مر جائیں گے۔ فَرْسَى بروزن هَلْكَى: فَرِيْسٌ کی جمع ہے بمعنی قتيل، فَرَسَ الذِئبُ الشاةَ کے معنی ہیں: بھیڑیئے نے بکری کو مار ڈالا، اِفْتَرَسَ کے بھی یہی معنی ہیں، اور فَرْسَى اور مَوْتَى: مترادف الفاظ ہیں، اور كَمَوْتِ نَفْسٍ واحدةٍ کے معنی ہیں: یکبارگی، ایک نفس کے مرنے کی طرح، یعنی سارے یکبارگی مر جائیں گے۔

۱۷- نبی ﷺ نے فرمایا: اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی طور سے نیچے اتریں گے، پس وہ بالشت بھر جگہ نہیں پائیں گے، مگر اس کو بھر دیا ہوگا یاجوج و ماجوج کی چربی نے اور ان کی بدبو نے، اور ان کے خونوں نے، یعنی ان کی سڑاند سے زمین کا برا حال ہو رہا ہوگا۔

۱۸- نبی ﷺ نے فرمایا: پس عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہونگے، یعنی پھر

گڑگڑا کر دعا کریں گے۔

۱۹- نبی ﷺ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج پر ایسے پرندے بھیجیں گے جو بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے ہونگے، پس وہ ان کو اٹھائیں گے، پس وہ ان کو گہرے کھڈ میں ڈالیں گے، اور مسلمان ان کی کمانوں سے اور ان کے تیروں سے اور ان کے ترکشوں سے سات سال تک آگ جلائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان پر ایک بارش بھیجیں گے، نہیں چھپایا جائے گا اس سے کوئی بالوں کا گھر اور نہ کوئی مٹی کا گھر۔

تشریح: البُخت: خراسانی اونٹ......المِهْبَل: گہرا کھڈ......الجَعْبَة: تیروں کا تھیلا، ترکش، جمع: جِعَابٌ...... لایُکَنُّ: فعل مضارع منفی مجہول، کَنَّ الشیئَ، یَکُنُّ، کَنًّا: چھپانا، نظروں سے بچانا......الوَبَر: اون......المَدَر: مٹی کا ڈھیلا۔

۲۰- نبی ﷺ نے فرمایا: پس وہ بارش زمین کو دھودے گی، پس وہ زمین کو چکنی سپاٹ کردے گی (الزَّلَفَة: چکنی چٹان یا پتھر)

۲۱- نبی ﷺ نے فرمایا: پھر زمین سے کہا جائے گا: اپنی پیداوار نکال، اور اپنی برکتیں پھیر، پس اس دن ایک جماعت ایک انار کو کھائے گی (اور سیر ہوجائے گی) اور ایک جماعت ایک انار کے چھلکے میں سایہ حاصل کرے گی، اور دودھ میں برکت ہوگی یہاں تک کہ لوگوں کی ایک جماعت ایک اونٹنی کے دودھ پر اکتفا کرے گی، اور ایک قبیلہ ایک گائے کے دودھ پر اکتفا کرے گا، اور ایک چھوٹا قبیلہ ایک بکری کے دودھ پر اکتفا کرے گا، پس دریں اثنا کہ وہ اسی طرح ہونگے کہ اچانک اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجیں گے جو ہر مؤمن کی روح قبض کرلے گی، اور جو باقی رہ جائیں گے وہ جماع کریں گے گدھوں کے جماع کرنے کی طرح، یعنی بالکل ننگے ہوکر یا لوگوں کے سامنے بے شرم ہوکر گدھوں کی طرح جماع کریں گے، پس ان لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

تشریح: قِحْفٌ: (بکسر القاف) کھوپڑی کا ایک حصہ، مراد چھلکا......الرِّسْل (بکسر الراء) دودھ......الفِئَام: جماعت، گروہ......اللَّقْحَةُ (بفتح اللام) بہت دودھ دینے والی اونٹنی......الفَخْذُ والفَخِذُ: قبیلہ کی ایک شاخ...... التَّهارُجُ: التَّنَاكُح والتَّسافُدُ (لسان العرب) اور زمخشری نے اس کا ترجمہ یَتَسَاوَرُوْنَ کیا ہے، تَسَاوَرَ الرجلان کے معنی ہیں: ایک دوسرے پر حملہ کرنا، خود کو اونچا کرنا، اوپر اٹھانا۔

[۴۹-] باب ماجاء فی فِتْنَةِ الدَّجّالِ

[۲۲۳۸-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نا الْوَلِيْدُ بنُ مُسْلِمٍ، وَعَبْدُ اللهِ بنُ عَبْدِ الرحمنِ بنِ يَزِيْدَ بنِ جَابِرٍ – دَخَلَ حَدِيْثُ أَحدِهِمَا فِيْ حَدِيْثِ الآخَرِ – عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ يَزِيْدَ بنِ جَابِرٍ، عَنْ يَحْيىَ بنِ جَابِرٍ

الطَّائِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيْهِ جُبَيْرِ بنِ نُفَيْرٍ، عَنِ النَّوَّاسِ بنِ سَمْعَانَ الْكِلَابِيِّ، قَالَ:

[١-] ذَكَرَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الدَّجَّالَ ذَاتَ غَدَاةٍ، فَخَفَّضَ فِيْهِ وَرَفَّعَ، حَتَّى ظَنَنَّاهُ فِيْ طَائِفَةِ النَّخْلِ.

[٢-] قَالَ: فَانْصَرَفْنَا مِنْ عِنْدِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ رَجَعْنَا إِلَيْهِ، فَعَرَفَ ذٰلِكَ فِيْنَا، فَقَالَ: "مَاشَأْنُكُمْ؟" قَالَ: قُلْنَا: يَارسولَ اللّٰهِ! ذَكَرْتَ الدَّجَّالَ الغَدَاةَ، فَخَفَّضْتَ وَرَفَّعْتَ، حَتّٰى ظَنَنَّاهُ فِيْ طَائِفَةِ النَّخْلِ.

[٣-] قَالَ: "غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُ لِيْ عَلَيْكُمْ، إِنْ يَخْرُجْ وَأَنَا فِيْكُمْ، فَأَنَا حَجِيْجُهُ دُوْنَكُمْ، وَإِنْ يَخْرُجْ وَلَسْتُ فِيْكُمْ، فَامْرُؤٌ حَجِيْجُ نَفْسِهِ، وَاللّٰهُ خَلِيْفَتِيْ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ: إِنَّهُ شَابٌّ قَطَطٌ، عَيْنُهُ قَائِمَةٌ، شَبِيْهٌ بِعَبْدِ العُزَّى بنِ قَطَنٍ، فَمَنْ رَآهُ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ فَوَاتِحَ سُوْرَةِ أَصْحَابِ الكَهْفِ"

[٤-] قَالَ: "يَخْرُجُ مَا بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ، فَعَاثَ يَمِيْنًا وَشِمَالًا، يا عِبَادَ اللّٰهِ! اثْبُتُوْا"

[٥-] قُلْنَا: يَارسولَ اللّٰهِ! وَمَا لَبْثُهُ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: "أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا: يَوْمٌ كَشَهْرٍ، وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ، وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ"

[٦-] قَالَ: قُلْنَا: يَارسولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ الْيَوْمَ الَّذِيْ كَالسَّنَةِ، أَتَكْفِيْنَا فِيْهِ صَلَاةُ يَوْمٍ؟ قَالَ: "لَا، وَلٰكِنِ اقْدُرُوْا لَهُ"

[٧-] قُلْنَا: يَارسولَ اللّٰهِ! فَمَا سُرْعَتُهُ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: "كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيْحُ، فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوْهُمْ، فَيُكَذِّبُوْنَهُ، وَيَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ، فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ، فَتَتْبَعُهُ أَمْوَالُهُمْ، فَيُصْبِحُوْنَ لَيْسَ بِأَيْدِيْهِمْ شَيْءٌ، ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ، فَيَدْعُوْهُمْ، فَيَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُ، وَيُصَدِّقُوْنَهُ، فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ أَنْ تُمْطِرَ، فَتُمْطِرُ، وَيَأْمُرُ الْأَرْضَ أَنْ تُنْبِتَ، فَتُنْبِتُ، فَتَرُوْحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ كَأَطْوَلِ مَا كَانَتْ ذُرًى، وَأَمَدِّهِ خَوَاصِرَ، وَأَدَرِّهِ ضُرُوْعًا، ثُمَّ يَأْتِي الخَرِبَةَ، فَيَقُوْلُ لَهَا: أَخْرِجِي كُنُوْزَكِ، فَيَنْصَرِفُ مِنْهَا، فَتَتْبَعُهُ كَيَعَاسِيْبِ النَّحْلِ، ثُمَّ يَدْعُوْا رَجُلًا شَابًّا، مُمْتَلِئًا شَبَابًا، فَيَضْرِبُهُ بِالسَّيْفِ، فَيَقْطَعُهُ جِزْلَتَيْنِ، ثُمَّ يَدْعُوْهُ، فَيُقْبِلُ يَتَهَلَّلُ وَجْهُهُ يَضْحَكُ، فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ هَبَطَ عِيْسَى بنُ مَرْيَمَ بِشَرْقِيِّ دِمَشْقَ، عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ، بَيْنَ مَهْرُوْدَتَيْنِ، وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ، إِذَا طَأْطَأَ رَأْسَهُ قَطَرَ، وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ"

[٨-] قَالَ: "وَلَا يَجِدُ رِيْحَ نَفَسِهِ - يَعْنِيْ أَحَدًا - إِلَّا مَاتَ، وَرِيْحُ نَفَسِهِ مُنْتَهَى بَصَرِهِ"

[٩-] قَالَ: "فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ، فَيَقْتُلُهُ"

[١٠-] قَالَ: " فَيَلْبَثُ كَذٰلِكَ مَاشَاءَ اللّٰه"

[١١-] قَالَ: " ثُمَّ يُوْحِي اللّٰهُ إِلَيْهِ أَنْ حَوِّزْ عِبَادِي إِلَى الطُّوْرِ، فَإِنِّي قَدْ أَنْزَلْتُ عِبَادًا لِيْ لَايَدَ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ"

[١٢-] قَالَ: " وَيَبْعَثُ اللّٰهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَهُمْ كَمَا قَالَ اللّٰهُ: ﴿وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنُ﴾

[١٣-] قَالَ: " وَيَمُرُّ أَوَّلُهُمْ بِبُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ، فَيَشْرَبُ مَا فِيْهَا، ثُمَّ يَمُرُّ بِهَا آخِرُهُمْ، فَيَقُوْلُوْنَ: لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهِ مَرَّةً مَاءٌ، ثُمَّ يَسِيْرُوْنَ حَتَّى يَنْتَهُوْا إِلَى جَبَلِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَيَقُوْلُوْنَ: لَقَدْ قَتَلْنَا مَنْ فِي الْأَرْضِ، فَهَلُمَّ فَلْنَقْتُلْ مَنْ فِي السَّمَاءِ، فَيَرْمُوْنَ بِنُشَّابِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ، فَيَرُدُّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ نُشَّابَهُمْ مُحْمَرًّا دَمًا"

[١٤-] وَيُحَاصَرُ عِيْسَى ابنُ مَرْيَمَ وَأَصْحَابُهُ، حَتَّى يَكُوْنَ رَأْسُ الثَّوْرِ يَوْمَئِذٍ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ مِائَةِ دِيْنَارٍ لِأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ"

[١٥-] قَالَ: " فَيَرْغَبُ عِيْسَى ابنُ مَرْيَمَ إِلَى اللّٰهِ وَأَصْحَابُهُ"

[١٦-] قَالَ: " فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَغَفَ فِيْ رِقَابِهِمْ، فَيُصْبِحُوْنَ فَرْسَى مَوْتَى، كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ"

[١٧-] قَالَ: " وَيَهْبِطُ عِيْسَى وَأَصْحَابُهُ، فَلَا يَجِدُ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا وَقَدْ مَلَأَتْهُ زَهَمَتُهُمْ، وَنَتْنُهُمْ، وَدِمَاؤُهُمْ"

[١٨-] قَالَ: " فَيَرْغَبُ عِيسَى إِلَى اللّٰهِ وَأَصْحَابُهُ"

[١٩-] قَالَ: " فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ طَيْراً كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ، فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ بِالْمَهْبِلِ، وَيَسْتَوْقِدُ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ قِسِيِّهِمْ، وَنُشَّابِهِمْ، وَجِعَابِهِمْ سَبْعَ سِنِيْنَ، وَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَطَراً لَايُكَنُّ مِنْهُ بَيْتُ وَبَرٍ وَلَا مَدَرٍ"

[٢٠-] قَالَ: " فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ فَيَتْرُكُهَا كَالزَّلَفَةِ"

[٢١-] قَالَ: " ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ: أَخْرِجِيْ ثَمرَتَكِ، وَرُدِّيْ بَرَكَتَكِ، فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ العِصَابَةُ الرُّمَّانَةَ، وَيَسْتَظِلُّوْنَ بِقِحْفِهَا، وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ، حَتَّى أَنَّ الفِئَامَ مِنَ النَّاسِ لَيَكْتَفُوْنَ بِاللِّقْحَةِ مِنَ الإِبِلِ، وَأَنَّ القَبِيْلَةَ لَيَكْتَفُوْنَ بِاللِّقْحَةِ مِنَ الْبَقَرِ، وَإِنَّ الفَخِذَ لَيَكْتَفُوْنَ بِاللِّقْحَةِ مِنَ الْغَنَمِ، فَبَيْنَمَاهُمْ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ رِيْحًا، فَقَبَضَتْ رُوْحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ، وَيَبْقَى سَائِرُ النَّاسِ يَتَهَارَجُوْنَ كَمَا يَتَهَارَجُ الْحُمُرُ، فَعَلَيْهِمْ تَقُوْمُ السَّاعَةُ "

هٰذَا حديثٌ غريبٌ حسنٌ صحيحٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ يَزِيْدَ بنِ جَابِرٍ.

بابُ ماجاء في صِفَةِ الدَّجَّالِ

دجال کی نشانی

حدیث: نبی ﷺ سے دجال کے بارے میں پوچھا گیا: آپؐ نے فرمایا: سنو! بیشک تمہارا پروردگار'' کانا'' نہیں، سنو! اور بیشک دجال کانا ہوگا، اس کی دائیں آنکھ گویا ابھرا ہوا انگور کا دانہ ہے!

تشریح: طَافِيَةٌ: اسم فاعل واحد مؤنث، ازطَفَا الشيئُ فَوْقَ الماء، يَطْفُو، طَفْوًا وَطُفُوًّا: پانی پر کسی شی کا تیرنا، پانی کے اندر نہ جانا۔ اور ابھی حدیث نمبر ۲۲۳۸ میں عَيْنُه قائمةٌ آیا ہے، اور مسلم شریف میں اسی حدیث میں عينه طافِئَةٌ ہے، ازطَفِئَتِ النارُ طَفْئًا: آگ کا بجھنا، اور طَفِئَتِ العَيْنُ: آنکھ کی روشنی جاتی رہنا، پس سب لفظوں کا حاصل یہ ہے کہ دجال کی دائیں آنکھ ہوگی، مگر اس میں روشنی نہیں ہوگی اور وہ انگور کے دانے کی طرح ابھری ہوئی ہوگی۔

[٥٠-] باب ماجاء في صِفَةِ الدَّجَّالِ

[٢٢٣٩-] حدثنا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ، نَا المُعْتَمِرُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الدَّجَّالِ؟ فَقَالَ: '' أَلَا! إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، أَلَا! وَإِنَّهُ أَعْوَرُ، عَيْنُهُ اليُمْنَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ ''

وفي الباب: عَنْ سَعْدٍ، وَحُذَيْفَةَ، وَأَبِي هريرةَ، وَأَسْمَاءَ، وَجَابِرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَأَبِي بَكْرَةَ، وَعَائِشَةَ، وَأَنَسٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَالْفَلْتَانُ بنُ عَاصِمٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ.

بابُ ماجاء في أَنَّ الدَّجَّالَ لَايَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ

دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: دجال مدینہ منورہ پر پہنچے گا، پس وہ ایسے فرشتوں کو پائے گا جو مدینہ منورہ کا پہرہ دے رہے ہونگے، چنانچہ مدینہ منورہ میں اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو طاعون (پلیگ) داخل ہوگا نہ دجال، یعنی مدینہ منورہ بحفاظت خداوندی ان دو آفتوں سے محفوظ رہے گا، دجال احد پہاڑ کے پیچھے تک پہنچے گا، مگر اندر نہیں جاسکے گا، فرشتے اس کے چہرے کو پھیر دیں گے، یعنی اس کی رائے بدل جائے گی، اور وہ دوسری طرف نکل جائے گا (اسی موقع پر یہ قصہ پیش آئے گا کہ ایک نوجوان مدینہ منورہ سے نکلے گا اور دجال کا مقابلہ کرے گا، اور اس کے دعویٰ

خدائی کی تکذیب کرے گا، چنانچہ دجال قتل کرکے اس کے دوٹکڑے کردے گا، پھر آواز دے گا تو وہ جوان زندہ ہوکر اٹھ کھڑا ہوگا، وہ اب بھی اس کی تکذیب کرے گا، پس وہ دوبارہ اس کو قتل کرنا چاہے گا مگر نہیں کرسکے گا)

حدیث (۲): نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

۱-الإِيْمَانُ يَمَانٍ: ایمان تو یمن والوں کا ہے، يَمَنِيٌّ میں سے یاءِ نسبت حذف کرکے اس کے عوض الف بڑھایا ہے، یہ حدیث یمن والوں کے لئے بڑی فضیلت ہے، یمن والوں میں اخلاص ہوتا ہے اور دل نرم ہوتا ہے، اور وہ نفاق سے دور ہوتے ہیں۔

۲-والكُفْرُ مِنْ قِبَلِ المَشْرِقِ: اور کفر مشرق کی جانب سے ہے، یعنی ہمیشہ ادھر ہی سے کفر سر ابھارے گا، مسیلمہ کذاب ادھر ہی کا تھا، اور دجال کا خروج بھی ادھر ہی سے ہوگا۔

۳-والسَّكِيْنَةُ لِأَهْلِ الغنَمِ: اور اطمینان بکریاں پالنے والوں میں ہوتا ہے، ان کی مزاجی کیفیت نرم ہوتی ہے، ان میں وقار ہوتا ہے، کیونکہ جس کی جس چیز کے ساتھ مزاولت ہوتی ہے اس کے اثرات اس میں پیدا ہوتے ہیں، بکریاں مسکین جانور ہیں اس لئے بکریاں پالنے والوں میں تواضع اور سکون ہوتا ہے۔

۴-والفَخْرُ والرِّيَاءُ في الفَدَّادِيْنَ: أَهْلِ الْخَيْلِ وَأَهْلِ الوَبَرِ: اور گھمنڈ اور دکھاوا چلانے والوں میں یعنی گھوڑے پالنے والوں میں اور اونٹ پالنے والوں میں ہوتا ہے۔ فَدَّ يَفِدُّ فَدًّا وفَدِيْدًا کے معنی ہیں: سخت آواز ہونا، الفَدَّاد: سخت گفتار، کرخت آواز والا، یعنی جن کے پاس اونٹوں اور گھوڑوں کا بڑا ریوڑ ہوتا ہے ان میں یہ برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

۵-اور مسیح دجال آئے گا یعنی مدینہ منورہ کے پاس آئے گا، جب وہ احد پہاڑ کے پیچھے ہوگا تو فرشتے اس کے چہرے کو شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہ وہیں ہلاک ہوگا۔

[۵۱-] بابُ ماجاء في أَنَّ الدَّجَّالَ لَايَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ

[۲۲۴۰-] حدثنا عَبْدَةُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُزَاعِيُّ، نَايَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، نا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " يَأْتِي الدَّجَّالُ الْمَدِيْنَةَ، فَيَجِدُ الْمَلاَئِكَةَ يَحْرُسُوْنَهَا، فَلاَ يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلاَ الدَّجَّالُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ "

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، وَفَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، وَمِحْجَنٍ، وأُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، وَسَمُرَةَ بنِ جُنْدُبٍ، هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

[۲۲۴۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنِ الْعَلاَءِ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ

أَبِيْ هريرةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" الإِيْمَانُ يَمَانٍ، وَالْكُفْرُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ، وَالسَّكِيْنَةُ لِأَهْلِ الغنَمِ، وَالْفَخْرُ وَالرِّيَاءُ فِي الفَدَّادِيْنَ: أَهْلِ الْخَيْلِ وَأَهْلِ الوَبَرِ، يَأْتِي الْمَسِيْحُ: إِذَا جَاءَ دُبُرَ أُحُدٍ صَرَفَتِ الْمَلاَئِكَةُ وَجْهَهُ قِبَلَ الشَّامِ، وَهُنَالِكَ يَهْلَكُ" هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فِيْ قَتْلِ عِيسَى ابنِ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دجال کو قتل کرنا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو شہر لدّ کے گیٹ پر قتل کریں گے (یہ لدّ: فلسطین یا شام میں ایک شہر ہے، دجال بھاگ کر اس شہر میں گھسنا چاہے گا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچ کر اس کو قتل کریں گے)

[٥٢-] بابُ ماجاء فِيْ قَتْلِ عِيسَى ابنِ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ

[٢٢٤٢-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا اللَّيْثُ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللّٰهِ بنَ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ ثَعْلَبَةَ الْأَنْصَارِيَّ، يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ يَزِيْدَ الْأَنْصَارِيِّ، مِنْ بَنِيْ عَمْرِو بنِ عَوْفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَمِّيْ مُجَمِّعَ بنَ جَارِيَةَ الْأَنْصَارِيَّ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" يَقْتُلُ ابنُ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ بِبَابِ لُدٍّ"

وفي الباب: عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وَنَافِعِ بنِ عُتْبَةَ، وأَبِيْ بَرْزَةَ، وَحُذَيْفَةَ بنِ أَسِيْدٍ، وأَبِيْ هريرةَ، وَكَيْسَانَ، وَعُثْمَانَ بنِ أَبِي الْعَاصِ، وَجَابِرٍ، وأَبِيْ أُمَامَةَ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وَسَمُرَةَ بنِ جُنْدُبٍ، وَالنَّوَّاسِ بنِ سَمْعَانَ، وَعَمْرِو بنِ عَوْفٍ، وَحُذَيْفَةَ بنِ الْيَمَانِ، هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

بابٌ

دجال کی پیشانی پر ك، ف، ر لکھا ہوگا

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی نبی نہیں گذرے مگر انھوں نے اپنی امت کو کانے کذاب سے ڈرایا ہے، سنو! بیشک وہ کانا ہے اور بیشک تمہارا پروردگار کانا نہیں، اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا (کافر الگ الگ حروف میں لکھا ہوا ہوگا یعنی ك، ف، ر تاکہ حروف شناس بھی اس کو پڑھ لے)

[۵۳-] بابٌ

[۲۲۴۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، نَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَامِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ، أَلَا! إِنَّهُ أَعْوَرُ، وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ" هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی ذِكْرِ ابنِ صَيَّادٍ

ابن صیاد کا تذکرہ

ابن صَيَّاد: (شکاری کا لڑکا) اور ابن صَائِد (شکاری کا لڑکا) کا نام صافؔ تھا، یہ مدینہ کے ایک یہودی کا لڑکا تھا، نبی ﷺ کو اس پر دجال ہونے کا شبہ تھا، مگر بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ وہ دجال نہیں تھا، وہ واقعہ حرا میں غائب ہوگیا اور پتہ ہی نہیں چلا کہ کدھر گیا اور بعض کہتے ہیں: اس کا انتقال مدینہ میں ہوا۔ واللہ اعلم اور وہ کاہن بھی تھا، یعنی جن اس کے تابع تھا اور وہ غیب کی باتیں بتلاتا تھا، اور اس کی کوئی بات صحیح بھی ہوجاتی تھی، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، مگر بعد کے اَحوال نے ثابت کیا کہ وہ دجال اکبر نہیں تھا، جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بابِ لدّ پر قتل کریں گے بہر حال اس شخص کا معاملہ عجیب تھا، مگر بعد کے احوال نے معاملہ کلیر کردیا کہ وہ دجال اکبر نہیں تھا۔

فائدہ: بعض باتیں نبی ﷺ کو اجمالی بتائی جاتی تھیں، ان کا تفصیلی علم آپ کو بھی نہیں دیا گیا تھا، اور ایسا کرنے میں حکمت ومصلحت ہوتی تھی، مثلاً: جمعہ کے دن ساعتِ مرجوّہ کا علم تعیین کے ساتھ آپ کو نہیں دیا گیا تھا، اسی طرح شبِ قدر کا علم بھی تعیین کے ساتھ نہیں دیا گیا تھا، بلکہ ایک رمضان کی شبِ قدر کا علم دیا گیا تو علامت ایسی مقرر کی جو شبِ قدر گذرنے کے بعد پائی گئی...... ایسی صورت میں نبی ﷺ اندازے سے احوال بیان کرتے تھے، چنانچہ شبِ قدر اور ساعتِ مرجوۃ کے بارے میں احتمالی مواقع کا آپ نے تذکرہ فرمایا، بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے تو یہ بیان کیا ہے کہ آپ لوگوں کے ذہن کے مطابق جواب دیتے تھے (تحفۃ الالمعی ۳: ۱۶۷)

یہی معاملہ دجال کے علم کا تھا، ابن صیاد میں احتمال تھا کہ شاید وہ دجال اکبر ہو، اس لئے آپ نے اس کو جانچا، مگر کوئی قطعی بات سامنے نہ آئی، اور حضرت عمرؓ نے قسم کھائی کہ یہی دجال اکبر ہے تو آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

حدیث (۱): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرا اور ابن صیاد کا ساتھ ہوا، یا تو حج کے لئے جاتے ہوئے یا عمرہ کے لئے جاتے ہوئے، پس لوگ آگے نکل گئے، اور میں اور وہ پیچھے رہ گئے، پس جب میں اس کے

ساتھ تنہا ہوا تو میرے اس سے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اور میں اس سے بہت متوحش ہوا، ان باتوں کی وجہ سے جو لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے، پس جب میں نے پڑاؤ ڈالا تو میں نے اس سے کہا: اپنا سامان اس جگہ رکھ جہاں وہ درخت ہے یعنی میرے سامان کے ساتھ اپنا سامان مت رکھ اور میرے قریب مت ٹھہر۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں: پس اس نے کچھ بکریاں دیکھیں، پس اس نے پیالہ لیا، اور چلا، پس اس نے دوہا، پھر وہ میرے پاس دودھ لایا، اور مجھ سے کہنے لگا: اے ابو سعید! پیو، پس میں نے ناپسند کیا کہ اس کے ہاتھ سے کوئی چیز پیوں ان باتوں کی وجہ سے جو لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں، پس میں نے اس سے کہا کہ یہ دن گرمی کا ہے اور میں اس میں دودھ کو ناپسند کرتا ہوں! (یہ سچا بہانہ تھا)

پس اس نے کہا: اے ابو سعید! میں نے پختہ ارادہ کیا ہے کہ ایک رسی لوں اور اس کو اس درخت سے باندھوں، پھر گلا گھونٹ لوں، ان باتوں کی وجہ سے جو لوگ میرے حق میں اور میرے بارے میں کہتے ہیں، بتاؤ! جن پر میری باتیں پوشیدہ ہو سکتی ہیں (ہو سکتی ہیں) مگر تم پر ہرگز پوشیدہ نہیں ہو سکتیں، آپ لوگ سب سے زیادہ نبی ﷺ کی حدیثوں کو جاننے والے ہو، اے جماعت انصار! کیا نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال کافر ہوگا، اور میں مسلمان ہوں؟ کیا نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال بانجھ ہوگا، اس کی کوئی اولاد نہیں ہوگی، اور میں مدینہ میں اپنی اولاد چھوڑ کر آیا ہوں؟ کیا نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال کے لئے مکہ اور مدینہ حلال نہیں، اور کیا میں مدینہ والوں میں سے نہیں ہوں؟ اور کیا میں آپ کے ساتھ مکہ کی طرف نہیں چل رہا؟

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس بخدا! وہ برابر اسی قسم کی باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے سوچا: شاید اس کے نام جھوٹی باتیں لگائی گئی ہیں، پھر اس نے کہا: اے ابو سعید! بخدا! میں ضرور بتاتا ہوں آپ کو ایک سچی بات، بخدا! میں دجال کو جانتا ہوں، اور اس کے ماں باپ کو پہچانتا ہوں، اور وہ فی الحال زمین میں کہاں ہے وہ بھی میں جانتا ہوں، پس میں نے کہا: تبًّا لك سائِرَ اليَوْمِ! تیرا ناس ہو ہمیشہ کے لئے!

[٥٤-] باب ماجاء في ذِكْرِ ابنِ صَيَّادٍ

[٢٢٤٤-] حدثنا سُفْيَانُ بنُ وَكِيْعٍ، نَا عَبْدُ الأَعْلَى، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةٍ، عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ، قَالَ: صَحِبَنِي ابنُ صَيَّادٍ: إِمَّا حُجَّاجًا، وَإِمَّا مُعْتَمِرِيْنَ، فَانْطَلَقَ النَّاسُ، وَتُرِكْتُ أَنَا وَهُوَ، فَلَمَّا خَلَصْتُ بِهِ اقْشَعْرَرْتُ مِنْهُ، وَاسْتَوْحَشْتُ مِنْهُ، مِمَّا يَقُوْلُ النَّاسُ فِيْهِ، فَلَمَّا نَزَلْتُ، قُلْتُ لَهُ: ضَعْ مَتَاعَكَ حَيْثُ تِلْكَ الشَّجَرَةُ.

قَالَ: فَأَبْصَرَ غَنَمًا، فَأَخَذَ القَدَحَ، فَانْطَلَقَ، فَاسْتَحْلَبَ، ثُمَّ أَتَانِي بِلَبَنٍ، فَقَالَ لِي: يَا أَبَا سَعِيْدٍ

اشْرَبْ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَشْرَبَ عَنْ يَدِهِ شَيْئًا، لِمَا يَقُوْلُ النَّاسُ فِيْهِ، فَقُلْتُ لَهُ: هٰذَا الْيَوْمُ يَوْمٌ صَائِفٌ، وإِنِّيْ أَكْرَهُ فِيْهِ اللَّبَنَ.

فَقَالَ: يَا أَبَا سَعِيْدٍ! لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آخُذَ حَبْلًا، فَأُوْثِقَهُ إِلَى الشَّجَرَةِ، ثُمَّ أَخْتَنِقَ لِمَا يَقُوْلُ النَّاسُ لِيْ، وَفِيَّ، أَرَأَيْتَ مَنْ خَفِيَ عَلَيْهِ حَدِيْثِيْ فَلَنْ يَخْفَى عَلَيْكُمْ، أَنْتُمْ أَعْلَمُ النَّاسِ بِحَدِيْثِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم! يَامَعْشَرَ الأَنْصَارِ! أَلَمْ يَقُلْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ كَافِرٌ وَأَنَا مُسْلِمٌ؟ أَلَمْ يَقُلْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ عَقِيْمٌ لَا يُوْلَدُ لَهُ، وَقَدْ خَلَّفْتُ وَلَدِيْ بِالْمَدِيْنَةِ! أَلَمْ يَقُلْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: لَاتَحِلُّ لَهُ مَكَّةُ وَالْمَدِيْنَةُ، أَلَسْتُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ؟ وَهُوَ ذَا أَنْطَلِقُ مَعَكَ إِلَى مَكَّةَ.

قَالَ: فَوَ اللّٰهِ مَازَالَ يَجِيْءُ بِهٰذَا، حَتّٰى قُلْتُ: فَلَعَلَّهُ مَكْذُوْبٌ عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا سَعِيْدٍ! وَاللّٰهِ لَأُخْبِرَنَّكَ خَبَرًا حَقًّا: وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَعْرِفُهُ، وأَعْرِفُ وَالِدَهُ، وأَيْنَ هُوَ السَّاعَةَ مِنَ الأَرْضِ، فَقُلْتُ: تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ! هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

وضاحت: یہ حدیث سعید بن ایاس جریری سے امام مسلم (حدیث ۲۹۲۷) نے روایت کی ہے...... إما حجاجا اور معتمرين: صحب کے فاعل ومفعول سے حال ہیں...... وهو ذا أنطلق: میں هو ضمیر شان ہے اور ذا سے ابن صیاد مراد ہے اور اس میں تکلم سے غیبت کی طرف التفات ہے۔

حدیث (۲): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ ابن صیاد کے پاس سے گذرے، ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، ابن صیاد بچوں کے ساتھ بنو مغالہ کے قلعہ کے پاس کھیل رہا تھا، اور وہ (ابھی) بچہ تھا، پس اس کو پتا نہیں چلا یہاں تک کہ نبی ﷺ نے اس کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھا، اور پوچھا: ''کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' اس نے نبی ﷺ کی طرف دیکھا، اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ناخواندہ لوگوں کے رسول ہیں، ابن عمرؓ کہتے ہیں: پھر ابن صیاد نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: آمَنْتُ باللّٰهِ وَرُسُلِهِ: ''میں اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں'' پھر نبی ﷺ نے پوچھا: تیرے پاس کیا چیز آتی ہے؟ اس نے کہا: ایک سچا اور ایک جھوٹا میرے پاس آتا ہے، یعنی ایک آکر سچی بات بتاتا ہے اور دوسرا جھوٹی بات بتاتا ہے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: خُلِّطَ عليك الأمرُ: تجھ پر معاملہ گڈمڈ کر دیا گیا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے تیرے لئے ایک بات چھپائی ہے (بتا وہ کیا

ہے؟) اور نبی ﷺ نے اس کے لئے آیت کریمہ: ﴿یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِیْنٍ﴾ چھپائی، پس اس نے کہا: وہ دُخ ہے یعنی بات کے قریب پہنچ گیا مگر ساری بات نہ بتا سکا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اِخْسَأْ فلن تَعْدُوَ قَدْرَكَ: ''دور ہو، تو ہرگز نہیں بڑھے گا تیرے رتبہ سے'' یعنی تو بس کاہن ہے اور کاہنوں تک ہی تیرا معاملہ رہے گا، اس سے آگے نہیں بڑھے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے، میں اس کی گردن اڑادوں، نبی ﷺ نے فرمایا: إِنْ یَكُ حَقًّا فلن تُسَلَّطُ علیه، وإِنْ لَایَكُ، فلا خَیْرَ لكَ فِیْ قَتْلِه: اگر ابن صیاد ہی واقعی دجال ہے تو تم ہرگز اس پر مسلط نہیں کیے جاؤ گے (کیونکہ اس کے قاتل تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں) اور اگر وہ دجال نہیں ہے تو اس کے قتل میں آپ کے لئے کوئی خیر نہیں (کیونکہ بے گناہ ذمی کا قتل جائز نہیں)

[۲۲۴۵-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَیْدٍ، نا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله علیه وسلم مَرَّ بابْنِ صَیَّادٍ فِیْ نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِه، مِنْهُمْ عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ، وَهُوَ یَلْعَبُ مَعَ الغِلْمَانِ، عِنْدَ أُطُمِ بَنِیْ مَغَالَةَ، وَهُوَ غُلَامٌ، فَلَمْ یَشْعُرْ حَتّٰی ضَرَبَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله علیه وسلم ظَهْرَهُ بِیَدِهِ، ثُمَّ قَالَ: ''أَتَشْهَدُ أَنِّیْ رسولُ اللّٰهِ؟'' فَنَظَرَ إِلَیْهِ ابنُ صَیَّادٍ، قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رسولُ الْأُمِّیِّیْنَ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ ابنُ صَیَّادٍ للنبیِّ صلى الله علیه وسلم: أَتَشْهَدُ أَنِّیْ رسولُ اللّٰهِ؟ فَقَالَ النبیُّ صلى الله علیه وسلم: ''آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ'' ثُمَّ قَالَ النبیُّ صلى الله علیه وسلم: ''مَایَأْتِیْكَ؟'' قَالَ ابنُ صَیَّادٍ: یَأْتِیْنِیْ صَادِقٌ وَكَاذِبٌ، فَقَالَ النبیُّ صلى الله علیه وسلم: ''خُلِّطَ عَلَیْكَ الأَمْرُ'' ثُمَّ قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله علیه وسلم: ''إِنِّیْ قَدْ خَبَأْتُ لَكَ خَبِیْئًا، وَخَبَأَلَهُ: ﴿یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِیْنٍ﴾ فَقَالَ ابنُ صَیَّادٍ: وَهُوَ الدُّخُّ. فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله علیه وسلم: ''اخْسَأْ، فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ'' قَالَ عُمَرُ: یَا رَسُولَ اللّٰهِ! ائْذَنْ لِیْ فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله علیه وسلم: ''إِنْ یَكُ حَقًّا فَلَنْ تُسَلَّطُ عَلَیْهِ، وَإِنْ لَایَكُ فَلَا خَیْرَ لَكَ فِیْ قَتْلِهِ'' قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: یَعْنِیْ الدَّجَّالَ.

وضاحت: یہ حدیث متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۱۳۵۴، مسلم حدیث ۲۹۳۰)...... الأُطُم والأُطْم: قلعہ، بلند مکان، جمع: آطَام و أُطُوم...... اِخْسَأْ عنّي: میرے پاس سے دور ہو...... حدیث کے راوی عبدالرزاق نے کہا: علیه اور قتله کی ضمیروں کا مرجع دجال ہے۔

❁ ❁ ❁

حدیث (۳): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کی ابن صیاد سے مدینہ منورہ کے کسی راستہ میں ملاقات ہوئی، پس آپؐ نے اس کو روک لیا، درانحالیکہ وہ یہودی لڑکا تھا، اور اس کی بالوں کی چوٹیاں تھیں، اور آپؐ

کے ساتھ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تھے، پس نبی ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ پس نبی ﷺ نے فرمایا: آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ: میں اللہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور آخری دن پر ایمان لایا۔ پھر اس سے نبی ﷺ نے پوچھا: تجھے کیا دکھتا ہے؟ اس نے کہا: میں پانی پر تخت دیکھتا ہوں، نبی ﷺ نے فرمایا: وہ سمندر پر ابلیس کا تخت دیکھتا ہے، پھر نبی ﷺ نے پوچھا: اور تو کیا دیکھتا ہے؟ اس نے کہا: میں ایک سچے کو اور دو جھوٹوں کو، یا کہا: میں دو سچوں کو اور ایک جھوٹے کو دیکھتا ہوں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اس پر معاملہ مشتبہ کر دیا گیا یعنی اس کی معلومات صحیح اور غلط کارل گڈا ہیں، پس تم دونوں اس کو چھوڑ دو یعنی قتل نہ کرو (یہ بات آپؐ نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے فرمائی ہے)

[٢٢٤٦-] حدثنا سُفْيَانُ بنُ وَكِيْعٍ، نَا عَبْدُ الأَعْلَى، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ نَضْرَةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ: لَقِيَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ابنَ صَيَّادٍ فِيْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ، فَاحْتَبَسَهُ، وَهُوَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ، وَلَهُ ذُؤَابَةٌ، وَمَعَهُ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَقَالَ لَهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَتَشْهَدُ أَنِّيْ رسولُ اللّٰهِ؟" فَقَالَ: أَتَشْهَدُ أَنْتَ أَنِّيْ رسولُ اللّٰهِ؟ فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ" فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَاتَرَى؟" قَالَ: أَرَى عَرْشًا فَوْقَ الْمَاءِ، قَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "يَرَى عَرْشَ إِبْلِيْسَ فَوْقَ البَحْرِ" قَالَ: "مَاتَرَى؟" قَالَ: أَرَى صَادِقًا وَكَاذِبَيْنِ، أَوْ: صَادِقَيْنِ وَكَاذِبًا، قَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "لُبِّسَ عَلَيْهِ، فَدَعَاهُ"

وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وَحُسَيْنِ بنِ عَلِيٍّ، وابنِ عُمَرَ، وأَبِيْ ذَرٍّ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وَجَابِرٍ، وَحَفْصَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

وضاحت: یہ حدیث بھی مسلم شریف (حدیث ۲۹۲۵) میں ہے۔ اور اس میں آخری جملہ فدعوہ ہے۔

❁ ❁ ❁

حدیث (۴): نبی ﷺ نے فرمایا: دجال کا باپ اور اس کی ماں تیس سال ٹھہرے رہیں گے، ان کے لئے کوئی اولاد نہ ہوگی، پھر ان کے لئے ایک کانا لڑکا ہوگا جو سب چیزوں سے زیادہ ضرر رساں اور سب چیزوں سے زیادہ بے منفعت ہوگا، اس کی دونوں آنکھیں سوئیں گی، مگر اس کا دل نہیں سوئے گا۔

حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں: پھر ہمارے سامنے نبی ﷺ نے اس کے والدین کے احوال بیان کئے، اور فرمایا: اس کا باپ دراز قامت، چھریرے بدن کا ہوگا، گویا اس کی ناک چونچ ہے یعنی اس کی ناک لمبی پتلی ہوگی اور اس کی ماں بھاری عورت، لمبی پستانوں والی ہوگی۔

حضرت ابوبکرۃ کہتے ہیں: پس میں نے مدینہ میں یہودیوں میں سے ایک بچہ کے بارے میں سنا، پس میں اور زبیر بن العوام گئے، یہاں تک کہ ہم دونوں اس کے ماں باپ پر داخل ہوئے، پس اچانک نبی ﷺ کے بیان کئے ہوئے اوصاف ان دونوں میں موجود تھے، ہم نے پوچھا: کیا تم دونوں کی کوئی اولاد ہے؟ پس دونوں نے کہا: ہم تیس سال ٹھہرے رہے، ہماری کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی، پھر ہمارے یہاں ایک کانا لڑکا پیدا ہوا جو سب سے زیادہ مضرت رساں اور سب سے زیادہ بے منفعت ہے، اس کی دونوں آنکھیں سوتی ہیں مگر اس کا دل نہیں سوتا، ابوبکرۃؓ کہتے ہیں: پس ہم ان دونوں کے پاس سے نکلے، پس اچانک وہ ایک جھالردار کمبل میں دھوپ میں پڑا ہوا تھا، اور کچھ بڑبڑا رہا تھا، پس اس نے اپنا سر کھولا اور کہا: تم دونوں نے کیا کہا؟ ہم نے کہا: اور کیا تو نے وہ سنا جو ہم نے کہا؟ اس نے کہا: ہاں، میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔

[٢٢٤٧-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ، نَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ عَلِيِّ بنِ زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ أَبِيْ بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " يَمْكُثُ أَبُوْ الدَّجَّالِ وَأُمُّهُ ثَلاَثِيْنَ عَامًا، لَايُوْلَدُ لَهُمَا وَلَدٌ، ثُمَّ يُوْلَدُ لَهُمَا غُلَامٌ أَعْوَرُ، أَضَرُّ شَيْئٍ وَأَقَلُّهُ مَنْفعَةً، تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلاَ يَنَامُ قَلْبُهُ"

ثُمَّ نَعَتَ لَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَبَوَيْهِ فقَالَ: " أَبُوْهُ طُوَالٌ، ضَرْبُ اللَّحْمِ، كَأَنَّ أَنْفَهُ مِنْقَارٌ، وأُمُّهُ امْرَأَةٌ فِرْضَاخِيَّةٌ، طَوِيْلَةُ الثَّدْيَيْنِ "

قَالَ أَبُوْ بَكْرَةَ: فَسَمِعْتُ بِمَوْلُوْدٍ فِي الْيَهُوْدِ بِالْمَدِيْنَةِ، فَذَهَبْتُ أَنَاوَالزُّبَيْرُ بنُ الْعَوَّامِ، حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبَوَيْهِ، فَإِذَا نَعْتُ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْهِمَا، قُلْنَا: هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ؟ فَقَالاَ: مَكَثْنَا ثَلاَثِيْنَ عَامًا لَايُوْلَدُ لَنَا وَلَدٌ، ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلاَمٌ أَعْوَرُ، أَضَرُّ شَيْئٍ وأَقَلُّهُ مَنْفعَةً، تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلاَ يَنَامُ قَلْبُهُ.

قَالَ: فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا، فَإِذَا هُوَ مُنْجَدِلٌ فِي الشَّمْسِ فِيْ قَطِيْفَةٍ، وَلَهُ هَمْهَمَةٌ، فَكَشَفَ عَنْ رَأْسِهِ، فَقَالَ: مَا قُلْتُمَا؟ قُلْنَا: وَهَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا؟ قَالَ: نَعَمْ، تَنَامُ عَيْنَايَ وَلاَ يَنَامُ قَلْبِيْ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ.

وضاحت: یہ حدیث ضعیف ہے، علی بن زید بن جدعان: محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، مگر امام ترمذیؒ کے نزدیک: یہ راوی ٹھیک ہے، اس لئے اس کی حدیث کی تحسین کی ہے...... طُوال (بضم الطاء) طویل کا مبالغہ ہے ......فِرْضَاخِيَة: ضخمة عظيمة، وفي النهاية: فِرْضاخية: ضخمةٌ عظيمة الثديين ...... منجدِل: أي مُلْقًى على الجِدَالة، وهي الأرض.

بابٌ

وہ حدیث: جس سے غلط فہمی ہوئی کہ صدی کے ختم پر قیامت آئے گی

حدیث (۱): حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے وفات سے ایک ماہ قبل فرمایا: آپ لوگ مجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہو، حالانکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں! آج زمین پر کوئی سانس لینے والی جان ایسی نہیں جس پر سو سال آئیں! یعنی سو سال پورے ہوتے ہوتے ہر متنفس مرجائے گا اور یہ قرن ختم ہوجائے گا۔

حدیث (۲): ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے اپنی آخری زندگی میں ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی، پھر جب سلام پھیرا، تو آپؐ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''تم اپنی اس رات کو دیکھو، پس بیشک اس رات سے سو سال کے ختم پر ان لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا جو آج زمین کی پیٹھ پر ہے!'' اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ صدی ختم ہوتے ہوتے یہ قرن ختم ہوجائے گا۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: پس لوگوں نے نبی ﷺ کی اس بات کو غلط سمجھا، اور انھوں نے سو سال کے بارے میں باتیں شروع کردیں کہ صدی کے ختم پر قیامت آجائے گی، حالانکہ آپؐ کی مراد یہ تھی کہ یہ قرن ختم ہوجائے گا۔

تشریح: لوگوں نے اس حدیث کے ذیل میں حیاتِ خضر، حیاتِ عیسیٰ اور حیاتِ جنات کے مسائل چھیڑے ہیں، انھوں نے خیال کیا ہے کہ یہ منطقی کلیہ ہے، پس اس سے کوئی جزئیہ خارج نہیں ہونا چاہئے، حالانکہ یہ خطابی ارشاد ہے، جو اکثری احوال کے اعتبار سے ہوتا ہے، اگر بعض جزئیات اس سے خارج ہوجائیں تو مضر نہیں، غرض: اس حدیث میں مذکورہ مسائل سے تعرض نہیں کیا گیا، ان مسائل کو اور دلائل سے طے کرنا چاہئے اگر ان کو طے کرنا ضروری ہو۔

[٥٥-] بابٌ

[٢٢٤٨-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَاعَلَى الأَرْضِ نَفْسٌ مَنْفُوْسَةٌ - يَعْنِي الْيَوْمَ - يَأْتِيْ عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ"

وفي الباب: عَنْ ابنِ عُمَرَ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وَبُرَيْدَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ.

[٢٢٤٩-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَأَبِيْ بَكْرِ بنِ سُلَيْمَانَ - وَهُوَ ابنُ أَبِيْ حَثْمَةَ - أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بنَ عُمَرَ، قَالَ: صَلّٰى بِنَا رسولُ

اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ لَيْلَةٍ صَلَاةَ الْعِشَاءِ، فِيْ آخِرِ حَيَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ، فَقَالَ: " أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ، [فَإِنَّ] عَلَى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا، لَايَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ"

قَالَ ابنُ عُمَرَ: فَوَهَلَ النَّاسُ فِيْ مَقَالَةِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تِلْكَ، فِيْمَا يَتَحَدَّثُوْنَهُ بِهٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ نَحْوَ مِائَةِ سَنَةٍ، وإِنَّمَا قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَايَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ" يُرِيْدُ بِذٰلِكَ: أَنْ يَنْخَرِمَ ذٰلِكَ الْقَرْنُ، هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

وضاحت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مسلم شریف (حدیث ۲۵۳۸) کتاب فضائل الصحابة باب ۵۳ میں ہے......اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بھی مسلم شریف (حدیث ۲۵۳۷) میں ہے، اور [فإنَّ] مسلم شریف سے بڑھایا ہے......وَهَلَ (بفتح الهاء) بمعنی غَلَطَ ہے اور مسلم شریف کی عبارت زیادہ واضح ہے قال ابن عمر: فوَهل الناسُ فی مقالة رسول الله صلى الله عليه وسلم تلك، فيما يَتَحَدَّثون من هذه الأحاديث عن مِئَة سنة الی آخرہ۔

بابُ ماجاء فی النَّهْيِ عَنْ سَبِّ الرِّيَاحِ

ہوا کو برا کہنے کی ممانعت

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہوا کو برا مت کہو، پس جب تم دیکھو وہ بات جس کو تم ناپسند کرتے ہو تو کہو: اے اللہ! بے شک ہم آپ سے اس ہوا کی خیر مانگتے ہیں، اور اس کی خیر مانگتے ہیں جو ہوا میں ہے، اور اس کی خیر مانگتے ہیں جس کا ہوا حکم دی گئی ہے، اور ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں اس ہوا کی برائی سے، اور اس کی برائی سے جو ہوا میں ہے اور اس کی برائی سے جس کا ہوا حکم دی گئی ہے''

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت أبواب البر والصلة میں باب اللعنه میں گذر چکی ہے کہ ہوا پر لعنت مت بھیجو، کیونکہ وہ مامور (حکم دی ہوئی) ہے، پس ہوا پر لعنت بھیجنا آمر پر لعنت بھیجنا ہے......اور کبھی دل کی بھڑاس نکالنی ضروری ہوتی ہے تو مذکورہ دعا کرو، اس سے دل ہلکا ہو جائے گا......اور کبھی اچھی بری ہوا چلنے سے اچھے برے احوال مراد لئے جاتے ہیں پس یہ زمانے کو برا کہنا ہوا، اور اس کی بھی ممانعت آئی ہے، کیونکہ زمانہ اللہ تعالیٰ ہیں یعنی وہ جس طرح چاہتے ہیں زمانے کو پھیرتے ہیں، پس زمانہ کو برا کہنا اللہ تعالیٰ کو برا کہنا ہے، اسی طرح ہوا کو برا کہنا بھی اللہ تعالیٰ کی برائی تک مفضی ہوتا ہے، پس جب فتنوں کی بری ہوا چلے تو اس کی برائی مت کرو، بلکہ اصلاح کی فکر کرو۔

[٥٦-] باب ماجاء في النَّهْيِ عَنْ سَبِّ الرِّيَاحِ

[٢٢٥٠-] حدثنا إِسْحَاقُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ بنِ حَبِيْبِ بنِ الشَّهِيْدِ، نَا مُحمدُ بنُ فُضَيْلٍ، نَا الأَعْمَشُ، عَنْ حَبِيْبِ بنِ أَبِيْ ثَابِتٍ، عَنْ ذَرٍّ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ بنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أُبَيِّ بنِ كَعْبٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لاَتَسُبُّوْا الرِّيْحَ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُوْنَ فَقُوْلُوْا: اللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيْحِ، وَخَيْرِ مَا فِيْهَا، وَخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهِ، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّيْحِ، وَشَرِّ مَافِيْهَا، وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهِ"

وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، وأَبِيْ هريرةَ، وَعُثْمَانَ بنِ أَبِيْ الْعَاصِ، وأَنَسٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، وَجَابِرٍ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ

کسی جزیرۃ میں مقید دجال اور جسّاسہ کی روایت

حدیث: حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کہتی ہیں: نبی ﷺ منبر پر چڑھے، پس مسکرائے، اور فرمایا: تمیم داری نے مجھ سے ایک بات بیان کی ہے، جس سے مجھے خوشی ہوئی، پس میں پسند کرتا ہوں کہ وہ بات آپ لوگوں سے بیان کروں (انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ) فلسطین کے کچھ لوگ سمندر میں ایک کشتی میں سوار ہوئے، پس کشتی نے ان کے ساتھ چکر لگایا یعنی کشتی ان کے ساتھ راستہ سے بھٹک گئی، یہاں تک کہ سمندر کے جزیروں میں سے کسی جزیرہ میں ان کو ڈال دیا، پس اچانک وہ ایک بہت زیادہ کپڑے پہنے ہوئے یعنی بہت زیادہ بالوں والے جانور کے پاس تھے، جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، پس ان لوگوں نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں جسّاسہ (زبردست جاسوس، بہت سراغ لگانے والا) ہوں، ان لوگوں نے کہا: ہمیں اپنے حالات بتا۔ اس نے کہا: میں نہ تمھیں حالات بتاؤں گا، نہ میں تم سے حالات معلوم کروں گا، بلکہ تم گاؤں کے آخر میں پہنچو، وہاں وہ شخص ہے جو تم کو حالات بتائے گا، پس ہم گاؤں کے آخر میں پہنچے، پس اچانک ایک شخص زنجیر میں جکڑا ہوا ہے، پس اس نے کہا: زُغر کے چشمہ کے بارے میں مجھے بتاؤ؟ (یہ چشمہ شام میں ہے) ہم نے کہا: وہ لبریز ہے اور زور سے بہہ رہا ہے، اس نے کہا: بحیرہ طبریہ کے بارے میں بتاؤ؟ ہم نے کہا: وہ بھی لبریز ہے اور خوب بہہ رہا ہے، اس نے کہا: مجھے بیسان کے نخلستان کے بارے میں بتاؤ جو اردن اور فلسطین کے درمیان ہے، کیا اس میں پھل آنے لگا؟ ہم نے کہا: ہاں، اس نے کہا: مجھے نبی (امّی) کے بارے میں بتاؤ کیا وہ مبعوث ہوگئے؟ ہم نے کہا: ہاں، اس نے کہا: بتاؤ لوگوں کا ان کے ساتھ کیا

معاملہ رہا؟ ہم نے کہا: لوگ بہت تیزی سے ان کی بات قبول کرر ہے ہیں۔ راوی کہتا ہے: پس وہ کودا ایسا کودنا کہ قریب تھا وہ (کہ بیڑیوں سے نکل جائے) ہم نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں دجال ہوں، اور یہ کہ وہ تمام شہروں میں پہنچے گا سوائے طیبہ کے، اور طیبہ مدینہ منورہ ہے۔

تشریح: یہ حدیث مسلم شریف (حدیث ۲۹۴۲ کتاب الفتن) میں عامر شعبی، عن فاطمة بنت قیس کی سند سے مروی ہے، اور اس میں دو مضمون ہیں:

پہلا مضمون: یہ ہے کہ ان کے شوہر ایک جہاد میں شہید ہو گئے، اور وہ بیوہ ہوگئیں تو نبی ﷺ نے ان کو پہلے ام شریک انصاریہ کے گھر میں عدت گذارنے کا حکم دیا، پھر فرمایا: وہ مہمان نواز عورت ہے، ان کے پاس لوگوں کی آمد بکثرت رہتی ہے، اس لئے وہ اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن ام مکتوم کے پاس عدت گذاریں۔

اور دوسرا مضمون: یہی ہے جو اس روایت میں ہے کہ دجال ایک جزیرے میں مقید ہے، وہاں کچھ لوگ اتفاقاً پہنچ گئے، جن کی ملاقات پہلے جساسہ سے ہوئی، پھر دجال سے ہوئی اور ان میں باہم گفتگو ہوئی۔

اس روایت کا پہلا مضمون حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے رد کر دیا ہے، اور احناف نے بھی اس کو نہیں لیا، اور دوسرا مضمون بھی اپنے داخلی اور خارجی تناقضات کی وجہ سے قابل قبول نہیں، اور یہ روایت اس کے تمام طرق کے ساتھ علامہ ابن کثیرؒ نے النهاية (۱:۹۳) میں جمع کی ہے، اس کی روشنی میں اس روایت کے تناقضات درج ذیل ہیں:

۱- امام مسلم ہی نے کتاب الطلاق (باب ۶ حدیث ۱۴۸۰/۳۶-۵۴) میں متعدد طرق سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص: حضرت علیؓ کے ساتھ یمن کی طرف گئے، اور وہاں سے انھوں نے حضرت فاطمہؓ کو تیسری طلاق بھیجی جو باقی رہ گئی تھی، اور شوہر کے کارندے نے عدت کے خرچ کے لئے جو پیش کئے، جس کو انھوں نے منظور نہیں کیا، اور انھوں نے نبی ﷺ سے شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: ليس لكِ عليه نفقةٌ: .... اور مسلم کی اس روایت (حدیث ۲۹۴۲) میں یہ ہے کہ ان کے شوہر اسلام کے ابتدائی جہاد میں نبی ﷺ کے ساتھ شہید ہو گئے تھے یہ دونوں باتیں متناقض ہیں۔

۲- کتاب الطلاق کی روایات میں یہ ہے کہ عدت کے بعد ان کے پاس حضرت معاویہ اور حضرت ابوجہم نے منگنی بھیجی، اور کتاب الفتن کی روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے منگنی بھیجی۔

۳- کتاب الطلاق کی روایات میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عدت کے بعد حضرت اسامہ کی منگنی ڈالی اور کتاب الفتن کی روایت میں یہ ہے کہ پہلے منگنی ڈالی۔

۴- مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ دجال سے ملاقات کا واقعہ خود حضرت تمیم داری کا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: حدَّثني: أنه ركب في سفينةٍ بحريةٍ مع ثلاثين رجلاً من لَخمٍ وَجُذَامٍ:...... اور مسلم ہی میں سیار ابو الحکم کی

روایت میں ہے: إن بنی عَمٍّ لتمیم الداری رکبوا فی البحر: یعنی سفر میں حضرت تمیم کے عم زاد گئے تھے، خود حضرت تمیم نہیں گئے تھے...... اور مسلم ہی میں یہ بھی ہے: حدثنی تمیم الداری: أن ناساً من قومه کانوا فی البحر:...... اور مسند احمد میں ہے: أخبرنی أن رهطاً من بنی عمه رکبوا فی البحر...... پس اگر صاحب واقعہ حضرت تمیم داری نہیں تو بیچ میں مجہول واسطے ہیں۔

۵- یہ واقعہ: صحابہ کو کس نے سنایا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا خود حضرت تمیم داری نے؟ عام روایات میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ روایت کیا مگر مسند ابویعلی میں ہے کہ خود تمیم داری کی زبانی آپؐ نے لوگوں کو یہ واقعہ سنوایا، قال: حدَّثنی تمیمٌ، فرأی تمیمًا فی ناحیة المسجد، فقال: یا تمیمُ! حَدِّثِ الناسَ ما حدَّثتنی، قال: کنا فی جزیرة، فإذا نحن بدابة، لانَدْری ما قُبُلُهَا من دُبُرِها إلی آخره (نہایہ ابن کثیر ۱:۱۰۱)

۶- عام روایات میں ہے: انطلقوا إلی هذا الرجل بالدَّیْر: دیر کے معنی ہیں: راہب خانہ، عیسائی درویشوں کی خانقاہ...... اور ابوداؤد کی روایت (نمبر ۴۳۲۵) میں ہے: اذهب إلی ذلك القصر: اور قصر کے معنی ہیں: محل۔

۷- اگر یہ روایت صحیح ہے تو ابن صیاد کی جانچ والی روایت بے معنی ہو جاتی ہے، حالانکہ ابن صیاد والی روایت متفق علیہ ہے، اور اس روایت کے دونوں مضمون صرف مسلم شریف میں ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ دونوں مضمون روایت نہیں کئے، صرف پہلے مضمون پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تنقید روایت کی ہے...... اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ واقعہ بعد کا ہوگا، کیونکہ حضرت تمیم داری سن ۹ ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں تو پھر سوال ہوگا کہ صحابہ آخر تک ابن صیاد کے بارے میں شک میں مبتلا کیوں رہے؟ اس واقعہ کے بعد تو ان کا ذہن صاف ہو جانا چاہئے تھا۔

۸- اور روایت کا یہ جملہ تو عجیب ہے: لاندری ما قُبُلُها من دُبُرِهَا: یعنی اس کی قُبل اور دُبر میں ہم امتیاز نہیں کر پا رہے تھے، حالانکہ یہ دونوں اعضاء جانوروں میں عام طور پر ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، ہاں اگر راوی کہتا کہ اس کا منہ کدھر تھا اور دُم کدھر تھی: اس کا پتہ نہیں چل رہا تھا: تو ایک بات بھی تھی۔

۹- نیز یہ لوگ بڑے مضبوط دل کے تھے، نہ جساسہ سے خوف زدہ ہوئے نہ دجال سے، بڑے اطمینان سے دونوں سے باتیں کرتے رہے، حالانکہ ایسی صورت میں انسان حواس باختہ ہو جاتا ہے اور چھٹی گم ہو جاتی ہے۔

۱۰- حضرت تمیم داری: وہ صحابی ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمعہ سے پہلے بیان کی اجازت ملی تھی، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ہفتے کے دنوں میں بھی بیان کی اجازت دیدی تھی۔ اگر یہ واقعہ خود حضرت تمیم داری کا تھا تو ایسا عجیب واقعہ مقرر بار بار بیان کرتا ہے، پھر کیا بات ہے کہ اس کو صرف ایک خاتون (فاطمہ بنت قیسؓ) روایت کرتی ہیں، کوئی دوسرا صحابی اس کو کیوں روایت نہیں کرتا؟ نہایہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک اور صحابی کی متابعت کا ذکر ہے، مگر ان کی روایات معلوم نہیں کن کتابوں میں ہیں۔

۱۱-اورسب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ آباد جزیرۃ تھا، وہاں پورا گاؤں بسا ہوا تھا، اوراب ذرائع معلومات وسیع ہوگئے ہیں، آخر یہ جزیرہ کہاں ہے؟ اور وہ لوگ جب راستہ بھول گئے تھے تو اس جزیرے سے واپس کیسے لوٹے؟ یہ وہ اشکالات ہیں جن کی وجہ سے یہ روایت قطعاً قابل اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم

[٥٧-] بابٌ

[٢٢٥١-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ، نَا أَبِىْ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ: أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَضَحِكَ، فَقَالَ: إِنَّ تَمِيْمًا الدَّارِيَّ حَدَّثَنِي بِحَدِيْثٍ، ففَرِحْتُ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ: إِنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ فِلَسْطِيْنَ رَكِبُوْا سَفِيْنَةً فِي الْبَحْرِ، فَجَالَتْ بِهِمْ، حَتّٰى قَذَفَتْهُمْ فِيْ جَزِيْرَةٍ مِنْ جَزَائِرِ الْبَحْرِ، فَإِذَا هُمْ بِدَابَّةٍ لَبَّاسَةٍ نَاشِرَةٍ شَعْرَهَا، فَقَالُوْا: مَا أَنْتِ؟ قَالَتْ: أَنَا الْجَسَّاسَةُ، قَالُوْا: فَأَخْبِرِيْنَا، قَالَتْ: لَا أُخْبِرُكُمْ، وَلَا أَسْتَخْبِرُكُمْ، وَلٰكِنِ ائْتُوْا أَقْصَى الْقَرْيَةِ، فَإِنَّ ثَمَّ مَنْ يُخْبِرُكُمْ وَيَسْتَخْبِرُكُمْ، فَأَتَيْنَا أَقْصَى الْقَرْيَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ مُوْثَقٌ بِسِلْسِلَةٍ فَقَالَ: أَخْبِرُوْنِيْ عَنْ عَيْنِ زُغَرَ؟ قُلْنَا: مَلْأَى تَدْفِقُ، قَالَ: أَخْبِرُوْنِيْ عَنِ الْبُحَيْرَةِ، قُلْنَا: مَلْأَى تَدْفِقُ، قَالَ: أَخْبِرُوْنِي عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ الَّذِيْ بَيْنَ الْأُرْدُنِ وَفِلَسْطِيْنَ، هَلْ أَطْعَمَ؟ قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: أَخْبِرُوْنِيْ عَنِ النبيِّ هَلْ بُعِثَ؟ قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: أَخْبِرُوْنِيْ كَيْفَ النَّاسُ إِلَيْهِ؟ قُلْنَا: سِرَاعٌ. قَالَ: فَنَزَى نَزْوَةً حَتّٰى كَادَ، قُلْنَا: فَمَا أَنْتَ؟ قَالَ: أَنَا الدَّجَّالُ، وَإِنَّهُ يَدْخُلُ الْأَمْصَارَ كُلَّهَا إِلَّا طَيْبَةَ، وَطَيْبَةُ: الْمَدِيْنَةُ.

هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ قَتَادَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ، وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ.

لغات وترکیب: جَالَتِ السفينةُ به وأَجَالَتْ: أَدَارَه وحَوَّله عن قصده ...... وفي مسلم: فَلَعِبَ بهم الموج شهراً: وہ ایک ماہ تک موجوں کے رحم وکرم پر رہے ...... لَبَّاس: كثير اللباس، وكَنّٰى بكثرة لباسها: عن كثرة شعرها ...... نَاشِرَةٍ شَعْرَهَا: كالبيان لما قبله ...... ناشرةٍ: بالجر: صفة ثانية لدابة، وشَعْرَهَا: بالنصب على المفعولية، أى جاعلةٍ شعرَها منتشرةً۔

بابٌ

خود کو رسوا نہ کرو

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: لاينبغي للمؤمن أن يُذِلَّ نفسَه: مؤمن کے لئے مناسب نہیں کہ خود کو ذلیل

کرے، صحابہ نے پوچھا: خودکوکوئی کیسے ذلیل کرے گا؟ آپ نے فرمایا: يَتَعَرَّضُ من البلاء: لما لا يُطِيْقُ: ایسی بلاؤں کے درپے ہو جو اس کی طاقت سے باہر ہوں۔

تشریح: من البلاء: مالايطيق کا بیانِ مقدم ہے، اصل جملہ اس طرح تھا: يَتَعَرَّضُ لِمَا لايطيقُ من البلاء۔

اور فقہاء نے اس حدیث سے ضابطہ بنایا ہے کہ خود کو رسوا کرنا جائز نہیں یعنی ایسا کام کرنا (اگرچہ وہ جائز ہو) جس کے نتیجہ میں رسوائی ہو: مناسب نہیں مثلاً: (۱) کرنسی بلیک میں کیش کرانا (۲) بغیر ٹکٹ ریل کا سفر کرنا (۳) ٹیکس چوری کرنا، اور اس کے لئے غلط حساب بنانا (۴) بجلی چوری کرنا اور اس کے لئے میٹر بند کرنا یا گھمانا وغیرہ بہت سی جزئیات ہیں جن کا انجام رسوائی ہے، پکڑے جانے پر عزت خاک میں مل جاتی ہے، اس لئے مؤمن کو اس قسم کے امور سے بچنا چاہئے۔

اور حدیث علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر امام ترمذیؒ کے نزدیک یہ راوی ٹھیک ہے، اس لئے حدیث کی تحسین کی ہے۔

[۵۸-] بابٌ

[۲۲۵۲-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا عَمْرُو بنُ عَاصِمٍ، نَا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عَنْ عَلِيِّ بنِ زَيْدٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ جُنْدُبٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَايَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ" قَالُوْا: وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ؟ قَالَ: "يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَايُطِيْقُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

بابٌ

ظالم کی بھی مدد کرو اور مظلوم کی بھی

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اُنْصُرْ أَخَاكَ: ظالماً أو مظلوماً: اپنے بھائی کی مدد کرو: خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آیا، مگر ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپ نے فرمایا: تَكُفُّهُ عن الظلم، فذاك نَصْرُكَ إياه: اس کو ظلم سے روکو، یہ تمہارا اس کی مدد کرنا ہے (یہ حدیث بخاری (حدیث ۲۴۴۴) میں ہے)

[۵۹-] بابٌ

[۲۲۵۳-] حدثنا مُحمدُ بنُ حَاتِمٍ الْمُؤَدِّبُ، نَا مُحمدُ بنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيُّ، نَا حُمَيْدٌ الطَّوِيْلُ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا" قِيْلَ: يَارسولَ اللّٰهِ! نَصَرْتُهُ مَظْلُوْمًا، فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: "تَكُفُّهُ عَنِ الظُّلْمِ، فَذَاكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ"

وفي الباب: عَنْ عَائِشَةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ

بادشاہ کی نزدیکی باعث فتنہ ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا:

۱-من سَكَنَ البادية جَفَا: جو جنگل میں بسا وہ تندمزاج ہوا، کیونکہ وہ نہ جمعہ وجماعت میں آئے گا نہ مجالس علماء میں شریک ہوگا، پس اس کی طبیعت میں وحشی پنا پیدا ہو جائے گا اور وہ مکارم اخلاق سے دور ہو جائے گا۔ یہ بداوت کا خاصہ ہے، اور فتنہ کے زمانہ میں جنگل میں جا بسنے کی خیریت ایک دوسری جہت سے ہے یعنی وہ أهون البليتين ہے۔

۲-ومن اتَّبَعَ الصيدَ غَفَلَ: اور جو شکار کے پیچھے پڑا وہ غافل ہوا یعنی جس کو شکار کی دھن لگ گئی وہ کسی کرت کا نہ رہا، وہ ہر وقت بندوق اٹھائے پھرے گا، اور ضروری کاموں سے بھی بے فکر ہو جائے گا۔

۳-ومن أَتَى أبوابَ السلطانِ افْتَتَنَ: اور جو بادشاہوں کے دروازوں پر گیا وہ فتنوں میں مبتلا ہوا، کیونکہ اگر وہ بادشاہ کی ہم نوائی کرے گا تو اپنا دین خراب کرے گا، اور نہیں کرے گا تو اپنی دنیا برباد کرے گا، پس ان سے دوری صاحب سلامت اچھی!

ملحوظہ: یہ حدیث ضعیف ہے، ابوموسیٰ جو وہب بن منبہ سے روایت کرتا ہے: مجہول راوی ہے۔

خوش حالی بھی کبھی فتنوں کا سبب بنتی ہے

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے چالیس آدمیوں کو ایک خیمے میں جمع کیا اور فرمایا: "بے شک تم دشمن کے مقابلہ میں مدد کئے ہوئے ہو، اور غنیمت حاصل کرنے والے ہو اور تمہارے لئے ممالک فتح کئے جائیں گے، پس جو شخص تم میں سے یہ حالات پائے پس چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے، اور چاہئے کہ وہ بھلی بات کا حکم دے اور چاہئے کہ وہ بری بات سے روکے، اور جو شخص جان بوجھ کر میرے نام جھوٹ باندھے اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

تشریح: جب کسی قوم میں خوش حالی آتی ہے تو اللہ کا ڈر اٹھ جاتا ہے، لوگوں کے احوال دگرگوں ہو جاتے ہیں اور لوگ اپنی بدعملی کی تائید میں حدیثیں گھڑتے ہیں، یہی خوش حالی کے زمانہ کے فتنے ہیں۔ اس لئے نبی ﷺ نے امت کو خوش حالی کی خوش خبری دی تو ساتھ ہی خرابیوں کی طرف بھی متوجہ کیا (یہ حدیث مسند احمد میں تین بار آئی ہے ۱: ۳۸۹ و ۴۰۱ و ۴۳۶) اور مصری نسخہ میں اس دوسری حدیث پر باب بلاترجمہ ہے۔

[٦٠-] بابٌ

[٢٢٥٤-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، عَنْ وَهْبِ بنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا، وَمَنْ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ، وَمَنْ أَتَى أَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتَتَنَ"

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ هريرةَ، هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ حَدِيْثِ ابنِ عَبَّاسٍ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الثَّوْرِيِّ.

[٢٢٥٥-] حدثنا مُحمودُ بنُ غَيْلَانَ، نَا أَبُوْ دَاوُدَ، أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بنَ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " إِنَّكُمْ مَنْصُوْرُوْنَ، وَمُصِيْبُوْنَ، وَمَفْتُوْحٌ لَكُمْ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَاكَ مِنْكُمْ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ، وَلْيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلْيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَمَنْ يَكْذِبْ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابٌ

وہ فتنہ جوسمندر کی طرح موجیں مارتا ہے

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (ساتھیوں سے) پوچھا: کس کو یاد ہے وہ بات جو رسول اللہ ﷺ نے فتنہ کے بارے میں فرمائی ہے؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: مجھے یاد ہے، پھر حضرت حذیفہؓ نے بیان کیا: آدمی کا فتنہ (کوتاہی) اس کی فیملی میں، اس کے مال میں، اس کی اولاد میں، اور اس کے پڑوسی میں، جن کا کفارہ: نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بنتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: ان فتنوں کے بارے میں: میں نہیں پوچھتا، بلکہ اس فتنے کے بارے میں پوچھتا ہوں جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارے گا! حضرت حذیفہؓ نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کے درمیان اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے یعنی وہ فتنہ آپ کے زمانہ میں نہیں آئے گا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: توڑا جائے گا، حضرت عمرؓ نے کہا: تب قیامت تک بند نہیں ہوگا۔

اور حماد کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ابووائل کہتے ہیں: میں نے مسروق سے کہا: حضرت حذیفہؓ سے دروازے کے بارے میں پوچھو، مسروق نے پوچھا تو حضرت حذیفہؓ نے بتایا: وہ عمرؓ ہیں (یہ حدیث متفق علیہ ہے)

تشریح: ابواب الفتن کے شروع میں حجۃ اللہ کے حوالہ سے یہ مضمون آیا ہے کہ فتنے چند قسم کے ہیں: ایک: آدمی کے اندر کا فتنہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے احوال بگڑ جائیں، اس کا دل سخت ہوجائے، اور اس کو عبادت میں حلاوت اور مناجات میں لذت محسوس نہ ہو۔ دوسرا: فیملی میں فتنہ ہے، اور وہ نظام خانہ داری کا بگاڑ ہے، اسی طرح اولاد میں فتنہ، مال میں فتنہ اور پڑوسی میں فتنہ رونما ہوتا ہے، جس کی تلافی عبادات سے ہوتی رہتی ہے، اور ایک فتنہ وہ ہے جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے، یہ نظام مملکت کا بگاڑ ہے۔ یہ فتنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد شروع ہوگا، حضرت کے زمانے تک نظام حکومت صحیح چلتا رہا، اور فتنہ کا دروازہ کھولا نہیں جائے گا، بلکہ توڑا جائے گا، اور جو دروازہ کھولا جائے وہ بند کیا جاسکتا ہے، مگر جو کواڑ توڑ دیئے جائیں ان کے بند کرنے کا سوال ہی نہیں، پس نظام مملکت کے بگاڑ کا فتنہ جب شروع ہوگا تو قیامت تک رکے گا نہیں۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازہ ہونے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ آپؓ کے زمانہ میں وہ فتنہ نہیں آئے گا، البتہ توڑنے میں آپؓ کی شہادت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

فائدہ(۱): اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ فتنوں کا علم اس لئے ضروری ہے کہ آدمی فتنوں سے بچے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی کہا ہے کہ اس فتنہ سے آپؓ کیوں ڈرتے ہیں، وہ فتنہ آپؓ کے زمانے میں نہیں آئے گا۔

فائدہ(۲): اوپر حدیث کے ترجمہ میں اشارہ آیا ہے کہ فتنہ سے مراد کوتاہیاں ہیں، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- آدمی کا فتنہ اس کی فیملی میں: یعنی آدمی گھر والوں کی وجہ سے ایسے قول وفعل کا ارتکاب کرے جو جائز نہیں، مگر وہ کبیرہ گناہ بھی نہ ہوں۔

۲- آدمی کا اپنے مال میں فتنہ: یعنی غلط طریقہ پر مال حاصل کرنا اور غلط جگہوں میں خرچ کرنا یا مالی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا۔

۳- آدمی کا اپنی اولاد میں فتنہ: یعنی اولاد سے حد سے زیادہ محبت کرنا، ان کی وجہ سے خیر کے کاموں سے محروم رہنا یا اولاد کی وجہ سے حلال وحرام کی تمیز کے بغیر مال کمانا۔

۴- آدمی کا اس کے پڑوسی میں فتنہ: یعنی پڑوسی کو ستانا اور اس کی خبر گیری نہ کرنا۔

یہ وہ فتنے (کوتاہیاں) ہیں: جن کی تلافی اعمالِ صالحہ سے ہوتی رہتی ہے، **لأن الحسنات يذهبن السيئات!**

[٦١-] بابٌ

[٢٢٥٦-] حدثنا مَحْمُوْدُ بنُ غَيْلَانَ، نَا أَبُوْ دَاوُدَ، نَا شُعْبَةُ، عَنِ الأَعْمَشِ، وَعَاصِمِ بنِ بَهْدَلَةَ،

وَحَمَّادٍ، سَمِعُوْا أَبَا وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ مَاقَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْفِتْنَةِ؟ فَقَالَ حُذَيْفَةُ: أَنَا، قَالَ حُذَيْفَةُ: فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِيْ أَهْلِهِ، وَمَالِهِ، وَوَلَدِهِ، وَجَارِهِ: تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ، وَالصَّوْمُ، وَالصَّدَقَةُ، وَالأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ، قَالَ عُمَرُ: لَسْتُ عَنْ هٰذَا أَسَأَلُكَ، وَلٰكِنْ عَنِ الْفِتْنَةِ الَّتِيْ تَمُوْجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ، قَالَ: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا، قَالَ عُمَرُ: أَيُفْتَحُ أَمْ يُكْسَرُ؟ قَالَ: بَلْ يُكْسَرُ! قَالَ: إِذَنْ لَايُغْلَقُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ!

قَالَ أَبُوْ وَائِلٍ فِيْ حَدِيْثِ حَمَّادٍ: فَقُلْتُ لِمَسْرُوْقٍ: سَلْ حُذَيْفَةَ عَنِ الْبَابِ؟ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: عُمَرُ؛ هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

بابٌ

امراء کی ہاں میں ہاں ملانا حوض کوثر سے محرومی کا سبب ہے

حدیث: حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، درانحالیکہ ہم نو تھے: پانچ اور چار، دوعددوں میں سے ایک عرب سے اور دوسرا عجم سے تھا، پس آپؐ نے فرمایا: سنو! کیا تم نے سنا کہ عنقریب میرے بعد کچھ امراء ہونگے، پس جو ان کے پاس گیا، پس ان کے جھوٹ میں ان کی تصدیق کی، اور ان کے ظلم میں ان کی مدد کی تو وہ میرا نہیں اور میں اس کا نہیں اور وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہیں پہنچے گا...... اور جو ان کے پاس نہیں گیا، اور ان کے ظلم میں ان کی مدد نہیں کی، اور ان کے جھوٹ میں ان کی تصدیق نہیں کی، پس وہ مجھ سے ہے اور میں اس کا ہوں، اور وہ میرے پاس حوض کوثر پر آئے گا (یہ حدیث تفصیل سے تحفہ ۲:۵۰۲ کتاب الصلوۃ باب ۳۱۷ حدیث ۶۱۴ میں گذر چکی ہے)

سند کی بحث: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تین سندیں بیان کی ہیں، اور تینوں ہارون بن اسحاق ہمدانی کی ہیں: (۱) ہارون ہمدانی: محمد بن عبدالوہاب قنّاد سے، وہ مسعر سے الی آخرہ روایت کرتے ہیں (۲) ہارون: محمد قناد سے، اور وہ سفیان سے، اور وہ ابوحصین سے پہلی سند کی طرح روایت کرتے ہیں (۳) ہارون: محمد قناد سے، وہ سفیان سے، وہ زُبید سے، اور وہ ابراہیم سے (یہ ابراہیم نخعی نہیں ہیں، کوئی اور راوی ہے جو مجہول ہے، اور وہ حضرت کعب سے روایت کرتا ہے)

دین کو تھامنا چنگاری تھامنے کی طرح ہوگا!

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: يأتي على الناس زمانٌ، الصابرُ فيهم على دينه كَالْقَابِضِ على الْجَمْرِ:

لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا، جس میں اپنے دین پر جمنے والا: ہاتھ میں چنگاری پکڑنے والے کی طرح ہوگا۔

تشریح: جب فتنوں کا دور آتا ہے، فسق وفجور عام ہوتا ہے اور لوگوں کا ایمان کمزور پڑ جاتا ہے تو دین پر جمنا دوبھر ہوجاتا ہے، اس وقت دین کو مضبوط پکڑنا اتنا ہی مشکل ہوجاتا ہے جتنا چنگاری ہاتھ میں پکڑنا، مگر اس وقت ثواب بھی بڑھ جاتا ہے، حضرت ابوثعلبہ کی حدیث میں ہے: للعامل فيهن أجر خمسين رجلاً يعملون مثلَ عمله: ان ایام میں دین پر عمل کرنے والے کے لئے پچاس آدمیوں کا اجر ہوگا، جو آج اس کے عمل کے مانند عمل کرتے ہیں، صحابہ نے پوچھا: ان میں سے پچاس آدمیوں کا اجر؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، تم میں سے پچاس آدمیوں کا اجر! (یہ روایت ترمذی میں آئے گی ورواہ ابن ماجہ، مشکوۃ حدیث ۵۱۴۴)

ملحوظہ: یہ حدیث ثلاثی ہے یعنی امام ترمذیؒ اور نبی ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، اور ترمذی میں یہی ایک حدیث ثلاثی ہے، اور ضعیف ہے، اس کا ایک راوی عمر بن شاکر ضعیف ہے، مگر امام ترمذی کے نزدیک یہ راوی ٹھیک ہے، کیونکہ اس سے متعدد اہل علم نے روایت لی ہے اور یہ راوی شیخ ہے، یہ لفظ صدوق کے ہم معنی ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو مقارب الحدیث کہا ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے شواہد ہیں، یہ مضمون حضرت ابوثعلبہ خشنی سے اور حضرت ابوہریرہؓ سے (مسند احمد ۵: ۳۹۰) اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے (صحیحہ ۲: ۶۸۳)

نوٹ: اس دوسری حدیث سے پہلے مصری نسخہ میں باب بلا ترجمہ ہے۔

[٦٢-] بابٌ

[٢٢٥٧-] حدثنا هَارُوْنُ بنُ إسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ، نَا مُحمدُ بنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ أَبِيْ حَصِيْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الْعَدَوِيِّ، عَنْ كَعْبِ بنِ عُجْرَةَ، قَالَ: خَرَجَ إِلَيْنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَنَحْنُ تِسْعَةٌ: خَمْسَةٌ وَأَرْبَعَةٌ، أَحَدُ الْعَدَدَيْنِ مِنَ الْعَرَبِ، وَالآخَرُ مِنَ الْعَجَمِ، فَقَالَ: "اسْمَعُوْا! هَلْ سَمِعْتُمْ أَنَّهُ سَيَكُوْنُ بَعْدِيْ أُمَرَاءُ، فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ، فَلَيْسَ مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُ، وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَيَّ الْحَوْضَ، وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ، وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ، فَهُوَ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ، وَهُوَ وَارِدٌ عَلَيَّ الْحَوْضَ"

هٰذَا حديثٌ صحيحٌ غريبٌ، لاَنَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ مِسْعَرٍ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

قَالَ هَارُوْنُ: وَثَنِيْ مُحمدُ بنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِيْ حَصِيْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَاصِمٍ الْعَدَوِيِّ، عَنْ كَعْبِ بنِ عُجْرَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

قَالَ هَارُوْنُ: وَثَنِيْ مُحمدٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ – وَلَيْسَ بِالنَّخَعِيِّ – عَنْ

كَعْبِ بنِ عُجْرَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ حَدِيْثِ مِسْعَرٍ، وفي الباب: عَنْ حُذَيْفَةَ، وابنِ عُمَرَ.

[٢٢٥٨-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بنُ مُوْسَى الفَزَارِيُّ ابنُ ابْنَةِ السُّدِّيِّ الْكُوْفِيُّ، نَا عُمَرُ بنُ شَاكِرٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، الصَّابِرُ فِيْهِمْ عَلَى دِيْنِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَعُمَرُ بنُ شَاكِرٍ: رَوَى عَنْهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ شَيْخٌ بَصْرِيٌّ.

بابٌ

بہتر اور بدتر لوگ

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ چند بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''کیا میں نہ بتلاؤں تمہارا بہتر اور تمہارا بدتر؟ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: پس لوگ خاموش رہے (وہ ڈر گئے کہ معلوم نہیں کون برا ڈکلیر ہو اور کون اچھا ثابت ہو، حالانکہ نبی ﷺ عام بات بتانا چاہتے تھے) آپؐ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی، پس ایک شخص (ہمت کر کے) بولا: کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول! ہمیں بتلائیں ہمارا بہتر اور ہمارا بدتر۔ آپؐ نے فرمایا: خیر کم من یُرجَی خَیْرُہ، ویؤمن شرُّہ، وشرُّکم من لایُرجَی خیرُہ، ولا یؤمن شرُّہ: تم میں بہتر وہ شخص ہے جس کی خیر کی امید باندھی جائے اور اس کے شر سے مطمئن رہا جائے، اور تم میں بدتر وہ ہے جس کی خیر کی امید نہ باندھی جائے، اور جس کے شر سے بے خوف نہ رہا جائے۔

تشریح: لوگوں کا یہ شر ہی ان کا فتنہ ہے، پس جس کے شر سے لوگ بے خوف نہ ہوں وہ فتنہ خیز ہے۔

[٦٣-] بابٌ

[٢٢٥٩-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمدٍ، عَنِ الْعَلاَءِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَقَفَ عَلَى نَاسٍ جُلُوْسٍ، فَقَالَ: " أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ؟" قَالَ: فَسَكَتُوْا، فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ رَجُلٌ: بَلَى يَارسولَ اللّٰهِ! أَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا، قَالَ: " خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجَى خَيْرُهُ، وَيُؤْمَنُ شَرُّهُ، وَشَرُّكُمْ مَنْ لاَ يُرْجَى خَيْرُهُ، وَلاَ يُؤْمَنُ شَرُّهُ" هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

بابٌ

جب امت میں اتراہٹ آجائے تو برے لوگ مسلط ہوجائیں گے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب میری امت متکبرانہ چال چلے اور بادشاہوں کی اولاد یعنی روم وفارس کے لڑکے ان کی خدمت کریں تو امت کے برے لوگ ان کے اچھوں پر مسلط کردیئے جائیں گے!''

تشریح: یہ ایک پیشین گوئی ہے، مگر ضروری نہیں کہ روم وفارس کی فتح کے ساتھ ہی یہ صورت حال پیدا ہوجائے، حالات بدلتے بدلتے وقت لگتا ہے، چنانچہ ایک وقت آیا کہ برے اچھوں پر مسلط ہوگئے۔

سند کی بحث: یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف ہے، کیونکہ اس کو موسیٰ بن عبیدۃ ربذی ابوعبد العزیز مدنی: عبداللہ بن دینار سے روایت کرتا ہے اور یہ راوی ضعیف ہے، خاص طور پر عبداللہ بن دینار کی روایتوں میں۔ مگر یحییٰ بن سعید انصاری اس کے متابع ہیں، وہ بھی یہ حدیث عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں، وقد رواہ سے امام ترمذیؒ نے یہی سند پیش کی ہے، پھر امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ دوسری سند (انصاری کی) بے اصل ہے، یہ حدیث صرف موسیٰ کی سند سے معروف ہے (مگر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس دوسری سند کے بے اصل ہونے کی کوئی دلیل بیان نہیں کی، جبکہ انصاری سے روایت کرنے والے ابومعاویہ، پھر ان سے روایت کرنے والے امام ترمذی کے استاذ محمد بن اسماعیل واسطی دونوں ثقہ ہیں) دوسری دلیل: امام ترمذیؒ نے یہ پیش کی ہے کہ یہ حدیث امام مالک بھی انصاری سے روایت کرتے ہیں، مگر وہ حدیث کو مرسل کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن دینار اور حضرت ابن عمر کا تذکرہ نہیں کرتے (مگر امام مالک رحمہ اللہ ایسا بکثرت کرتے تھے۔ وہ موصول روایات کو مرسل کرتے تھے، پس یہ بھی ابومعاویہ کی سند کے غلط ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی، اس لئے میری ناقص رائے یہ ہے کہ یہ حدیث انصاری کی سند سے صحیح ہے)

[٦٤-] بابٌ

[٢٢٦٠-] حدثنا مُوْسَى بنُ عَبْدِ الرحمنِ الْكِنْدِيُّ، نَا زَيْدُ بنُ حُبَابٍ، أَخْبَرَنِيْ مُوْسَى بنُ عُبَيْدَةَ، ثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بنُ دِيْنَارٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: ''إِذَا مَشَتْ أُمَّتِيْ الْمُطَيْطَاءَ، وَخَدَمَها أَبْنَاءُ الْمُلُوْكِ: أَبْنَاءُ فَارِسَ وَالرُّوْمِ: سُلِّطَ شِرَارُهَا عَلَى خِيَارِهَا''

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، وَقَدْ رَوَاهُ أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ يَحْيَى بنِ سَعِيْدٍ الأَنْصَارِيِّ، حدثنا بِذٰلِكَ

مُحمدُ بنُ إسْمَاعِيْلَ الْوَاسِطِيُّ، نَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ الأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

وَلَا يُعْرَفُ لِحَدِيْثِ أَبِيْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ أَصْلٌ، إِنَّمَا الْمَعْرُوْفُ حَدِيْثُ مُوْسَى بنِ عُبَيْدَةَ.

وَقَدْ رَوَى مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، هٰذَا الحديثَ عَنْ يَحْيىَ بنِ سَعِيْدٍ مُرْسَلاً، وَلَمْ يُذْكَرْ فِيْهِ: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ.

لغت: الْمُطَيْطَاء: اتراہٹ، متکبرانہ چال، ہاتھ پھیلا پھیلا کر چلنا۔

عورتوں کی سربراہی کامیابی کی راہ نہیں

حدیث: حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بات کی وجہ سے جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی بچالیا، جب کسریٰ مرا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ایران والوں نے کس کو بادشاہ بنایا؟ لوگوں نے بتایا: اس کی بیٹی کو، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لن يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً: وہ قوم ہرگز کامیاب نہ ہوگی جس نے اپنے معاملہ (حکومت) کا ذمہ دار ایک عورت کو بنایا (یہ حدیث بخاری (حدیث ۴۴۲۵) میں ہے)

حضرت ابوبکرۃؓ کہتے ہیں: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ آئیں تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات یاد آئی، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کی وجہ سے بچالیا۔

تشریح: کسریٰ کے بعد ایران کا بادشاہ شیرویہ بنا تھا، مگر وہ چھ ماہ کے بعد زہر کھا کر مرگیا تو اس کی بیٹی بوران بادشاہ بنی، کیونکہ شیرویہ کا کوئی بیٹا نہیں تھا، اور بھائیوں کو وہ پہلے ہی موت کی گھاٹ اتار چکا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ایران والوں نے ملک کا سربراہِ اعظم ایک عورت کو بنایا ہے تو آپؐ نے مذکورہ ارشاد فرمایا۔

اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی سربراہی کامیابی کی راہ نہیں۔ رہی یہ بات کہ عورت کو سربراہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی طرف حدیث میں کوئی اشارہ نہیں۔ اور فقہاء میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک عورت نہ امیرۃ المؤمنین بنسکتی ہے نہ قاضیہ۔ اور طبری رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی ایک روایت ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جن معاملات میں عورت گواہ بن سکتی ہے امیر بھی بن سکتی ہے۔

رہی استیلاء وتغلب کی صورت: تو اس میں بالاجماع عورت کی امارت درست ہے، اس کے احکام نافذ اور واجب الاطاعت ہونگے۔ اور الیکشن، پارٹی، ووٹ اور اکثریت: تغلب ہی کی صورت ہے، کیونکہ جمہوریت میں سر گنے جاتے ہیں، بھیجا نہیں دیکھا جاتا۔

اور جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں تھیں، حج کے لئے تشریف لے گئی تھیں، چنانچہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما مکہ گئے اور ان کو آمادہ کیا کہ قصاص کا مطالبہ کیا جائے، ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنتے ہی کوفہ منتقل ہو گئے تھے، اس لئے یہ سب حضرات بصرہ گئے، وہاں ان کے ساتھ اجتماعیت ہوگئی اور وہ قصاص کا مطالبہ لے کر کوفہ گئے، وہاں جنگ جمل کا معرکہ پیش آیا، حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ اس حدیث کی وجہ سے ان کے ساتھ شریک نہیں ہوئے اور بھی متعدد صحابہ جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔

[٢٢٦١-] حدثنا محمدُ بنُ المُثَنَّى، ثَنَا خَالِدُ بنُ الْحَارِثِ، نَا حُمَيْدُ الطَّوِيْلُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ، قَالَ: عَصَمَنِيَ اللّٰهُ بِشَيئٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: لَمَّا هَلَكَ كِسْرَى، قَالَ: " مَنِ اسْتَخْلَفُوْا؟" قَالُوْا: ابْنَتَهُ، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: " لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمْ امْرَأَةً " قَالَ: فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ - يَعْنِي الْبَصْرَةَ - ذَكَرْتُ قَوْلَ رسوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَعَصَمَنِيَ اللّٰهُ بِهِ، هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

بہترین اور بدترین امراء

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تم کو نہ بتلاؤں: تمہارے بہترین امراء اور ان کے بدترین امراء؟...... مسلمانوں کے بہترین امراء وہ ہیں: جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، اور تم ان کے لئے دعا کرو اور وہ تمہارے لئے دعا کریں...... اور تمہارے بدترین امراء وہ ہیں: جن سے تم دشمنی رکھو، اور وہ تم سے دشمنی رکھیں، اور جن پر تم لعنت بھیجو، اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔

ملحوظہ: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی: محمد بن ابی حمید جس کا لقب حماد تھا: ضعیف ہے، مگر یہ حدیث حضرت عوف بن مالک کی روایت سے مسلم شریف (حدیث ١٨٥٥) میں ہے۔

[٢٢٦٢-] حدثنا مُحمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا أَبُوْ عَامِرٍ، نَا مُحمدُ بنُ أَبِيْ حُمَيْدٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِ أُمَرَائِكُمْ وَشِرَارِهِمْ؟ خِيَارُهُمْ: الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ، وَيُحِبُّوْنَكُمْ، وَتَدْعُوْنَ لَهُمْ، وَيَدْعُوْنَ لَكُمْ، وَشِرَارُ أُمَرَائِكُمْ: الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ، وَيُبْغِضُوْنَكُمْ، وَتَلْعَنُوْنَهُمْ، وَيَلْعَنُوْنَكُمْ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحمدِ بنِ أَبِيْ حُمَيْدٍ، وَمُحمدٌ يُضَعَّفُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

جن امراء کے کام معروف ومنکر: دونوں طرح کے ہوں:

ان کے ساتھ مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عنقریب تم پر ایسے امراء ہونگے جن کے بعض کاموں کو تم پہچانتے ہوگے اور بعض کاموں کو تم اوپرا سمجھتے ہوگے یعنی ان کے بعض کام اچھے ہونگے اور بعض برے، پس: (۱) جس نے ان پر زبان سے نکیر کی وہ یقیناً عہدہ برآ ہوگیا (۲) اور جس نے دل سے ناپسند کیا وہ یقیناً ان کے گناہ کے وبال سے بچ گیا (۳) البتہ جو ان کے کاموں پر خوش ہوا اور اس نے ان کی پیروی کی (وہ یقیناً ان کے گناہ میں شریک ہوا)...... عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا پس ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ یعنی ہاتھ سے ان پر نکیر نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، جب تک وہ نماز پڑھیں''

تشریح: مسلم شریف (حدیث ۱۸۵۵) میں حضرت عوف بن مالکؓ کی روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم ایسی صورت میں ان سے ترک تعلق نہ کرلیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، جب تک وہ تمہارے اندر نماز قائم کریں، سنو! جس پر کوئی حاکم مقرر کیا گیا، پس اس نے دیکھا کہ وہ کسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اس معصیت کو ناپسند کرے جس کا وہ ارتکاب کرتا ہے، اور ہرگز اپنا ہاتھ اس کی اطاعت سے نہ کھینچے''

اور متفق علیہ روایت میں رسول اللہ ﷺ نے حکومت کے ذمہ داروں سے جھگڑا کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، اور فرمایا: ''مگر یہ کہ تم کھلا کفر دیکھو، جس کی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل ہو'' یعنی دلیل نقلی سے ان کا کفر ثابت ہو (مشکوۃ حدیث ۳۶۶۶)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی ایسا شخص زبردستی حکومت پر غلبہ حاصل کرلے جو شرائط خلافت کا جامع نہ ہو (مثلاً: الیکشن میں اس کی پارٹی جیت جائے) تو اس کی مخالفت میں جلدی نہ کی جائے، کیونکہ اس کو معزول کرنے میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہونگی، اور سخت فتنہ برپا ہوگا، اور یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ نتیجہ کیا ہوگا، ہوسکتا ہے: اس سے بھی بدتر کوئی شخص غالب آجائے، پس ایک موہوم مصلحت کے لئے ایسے امر کا ارتکاب نہ کیا جائے جس کی قباحت یقینی ہے۔

ہاں جب خلیفہ ضروریاتِ دین میں سے کسی ضروری امر کے انکار کی وجہ سے کافر ہوجائے، مثلاً: نماز کی فرضیت کا انکار کردے، یا پانچ نمازوں کی فرضیت کا قائل نہ ہو، تو اس سے جنگ کرنا جائز ہے، بلکہ واجب ہے، اور یہ جواز یا وجوب اس لئے ہے کہ ایسی صورت میں خلیفہ مقرر کرنے کی جو مصلحت ہے یعنی اقامتِ دین: وہ فوت ہوجائے گی، بلکہ وہ پوری قوم کو لے ڈوبے گا، اس لئے اس سے برسرپیکار ہونا راہِ خدا میں جہاد کرنا ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۲۲۸)

[٢٢٦٣-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلّالُ، نَا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، نَا هِشَامُ بنُ حَسَّانٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ ضَبَّةَ بنِ مِحْصَنٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنَّهُ سَيَكُوْنُ عَلَيْكُمْ أَئِمَّةٌ، تَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ، فَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ بَرِئَ، وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ، وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ" فَقِيْلَ: يَارسولَ اللهِ! أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: " لَا، مَاصَلُّوْا" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: یہ حدیث مسلم شریف (حدیث ۱۸۵۴) میں ہے...... تعرفون وتنكرون: أئمة کی صفتیں ہیں اور دونوں کے مفعول محذوف ہیں، أي تعرفون بعض أفعالهم وتنكرون بعضها...... رضي وتابع کی جزاء محذوف ہے أي فهو الذي شاركهم في العصيان۔

جینے میں مزہ کب تک ہے؟

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے امراء تمہارے بہترین لوگ ہوں، اور تمہارے مالدار تمہارے سیر چشم لوگ ہوں اور تمہارے معاملات تمہارے درمیان مشورے سے طے ہوتے ہوں تو زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے تمہارے لئے بہتر ہے یعنی اس وقت تک جینے میں مزہ ہے...... اور جب تمہارے امراء تمہارے بدترین لوگ ہوں، اور تمہارے مالدار تمہارے کنجوس لوگ ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے حوالے ہوں: تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے یعنی پھر زندگی میں کچھ مزہ نہیں، مرجانا بہتر ہے۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، صالح بن بشیر مرّی ابو بشر بصری: ضعیف راوی ہے، اگرچہ وہ نیک زاہد شخص تھا اور یہ حدیث صرف ترمذی میں ہے، دیگر کتب ستہ میں نہیں ہے۔

[٢٢٦٤-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ سَعِيْدٍ الأَشْقَرُ، نَا يُوْنُسُ بنُ مُحمدٍ، وَهَاشِمُ بنُ الْقَاسِمِ، قَالَا: نَاصَالِحُ الْمُرِّيُّ، عَنْ سَعِيْدٍ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا كَانَتْ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ، وأُمُوْرُكُمْ شُوْرَى بَيْنَكُمْ: فَظَهْرُ الأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَإِذَا كَانَتْ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ، وأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ، وَأُمُوْرُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ: فَبَطْنُ الأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا "

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ صَالِحٍ الْمُرِّيِّ، وَصَالِحٌ فِيْ حَدِيْثِهِ غَرَائِبُ، لَايُتَابَعُ عَلَيْهَا، وَهُوَ رَجُلٌ صَالِحٌ.

بابٌ

فتنوں کے زمانہ میں عمل کی اہمیت

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ’’تم یعنی صحابہ ایسے زمانہ میں ہو کہ جو شخص تم میں سے اس دین کا دسواں حصہ چھوڑ دے گا جس کا وہ حکم دیا گیا ہے: تو وہ ہلاک ہوجائے گا...... پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ جو اس دین کے دسویں حصے پر عمل کرے گا جس کا وہ حکم دیا گیا ہے: تو وہ نجات پا جائے گا۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی نعیم بن حماد مروزی ضعیف ہے، ابن عدی نے الکامل میں اس کی ضعیف حدیثوں کا تتبع کیا ہے، یہ حدیث ان میں سے ایک ہے۔ مگر باب میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند احمد (۵:۱۵۵) میں ہے جو اس حدیث کے لئے شاہد ہے۔

[٦٥-] بابٌ

[٢٢٦٥-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بنُ يَعْقُوْبَ الْجُوْزَجَانِيُّ، نَا نُعَيْمُ بنُ حَمَّادٍ، نَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِيْ الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: ’’ إِنَّكُمْ فِيْ زَمَانٍ: مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا أُمِرَ بِهِ هَلَكَ، ثُمَّ يَأْتِيْ زَمَانٌ: مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَا أُمِرَ بِهِ نَجَا.‘‘

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، لاَنَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ نُعَيْمِ بنِ حَمَّادٍ، عَنْ سُفْيَانَ بنِ عُيَيْنَةَ، وَفِي الْبَابِ: عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ.

فتنے مشرق سے سر ابھاریں گے

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ’’یہاں فتنوں کی سرزمین ہے (اور مشرق کی طرف اشارہ فرمایا) جہاں شیطان کا یا فرمایا: سورج کا سینگ نکلتا ہے‘‘

تشریح: یہ حدیث اگرچہ عام ہے، مگر مراد خاص ہے، اس میں مسیلمہ کذاب کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے یا دجال کے فتنہ کی طرف، مسیلمہ: یمامہ کا باشندہ تھا، جو مدینہ سے مشرق میں نجد کے علاقہ میں واقع ہے، اور دجال کا خروج بھی مشرق سے یعنی خراسان سے ہوگا، جیسا کہ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گذر چکا ہے۔

[٢٢٦٦-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ، قَالَ: قَامَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: ’’ هَاهُنَا أَرْضُ الفِتَنِ – وَأَشَارَ إِلَى الْمَشْرِقِ – حَيْثُ يَطْلَعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ أَوْ قَالَ: قَرْنُ الشَّمْسِ‘‘ هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: یہ حدیث متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۷۰۹۲ مسلم شریف حدیث ۲۹۰۵)

مہدی دجال کا پیچھا کہاں سے کہاں تک کریں گے؟

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے، پس ان کو کوئی چیز نہیں پھیرے گی یہاں تک کہ وہ ایلیاء میں گاڑے جائیں گے''

تشریح: اس حدیث میں حضرت مہدی کے لشکر کا تذکرہ ہے، دجال کا خروج خراسان سے ہوگا، حضرت مہدی وہیں سے اس کا پیچھا کریں گے، اوران کا جھنڈا کالا ہوگا یعنی اس کی زمین سفید ہوگی اوراس میں کالی دھاریاں ہونگی اس لئے وہ دور سے کالا نظر آئے گا، نبی ﷺ کا جھنڈا ایسا ہی تھا (تحفۃ الالمعی ۴:۶۰۶) اور ایلیاء یعنی بیت المقدس تک اس کا تعاقب کرتے چلے جائیں گے، کوئی چیز ان کے لئے سد راہ نہیں ہوگی۔ اور مسند احمد (۵:۲۷۷) میں حضرت ثوبان کی روایت ہے: إذا رأيتم الراياتِ السودَ، قد جاء ت من قِبَلِ خراسان: فَائْتُوْهَا، فإن فيها خليفةَ الله المهديَّ: جب تم دیکھو کہ سیاہ جھنڈے خراسان کی طرف سے آرہے ہیں تو تم اس لشکر میں شامل ہو جاؤ، کیونکہ اس میں اللہ کے خلیفہ مہدی ہونگے۔

ملحوظہ: یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں، ترمذی کی روایت میں رشدین بن سعد ہیں جو ضعیف ہیں، اور مسند احمد کی حضرت ثوبان کی روایت میں شریک بن عبداللہ نخعی ہیں، ان کا حافظہ بھی بگڑ گیا تھا اور اس میں غالباً علی بن زید بن جدعان بھی ہے، وہ بھی ضعیف راوی ہے۔ مگر دونوں کا ضعف ہلکا ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کی تحسین کی ہے۔

[۲۲۶۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا رِشْدِيْنُ بنُ سَعْدٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ الزُّهْرِيِّ، عَنْ قَبِيْصَةَ بنِ ذُؤَيْبٍ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " يَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَايَاتٌ سُوْدٌ، فَلَا يَرُدُّهَا شَيْئٌ حَتّٰى تُنْصَبَ بِإِيْلِيَاءَ" هٰذَا حديثٌ غريبٌ حسنٌ.

﴿الحمدللہ! ابواب الفتن کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

الحمدللہ! تحفة الألمعی شرح سنن الترمذی کی جلد پنجم مکمل ہوئی، چھٹی جلد أبواب الرُّؤيا سے شروع ہوگی

اہم تصانیف: حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

① تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی: یہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کے دروسِ ترمذی کا مجموعہ ہے، پانچ جلدیں طبع ہوچکی ہیں، جو ترمذی شریف جلد ثانی کے ابواب الفتن کے ختم تک ہیں، مقدمہ: نایاب اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اور شرح کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مدارکِ اجتہاد بیان کئے گئے ہیں، نیز ترمذی شریف کی عبارت صحیح اعراب کے ساتھ دی گئی ہے اور کتاب کا ہر ہر لفظ حل کیا گیا ہے، شروع میں کتاب العلل کی شرح بھی ہے، جو ایک قیمتی سوغات ہے۔ غرض یہ شرح ہر مدرس کی ضرورت اور حدیث کے ہر طالب علم کی حاجت ہے۔

② رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ —— حضرت الامام المجدد الشاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ عالم اسلام کی ان برگزیدہ علمی شخصیتوں میں سے ہیں جن کی شہرت زمان ومکان کی قیود میں محدود نہیں، وہ اگرچہ ہندوستان میں پیدا ہوئے مگر ان کی شخصیت تمام عالم اسلام کا سرمایہ ہے۔ ان کی کتابیں اور انکے علوم ومعارف اسلامی تاریخ کا انمول خزانہ ہیں۔ حضرت الامام کی بہت سی کتابیں مختلف موضوعات پر ہیں لیکن حکمت شرعیہ اور فلسفۂ اسلام پر ان کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' اپنی نظیر آپ ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ کے متعدد تراجم ہوچکے ہیں اور بعض بازار میں دستیاب بھی ہیں لیکن ان سے کتاب حل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کو جنھوں نے نہایت محنت کے ساتھ اس کتاب کی شرح لکھی۔ شرح سے علماء، طلباء اور پڑھے لکھے لوگ بھی خاطر خواہ فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ یہ شرح پانچ جلدوں میں اور تین ہزار چھ سوصفحات میں مکمل ہوئی ہے۔ ظاہری طور پر وہ تمام محاسن کتاب میں موجود ہیں جو ہونے چاہئیں، کتابت روشن اور واضح ہے، کمپیوٹر کتابت ہے، مگر جلی خط ہونے کی وجہ سے ضعیف نگاہ والے بھی بآسانی مطالعہ کرسکتے ہیں۔ کاغذ نہایت اعلی اور قیمتی ہے، طباعت بھی بہت عمدہ ہے، جلد مضبوط، دلکش اور خوب صورت ہے۔ اور قیمت اتنی کم ہے کہ اس ضخامت کی کتاب بازار میں اس قیمت پر دستیاب نہیں۔

نیز حضرت مفتی صاحب نے ایک احسان امت پر یہ بھی کیا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ پر عربی حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ جو دو جلدوں میں طبع ہوگیا ہے عربی خوان حضرات حاشیہ کی مدد سے کتاب حل کرسکتے ہیں اور درس میں بھی اس کو سامنے رکھا جاسکتا ہے۔

③ کامل برہانِ الٰہی تبیین وتشریح حجۃ اللہ البالغہ: رحمۃ اللہ الواسعہ میں مفتی صاحب نے عنوان قائم کرکے جو حجۃ اللہ کی آسان شرح کی ہے اس کو علحدہ کرلیا ہے اور ہلکی چار جلدوں میں مذکورہ نام سے یہ نئی کتاب تیار کی ہے اس میں حجۃ اللہ البالغہ کی عربی عبارت، ترجمہ، لغات اور تشریحات شامل نہیں۔ اب یہ عام مطالعہ کی ایک بہترین کتاب بن گئی ہے جو لوگ حجۃ اللہ حل نہیں کرنا چاہتے صرف اس کے مضامین پڑھنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ قیمتی سوغات ہے، زبان آسان اور سلیس ہے، ہر قاری بے تکلف اس کا مطالعہ کرسکتا ہے۔

④ ہادیہ شرح کافیہ: کافیہ: علم نحو کا مشہور ومقبول متنِ متین ہے، اس کی عبارت سلیس اور آسان ہے، مگر اس آسان کتاب کو طریقۂ تدریس نے مشکل بنادیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے اس پر ایک کام یہ کیا ہے کہ کافیہ کو مفصل ومرقم کیا ہے۔ اس کے ہر مسئلہ اور ہر قاعدہ کو علحدہ کیا ہے، پھر اس کی نہایت آسان شرح لکھی ہے اور شروع میں کافیہ

پڑھانے کا طریقہ بیان کیا ہے، اور قدیم طرز سے ہٹ کر کافیہ کس طرح طلبہ کے ذہن نشین کی جائے اس کے لئے ''مشقی سوالات'' دیئے گئے ہیں...... پھر دوسری شرح الوافیۃ عربی میں لکھی ہے اور اس پر وہی مفصل ومرقم متن ہے تا کہ طلبہ درس میں اس کو سامنے رکھ کر پڑھ سکیں۔

⑤ آسان نحو (دو حصے) نحو کی ابتدائی عربی کتابوں میں تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔ یہ دو حصے پڑھا کر علم نحو کی کوئی بھی عربی کتاب شروع کرائی جاسکتی ہے۔ زبان آسان اور انداز بیان سلجھا ہوا ہے۔

⑥ آسان صرف (دو حصے) آسان نحو کے انداز پر تدریج کا لحاظ کر کے یہ رسالے مرتب کئے گئے ہیں۔ پہلے حصہ میں گردانیں ہیں قواعد برائے نام ہیں اور دوسرے حصہ میں قواعد مع گردان دیئے گئے ہیں۔ اور ابواب کی صرف صغیر دی گئی ہے۔ بہت آسان اور مفید نصاب ہے۔

⑦ آسان منطق: ترتیب تیسیر المنطق۔ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس میں تیسیر المنطق کی جگہ اب یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ اس میں تیسیر المنطق ہی کو سہل کر کے مرتب کیا گیا ہے، کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔

⑧ تفسیر ہدایت القرآن: یہ مقبول عام وخاص تفسیر ہے۔ پارہ ۳۰ و ۱-۹ حضرت مولانا محمد کاشف الہاشمیؒ کے لکھے ہوئے ہیں اور ۱۰ تا ۱۸ مفتی صاحب نے لکھے ہیں، آگے کام جاری ہے اس تفسیر میں ہر ہر قرآنی کلمہ کے الگ الگ معنی دیئے گئے ہیں اور حاشیہ میں حل لغات اور ضروری ترکیب بھی ہے۔

⑨ الفوز الکبیر (جدید ترجمہ) قدیم ترجمہ میں سُقم تھا، اس کو سنوارا گیا ہے، بغلی عناوین بڑھائے گئے ہیں اور ضروری حاشیہ لکھ کر عمدہ کاغذ پر کتاب طبع کی گئی ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں اب یہی ترجمہ پڑھایا جاتا ہے۔ متوسط استعداد کے طلبہ از خود بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کی آسان اردو شرح الخیر الکثیر مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری نے لکھی ہے، اور عربی شرح العون الکبیر ہے۔

⑩ العون الکبیر: یہ الفوز الکبیر کی عربی شرح ہے، پہلے قدیم تعریب کے مطابق تھی، اب جدید تعریب کے مطابق کر دی گئی ہے۔

⑪ فیض المنعم: مقدمہ مسلم شریف کی اردو شرح ہے۔ اس میں ضروری ترکیب اور حل لغات بھی ہیں، غرض کتاب حل کرنے کے لئے ہر ضروری بات اس کتاب میں موجود ہے اور کوئی غیر ضروری بات نہیں لی گئی۔

⑫ تحفۃ الدرر: یہ نخبۃ الفکر کی بہترین اردو شرح ہے، کتب حدیث پڑھنے والوں خصوصاً مشکوٰۃ شریف پڑھنے والوں کے لئے نہایت قیمتی سوغات ہے۔

⑬ مبادیٔ الفلسفہ: اس میں فلسفہ کی تمام اصطلاحات کی عربی زبان میں مختصر اور عمدہ وضاحت کی گئی ہے دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے۔

⑭ معین الفلسفہ: یہ مبادیٔ الفلسفہ کی بہترین اردو شرح ہے، اور حکمت وفلسفہ کے پیچیدہ مسائل کی عمدہ وضاحت پر مشتمل معلومات افزا کتاب ہے۔

⑮ مفتاح التہذیب: یہ علامہ تفتازانی کی ''تہذیب المنطق'' کی ایسی عمدہ شرح ہے کہ اس سے ''شرح تہذیب'' جو

مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے، خوب حل ہو جاتی ہے۔

⑯ محفوظات: (تین حصے) یہ آیات واحادیث کا مجموعہ ہے، جو طلبہ کے حفظ کرنے کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ بہت سے مدارس ومکاتب میں داخل نصاب ہے۔

⑰ آپ فتوی کیسے دیں؟ یہ علامہ محمد امین بن عابد بن شامی کی شہرۂ آفاق کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' کی نہایت عمدہ شرح ہے۔

⑱ کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟: یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کی کتاب ''توثیق الکلام'' کی نہایت آسان عام فہم شرح ہے۔

⑲ حیات امام ابو داؤد: اس میں امام ابو داؤد سجستانی کی مکمل سوانح، سنن ابی داؤد کا تفصیلی تعارف، اور اس کی تمام شروحات ومتعلقات کا مفصل جائزہ سلیس اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

⑳ مشاہیر محدثین وفقہائے کرام اور تذکرہ راویان کتب حدیث: اس میں خلفاء راشدین، عشرۂ مبشرہ، ازواج مطہرات، بنات طیبات، مدینہ کے فقہائے سبعہ، مجتہدین امت، محدثین کرام، راویات کتب حدیث، شارحین حدیث، فقہائے ملت، مفسرین عظام، متکلمین اسلام اور مشہور شخصیات کا مختصر جامع تذکرہ ہے۔ حدیث کے ہر استاذ اور طالب علم کے پاس اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔

㉑ حیات امام طحاوی: اس میں امام ابو جعفر طحاوی کے مفصل حالات زندگی، ناقدین پر رد، تصانیف کا تذکرہ، نظر طحاوی کی توضیح اور شرح معانی الآثار کا تفصیلی تعارف ہے۔

㉒ اسلام تغیر پذیر دنیا میں: یہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور جامعہ ملیہ دہلی کے سیمناروں میں پڑھے گئے چار قیمتی مقالوں کا مجموعہ ہے۔

㉓ نبوت نے انسانیت کو کیا دیا؟ یہ مقالہ جامعہ ملیہ دہلی کے ایک جلسہ میں پیش کیا گیا تھا، پہلے وہ علحدہ شائع ہوا تھا، اب اس کو اسلام تغیر پذیر دنیا میں شامل کر دیا گیا ہے۔

㉔ ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں: ناخن تراشنے، بغل کے بال اور زیر ناف لینے، مسواک کرنے، کلی اور ناک صاف کرنے، جسم کے جوڑوں کو دھونے، ختنہ کرنے، پانی سے استنجا کرنے، بالوں میں مانگ نکالنے، مونچھیں تراشنے اور ڈاڑھی رکھنے کے متعلق واضح احکامات، مسائل دلائل اور فضائل کا مجموعہ ہے، ڈاڑھی پر ہونے والے اعتراضوں کے جوابات بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

㉕ حرمت مصاہرت: اس میں سسرالی اور دامادی رشتوں کے مفصل احکام، اور ناجائز انتفاع کا مدلل حکم بیان کیا گیا ہے۔

㉖ زُبدۃ الطحاوی: یہ امام طحاوی کی شہرۂ آفاق کتاب ''شرح معانی الآثار'' کی عربی تلخیص ہے، مگر جہاں تک عام طور پر طحاوی شریف پڑھائی جاتی ہے وہاں تک کام ہوا ہے یعنی کتاب الطہارۃ کے ختم تک طبع ہوئی ہے۔

㉗ طرازی شرح سراجی: یہ سراجی کی مکمل شرح ہے اور ذوی الارحام کا حصہ خاص طور پر حل کیا گیا ہے۔

㉘ مفتاح العوامل اور گنجینۂ صرف: حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب قدس سرہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی تصنیفات ہیں، یہ شرح ماۃ عامل اور پنج گنج کی بہترین شروح ہیں، حضرت مفتی صاحب نے ان کی قابل قدر خدمت کی ہے۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کی جملہ تصنیفات

رحمۃ اللہ الواسعہ جلد اول	تحفۃ الالمعی جلد اول	کامل برہانِ الٰہی جلد اول
رحمۃ اللہ الواسعہ جلد دوم	تحفۃ الالمعی جلد دوم	کامل برہانِ الٰہی جلد دوم
رحمۃ اللہ الواسعہ جلد سوم	تحفۃ الالمعی جلد سوم	کامل برہانِ الٰہی جلد سوم
رحمۃ اللہ الواسعہ جلد چہارم	تحفۃ الالمعی جلد چہارم	کامل برہانِ الٰہی جلد چہارم
رحمۃ اللہ الواسعہ جلد پنجم	تحفۃ الالمعی جلد پنجم	مبادئ الاصول (عربی)
حجۃ اللہ البالغہ اول عربی حاشیہ	کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟	معین الاصول شرح مبادی الاصول
حجۃ اللہ البالغہ دوم عربی حاشیہ	ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں	مبادی الفلسفہ (عربی)
ہدایت القرآن مجلد اول	آسان صرف دو حصے	معین الفلسفہ شرح مبادی الفلسفہ
ہدایت القرآن مجلد دوم	الوافیہ شرح الکافیہ	آسان فارسی قواعد حصہ اول
ہدایت القرآن مجلد سوم	ہادیہ شرح کافیہ	آسان فارسی قواعد حصہ، دوم
ہدایت القرآن مجلد چہارم	آسان نحو دو حصے	عصری تعلیم اور اس کے تقاضے
ہدایت القرآن مجلد پنجم	آسان منطق ترتیب تیسر المنطق	حیات امام ابوداؤد رحمہ اللہ
ہدایت القرآن پارہ تیس (٣٠)	شرح علل الترمذی	اسلام تغیر پذیر دنیا میں
فیض المنعم مقدمہ مسلم	دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت	حیات امام طحاوی رحمہ اللہ
مفتاح التہذیب شرح تہذیب	محفوظات حصہ اول	الکلام المفید فی تحریر الأسانید (متداول کتب حدیث کی سندیں) (مولانا روح الامین صاحب)
مفتاح العوامل شرح شرح مأۃ عامل	محفوظات حصہ دوم	
گنجینۂ صرف شرح پنج گنج	محفوظات حصہ سوم	
آپ فتوی کیسے دیں؟ شرح رسم المفتی	تحفۃ الدرر شرح نخبۃ الفکر	تصانیف مفتی محمد امین صاحب پالن پوری
العون الکبیر شرح الفوز الکبیر (عربی)	حرمت مصاہرت	اصلاح معاشرہ
الفوز الکبیر جدید تعریب	طرازی شرح سراجی	آداب اذان واقامت
تذکرہ مشاہیر محدثین کرام	زبدۃ الطحاوی شرح طحاوی (عربی)	الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر (اردو)